

ماہو بیہ دار سوی نالہ ستیم، ورنہ
عشق کا لے بہت کہ بے آہ و فغان نغمہ کنندہ
طیبر (مخلصہ نقول)

واقع

7/20/

دارالادب لکھنؤ کا علمی و ادبی رسالہ

د ۹۱۵۵

مختصر

مفتاح حسین صلی اللہ علیہ وسلم

مرق کے قواعد و ضوابط

- (۱) "مرق" ہرگزیزی نہیں کی ۱۵ پانچ گودار لاد بکھنوں سے شائع ہوگا۔
- (۲) "مرق" کی قیمت عام خریداروں کے لیے پانچ روپہ سالانہ محصول ڈاک مقرر ہے۔ جو بجلی وصول ہونا چاہئے۔
- (۳) "مرق" کا نوذخیرہ نقد وصول ہونے پر واد نہیں ہو سکتا۔
- (۴) "مرق" کی قیمت ڈوسادو دیگر سز اسحاب و اس کے مریوں سے انکی جنت افرطی پر منحصر ہے۔
- (۵) جواب طلب اور کے لئے جوابی کارڈ ایکٹ کا آلازی ہے۔
- (۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔
- (۷) رسالہ پور پختگی اطلاع ہوا کی ۲۰ تاریخ تک جانا چاہئے۔
- (۸) کوئی مضمون یا شائع نہ ہوگا جو غرض اخلاق ہوا کوئی نرل اثر لکھ کے
- (۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و شرح ہونگے جو اپنی قوموں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے ناریت خوشگوار ہوں گے۔
- (۱۰) "مرق" کو موجودہ لٹریس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔
- (۱۱) تنقیدی مضامین بھی آمین شائع ہونگے مگر وہی جن میں غرض ہوگا۔ باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی کی مذہب کے ہونے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
- (۱۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ لگی ہوگی یا اس کے لیے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ ہو پید ہو کر شائع ہوگا۔
- (۱۳) جس نظم و نشر کے مضمون میں زبان خستہ یا فن کی غلطیاں ہوں گی اس وقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم طراح پانے پر خود صاحب مضمون مکرورین۔
- (۱۴) "مرق" کا مسلک صلیکل جو وہ انشاء لکھی دل آزا یا تعصب ثابت نہ ہوگا۔
- (۱۵) "مرق" کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا۔ وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرأت ہوں یا اہل اجار اتفاق و اتحاد پیدا کر کے کوشش کرے گا اور انشاء اللہ ہمیشہ سین ثابت دم رہے گا۔

میر "مرق" لکھو

مرق میں اشتہارات بھیجتے وقت

ذیل کا نرخ نامہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۳۰	۱۵	۱۰	
چھ ماہ کے لئے	۱۵	۷	۵	
تین ماہ کے لئے	۷	۳	۲	
ایک ماہ کے لئے	۳	۱	۱	

ماٹریل پرنٹ کے صفحہ ۲۰ و ۳۰ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے ملو سکتا ہے۔ جرت کا چوٹی آنا ضروری ہے
میچر "مرق" لکھو

مرقع کا موجودہ نظام

مرقع کا پہلا سرا در باب علم و ادب کے سامنے اٹکی قد و ادنیٰ اور بہت افزائی کے بھروسہ پر پیش کیا جا رہا ہے۔ مرقع نے جہدِ جمعی اپنے مقاصد کے لحاظ سے اپنے آپ کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے اور امید ہے کہ وہ اس وقت بھی بہت کچھ کامیاب نظر آئے۔ آئندہ اسکے نمبر بس سے زیادہ جلدیں منبویٰ خویون کے راستہ نظر آئیں گے۔ ان حضرات کے جنکے ملاحظہ میں یہ اپنی خوبی قسمت سے جائے درخواست کرتا ہے کہ اسکے پہلے نمبر کے دیکھنے کے بعد اس میں جو کمی یا خرابی نظر آئے اُس سے اپنے خلوص و محبت سے مجھے مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ وہ کمی یا خرابی کسی نہ کسی طرح پر فرغ کر دی جائے گی۔

مرقع اس وقت ۲۰ x ۳۰ کے ۸ صفحوں پر شائع کیا جا رہا ہے جن میں اسکے ہر صفحہ میں دو کالموں کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحوں کے مضمون کی گنجائش ہے۔

مرقع اپنے مضامین کی خویون کے علاوہ کاغذ لکھائی اور چھپائی کے لحاظ سے بھی بہتر معلوم ہو گا اور اُس کے آئندہ نمبروں میں ہر قسم کا اور بھی اضافہ اور ترقی ہوتی رہے گی۔

مرقع انشاء اللہ ملک تمام شہر و اور مسلم الثبوت اساتذہ فن اور مستند انشا پردازوں کے فیض و برکات سے مستفیض ہوتا رہے گا۔

مرقع کی ضخامت میں خدا کے فضل سے بہت جلد اضافہ کی امید ہے۔ جو رفتہ رفتہ اُسکے خریداروں اور قارئین کے اضافہ کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ اور انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی اور خویون کے ساتھ ضخامت میں بھی کسی سے کم نہ رہے گا بلکہ ترقی پزیر نظر آئے گا۔

مرقع ہر وقت اپنی موجودہ شاہدوں کے لئے اپنے خویون میں اضافہ کرنے، اپنی کمی کو پورا کرنے اور نقص کے مٹانے کی کوشش کرتا رہے گا۔

ب شکریہ

یک منعم و یک نمت و یک منت یک فکر
صد شکر کہ تقدیر جنین را نہ تسلیم را

میں نہایت ادب و ادبی خلوص کے ساتھ ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے میری ناپیدرات ہمارے مرق
کے لئے کسی نہ کسی قسم کی امداد فرما کر میری ہمت افزائی کی۔
اس عنوان کے تحت میں حالی جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ام۔ اے با نقابہ پیر طریٹ لالا ہور کے نام نامی سے
ابتدا کرتا ہوں جنہوں نے اپنا ایک شعر خاص ”مرق“ کے سرورق کے لئے عطا فرمایا۔
جناب ممدوح کا گرامی صحیفہ ذیل میں درج ہے۔

”لاہور۔ ۱۰ نومبر ۱۹۲۵ء

مخدومی۔ تسلیم۔

یہ ایک شعر حاضر ہے۔ معلوم نہیں سرورق کے لئے
موزوں ہو گا یا نہیں۔

نداد عشق سامانے و لیکن تیشہ دارد

شکافد سیدہ کسار و پاک از خون پراویزست

مخلص
محمد اقبال

اسکے بعد شاعرے نازک خلیل و اساتذہ بالکمال اور ان حضرات لکھنو کا جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی، میرے کاموں میں میرا ہاتھ بٹایا
اور خصوصیت کے ساتھ قلمی امداد فرمائی، شکریہ ادا کرتا ہوں۔ صحابہ لکھنو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان حضرات میں سے چند صحابہ کی ایک مختصر فہرست
نہایت شکریہ کے ساتھ پیش کرتا ہوں جنہوں نے اپنے لطف و کرم سے فخر و تشر کے مضامین ”مرق“ کے لئے عطا فرمائے یا ان کے مضامین دوسرے
صحابہ کے ذریعے سے حاصل ہوئے یہ مضامین اپنی ترتیب و انتخاب اور رسالہ کی پائش کے لحاظ سے شائع ہوتے رہیں گے
آؤ اذی حضرت محمد لکھنوی بگرامی مدظلہ۔
ابو اعلیٰ حضرت تاملق لکھنوی
اسلام۔ الملک حضرت ربا صفیہ خدیوادی۔

حضرت تیار فتح پوری ایڈیٹر "نگار"

مولانا عبدالمالک صاحب قادری بدایونی۔

مولوی عبدالمالک صاحب بی۔ اے۔ دریا بادی

مستر تیار احمد صاحب کاظمی (علیگ)

خان ہمدرد محمد بادی صاحب دزیر تعلیم جوبال

مستر تیار حیدر آبادی بی۔ اے (علیگ)

مستر احمد (لندن)

حضرت نظم طباطبائی

جناب فرق بی۔ اے۔ گورکھ پوری۔

جناب اثر کھنوی بی۔ اے۔

جناب روان ایم۔ اے۔ کھل

سید عابد علی صاحب بی۔ اے۔

حضرت اثر صہبائی

پروفیسر حیدری صاحب

پروفیسر محمد صادق صاحب ایم۔ اے۔ علیگ۔

جناب آبادی مچلی شہری۔

جناب محمود الہ آبادی

پندت جگموہن ناتھ صاحب نیر شوق

منشی ممتاز علی صاحب آہ۔

جناب شہیر مچلی شہری۔

جناب بخود دہلوی

سید علی ضامن صاحب یدی بی۔ اے۔

مدرسہ صاحب ایڈیٹر "مشرق" گورکھ پور

الہ آبادی وحید الدین احمد صاحب۔

شاہدیر صاحب ہاشمی نازی پوری

جناب تیار فتح پوری ایڈیٹر "نگار"

جناب نظیر شاہ صاحب اربانی

مولوی نظیر حسین صاحب رضوی ایم۔ اے (علیگ)

حضرت فتاحی گورکھ پوری۔

ڈاکٹر سید امین ہاشمی نازی پوری۔ ایم۔ اے (علیگ)

حاجی محمد صادق صاحب ایوبی

جناب جگر بوانی

جناب ذوقی کھنوی (علیگ)

محمد احمد صاحب رئیس بابو پور۔

مستر علی مقصود علیگ۔

جناب عزیز بگلرامی۔

جناب ہوش بگلرامی۔

سید وحی صاحب شوق بگلرامی (کوئٹہ)

مولانا سید عباس علی سبزواری (علیگ)

سرور اکبر آبادی

مولوی محمد ابراہیم صاحب گورکھ پوری۔

منشی محمد داؤد خان صاحب مراد آبادی۔

مولوی عبدالحی صاحب صدیقی بی۔ اے۔ علیگ

جناب ماسٹر باسط بوانی۔

جناب جگر مراد آبادی۔

جناب نسیم خیر آبادی

قریبان نجم صاحبہ۔

بلقیس جمال صاحبہ۔

رابعہ خاتون صاحبہ۔ سیمود غفرال صاحبہ

مرتب

عالی جناب مولانا مولوی حاجی سید محمد سبحان اللہ صاحب قلم عظیم رئیس اعظم گورکھ پور
عالی جناب ابغلام حسین صاحب قلم عظیم رئیس اعظم گورکھ پور
عالی جناب لانا مولوی سید محمد مقصود علی صاحب قلم عظیم رئیس اعظم گورکھ پور

معاونین مرتب

جناب سید شاہ ذراہٹ علی صاحب سبز پوش رئیس اعظم گورکھ پور
جناب سید شاہ شاہ علی صاحب قافی سبز پوش رئیس اعظم گورکھ پور
جناب سید دھرمی الحسن صاحب بگرامی ڈپٹی کلکٹر
جناب مرزا جعفر علی خان صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر
جناب مولوی محمد آفاق صاحب لکھ فاق سید لکھ پنی گورکھ پور
جناب روآن ایم۔ اے۔ وکیل
جناب سید محمد مختار صاحب ڈپٹی کلکٹر
حضرت فسح آناؤ
جناب سید اشرف علی صاحب ڈپٹی کلکٹر
جناب مولوی بدر الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر
جناب خان بہادر فتح علی خلیل الدین صاحب لیوان ریاست بجاور۔
جناب لے بہادر یادو بھندن پرشاد صاحب رئیس قاضی سڈ ڈپٹی کلکٹر گورکھ پور
جناب سید خورشید حسن صاحب سبج ہر دوی۔
جناب لے ادیار شاد صاحب قاضی سڈ ڈپٹی کلکٹر گورکھ پور
جناب مولوی عبد اللہ صاحب قاضی سڈ ڈپٹی کلکٹر گورکھ پور
جناب نکاس حبیب احمد صاحب بیرٹریٹ لاسکرٹری ریاست بھوپال
جناب سید نیاز احمد صاحب پرنٹنگ پولیس بھوپال
جناب یاجو عبدالقادر صاحب پرنٹنگ پولیس بھوپال

جناب حاجی محمد مصطفیٰ خان صاحب مصطفیٰ مالک رفاہ عظمیٰ علی گورکھ پور
جناب چودہری شفیق الزمان صاحب تعلقات رگڑھی ہسپتال۔
جناب مولوی مظہر علی صاحب رگڑھی چنانچی نیر حسین صاحب رگڑھی
جناب بانو زید الدین صاحب فاروقی۔ اوجین۔
جناب شیخ علی حامد صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی۔ نصف۔
جناب سید محمود الحق صاحب حق بی لے وکیل ہر دوی۔
جناب فانی احمد ایاس صاحب بی لے وکیل ہر دوی۔
جناب مولوی سلطان احمد صاحب بگرامی بیرٹریٹ لاہر دوی۔
جناب مولوی ابراہیم صاحب بی لے وکیل ہر دوی۔
جناب ڈاکٹر نری محمد خان صاحب قاضی سڈ ڈپٹی کلکٹر ہر دوی۔
جناب محمد رضی الحسن صاحب رضی اورنگ آباد۔
جناب ابو العلا حضرت تاملق کھنوی جناب عرف کھنوی
جناب دیب کھنوی۔ جناب حسن ماہروی۔
جناب شکر سندھوی۔ جناب صدق جاسمی۔
جناب عارف نصرم کشنوی کھنوی۔
جناب ششی اقبال علی صاحب تحصیلدار کھنوی۔
جناب سید فضل علی صاحب بیرٹریٹ لاٹین۔
جناب جوش بگرامی۔ جناب شوق بگرامی۔ جناب شوقی بگرامی

جنوری ۱۹۶۶ء

سیال نور (نظم) جناب اسطیووانی ۲

۳
۵

تقاضے وصل

فکارِ فلکِ پیما (قطعہ)
علامہ سراجِ اقبال مع عکس
تحریر جناب ممدوح، صفحہ چھ

(سلسلہ اخیر مقدمہ مرقعہ قطعہ
جناب عزیز لکھنوی
عکس تحریر جناب مرقعہ)

فارسى زبان اور سکا علم اور
جرات صہبائی قطب

مولانا عبدالحکیم صاحب لکھنؤی
جناب اثر صہبائی

مثنوی معنوی کا ایک نسخہ
 ایک تصویر کو دیکھ کر (نظم)

مولانا عبدالمجید نے لکھا ہے کہ یہ مثنوی ۱۶
 جناب عابدی نے (۱۸۷۱ء)

حضرت و برودت

نہار وستان

جناب نیاز فتح پوری اذہر کما ۲۲

عظمت (تغزل) جناب نواب علی حیدر خاں صاحب ۲۵
جناب نواب غلام حسین صاحب

گیتان جلی کی تشریح و تنقید

شربِ ملک (تقریبات) حضرت حمید گامی لکھنؤی ۳۱
حضرت ریاض شرب آبادی

سوں کی چڑیان

سبوں کی چڑیاں

سؤال نو

ساتھ آج پلانے کے لگام مجھے (۱۱) باؤہ کہنے سے دے بھر کے نینا جی مجھے
 صدقہ زندہ کا بنا خوشی میں خوشی میں
 پرنسپل پر یاد سے سرود رضا اور اساتذہ
 سال تو تھکا مگر مبارک ہو دل آدراساتی

یہ گانگ پیوں۔ بادہ گھگھام پیوں (۱۲) دھرم بڑھکتے سر سحر و شام پیوں
کے لئے آج میں عین اہل کام پیوں دستا نازک سے ترے جام میں جام پیوں
ست و سرشار و بزم عمر خوش قدموں میں ہوں
یہ تنہا کروں کہ میں زندہ خاک و کس پیوں

سال نو آیا ہے گوارا کا ہے رنگ نیا (۳) غے کے روبرو دو دہارا کا ہے رنگ نیا
 گل کا عالم ہے جبراً خارا کا ہے رنگ نیا دیکھ لے نرس بیار کا ہے رنگ نیا
 آج ساعتِ خوشی عروسیا دوزیا
 بہر عالم کی ہر اک چیز کا ہے طور نیا

کلامی سے کوئی ختم و شادان ہوگا
صوتِ گل جو خوشی ہو کوئی خلتان ہوگا
تنگ حبشہ کی مچھل کا دکھا ہر کسا کوئی
جامِ مرہمِ دردِ دل کے لے گا کوئی

دل کے ہاتھوں کی ہر سال مٹی لداؤ گی، جو جنت میں کی چاک گریبان ہوگا
کوئی ناکام جہان چاک بربان ہوگا
فرخ عے کوئی آئینہ حیران ہوگا
ہوگا تصویرِ غم کا سہارا کوئی
شکلِ دھن ترازو کے کا کوئی

تنگ بڑے گا بہر سوز زانہ آب بھی (۱) دھوکا ہوگا زانوں یہ فسانہ آب بھی
ہاں اہل ڈونڈ بھانگی ہاں آب بھی نادید غم کا کھر ہوگا فسانہ آب بھی
دیکھ کر اہل جہان وقعت تیر ہو گئے
خشبِ امید زمینِ آید سے تیر ہو گئے

فعل باسط ہو کر اس کے طلبگار بنیں
نام ہو سارے زمانے کا خریدار و بی

بَاسْطِ بَسْوَافِی

نام ہوسارے زمانے کا خریداروں میں

﴿جنوری ۱۹۶۲ء﴾



جلد ۱

﴿مُق اور اُس کے مقاصد﴾

روشنی عہد شباب بہت دگرستان را
میرسد مردہ گل بل خوش الحان را

ہندوستان میں اسے جرأت اور رسالے شائع ہو رہے ہیں کہ انکا شمار کرنا بھی دشوار ہے۔ ادب و انشا کے اس محشر میں ایک نئے رسالے مق کے ظہور بظاہر ایک غیر ضروری تحریک ہے جس سے بچہ پریشانی بھاگے اور کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ مختلف رسالوں کے نکلنے اور بند ہونے سے ہندوستان میں نئے رسالوں کا جاری ہونا اس قدر بدنام ہو گیا کہ کسی نے رسالے کا نام سننے ہی لوگوں کو وحشت ہونے لگتی ہے۔ ادبی دنیا والوں کو اب گوارا نہیں ہے کہ کسی نے حریف کی صحبت کے لئے دلچسپی سے کھڑے ہوں اور اس سے مصافحہ کرنے کے لئے دست شوق ہٹیں انکی کثرت اور دیگر کر وریوں کے علاوہ اس کے طویل اغراض و مقاصد نے بھی ادب حاضرہ کا معیار اس قدر پست کر دیا ہے کہ کسی نے رسالے کی نشر و اشاعت میں عام طور پر کوئی دلچسپی نہیں پائی جاتی۔ انکی کثرت جرأت کے حیا اور مکی ناکام زندگی کے ویر پائرات نے عوام کو بقدر برگشتہ خاطر کر دیا ہے کہ کسی جدید پوشش کو نظر پر جان سے نہیں دیکھا جاتا۔

ملک کی اس حوصلہ شکن حالت کے احساس کے بعد بھی مق کے کا اجرا

کافی دھچک ہے اور اس بچپن کے ساتھ اس کے مخصوص مقاصد کی آمیزش نے اس میں ملک و ادب کے مفاد کا پہلو پیدا کر دیا ہے۔ کثیر المذاہب و ممالک کے مشترک اغراض کی کسی نہایت عمیق و علمی ادبی، اخلاقی، روحانی، تاریخی اور سائنسیک خدمات پیش کرتی ہے لیکن مرقع کا نصب العین تہذیب اور توحید کا محتاج ہے۔

کسی ادبی رسالے کا مقصد اگر محض زبان کی خدمت اور صرف نظم و شعر کے بہترین نمونوں کی شائع ہے تو وہ صحافتِ حاضرہ میں کسی اہم مرتبہ کا متقاضی نہیں بلکہ جاسکتا۔ اس کے جذبہ تک و دوسرے رسالوں کے مقابلہ میں اسے اپنے کسی خاص نصب العین کی بنا پر کوئی امتیازی درجہ حاصل نہ ہو۔ اسکی ذات ہے کوئی غیر معمولی امید و اہمیت نہیں کی جاسکتی۔

مرقع ایک انوکھے مقصد اور نرالی شان سے میدانِ صحافت میں قدم رکھنے کی جرات کرتا ہے۔ وہ اصلاحِ زبان کا علمبردار ہے اور قلم و بدیع انداز کی باہمی کشاکش کو نہایت نامس کا بہترین مقصد ہے۔

آجکل اردو ادبِ قدیم و جدید خیالات کا بھرپور نشانہ بنا ہوا ہے اس وقت ملک میں آویسوں کے دو اسکول ہیں جن کے مطالعہ و نظریہ میں نمایاں اور میں فرق نظر آتا ہے۔ ایک تو وہ اسکول ہے جو لکیر کے تغیر کا مصلحت مذاق کہنے کا گرویدہ اور اپنے جذبات کے اظہار میں قدیم و جدید کی آمیزش میں جھکاؤ رکھتا ہے۔ اپنے اسلاف کی غیر کردہ شاہراہ پر آگے بڑھنے کے لئے گامزن رہنا انکا ایمان ہے۔ بھلا ان کے دوسرا اسکول جدت طرازی پر اس قدر تڑپا ہوا ہے کہ اس قدر قدیم کا سراپا لئے ایک نظر نہیں رہتا۔ وہ نئی روشیں نکالتا اور ایک باطل جدید عمارت کی انوکھے اسلوب سے داغ بیل ڈالتا اپنا فرض اولین تصور کرتا ہے گویا

مغربی خیالات و طرزِ بیان کا اثر آخر الذکر اسکول پر اس قدر تسلط چلائے ہوئے ہے کہ وہ جاوہِ قدیم پر قدم اٹھانا اپنی چمک قرار دیتا ہے۔ مذکورہ بالا اسکولوں کے محاسن و معائب پر بحث کرنا اہل مغرب تنقیدی نظر سے جانچنا ایمان پر مقصد نہیں ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ کس کو کس پر ترجیح ہے اس وقت صرف اہل ملک کے مختلف النوع ادبی رجحانات کا خاکہ پیش کرنے کے بعد ان اجزائے ترکیبی کا بیان مقصود ہے جن کے باہمی ارتباط سے مرقع کی بنیاد قائم کرنا ہے۔

مرقع کی پالیسی کا لب لباب اعتدال پسندی اور تعصب کشی ہے۔ وہ قدیم شاہراہ سے بلاوجہ گریز کرنا پسند کرے گا اور جدید سے خواہ مخواہ پرہیز کرے گا۔ اس کا مسلک و دونوں اجزاء کی اصل ترکیب سے ایک ایسے راستے کی بنیاد ڈالتا ہے جس پر اہل ملک کے دونوں اسکول ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے کچھتی و خلوص و اتحاد کے ساتھ اپنی اپنی منزل طے کریں۔ قلم کا سراپہ بھی قابلِ وقعت ہے اور وہ جوہرِ جدت طرازیوں کی کوشش بھی قابلِ تائید ہے۔ اول الذکر میں سے صرف اس قدر حصہ ہماری عمارت کا جز و قرار دیا جاسکتا ہے جو اس کی نشو و نما میں مددگار نہ پیدا کرے اور آخر الذکر میں سے محض اسی جز و کو کام میں لاسکتے ہیں جس سے تخریبِ زبان کا خطرہ نہ ہو۔ دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں ہماری ادبیات نہایت ہے۔ مرقع کا نصب العین رہے گا کہ اصلاحِ زبان کے ساتھ ساتھ غیر زبان کے جو اہر و زون کو چھن کر اپنی ادبیات کو املا ل کرے اور قدیم شاہراہ کے کنارے جدید مذاق کے خیابان کی داغ بیل ڈالے تاکہ راہِ وسعت و تنگنگی کی سانس لیتا ہوا اپنا راستہ طے کرنا جائے۔

منق کا خیر مقدم

ہمارے خاص ہمدرد بہر خاص غایت کرنے والے مرقع کے اجراء و اشاعت کے حامی، اسکے دل سے قدردان اور ہماری ہمت بڑانے والے چند اصحاب نے مرقعہ بالا عنوان پر اپنے خلوص، اپنی محبت، اپنی قدردانی اور اپنی ہمدردی کا اظہار نظم کے پیرے میں فرمایا ہے، ہم انکی اس نوازش خاص کے منت پر ہیں۔

منجملہ لکے تین فارسی قطعات، ایک لسان القوم جناب مولانا صفی لکھنوی، دوسرا جناب شیخ و موہانی تیسرا، لسان الہند حضرت غفر لکھنوی کا اور ایک اردو کی نظم جناب جگر موہانی کی طرح مرقع کرتے ہیں۔

نوٹ: جناب غفر لکھنوی کی خاص تحریر میں، جو کہ عکس منظر، اور علامہ اقبال کی تحریر کے عکس منظر کا فرق ہے، وہاں بالکل

لسان القوم جناب مولانا صفی لکھنوی

مہر کشتہ لب راوق سخن باشد	جوش جلوہ فروشنے نظر درخ مدار	مہر کشتہ لب راوق سخن باشد	جوش جلوہ فروشنے نظر درخ مدار	مہر کشتہ لب راوق سخن باشد	جوش جلوہ فروشنے نظر درخ مدار
دین زمانہ کہ خط ہنر در ان بینی	تو ہم زبانش گمانے تیر درخ مدار	دین زمانہ کہ خط ہنر در ان بینی	تو ہم زبانش گمانے تیر درخ مدار	دین زمانہ کہ خط ہنر در ان بینی	تو ہم زبانش گمانے تیر درخ مدار
دعا ہے سخن کن در حق سخن بجان	بچشم کہ زکحل لبصہ درخ مدار	دعا ہے سخن کن در حق سخن بجان	بچشم کہ زکحل لبصہ درخ مدار	دعا ہے سخن کن در حق سخن بجان	بچشم کہ زکحل لبصہ درخ مدار
اگر فیض رسانی بخت طینت خویش	الازیر نش محل و گہ درخ مدار	اگر فیض رسانی بخت طینت خویش	الازیر نش محل و گہ درخ مدار	اگر فیض رسانی بخت طینت خویش	الازیر نش محل و گہ درخ مدار
ترا کہ گفت نداری درخ از دہے	بہر مکتہ دران زین خبر درخ مدار	ترا کہ گفت نداری درخ از دہے	بہر مکتہ دران زین خبر درخ مدار	ترا کہ گفت نداری درخ از دہے	بہر مکتہ دران زین خبر درخ مدار
عارف چو مرقع کے رس درخو	ز دوستی خود شایستہ درخ مدار	عارف چو مرقع کے رس درخو	ز دوستی خود شایستہ درخ مدار	عارف چو مرقع کے رس درخو	ز دوستی خود شایستہ درخ مدار
صفی معنی تہ کر دم دین حاکم	بہر مکتہ دران زین خبر درخ مدار	صفی معنی تہ کر دم دین حاکم	بہر مکتہ دران زین خبر درخ مدار	صفی معنی تہ کر دم دین حاکم	بہر مکتہ دران زین خبر درخ مدار

پیام وصل اوامی کنی ازلب حانقظ
کہ در بہائے سخن سیم و زور درخ مدار

جناب خود و خود تونی

گزارے دہل، بجز زلن ترانی	ان کی پیش لاول ہمدرد چنانکہ دانی	گزارے دہل، بجز زلن ترانی	ان کی پیش لاول ہمدرد چنانکہ دانی
دعای بانی، کہ مرقع جانی	تو بابت ناشانی، تو با انقلاب جانی	دعای بانی، کہ مرقع جانی	تو بابت ناشانی، تو با انقلاب جانی
تو ہی بوی منزل، تو بہر غیبانی	چو شوی جس تکل، تو در معرفت جانی	تو ہی بوی منزل، تو بہر غیبانی	چو شوی جس تکل، تو در معرفت جانی
زودین نظر توانی، ز ہوا اثر فانی	چو حسن طبع غانی، چو حسن عیشانی	زودین نظر توانی، ز ہوا اثر فانی	چو حسن طبع غانی، چو حسن عیشانی
چو لادج در کشانی، تو فراز لاکانی	بہر چو پر کشانی، بچمانی نظر کشانی	چو لادج در کشانی، تو فراز لاکانی	بہر چو پر کشانی، بچمانی نظر کشانی

جزوی مصلحت

زنیانے نیازی، سزاوار تمام نازی	ہر نشہ استی، ہر مستی جوانی	تو بہت جہنم، بکندہ سزا مندہ	کے گوش تو غولندہ، زمرہ شہ اسمانی
زفراق چون زنی دم چو سزاوار حال	زندہ چشم بہم شہباز زندگانی	چون نظارہ موشانے چو غرور دایانے	کے گشت بہ جانے، ز صداے کن جانی
زوصال کن تکلم، کہ خلق اور ترنم	نزدک بہم چو ہزار جاودانی	زنیان باز گئی، تو زانما ز گوی	سزاوار نیاز گئی، کہ غول دستانی

تو بخود استیلا، جسے دسے حصارا

ز غفلت پیدا، کہ تو از دانش نرانی

جناب حکیم جگر صیدی مسوانی

کچھ آفاقی یاد ہو لاہور اقرار ہے	یاد بھی شرمندہ ہو ہم سے نگاہ یادگی	یہ کرتے دیکھتا ہوں آج بے تاثیر کے	بل تری چوں کہ ہیں بیل مری تھیر کے
یاد اپنے ظلم اپنے دل کا لینا آگیا	شرم سے ظالم کے اسے پر سینا آگیا	جان دل قربان سب تری یاد پر کر گئے	مر گئے او قاتل عالم، ہزاروں مر گئے
مجھ سے کوئی چھپتا ہو زینتِ سخن چلی تری	اروڑ کی مجھے ظالم پیشیا تری تری	نعمدی دیدار کی ہو حسین بے تاثیر ہے	تو نہیں، ہوسانے، ظالم تری تھیر کے
جو پچھائی نہ موت دلوں پر گیسے ہوئے	شکلا ہو کر جانب سے منہ پیرے ہوئے	حسن کی تاثیر ہے تصویر جسے کر دیا	واہ کیا تصویر ہو تصویر جسے کر دیا
پھر محکم شوخی کی دیکھیں آگے میں نے	پھر نہ بچا ہے ہم سے آنکھ شرمائی ہوئی	دیکھ کر حسن دل دلاہن زرخش میں ہم	اس مرقع کو بیکر دینا، کہ میں بایں ہم
دل شامتا ہو چھپر و لکی حالت دیکھ لے	آنکھ ہٹا کر دیکھ لے، او بے مروت دیکھ لے	داہن نظارہ کو بھر نامبارک ہو چکے	اسے مرقع دل میں گھر کر نامبارک ہو چکے
خون لاکھوں کے ہوئے، قاتل دابر ناز پر	منے واسے شگ کے ظالم اسے انداز پر	آنکھ میں تکی ہو تو بستی میں اگر نہ ہو	اسے مرقع جلوہ کا وہ ظلم کا طور ہو
	خیر مقدم کا تھے شور مہار کیا ہو	تو بے دین جگر کے ہر کمال آباد ہو	

تقاضاے وصل

وہ ہی اس کا لفظ زبان پر لاسکتے ہیں یہ انہیں کا حصہ ہو جنہوں نے ادبیت کی حرمت
 آڑ کے سب سے چھوڑ دیے اور اپنے کو کسی اور کے حصہ میں دیدیا اور یوں پھر اپنا حصہ
 اپنا نصیب حاصل یعنی کو نالیا اچھ کر دی اس کے پانیوں ہیں اور انہیں یہ تقاضا
 وصل حقیقی یا حقیقی کو دعا وصل دلائی ہو سکتا ہو۔ یہاں عنوان تو فقط ایک کی صورت
 اور نہ کہ کم و بیش کے، صراحتاً خلاصی ہو نہ تھا تقاضا وصل نہ شاعر اور وصل نہ مخاطب
 بلکہ حقیقی وصل بلکہ اچھی چھن کا تقاضا ہو کہ نہ رالہ یہ مرقع کیسے کوئی ادبی صنم
 جگر گردن، داغ و قندھارے ٹکرات، دل پر شانِ خلیج زندہ طبیعت منہ دوسرہ
 راہ کا سفر مسلسل تقریر کا دوسرہ طرہ حلال و تجویز ہے، یہ سمجھ کر ہی پیر
 حضور کی نیل شاکر کہ کر اور طرح ہو، شک تقاضا ہو کہ جو کچھ ہو، انداز اس تقاضا
 سے مجبور ہو کر زندہ کے وہ دیکھتا ہوں کہ ہر نصبت ہوتا ہوں کہ، بار باری صحبت باقی،
 فقیر عبداللہ جلالہا دارالہدایہ

وہ وصل نہیں جو جگر کا مقابل اور عشاق کی حسرتوں کا روح دل ہو
 وہ بھی نہیں جو شرابی رنگینی طبع و جوش بیان و لطف اور دطرز گفتار کا
 ایک خوشنا گلدستہ ہے، اور خیالی و مجازی ذوق شوق الے، واسے،
 بیچ جذبات، او حرک و حیات اعلان یا داز سرستہ ہو۔ ہاں وہ بھی نہیں
 مصلح صوفی یا تعلم اہل عرفان اور حدیث کا لازماً دانیت امر کا بغیر لازمہ
 واضح ضروری ہو کہ اگر ایسی جان کا احساس ادراک اور امن کم کم دائم کا معیار
 اسے لفظ ظلم کر کے اذیم و غفل کی بھی اجازت نہیں بخشا دیت کی بھول بھلیان کا
 مرکزہ جہان اور مکان و محدث کی دلالت کا آغوشہ دانا تو ان یہ جرات بھی
 نہیں کر سکتا کہ اپنی تپتی سے اچھا خواب بھی دیکھ سکے وصل وصال حقیقی تو کچھ
 قلم ہو کر لکھا ہو یہ تو بیکے نصیب میں ہو دہی پتے ہیں اور عاقل کا قیام ہیں

سَنَ الہند حضرت عزیز لکھنوی کی تحریر کا عکس

مرق

خوش آمد صرف آورد

گر بندر بسوی است خوشخو مر
از صبح گاہ بلبل لعل سلاخی
نوش چسبید زین آردستہ گل تر
یعنی مرق حسن از دلا بلبل مر
گلہ نشہ بہار سربانہ تار
بلبل بشاخار جات پت جابر
از مجمع محاسن از جوہر ساد
از نقطہ نقطہ جوشد صد کوثر منش
من اہل افتخار حسابہ ڈرام
مجموعہ قشنگ با صد ہزار رنگ
از حرف حرف خیزد تاثیر خوش کلام
بافتم شوخ و شنگ چمن غنم نظار
ہر صفحہ اش سن بوہر دلا چو ابرو
ماہ سپہ اردو نقش لبیک نام

دلا سر رفاقت ہیچون عزیز مختصر
باہر امام فرن کو ہمبر بہ لہا

فارسی زبان اور اس کا علم ادب

خاص رقع کے لیے

بادشہ واصل حکیم انصاری ہونے اور دیگر ضروری علی شغل کے منع کی قلبی اعانت کی طرف خاص طور سے توجہ فرمائی اور میضون جو اپنی نوعیت میں نہایت ضروری اور بالکل جدید خاص رقع کے لیے تحریر فرما کر ہم کو مژون کرم بنایا۔

اس قسم کی باتیں جبرست شفرق نایغون میں بھی موجود ہیں علامہ علی مرحوم نے شعرا میں بھی جابجا اس پر روشنی ڈالی ہے ہم اس کا ماحذیمان پر درج کرتے ہیں۔

شعرا عجم جلد اول میں انھوں نے مذکورہ مجمع النصوص کی عبارت نقل کی ہے جو ناصر الدین قاجار مغفور کے عہد میں ۱۲۸۷ھ میں تصنیف ہوا ہے اور زمانہ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے اس کی عبارت یہ ہے:-

”ظاہر است کہ اشعار قدیم شرع عجم بسبب غلبہ عرب از میان رفتہ چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب تواریخ عجیان رابعہ عقود از کتب قدیم خبر ہے بر جانگو آشتند الاقلیہ کہ نہمان آشتند چون مردم واقفین بلیغ نو ذند قاعدہ سخن فارسی و شعر و ترک شد تا مدائے گزشت واد ضارع نوع دیگر گشت“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ جو ہیں تک شاعری کی زبان کیونکہ ہندو ہی اور فارسی زبان قید سے باہر نکلنے لگائی۔

مذکورہ دولت شاہ سے یہ خیال انور کیا گیا ہے وہ لکھتا ہے کہ

”عبداللہ بن ظاہر نے حکم دیا تھا کہ یہ اس کی تمام کتابچیں بر باد کری جائیں اس ناپائیدار زمانہ کے زمانے تک فارسی شاعری نے ظہور نہیں کیا،

ذیل میں جو مضمون درج کیا جاتا ہے وہ ہمارے مخدم و محترم بیک عالیجناب مولانا مولوی محمد علی صاحب شریز لکھنؤی مظاہر کے زہد قلم اور ترقی خاص کا نتیجہ ہے۔ اور اپنے عنوان ”فارسی زبان اور اس کا علم ادب“ کے محاط سے بالکل نیا۔ اچھوتا۔ موزانہ اور محتفانہ مضمون ہے۔

مولانا کے کمالات سے کون ایسا ہے جو دافہ نہیں۔ تاریخ مانی اور اس فن کی تحقیق میں جو درجہ آپ کو حاصل ہے وہ متعجب بیان نہیں۔ اردو لٹریچر میں جو آپ نے روح پھونکی ہے وہ آپ کا خاص حصہ ہے۔

اس مضمون میں بھی آپ نے فارسی زبان کے علم ادب کے متعلق تاریخی حقیقت سے بہت کچھ انکشاف کیا ہے جس سے آرمہت سی نئی اور ضروری باتیں ہمارے علم میں آگئیں جو باوجود تاریخوں میں موجود ہونے کے اس ضروری عنوان کے تحت میں مستقل طور سے بالائینہ عاب ایک جگہ پر شکل میں لیں گی۔

یہ مضمون بھی اور وضاحت کا محتاج ہے۔ اور دراصل اگر میضون تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک نہایت ضروری تاریخی مسئلہ حل ہو کر دنیا سے تازہ کے سامنے آجائے۔

ہمیں امید ہے کہ مولانا سے مدد و فرید تکلیف گزارا فرما کر اس مضمون کو جہاں تک ہو سکے گا واضح اور مفصل بنادیں گے۔

ہم مولانا سے موصوت کے تہ دل سے شکوہ گزار رہے ہیں کہ

چونکہ ایرانی کی قدیم کتابیں ربا کر دی گئیں اس لئے اہل علم فارسی شعر بھی ذکر کے اسلام نے مکی زبان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ حضرت شعر کے حمد سے حجاج بن یوسف کے زمانے تک تمام فارسی زبان میں تھے۔ حجاج کے زمانے سے عربی میں ہو گئے لیکن ملک کی پہلی زبان وہی رہی رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہو کر اردو کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہو گئی اسدہ گویا خاص اسلامی زبان تھی۔

دیکھ کے زمانے سے جب شاہ نہ در دور بار قائم ہوا تو لواری سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا لیکن تخت کی زبان عربی میں تھی اس لئے شاعری بھی عربی ہی رہی۔ اپنے سے سارے سے کہ مامون الرشید ایک مدت تک خراسان میں رہا تھا اور غالباً فارسی سے حزن آشنا ہو گیا تھا عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی میں کہا اور مامون الرشید نے اس کے صلے میں ہزار دینار سالاد مقرر کر دیئے۔

ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ پہلا عربی شاعر کا یہ پہلا حزن بھی تھا۔

اس سے پہلے اگر پہلے نام کچھ بتا چلا ہے تو اب غرض حکیم سندی کا شعر ہے جو پہلی صدی ہجری میں موعود چھا شعر یہ ہو آہوے کو ہی بدورت چگونہ دودا دندانوار سے بار چگونہ بودا خاندان سامانیہ کے پہلے جو کچھ ہوا وہ شاعری کی اسجہ تھی لیکن خاندان سامانیہ نے دقت اس زمین کو آسان بنا دیا۔

دود کی جو فارسی شاعری کا اہل آلا بار بچھا جاتا ہے اسی دربار کا دست پرور تھا شاف نامہ کا عنصر بھی اسی عہد میں تیار ہوا سلسلہ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہر یہ اور صفاریہ تھے۔ طاہر یہ عربی نسل خاندان تھا۔ اس لئے فارسی

شاعری کو اس کے زمانے میں عروج نہیں ہو سکتا تھا۔ سامانی خاندان دیکھتے تھے کہ اہل علم اپنے لہجہ اور مکی خصوصاً سے باطل الگ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی شاعرانہ توقعیں باطل ایک غیر زبان (عربی) پر صحت ہو رہی ہیں خراسان و بخارا میں سکڑاؤں ہزاروں شعرا موعود ہیں جو سلاطین کے درباروں اور بخلد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہیں عربی میں لکھتے ہیں۔

ان مابا سے اس خاندان نے اپنی قوی وطنی زبان کی ترقی پر شہادت توہر کی شعر کی پیش واز توڑا میں معرکین خاص میں معنائیں پر اضا لکھنے لگے جیلا مدہ معرک سے اولاً فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی لیکن جب عبداللہ بن الرشید نے اس ترجمہ کو عربی میں نقل کیا تو فارسی شعر باطل گناہ ہو گیا۔

نصری احمد سامانی نے رودکی کو حکم دیا کہ اس کو فارسی میں نظم کہے علم کی تاریخ اس تک نامرتب اور پڑیاں تھی اس لئے واقعی کو اس کام پر مامور کیا چنانچہ اس نے ہزار شعر لکھے یہ شاف نامہ کا پہلا سنگ بنیاد تھا اس کے صلیب رودکی کو ۴۰ ہزار دینار دیئے۔

عنصری ایک قصیدے میں کہتا ہے۔
چہل ہزار دینار دود کی زہر ترش عطا کرت ہنظم کیلا و کثور
واقعی کے زمانے تک فارسی زبان میں عربی الفاظ اس طرح مخلوط تھے کہ دونوں سے مل کر کو ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی عباس مروزی کے کل چار شعر ہیں لیکن عربی الفاظ کا کثرت سے زیادہ ہیں۔ رودکی و شہید بھی کا کلام بھی اسی کے قریب تر ہے۔

سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس ہمیشہ سے پاک کر کے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے وہ واقعی ہی ہے اس کے یکر و نثر شاعر تھے پہلے جادوئی کا ایک نظم نہیں آتا۔

اسی طرح اور زیادہ وضاحت سے علامہ صفائی مرحوم نے شعر اہم اور اسٹائل میں لکھا ہے۔

حضرت شہر و ظلم نے اس مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ۔
”فردوسی نے اس تعصب کی بنیاد پر جو اسے عربوں سے تھا خاص طور پر کہ مشبہ کر کے فارسی سے عربی الفاظ نکالنے کی وجہ سے اس کی زبان غیر مانوس اور ضلالت عارہ ہو کر گر گئی اس کی وقت آتی بڑی شوقی لکھ دینے اور ایک غلط سلاطین و خلیفہ کے منظم کر دینے کی گئی اور کی جاتی ہے اس لحاظ سے کہ یہی فارسی اپنے زمانے میں یا کسی زمانے میں فصیح و بامعہ فارسی تھی۔“

ہم انہیں خیالات کے متعلق علامہ صفائی کی تفسیر کا اقتباس جس کا اظہار انھوں نے شعر اہم حوالہ میں کیا ہے درج کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔
”اوری ان شعروں میں جس میں کوگوں نے فردوسی کا ہمر قرار دیا ہے چنانچہ شہید ہے۔“

دشہرہ سن بمبر اند ہر چند کہ لانی بعدی
ایات قصیدہ و غزل را
فردوسی داوروی وحدی

لیکن خود اوری کتاب ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہے اور ہم انکے بندے ہیں۔

آفرین برودان فردوسی آن ہایون شراد فرخندہ
آن نہ تباد بعد و اشاگرد آن خداوند بامندہ
نظامی کہتے ہیں۔

سخن گوے پیشینہ وائل طوس کہ آہستہ لیت سخن چون عروس
علامہ ابن الاثر نے اس آیت کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ عربی زبان باوجود اس وسعت و کثرت الفاظ کے شاہ نامہ کا جواب

پیش نہیں کر سکتی اور حقیقت یہ کتاب علم کا قرآن ہے۔
۔ لوپ کے فضل ابھی جو زبان فارسی سے واقع ہیں عمر ا
فردوسی کے کمال شاعری کے معترف ہیں۔ سرگوداوی نے تذکرۃ
الشعراء میں فردوسی کو ہمر سے تشبیہ دی ہے اگرچہ ساتھ ہی یہ
ناخوان یعنی بھی ظاہر کی ہے کہ وہ اگرچہ دراصل ہمر کا ہمر
نہیں ہو سکتا لیکن لہجہ میں اگر کوئی ہمر ہو سکتا ہے تو وہی ہے
اسلام کا خاصہ ہے کہ جہاں جہاں گیا ملک کی زبان سرے
سے بدل دی یا اس خدا ماس کو مغلوب کر لیا کہ مستقل اور آزاد
زبان بنیں رہی۔

اسلام سے پہلے مصر و شام میں عربی اور ایرانی بولی جاتی تھی اسلام
کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی یہاں تک کہ آج عیسائی
یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول
سکتے پریشاے کو چاک اور غنظین میں ترک گئے تو ملکی زبان کی
ہو گئی کابل اور ہندو کی اصل زبان پشتو ہے لیکن خواص فارسی
بوتے ہیں جو اسلامی حکمرانوں کی زبان تھی۔ ایران اور ہندوستان
سخت جان تھے جہاں ملک کی اصل زبان قائم رہی لیکن عربی
الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے کہ انکی آمیزش کے بغیر فارسی
یا اردو لکھنا چاہیں تو لزوم الایلام کی محنت اٹھانا پڑتی ہے۔
ایران میں ابتدا ہی سے عربی نہایت شہوت سے غلو ط
ہو گئی تھی عباس مروزی نے امون الرشید کی مدح میں جو
قصیدہ لکھا اس کے چار شعر آج موجود ہیں جن میں نصیحت
زیادہ عربی الفاظ ہیں۔ رودکی اور ابوشکو و غنچہ کا کلام
عربی الفاظ سے بھر پڑا ہے سلطان محمود کے زمانے میں ایک
فاضل نے شاہ نامہ کے جواب میں عمر نامہ ایک کتاب تشریح لکھی
تھی اس کا بھی بھال ہے۔ اسی زمانے میں شیخ ابو علی سینا نے

حکمتِ علامیہ فارسی زبان میں لکھی اور قصد کیا کہ خلاص فارسی
 میں لکھی جائے لیکن عہدہ برائے ہوسکا۔ فردوسی نے ساتھ ہزار
 شعر لکھے اور عربی الفاظ اس قدر کم ہیں کہ گویا نہیں ہیں۔ اگرچہ
 اس خصوصیت کا موجب قیوتی ہے لیکن کل ہزار شعر اور صرف
 چند معمولی واقعات ہیں بجز ان اس کے فردوسی نے ہر قسم
 اور ہر طرح کے سیکڑوں گونا گوں مطالب ادا کئے اور زبان
 خالص ہوئے میں فرق نہ پائے یا عربی کے جو الفاظ خال
 خال کئے ہیں اکثر وہ ہیں جو خاص مصطلح الفاظ ہیں مثلاً دین
 مینہ میرو قلب۔ سلاح عیان وغیرہ وغیرہ الفاظ اس طرح
 اس زبان میں شامل تھے جسے سطح آج کل اردو میں جج کلکٹر
 ملک سٹیشن وغیرہ ہیں۔ کہ انکے بجائے اگر کوئی شخص ادب
 الفاظ استعمال کرے تو ناموزون معلوم ہوں گے۔

شاہ نامہ کی زبان آج کی زبان سے اس قدر مختلف ہے کہ گویا دو زبانیں الگ۔ الگ ہیں اور شاہ نامہ کی تفسیر میں اس زمانے کے شعرا، عام زبان ہی تھی لیکن چونکہ اس کے شاعر نے اس قدر الفاظ استعمال نہیں کیے اس لیے فردوسی کی زبان نسبتاً اور شعرا کی زبان کی نسبت زیادہ غریب و سادہ معلوم ہوتی ہے۔

علامہ رحمہ اللہ نے ایک مقام پر خفا نامہ کی خصوصیات کا ۱۸
نمبروں میں ذکر کیا ہے اور یہ وہ کام ہے کہ اقلیت میں نہ کسی طرح متبادل
کیا جاسکے اور یہاں کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ان تصرفات
کے علاوہ سیکڑوں الفاظ ہیں جو حشر و کرب کے ہونے کی صورت میں
بدل گئے ہیں یا ان کے بجائے اور الفاظ استعمال میں ہیں مختصر و مفاد
قبل نے چند الفاظ کی فہرست بھی سن سنی ہے لکھ رہی ہے جس سے
اس باب کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

علامہ شبلی مرحوم شعر العجم میں شاہ نامہ کی وقعت تاریخی کے لحاظ سے

کے عنوان تحت میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ شاعرانہ رنگ آئینہ یوں نے شاہ نامہ کو عالم فزون میں تیار کیا ہے مگر گویا یہ شاہنامہ ایران کی کوئی مفصل تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہیں مل سکتی۔“

اسی کے ساتھ پیسے اس بیان کی تصدیق میں بہت سے ہتھل
اور مستدر لائن پیش کی ہیں اور اس عنوان کے قبل وہ دکھائے
جس کو قیصر نے جب شاہ نامہ کی ابتدا کی تو اس وقت کتنی بیخون
کا ذخروہ اس کو ملا اور اس وقت یاغی غم کا بہت بڑا ذخروہ ملی
فارسی میں تیار ہو چکا تھا جس کا بیان انتہا پس شاعر عم موجود ہے
یہ سزا ایمنوں کا کتب خانہ اس نانہ میں تمام عالم میں پانچواں
نہیں دکھاتا یاغی و علی سینا جب اول اول اس کتب خانہ میں مل
ہوا تو پھر حیرت چھا گئی یاغی اس نے اقرار کیا ہے کہ میں نے استاذ
اعلیٰ انسان کتب خانہ میں نہیں نہ دیکھا تھا اس کے بعد دیکھا قیصر کے
لئے یہ کتاب یاغی ذخیرہ ہوا کیا گیا ہوگا اور چونکہ سلطان محمود غزنوی
سایمنوں ہی کا کتب خانہ اور ان کو شاہراؤں کا جانشین بناتھا۔
اس لئے ہر طرح ترین قیاس ہے کہ وہ سامان خود کو کتب خانہ کا ہوگا
اور خود ہی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا ہوگا یہ یقین نہیں
نہیں مگر مورخین کی تصریح ہے اس کی تائید ہوتی ہے صاحب
کشف الخفون اور عم فصحا کی عبارت اس بیان کی تائید میں
موجود ہے۔

ان تمام قرآن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کا
 اخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخیں ہیں جو عربی میں ترجمہ ہو گئی
 تھیں لیکن فردوسی کا قومی غرور عرب کے احسان کو گوارا نہیں
 کرتا۔ فردوسی کا دعویٰ ہے کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبہوت پایہ
 ایران کی موجود تھی لیکن عرب و مدون تھی۔ عیبدون یعنی

الفاظ اور جملے تھے ہیں جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہی فارسی جو اب مروج ہے دوسری صدی کے شروع ہونے سے پیشتر مالک بن جمین بولی جاتی تھی چنانچہ واقعہً راشد کے عہد میں جس نے ۲۳۶ھ میں وفات پائی حرفین صحبت عیش منشی کو دھنیا کرنا کہنے لگے تھے۔

ماہوی کے زمانے کا امام موسیقی سخت موصی اپنے ایک شعر میں لکھتا ہے۔ اذ آفاق لی یا مردے خود ذکر ما۔ بعض نامور بہادران کا لقب مشہور ہو گیا تھا ہزار سرودہ لوندیوں کا نامستان رکھا جاتا تھا۔ گلدستہ گوشتنویہ کہنے لگے تھے۔ اور شعر اپنے کلام میں کہتے شریک انخردانی۔

رشید اورامون کے زمانے میں ایک مشہور شاعر تھا ابن منادر اس نے اس وقت کے ایک ذمی اثر سردار محمد بن عبدالوہاب کی ہجو میں یہ شعر کہا ہے

وقال الشيخ سر جو یہ دوا المرء من تحت

یعنی شیخ سر جو یہ کا قول ہے کہ مرد کا مرض نیچے سے شروع ہوتا ہے۔ ابن سر جو یہ اس زمانہ کا ایک عجیب طبیب تھا اور مستند مانا جاتا تھا۔ اس نے جو یہ شعر سنے تو گھبرایا اور ڈر کر محمد بن عبدالوہاب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے فوراً اس کی نعل میں آیا۔ اور تمام حاضرین کے سامنے بازا زبند کہنے لگا۔

»برکت من ز گفتم آن پسر ناز گفت «

سننے ہی لوگوں کے پیٹ میں مارے ہنسی کے جل پڑ گئے اور ابن عبدالوہاب نے شرکاء اور برہم ہو کر اس سے کہا »جا خدا تیرا بڑا کرے « مگر سر جو یہ یہ سمجھا کہ انہوں نے میری معذرت قبول نہیں کی۔ لہذا پھر تین کھانسی جملے کا بار بار عادیہ کرنے لگا۔

عہ آغانی جلد ۶ صفحہ ۶۷ عہ آغانی جلد ۵ صفحہ ۸۵ عہ آغانی جلد ۴ صفحہ ۱۱

عہ آغانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۲ عہ آغانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۹

ذہبی پشواؤں کے پاس اس کے مختلف اجزاء تھے۔ ایک ٹیس دھقان نے ہر جگہ سے بڑے بڑے پاتم موی جمع کیے اور ان پر گندہ اجزا کو زبانی روایتوں کی مدد سے ترتیب دے کر ایک مکمل کتاب تیار کروائی۔

لیکن فردوسی کے اس بیان کی تردید علامہ مرحوم کی تحقیق سے ہوتی ہے اور صاف طور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے کچھ لکھا اس وقت کی تمام ایچون سے مدد لیکر لکھا۔ اس کا تطابق انگریزی مؤلفین اور دیگر تذکرہ نویسوں کی تحریروں سے بھی پورے طور پر ہوتا ہے۔

بہر حال حضرت سرور مدظلہ کا یہ مضمون کمال تحقیق و دقیق سے لکھا گیا ہے اور کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر نہایت خوب اور فارسی اور اس کے علم ادب باریک بینی دشمنی ڈالتا ہے ہم نہایت تشکرگزار ہیں کہ ساتھ اس کو درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جناب شریک رسالہ کو اکثر اپنے فیوض سے بہرہ مند کرتے ہوں گے۔

مدیر

اہل مغرب جو آج کل اپنے ادب و انشاء کے سوا کسی کی زبان کی کچھ ہمتی نہیں جانتے۔ وہ بھی مقررین کہ موجودہ فارسی زبان تمام شرقی زبانوں میں نہایت وسیع و شیریں اور لوچدار ہے۔ موجودہ فارسی زبان کی نسبت محققین یورپ کا خیال ہے گویا رومیں صدی یعنی پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں قدیم فارسی سے نکلی۔ جو ایران کے جنوبی و مغربی صوبجات میں علیٰ اہم بولی جاتی تھی۔ اور ہجر کے اس علاقے میں کسی اور زبان کا رواج نہ تھا۔ لیکن تحقیق کی نگاہ سے دیکھیے تو اس سے پیشتر یہ زبان پیدا ہو چکی تھی۔

عربی شعرا کے کلام اور عربی تاریخوں میں جا بجا فارسی کے

تھا جس کے صدر انونے زمین سے کھود کھود کے نکالے گئے ہیں۔ اس میں
اڑے ادرید سے مختلف القواد تیردن کے ذریعے سے تحریر کا کام لیا
جاتا تھا۔ اور اس تحریر کو موجودہ مستشرقین نے لڑ لیا۔ اور صدر
تایخی واقعات کا انکشاف ہو گیا۔ زبان زند کے مٹنے کے بعد ایران
میں پہلی زبان کا رواج ہوا جو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے لیکر دو سو برس بعد تک ایران کی
مروجہ زبان تھی اس کے پیدا ہونے کا باعث یہ ہوا کہ باختر کے آئے
ہوئے آریہ لوگوں کی زبان ندر پر سامی الاصل فاتحوں کا اور ان کی
زبان کا جو بابل و دیوار میں بولی جاتی تھی اثر پذیر شروع ہوا چنانچہ
”پہلی“ زبان میں سامی زبان کے الفاظ کثرت داخل ہو گئے اور
اس میں بہ نسبت ندر کے اشتقاقیات افعال جو دوسرے خلون کی
ترکیب سے ہوتے ہیں اور نیز منحنی صرت کی ترکیبیں کم ہیں۔

پہلی دولت ساسانی کی درباری زبان تھی خسرو ان عجم نے
اسے اور اس کے لڑ پڑ کو ایک اچھی حد تک ترقی دی۔ وہ پورا ناپاکانی
خط روہ ہو کر زمین کے اندر دفن ہو گیا۔ اور نیا پہلی خط ایجاد ہوا جس
سروں کی کلیں دیکھنے میں ہندی کا تھی یا گراتی سے ملتی جلتی تھیں۔
گر عربی و عبرانی کا غالب اثر تھا کہ داہنی طرف سے یا میں جانب
لکھا جاتا تھا۔ پارسوں کی ایک کتاب جس کا نام ”دوران نامہ“ ہے
مغز انگریزی ترجمہ کے لندن میں بچل پہلی چھپی ہے اور اس پر پارسوں کے
پاس موجود ہے میں نے بھی اس کو اپنے ایک پاسی دوست سے لیکر
دیکھا تھا۔ اس کتاب کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ساسان اول داد
شیر باکان کے زمانے کی تصنیف ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کا کوئی ثبوت
نہیں ملا۔

مرو زان سے جب دولت ساسانی کا زوال شروع ہوا تو پہلی
زبان میں غیر زبانوں کے ہزار ہائے الفاظ داخل ہو گئے جنھوں نے

بہر تقدیر پہلی اور دوسری صدی ہجری میں روافی
بولی جاتی تھی ہماری موجودہ فارسی سے کچھ زیادہ مخالفت و تفریق
اور بات ہے کہ اس زبان میں تالیف اور تصنیف کا سلسلہ بعد کو جاری
ہوا۔

قدیم فارسی کی حالت یہ ہے کہ ایران کی قدیم زبانوں میں سے
ایکلی زند کے کچھ آثار آج تک باقی رہ گئے ہیں۔ یہ ایک زمانے میں مشرقی
ایران میں بولی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کو پُرانی باختری زبان
خیال کرنا چاہیے۔ مگر اس کو باختری زبان کہنا شاید صحیح ہو گا کیونکہ
باختر وہ ملک ہے جو آریہ لوگوں کا پہلا مسکن تھا۔ وہیں سے ان کے
مختلف گروہ اطراف عالم میں پھیلے۔ ایک گروہ نے ہندوستان میں آکر
خاک ہند کو آریہ درت بنایا۔ دوسرے گروہ نے فارس میں پہونچکر
اسے آریہ نام سے یاد کیا۔ جو لفظ بعد کے زمانے میں ایران بن گیا
میں سے اس قوم کے اور گروہ یونان و روم میں پہونچے اور ان کی
اولاد کلتی زبان و کلت روم کی بانی ہوئی۔ مگر کسی کو نہیں معلوم کہ
باختر کے قیام کے زمانے میں ان کی زبان کیا تھی؟ تاکہ ایران میں
جس وہ پہونچے ہوں تو نہ بولتے تھے۔ اور ہندوستان میں داخل ہوئے
کے وقت سکرت بولتے تھے۔ یہ دونوں زبانیں اگرچہ باہم بہت اسی
قرب ہیں۔ اور ان کی وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قریب کا رشتہ
رکھتی ہیں۔ مگر ایک نہیں ہیں اور دونوں میں سے کسی نسبت بھی قطعی طور
پہون نہیں کہا جاسکتا کہ وہ باختر میں بولی جاتی تھی۔

زند زبان کی دورویان تھیں اور دونوں کی نسبت یقین کیا
جاتا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً آٹھ سو برس پیشتر
تھا جو میں۔ مگر اس قدیم فارسی کے چند نمونے آج تک کوہ میتون پر اور
چند اور مقامات میں پتھر پر نقش موجود ہیں۔ جو خط یکانی میں لکھے
ہوئے ہیں۔ یہ خط نامی ایران و عراق میں آگے دنوں کثرت سے مروج

ہوا ہے۔ گویا عرب بادِ وجود حاکم ہونے کے رعایا کی زبان اختیار کرتے جاتے ہیں بجز ان کے رعایا ان کی زبان کی مطلق وقعت نہیں کرتی۔

دوسری صدی ہجری کے آخر میں جب ہارون رشید کی فطرت سے نوانی درومی اور دیگر علمی زبانوں کے علوم عربی میں ترجمہ ہوئے عربوں میں علمی ذوق و شوق بڑا۔ اور عربی لٹریچر کا خزانہ دولتِ علم سے المالا ہو گیا۔ تو فارسی زبان کو عربی علمی شریعت کے آگے سر جھکانا پڑا اور عربی الفاظ یکایک فارسی میں داخل ہونے لگے۔ میرے خیال میں یہی وقت ہے جب سے موجودہ فارسی بننا شروع ہوئی جبکہ عربی کے ساتھ فقہ دینی و دنیوی فن میں یہ جدید فارسی بھی ترقی کرنے لگی لیکن اب اس نے جنم کے ساتھ اس نے بجائے زنتی مذہب کے دین اسلام اختیار کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اس کے تمام شعرا و ادیب اور کل مصنفین مسلمان تھے۔ اور اس کا ادب و انشاء مذہباً و علماً عربی اور کاپر دہتا۔

ایسی صدی کے آخر میں رشید کے دونوں بیٹوں امین و مرین میں جو لڑائی ہوئی وہ دراصل عرب و عجم کی اور اسی سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ عربی و فارسی زبانوں کی لڑائی تھی۔ اس لیے کہ امون ایک گنیمتِ مان کا بیٹا تھا اور سارا ایران خصوصاً خراسان اس کا وطن بنا ہوا تھا۔ اور پھر جب امون کو فتح ہوئی تو کہنا چاہئے کہ غنیمتِ بہت پر فحیاب ہوئی۔

امون کے فتح کے ساتھ ہی خراسان کے شہر طوس میں جو بہت دربار قائم ہوا اس کا عنصرِ عظیم غنیمت تھی۔ امون ہی کے زمانے میں خراسان پر ظاہر کی حکومت شروع ہوئی جو دراز تک اسی کی نسل میں ہی اور خاندانِ طاہرہ بہ شریعت میں ادب و شاعری کا سب سے بڑا مہر بنی تھا۔ اسی خاندان کے عہد سے عربی مذاقِ شاعری۔ فارسی کے مہانے

پہلوی کو غارت کر ڈالا۔ دولتِ عجم کے اخطا کی وجہ سے پہلوی میں زیادہ تر کلمات الفاظ و محاورات داخل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر علماء عجم نے اس جانب توجہ کی کہ اپنی زبان کو ان خارجی دیر دینی الفاظ سے پاک کر کے خالص زندہ کے مطابق بنالیں اور جب اس احتیاط کے ساتھ ایک نئی شان کی زبان اختیار کی گئی اور اس میں بہت سی کتاہیں مذہب زنتی کے عقائد پر لکھی گئیں۔ تو اس جدید زبان کو جو آخری دولہ بنتے داد کی شان و کستی تھی استقلال حاصل ہو گیا۔ اور یہ زبان پانچ سو کے نام سے مشہور ہوئی۔ غرض اس کو شریعت سے ایک نئی زبان پیدا ہو گئی مگر یہ نہ ہو کہ پرانی زندہ زبان زندہ ہو جائے معلوم ہوتا ہے کہ سامانیوں کے عہد میں زبان پانچ سو ایران کی علمی و دینی زبان تھی اور اس دور میں قدیم زبان زندہ کی یاد گار یا قائم مقام تھو کیجا تھی زبان فارسی کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ پہلی صدی ہجری کے آغاز میں ایران پر عربوں کا تسلط ہو گیا۔ عرب طوعاً و بکرہ سے ایران سے مغلوب ہو رہے تھے۔ دولتِ عجم کی شریعت اور ایرانیوں کی تہذیب و شائستگی کا سنگسار ہونے لگے۔ اور ان پر فارسی عظمت کا عرب بڑا ہوا تھا۔ اب انہوں نے اس ملک پر حکومت قائم کرنے اپنی سطوت تو بٹھالی مگر اس کی علمی عظمت کے آگے سر جھکانے رہے۔ پانچ سو کی دینی کتاہیں اور پہلوی زبان کا لٹریچر بہت کچھ تو سکندر اعظم کی دست برد سے فنا ہو چکا تھا جو باقی تھا اب خود بخود بے مثالے شے لگے۔ اس لیے کہ ایرانی بہ کثرت دین اسلام کو اختیار کرنے لگے تھے۔

لیکن عربی کی بے بھنا عتی اور فارسی کی علمی دولت مندی کا یہ اثر نہ تھا کہ عہدِ عرب کی پہلی صدیوں میں ہمیں تاریخوں کے اندر جہتہ جو فارسی کے محل جاتے ہیں ان میں عربی کا نام و نشان تک نہیں ہے لیکن شریعتِ عرب اور دربارِ خلافت کی زبان میں بہ کثرت فارسی الفاظ نظر آ جاتے ہیں ان کا سامانِ پیش فارسی لفظوں سے بھرا

ایک قطع ہے

نگار و نازندہ گم کہ گاہ محنت و رقت
سر پیرا ہن سبب بودہ بہت یوسف بہر لبت
یکے از کینہ شد پر خون و دم شد چاکل آیت
بریم یوسف با بوش روشن گشت چشم تر
رخ ماند بان دل دلم اندیز این ثانی
نصیب من نمود در وصل آن پیرا ہن

ان تین شعروں میں دس عربی الفاظ محنت - راحت سبب - عمر - کید -
تمت - اول - ثانی - نصیب - وصل - موجود ہیں - فردوسی کے معاصر

شعرا کے کلام میں بھی اسی طرح فارسی میں عربی الفاظ ملے ہوئے
میں جیسے آجکل کے شعراے فارس کے کلام میں ہوا کرتے ہیں - حکم
عصری بادشاہ کی مرع میں کہتا ہے ۵

بوقت قدرت رحم و بوقت ذلت عفو
بوقت نگی بخشش بوقت عفو
فردوسی کا ایک دوسرا معاصر بنو چہر شہت کو اپنے ایک قصیدے
میں کہتا ہے ۵

ترکب از طبع و مستغنی از حواس
دروقت جنم و در ساخت جان
خاکست طلیعت تو دبا آب مزلج
دلوت طالع تو با جوت ہم خان
ایک اور قصیدے میں کہتا ہے ۵

تو لب ادب جہل و جمہت بہت دہل
فصل بن عقل میں جم شاد بہت ہم
فارسی کے ان قدیم تر کلاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی

شاعری کا آغاز اسی فارسی سے ہوا جس میں عربی الفاظ ملے ہوئے
تھے اور عربی فارسی شاعری کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے - فردوسی
نے اس نصیب کی بنیاد پر جو اسے عربوں سے تھا خاص طور پر کوشش

کے کہ فارسی سے عربی الفاظ نکالے جسکی وجہ سے انکی زبان غیر فارس
اور خلعت کا وہ ہو کر گر آگئی - انکی بخت اتنی بڑی تھی کہ گھدیے
اور ایک غلط سلطہ پانچ جم کے منظوم کر دینے سے کی گئی اور کیا جاتی ہے -

اس لحاظ سے کہ انکی فارسی اپنے زمانے میں یا کسی زمانے میں فصیح و بجا
فارسی تھی -

اور اسے ہتھکڑات و تشبیہات اختیار کرنے لگا اور وہ عربی شاعری
عروج پانے لگی جو شعرے مولدین کی شاعری کہلائی چنانچہ سب بڑے
مولد شاعر تہنی کی اس دربارے بڑی قدر کی -

عبدالمہ بن طاہر کا زمانہ عربی و فارسی دونوں دونوں کی
ترقی کا زمانہ ہے - مگر افسوس ہے کہ اس عہد کے کسی شاعر کا کلام محفوظ
نہیں ہے کہ پیش کیا جاسکے -

طاہر بن خاندان ہی کی بدولت ترکستان میں جو علاقہ ان دنوں
ولایت خراسان کے تابع اور اس کا جز گنجا جاتا تھا آل سامان کی
حکومت شروع ہوئی - اس دربارے فارسی ادب و شاعری کی طرف
خاص توجہ کی نصرا مانی اس خاندان کا سب سے زیادہ علم و کثرت
اور فارسی زبان کا مرقی شہر یا تھا -

اسی دربار میں رودکی نے سب سے پہلے فارسی میں نثر لائی

شروع کی - یونانی شاعری کے بانی ہومر اور رودکی میں عجیب و غریب
شابت نظر آتی ہے - ہومر بھی گویا تھا اور رودکی بھی - ہومر بھی اندھا
تھا اور رودکی بھی - ہومر بھی اپنا کلام گاہ کے سنا یا کرتا تھا اور رودکی

بھی - فرق اتنا تھا کہ ہومر غفلت تلاش تھا اور رودکی نصرا مان کی
مرئی گرمی سے نرا دل تنہا اور صاحب شوکت تھا - ہومر صرف

شاعر و مثنوی تھا - رودکی شاعر و مثنوی ہونے کے علاوہ شاعر اور ادیب
بھی تھا چنانچہ اس نے بید پے بہن اور ایشلیم کے تھے کا ترجمہ عربی
سے فارسی میں کیا مگر افسوس کہ وہ کتاب دست بر زمانہ کے نمونہ کی

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جدید فارسی کے ابتدائی شعرا کے
کلام میں عربی الفاظ نہیں ہیں - جیسا کہ فردوسی کا شاہ نامہ دیکھنے
سے شہر ہوتا ہے مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت پیشتر عربی الفاظ

ایرانوں کی زبان پر جاری اور نظم فارسی میں داخل ہو چکے تھے چنانچہ
فارسی کے پہلے شاعر رودکی کے شعرا سے بہ خوبی ظاہر ہو جاتا ہے - ہکا

ادب کا مذاق ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر جاری ہوتا جاتا۔ اگر بھجان کو دس تین صدیاں اور بھاجین تو ہندوستانیوں کی مادری زبان فارسی ہو جاتی جسکے آثار ہر ادنیٰ واقعے سے نمایاں ہیں۔ تمام گانے والے اور گانے والوں کی زبان پر فارسی غزلیں تھیں۔ ہر سوانحی اُسی درجہ تک مہذب تھی جس قدر اس میں فارسی الفاظ کا زیادہ استعمال ہوتا۔ دیہات کے کاشتکار، برہمن، اور دکھتری، عربی و فارسی الفاظ کو اپنے لیے تصور کر کے اپنی دیہاتی زبان تک اس سے آراستہ کرتے جاتے تھے۔ اور یہی رجحان اردو زبان کے پیدا ہونے کا باعث ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب سکر ٹریڈنگس ترقی آؤ دو اورنگ آباد کا یہ خیال صحیح ہے کہ اردو انگریزوں کی کوشش سے ایک مستقل زبان بنی۔ سلمان حکومت کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔ ایسے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے جو زبان بولی جاتی تھی وہ کوئی مستقل زبان نہ تصور کی جاتی تھی اور یہی بلکہ وہ فارسی کے ہندوستان کی مادری زبان بننے کے رجحان کا ایک ٹیچ تھا جو روز بروز بدلتا اور فارسی اثر کو غالب کرتا جاتا تھا۔ ہندو مسلمانوں میں سے کسی کے دل میں یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس زبان کو کوئی خاص زائید کرنا چاہا۔ دونوں ذوق و شوق اور جوش و خروش سے اسی دھن میں لگے ہوئے تھے کہ ہاڑی زبان فارسی ہو جائے۔

اس بھجان کے درمیان میں سلطنت کا انقلاب ہوا۔ غلامانیت انگریزوں کے ہاتھ میں آئی انھوں نے اپنی اس وقت کی مصلحتوں سے اسی زبان کو جو بولی جا رہی تھی اختیار کر کے اس میں کتابت تصنیف کرائیں۔ اس کے خود صرف کتابت میں انگریزوں کے دواؤں پھر اسی زبان کو سرکاری عدالتوں اور دفتروں کی زبان بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کے ہندوستان کی مادری زبان بننے کا سچا سچ اثر قوت تھا اپنے مقام پر ٹھہر گیا۔ اور وہی زبان ہندوستان کی مستقل زبان بن گئی۔ چند روز بعد جب رنگی ہوئی تانگی کتابتیں اسکولوں میں پڑائی لگائیں

اسکے بعد فارسی لٹریچر کرستان و خراسان اور ایران میں ترقی کر رہا اور وہی عربی سے لئی ہوئی فارسی تمام مالک عجم کی مادری زبان بن گئی۔ حسین شک نہیں کہ ادبی حیثیت سے اُسے سب سے زیادہ ترقی آگے سامان کے بعد آگے لگائیں نے دی جسکے فارسی کا ادب اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا۔

پھر اسکے بعد کسی ایرانی دربار نے ادب فارسی کی پشت پناہی نہیں کی۔ بعض بعض درباروں میں نامور شعرا پیدا ہو گئے مگر جیسی توجہ اسکی ترقی کی جانب دربار غزنوی نے کی تھی کسی سلطنت نے نہیں کی۔

عمودہی کے زمانے سے سلمان اپنے علم اقبال کے ساتھ فارسی زبان کو ہندوستان میں لائے اور اسکے ادب و دانشا کی ترقی کیلئے ہر کی کوششیں جاری رکھیں۔ عمودہی تیموریہ میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی فارسی میں غزل خوانی کرنے لگے اور ہزاروں ہندوؤں نے اپنے فارسی دیوان مرتب کر کے ادبی خزائن جمع کرنا شروع کیے۔

دولت مغلیہ کا قیام ایران میں صفوی خاندان تھا مگر اس نے ایران میں فارسی کی ترقی کی طرف کبھی بھی توجہ نہیں کی جیسی کہ ہندوستان میں ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایران میں جو خوش گو شاعر پیدا ہوتا اسکی بھی خود حاصل ہوتے ہی ہندوستان کا ارتقا لیتا۔ ایران ہی کے لکھے ہوئے مذکورے شہادت دے رہے ہیں کہ مسلسل تین چار صدیوں تک یہ حالت تھی کہ جہاں کہیں اچھا شاعر پیدا ہوتا ہندوستان اس کو دربار عجم ہی سے نہیں بلکہ ملک عجم سے ہی چھین لیتا۔

ہندوستان میں یہ حالت ہو رہی تھی کہ فارسی دربار سے نکل کے عام ہندو مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہوتی جاتی۔ فارسی

تو چند مسلمانوں میں مخالفت پیدا ہوئی اس نے اردو زبان کو ایک نئی شکل بخش میں ڈال دیا۔ اور ہندوؤں کو دھن ہوئی کہ اس میں سے عربی و فارسی الفاظ کو نکال کے ان کی جگہ سنسکرت کے الفاظ داخل کریں۔ اور ہر مسلمان اردو کی اس حالت کے چہرہ بھی محفوظ رہے۔ یعنی کوشش کرنے لگے کہ چاہے نئے عربی و فارسی الفاظ نہ اختیار کیے جائیں مگر جو ہماری زبان میں داخل ہو چکے ہیں محفوظ رکھے جائیں۔ جس طرح ہندوؤں نے احوال کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی زبان سے فارسی و عربی الفاظ کو نکال ڈالیں ایسی ہی کوشش فی الحال ایک بہت محدود حد تک یورپ کے اثر سے فارسی میں بھی کی گئی چنانچہ ناصر الدین شاہ قاجار کے چچا فرما دہ مرزا نے ناصر خسرو ان کے نام سے ایران کی ایک تاریخ لکھی تو اس میں باہندی کی کہ عربی کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ مگر ایران میں چونکہ ہندوستان کی طرح مختلف مذاہب کی کشش نہیں۔ اس لیے فرما دہ مرزا کی کوشش کا وہاں کے فارسی لٹریچر پر مطلق نہ اثر پڑا۔ بلکہ وہاں کی جو کتابیں آج کل باطل یولی جانے والی سادی زبان میں لکھی گئیں اور گفتگو کی سچی تصویریں ہیں انہیں بھی عربی الفاظ بہ کثرت موجود ہیں۔ ناصر الدین شاہ کے سفر ناموں اور جدید ڈراموں خان سنکران وغیرہ کو دیکھئے تو صامت ظاہر ہوتا ہے کہ عربی الفاظ اس طرح فارسی کے جزو و اہم بن گئے ہیں کہ ان کے نکالنے کی کوشش کرنا زبان کو بنانا نہیں بلکہ بگاڑنا ہوگا۔

مگر یہاں ہندوؤں سے یہ کہنا کہ اپنی زبان میں سے انوسے

بجائے بنانے کے کام کو بگاڑ کر کرتی ہیں۔ خود یورپ میں دیکھو اگر گیزی اگر چہ کس زبان ہے مگر اس میں سے لاطینی اور یونانی لفظوں کو نکال ڈالنا اس کی جان نکال لینا ہے انہیں دلوں نے انتہا سے زیادہ قصب کے ساتھ عربوں کو اپنے ملک سے نکالا۔ ان کے ہر اثر کو مٹانا چاہا مگر عربی کے ہزار ہا الفاظ اس وقت تک ان کی زبان میں داخل ہیں۔ دلیاؤں شہروں اور صوبوں کے نام تک عربی میں اور ان کے امکان سے باہر ہے کہ انکو خارج کر دیں۔ دنیا کی تمام موجودہ زبانیں ایک دوسرے کے اثر سے متاثر ہیں اور اندرونی یا بیرونی اثر سے ہر زبان بدلتی رہتی ہے مگر یہ امکان سے باہر ہے کہ کوئی قوم اپنی مردہ زبان کو پھر زندہ کرے۔ محمد علی حکیم شہر

رباعیات صہبائی

عقل حیرانی بجاہ سے تنگ ^(۱) عشق آجا بجاہ بارش سنگ
روح فرسا ہے عقل و عشق کی جنگ
ساقیا! ساغرے گل رنگ
دل عالم میں جو خوشی کی ترنگ ^(۲) ساقی خور و خوش آہنگ
دو ساغر ہوا در نمہ پنگ
ہیں فریب نظر بہار کے رنگ انصہبائی

مثنوی معنوی کا ایک جدید نسخہ

ماجوہر سب زیادہ قابل و کلمہ میں۔ انگریزی میں مثنوی کے انتہائی
معتنا دوسری کیفیات میں متعدد بار شائع ہو چکے ہیں مستقل ترجموں
میں سب سے پہلا ترجمہ جس میں *Sayamee Red House* لندن
کام ہے۔ جو شاعر نے صرف دفتر اول کا شائع ہوا۔ دفتر دوم کا ترجمہ
سال ۱۹۱۸ء میں پروفیسر روس (لندن یونیورسٹی) نے ایک جلد میں کیا اور
ایک جلد میں اس کے حواشی دئے۔

انگریزی کے قالب میں مولانا کے خیالات کو ڈالنے کی یہ
کوششیں اگرچہ بچے خود قابل تقدیر نہیں لیکن ابتدائی مثنوی میں
جو خامیاں ہوتی ہیں ان سے مغرب میں جو کامیاب نگارستان میں سب
زیادہ اہم وہ قابل تقدیر شاعر ہیں جو اس باب میں کی جا رہی ہے ۵۰
نامور مشرقی ادق تصوف اسلام کے گردیدہ فاضل پروفیسر نکلسن (کیمبرج
یونیورسٹی) کی جانب ہے۔

نکلسن تصوف اسلام کا مطالعہ اس سال سے کر رہے ہیں۔ انکی
نظر اس باب میں اتنی وسیع ہے کہ بہت سے مسلمان اہل علم کو ان پر
شک ہو سکتا ہے۔

اس سے قبل شیخ فرید الدین عطار کا تذکرہ الاولیاء اپنی حیرت
انگریسی۔ تہذیبی نقطہ نظر کے ساتھ چھاپ چکے ہیں شیخ بھویرجی لاہوری
کی کشف المحجوب کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اسلامی تصوف کی قدیم ترین کتاب
شیخ ابو نصر سراج کی کتاب کشف الکھوج لگا کر اسے زیر مطالعہ سے آراستہ
کر چکے ہیں اور انگریزی میں اسلامی تصوف دھونیاسے کام پر متعدد کیفیات
دھنیا میں شائع کر چکے ہیں۔

مولانا سے روٹی کی جانب انھیں خاص کیفیات شائع ہوئے۔
چنانچہ آج سے اٹھائیس سال قبل وہ کلیات شمس تبرک پر جو مولانا ہی کا کلام

مولوی محمد ابراہیم صاحب بی اے مصنف فلسفہ جذبات ہندستان
کے ان حجاز اور مشرقی مصنفین سے ہیں جو ہمارے قارئین سے
بہل تشفی ہیں انکی زندگی اور ادبیات میں جو عظیم الشان تفریق ہو،
یہ مثنوی تصوف کا ایک بین ثبوت ہے جس کی نسبت ہم یہ
کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر فضل احمد ویرہ منیشا بھندلے، بزرگ
معارف و حقائق کا باریہ بلند کرے اور ترجمہ کے شحات علم سے
ہیشہ فیضیاب ہو رہا ہے۔

میر

ادبیات تصوف کے سارے ذخیرے میں جو شہرت و حیرت
قبول مولانا سے روٹی کی مثنوی کو حاصل ہے وہ شاید کسی مثنوی
کتاب کو نصیب نہیں۔ عالم و جاہل، زند و اموات و مخلوق و مجتہدین
کسی کو تصوف سے زیادہ بھی لگاؤ ہے، وہ مثنوی کی شراب سے
مست نظر آئے گا جو اس کے مطالب کو سمجھتے ہیں، وہ خود معلوم
کیا لذت محسوس کرتے ہوں گے، باقی جو نہیں سمجھتے (انھیں کی تعلیم
بہت بڑی ہے اور اسی گروہ میں تمام مفسرین بھی ہے) وہ بھی مثنوی
کے اشعار میں سکر تو ہلا ہی دیتے ہیں۔ اس مقبولیت کا نتیجہ ہے
کہ اردو، فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، جرمن، فرانسیسی تقریباً ہر مذہب
زبان میں مثنوی کی بہ کثرت ترجمیں اور ترجمے موجود ہیں اور پھر بھی
سلسلہ ختم نہیں ہوتا، اردو کی ابھی سلامی کیسے ہیں لیکن متعدد مستقل
ترجمیں اس میں بھی موجود ہیں مثلاً کشف العلوم، ہوتانی معرفت
پیرا میں روٹی کشف الہام، کلید مثنوی و خرو۔ فارسی کی مشہور ترجموں میں
شیخ بھویرجی شمس دہلی محاکر انگریزی شمس دہلی محاکر انگریزی
شیخ عبدالمطعم (طایعات لغات) شمس دہلی محاکر انگریزی اور حاشیہ حاشیہ دہلی

اس پورے نسخے کی اصلی خصوصیت۔ وہ خاص اہتمام ہے جو مجلس نے اس کی محنت و تہذیب میں ٹھونکا رکھا ہے۔ اس نے یہ نہیں کیا کہ عام مطبوعہ نسخوں میں کسی کی نقل اٹھا کر چھاپ دی ہو۔

مثنوی کے صدر مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔ انہیں کسی کی نقل چھاپ دینا کوئی قابل ذکر علمی خدمت نہیں قرار پاسکتا۔ مجلس کا کارنامہ یہ ہے کہ اسے تین مثنوی کا اخذ صرف قدیم ترین علمی نسخوں کو رکھا چنانچہ اس غرض کے لیے اس نے حسب ذیل نسخے پیش نظر رکھے۔

۱) نسخہ ۱۷۱۱ء۔ یہ ایک خط نستعلیق میں علی بن محمد کے ہاتھ لکھا ہوا مکمل نسخہ جو کسی تاریخ کتابت شمس ۷۷۷ھ یعنی مولانا کی وفات ۷۷۷ھ سے صرف ۷۷ سال بعد یہ نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔

۲) نسخہ ۱۷۱۱ء۔ اس کے کاتب کا نام محمد بن احمدا علی دولت شاہ بن یوسف اشیرازی ہے۔ سال کتابت ۷۷۷ھ ہے یعنی وفات مولانا ۷۷۷ھ سے ۷۷ سال کا بعد لکھا ہے صحت کتابت و خطی میں ممتاز ہے۔ نسخہ (۱۷۱۱) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۳) نسخہ ۱۷۱۱ء۔ یہ نسخہ مجلس کا ذاتی ہے۔ کاتب کا نام راج نہیں سال کتابت ۷۷۷ھ ہے یعنی زاد مصنف ۱۷۱۱ء سال کا فضل لکھا ہے۔ یہ تینوں نسخے مکمل مثنوی کے ہیں۔

۴) نسخہ ۱۷۱۱ء۔ یہ صرف دفتر اول کا نسخہ ہے کتابت خط نسخ میں ہے۔ اعراب اکثر غائب ہیں۔ سال کتابت درج نہیں لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم یعنی مولانا کے زمانے سے کچھ ہی بعد کا ہے۔ موجودہ برٹش میوزیم۔

۵) نسخہ ۱۷۱۱ء۔ اس میں صرف دفتر دوم ہے۔ خط نسخ میں تھا و واضح لکھا ہوا ہے۔ کاتب موسیٰ بن محمد بن حمزہ الموسوی تالیخ کتابت شمس ۷۷۷ھ یعنی وفات مصنف علیہ الرحمۃ سے صرف ۷۷ سال بعد۔

ہے، کا انتخاب مع انگریزی ترجمے اور حواشی و مقدمہ وغیرہ کے شائع کر چکے ہیں۔ اور اب ایک مدت سے مثنوی کے صحیح نسخے کی ترتیب و شت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

ان کے ذہن میں خاکہ یہ ہے کہ تین جلدوں میں (دو دفتر فی جلد کے حساب سے) مثنوی کے کل چھ دفتر شائع کریں۔ تین جلدوں میں ان کا انگریزی ترجمہ ہو اور تین یا چار جلدوں میں شرح۔ حاشیہ ہند وغیرہ کے لیے مخصوص ہوں۔ اس طرح سارا کام تو اس جلدوں میں ختم ہو اور ہر جلد پر ہی تقطیع پر پانچ پانچ سو صفحے کی ہو۔

اس عظیم الشان ارادے کی پہلی خط حال میں، قوت سے فعل میں آگئی۔ اور اسے دیکھ کر بے اختیار کا راضی فطرت کی کار فرمائی بردل سے داد ملتی ہے۔ کہ جو قوم اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر تکی ہوئی ہے اس کے بعض افراد کو اس کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے کہ علوم اسلامیہ کے احیاء و تحفظ میں وہ وہ کار نمایاں انجام دیئے جائیں کہ جن پر خود مسلمانوں کو رشک آئے۔

یہ پہلی جلد جو ابھی شائع ہوئی ہے لندن (ایڈنبرگ) کے مشہور شرقی مطبع پر لکھنؤ کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے۔ اور اس کی اشاعت لندن کی مشہور شرقی دارالاشاعت لیونز کوک اینڈ کوکریج، یہ جلد تین مثنوی کے دفتر اول و دوم پر شامل ہے ضخامت ۷۲ صفحہ۔ علاوہ ۱۷۱۱ء کے انگریزی مقدمہ کے ہے تقطیع ہندوستان کی ۲۰۶۱۰ کی تقطیع سے بڑی ہے سطر ۲۰ سطر پر ہے۔ ایک حرفہ کے ٹائپ میں چھپی ہے لیکن عجیباً ہی اس قدر صاف اور روشن اور کاغذ اس قدر اعلیٰ ہے کہ حرفت کی باریکی نگاہ پر زرا بھی بازمین ذاتی۔ ہر صفحہ پر فٹ نوٹ (حواشی) دی گئی اکثریت سے ہیں جلد نفیس و خوشنما ہے بیشتر اور جلد پر انگریزی میں کتاب مصنف اور ترجمہ وغیرہ کے اسماء و نحو ملائی حروف میں نقش ہیں

شایر اساتذہ کے کلام سے متعلق ایک بڑی وقت ہمیشہ رہتی ہے کہ مختلف اسباب و اغراض سے لوگ دانستہ یا ندانستہ اپنے کلام میں جہان تک کہ کچھ عرصے کے بعد اصل و نقل سونا اور پتیل غلط مطہر کر ایک ہو جاتا ہے۔

غزوئی کی عمر اس وقت تقریباً سات سو سال کی ہے۔ اس طویل مدت میں خدا معلوم اس پر کتنے انقلابات گزر چکے اگرچہ جو بلند ہمت اپنی تحقیق کے دست و بازو سے کام لیکر اسکے کھرے کو کھوٹے سے جدار کے دہ ہزار ماخیزین کا ستھ اور صد ہزار کسین کا سزاوار ہے۔ لیکن کایہ کار نامہ آئندہ نسلوں کو یاد رہے گا کہ اجنبی ہو کر اس نے اس مادی کے چپے چپے کچھ جان ڈالا۔

مولانا دم چونکہ خطائے شاعرانہ سے نہ انھوں نے کسی تباہ سے اپنے کلام پر اصلاح لی تھی نہ شعر گوئی کی شست کی تھی دفن عروض و قافیہ پر وقت صرف کیا تھا۔ اس لئے قدرۃ الہی شاعری ان تہود سے بالکل آزاد ہے جو کہی اور با خطاط شاعروں نے عموماً اپنے اور عاید کر رکھی ہیں ہنکا کلام سر تپا آد ہے جو شربان کا ایک دریا ہے جو خدا جلا آتا ہے۔ انھیں اگر فکر اور پرواہ تھی تو اس امر کی کر انکے قلب پر جو واردات ہو رہی ہیں انھیں کہہ ڈالیں۔ ذیہ کہ صنائع لفظی قواعد لغوی وضو ابطع وحشی کے چکر میں گرفتار ہیں۔ اس لئے لامحالہ ان کے کلام میں ہمت سی ایسی چیزیں رہ گئیں جن کو عام شاعروں کے نقطہ خیال سے غامیان اور غرضیں کہہ سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ قبل کے نرم پر سارنگی اور طبع کی پابندی ان عاید کرنا کہاں تک قرین انصاف ہو سکتا ہے۔ غزوئی کے غلطی سنخون کے اکثر کاتب صاحبان نے ازراہ ہنوزی اس قسم کی لغزشوں کو درست کر دینا چاہا ہے اس طرح مولانا کا بھی خاص اصلاح دیدی نکلیں کی نظر اس پہلو پر خاص طور سے رہی ہے اور اتنے جہان تک ممکن ہو ان اصلاحات کو دور کر کے مولانا کا اصلی کلام

ان تمام سنخون میں نمبر ۲۰ و ۲۱ اور نمبر ۲۵ و ۲۶ اہم زیادہ متحرک ہیں۔ صرف نسخہ نمبر ۲۰ و ۲۱ ال، جو منبشا بعد کا ہے وہ ان سب سے بہت مختلف ہے اور اس میں بکثرت ایسے اشعار درج ملتے ہیں جو قدیم ترین سنخون میں یا کسی میں موجود نہیں اس لئے قدراً انھیں اجماعی تسلیم کرنا پڑے گا۔

نکلیں نے اپنی تلاش و جستجو کو انھیں نسخہ نمبر ۲۰ و ۲۱ تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے پیش نظر شیخ عبداللطیف عباسی گجراتی صاحب لطایف اللغات کا وہ مشہور نسخہ بھی تھا جس کے متعلق انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اسی مختلف سنخون سے مقابلیہ کے بعد تیار کیا گیا اور جس کا نام انھوں نے نسخہ ناسخونبات سقیمہ رکھا ہے شیخ عبداللطیف کا سال وفات ۱۱۷۰ھ بیان کیا جاتا ہے انکا یہ نسخہ ناسخہ ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں اس وقت بھی موجود ہے۔ اور راقم بطور کی نظر سے مولوی حجاز احمد صاحب رئیس گورکھ پور کے کتب خانے میں گزرا ہے۔ اسکے علاوہ مطبوعہ سنخون سے جتنے قابل ذکر نسخے کے پاس تھے جن مثلاً مطبوعہ ملتان مطبوعہ بولاق وغیرہ یہ سب بھی نکلیں کے سامنے موجود تھے۔ اور انھیں میں ہمارے ہندوستان کا وہ مشہور کاپیوری نسخہ بھی ہے جو سند مرحوم کے پریس میں برصغیر آداب و اب مولانا احمد مرحوم کے تحفہ و تصحیح کے ساتھ ایک ربع صدی ہوا چھٹھم جلدات میں شائع ہوا تھا۔ اس اہلہ سند کو کھٹکانا آسان نہ تھا۔ اس قدم و سلع ذخیرہ سے کام لینے میں بڑی وقت نظر دیدہ ریزی۔ جانفغانی و ذوق سلیم کی ضرورت تھی تاکہ وہ نکلیں اس میدان کے پورے مرد نکلیں اور کم از کم جانتا کہ پہلے دو قرون کا تعلق ہے بلاشبہ بالذکر کہا جاتا ہے کہ صحت کے اس التزام اور اس احتیاط کے ساتھ حرب کیا ہوا غزوئی کا شاید کوئی دوسرا نسخہ اس وقت موجود نہ ہو۔

خدا صورتوں میں نظر آتے ہیں، مثلاً، انکی شکست کے بجائے می گت،
ادھ، مہکلہ کے بجائے، رگسلہ، اور، شیر گیری سازی، کے بجائے
مکر و شیر اندازی، دس علی ہذا۔

عموماً پروفیسر نکلسن نے یہ طریقہ رکھا ہے، اگر شعر جس صورت
میں انھیں مولانا کے اصلی کلام ہونے کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوا
اس طرح اسے انھوں نے تن میں جگہ دیدی، باقی اسپر جو دوسرے
نسخے تھے انھیں وہ خوشی ذیل میں جگہ دیتے گئے ہیں، تاکہ ناظرین
کے سامنے انکی ترجیحی بلے کے ساتھ ساتھ مختلف نسخوں کی جاتی بھی
آجائیں۔ اور اس باب میں انھوں نے اتنی احتیاط کرتی ہے، کہ
بہت ہی خفیف اور جزئی اختلافات تک کو بھی درج کر دیا ہے مثلاً دفتر
دم میں انھوں نے اس شعر کو تن میں جگہ دی ہے۔

جون رو دو خواجہ بجائے نائناں در غلام خوش پوشا ندرباس
اور اس کے حاشیہ میں "خواجہ کے بجائے، "سرتے کا نسخہ دیا ہے۔ یا
پھر اسی دفتر دم میں، متن میں بد شعر دیا ہے۔

ہندووان دا اصطلاح ہندیج سندیان دا اصطلاح سندرج
اور حاشیہ میں "ہندو ان" کے بجائے، "ہندیان" کا نسخہ دیا ہے
اس قسم کے حواشی سے کتاب کا ہر صفحہ لبریز نظر آتا ہے۔ مجموعی
تقدیر ہزاروں تک پہنچے گی بعض شہار جو عام طور پر مہذب و متوجہ
دلچستے ہیں، نکلسن کی تحقیق میں الحاق ثابت ہوئے، انکی بھی توجہ
نکال کر حاشیہ میں جگہ دیدی گئی ہے، چند اشعار اس قسم کے بھی ملاحظہ
ہوں۔

در حق او نور و در حق تو نار در حق او و در حق تو غار
در حق او نیک و در حق تو بد در حق او قرب و در حق تو رد
(دفتر دم، عنوان، خطاب کردن حق تعالیٰ کو ہی لا،)
چو کہ عیسیٰ دیدکان ابر رفیق چو کہ اسماعیل نامی دا بند طریق

پیش کیا ہے۔ چند شالین ملاحظہ ہوں دفتر اول میں ایک شعر تھا۔
گفت زن آیا بجایار منی یا بکیت کشف سرم می کنی
اسکے پہلے مصرع کے قافیہ کو درست کرنے کے لئے کا تبوں نے اسے
یوں لکھ دیا۔ ع

گفت زن آہنگ برم می کنی

دفتر اول میں ایک اور شعر ہے
گفت خیم جان جان من چن شدم بر سر جام لکد با چون زخم
اسکے پہلے مصرع کی اصلاح کا تبوں نے یوں کر دی۔ ع
گفت خیم جان جان من چن آدم
بعض مقامات پر سرے سے شرعی کو بدل دیا ہے مثلاً دفتر اول میں
ایک مہل شعر یہ تھا۔

بت میرا آب ست اندر کوڑہ نفس مرا آب سیدہ راجشہ
بہت سے نسخوں میں یہ شعر اس صورت میں نظر آتا ہے۔

بت میرا آب ست در کوڑہ نمان نفس مرا آب سیدہ راجشہ دان
یا ایک اور شعر در اصل یوں تھا۔

گفت رو بہ صد پاس آن شیرا کر یس آن گرگ در خواند سرا
اس میں قافیہ میں نقص تھا۔ اس نقص کی اصلاح کے لئے شرعی کی

حالت بدل دی گئی ہے اور اب آپ کے سامنے وہ اس شکل میں
آتا ہے۔

رو بہ آن دم بر زبان صد کرند کہ شیرا ز پس آن گرگ خواند
اسی طرح مولانا کا یہ شعر ہے

گر گیرم بار و نوازش کنم تماش از سر کو نستین این کم
سخ ہو کر تماش میں پیش ہونا رہتا ہے۔

گر گیرم بر کنم دندان مار تماش از کو سر کو نستین جو و قرار
قدیم دستورک الفاظ و تراکیب بھی جدید نسخوں میں رختہ رفتہ اصلاح

جنوری ۱۹۲۲ء

اگر اچھی اشعارمندرجہ حواشی کو بھی ملایا جائے، تو آٹھ ہزار کے قریب
ہونے میں شاید ہی کچھ کسر رہ جائے۔

دونوں دفتروں کے آغاز میں جو رہا ہے دئے ہیں، وہ
بعض جزئیات میں کاپیوں کی تخریز عام طوطہ خوانوں سے مختلف ہیں۔
لیکن لحاظ مطالب اختلافات نہیں رکھتے۔ مولانا کے کلام کے ہر قدر
شناس کو خود اسے دعا کرنی چاہئے، کہ بقید چاندزخون کی طبع دا شاعت
کا بھی ایسا ہی، بلکہ اس سے ادب تر مسلمان اتہام بہم پہنچ جائے۔

عبدالماجد

۱۔ کتاب ہندوستان میں بولی کے مشہور انگریزی کتب فروش تھیکرگنی کے فدریہ
سے مل سکتی ہے۔

میڈیگر و سپید را از املی بخل می پندار و اد از گز ہی
(دختر دوم، عنوان، تاملی قصہ زندہ شدن آخو انہا)
خواجہ روضے موسے خاند زمرود در دکان طوطی نگہبانی نمود
گر بے بر جست ناگہ در دکان بہر موشے طوطیک ازیم جان
(دختر اول، عنوان، حکایت مرد بقال و طوطی)
اس قسم کے اعلیٰ اشعار کی تعداد بھی کثیر ہے۔

جملہ کے اس شعر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ اشعار پر ہر
پانچ شعر کے بعد مسلسل نمبر پڑے ہونے ہیں جس سے ناظرین مختلف
سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دختر اول کے کل اشعار مندرجہ متن کی
تعداد ۲۰۰۳ ہے اور دختر دوم میں ۸۱۰ گویا کل جلد، جو دونوں
دفتروں پر مشتمل ہے، اپنے آغوشِ متن میں ۲۸۱۳ اشعار رکھتی ہے، اور

ایک تصویر کو دیکھ کر

(از صاحبہ اہل صاحبہ بی بی اے ایل بی بی کیل اعلیٰ ٹیوٹ و دیگر رسالہ ہزارستان لاہور)

قدق ہو یہ آئینہ ہا رطافت غضب ہیں نقش و نگار رطافت
کمال نزاکت۔ ہا رطافت رواں ہے کوئی آ بشار رطافت
دو چوڑی محبت سے رنگین مصور کے خون محبت سے رنگین
جون خیر ہے یہ آداسے بستم

یہ کافر نکلا ہیں یہ بیوش آنکھیں شراب خیل سے مہوش آنکھیں
غور و سرت سے بیوش آنکھیں ازل تک رہیں گی وفا کوثر آنکھیں
جوانی بھی ایسی کہ فانی نہیں ہے
قیامت ہے برپا جوانی نہیں ہے

یہ ہمارے عافیتی کے زمانے ادھر سے تقاضے ادھر سے جلتے
وفا کے تماشے جنوں کے ترانے زبانوں پر وہ جالیں گے رنجانے

مگر تیری آنکھوں کی دھتکی ہے گئی
شراب محبت پرستی رہے گئی

حرارت و بردوت

از رشاد قلم نویس اقدس حضرت شیخ از فقہوری اذین نگار "ہیول"

زمین گردش کرتی ہے تو اسکی پانی کیوں نہیں بھلاک کر رہ جاتا۔ جبریل تعلیم یافتہ حضرت ابی ایک اسی حالت میں زمین پرینا در کالج کے طلبہ میں بھی کسی جتنور کا دشمن کی حادثہ پیدا نہیں ہوتی، جسکا سبب صرف یہ ہے کہ علم کو علم کی عرض سے حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اسکی غایت صرف کم ہی قرار دیا جاتی ہے، اور اسکے لئے جہل ایسا حارج نہیں ہوپکا ایک ایک چھوٹی طبعیات کے مسائل سے اسی قدر واقف ہے، جقدر ہم اوقات نما سے، یعنی وہ اس وقوف کو اتنا ہی فرض سمجھتا ہے جتنا ہم اگلے صلوٰۃ لیکن شرق بانشک جاپان، ایک اس قدر پیچھے ہے کہ یہاں کے بہت سے علماء یہ بھی نہیں جانتے کہ طبعیات کا موضوع کیا ہے۔

مین نے اجر لے "نگار" کی ابتدا سے اس ضرورت کو محسوس کر کے اس امر کی کوشش کی کہ کم از کم سادات علوم جدیدہ ہی اپنی باقیات مشغول ہو جائیں اور طلبہ میں اسکا ذوق پیدا ہو، چنانچہ مین نے متعدد مضامین ہدیت و طبعیات پر لکھے، اور بار بار لکھ رہا ہوں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کی کو صرف ایک سالہ یا کوئی ایک تہائی کسی طرح پورا نہیں کر سکتی اور جتنا اسکا پر قوم علمائے ملت، رہبران ملک، مدیران رسائل و اجتماعی قوت سے اس طرف متوجہ نہ ہوں، کوئی نیچہ نہیں نکل سکتا تاہم فقرہ نوی حیثیت سے جو فرض ایک شخص پر عاید ہوتا ہے، مین اسکو بھی محسوس کرتا ہوں اور جہاں تک میرے امکان میں ہے، مین اس فرض سے عمدہ برآمد کرنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔

جس وقت جناب وصال ملگرمی (تدیر مرقع) نے مجھ سے اپنے رسالہ کے لئے مضمون کی فرمائش کی تو مین نے ان سے دریافت کیا

بحر ارات انسان مین سے شاید ہی کوئی تجویز اس قدر عام اتنا قوی اور اس درجہ قیمتی ہو جتنا حرارت و بردوت کا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تسلیم ہے کہ باوجود اس قدر اتر و تجربات کے ہم مین سے کم ایسے لوگ مین، جو اسکی حقیقت سے آگاہ ہوں۔

ہم آگ کی گرمی، برف کی بردوت، نسیم کی ٹھنکی، بادِ سموم کی حد سے کس قدر جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور کس طرح اپنے حواس کے ذریعہ سے ان دونوں حالتوں پر مختلف علم لگا دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی پوچھے کہ آگ مین حرارت کہاں سے آتی، برف مین انجماد کیوں پیدا ہوا تو ہم مین سے اکثر اسکا جواب مین سے حاضر نہیں گئے، یہ یقیناً ہمارا جہل ہے اور یہی جہل ہم کو بہت سے عطایاتِ فطرت سے مستفیذ نہیں ہونے دیتا، درانحالیکہ وہ نفوس جو ہر وقت تجویزیں لگے بہتے ہیں، جو مظاہر فطرت و مقادیرِ الہیہ کے اسبابِ معلیٰ پر غور کرنے کے عادی ہیں اور جو چیزوں کے ربطِ باہمی کو معلوم کر کے، کسی سیرے چیز کے استخراج و ابداع کا باعث ہوتے ہیں، کج ترقی کر رہے ہیں اور ہدیت، اجتماع ان کے علمی مجاہدات و انکشافات سے گرا بنا رہے۔

اس مین شک نہیں کہ مغرب کی ترقی کا راز علم الکیمیا کی ترقی ہے، لیکن دنیا کی کوئی حکمت علمی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک پہلے طبعیات کا علم چل نہ ہوا اور یہی وہ چیز ہے جس سے مشرق کے طلبہ! اعلیٰ نابلد تھے ہیں۔ ان قدیم مدارس و مکاتب کا تذکرہ ہی نہیں جہاں کے فارغ التحصیل طلبہ میرے یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ اور وہاں کا مجموعہ چار کیوں ہوتا ہے۔ جو ایک اسی حیرت مین مبتلا ہیں کہ اگر

جزوی سلسلہ ۱۰

کے لحاظ سے نقطہ انجماد کو درجہ صفر سے تعبیر کیا ہے، اور نقطہ غلیان کو ۱۰۰ درجہ سے۔ دوسرا فرنیٹ تھو میٹر، جس میں ۱۸۰ درجہ خاتم کر کے نقطہ انجماد کو ۳۲ درجہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور تیسرا راولیومر جس میں ۸۰ درجہ قرار دیکر نقطہ انجماد کو اسی درجہ صفر میں لکھا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ درجہ صفر یا نقطہ انجماد پر کرنے کے بعد بروث کی انتہا ہو جاتی ہے، یعنی اسکے بعد کوئی اور درجہ حرارت کی کمی کا باقی نہیں رہ جاتا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بعض مواد ایسے ہیں جن کی حرارت درجہ صفر سے بھی بہت کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً بعض گیسوں ایسی ہیں جو دباؤ سے نیال حالت میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور تحقیق سے یا ثابت ہوا ہے کہ گیس کا دباؤ یا اسکی مقدار متعلقہ ہے اس سے صفر سے اوپر درجہ سنٹی گراڈ پر بقدر $\frac{1}{273}$ زیادہ ہو جاتی ہے، اور صفر سے نیچے ہر درجہ پر اتنی ہی کم ہو جاتی ہے یعنی گیس کا دباؤ ۲۸۳ درجہ سنٹی گراڈ پر درجہ ۵۴۶ پر ۵۴۶ درجہ چند، اور درجہ ۹۱ پر چار چند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صفر سے نیچے $\frac{1}{136}$ درجہ پر دباؤ نصف ہوتا ہے۔ اور ۳ درجہ پر مطلقاً کوئی دباؤ باقی نہیں رہتا۔ اور تاہم گیس میں قبل اسکے کہ ان کا درجہ حرارت اس حد تک گر جائے کہ نیال حالت قبول کر لیتی ہیں۔ اس دباؤ یا مقدار کے معدوم ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے وقائع میں اب مطلقاً حرکت باقی نہیں ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہاں بروث کی انتہا معلوم ہو سکتی ہے گویا حقیقی درجہ صفر سنٹی گراڈ کے موجودہ درجہ صفر سے ۳۰۳ درجہ اور زیادہ نیچے واقع ہے۔

اس حرارت کے درجہ صفر تک گرجانے کے علم سے صحت منہج دنیا کو بہت فائدہ پہونچا، کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ جب جسم کی حرارت میں کمی نہاد پیدا ہوتی ہے تو انکے خواص طبیعی میں بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً پانی کی اپنی حالت طبیعی میں نیال ہے لیکن اگر اس کی حرارت کو ۱۰۰ درجہ سنٹی گراڈ تک پہونچا دیں تو وہ جوش میں آ جاسکا اور دھواں نکلنے

کہ رسالہ کا موضوع کیا ہے، اور چونکہ انکا جواب مجھے کسی مخصوص صحت پر باند کر دینے والا تھا اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی جدید طبی مسئلہ پر گفتگو کروں۔ اس میں ایک مصطلح بھی تھی کہ اگر انہوں نے یا انکے رسالہ کے خریداروں نے اسکو پسند کیا تو آئندہ کے لئے میں تقاضے سے نجات پا جاؤں گا، اور اگر پسند کیا تو کوشش کر کے دوسرے سے بھی اس نوع کے مضامین لکھوائینگے، اور اس طرح علاوہ کھگار کے ایک اور رسالہ اس مقصد کا حامی و طرفدار ہو جائیگا۔

اس قدر تمہید کے بعد میں اصل موضوع پر آتا ہوں اور آج کی صحبت میں بتانا چاہتا ہوں کہ ”حرارت و بروث کیا چیز ہے اور ان کے خواص کیا ہیں؟

یہ ظاہر ہے کہ ”حرارت و بروث کا تعلق مادی چیزوں سے ہے یعنی مادہ ہی کے ذریعے ہم انکا احساس کرتے ہیں۔ اس لئے یا درجہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مادہ کے اجزاء (اتھین صلاط) میں وقائع یا Molecules کہتے ہیں، میں تجربہ و نیکا نام ”حرارت و بروث“ ہے یعنی مادہ کے وقائع میں جب حرکت ہمزاری زیادہ ہوتی ہے تو ہم اسے حرارت کہتے ہیں۔ اور جب یہ حرکت کم ہو جاتی ہے تو ہم اسے بروث سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر یہ حرکت جس قدر زیادہ سریع ہوگی اسی قدر زیادہ گرمی اور تپتی بجلی ہوگی اسی ہی زیادہ بروث محسوس کی جائیگی۔

تھرمامیٹر، ایک دے قبل بھی گرمی و سردی کا یہ سبب دیا تھا، ہوجکا تھا، لیکن اسکے مختلف مراجع کا علم ہو سکتا تھا، اور اس لئے ہم اس سے کوئی کام دے سکتے تھے۔ جب تھرمامیٹر بنا دیا تو پہلے چلا کہ حرارت و بروث کے اثرات کس درجہ پر ہونے لگے، کیونکہ ایسا ہوتے ہیں، اور پھر اسکے ذریعہ سے ہم کو بہت سے کاموں میں مدد ملی۔

تھرمامیٹر کی قسم کے ہوتے ہیں، ایک درجہ میں مقیاس سنٹی گراڈ

بھی معلوم ہوا کہ سیدہ کا گھڑاں یا جس دباؤ دیکر سیدہ بن گھٹنا سٹپن ہوتی، جب پوری طرح سڑک دیا جائے تو گھٹنا سٹپن لگتا ہے۔

جس طرح بروڈت کی انتہا درجہ صفر نہیں ہے، اسی طرح حرارت کی انتہا درجہ عینان بھی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً حرارت کی انتہا کا علم قدرت انسان کا ہے۔ اس وقت تک سب سے زیادہ حرارت میقاس فہرہیٹ کے لحاظ سے ۹۴۰۰ درجہ اور سنٹی گراڈ کے حساب سے ۵۲۰۵ درجہ دریافت ہوئی ہے، لیکن اس درجہ کی حرارت آتی ہوئی ہے، اور کسی مادہ بنفخر کے چھوٹے کے وقت ایک سکند کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ حرارت کے خواص علم الکیمیا اور کیمیا میں جس قدر معائنہ ہیں کسی سے مخفی نہیں، یہاں تک کہ فرائض کے مشہور ماہر علم الکیمیا نے آکسیجن اور ہائیڈروجن کے مخفی مین ۳۴۰۰ درجہ کی حرارت پیدا کر کے الومیتا کو پیدا کیا اور پھر آکسید کرومیم سے مدد لیکر ایک سپاروشن ونگین مادہ تیار کیا کہ اسکے اور طاقت کے درمیان شکل سے تیز کیمیائی ہے اسی طرح کہ باقی حرارت سے دنیا کو جس قدر فائدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے، کسی سے مخفی نہیں، عالم ایجاد و اختراع صرف اس کا محاسبہ اور تمدن و تہذیب کی گما گمی اسکی منوں ہے۔

یہاں تک تو سادہ بیان ہوا۔ حرارت و بروڈت کی حقیقت اؤ اسکے معمولی خواص کے متعلق۔ اس کا سمجھ لینا ضروری تھا۔ اب اسکے بعد ہم زیادہ تر بلند مقدمات پیش کریں گے، اور تفصیل کے ساتھ بتائیں گے کہ حرارت و بروڈت کی اس حقیقت شناسی سے انسان کو فائدہ پہونچاؤ آئندہ کی توقعات قائم ہیں۔ مرقع کی آئندہ اشاعتوں کا انتظار کیجئے۔

نیاز فچوری

بھوپال - ۱۱ نومبر ۱۹۲۵ء

اڑنے لگیگا، لیکن جیل سکودر جہ صفر تک لے آئیگیے تو جہ جالیگا اسکے معنی یہ ہوئے کہ جس قدر باقی مین گرمی پہونچانی جائیگی اسکے دفاع کے اہستہ زات پڑھتے جائیں گے اور یہ گرمی جتنی کم ہوتی جائیگی دفاع کا اہستہ زات گھٹتا جائیگا، حتیٰ کہ وہ بلور کی طرح جم ہو جائیگا۔

اب تم آکسید کربٹ لیں کو لو اور دباؤ سے اس مین بروڈت پیدا کرو تم دیکھو گے کہ وہ تپال ہو گئی ہے، لیکن اگر اس دباؤ کو ہٹاؤ گے تو وہ پھر گیس کی حالت میں آجائیگی، چنانچہ آکسید کربٹ کی کو اسی اصول پر تپال جائے مین تبدیل کر کے لوہے کی ٹھیکوون مین بند کر دیتے ہیں، اور جس وقت اسکا مستحکم ٹیٹہ مین تو پھر وہ گیس کی حالت مین تبدیل ہو کر آجائی ہے۔ حرارت و بروڈت کے اسی اصول پر جو ترقیان ہوئیں اور صنعت کو پختہ فائدہ پہونچاؤ کسی سے مخفی نہیں، لیکن صرف اس غرض سے کہ اسکے بغیر عجیب غریب علمائے کیمیا ان مضمون مین بھی جاتے ہیں کہ جہ جالیگا پیش کرتے ہیں چاندی کا ایک ٹکڑا لیکر تپال ہو ا مین غوطہ دیکر نکال لیں اور پھر جڑا کمرانی کے پاس بجا لیں تو معلوم ہوگا کہ اسکی مقادمت کمرانی ضعیف ہو گئی ہے یعنی طبیعیہ کیمیاں ہے کہ ہر معدنی چیز اپنی حرارت درجہ صفر تک کم کرنے کے بعد جڑا کمرانی کے لئے اپنی قوت مقادمت ضائع کر دیتی۔

اسی طرح اگر تپنا طیس کے ٹکڑے کو ہوا اور تپال مین متعدد بار غوطہ دیا جائے تو صرف اسکی قوت کشش ہی نہیں ختم ہوتی، بلکہ برابر اس مین اضافہ ہوتا جاتا ہے اور فعل متناطیس ہے آکسیجن و نائٹروجن سے ملتی ہو جاتی ہے۔ سیال گیسوں کا تعلق رنگ کی تبدیلیوں سے بھی عجیب غریب ہے چونکہ مادی اشارہ کانگ مشرب ہوتا ہے، ایٹھ کی ان تراج نورانی سے جگمگودا دی شے اپنے اندر جذب کرتی ہے، اس لئے اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ جب درجہ حرارت کم ہوگا تو دفاعی کاشٹن ان مولج کے جذب کرنے پر بھی موثر ہوگا اور اس بنا پر تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ درجہ حرارت کے اختلاف کے وقت زرد چیزیں سرخ اور زرد سیدہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ

عظمت

صنی اللہ ورحمہم الہک الیخاف علی خان حبصا القابہ تخلص طہر خف فو صدیق حسن خان ہمدرد

جب تو کی نذر اپنا دین ایمان ہو گیا
پھر خوشی کیا اگر کوئی کا فرسلمان ہو گیا
عشق میں جاسرخ و داری بہت ڈنکار
آجکے جو وقت دوسرے وہ آسان ہو گیا
دین دل لکھو اگر دوس نے عاشق کا خطا
میں کیا دونوں ہمارے اسکا جان ہو گیا
شب کو اس گرم تہا ہنگامہ راز دنیا
میں کہ ہوتے ہی اک خواب پریشان ہو گیا
رشتہ دین میں ہر دم بھی اگر وہ بھی ارمان ہو گیا
دیکھ لینا لیکن تم یہ بھی طوفان ہو گیا
دو دو دل جھک چرخ راہ عرفان ہو گیا
دو دو دل جھک چرخ راہ عرفان ہو گیا
دو دو دل جھک چرخ راہ عرفان ہو گیا
دو دو دل جھک چرخ راہ عرفان ہو گیا

شاعری طاہر مرے نزدیک اس کا نام ہے
طراوت دل ہوئے جب جمع دیوان ہو گیا

جناب غلام حسین صاحب اس عظیم الشان چوہے تخلص قمر جتاجی محمد مصطفیٰ خانضا صطفیٰ الہک الیخاف علی خان ہمدرد

نہ لگی محو شب انتظار کی
آج میں میں ہی جو عروس ہمار کی
رہنا بھی وہ کہ ٹوٹے دینا بھی راتوں
میں ہے جگہ جھینٹیں لہو کی ہیں جا بجا
ادرا زکنت تہا کہ تھی کچھ اداس شرم
حاجت تھے کم کو زمین کچھ شہار کی
کل کھیلے کو نہ تھے سہرہ سا اٹھ گیا
بسنے تھلک کے سونگہ لیا ہو گیا جنوں
ہم شام و عہد انکے یہاں آپ جلیں
وہ نام کیا جسے کر زانہ شا کے
نہی شرب کے جان کسی بے قرار کی
دعوت ہو آبلوں کے یہاں لیکھار کی
آخراں آبلوں سے چلی کچھ نہ خار کی
روشنی میں کچھ ہو ہائے غرار کی
محشر کے دن کسی نے نہ آنکھ اٹھنے چار کی
ہم نے خطا ہزار زمین لاکھ بار کی
انگلاروں نے بات بگاڑی حسار کی
تاثر دیکھ کی تھے جوڑے کے ہار کی
رحمت تھلک کے کون شب انتظار کی
سادہ ہے گی تہج ہمارے حزار کی
دل نہ جھکے اس کے مل کی بائی دھکی
میں اڑے ہوں تار دیوانہ پر روشین
تیرے و عشق کا دلو سہارا کب نہ تھا
میں اہم جو صورت میں بھی ہو جاتا سگر
دیدہ دین میں جو ہوتی زاہد و کچھ روشنی
جو رہو لوٹ زاہد و خوشی جنس شمع کدو
جلوہ و حوت نظر آتا نہیں کسرت میں کیا
جلوہ کہ جو نیکو تھا کوئی میت نیکون ادا
ہم نے اک دیکھ کی جن کی دیکھ سکا تو تھا
دین میں روشن ہو چکا تھا عشق کا پیکر خلیف
ہمت افزا شوق تہا راہ طلب میں صطفیٰ
رائے رستا جب تو آبلہ پانی نہ تھی

امید کو شاف محشر سے لے قمر
بیکار کرے تھیں رو رہا رکی

۲۶
گیتان جلی کی شرح و تفسیر

از ابو العلاء و اما حکیم ناطق صاحب کفوی

سر اسد رواتھ کی جو بھال کے حضور شاعر اپنی حق ہونیا د
نفسا تھیل میں بن بھال ہیں ان کی نظم لیمان جلی پر پوک قبول پڑے
لاہور جو کہ بھالی زبان میں تصنیف کی گئی تھی کہ غور ہو کر نہ انگریزین
اس کا ترجمہ کیا اور پھر بعض حضرات نے اردو میں اس کی شرح کی جو بھال
کے بعض چہرئیں اس زندگی نے سلا ناید ابدالعالم کا طبع لکھو جو ہے
اس کی تشریح و تنقید کی خواہش کی حکیم صاحب مدوح کی ملی ادبی
قابلیت ہندوستان میں تعارف کی قیام نہیں۔ انکی سند تحریر اور
غائر تخیل میرے بیان سے کہیں زیادہ خود ان کی تعریف کر سکتی ہے مگر
میرے لئے ایک نثر زیادہ اہم ہے کہ میں اس مضمون کو حاصل کرنے میں
کامیاب ہوا ہوں اور اس رسالہ کی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ حکیم صاحب
نے اس تنقید کا سلسلہ آئندہ جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے کہ
حکیم صاحب جلد و شہرت پسندی سے متفرق ہیں اسی قدر اپنے کلام
نثر و نظم کو طبع و اشاعت سے دور رکھتے ہیں۔ میں ان کا دل شکریہ ادا
کرتا ہوں کہ انہوں نے اس رسالہ پر خاص عنایت کی ہے۔ اور ناظرین
کو مطلع ہوں کہ مضمون ذیل میں مہینہ تنقید ماضی مضمون میں نظر
آئے گی۔

ملیگو کے حالات تغیر سے پہلے مختصر طور پر حکیم صاحب نے تحریر فرمائی تھیں کہ وہ جلالتِ خیالات اور نگاہِ کلام روشنی بھی ڈالی ہو لیکن ہم انشاء اللہ تینہ کی زبان میں ملیگو کے مفصل حالات اور ان کی شاعری پر ایک مکمل مہرہ لکھنے کی کوشش کریں گے۔

五

راہنہ روزانہ ٹیگورنگال کے مشہور مقبول شاعر، ڈاکٹر، اور
پیس فوٹوگرافر ہیں۔ انکو ایک مجموعہ نظم گیتان جلی پر یورپ سے

پسندیدہ ترین شاعری کا مجموعہ لاکھاپور سے انعام ملا ہے۔
 میرے صحن و دستون خیمچے، اصرار کیا کہین گیتان ملی کی
 منتزع و مستخرجہ، ہر سو کا کہہ، واقعات زندگی، ہر اعلیٰ شاعر کے
 خیالات، حضرت جوہر کی بات کو عرض میں لاتے ہیں اور کلام کو ادبی
 موسیقی اور شعریت میں تبدیل کر دیتے ہیں سب سے پہلے روشنی میں لکھ
 جائیں۔

سرہماراجہ ٹیکگورادوان کے خاندان کا مذہب چند پشتون سے
 بدھ بھو سماجی ہے جس کی شریعت کا اصل اصول توحید مسلک کا راستہ
 سلسلہ تاریخ اور عرفان حقیقت کا نصب العین وحدۃ الوجود ہے۔
 سرہماراجہ ٹیکگور کے والد ہاشمی دیندرود کا مذہب ٹیکگور خانقاہ بدھ بھو
 سماج کے سرگرد تھون سے شاید ہی عربی فارسی کی کوئی کتاب ایسی
 وجود وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتی ہو ادا تھون نے نہ پڑھی ہو۔

مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ ان کا سب سے بڑا طبقہ تھا اور یہ ذوق انہوں نے اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا تھا وہ ہمیشہ اپنے خاندان کے ہونا رنوجوانوں کو مولانا اور حافظ کے اثر و شعور پر گہرا کرنا چاہتے تھے اور ان کے مطالعہ کی ترویج کرتے۔ ایسے اشعار اور ان کے مضامین میں اس حد تک ضعف تھا کہ وہ علاوہ اپنے خاندان کے ساری دنیا کو اس رنگ میں رنگ دینا چاہتے تھے۔

اس خزانہ سے راہنبر راجاھ لنگو کا دل و دماغ سمور ہو گیا اور اس میں خاندانِ ذوق سے باہل سرشار ہو گئے۔ اپنے والد کے انتقال کے پہلے یہ ایک امن کے رگ و ریشہ میں سلاست کر چکا تھا۔ مگر ایک جملہ پر دوسرا جام پر ہوا کی ہوس کے انتقال نے عشقِ مجازی کے درجات طے

کر دیے۔ پھر کیا تھا دی جذبات کے شعلوں نے دماغ میں جھیل کر گداز کر کے پکڑ دیا۔ ادب نے سانچے میں ڈھالا۔ تصوف نے خواہ پر چڑھایا۔ اویسیت نے نگین کر کے نیزنگ عالم کے پہنچ پریش کر دیا، گیتان جلی میں پہلا صبر بون کیا۔ ۴

ثبت است برجیدہ عالم دوام

پھر اس مخون کو نظم کیا ہے

کشتگانِ شجرِ تسلیم را ہر زبان از غیب جانے دیگر است

اس کے بعد اس ماز کا ہم آواز ہوتا ہے ۶

بشنوا ز نے چون حکایت می کند

داتوہ ہے کہ اس عالم میں جس طرح ہرگز دودے اسی طرح دانتا کا بھی ہر سلسلہ دائرہ کی شکل میں ہے ہر دائرے کے دوسرے ہوتے ہیں۔ ہر قوس دوسرے قوس کے مقابل بلکہ مخالف و متضاد ہوتی ہے جب ہمارے دائرہ کا نصف ختم کر لیتی ہے تو خزان شروع ہوجاتی ہے ایک قوس اگر کمال ہے تو دوسری کمال اسی طرح ظاہر کا آخری نقطہ ہوجا باطن کا پہلا نقطہ ہے غرض کہ ہر دو متضاد چیزیں باہم ایک دوسرے کا لازمی نتیجہ اور سبب ہیں۔

یورپ مادہ پرستی کا خطرہ نوری ختم کر چکا ہے۔ مانے کی حریف

یا حد و مقابل یمانے کے ظاہر کا باطن روح ہے اور اور بچے ادہ

پرتی کا سلسلہ حد کو پہنچا دیا ہے اور اپنی قوس کے آخری نقطہ پر پہنچا

ہے جو خط روحانیت کا پہلا نقطہ ہے۔ قدر تا ہر کمال زوال کا اور

ہر زوال کمال کا تشنہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت یورپ کی بھی یہی حالت۔

جو کہ مادہ پرستی کی تکمیل نے روحانیت کا طالب صادق بنا دیا ہے

اس وقت گورو کی حقیقی پہلی شاخوئی اور صد فیاض نظم کا ایک قطرہ

مادہ پرستی کی صدف میں گرا بیٹھا یورپ کی استعداد کو سبب قفس

کومتی بنا سکتی ہے اس جوہر کے جوہر کو یورپ نے ڈیڑھ لاکھ پھینکا

یہ تو اس قدر زائون میں ہے کہ مزید شکریہ کے قابل ہو گا اصل سرت یہ ہو کر وقتِ نظریات اور روحانی معلومات میں ہمیشہ یورپ ایشیا کا دست بگڑا و مرنون رہا ہے۔

تصوف غریب کا جو ہر یاد و فریاد ہے جو عرب میں شریعتِ اسلام

اور صوفیوں میں قوم کی مذہبی تکمیل کے ساتھ فوراً اور قدرتی طور پر ہو گیا

تہا جس کی تشریح عربی میں شیخ ابن عربیؒ نے «فوحات» اور

فصوص میں اسنکرت میں وید اور کرشن گیتا میں کی ہے

اور فارسی میں مولاناؒ نے «مغنیۃ اللہ» اور خواجہ غلام

نے عرب اور مصر کے ان دونوں شعبوں نے بڑے بڑے دریا پیدا کئے

اور تمام ایشیا کو سیراب کر دیا۔ اسنیل سے ایک کوزہ گلو کو اپنے

والدے داشتہ و دین عشق کی ظرفیت کی وجہ سے حاصل ہوا کیا

ایک قطرہ شاعرانہ کی چشم تو کی طرح یا خاندانِ نوح کے نوح کے ضلوفی

افریقا، انگریز زمین ہو سکتا؟ بہت ممکن ہے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ

دنیا کا نصف کرہ رشتی میں اور نصف کرہ تاریکی میں ہے تو تاریکی کا

جہانک کام کر سکتی ہے ایشیا کے مقابل یورپ روحانیت و تصوف

اور باطنیات و غریب کی طرف سے ایک نظر آتا ہے۔

گورو سے پہلے اہل ہندو کے صوفیوں اور خواجہ حافظ کا

کلام یورپ میں پہنچا۔ اور غرضاً ہم کی تو علی پیش ہونے لگی

صرف قدر وافی اور ہر شمسائیک محمد و دریا یورپ پر فانی

خلق روحانیت و باطنیت کی طرف سے پیرزاد ہو سکا کیونکہ تصوف

جذب غریب کا واحد ذریعہ ہے اور اس سے یورپ کی صرف کم تعلق

ہر غصہ و اہماک مفقود اور ترقی متحد دوسے۔

ان وجود سے بہت ممکن ہے کہ عمر خیامؒ اور دیگر اہل تصوف

کی طرح گورو کا گیتان جلی بھی صرف داغی لذت محوسات میں تغل

ہو کر تھا ہو جائے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ کا انقلاب سمندر و دن کو

اور ہر شرع اپنے اصلی اٹھنا کا فریضہ ہے۔

کیفیات و جہالات تک کی محاکمات بعض اشعار میں موجود ہیں۔

مضامین کا پیکر بلاس یعنی روح کا قالب بظاہر سادہ الفاظ زیادہ

بلخ اندخیز مشہد و نمانوس ہیں مگر اکثر استعارات اس خود بخود ہیں

کہ عام مذاق کے لوگ اس کی تکرار نہیں پہنچ سکتے بعض اشعار اس

ممتنع ہیں بعض میں مشرق حقیقی کی طرف سے سیدہ سادہ الفاظ

ہیں بجز تشریح و استعارہ خطاب کیا گیا ہے صنعت ایہام و ابہام

بہت ہے جمہور کے لیے سے کہیں کہیں اجمال و اجمال پیدا ہو گیا ہو

زیادہ تر لطیف و عجیب رنگ ہے اختیار کیا گیا ہے کہ نظم کے

بیشتر حصہ کا سازنا اور فریاد ہے اور اس کے مضطر بانہ انداز نے

فخر کے زرمون کا یہ راہ اختیار کیا ہے۔ لہذا خیالات کے سچے سچے

اور ترکیب الفاظ کی سب سے اکثر اشعار میں قدتی موسیقیت پیدا

ہو گئی ہے بجا بجا صوت سروی، عالم کن، سماع، دست، اند،

ادھر ہے سلطان الاذکار گونج رہے ہیں ان سب نے مل کر

اور گویا ہم آواز ہو کر زبان حال سے ساز ہستی کے اس راہ تحقیق

کا ترانہ چیر رہا ہے کہ عالم موسیقیت کا باطنی طرب بجا ہے ہر چیز

خطبہ تحرک ہے اور قدرتی حرکت باقاعدہ نے میں ہے۔ ہر آواز

ایک سر ہے ہر کس ذرات اجنبی اور اجزائے بنیاتی کے اتصال سے

جو درگیر پیدا ہوتی ہے اس کی صدا ایک لطیف اور سینہ نغمہ ہے۔

دریا کی دو تمام قطروں کا باہم ٹکراؤ اور سینہ کی چھانچھان سا گڑگڑاہٹ

راگ ہے۔ ہر جنس ایک ضرب ہے، ہر نگاہ ایک ساکت سر ہے

اور کلکلیوں سے دیکھنا تا نہنگ کی ایک دینہ اور گلی کی ایک مڑکی ہے

پہاؤ بظاہر خاموش اڑا سر بلند کیے اپنا سینہ تانے ہوئے ڈٹے

ہیں مگر باطن میں روئے زمین کی لاپ ہے۔ غالباً گیتان جلی

کے مصنف کی نظر سے ساز و دنیا کا ہر درہ راڈا ٹھہر چکا ہے ہر زردہ،

نیشک کر کے ہر عظم بنا دیا ہے سطح اور ہمارے زمینوں سے پناہ پیدا ہوتے

ہیں ہر ملک گرم اور گرم سرد ہوجاتے ہیں کیا تصوف کا روحانی

بندہ اور ان کی ملک کے مذاق میں انقلاب نہیں پیدا کر سکتا؟

اگر وہ وقت آگیا ہو یا جب کبھی آئے تو یورپ کھائیا کی طرف

سے جتن اس قسم کے پیغام اور درجہ پہنچے ہیں ان کو اور اس زیادہ

کلام نگو کہ ہمیشہ یاد رکھنا ہوگا۔

ٹھیکر کا نام کلام بنگالی زبان میں ہے مگر اصطلاحی علی اور اہم

الفاظ سنسکرت کے اس طرح شامل ہیں جس طرح انگریزی میں انگریزی

اور اردو فارسی میں عربی علاوہ بنگالی کے تمام صورت وادار زبانون

میں سنسکرت کے الفاظ مرکب غالب ہیں۔ اردو شہسبازی، گیتان

جلی کا ترجمہ بنگالی سے انگریزی زبان میں خود ٹھیکر کے مترجمے

میں معانی مطابق سب کچھ آجاتے ہیں۔ اصل تصنیف کا اثر کثرت اور

روحانیت کا تئیں ہر غایت ممکن ہے اس لئے سب سے اصلی گیتان جلی

کے کسی ترجمہ پر تنقید و تشریح کے لیے اطمینان نہیں ہو سکتا میں نے

ترجموں اور اصلی کتاب کا مقابلہ کرنے کے بعد تنقید و تشریح پر غم اٹھایا

ہو چکا ہے مجھے امید ہے آپ سے یہ نہیں ہو سکتی کہ مصنف کا جائز

مقتضیٰ جو اکثر مقامات پر نہایت ہی بیدار استعارات میں بیان کیا گیا

ہو جو کیفیات و لطایف اور محاکات کے ساتھ ذہن نشین کرنے میں

کامیاب ہو جاؤ گا۔ مگر احباب کی فرمائش اور اصرار پر مجبور کر رہا ہے کہ

جو کچھ ہو سکے محدث اور معانی کے ساتھ پیش کر دوں۔

گیتان جلی کے خصوصیات یہ ہیں۔

تخیل بلند، اہم اور فائز، مجاز و حقیقت و دونوں کو ملے ہوئے

عشق کے موثر جذبات اور وہ سب کے سب یہ ہیں کہ عشق حقیقی میں

یون ہوتا تھا۔ اور مجازی میں ایسا ہو سکتا ہے، عاشق کی فخر اور

شاعر پر قیاس کر کے کچھ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جو کچھ ہو ذاتی و جہالات

شعرا نے چون حکایت می کند ذہن دہائی ہنسکایت می کند
زانہ حال کے اردو شعرا نے بھی اس سکہ کو عاشقانہ رنگ میں نظم کیا ہو گا
اردو زبان کو ایسے مضامین کا تحمل دشوار ہوا تاہم غنیمت ہے کہ

بزمِ طرب بھی گرم ہو پھر نیر ہے ہوا اک نغمہ بسیدے سے بزمِ نیر ہے ہوا
نگوڑ بھی ہر مروج ہوا کو یا نسری بگلر اس کی لپے و جہانِ نبوت کہنے لگا
نیر شاعر

نیر سے ہاتھوں کے لازوال (اور تجا دینے والے) اس سے میرزا سارا بیاچر
دلِ مسرت میں اپنی محدودیت کہتا ہوا ادا تھا دہ کے خوشگوار نغمے بیکار ہوا
یہ حقیقت خود بھی لافانی ہوا اور جو کچھ چھو لے وہ بھی غیر فانی ہوتا ہوا
اور عاشق کے سوا کون سچ ہو کر اس سے یہ قلعے رکھے و شاعر کہتا ہو کر
اس ربط سے وہ بیاچر دل جس کی حدیں اور قوتیں محدود ہیں۔ اس کے
ہاتھ سے اپنی عنانِ حد بندی چھوٹ جاتی ہو اور وہ دل اپنے آپ کو ایک نامعلوم
شے سمجھتا ہو جو کہ اس مسرت میں کچھ سے تعلق و ربط رکھتا ہو اپنی محدود
ہستی کو بھول جاتا ہو۔ اور اپنے شانہ جذبات سے و جہانِ لبس کے خوشگوار
نغمے پیدا کرتا ہے۔ نہایت پر کیف شعر ہے۔

چو تھا شاعر

نیر سے الٹی ادبی دنیا محدود عطا میر سے کو تاہ (محدود) ہاتھ نہیں آتے ہیں اور ان
گنہگارے جاتے ہیں کہ تو ان شعر کا مینہ برساتا جا رہا ہو، بہرہی مہموری کی گنجائش
باقی ہو تجلیاتِ الہی غیر فانی اور غیر محدود ہیں، انسان چہرہ ان تجلیات کا پرتو ہے
وہ ایک محدود شے ہو گرا انسان کی وسعت میں اور اس کی گنجائش کو بیان کیا ہو کہ ان
منیف الٰہیان کے چھوٹے سخن کی کیا حقیقت ہو اگر جب تجلیاتِ الہی سے جس کا
تعلق ہو جاتا ہو تو وہ بھی لافانی و لاعدد ہو جاتا ہو۔ چاشنی نے کیا عجب کہا کہ
”اندیشہ کل پیشہ کی کل باشی“ اس تمام باعی کا مقصد یہ ہو کہ جو کا قصد
کرے کہ تو جزو ہر گے کل کا قصد کرے تو کل ہو جاوے گا۔

(ہو لافانی)

اور فلسفہ کا یہ سکہ بھی اس شعر سے پیدا ہوتا ہے کہ نظر یعنی جماعت
فانی ہے اور روحانیت باقی۔

بہر حال نگوڑ کا یہ شعر کثرتِ جدید ہے۔ یہاں متن و مضمون کی طرح
یہ ہے کہ اس کا ذاتی و جہانِ ہو۔ اس زانے کے اردو شاعروں کی طرح
تخیل محض اور نقل و قیاس نہیں ہو نگوڑ کی شاعری کا مقصد یہ نہیں کہ
لوگ نہ کہ تعریف و تحسین کے نعرے بلند کریں اور یہ کہیں کہ کس قدر نازک
خیال و عالی تحمل شاعر ہے نگوڑ اس سے تکلفی ہو کر اپنے ذاتی و جہان کو
نیم بند و بانہ حالت میں بیان کرتا ہے ظاہر ہے کہ عالمِ باطن کی زبانِ عالم
ظاہر میں مروج نہیں ہو۔

کیونکہ تکلف روحانی مجھے ظاہر نہیں عالمِ باطن کی زبان کوئی نہیں
دوسرا شعر

یہ ہے کی چوٹی سی بانسری تو دایہ و بایہ میں اور ہوا دونوں پر لے پھرتا ہے
اور اس میں دایہ و بایہ کے نغمے پھونک رہا ہے۔

تصویر کا ایک نمونہ ہاں انسان سکہ ہے جو کہ تمام عالم ایک عالمِ صوت ہے
اور انسان بسکہ عالمِ صیر ہے خود انسان میں جو عالمِ صوت ہے اس کو
سماعِ دہشت کہتے ہیں۔

در باغِ راست ہر تن چیزِ نرست

مولانا روم کا مشہور مصرع ہو اور اس کی بابت اہل ذکر کا اتفاق ہو
کہ مراقبہ کی مشق سے یہ نغمہ سالک کو ہر وقت منائی دیتا ہو اور یہ وہی آواز
کن ہو جو ہر ذرے میں سرایت کر چکی ہو اور ہر جگہ ہر وقت گونجنی رہتی
ہو۔ غالب نے بھی اس مضمون کو نظم کیا ہے۔

عزم نہیں ہو تو ہی نوا ہے راز کا یان در نہ جواب ہو پردہ ہوساز کا
مولانا روم نے ہر انسان کی شہرگ کو بانسری سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے
کہ جب تک انسان سے جدا نہ آواز ناکہ ہو تو اس کی صدا گویا ناز

مظہرِ فراق ہو۔

شرابِ نثلث

امیر انصاری استاد حضرت محمد یزدی گھنوی دلفرازا

لباطر جابر عشق اورین کر شراب سازین
چہرے لکھنوں سے جلد نہ کھل گزین
نیزین بھی جھبک آبِ تیغ نکلا و تازین
ہکوتا پار پر ہے نار و دین غور و تازین
شان ہے اسکی قول کیا قدر پہ تازین
کی جو ناز عشق ادا ان کے حیم تازین
ہل کے کل دل چرین جھل یا گریم ہے
نور کے کلین لکھ گیا خار سے یا غیب
ہے نہ تو تین جن بن اور نہ تارہ آمین
منہ نہ بان پر کے بلت نہ بھی لیت ہے
حشر با جو ہر تے سے جب جا گئے
موت ہی کی نہیں کاش موتی جو سر سے نجات
عشق ہی نہیں بیک کو نہ گئی ناز و نکوس
نزع سے ہم اور چھ فرست نہیں نہولی
پر رہے ہی پرے پھرتی ہو شیخ و ان کے کوس
سکے وہ داستان کہ مست تھی ہیں جھانگے
خون دل کی کی سوخ شرم سے کھلے کھل گئے
بات جو کہنے کی تھی کہتے جوتانی کی بات
اکسیر میں ملایا کھسے روشن کس کس کس
غور کن تیرا جل گئے تنی ادا کی کھل گئی

یہ کہاں کہم گئے کہیں کہاں کہیں تیری نگاہ زین
تو وہ غلام برون تو ہزار برون میں جلوہ گر
دی کے ترس کرش عرش تک ہی جا کرش کرش
کہیں تیری کو کہیں ہم کو ہی کس طرب خوشوا
تھے جازین و فرما لڑا کرپک سینے سے لہا
یڈا لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
گھڑی کی کھڑک لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
لے لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
جہیز لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
مے ناز کے وہ اٹھا جو نہ تھا تو لکھ لکھ لکھ لکھ
لے کیا جو کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر
یہ گوند کا ترش تھی یہ طلسم تھی تھی تھی تھی
پر عشق کا لہ کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر
نہول کر اپنی تیرو لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
سیلے کام کا کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر
یہ شان تھی مجھ پر کھل گئی اور تھی تھی تھی تھی
یہ جو عشق کا کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر
یہ کو کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر
کبھی جھلے جھلے جھلے جھلے جھلے جھلے جھلے جھلے

اسان ملک حضرت ریاض علیاوی دلفرازا

محمد کبھی نہ دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور
ہے یہ تھانوی جی بان ملک حسن طرازین
نہیں دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور
نہیں دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور
نہیں دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور
نہیں دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور
نہیں دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور
نہیں دینا کہ تھی ہے شوقی مسرور

سولن کی چرٹیاں

سولن کی سرسبز شاداب وادیوں کی خوش آواز چڑیاؤں، خدا تھاہائے
چھوٹوں کی شیرینی اودوں کی آویزی کو دائم و قائم رکھے۔ یہ ہم تم ہم کر
چلنے والی ہو ایسے بھارے نرم دناؤں پر دلوں سے پیار کریں
اور ٹیلے ٹیلے کی طراوت سے تھیں شاداب کرتی رہیں!

تم گھنے آداس جھگولن کی رہنے والی نہیں بھارے
کاشانے کھلے ہوا درختوں کے ہیئتہ ہلنے والے ٹہنوں کی گود
میں ہیں اور تم روشن درون میں زمین داسان کی کشادہ
پیشانی سے ہمارے پھول کھلتی رہتی ہو!

ان چٹوں کے ٹھنڈے اور ٹھٹھے پانی سے اپنی شربین
ہستی کو تروتازہ رکھو اور وہ گیت گاتی رہو جن سے پرمردہ ہانوں
کی گنجان بستیوں اپنے رہنے والوں میں برقی ہم کی ایک
ہلکی ہلکی آواز کا احساس کرنے لگیں۔

ان فطرت و عادت کے بندوں کو قدرت و محبت کی
شگفتہ آداؤں سے بہرہ مند و ذکر وادبار میں مدد و روح
پھونک دو جن سے ان کے حساس جسم اب مدت سے محروم ہو چکے
ہیں۔ انھیں اندر قدرت کی آغوش سے جدا ہوئے صدیاں
گزر چکی ہیں۔ یہ تم ہی آنکھیں نہیں رکھتے۔ ان کی چشم دور اندیش
پھولوں پر تون میں وہ کچھ نہیں دیکھتی جو رات دن کے لمحے
لحے میں تھیں صاف نظر آتا ہے۔

تم ان سے بالا بالا رہتی ہو اور بالا ہی بالا زندگی کی
گھڑیاں گزارتی ہو!

بشیر احمد از سندھ

ہمارے کم بیان ایشیو کو صاحب برٹریٹ لائبریری کا یون لائبرری کے
تعلق کی ضرورت نہیں انکی اخبار داری کی غویوں سے دنیا سے
ادب پر سے طور پر واقع ہے۔

”سولن کی چرٹیاں“ کے عنوان سے ایک مضمون آپ نے شکر کے
قیام کے زمانہ میں لکھ کر مری، سندھ پبلشرز کے لئے تیار ہی سے روانہ فرمایا
اس مضمون کے وزن کرنے سے پہلے ہم ناظرین کی مزید کچھ سی کے لئے
آسان بنا دیا ضروری سمجھتے ہیں کہ سولن جہاں کی چرٹیاں کا ذکر کر رہے ہیں
وہ ہے کالکا، آڈولہ کے درمیان ایک نہایت زرخیز و خوش آب و ہوا
پہاڑی مقام ہے جو تقریباً ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند ہے۔

چونکہ شکر کی طرح اس کی آبادی گنجان نہیں ہے اسلئے اکثر صحاب
گرمیوں میں اس جگہ کی اقامت کو شکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے
کو ہستانی علاقوں کی طرح یہاں بھی تمام قدرتی مناظر اور لہجہ بیان موجود
ہیں ہر چار طرف سرنگاب پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے ہزار ہا تیرہ جتنے
انکے دامنوں میں اپنی مردانی کی آب و تاب دکھا رہے ہیں۔

خوشنما اور مختلف رنگ کے پرنڈ ایک درخت سے دوسرے درخت
پر جاکر عجیب لطف دکھا رہے ہیں۔

غرض قدرت نے ہر طرح کی دلچسپی اور تمام دلچسپیاں سولن میں جمع
کر دی ہیں جن کا لطف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون میں
وہیں کی چرٹیاں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو یہاں گئے وہ
پہلے سے نظروں سے انکی کیا بات کا خاص اثر چڑھے اور وہ انکی حالت میں
انکو تحریر میں لے آتا ہے ہم اس مضمون کو شکر کے ساتھ دیکھ کر کہتے ہیں

طیو

نیرو کی شخصیت کا ایک پہلو

از جناب مرزا جعفر علی خان صاحب (نیرو گھنوی) بی۔ اے۔ ڈپٹی کلرک



وینس۔ کیا نیرو کے گیت اصل نفرت کے قابل ہوتے ہیں۔
 نکلان معاملات میں دخل کم ہے اس سے دریافت کرتا ہوں۔
 پٹر وینس۔ اوروں سے زیادہ مسئلہ تو نہیں ہوتے۔ اگرچہ
 لوگوں کے پاسک بھی نہیں، لیکن اس ازدھاتی رنگ کی دائرہ والے ہیں
 ایک ان ضرور ہے۔ سب بڑی بات یہ ہے کہ شاعری وسیع کا دلدادہ ہے۔
 الفرو (حسن کی دیوی) کی تعریف میں ایک بھی کہا ہے عنقریب میں اور تم
 سننے کے واسطے بلائے جائیگے۔ آج یا کل اس نظم کا نکل چکا ہوگا۔ میرے
 اس قول میں کہ نیرو کے گیت فنکارانہ ہوتی ہے۔ مبالغہ اور ذوق کا عنصر زیادہ
 تھا۔ اس کے کلام میں شہر بھی ہوتی ہے۔
 عجیب ہوں کہ یہ نیرو ایک لیکچر دلا تو وہ یاد تھا ہی، لیکن اس نے
 بھی ایسی حرکتیں نہیں کیں۔
 نیرو۔ یہاں انسان آزادی سے سانس لے سکتا ہے۔ میری
 روح تاثیرت سے لرزہ مگر افسردہ ہے۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ جس طرح
 اس وقت انتہا کا جامع عام میں بھی گا سکتا ہوں اور میری کامیابی بھی
 ہوگی۔ حراج تک کسی دن کو نصیب نہیں ہوئی۔
 پٹر وینس۔ خداوند! آپ دوسرے بلا تامل گا سکتے ہیں میں
 سچے دل سے آپ کی نغمہ نوازیوں کا مدح ہوں۔
 نیرو۔ میں جانتا ہوں! کیونکہ تو اس قدر کامل ہے کہ خوشاد پر کُل
 نہیں ہوتا۔ تو سب کو کی طرح راست گفتار ہے، مگر تیری مخلوقات اس سے زیادہ
 ہے۔ بتا! بوسلی کی نسبت تیری کیا رسل ہے۔
 پٹر وینس۔ جب میں کوئی نظم پڑھتا ہوں یا سرس میں آہٹا ہوں
 رقص دیکھتا ہوں۔ جب کسی خوبصورت عورت یا مندر یا تصویر کا معائنہ کرتا
 کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تمام خوبیوں پر کامل عبور ہو گیا۔ مجھے
 محسوس ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے جس قدر انبساط حاصل ہو سکتا تھا حاصل
 ہو گیا۔ لیکن جس وقت گانا سنتا ہوں خصوصاً آہٹا گانا تو ہر غلطی میں حیرت
 نیرو شاعر اپنے ترتیب سے ہوسے گیت گایا۔ آواز کو دے رہی تھی
 اور اس نے محسوس کیا کہ سامعین اپنی اطمینان سے اس کی موسیقی کا جادو چل گیا۔
 اس خیال نے اس کی آواز کو اور بھی چمکادیا اور اس کی روح کو اس طرح شہر کیا
 کہ وہ سمجھا کہ نیرو نے جتنی حقیقتی جذبات سے مغلوب ہو کر اس کا چہرہ
 زرد ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سننے والوں کے غم کے تعین کا خطرہ نہ
 نہیں تھا۔ کچھ دیر شاعر پر ہاتھ دے کے بٹھا لیا۔ ایک کلمہ کہہ کر اٹھ ادا کر لیا۔
 ”میں تھک گیا اور تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔ باہر جاتا ہوں،“
 تم لوگ شاعر لاؤ

اور سچی خوبیاں میں نظر ہوتی ہیں۔ انکا تعاقب کرتا ہوں، انکو اسیر کرنا چاہتا ہوں لیکن قبل اسکے کہ ان تک سائی ہو، ان سے زیادہ خوشنما نعوش دل کو اپنی طرف کھینچتے ہیں گویا سمند کی موجیں ہیں کہ واسن باز رہتے بھاگی چلی جا رہی ہیں اور جن کا سلسلہ نامتناہی ہے جیسا کبھی پہلے عرض کر چکا ہوں، میری سچی ایک بحرِ خوار ہے جسکے ایک کنارہ پر کھڑے ہو کر دم دور تک دیکھ تو سکتے ہیں مگر دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا۔

نیرو۔ افرہ! تیرا علم کس قدر وسیع ہے!

کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے، صرف دعفران کے رونے جانے کی خفیت آواز آتی تھی۔

نیرو۔ تو نے میرے خیال کی ترجمانی کی۔ اسی سے تین برابر کہ چکا اور اب پھر کوستا ہوں کہ تمام دوسری صورت تو مجھے سمجھا ہی دیتا ہے کہ سبقت کے باوجود میری اور تیری رسلے متفق ہے جب میں گاتا اور ستار جانا بولتا تو مجھے وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جیسے وجود کا اپنی ملکیت و بنام میں علم نہیں تھا، اس میں قصہ جو تیرا دور رہا۔ میں نے نہیں دیکھا ہے ہر طرح کا متعدد رہے مگر میری سچی میری نگاہ کے سامنے نئے ملکوں نے کوہستانوں نے بحور اور نئی خوشیوں کا افتتاح کرتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں انکے نام نہیں بتا سکتا اور انکو پہنے قانون میں نہیں لاسکتا، صرف محسوس کرتا ہوں مجھے دیوتا اور امپیس کی بندیاں دکھائی دیتی ہیں! ایک قسم کی فیم کسی دوسری دنیا سے میری طرف خزانہ خزانہ آتی ہے اور میں لطیف جبار سے ڈبکی ہوتی ایک ناقابلِ اندازہ عظمت کا شاہدہ کرتا ہوں جیسے سکون مگر محبوب کی رخشنگی ہے۔ کل نظامِ مسمیٰ میرے گرد و تحصار ہوتا ہے اور میں مجھ سے سچ کہتا ہوں (ریبان پر تیر کی آواز میں فراطر جہت سے رگتاش پیدا ہوا) کہ میں، میں! جو قصہ ہوں، دیوتا ہوں، ان لمحوں میں اپنے آپکو خاک سے بھی ذیل شمار کرتا ہوں۔ کیا تجھے میری بات کا یقین ہے؟

پٹرونیس۔ بیشک! صرف دلوں اور عزم کا ملین فن کو یہ قدرت ہے

کہ ارجح کمال پر پہنچ کر کبھی وہ اپنے آپ کو بغیر سمجھتے ہیں!

نیرو۔ کج کی رات صداقت کا دوسرے۔ مجھے دوست سمجھا کر اپنی روح کا جائزہ دلاتا ہوں۔ نہیں! اس سے بھی زیادہ! کیا تجھے خیال ہے کہ میں اندھا یا فاجر یا نقل ہوں؟ کیا تیرا گمان ہے مجھے معلوم نہیں کہ اہل روم مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھے اپنی بان اور ہوی کا قاتل ایک خاک و زندہ، ایک سنگدل ظالم ہونے کا الزام دیتے ہیں؟ اور یہ سب محض اس پر ہے کہ ناگائی لینس نے میرے چند دشمنوں کے خلاف مجھ سے سزلے موت کا حکم حاصل کر لیا۔ ان میرے دوست ہیں جانتا ہوں کہ وہ مجھے خونخوار بھیڑتا سمجھتے ہیں! انہوں نے میرے مظالم کا اس قدر چرچا کیا ہے کہ بعض اوقات مجھے خود اپنے نفس سے یہ سوال کرنا پڑتا ہے کیا میں ظالم نہیں! لیکن وہ واقعت نہیں کہ ایک شخص کے بعض افعال ظلم کی حد تک پہنچ جائیں تاہم وہ ظالم نہ ہو۔ افسوس کسے یا د رہو گا (شاید تجھے بھی نہیں) کہ جس گھڑی موسیقی میری روح کو لوریاں دیتی ہے تو میں ایک دھڑپتہ بچے کی طرح مصحوم ہو جاتا ہوں۔ انہیں ستاروں کی قسم جہاں سے سرور پر کچک رہے ہیں کہ میں بدیکسی آئینہ شمس کے سچ بول رہا ہوں، انگوٹھ نہیں جانتے کہ اس دل میں کس قدر نیکی پنہان ہے اور موسیقی کیسے کیسے خزانوں کے دروازے مجھ پر کھول دیتی ہے۔

پٹرونیس کو مطلق شک نہیں تھا کہ نیرو اس وقت جو کچھ کہ رہا ہے صداقت پر مبنی ہے اور میں ہے کہ موسیقی اس کی روح کی مختلف نیک ترغیبوں کو ابھارتے جو فی الحال خود مسری عیاشی اور جرم کے بھاری پتوں کے نیچے دبی ہوئی ہیں۔

پٹرونیس۔ آپکو لوگ کم سے کم اس قدر توازن میں محتاج رہنا چاہتا ہوں، قدر کرنا تو درکنار، روم سے کبھی آپکا مرتبہ نہ پہنچانا۔

قیصر نے اور زیادہ اضمحلال کے ساتھ دینی لینس کے بازو پر ہار دیا مگر یانا انصافی کے دوجہ سے دوہلہ بڑا جاتا ہے۔ اس نے کہا۔

مجھے ہانگلی بیٹس سے معلوم ہوا ہے کہ مجلس شوریٰ میں سرگوشیاں مچتی ہیں کہ ڈاکٹر ورنل پتاس، مجھ سے بہتر شایعہ تین - اس ہنرمین بھی اہل علم کو میرے کمال سے انکار ہے لیکن توجہ ہمیشہ پر لوٹتا ہے مجھے تاکہ کیا انہیں مجھ پر فوق ہے یا میرے ہم پیر ہیں؟

پٹر ونیس - ہرگز نہیں! آپکا ہاتھ ان سے زیادہ بسک ہے لہذا جو راستے آپ نکالتے ہیں انکی قدرت سے باہر ہیں۔ آپہیں انصرار کا مادہ ہے۔ انکا کمال مشق اور محنت کا نتیجہ ہے۔ جو شخص انہیں ٹکرا کر پکڑے، خود اندازہ کر سکتا ہے کہ آپ کیسے حلیل القدر مثنیٰ ہیں۔

نیرو - اگر یہ سچ ہے تو میں نے انکی جان بخشی کی۔ شاید انہیں کبھی خیر بھی نہ ہو کہ تو اس وقت اپنا کتنا بڑا احسان کیا۔ حالانکہ یہ ضرور تھا کہ انکے قتل کے بعد انکی جگہ دوسرے کو لینے قرار کئے جاتے۔

پٹر ونیس - خداوند! لوگ کہتے کہ قیصر نے مسیحی کی محبت میں اس فن کو نیست و نابود کر دیا کیونکہ یہ انکے واسطے بڑا درجہ تھے!

نیرو - ٹونا گلی بیٹس سے کس قدر غفلت ہے! لیکن کیا تو نہیں جانتا کہ مجھ ہر فن میں یہ دلوٹی ہے۔ موسیقی ایسے عالم کی مجھ سے سیکر لاتی ہے جسکا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ایسے طبقاتِ دانش دکھاتی ہے جو میرے مقبوضات میں داخل نہیں۔ ایسی خوشیوں اور اطمینان کا وعدہ کرتی ہے جسکا مجھے تجربہ نہیں۔ لہذا میں معمولی افراد کی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتا موسیقی مجھے سکھاتی ہے کہ ایک افوق الفطرت ہستی ہے۔ اس پوری قوت کے ساتھ جو دیوتاؤں نے مجھ میں ودیت کی ہے، مجھے اپنی ہی کی تلاش سے بعض وقت میں سوچتا ہوں کہ ان بالائی دنیاؤں تک پہنچنے کے لئے مجھے کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جو تک کسی انسان سے سرزد نہیں ہوا۔ مجھے شکی مابہی میں تمام آدمیوں پر مہکت حاصل کرنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ مجھے دیوانہ کہتے ہیں میں دیوانہ نہیں ہوں بلکہ سرگرم ہوں۔ اور اگرچہ دیوانہ ہوا ہوں تو بے مہری اور نفرت کے سبب۔

کیونکہ اپنی ہی میں ناکام ہوں۔ مجھے تلاش ہے، تجسس ہے، سمجھا، لہذا میری خواہش ہے کہ انسان پر فضیلت حاصل کر دے کیونکہ صرف اس صورت میں بحیثیت ایکٹ ہر فن کے مجھے برتری حاصل ہو سکتی ہے (ہوٹن پرائس نے اپنی آواز کو اور دھماکیا، چنانچہ وہی سید نے سن سکا، جب اس نے آہستہ پٹر ونیس کے کان میں کہا) کیا تو آگاہ ہے کہ میں نے اپنی ماں اور بیوی کو موت کے حوالے کیوں کیا ہوا اس لیے کہ اس نامعلوم دنیا کے استاد پر جو سب سے بڑی قربانیاں انسان سے ہو سکتی ہیں پیش کر دے میں نے انصرار تھا کہ کوئی تجویز دنا ہوگا۔ میرے واسطے دروازہ کھل جائیگا اور اپنی دنیا کی سیر کر دینگا۔ تو اس امر کو حیرت خیز یا بہت تک تصور کرتا ہے؟ میٹاک یہ فہم شر سے خارج ہے کیونکہ عظیم خیر معمولی ہے۔ لیکن یہ قربانی کافی نہیں۔ فردوس کا باب کشادہ ہونے کو اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے! وہ کیا؟ قسمت اسکا فیصلہ کرے گی!

پٹر ونیس - آخر حضور کی نیت کیا ہے؟

نیرو - تیری توقع سے بھی جلد مجھے معلوم ہو جائیگا۔ اس دوران میں تجھے یقین کرنا چاہیے کہ دو ہر وہ فن ایکٹ ہے جسے لوگ جانتے ہیں اور دوسرا وہ کمال فن جسکو صرف تو جانتا ہے۔ اگرچہ موت کی طرح ہلاک کرنا ہے اور شراب کے دیوانی طرح غلو بہ انفع ہے تو اسکا سبب صرف اس قدر ہے کہ عاید زندگی کے عدم تنوع اور کاکت سے اسکا دم گھبراتا ہے میں ان کیفیٹوں کا خاتمہ کر دینگا چاہے مجھے آگ یا تلواریں استعمال کرنا پڑے! یہ دنیا مجھے خالی ہو کر کس قدر ویران ہو جائیگی، کسی کو آج تک شبہ بھی نہیں ہوا (میں تجھے بھی سٹینی نہیں کرتا) کہ میں کیسا صنعتی ہوں لیکن اسی کی بدولت تو غلہ الم بھی ہوں میں سچ کہتا ہوں کہ وہ روح جو میرے جسم میں ہے وہی ہی تارکیک و محروم ہے جیسے وہ سرو کے درخت جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ایک نے بروہست مصیبت ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں قوت عظیم اور اعلیٰ ترین لیاقت کا ہارٹھا ہے!

پٹر ونیس۔ لیکن مین نے تو ناگلی لیس سمندر پر کر دیا تھا کہ دیکھو! ان کے بچوں پر بحر کا گر نہیں ہوتا حضور کو یاد ہو گا کہ وہ کیسا خفیف ہوا تھا اور حضور نے میرے قول کی تائید کی تھی۔

نیرو۔ ہاں مجھے یاد ہے۔ (وینیسیس سے مخاطب ہو کر) کیا تو دراصل اس بوگی پر رہتا ہے۔

وینیسیس۔ حضور مجھے اس سے محبت ہے۔

نیرو۔ بہترین تجھے حکم دیتا ہوں کہ کل ہی صبح کو دروازہ داندہ مچا اور اس سے شادی کرے، اور میرے سامنے بغیر شادی کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر ہونا۔

وینیسیس۔ جب تک دنہ ہوں حضور کے جان و مال کو دعوہ نہ گا اور پاس گزار دہو گا

نیرو۔ لوگوں کی شادمانی کا موجب ہونا کس قدر مسرت کا باعث ہے۔ کاش اسے کو اتنا عمر اور کوئی کام نہ کروں!

پٹر ونیس۔ خداوند! اتنی اتماس اور ہے کہ حضور اپنی خوشنودی کو مکملہ صاحبہ پر بھی غلام کر دیں۔ وینیسیس ایسی عورت سے ہرگز شادی نہیں کر سکتا جسے وہ پسند فرمائیں حضور ان کے خیالات کو ایک نقطہ میں بدل سکتے ہیں۔ بس اتنا ارشاد ہو جائے کہ شادی آپ کی مرضی سے ہوگی۔

نیرو۔ منظور! تجھے سے یا وینیسیس سے کسی بات میں لگاؤ نہیں لیتا۔

نیرو محل کی طرف چلا۔ وہ دونوں جلیہ میں تھے اور اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں خوش ہوئے تھے۔ وینیسیس کا بس نہیں تھا کہ پٹر ونیس کے گلے سے لپٹ جائے۔

کردین داخل ہو کر تو ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک غلام کے کان میں کچھ کہا، وہ کمرہ سے باہر گیا اور ایک سہرا صند و قہ لیکر واپس آیا۔ نیرو نے صند و قہ کھول کر ایک ہار جیمینا وبل نصب تھے مکا لا۔

نیرو۔ یہ جو ہر ایسی ہی رات کے شایان ہیں۔

پٹر ونیس۔ خداوند مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ بحر و بر سے ہونا مین جن مین دینیسیس کا شمار نہیں کیونکہ اس کی روح آپ کا شاہ ہے۔

نیرو۔ وینیسیس مجھے ہمیشہ عزیز رہا، اگرچہ ہنر کی دیوی کا گوڑا ہونے کے عوض خدائی جنگ کا مرید ہے۔

پٹر ونیس حضور دینہ ہے نہ وہ ہے۔ آج کل تو یہ بندہ خدا ملکہ حسن کا کلہ پڑھتا ہے!

پٹر ونیس نے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ اپنے بھتیجے وینیسیس کا معاملہ حکمت علی سے طے کرے تاکہ کسی خطرو کا امکان نہ ہے۔ اُسے کہا،

”حضور والا! وینیسیس غم عشق میں مبتلا ہے۔ اُسے دیکھنے کی اجازت دیجئے، ورنہ اُس کی جان سے ہاتھ دھوئے۔ کیا حضور کو یاد نہیں کہ ایک لڑکی فتح بیا کے بعد اس پر مزہ کر دیتی سیس کو بلور کفن عطا ہوتی تھی اور وینیسیس سے لائیس کی گالنی میں چھوڑ کر دوسرے محاذ جنگ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس سے قبل عرض کرنا مناسب نہیں تھا کہ وہ حضور میں کتنے مین مصروف تھے اور یہ کام تمام کاموں سے مقدم تھا۔ ان حضرات نے پہلے تو اس لڑکی کو گھڑا لٹا چا، اگر وہ کریشیا کی طرح باعصمت ثابت ہوئی تو آپ اس کی عفت کے شکار ہو گئے اور باقاعدہ شادی کرنا چاہتے ہیں بھی بادشاہ کی بیٹی ہے، وینیسیس کی کسٹران نہ ہوگی لیکن وہ سچا پہا ہی ہے تھنڈی سانسین بہتر ہے گھلا جاتا ہے، کلاتا ہے لیکن اپنے شاہنشاہ کے حکم کا منتظر ہے۔

نیرو۔ شاہنشاہ اپنے سپاہیوں کے لئے بیویوں کا انتخاب نہیں کرتا۔ میری اجازت سے وینیسیس کو کیا فائدہ ہوگا۔

پٹر ونیس حضور سے مین عرض کر چکا تھا کہ وہ تو ان کی طرح پوجتا ہے۔

نیرو۔ لہذا اُسے ہی اجازت میں شک ہونا چاہئے۔ جو تو وہ لڑکی قبل عورت پر کر کوئے کچھ نہیں! اور پیا (نیرو کی ملک) کو سکایت ہے کہ اُسے ہائے بچے پر جادو کر دیا۔

پایا خوش ہوئی کہ ہار اُسکے واسطے لٹکایا ہے۔ اُس نے کہا
”و ان میں آدورا کی مینا مل ہے!“

پایا نے غصہ اور تنہا سے پہلے تیرا اور پھر تیری سس کی
طرف دیکھا۔ اُس کے بیڑ ویش کی جانب توجہ دینی، مگر وہ بے پردائی
کے ساتھ کرسی کے ہتے پر ٹھک کر ایک باب کو جو فرش پر رکھا تھا
دیکھنے لگا، گویا اُس کا نقشہ ذہن نشین کر رہا ہے۔

نیرواس گلابی بالوں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں دلتا رہتا
رہا۔ آخر کار کہا

”وہی سس! یہ ہار میری طرف سے اُس لڑکی کو دنیا جیسے ساتھ
شادی کرنے کا عین نے نہیں حکم دیا ہے، یعنی ملک بھیا کی شہزادی“

(ترجمہ)

انہ

کشمیر

اور

آنریبل شیخ عبدالقادر صاحب بی، لے، بیرٹرائٹ لا، سابق ڈیٹر ”مخزن“ و ”آبرو“ لاہور بالہا

ملک کے کم لوگ واقف ہو گئے کہ ان کی جیت طرازی شریک موت میں بھی
ظہور پزیر ہوتی ہے، حالانکہ بچے ایک دستک ان کا یہ شرم و ستیاب ہمارے
جوانوں سے گتیر کے دل افزو مناظر سے متاثر ہو کر نظر طریقی۔ عداوتے مرغ
پکے شحات جلد میں غنیمت اور توجہ کی طرف خاص توجہ بند دل فوٹو میں۔

فرنگی کے خلق جو تحقیقات انیسویں صدی میں نے کی ہے، ہمارے حاصل یہ ہو چکا کہ
واسطے فلم کی قید نہیں، تعین لایا جو ہر شریک بھی دکھلاتی ہے، ہمارے حاصل
انٹارہا دار شیخ عبدالقادر صاحب کے مضامین شرم سے لوگ متغیر ہو چکے ہیں
ادھائی خرمہ اور وہی قابلیت کا اندازہ کر سکتے ہیں، لیکن اس اُسے غالباً

(وصل)

ہمارا اسکی نہ پوچھے گا خزان ہو رشک بہار جس کی
کہ اس خزان پر بھی آئے دن وان نے شکوے نکلے ہیں

افکارِ صغیر (خباکِ صغر کو نڈھ)

حسن ہے پروا نہیں ہوتا مگر مجھ سے
لب پہنچن جب چکے تیرے نام ہو
وہ آہنی کہ کچھ اٹھواری تیری طور ہے
اس سے لے کر اٹھواری تیری طور ہے
جو بھالے ٹھٹھ کے متا ہے میرے منور ہے
فکر مجیب کا روبرو ہی منور ہے

حسن ہے پروا نہیں ہوتا مگر مجھ سے
جس طرح عالم کے جانی تھی نزل دور ہے
میکشی ہے کیفیت ہی ہو جانی بنو ہے
دیکھا ہے وہ کچھ ناظم ہیوم دور ہے

عشق ہے اک کین نہانی مگر تجھ سے
خسکی کے کو دیا کونک جان سے قریب
لیکے وہ ساتھ اپنے کل نشا اول زندگی
دور اک نہیں اس کا جلوہ خود نور محیط

معلومات

(از جناب غازی احمد خان صاحب بی اے (علیگ)

سو ڈال مین بھی بول کی تم سے بعض درخت پائے جاتے
ہن جن کا مقامی لقب سیٹی بجانے والے درخت ہے۔

❖

دنیا کا طویل ترین بریلوسے پلیٹ فارم بمقام میا پٹنہ وکٹریا
اور ایچ ایشنون کے درمیان تعمیر کیا گیا ہے۔ اس پلیٹ فارم کا طول
دو ہزار ایکٹیکہیر فیٹ ہے۔

❖

حال میں ایک عجیب و غریب بامجھلی دریافت کی گئی ہے
جو سمندر کے انتہائی نشیب میں اپنی زندگی بسر کرتی ہے فطرت نے
اس مچھلی کی قیام گاہ کی تاریک فضا کو روشن کرنے کے لئے اسے
دو قدرتی متعین خطا کی چٹخیں دہ اپنے دونوں آنکھوں اور لمبے ہونے
بازوؤں پر قائم رکھتی ہے اور اطراف کی فضا کو منور رکھتی ہے۔

❖

پروفیسر بارکر نے بمقام چیٹر پور پوری، کی مین لاقوامی
کانفرنس میں ایک عجیب و غریب ایما کا اعلان کیا جس کے ذریعہ سے
اُون کثرت سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ صاحب موصوف نے بیان کیا
کہ ایک جاپانی ڈاکٹر نے ایک سیال مادہ فروخت کرنے کے لئے بازار
میں رکھا تھا جسے اگر کچھ لڑکیاں دیکھیں تو ہر دوسرے روز بڑا بچہ نکلتا
پہنچایا جاسے تو اُون نہایت تیزی کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے پروفیسر
بارکر کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ ترکیب سے اُون کی پیدائش اس قدر آسان
ہو سکتی ہے کہ دو ماہ کے عرصہ میں بارہ ماہ کا اُون پیدا ہوتا ہے جو پچاس
اس طریقہ سے ہر سال دو تین مرتبہ اُون تراشا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر لو اور لندن کے بعض مقامات پر ایک جدید وضع کی
گھڑی تیار کی جا رہی ہے جس کا حلقہ برقی شکل کا ہوگا اور وقت بتانے
والے کانٹے موجود نہ ہونگے۔ بلکہ شیشہ کی دو چھوٹی تختیاں ہون گی
جو وقت بتا کر ٹنگی۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جیسا ہی ایک منٹ گزرے گا
ایک تختی نمودار ہو کر بجے ہٹ جائے گی اور گھنٹے بھی اسی طرح بتائے
جائیں گے۔ یہ گھڑی جو برقی قوت سے چلے گی ایک عمومی مہم کی گھڑی
کے ماتحت کام کرے گی۔ اس نئی وضع کے ذریعہ سے وقت دیکھنے
میں بہت سہولت ہو جائے گی اسلئے کہ بجائے کانٹوں کے ذریعہ سے
وقت دیکھنے کے صرف نمبروں سے وقت معلوم ہو جائے گا جو دو
تختیوں کے بیچ میں نمایاں ہون گے یعنی اس گھڑی کی گھڑی کے مطابق
اس جدید گھڑی پر اگر بارہ بجکر ۳۰ منٹ ہونے ہیں تو صرف ہی عدد
نظر آئیں گے باقی سب پوشیدہ رہیں گے۔ بریلوسے ٹیکشنوں پر یہ
گھڑی نہایت کارآمد ہوگی اس لئے کہ فاصلے سے کانٹوں کے مقابلہ
میں زیادہ جلد وقت معلوم ہو جائے گا۔

❖

جزیرہ باربدس میں گانے والے درخت پائے جاتے ہیں لین
درختوں کے پتے خاص وضع کے ہوتے ہیں اور ان کی پھیلون کے
کنارے شگاف دار ہوتے ہیں۔ جب ہوا کا جھونکا ان پھیلون میں
سے ہو کر گزرتا ہے تو ان میں سے راگ پیدا ہوتا ہے۔ اس جزیرہ کی
ایک وسیع وادی میں یہ درخت پھیلے ہوئے ہیں اور جب کبھی باد
تند چلتی ہے ایک مسلسل گہرے سروں کا راگ پیدا ہوتا ہے جو نہ
کی آواز سے شاہرہ ہے اور جس کا اثر ہزار آواز ہوتا ہے۔

تیار کرنے کا حکم دیا ہے جس میں بے مابرتی کے آلات لگے ہوں۔
مشرکال نے واضح کیا کہ یہ ان کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد روح
قیامت تک اپنے جسم کا طواف کیا کرتی ہے چنانچہ اس طرح وہ ب
کچھ بدیہیے تار برقی سن سکیں گے جو قیامت تک دنیا میں ہوتا پرکا

ہوتی ہیں لیکن وہ سب پھلیان جوان کی غذا ہوتی ہیں نباتات سے
غذا حاصل کرتی ہیں چنانچہ مذکورہ چیل کی عقل کا جواز نہ لگایا گیا
ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایڑی عورہ کھیت کی ایک پورے
موم کی گمانس کے قدر سے قدر چرنی اور کاربوہائیڈریٹ حاصل ہو
ہے اس قدر اس کی روزانہ غذا ہے۔

سب سے زیادہ تیز ترنے والی عورت اب سے زیادہ تیز
ترنے والے مرد کے مقابلہ میں صرف ۸۵ فی صدی فاصلہ رکھتی
ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عورت اگرچہ قابلیت میں مرد کی ہمسر
ان کی گئی ہے لیکن وہ مرد کے برابر طاقت نہیں رکھتی دوسرے
میں عورت کی انتہائی رفتار مرد کے مقابلہ میں ۹۰ فی صدی ہے۔

حالیہ میں ٹیڑھیں کرڈ کے ایک مقدمہ میں دو توام
بہائیوں شرعی لپچ نیک اور ٹیڑھی۔ وی نیک نے بحیثیت شہر قاضی
حصہ لیا جن میں سے ایک نے مدعی کی جانب سے دوسرے نے
مدعا علیہ کی طرف سے بیروی کی۔ مدعی اور مدعا علیہ بھی توام بہائی
تھے اور وہ دونوں قیدی بھی جو اس مقدمہ میں شریک تھے توام
بہائی تھے۔

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ درمیانی جانور خشکی کے جانوروں سے
جراثیم بہت زیادہ ہیں لیکن یہ جدید دریافت حیرانگ ہے کہ ڈبئی
دھت خشکی کے دھتوں سے زیادہ بلند و قوی کھلی ہیں۔ ان دھتوں کو
”رکی کے دھت کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ تقریباً ۱۰ فٹ بلند ہوتے ہیں۔
اور نہ کا قطر ۱۰ فٹ رکھتے ہیں اور نہ رسی بنائی جاتی ہے اگر کسی سمندر
مقام پر ان دھتوں کا جھنڈا بن جائے تو جہاز رانی میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو

شہرہ لڑ کے شمالی حصہ میں ایک نئے شادی شدہ جوڑے
نے ہنسی مون گرانے کا تہیہ کیا۔ سفر شروع کرنے سے پہلے یہ سمجھ کر کہ
اپنی حالت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش لا حاصل ہے اس مضمون کا
سائن بورڈ کہ ”ابھی شادی ہوئی ہے“ موٹر کی پشت پر لگا لیا۔

جرمن کے ایک ماہر جراثیم خون نے سکون کے متعلق متعدد تجربے کئے
انکا دعویٰ ہے کہ معدنی سکے برائیت کا غذی سکے کے حفظان صحت کیلئے
زیادہ مفید ہیں ایک نوٹ میں جو جرمنی کے دست بردست چلایا ۱۹۲۰
خون کے جراثیم پائے گئے اسکے برخلاف معدنی سکون کی مفائی اور عموماً ان
باریک جراثیم کو اینٹین جذب نہیں ہونے دیتی۔ ہر صورت ان معدنی
سکون کی وجہ سے بھی معوض ظہور نہیں پڑتا چاہئے اسکے کہ اگرچہ
نوٹ سے زیادہ پاک صاف تجربہ ہیں لیکن منہ میں کھنے سے متبر ہو چکا ہے۔

شوشنگٹن کے بارہ باشندوں نے اس امر کی اجازت طلب
کی ہے کہ گورنمنٹ کے اس رویے کی مخالفت میں کجر مون کیپلی کے
ذریعہ سے سڑے موت دی جاتی ہے۔ وہ خود اپنی جائین کبلی کی کرسی
پر بیٹھ کر صحت کرنا چاہتے ہیں۔

انگلستان کے ایک معبر باشندے سڑام آرکمال نے ایک تجویز
نکلیں کرنے والے کو ۲۰ پونڈ کی قیمت کا ایک ایسا فولادی تابوت

روح سخن

جناب پرتوجہ رائے صاحب کجاست بی لیل و نعل لکھنؤ
 نہیں منظور جینا روشناس چارہ کر کہ
 شباب آخر ہے بزم عشق کی بستی بلی ہو
 نفس کی آگ سے محروم ہیں ہم آشیان کیا
 جوانی میں سی کو ابد کے عشق کہتے ہیں
 ازل کے نئے مٹا دینا تھا اک نئی کی ہو کر
 نظر کے سامنے ہوشامہ کا کست ما
 جگہ خالی کرین غنچوں سے شبنم اشاں کا
 خدا کو شرم سے ہیگ کیا نہ کھائے گئے
 مرے ماتم کہ میں اس کا پر غنچہ نیست
 عدم سے ملے تھے نہ میں کیا معلوم تھا کہ
 لئے دربانے موتی گل شجرے سے لعل غنچہ
 طلوع صبح کیا جو مشیر ہر وقت شکیا
 مقدر کو کھنا شبنم کا پھول تو میں ہی پیدا
 فرشتہ حسن کا بیدار کرنے انکو آیا ہے
 یہی اک لکستہ باقی تھا اربع مراتب کا

جناب بابو رکھوت سہائے صاحب بی لیل و نعل لکھنؤ
 دل مرحوم کے اٹھ جانے سے فو لکھتے ہیں
 تباہ سے ترغین یاد آئے اے اوجھا پر
 کسی لکھ بھر کر دیکھنا لے ل تیا مٹے
 بین بخت بہت بر باد بان کی بھی و ہدم
 بتا دی عاشقی بھلا کون شام جوانی کی
 کیا عیش کا بھی میں نے کہ کھٹے لگتا ہو
 نہ پوچھ کر کتنی ہنر ناز میں ہمارا نی
 کہان لیا جاتی ہیں بل مارنے میں شونہ
 فرق اُس کے تیا بیان بھی کیا تیا تین

جناب محمد صاحب ہمارا سرکسری غنچہ معین لا ادب لکھنؤ
 ہر وہ میں مضمر ہے در دل دیوانہ
 قابو میں ہیں ہوتا بخورے اُلفت
 انگڑی ہوئی سانسوں سے چھڑتی ہوئی
 آلام کی کثرت ہے برادری رمانے

جناب سید سراج حسن صاحب کجاست لکھنؤ
 دلی کیا عشق انک نیست میر جوش ہے
 ہوش ہے پیشوں لے یا فریب پر جوش ہے
 بھٹنے سے خاموش اگر یہ سازا جوش ہے
 اب میں سمجھا بخیر دی ہی تمنا ہی ہوش ہے
 جب جات مختصر رخصت فنا بردوش ہے

جناب لوی محمد عبدالحی صاحب صدیقی بی لیل و نعل لکھنؤ
 قطرہ عطرہ غزل کل میں تلامذہ کوشش ہے
 زندگی اور اُس پر ناز اعتبار زندگی
 ہمنشین از شکستہ کافسانہ
 کیفیات ہوش سے رافتہ میر جاں طرا
 ساخت غم سے نالے عین فزنی

جناب سید سراج حسن صاحب کجاست لکھنؤ
 ہاں بھر کر انگڑائی اُس سیاحت انداز
 آ رہا ہے چاہئے کیئے لب لہجہ از سے
 جیسے کچھ رنگا نگلی سی ہوگی پرواز
 جب میلے در را شب کی حریم ناتوا سے
 یہ بھی لعل ہیں کہ میں جنس و بونہا سے

مستقبل عالم کی ایک جھلک

— حضرت فراقی نے گورکھ پوری سے —



دلوں کی تاریکی میں یہ احساس دینے پاؤں چور کی طرح آکھڑا ہوا ہے
تفریق کی دیواریں دھوئیں کی طرح اڑتی جا رہی ہیں۔ فیند کی ماتی
دنیا اپنے ظلمت کدہ میں یہ مبارک خواب دیکھ رہی ہے۔

اتحاد و عالم۔ اخوت۔ انسانی اب ایک بے معنی کلمہ نہیں رہ گیا ہے
ہی نوع انسان کی خود شناسی اب ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ہر
دہر کا ہوادل اس راز پنہان سے آشنا ہو رہا ہے کہ ہم ایک ہی مظلوم
ہستی کے پیرے ہیں۔ دنیا کی تفرق انداز طاقتیں اب دم توڑ رہی
ہیں بلکہ نسلی۔ مذہبی اور طبقوی کشاکش اس گزرتے ہوئے خطرناک
کی آگنی مابین ہیں چہرہ اس کی آخری رات ہمارے چہرے پر ہے۔
پیشوایان تمدن کے ہاتھوں جو مستقبل کی تعمیر ہوگی اس کی کچھ
تفصیل کرنے کے پہلے ان طاقتوں کا کچھ ذکر کرنا ضروری ہے۔ دنیا
دنیا میں حاوی رہی ہیں۔

مالکِ یورپ میں دولت والے، ثروت والے، حکومت والے،
پنے ہموطنوں میں غفلتوں، مزدوروں، کسانوں کو ایک اپنے حال پر
چھوڑے ہوئے ہیں ان ملکوں میں اسواروں کے آبادی کا عظیم حصہ
اعلیٰ اور اعلیٰ تعلیم و تربیت سے روزگار سے اور کافی اجرت سے زندگی
کو مٹی کی طیعت اور مہمربانے کے ذرائع سے قریب قریب بالکل محروم
دکھا گیا ہے۔

مالکِ یورپ کے مدبران نے خود کو بھی اور اپنے ہموطنوں کو بھی
اس خیال میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ہر ملک کے مفاد میں باہم لڑائی طرد
پر تصادم ہے۔ ایسا اور آفریقہ کے مالک پر (جاپان کو چھوڑ کر) اور

یورپ کے سہ ماہی صاحب فراقی ایک ہونہار فرد ہیں انکو اردو عالم ادب
سے خاص کچھ ہی ہر دورہ ذوق غافلانی ذوق ہے ان کے والدین جو حضرت علی
آزاد کے معاصرین تھے اور تمام عمر اردو زبان کی خدمت میں صرف
کی شہرزی حسنِ طرقت شہزی ہنگامہ حسرت اور ایک کلیات کی یادگار
ہیں بہتھنٹے اولاد پر بلا بیہ حجاب فراقی کو بھی وارثہ شہزادہ ذوق
ہندی کے مشہور رسالہ مادہ ہری اور رسالہ آواز میں ان کے
ہندی اور اردو کے مضامین اکثر شائع ہوتے ہیں۔ ناظرین
کے نام سے آشنا ہونگے اپنے مشاعرے میں ہر کلمے سے بے پناہ پاس کیا
اوقات بھی آپ کے کچھ کے متناظر ملین گئے ہاں ہی خوش قسمتی ہو کر ایسے
افراد کی خدمت کی طرف خاص توجہ کرتے ہیں۔ ناظرین
اس مضمون کے کچھ خلق اور اردو ادب کی فعالیت کا اندازہ کر سکتے ہیں
آئندہ یورپ میں ہم کچھ حال اور ناگوار ہوا ہے ناظرین کو خوش کرتے ہیں
سائنس کی ایجادوں اور اختراعات نے دنیا کو ایک بہت

چھوٹی جگہ بنا رکھا ہے۔ سائنس کے کثرت میں کہ سارے کرہ عرض پر
پھیلی ہوئی ہے انسانی آبادی کا نقشہ ہر آنکھ میں کھینچا ہوا ہے دنیا
کی تصویر نگاہوں میں پھر رہی ہے جہنیت منقود ہوتی جا رہی ہے
اور تاریخ عالم میں شاید پہلی بار انسانیت کو اپنا مفصل اور مکمل
احساس ہونے لگا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہان انسانیت کا کھرا
ہوا شیرازہ ٹھٹھا آتا ہے وطن انسان کا دل وسیع ہوتا جاتا ہے گویا
وسعتِ عالم سمٹ کر دلوں میں سما جاتی ہے۔ تنگ دلی ہر قدم پر
شکست کھاتی جاتی ہے۔ اس کا ناگزیر اور لازمی نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ
تنگ۔ محدود اور خود غرضانہ انفرادیت منقود ہوتی جا رہی ہے۔

برادرا نہ جذبات بھی نہیں، انسانی اتحاد بھی نہیں۔

یہ چار طاقتیں یعنی طبع پرستی (یا غرض پرستی)، ملک (یا قوم)، پرستی نسلیت اور مذہب اتحاد عالم کے لئے سد راہ ہیں۔ انسانیت کی راہ میں یہ چار بھڑکے ہوئے جو بھی نوع آدم کو ٹھوکر پر ٹھوکر کھلا رہے ہیں انہیں کی بدولت دنیا کی فوری مدد اور انسانی آبادی میں نفرت اور خندا کی چھکاراں اُڑ رہی ہیں۔ اہل افلاس جن میں جھاکشی دیا خداری اور کام کرنے کی صلاحیت کسی سے کم نہیں انکاروں پر لوٹ رہے ہیں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے، انسانیت کس پر سری کے عالم میں رہ رہی ہے۔

لیکن ہر ملک میں ایک طبقہ ایسے آدمیوں کا پیدا ہو گیا ہے جو طبیعتی ملکی نسل اور مذہبی رنگ خیالی کا فکار نہیں۔ انہیں کے ہاتھوں انسانیت پیچگی، انہیں کے ہاتھوں تشقیق کی تعمیر ہو گئی یہی امید تمدن کے پیشوا ہیں۔

پہلی خصوصیت اس طبقہ کی یہ ہے کہ دنیا کی یہودی ترقی اور خراج بروگ ساری انسانیت کو بلا ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چیز صرف آتشا زاد دیرانی ہے جو ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ طبقہ بلا تفریق طبقہ۔ ملک۔ قوم نسل و مذہب خالص انسانیت کی بنا پر برادرا نہ جذبات کو ہر طبعی ابھار دینا چاہتا ہے۔ لوگ دنیا کی تجارتی معاشی سیاسی اور تمدنی زندگی کو از سر نو اس طرح ترتیب دینا چاہتے ہیں کہ ہر فرد بشر کو اسکی فطرت اور خلاق کے موافق روزگار مل سکے اور ایسی اجرت مل سکے کہ اچھی اور پاکیزہ خلاصات پوشاک اچھے مکانات اچھے اور ضروری سامان ملے اور مدافعی ترقی کے اور سیاسی کے مرتبے ہر ایک کو مل سکیں، علوم و فنون صرف تقاضا طبع کی چیزیں نہ رہیں بلکہ مکانات اور شہروں کی تعمیر اور تربیت میں انسانی خوش پوشش معاشرت پال ڈال۔

برطانیہ امریکہ کے کچھ حصوں پر اہل یورپ کا تجارتی اور اکثر سیاسی تسلط ہے۔ اسی تسلط کو ٹھٹھانے کے لیے یورپ کا ہر ملک ایک دوسرے کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اور کھچلی عالمگیر جنگ کی دھیر سیڑھی اٹھتی ہے اس سیاسی اور تجارتی تسلط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مشرقی اقوام میں بھی کچھ جان آنے لگی اور افریقہ میں۔ مصر میں۔ دیگر جزائر میں جہاں اہل یورپ اپنے سیاسی اور تجارتی تسلط کے بل پر جا بیٹھے تھے اور امریکہ میں بھی۔ اہل یورپ میں اور ان ممالک کے اہل باشندوں میں سادات کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ چند ممالک سے تمدن کی راہیں میں اہل یورپ اور دیگر ممالک کے باشندوں کا تصادم (تصادف) ٹکرائو (collision) موجودہ سیاست کا سب سے اہم مسئلہ ہو گیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ دنیا کے چند مذاہب بھی ایسے ہیں جو اپنے پیروؤں کے اخلاق اور سیاست پر بہت بڑا اثر ڈال رہے ہیں ان مذاہب کی روسے وہ لوگ جہنمی ہیں اور ذلیل ہیں جو کسی خاص کتاب کو الہامی ماننے سے قاصر ہیں یا کسی خاص شخص کو پیغمبر نہیں مانتے یا کسی خاص شخص میں عقیدت رکھنا اپنے نگاہوں کی بخشش کے لئے ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ جو ان شخصیتوں کو اور ان کتابوں کو مانے بغیر اچھے عمل کرتے ہیں اور اپنے دل میں ہر مخلوق کے لئے بلا تفریق مذہب و نسل بلا تفریق جنس و درو اور محبت رکھتے ہیں وہ ان مذاہب کے پیروں کی روسے کسی حساب میں نہیں ہی نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ ہوا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے جب تک دوسرے مذہب والے یا۔۔۔ لا مذہب لوگ اپنا مذہب نہ بدل دیں اور اول الذکر مذاہب پر ایمان نہ لائیں تب تک ان کے ساتھ سیاسی تمدنی اخلاقی اور دینی ممالات ناممکن ہے جو دیگر مذاہب مذہب انسانی کی شرط، انسانی اخوت کی شرط ان مذاہب کی روسے کسی فکر کسی کتاب کسی پیغمبر کسی خاص صفات کے ساتھ خدا کا اتنا ہے اگر یہ نہیں تو اخوت بھی نہیں ہمدردی بھی نہیں،

خزائن سکنا میں نظر آئیں۔ اخلاقیات کی دنیا میں محض چند حرام، ممنوع، مکروہ افعال کی فہرست گناہوں اور ناجہیم کا خوف دلانا مصلحتیں مستقبل کا کام نہ ہوگا۔ بلکہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ادھر ایک کے حالات میں انقلاب پیدا کر کے ہر ایک کو اعلیٰ سمجھ اور اعلیٰ معیار بنانے کے طریق کی سہولت ہر ایک کی راہ میں پیدا کر کے ہر جہاز ضرورت پوری کر کے ہر جہاز کو تعلیم کر کے محبت و ہمدردی اور آزادی کی فضا پیدا کر کے ہر ایک کے جسم، دل اور دماغ میں کس بل پیدا کر کے لوگوں کے مذاق کو سنوار کے اخلاقیات کے عالم میں انقلاب پیدا کیا جائے گا۔ اخلاص و دروہی پر تفکرات دور ہونے پر تو جن آئینز تراوون سے اور لوگوں کی بیچ نکال ہی سے پھر کون ہے جس کی محبت بیدار نہ ہو جائے گی۔ کیا لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینے سے گناہوں کی فہرست مرتب کرنے سے ناجہیم کے خوف سے وحشیانہ سڑیلین دیوکان کو خوش اخلاق بنایا جاسکتا ہے؟

خوش حالی، تربیت، تعلیم، حمت اور صلہ مندی کی فضا میں زبان انسان بن سکتا ہے۔ ہر ملک کی سیاست پر اس اصول کا اثر پڑا ہو حکومت کا فرض چند اہل دولت اور بہت سے مفلسوں کی جان و دل کی محض حفاظت کرنا اب نہیں رہ گیا۔ بلکہ ہر فرد کی زندگی کو خوش حالی، تربیت، تعلیم، حمت، جن و لطافت عطا کرنا اور ان صفات سے ہر ایک کی زندگی کو مزین کرنا اب حکومت کا کام تسلیم کیا جانے لگا ہے اگرچہ پوری طرح عمل میں یہ اصول ابھی نہیں ملے گئے۔ لیکن اب یہ مان لیا گیا، کہ مفلسی بے کاری، کثرتِ فقر، بد اخلاقی اور جرائم و جہالت کی بڑھتی ہوئی برہنیں جو اپنے حال پر چھوڑ دئے گئے ہیں اور ان برائیوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ اب وہ خط کا دور ہو چکا عملاً ہمدردی کا دور آ رہا ہے۔ شاعر کا یہ طنز اخلاقیات کے بارے میں دور گزشتہ کی یادگار ہے گا۔

و اعطوا تیش دفعہ سے جہان کو تینے
یہ دھلیا ہے کہ خود بن گئے دور کی صورت

مذہب کے معاملے میں زمین عظیم انقلاب کے لئے تیار ہو جاتا چاہے مباشرت تعلیم، اخلاق اور تمدن میں جن انقلابوں کا ذکر کیا جا چکا ہے انکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جن قوموں میں ادھام پرستی درج پرستی، حیوان پرستی، درخت پرستی، دریا پرستی، قبر پرستی، آب پرستی، اشیاء پرستی جاری ہے جو ان دنیا اسے مصیبتوں سے بچنے کے لئے دعائیں کرتی ہیں اور انہیں خوش کرنا چاہتی ہیں وہ قومیں ان کو ہات سے آندا ہو جائیں گی۔ اسلام اور انسانیت نے بدھ مذہب نے ہندو رشیوں نے ان ادھام پرستیوں کو دور کرنے کی کوشش کی لیکن طاقتور تعلیم و تربیت میں خالی اور ریشل فضا میں تبدیلی نہ کر سکنے کی وجہ سے ان میں سے کوئی اپنے عام بیڑوں کو ادھام پرستی سے نجات دلا سکے بد حالی اور جہالت ان کی کوششوں کے بعد اپنا رنگ لائی اور ان کی تعلیمیں دہریہ دہ گئیں۔ انسانیت کا واسطہ انچا نہیں کیا جاسکا مگر دنیا کی نصف آبادی یعنی عورتیں ایسی تاریکی میں رکھی گئیں کہ تعلیم اور تربیت سے ان کو اس طرح مبرا رکھا گیا کہ جن گھروں کے مرد بھروسہ اور وحدت و جدو کے ذرائع پر بحث کرتے ہیں ان گھروں کی عورتیں طاعون چھپک، ہیضہ، سیلاب کی دیوی دیتاؤں کی پرستش میں محو ہیں بہت پریت اور اندام ح کی خوشامدین کر رہی ہیں۔ دندون بچپن اور بچوں کی دیوی دیتاؤں کے مرادین مانگ رہی ہیں۔ حضرت مریم کی مقامی جنات اور اندام ح کی پرستش کا بازار انسانی دنیا میں گرم ہے۔ ستین مانگی جا رہی ہیں اور نہ جانیں کس کس سے۔ اعلیٰ پیمانہ پر داعی کرتی ہوئے سے علم کو عام کرنے سے فطرت میں انقلاب ہوگا اور انسانی انسانیت ان کردہات سے بھی نجات پاسکے گی۔

اس کے ساتھ طرز معاشرت اور تمدن پر زندگی کے مختلف

شعبوں پر مذہب کی حکومت نہ رہ سکے گی۔ مذہب کے نام پر کسی کتاب یا پیغمبر یا شاعر کی دہائی دیکر تعلیم سیاست تمدن معاشرت کی تعلیم اور تربیت نہ دی جاسکے گی۔ مصلحت مفاد سازیش اور بیہودگی کی کوئی پر یہ سب جانچے جائیں گے۔

یہ چیزیں مٹ جائیں گی تو انکی جگہ کونسی شے نیگی۔ جسے مذہب کہیں وہ شے ہوگی ایک ایسی حقیقت کا احساس جو غفلتوں میں ادا نہیں کی جاسکتی وہ حقیقت جو سلامتی طابقت ہیئت کی اور وجود کا شہرہ ہے۔ یہ احساس غفلتوں کے جداگانہ ادعا کے مطابق ہر تہی میں نمایاں ہوگا۔ دنیا کی ہرگزیدہ ہیئتوں میں ہر مذہب و ملت والوں میں اکثر بادی النظر میں نگرا اور گناہ کار ہیئتوں میں یہ احساس نمایاں ہوگا۔ یہ احساس جس میں جتنا گمراہ ہوگا جتنا مستحکم ہوگا اس کی ہستی اتنی ہی لطیفہ پر کیفیت خنوخ اور پروردہ ہوگی۔ یہ احساس خوش حالی خیریت تعلیم و تربیت عام ہونے پر فنون لطیفہ کے ذریعہ سے عوام کو نصیب ہوگا جسمانی دودرنے ہونے پر درد و حافی درد و ٹھٹھ کے گا۔ اب یہ مالک بانہو کہ اس حقیقت کو ہم خالق پروردہ قرار دیتے ہیں اور سزا و جزا دینے والا مانیں۔ کتابوں اور پیغمبروں کو بھیجے والا مانیں یا ان میں سے کچھ بھی نہ مانیں۔ اپنی طبیعتوں کے رنگ پر منحصر ہوگا۔ کوئی اسے شخصیت سے معرمانے گا۔ کوئی نہیں ملے گا۔ یہ سب اپنی اپنی ہوتی کی بات ہے ساتھ ہی خجالت کی بحث بھی ایک بے معنی شے ہو جائے گی جب خجالت کی بحث بے معنی ہو جائے گی تو کسی پیغمبر کی امت میں شریک ہونا کوئی کلمہ پڑھنا کسی کتاب کو الہامی ماننا کسی خاص صفات کے خدا کو ماننا اس وجہ سے نہیں کہ آزادانہ طور پر سمجھ کے اندر احساس کر کے ہم انہیں مانتے اور کرتے ہیں بلکہ خجالت کے لئے۔ ایسا ہونا مستقبل کی آزاد فضا میں نامکن ہو جائے گا۔ ان اپنی اپنی سمجھ کے موافق اور خود کے بعد لوگ اپنی اپنی راے رکھیں گے اور ان امور میں اختلاف راے

اتحاد عالم اور ہر گیر برادرانہ جذبات کو کمزور نہ کر سکیں گے۔ آج بھی ہر ملت میں ایسے صاف دل اور روشن خیال لوگ موجود ہیں جو ان معاملات کو انسانی اتحاد و باہم خلوص و محبت کی شرط نہیں سمجھتے جہاں حقیقت اور شرافت کسی خاص ملک کسی خاص قوم یا کسی خاص مذہب اور امت میں محدود نہیں ہر ملک میں قابل احترام ہتیاں پیدا ہوئی ہیں اور جو رہی ہیں۔ آنکھ دالے کے لئے ہر یکرا انسانی قابل خراج ہر کہنی بیدار کہ منظم راست

چنانچہ کسی مخصوص تہی کی امت کی بنا پر کسی خاص عقائد کی بنا پر انسانیت میں تفرق انداز مذہب کا ٹٹا لازمی ہے۔ شاعر کہ گیا ہے۔

ہم موصدا میں ہمارا کیش پھر کر دم
ملین جب شگنیں اجڑے ایمان ہو گئیں

پیغمبروں بشیون اور ہرگزیدہ ہیئتوں کے لئے ہر فرد بشر میں عام احترام ہوگا اور روشن ہتیاں عظمت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ لیکن اتحاد عالم اور عالمگیر برادرانہ جذبات کا احساس کسی خدا کسی پیغمبر کسی کتاب کسی مذہب کے سامنے پرہنی نہیں ہے۔ یہ جذبات جہاں ہماری عریان انسانیت کے لازمی خیر ہیں۔ عریان انسانیت اپنے پان پر کھڑی ہونے والی ہے وہ اپنے پل پر خاص اپنی کیفیتوں سے اپنے آپ کو سنوارے گی۔ خوش حالی علی ترقی اتحاد محبت فنون لطیفہ اور ذاتی احساسات کی پھولی پھلی دنیا عریان انسانیت کو مزین کرے گی۔ اور پر کیفیت بنائے گی۔ انسانیت اپنی توحید کا دھماکا کر رہے گی۔

یہی انسان کی جو مصلحت کہ انسان ہو جائے

(رنگوبت سہاے خرقاں)



تقوٰۃ لسان لقوم حضرت صفی لکھنوی
شاعری کیا ہو؟ عرض صورت حال
بے تکلف جو ہو تو سبے بطور
حسن صنعت کو اس میں دخل نہیں
جاگداز اک داغ سوزی منسکر
نفل فطرت ہے شاعری دراصل
ہوگی صورت کشی جب مراد
شاعری صرف اُسی کو زیادہ ہے
یہ تو ہے شاعری کی یہ کثرت
ملک اس درجہ قدردان سخن
پھر بھی ناندھے ہوئے ہیں اک چہرہ
کا غدی پھول اگرچہ بین خوش نگاہ
کم ہیں ایسے جسے اُردا دلی
دکھیں اہل نظر ”مرقع“ واصل
ہے ”مرقع“ کہ نقشبوتیوں
حُسن ترتیب ہی سے ظاہر ہے
ہم نہیں حسنِ بنی و صورت
دل نشہ چاہا صفتی کہ تہیہ
ادلا میں نے دل سے مقرر کیا
دیہاک کے صبح تا ریح

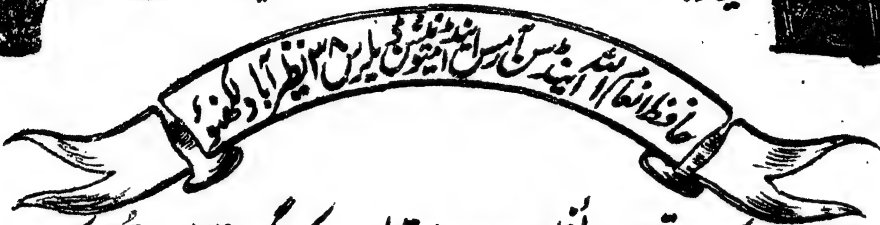
آئینہ ”مرقع“

حضرت محشر لکھنوی

”مرقع“ کیا ہے آئینہ ادب کا
”مرقع“ آئینہ معنوں جو ہر
نمایان علم کا جس سے ہے جلوا
صفائی کے حیاں ہوں جس دفتر

”مرقع“ بخل اہل قلم ہے
”مرقع“ جلوہ زارِ طورِ سننی
”مرقع“ مخزن اسرارِ حکمت
یہ اک مگر ستارِ بابِ فن ہے
نمایان ہے قلم کی حسہ کاری
خوشی بین بیان کی شکل پیدا
حکیمانہ روش پر شانِ تحریر
”مرقع“ یہ ہے یا تصویرِ محبوب
فرغِ محفلِ علم و عمل ہے
بہارِ اندر بہارِ اک اک چمن ہے
”مرقع“ شرحِ عشق و حرمِ ممان
کمالِ فن کا مرکز ہے یہ دفتر
کہیں ہوز و گدازِ باطنی ہے
کہیں ہے وارداتِ دل کا احول
کہیں ممانسہ طور کا ذکر
کہیں ذکرِ مجازی و حقیقی
کہیں طویل شبِ فراق کا شکوہ
کہیں میرگی و دنیا کے قصے
کہیں کوشش ہے اصلاحِ زبان کی
فنِ تانچ کا مبسوط دفتر
بچے اصلاحِ فن نکلا ”مرقع“
اڈیٹر اُس کے جمیل بگرا می
کمالِ فن کے شیدا خود بھی کامل
لکھتے تانچ محشر دل ہے حجاب
قلم سے سالِ میری بھی ہو موضوع

کہ نظم و نثر کا دفتر ہم ہے
نگاہِ معرفت مشکورِ معنی
”مرقع“ معدنِ اسرارِ حکمت
چمن ہے اور کیا نگینِ چمن ہے
فردان کو کب معجز نگاہی
ہر اک کئے میں سوسنی ہویدا
ہر اک بچے کو کئے جانِ عمرید
کے کس اُگلن ہوئی تنویرِ محبوب
تجلیِ دلِ علم و عمل ہے
کہ رخسارِ نگار اک اک چمن ہے
عیانِ بین سیرٹونِ عذباتِ بھلن
جو اہرین ہو تو کھل جائیں جو ہر
کہیں راز و نیازِ باطنی ہے
کہیں خلوت کہیں محفل کا احول
کہیں ہے سہی نامشکور کا ذکر
کہیں تفصیل سے یہ بھی ہے وہ بھی
کہیں کو تا ہی قسمت کا شکوہ
کہیں آہِ خلکِ پیا کے قصے
کہ نکلے راہِ تائیدِ حیا کی
کہ معلومات سے ملو سراسر
کہ رُردو کا ہے اک دریا ”مرقع“
ادیبِ نکتہ وان مشہور و نامی
یہ رکھتے ہیں معانی آشنا دل
مرقع منظرِ اسرارِ نایاب
مرقع ہے نگارِ شانِ مطبوع



ہر قسم کی بندوقین - لائفل - ریوالور - پستول - اسٹاک گن - تلواریں - پتھر اور تلم وغیرہ نیز کارتوس - چھڑو - بانٹ اور جملہ سامان شکار تمام کارخانوں سے ارزان اور مناسب قیمت پر مرقومہ بالا کارخانہ سے دستیاب ہوتا ہے۔ تمام راجہ مہاراجہ تعلقداران رؤسا اور دیگر لائسنس یافتہ حضرات پچیس سال سے برابر اس کارخانہ کی امداد اور قدر دانی فرماتے رہتے ہیں۔

آرڈر کے ساتھ کم از کم چارم قیمت آنے پر بقیہ مال بندوبست دی۔ پی۔ معائنہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ حضرات جو مستثنیٰ ہیں ان کو نمبر و تاریخ نوٹیفیکیشن جس کے ذریعہ سے گورنمنٹ نے مستثنیٰ کیا ہے فرائض کے ساتھ آجی و دستخط کر کے بھیجا کریں۔ لائسنس دار صاحبان کو فرائض کے ساتھ اپنا لائسنس بھیجا ضروری ہے جو انکو بعد ہند لاج ضروری واپس کر دیا جائیگا۔ ایک مرتبہ ضرور آزمائش فرمائیے

مفصل فہرست مفت

آرڈر نوٹیفیکیشن ۳۱۲ فیضانِ اسلام آباد لکھنؤ

منیجر حافظ انعام اللہ ایڈیشن

جنوری ۱۹۲۶ء

میلاد النور

مارکٹ کی گارنٹی

بیکفون نمبر ۱۵



گراموفون کمپنی کے ایجنٹ لکھنؤ میں
سلطان کمپنی نمبر ۴۴ چالیس میں آباد پارک میں
گراموفون وٹے گانوں کا عمدہ اسٹاک رکھتے
ایک مہر ضرورت شریف لاکر یا فہرست شاگراں فرار و فرما



مشہور عالم دوا خانہ معدن الادویہ کے چند تیرہ ہفت مجربات زیر تشریح

جناب سیح الملک حکیم فیض علی صاحب دین میر صاحب دین

معجون مغز خشک - دل دواغ اور اعصاب کو قوت دیتی

باہ کو بے انتہا قوت بخشی ہے اعضا سے زہر کی کمزوریوں کو دھو کر دیتی ہے۔ اس معجون کی شہرت بہت ہو چکی ہے اور اس قدر خارج کے موافق ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد لوگ بار بار طلب کرتے ہیں یہ معجون دوا خانہ معدن الادویہ میں بنتی ہے اور یہیں سے مل سکتی ہے پہلے ایسی چیزیں ہر روز دن روپیہ صرف کرنے پر دوسرا کو حال ہو سکتی تھیں مگر اب اس دوا خانہ کی بدولت ہر شخص کو فائدہ اٹھانیکا موقع مل رہا ہے قیمت کس خوراک سے محصول ڈاک ہے

حب کیمیائے عشرت - رقت اور سرعت کو دود کرتی ہیں باہ کو قوت اور مادہ تولید کی خالی کو دود کرتی ہیں - جریان کے دے اگر کہیں اور غریبی سے کہ بے انتہا مسک ہیں - چالیس دن کے استعمال سے ناقابل برداشت قوت پیدا ہوتی ہے - اس کا فائدہ اسی کلام ہے کہ دوا خانہ باوجود کثرت سے تیار کرتے کے اکثر قدری تمیل سے نامور ہو رہا ہے - قیمت بس خوراک ۵ -

مادر الحکم انگوری دوا نقشہ - دل و دماغ و دیگر اہتمام اعضا زہر کو قوت دیتا ہے - معرہ قلب ہے - ہاں تمام ہے - خفقان و مشت اور اختلاج کے لئے مفید ہے معوی باہ ہے - تمام بدن کی گئی ہوئی قوت کو از سر نو پیدا کر دیتا ہے - جسم میں خون دوزے لگتا ہے

قیمت فی بوتل ۶

طلائے مسیحی - یہ دہی طلا ہے جو ایک مدت سے دوا خانہ معدن الادویہ میں تیار ہو رہا ہے جسکے استعمال سے برسوں کے مصیبت زدہ اور زندگی سے ناامید ہو جانے والے حضرات کو طعنت زندگی حاصل ہو گیا اس کے استعمال کے دو تین روز کے بعد ہی سے زائل شدہ قوت خود کار شروع ہوتی ہے اگر قاعدہ اپنے افعال سے توبہ کر کے اسکا استعمال کیا جائے تو اصلی قوت پیدا ہو جاتی ہے ضعف اعصاب کا بہترین علاج ہے - باؤس اور نامرادوں کی امید کو پورا کرتا ہے - قیمت فی شیشی ۲۴ ماشہ ہے

منعش - یہ ایک خاص دوا ہے جو جناب سیح الملک کا عطیہ ہے - حرارت غریزی کے اٹھانے اور قوت مردی کے برانگیختہ کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اعضا کو طاقت بخشی ہے - جسدیان کو دود کرتی ہے - اسکا پیدا کر دیتی ہے اور اس قدر طاقت بڑھاتی ہے کہ فراغت کے بعد بھی نکان نہیں محسوس ہوتی -

تجربہ شرط ہے - ۲۰ خوراک

المشہور
حکیم سید محمد عباس منجر دوا خانہ معدن الادویہ و کوریہ اسطری



"His Masters Voice"

دار پستی
ایکسٹ
دی گراموفون کمپنی لمیٹڈ

نمبر ۱۰۰ آبا و پارک کھنڈ

بحری قزاق

مولفہ جناب مرزا باقر حسن صنا موزون بی ایس سی
ایر نیقوب کا اپنے کمر شدہ لڑکے کی تلاش

ایسا سن لبتا اے کہ من و عشق
سید شاہ کی مکارانہ چالیں ہیشام یا خلیل الرحمن کی تنہا کفایتیں سلیم شاہ کی عبرت ناک تظاہر کا حریف کا ترسناک کام وغیرہ

بالکل نیا اور نہایت ہی دلچسپ سرگزشتی کا نتیجہ خیر

بہرام کی رہائی

مولفہ مشہور فسانہ نگار مرزا خواجہ صاحب بی۔ اے ڈاکٹر آف فلاسفی نیڈی ویس
جس میں بہرام کی رہائی کے حیرت انگیز واقعات اور اس کے عجیب و غریب کارنامے، سیاہ پوش قاتل کی پربلندگی اور خوفناک جرائم کا ارتکاب بہرام اور مہاراج کی پوشیدہ طاقتیں اور نئی خیر بخشی رازوں کا پرکھنا انکشاف نہایت ہی موثر و دلکش دول گدانا انداز سے بیان ہوئے ہیں سرگزشتی کے تمام ناو لوں میں اسے رنگ و صفا کا نرالا اور بہترین فسانہ ہے کاغذ نہایت نفیس چمکا لکھا ہے چھپائی دیدہ زیب ٹائٹل رینج پر نہایت خوبصورت نوکار نگین بلا قیمت

کر و پتی چور

جس میں عجیب و غریب واقعات شیطانی چور کے برقعن کر و ت قابل جاسوس کی حیرت افزا کارگزاریاں، سنگناہ کی ایسی
دہائی تعجب انگیز نظارے، قتل و غارت کی عبرت ناک سین محترم و نور الفاطمین دکھائے گئے ہیں خوشنما بلا قیمت

مینجر جنٹلمین بک پوائس آبا و لکھنؤ

داراب کی گرفتاری

مولفہ مولانا احمرت صاحبہ مولوی چائل لکھنوی
ہندوستان کشہور ڈاکو داراب کے بمبیل کا نام سے دوسرے ڈاکوؤں سے متعلق پولیس کی قابل قدر کوششیں داراب کا
اسی چالاکیوں سے بچا ایک ایسی ریاست کے لیچند سے ساز و دوسری ریاست کے حیرت انگیز راز داراب کا
عشق اور اپنے ہمراہی ڈاکو کے قریب سے گرفتار ہونا مصنف کا وہ قابل ذرا ہے سر غسانی اور فوجی چالیں۔
ازم بزم حسن و عشق تمام خوبیوں سے آراستہ ہے اول صفحہ پر رنگین ہلاک ہے۔ قیمت صرف بارہ آنہ (۱۲/۱۰)

ممتاز بیگم مکمل

بیبی مین مسٹر عبدالقادر باؤلہ کا ہونا قتل
امرسر کی شاہد غنا ممتاز بیگم کے عشقیہ حالات و گداز واقعات حین و عشق کے خوشنما نظر مسٹر باؤلہ کا
افسوسناک و پراسرار قتل سوز و دردمت جہاں مقتول، عبرت آموز قتل کی عجیب غریب سادش حیرت انگیز
انکشافات تمام واقعات بہت محنت و فوجی سے مرتب ہوئے ہیں مع خوشنما ہلاک قیمت فی جلد ۱۲/۱۰

خونناک فکرتی

مولفہ مصور جذبات فدا علی خیر لکھنوی
جسین مسٹر حامد حسن سیاح انگلستان و امریکہ کے حیرت انگیز کارنامے جاسوسی کے ساتھ ساتھ بیبی کو پر حاشو
عصر العقول چالبا دیان آرتھل ہراز جی نان جی کے خلف رشید مسٹر مول جی اور مسٹر مول جی کی افسوسناک
مقتبیتیں، منشا ہیر سر غسانی کی جاسوسی سلاست و فوجی سے بیان ہوئی ہیں۔ پاکٹ سائز لکھائی
چھپائی دیدہ زیب مع خوشنما ہلاک۔ قیمت فی جلد ۱۲/۱۰

مینجر جنیلین ایک پوائس باؤ لکھنؤ

ہمارے مطبوعات

دھنیا مہری یا فضل النساء خانم

عہد حضرت سلیمان جاہ نشیر وان عامل نصیر الدین حیدر بادشاہ کا کچھ پلٹتے دھنیا مہری کا پرستی سے انتہاء عروج پر پہنچا جس عشق کے دلکش مناظر تدبیراً حسن خدوات و سلیقہ مندی سے ترقی تنظیم کی خوبیاں محلات کے گوش و اقیات عجیب غریب مناظر و حکایت کے عروج و زوال کی حیرت انگیز تصویر بن دھنیا مہری کے تجر از کار نائے اُد و ارکان سلطنت کی خود غرضانہ کارروائیاں خصوصاً قدس علی اور بادشاہ حکم کی باہمی خانہ جنگی کے تعبیر حالات ملک کے مشہور و سر اعلیٰ افسانہ نگار نے نہایت حسن و خوبی سے مرتب کیے ہیں کمالی اُردو شاہی محلات کی گفتگو اُسلانہ کا طرز معاشرت وغیرہ پیرایہ میں حال قلم کے پیر چھین دیکھ کے ارسان بہر ان و جگر سے بیعت ہم

مالوہ کی بیگم (یا معرکہ عیدل گڑھ)

خاتون اکبر علی سہانی والی مالوہ کی ادا کیا جاتی ہے کہ اگر سنگم زور و لوب مالوہ کی وفادار یا غمخوار جان چیت گلشن و غامازی سہانی کی موت حسن آری بیگم اہم شہنشاہ اکبر کے دربار کی حیرت پاش تصویر میں بیعت ہم

گلنار شاہی چور

گلنار شاہی چور میر غلام عباس کے عجیب غریب کائنات بنی حیدر جان سے عشق جسٹارے عشرت کے کجیبت مناظر چور کے ان تمام اودھنی کی کہیں حیرت انگیز ادا و عوس کی چور ان زندگی بھر کی طرح گرا نا اور قید و مصیبت سے بچنے رہنا ہے نسل خیاریاں بے نظیر حال کیا ان شرانغ سانی کے جبرید خود ساختہ طریقہ گفتگو کے اندر گفتگو کا لطف ہیئت ... ہم

دلہن کی چوری

عین شب عروسی میں دلہن کی چوری۔ بر معاشقوں کی جالین رقابت کے پھرتے ہوئے شعلہ آدھے دلوں کا راز و عجیب غریب الفاظ کا بھید حسن و عشق کے دل خوش کن انجام پر گہری روشنی ڈالی ہے بیعت ہم

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی

دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

یہ کمال مشقہ
نزدیکت عالم و غفلت
جہاد و فاجرت دونوں
شکر و توبہ و عبادت و عبادت
حق و صداقت و عود و
نہال کے ذوق انعام و
بکی خوشنظر و ترقی و
مشیت و توفیق و
سکون الہی و زادہ کا ایک
بازی خاتون سے حقہ
دوست و رقابت طریح
کے معاشقہ و ڈاکوؤں
میں گرفتار و نجات کے
بعد ان کی ایک بیعت
خاتون کی بیعت
نہی کا کچھ چور و چور
نہی کا کچھ چور و چور
نہی کا کچھ چور و چور
نہی کا کچھ چور و چور

کوہربانو

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

نیرنگ شباب یا برت کی دیوی
دلکش فضا میں رہتوں کے لیے نازانہ شباب کی تدوین و بیعت و عشق کا نقش نگار کی امانی مغربی معاشرت کا قزوین

مادر لکھنؤ کا پتہ جمیل بک یو در گاہ روڈ لکھنؤ

میں نے ترسے نئے ناول

مشہور ایشیائی ناولوں کے قلم سے

جو اردو دوان کیلئے اہل نیاز خودی

مراکش کا خونی ڈاکو

جسٹین کی ریف پر چڑھائی ایک صاحب قتل خونی ڈاکو کے حالات باب بیٹے کی جنگ جس عیش کی جو یہ کاریاں راز و نیاز کی معرکہ آرائیاں، خدائی فیصلہ کا حیرت انگیز نتیجہ۔ افسانے راز پاداش عمل۔ حق کی کامیابی۔ تاریخی پلاٹ قیمت ۸۰

حسن عیار

ایک دوسرے میں تمام عمر کی کمانی کا صفایا، شاعرانہ جالین اور سرخرو سانی کی اعلیٰ کیفیت دیکھنی ہوتی تو اس ناول کو دیکھتے ہی جے عاشق و معشوق کی حیاتانہ چوہن، افسانوی انداز کا ہی کی زندگی و اصلی تصویریں، اسادہ کار کا دولت کمانا۔ قیمت ۸۰

عمر کے در چور

انگریزی سفر خانے کا ایک بڑا عمدے دار چوری کرتا ہے اور وہ واقعات جبار تکا بد جرم پر مجبور کرتے ہیں حیرت انگیز بین پھر چند کی نئے انداز سے گرفتاری ہوئی ہے مختصر افسانہ ہو لیکن اچھائی دیکھتے ہیں۔ اگر پسند نہ ہو تو واپس قیمت ۸۰

بہریشان

ایک خود مختار سلطنت کی زندگیوں کے خواتین کے اندر مظالم کی اپنی اپنی سے وفادار سلطنت کی عکاسی عسلی کی بنیاد۔ باغی بیٹیوں کا حال۔ باغیوں کی شرافت کیستہ کا انتخاب جس عورت کے پر پیچ واقعات دہر قابل بہادری و شہر۔ دہشتوں کی ہر ہر موافقی سلسلہ شہریت پر یہ ہیں قیمت ۸۰

خون کا رومی ہاتھ لگا چور

سکھائی کی ناول سے ناول کے خلاف ہے کی چوری ہاتھ لگا چور کی خودی بہادری کا قیاس جیتا بہادری کی اسیر کی مدافعتی بنیاد کی غیر تیار لایاں انہوں نے۔ چور کی چور کی یہی پاداش سرست راز و نیاز قیمت ۸۰

حسن عیار

ایک معاش جہان کی لین سنج محل کے عجیب غریب واقعات اس سنج ڈاکوئی کا عیدوں کی چوری عہد کے۔ اپنے کے اسرار چھپی کے قریب انگریز کا نام کے واقعات پیر و اساتذہ کی کشادہ قیمت صرف ۸۰

سے سروسامان

ایک ننگن کی جبریت انگریزوں کے لئے دیکھتے ہیں اس ناول کا نام ہے انگریزوں کے لئے دیکھتے ہیں اس ناول کا نام ہے انگریزوں کے لئے دیکھتے ہیں اس ناول کا نام ہے

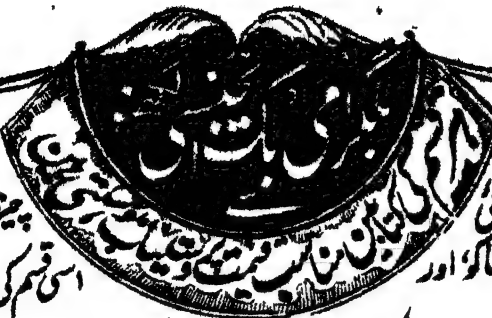
خونی شہر

انگریزی کے ناول کا تیسرا ناول ہے ایک ڈاکو کا شکار ہے پانچوں حیرت انگیز جہان۔ ان کے اندر یہی کا قتل باغیوں کے ہر ہر موافقی سلسلہ شہریت پر یہ ہیں قیمت ۸۰

آپ بھرتی

زندہ و سانی کا ناول کا تیسرا ناول ہے انگریزوں کے لئے دیکھتے ہیں اس ناول کا نام ہے انگریزوں کے لئے دیکھتے ہیں اس ناول کا نام ہے

مصور لاک ڈون در چور ہوا ناول منگائے کا پتہ جمیل کٹر لود گا ۵ رو رو دیکھو



بلگرامی بکت سنی لکھنؤ
 کہ لکھنؤ کی خاص بنی ہوئی
 چکن، گدائی، عطر، مینا کو اور
 اسی قسم کی دیگر اشیاء جنکی لکھنؤ سے

باہر سہنے والے اصحاب کو ضرورت ہو کر قی ہے فرمائش لے کر فوراً روانہ کر دے۔ اُنکی ہمیشہ سے یہ کوشش ہے کہ ہر شے
 نکھارت ملے اور حتی الامکان فرمائش
 موافق ہو۔ خط و کتابت کا پتہ

بلگرامی بکت سنی لکھنؤ

نور ہسان

یعنی شہنشاہ نور الدین ہمایوں کی محبوب ترین بیگم کی ہیند
 سندھ، کمل اور پچھپ تاریخ۔
 مولانا طربید احمد کاظمی اور دیگر نگارین نے علی گڑھ میں چلی گویہ
 قیمت فی جلد ۱۵ روپے ڈاک ایک روپے
 بلگرامی بکت سنی لکھنؤ

زیر ادارہ طبعی خاص میں اور
 جو میرٹھ میں لکھنؤ اور شری رام
 جیو پریس میں لکھنؤ میں
 سندھ، کمل اور پچھپ

نشاط روح

یعنی حضرت جعفر گوٹہ دی کا
 وہ کلام جس کے اشتیاق میں ملک
 مدت سے پڑھ شائق داس کے ہوئے تھا۔ اب
 جلوہ نامے عالم ہوا ہے۔ مع مقدمہ و فوٹو
 لکائی و چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت فی جلد ۱۵ روپے
 لکھنؤ کا پتہ۔ (۱) دفتر دار المصنفین علی گڑھ
 (۱) بلگرامی بکت سنی لکھنؤ
 (۲) خلام حیدر شاہ۔ چوک گوٹہ

گلکدہ

یعنی سان لانسوٹ غزوہ لکھنؤ
 کی شہر لون کا مجموعہ۔ جو دو بارہ
 نہایت خوبی کے ساتھ طبع ہوا ہے۔ اسکی بھی
 بہت کم جلدیں باقی ہیں۔ اگر آپ کو شعر کا اُس کے
 اصلی معنی میں لطف اُٹھانا ہے تو گلکدہ کو منگائیے اور
 اسکی سیر سے اپنے شام روح و دل غور و ترو تانہ کیجئے۔
 قیمت صرف ۵ روپے علاوہ محصول ڈاک
 بلگرامی بکت سنی لکھنؤ

ٹیلیفون نمبر
۱۳۵۹

صنعت علی محمد علی
تاج عطر چوک - لکھنؤ

سار کا پتہ
”خا“ لکھنؤ

لیا آپ عطرستہ مال کرے تین

جس میں سپرٹ کا جزو نہیں ہے۔ جو خالص صندل پڑیائے گئے ہیں۔

جن میں کوئی انگریزی چیز شامل نہیں ہے۔ جو بالکل ہندوستانی کہے جاسکتے ہیں

اور دماغ کو حضرت پہچانے کے بجائے فرحت بخش ہیں۔ یقینی وہ

صنعت علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے

ٹپایا کردہ ہیں

شاخ
گلہ ارض حیدر آباد
دکن

باہتمام
میر تقی حسین جوس بکری

مطبوعہ
مقبول المطابع نظیر لکھنؤ

شاخ
چاندنی چوک
دہلی

۳۰۶۳

تا تو بیدار شوی ناله کشیدم، ورنه
عشق کارے است کہ بآہ و فغان نیز کنند
(عطیہ غلامہ سراقبال)

موقع

دَارُ الْأَدَبِ لِكُنُوزِ كَامِقْبُولِ جَمَانِ غَزِيزِ حَرِيدِ
۵۱۳ ۴۴

مرتبہ
سید مقبول حسین جیل بلگرامی

”مرقع“ کے قواعد و ضوابط

(۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہونگے، مگر وہ جی نہیں
 خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی
 جن کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
 (۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اس میں
 ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ
 بھی پیدا ہو، ہرگز شائع نہ ہونگے۔
 (۳) جس نظر و نظر کے مضمون میں زبان لغت یا فن کی غلطیاں
 ہوگی، اس وقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی ترمیم
 اطلاعات اپنے پختہ و مناسب مضمون نہ کر دیں۔
 (۴) مرقع کا مسکات سلیح کتب و دانشاں کے بھی دان زار
 یا مستعرب، نباتات ہوگا۔
 (۵) مرقع کو ذاتی یا کسی بھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے صاحب سے
 خواہ وہ اہل برائے ہوں یا اہل خیر و انفاق و اتحاد پیدا کرنے کی
 کوشش کرے یا دانشاں و ہمیشہ ہوں یا بے تعلیم رہے۔
 ”یہ مرقع لکھو“

مرقع ہر انگریزی سہ ہندی و تاریخ کو دارالادب لکھنؤ شائع ہوگا۔
 ۱۔ مرقع کی قیمت ماہیاریوں کے شاپان و بیس سالانہ
 وصول واک مقرر ہے جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔
 ۲۔ مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہونے والے نہیں ہو سکتا۔
 ۳۔ مرقع کی قیمت روپے دو دیگر رسوا حساب و اس کے برعکس
 انکی بہت افزائی پر منحصر ہے۔
 ۴۔ جواب طلب ہو کہ اسے جوابی کار و کلام کا مالاری تو
 خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا ایک نمونہ دی ہو
 ۵۔ رسالہ پہنچنے کی اطلاع برہان کی تاریخ کتابت یا نام پائے۔
 ۶۔ کوئی مضمون ایسا شائع نہ ہوگا جو غرض اخلاق ہو یا کوئی
 غراب اثر پیدا کر سکے۔
 ۷۔ تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظر و شریعت ہو
 جو خوبوں کے اخلاقیات بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ
 نہایت خوشگوار ہونگے۔
 ۸۔ مرقع کو موجودہ و پائیکسٹن نامی مباحث کوئی سروکار نہ ہوگا

مرقع میں اشتہارات بھیجئے وقت ذیل کا رزن نامہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۵	۱۰	۱۵	ہائسل پیج کے صفحہ ۲۰ و ۳۰ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے
چھ ماہ کے لئے	۳	۶	۹	جو خط و کتابت طے ہو کتابت اجرت کا پیشگی آن ضروری ہے
تین ماہ کے لئے	۲	۴	۶	مینجر مرقع لکھو
ایک ماہ کے لئے	۱	۲	۳	

ڈاکٹر سر حسین - ایچ - ایل - ایم - ایس - مشہور ہومیوپیتھ دمان و عینک ساز نمبر ۳۰ - امین الدولہ پارک - لکھنؤ

جہان مرصع تصویرِ سخن و ست تمام

فہرست مضامین

۱	صدیہ قبولیت	۱	ابوالاعلا راجہ صاحب حکیم ناطق لکھنوی
۲	حضرت شہناوی کا اوصاف	۲	باوجود جگت مہین لال صاحب
۳	مع غزل حضرت شہناوی	۳	ردان ایم۔ اے لیل یل
۴	رشتا جلیل (غزل)	۴	دکیل ادناؤ۔
۵	لمعات اختر (غزل)	۵	جناب مولوی عبدالحی صدیقی
۶	غزوات ریاض (غزل)	۶	صفیہ خاص
۷	مکہ معظمہ	۷	صفیہ خاص
۸	نظم	۸	خان بہادر سید محمد ہادی
۹	نعتستان بہار (نظم)	۹	صاحب ہادی
۱۰	اردو زبان کی قدامت	۱۰	جناب ثلیل فاروقی
۱۱	انکا تازہ (غزلیات)	۱۱	بی۔ اے۔ علیگ
۱۲	مرصع جذبات	۱۲	حضرت نعم طباطبائی
۱۳	پیامِ نور شید (نظم)	۱۳	حضرت نیاز فتحپوری
۱۴	شاہد قلعہ شاعری	۱۴	ادوٹر "نگار" بھوپال
۱۵	سوز و ساز	۱۵	حضرت عزیز شادانی
۱۶	سوز و ساز	۱۶	راہپوری
۱۷	سوز و ساز	۱۷	راہپوری
۱۸	سوز و ساز	۱۸	راہپوری
۱۹	سوز و ساز	۱۹	راہپوری
۲۰	سوز و ساز	۲۰	راہپوری
۲۱	سوز و ساز	۲۱	راہپوری
۲۲	سوز و ساز	۲۲	راہپوری
۲۳	سوز و ساز	۲۳	راہپوری
۲۴	سوز و ساز	۲۴	راہپوری
۲۵	سوز و ساز	۲۵	راہپوری
۲۶	سوز و ساز	۲۶	راہپوری
۲۷	سوز و ساز	۲۷	راہپوری
۲۸	سوز و ساز	۲۸	راہپوری
۲۹	سوز و ساز	۲۹	راہپوری
۳۰	سوز و ساز	۳۰	راہپوری
۳۱	سوز و ساز	۳۱	راہپوری
۳۲	سوز و ساز	۳۲	راہپوری
۳۳	سوز و ساز	۳۳	راہپوری
۳۴	سوز و ساز	۳۴	راہپوری
۳۵	سوز و ساز	۳۵	راہپوری
۳۶	سوز و ساز	۳۶	راہپوری
۳۷	سوز و ساز	۳۷	راہپوری
۳۸	سوز و ساز	۳۸	راہپوری
۳۹	سوز و ساز	۳۹	راہپوری
۴۰	سوز و ساز	۴۰	راہپوری
۴۱	سوز و ساز	۴۱	راہپوری
۴۲	سوز و ساز	۴۲	راہپوری
۴۳	سوز و ساز	۴۳	راہپوری
۴۴	سوز و ساز	۴۴	راہپوری
۴۵	سوز و ساز	۴۵	راہپوری
۴۶	سوز و ساز	۴۶	راہپوری
۴۷	سوز و ساز	۴۷	راہپوری
۴۸	سوز و ساز	۴۸	راہپوری
۴۹	سوز و ساز	۴۹	راہپوری
۵۰	سوز و ساز	۵۰	راہپوری

محلہ خاجہ محمد علی تاجر محلہ کے کائنات کا ناہوا ہے اسکا نغہ ہی مختلف ہے



پس دے تو ہم رنگِ وحِ انسان است ۱۹۲۶ء رُحْنِ عشقِ مضعِ مقیعِ جان است
(الوہاء، ناطق)

رِشحاتِ حلیل

اُجُنابِ اَبِ نِصَاحَتِ جَنگِ حَلِیل اَہدِ حُضرتِ حَلِیلِ نَشینِ حُضرتِ اَمیرِ مَنانیؑ

مجرِ گلگشت ہو گر زبِ چمن تو ہو کر
اس پہ روتا ہوں کہلِ مینِ جو نہان تھے اسرار
کس نے لچائی ہوئی آنکھ سے دیکھا ساقی
پھول کیا۔ پارہ یا قوتِ مینِ کُڑے دل کے
کھو گئے لٹ گئے۔ آوارہ ہوئے دل لاکھوں
بر محل ہو کوئی ارشاد تو سرِ آنکھوں پر
اُنکو زبیا ہے اگر خونِ وفا کرتے ہیں
رِشک اُن پھولوں کی قسمت پہ مجھے آتا ہے
توڑتا گل کو زرا سوچ سمجھ کر ٹھیں
تم تو چالوں سے دو اوقات تھے کھایا کس نے
روغنِ حُسن۔ شبابِ آکے بڑھا دیتا ہے

رنگِ پھولوں کا خجالتِ اُڑے بو ہو کر
وہ بھی آنکھوں سے چپکنے لگے آنسو ہو کر
دیکھ۔ ساغرِ اُڑی جاتی ہو مری بو ہو کر
زبِ دامن ہوں اگر خون کے آنسو ہو کر
جادۂ پیماے رہ کو چسپاں گیسو ہو کر
سینے دل کو۔ مگر زینتِ پہلو ہو کر
شوخی و طناز و طرحِ را پرید ہو کر
شب جو کرتے ہیں بسرِ زینتِ گیسو ہو کر
جانِ مہل کی ہے پھولوں میں پڑی بو ہو کر
تیغ ہو کر کبھی چلنا۔ کبھی جادو ہو کر
غازِ عارض و مشاطہ گیسو ہو کر

سوے برفانِ چلو آج۔ کہ سنتے ہیں حلیل

دُختِ زرشینے مینِ اُتری ہے پرید ہو کر

صرف حضرت علی محمد علی تاجِ عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر تھا ایسا ہو جسکو تمام ہندوستان میں قبولیت حاصل ہے

۴ ﴿لغاتِ آخر﴾

از جناب اب تراز جنگ حضرت اختر مینائی خلیفہ حضرت امیر مینائی

پڑا ہون خستہ وسیہ نگار رہنے ہے
سوار زلف پریشان نہ تو خدا کے لئے
لحد کو سنتے ہیں آرام کی جگہ - لیکن
ہمارے حال پر احسان کر صبا اتنا
مرے مزار پر آنے کا وعدہ کرتے ہیں
جسے یہ رنگ تیر کہ اپنی محفل میں
یہ کیا بتاؤں کہ مینا میں کیا کیا میں نے
نہ چھپڑ مجھ کو نیم ہسا رہنے ہے
بلا کشون کا اسے سو گوار رہنے ہے
جو چین سے یہ دل میت را رہنے ہے
کہ اس گلی میں مسالہ غبار رہنے ہے
مگر - فلک جو نشان مزا رہنے ہے
مجھے وہ سانے آئینہ دار رہنے ہے
نہ پوچھ اے مرے پرو دگار رہنے ہے
وہ کہتے ہیں - نہ ر کے دو بیام لے اختر
خیالی گردشیں یل و نہا رہنے ہے

﴿خمریاتِ یمن﴾

از لسان الملک حضرت یاض - یادگار حضرت امیر مینائی

اتری ہے آسمان سے جو گل اٹھا تو لا
لیسے کے دل میں قیس نکل آئیگی جگہ
دھونا ہیں دلیخ جامہ آسرام صبح
لے رہا کام ابر کا لون گامین بادہ فحش
طاق حرم میں شیخ گلابی ہے پھول کی
بھکھو بھی انتظار تھا ابرائے قویوں
بنائے دن - یہ تیرہ شب بھرا سے ندیم
لے شیخ میز سے دم افطار فرش پر
نامح کا منہ ہو بند وہ جگہ لے شراب خلد
ساقی در را یاض کی بوتل اٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا
تو سر پر آج نجد کا جھگل اٹھا تو لا
مجرے سے شیخ پانی کی چھا گل اٹھا تو لا
تو مجھ فقیر مست کا گل اٹھا تو لا
اس کام کا میٹکا تجھے پھل اٹھا تو لا
ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اٹھا تو لا
روشن تھا جس سے طور وہ شمل اٹھا تو لا
مینے کو پھول کھانے کو کچھ پھل اٹھا تو لا

اصغر علی محمدی تاجر عطر کھنوکا بنایا ہوا عطر حنا ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے

مکتبہ معظمہ



ذیل کا مضمون سیلنا اسلام جناح کے لانا محمد حسین صاحب (خلعت بولانا محمد فاروق صاحب) یا کوئی دھرم و فخر کے خاٹھلا خاٹھلا کا ایک نمونہ ہے۔ اس میں آپ نے مکہ معظمہ کے تاریخی حالات و محفل کی ہے اور مصنف نے آؤ گریجٹر اقبال سے ثابت کیا ہے کہ اولاد آدم کے مساکین پر قیام کیا دی کہ معظمہ کی بھی، اسی طرح ہجر کم کا اعزاز اور اہم اور قدامت خاٹھلا کہہ کر محال ہے۔ اس مختصر مضمون میں گنہگاریت مطلق اور مستند اقبال سے توضیح کی گئی ہے۔ بلکہ پھر محمد بن ابی بکر کے بعد سے اہل دربار و مہمانت و قیام و قیام کی ضرورت تھی۔

امید ہے کہ آئندہ بھی مولانا کے فائزہ صفائیں کا سلسلہ ”مرقع“ میں جاری رہے گا۔ ”ناظرین کرام“ اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

مدید



یہ نانی کے خزانہ میں اسکا ذکر کیا ہے کہ کب محمد مرزا کا سکہ عالم میں ایک دفعہ لکھنے کی حیثیت سے طبعاً تھا کیونکہ مکہ معظمہ کی شہرت کی وجہ سے اس جہان کے لکھنے اور لکھنے میں ہو سکتی ہے۔ بہر صورت ایسی قدیم تصانیف میں اسکا ذکر کس کی قدامت کو ضرور بتاتا ہے۔ البتہ لکھنا ہادی کو متعین نہیں کرتا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ مصنف پیشین سے انکار کیا جائے۔

کیونکہ مکرر کے متعلق اکثر اسلامی مصنفین نے لکھا ہے کہ یہ نانی میں ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے پیارے بیٹے حضرت ابراہیم کو مع انکی والدہ ماجدہ کے کہ کے حیران ریگستان میں پھوڑا تھا جس حکایت کی بنیاد پر ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے پُرانے معنی اس کے خلاف ہیں اہلی کا قول ایک آخر کے مقابلہ میں روایت کیا جاسکتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ایسا ہی رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ ان مصنفین کے علاوہ عقل بھی کسی طرح اسکو پسند نہیں کرتی ہے کہ خدا کا ایک بڑا دیہات لکھنے میں شریعت کا ایک ہر ہر لکھنے کے بیان بیان میں لاکھ پڑنے لگے اگرچہ مؤرخین نے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اسکو حکم و مرضی خداوندی قرار دیا کہ اس پر بہت تردد ہے۔

انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے مصنفین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اسکا

یہ شہر اقلیم دوم وسطی زمین ۶۰ درجہ طول اور ۲۰ درجہ عرض البلد پر واقع ہے۔ یہ مساکین بنی آدم میں سب سے قدیم ہے۔ اسکی بنا خود حضرت آدم کے وقت میں ہوئی۔ اگرچہ تاریخ سے ہمارا شہر مشکل ہے۔ مگر بنیاد پر مشین علیہ السلام کے مصنفین سے اور ان کے مفسرین سے اسکا پتہ ملتا ہے۔ تاریخ سے صرف اسکی قدامت معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بنیاد ہوئی اور اسکو کس نے آباد کیا۔ اس لئے لکھنے کے مؤرخ کے قول کو بھی کی باتوں پر ترجیح دیتے ہیں وہ بیان انکر سرنگو، ہر حالت میں اور جو خاموشی سے تسلیم کر لینے کے اور انکو کوئی چاہہ کار نظر نہیں آتا ہے۔ مثلاً فرانسل شہر جو فرزند دوزخی انسانیکو پڑیا میں لکھتا ہے کہ ”کہ وہی جگہ ہے جسکو پُرانے یونانی و زمین ما کہہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح مشرقی لائل جو مشرق میں سب سے زیادہ معروف ہیں لکھتے ہیں کہ رومن مؤرخ سیلس نے کعبہ کے کتبوں لکھا ہے کہ وہ دنیا کے معاصرین سب سے قدیم اور مشرف ہے۔ ان دونوں روایتوں سے صرف اسکی قدامت معلوم ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اسکی بنیاد پر ہی۔ اسی طرح حکیم علیہم السلام یونانی کا جغرافیہ ہے جس میں حکیم مذکور سنا مکہ معظمہ کا ذکر کیا ہے اور اسکا طول و عرض مذکور کیا ہے جسکا حالہ باقوت محمد نے محمد المحدثین نے کیا ہے حکیم علیہم السلام

علاوہ اس طرح کے جملہ قسم کے مصنفین علی محمد علی تاج و عطر لکھنے سے طلب فرمائیے

قیمہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میں ہوئی حضرت نوح کے صاحبزادے حضرت سام اپنے والد کے بعد اسکے متولی ہوئے۔ اور ابن ہی کی ولایت کے عہد میں حضرت ابراہیمؑ نے نوحؑ کو خود کدیم سے جوت کر کے یہاں قیام لی جیسا کہ مقبرہ مستن تاجیہ وہیں مذکور ہے۔ اور اسکے حرم ہی ہونے کا سکہ تھا جو فرد جیسے شقی کو ان سے پھر کمری قسم کے تعین کی بہت نہیں ہوئی۔

اسکے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے عزیز فرزند حضرت اسماعیل کو حسب منشا خداوندی یہاں لا کر حضرت سام بن نوح امام وقت کی تربیت میں دیا۔ تو سچ شریفین حضرت اسماعیل و حضرت ہاجرہ کا واقعہ جس تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۳۲۷ مہجری میں حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی۔ اور سنہ ۳۵۷ مہجری میں حضرت سام بن نوح نے وفات پائی ہے اور سنہ ۳۵۷ مہجری میں حضرت اسماعیل کی ولادت حضرت سارہ کے بطن سے ہوئی حضرت اسماعیل حضرت اسماعیل سے چھوٹے تھے۔ ایک ن ذون بھائیوں میں میراث کے متعلق کچھ گفتگو تھی حضرت اسماعیل نے فرمایا کہ میں بڑا ہوں حضرت سارہ میراث ناگوار ہوئی اور حضرت خلیل اللہ سے کہا کہ اس فونڈی کو مع آسے لڑکے کے یہاں سے نکالو میرے لڑکے کے ساتھ اس کے ترکہ میں شریک نہ ہوئی چاہیے۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کو اگرچہ حضرت سارہ کا یہ کہنا ناگوار ہوا ہو۔ مگر وہ بصلحت یا حکم خداوندی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ منعمہ پہنچا گئے۔

اس دوری اور وطنی کے سبب کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل کی عمر شرف کم از کم ۱۲-۱۴ برس کی ہی ہوگی کیونکہ اس قسم کی باتیں جن بزرگوں پہنچنے کے بعد ہو کر تھیں انہذا احوالہ ماننا چرچا کہ حضرت اسماعیل کی عمر ۲۸ سال کی رہی ہوگی کیونکہ وہ ۱۴ برس بڑے تھے۔ یونہی صلا کا یہ کہنا کہ حضرت اسماعیل حضرت ہاجرہ کو دین تھے بالکل ہی بیجا نہ ہے کیونکہ

مختصر اقیاس ہرینہ نافرین کرتا ہوں۔ اس بحث پر میرے علم محترم اور مطوس دوران حضرت مولانا غلام رسول صاحب عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی سلیط اور مدلل بحث اپنی الجواب کتاب ”بشری“ میں لکھی ہے۔ اس میں عمرانی عبارت بہت زیادہ ہے جسکی پوری نقل شمار ہی نہیں بلکہ ایک حد تک محال جو تم محترم صحائف الہامی سے یہ ثابت کیا کہ کربے پہلے عبادہ نگاہ کو یہ ہے اور سب سے پہلے حرم حرم کعبہ ہے۔ انوس ہے کہ بے لگائی اس کتاب کی اشاعت میں نافع ہے ورنہ نہ صرف مذہبی بلکہ علمی دنیا کے لئے ایک عظیم اسقول چیز ہے میں اس بحث میں صرف اُنکی خوشہ چینی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حک کہ اسکے عمری میں جن ہلاکت حک میں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وادی غیہ غریٰ نواح چیل ویران میدان کا جنت سے آنے کے بعد ہی دکھا ہو۔ اور بیت مکن ہے کہ نام بائیل کی موت کے بعد دکھا گیا ہو کیونکہ نبی آدم میں سب سے پہلی موت ہی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اولاد آدم کو موت سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اسکے اسماء میں یکہ بھی ہے اسکے معنی عربی اور عبری دونوں میں رونے کے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہی ہے کہ جس لغزش اور فرگوگداشت کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام کو یہاں بنا پڑا اسکی معافی کے لئے وہ دن رات بارگاہ غفور الرحیم میں گریزا کی کرتے تھے اُنکا یہاں میت حزن تھا۔ جس میں مشغول گریہ و بکا و سجود و رکوع رہا کرتے تھے۔ غالباً میں اُنکو بشارت منفرت فی اور حکم الہی کی آج تک عبادہ تمام رہا اور قیامت تک رہیگا۔

بہر صورت قیاس یہ بتاتا ہے کہ اس نام کی وجہ یہ ہوگی اسکے بعد اپنے اُنکو حرم بنایا چنانچہ اسکے جوانی ہاں میں شاید ہی ہے جسکے معنی سلام کے عربی میں ہیں۔ اسمیں قیل و خوریزی یہ حکم خداوندی ہمیشہ منع رہی اور اقوام عالم بلا ہتھنا اسکا اہم حرام کرتے تھیں۔ جب بلوفان نوح تمام آباد کی بنایا گیا تو اُنکے دفع ہونے کے بعد جو جی اسی بنیاد نگاہ اولاد اس حرم کی

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لیے تار کا پتہ صرف ”حنا“ لکھنا کافی ہے

سادہ سنے حضرت اسماعیل پر جادو یا ٹونا کو یا تقاسم جس سے وہ چل نہیں سکتے تھے۔ اس طرح پر ایک گویا اعتراف حضرت سارہ پر بھی کر دیا معاذ اللہ منہ۔ یہودیت عجیب چیز ہے۔ یہودیوں کی شرمناک مخالفت کا اس وقت کچھ پتہ چلتا ہے جب آسمانی صحائف شیعین پر گہری نظر ڈالی جائے۔

بمکرمیت توراۃ شریعت کی یہی ایک آیت ہے جو بنا ہے اس عظیم مقالہ کی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بخود ہے۔ یہودیوں اور کفار عرب کے قصص سے یہ کہہ نہ سکتے تھے کہ اصل واقعہ آپ سے بہت پہلے کا ہے۔ آپ جو کچھ اسکے متعلق معلوم ہوا وہ ان لوگوں سے۔ کیونکہ اگر حضرت سرور کائنات مسلم نے فرمایا تو حضرت ابن عباسؓ کا ذکر کرتے، جیسا کہ صحابہ کرام کا دستور ہے۔ چونکہ یہ اثر مرفوع نہیں ہے اس لئے جیسا کہ مین نے اوپر لکھا ہے کہ اس سے آسمانی صحائف منسوخ نہیں ہو سکتے۔ لہذا توراۃ کی روایت پر اعمام کو کرنا پڑے گا۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے قرآن مین کہ جن سے اسکی تائید ہوتی ہے بخود طوالت یہاں نظر انداز کرتا ہوں۔ سلسلہ کلام کے متعلق مین ایک اور آیت کے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہی پہلی کتاب باب ۴۴ آیت ۱۸

يَا اِسْمٰعِيْلُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ نَبِيًّا
وَاَوْثَقْنَا بِكَ الْوَدَّعَ الَّذِي بَيْنَكَ
وَبَيْنَ اِسْرٰءِيْلَ اِنَّكَ اَعْلَمُ
بِغَيْبِ اِسْرٰءِيْلَ اِنَّكَ اَنْتَ
الرَّحِيْمُ الْحَكِيْمُ

ترجمہ کیا ہے۔ کہ یہی صدق بادشاہیم روئی اور شریاب لایا اور وہ خادم تھایے مہبود کا۔ مکی صدق لقب ہے حضرت سام بن نوح کا جیسا کہ رسی وغیرہ عمدہ ترین تقایم میں صحت ہے۔

سلسلہ کلام اوپر سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے زمانہ قیام

۲۶ برس کے جوان آدمی کا مان کی گود مین سفر کرنا عقل سے باطل بعید ہے قیاس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخالفت انبار یہود کو اس عبارت تک موصول ہو چکی کہ کتاب موسیٰ باب ۱۲ تا ۱۴ آیت مین صحت ہے اور وہ یہ ہے۔

يَا اِسْمٰعِيْلُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ نَبِيًّا
وَاَوْثَقْنَا بِكَ الْوَدَّعَ الَّذِي بَيْنَكَ
وَبَيْنَ اِسْرٰءِيْلَ اِنَّكَ اَعْلَمُ
بِغَيْبِ اِسْرٰءِيْلَ اِنَّكَ اَنْتَ
الرَّحِيْمُ الْحَكِيْمُ

اسکا ترجمہ یہ ہے = صبح کو (حضرت) ابراہیمؑ اٹھے اور باروئی اور پانی کی مشک و روغن باجرو کو یعنی مسکے کندھے پر رکھ دیا اور لو کے ہاتھ کوئی دیاروئی اور مشک و روغن کے کو اور اسکو نکال دیا

اس آیت کا مطلب یہود کہتے ہیں کہ روئی کی مشک و روغن کا یعنی حضرت اسماعیل) سب کو حضرت باجرو کے کندھے پر رکھ دیا۔ یہ کس قدر عقل سے بعید ہے۔ حالانکہ اسکا مطلب صاف ہے کہ روئی اور پانی کی مشک حضرت باجرو اور انکے لو کے کو دیا یعنی مان بیٹے دونوں کو دیا یا یہ ہو سکتا ہے کہ روئی اور پانی اور حضرت اسماعیل ان سب کو حضرت باجرو کے ہاتھ پر رکھ دیا کہ یہ ہمارا نوا کا ہے اور یہ زاد راہ ہے یہ سب لواجر جانونہ یہ بہت ہی صاف ہے اور لو کے کو باصطفت کے سمجھتے ہیں یہ ذرا سی غلطی ہوئی ہے جس نے تمام مسئلہ یہود و اسلام کو مغالطہ مین ڈال دیا۔ یہاں تک کہ ربی شلو میر جی کے ایسے لائن مفسر نے اس مقام پر حضرت اسماعیل کو گود مین دینے کی یہ جھجھکی ہے کہ وہ چلنے سے معذور تھے۔ اور معذوری کی وجہ یہی تھی تراشی ہے کہ حضرت

تمام ماہران فن نے صغر علی محمد علی باجرو عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کو بہترین عطر ماہر ہے

فروری ۱۹۲۱ء

بھی یہ دعویٰ انکے بعض چالاک لوگوں نے محض اپنے مذہب کی گمراہی اور
خلق خدا کو دھوکہ دینے کے لئے کر رکھا ہے۔ ورنہ انکے دوسرے مذہبی
وحادی کی طرح اسکی بھی قطعاً کوئی اصلیت نہیں ہے۔

بہر صورت مجوسی مذہب اپنی قدامت کے متعلق یہ کہتا ہے۔

”خستین مہاباد را بزرگیم پس از او بنزدہ بنیزیم فرستادیم چون صد

راد سال دیاد شاہے ایشان رفت۔ آبا و اداد بادشاہ جہانگیر دی

گزارشتہ زندان بہرست شد“

یعنی یزدان (یعنی کالاک) بتاتا ہے کہ میں نے پہلے کا سنتین

مہاباد (پارسوں کے خیال کے مطابق یہ نام حضرت آدم علیہ السلام کا ہے)

کو منتخب کیا اور انکی نسل میں سے تیسویں کتاب بھیجی۔ جب تیز زاد سال

انکی حکومت پر گزرتے تو انھی اولاد کا کہ میں ایک بادشاہ آباد کر دے

سلطنت چھوڑ کر رویشی اختیار کر لی۔ صد زاد سال کا شمار پارس سلطنت

یوں ہوگا۔ کہ پچھ کے عدد لکھو ۲۰ نقطے (علامت منفی) بولائیے۔ یہ عقدہ ہے

جسکے لئے لفظ کسی اور زبان میں نہیں ہے۔ یہی غرض اس عبارت کی

نقل سے صرف اسکی قدامت کے ادعا کو دکھانا ہے۔ جو مذہب کاس مجہ

اپنی قدامت کا دعویٰ واریجو اسکا پیشوائے عظم کہتا ہے کہ مکمل میں سب

تھا۔ اور زادہ سابق میں بان چاند کی پرستش ہوئی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا

یہ مدعیان قدامت بھی کہ منظم کی آبادی اور اسکی عبادت گاہ کیسے کی بنا کے

زمانے کو متعین اور محدود کر سکے بلکہ وہ اپنے وجود سے بہت پہلے کی آبادی

کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا یہ خیال کہ اسکی بنا حضرت براہم غیل کے ہاتھوں

پڑی پائے ثبوت کو نہیں جو پچاس بلکہ مچھ ہے کہ اسکی تعمیر آبادی حضرت کاش

کے وقت میں ہوئی۔ اور حضرت براہم کے ہاتھوں یہی مرتبہ کی تعمیر ہوئی ہے۔

میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے گبروں کی اس توجیہ کی وجہ بھی مختصر

پر لکھے دیتا ہوں۔ آسمانی معجزوں کو نظر غور مطالعہ کرنے نثر کتاب بشری کے

دیکھنے سے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ مربوطین معلوم ہوتا ہے کہ جب بلا بشر

مصرعین ہوا کیسا ہے اور اس جہا زمین فتح پائی ہے حضرت سام چونکہ امام

وقت تھے وہ عشر لینے کے لئے گئے ہیں اور حضرت ابراہیم نے اُن بھی کیا

اخبار یہود کی صدق کے سہمی ہوئے ہیں تو اختلاف نہیں کرتے

ہیں لیکن شالیم کے تعین میں وہ ہمارے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ شالیم

سے مراد اور شلیم ہے۔ حالانکہ اُنکا خیال غلط ہے کیونکہ شالیم کا اطلاق ہم

یہ کہہ رہے ہو سکتا ہے اسکے لفظی معنی سلام کے ہیں اور ہم کے لئے سب کا بڑا

ضروری ہے جیسا کہ دستور قاعدہ ہے۔ اور یہ سلسلہ ہے کہ ہمیں کسی کو

بھی اختلاف نہیں ہے کہ اس وقت تک ہاں سجدہ تھی۔ لہذا یہ اندیشہ

کاس سے مراد کہ حضرت سلم بن نوح ہے جہاں حضرت آدم

کی بنا کردہ عبادت گاہ (مکہ مکرمہ) موجود تھی۔ کہ حضرت سلم بن نوح

ہے۔ یہود کی قدیم کتابوں میں اسکا ذکر موجود ہے۔ اور یہی مطلب قرآن

پاک کی اس آیت شریفہ اِنَّ اَوَّلَ نَبِیِّتٍ خُصِّیْعَ لِلنَّاسِ لَدُنِیْ سَیِّدُکَ

مُیْسَا رَکَّآ وَ هَدٰی اِلَیْہِا لَدُنِیْ۔ سے پہلا گھو جو لوگوں کے لئے جابجا

بنا لیا ہے وہ ہے جو کہ حضرت سلم بن نوح اور اہل عالم کے لئے باعث ہدایت

دیکھتے ہیں۔

قدیم تاریخ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام تمام اقوام

عالمی نگاہ میں ہمیشہ سے مذہبی عظمت و تقدس رکھتا آیا ہے۔ پانسی رجوعی

مذہب کے پیشوائے عظم نے اسکی تادیل یوں کی ہے یہ (مکہ) اصل میں

مکہ تھا، پہلے یہاں چاند کی پرستش ہو کر تھی۔ اب فترہ فترہ اور ایام

جگہ جگہ ہو گیا ہے۔ اس گیموڑا سے عظم کے اس قول کی توجیہ کرنے لو

اسکی طرہ سے قبل اس عقولہ کے متعلق ایک ضروری امر یہ عرض

کرنا ہے، وہ یہ کہ مذہب عالم میں اپنی قدامت کے سبب زیادہ مدعی

پارسی ہیں۔ اور یہ لوگ اپنی کتاب میں اس دعویٰ کے ساتھ کچھ یہ بھی لکھتے

ہیں بخلاف ایسے اہل مذاہب کے ان کے یہاں صرف دعویٰ ہے

وہ بھی انکا اپنا اسکی کتاب میں دعویٰ سے بھی خالی ہے اور اسے پتہ نہیں

اسنر علی محمد علی تاجر عطر گھڑ کے کارخانہ کا عطر حنا جس قدر ہوتا ہوگا اسقدر اسکی خوشبودی پورا اور خوشگوار ہوگی

نشان کرتے ہے جیسا یہ وضع اول کی طرف خود کر لیا تو پھر بھی کافرا کے پاس ایک دورہ پور کر لیا اور روزانہ کے نشانات کا شمار کیا تو ۳۵۶ یا ۳۵۷ء میں کافرا کے پاس ایک سال مقرر فرمایا اس کے بعد جانے کے تیز لڑائی کی طرف نظر ڈالی اور اس کے لکڑیوں کو کھامبہ میں مقرر فرمایا غرض کہ اس طرح علم باطنی کی بنا ڈالی اور روزانہ اس کے ضروری سائنس کو سمجھا اور کھجھار آلاک کا ششکاری اس وقت کے اقتضا اور اعتبار سے جو کچھ بھی ممکن ہو گیا۔

جرن ہائی پر یہ بیان تھا اس کو اس وقت کی اصطلاح میں ہر ہیا ساریح کہتے تھے جس کا ترجمہ میں جیل القراء اور علمی میں کہ مہم ہو مہم صحت آسمانی کی تفصیل کی کشف ترائید فاکس فی صفت کتا تاریخ لکھانے بھی کی ہے اصل کتاب میں نہ من ہوئے۔ بہر حال تفصیل سے دنا قیاس کیا جاتا ہے کہ اسی لفظ ہر ہیا ساریح نے اس پر لکھی کہ مرقع دیا۔ اس کے تعلق ایک اور ترجمہ ہے کہ حضرت سلم بن کی نسل میں ایک شخص سلم نام کا رہا جس کی اولاد جیسے کہ پھر دور رس کے گناہ پر لیا ہوئی اور چہن کہ بعد چاند کی شمشیر کرنے لگی اس پر جسے عربوں کو نبی حلال کہنے لگے۔

ان نوکرانہ بالا تمام تغاویل کا خلاصہ یہ ہے کہ انیسائیسٹین علم اسلام کے صحیفوں میں مذکور قرآن و توالی اور لے شاہد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لڑاؤ میں سے زیادہ قدیم آبادی کے مذہب کے واسطے تمام مہاجرین شہر کی عزت و عظمت و عداوت خاکی کو کچھ ترسہ کہو۔ تو قدامت میں کوئی ایک ہسری کر سکتا ہے اور نہ عزت و حرمت میں کوئی اس کا مد مقابل ہے۔

میں اب اس طویل سفر کو عملی وجہ اختصار کم کرنا ہوں اور اس کی مؤید تواتر شریعت کی دوسری باتوں کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابھی کے ساتھ ملا کے ارباب علم و تحقیق سے یہ استعلام ہے کہ اس مسئلہ پر اپنی قیمت ایک ملک کو نیز سزا پر چند کو تصدیق فرمائیں۔ اور اگر اس کے تعلق کوئی مقرر خارج قوانین تو مجھ کو بھی عنایت فرمائیں۔

محمد حسین عباسی چرمہا کوئی

برہنہ۔ غازی پور۔

حضرت آدم علیہ السلام پر وہ خفا سے سرور کر اسے عالم وجود ہونے تو ابتدا کر حسب نشا عیسیٰ ایسے مقام پر رکھے گئے جہاں وہ تمام چیزیں مقرر ہوتا تھا جو جسم انسانی کی غذا و سرپرستی کے لئے ضروری ہیں اور جس کے لئے ایک انسان اپنی بقا و حیات میں محتاج ہے اسی طرح وہ تمام شایا رجن سے ایک انسان کو گزند و نقصان پہنچ سکتا ہے ان سے وہ جگہ خالی تھی۔ نیز خدا کے خلیفہ اور نبی ہونے کی حیثیت سے وہ تمام علوم و فنون جو سبب منشا تہذیب فن نظری و عملی ہیں اور وہ جو حکمالات جن پر صحیح معنوں میں لفظ عدالت کاطلاق ہوتا ہے سب ان کو ملا کہ سب محنت و تعلم و تحصیل بعض ذہنی طور پر بعضی و الہام خداوندی حاصل تھے جیسا کہ انبیا علیہم السلام کو پیشہ ہوتا آیا ہے کبھی کسی نئی نئی کسی انسان کے آگے راہ و راہ تعلیم و تحصیل علم کے لئے بہترین کیا ہے اور کسی نئی کا کوئی دنیاوی علم نہیں ہے حضرت آدم تمام کمال و حافی سے آراستہ تھے اور ان تمام علوم سے بہرہ مند تھے جن کا جانا انسانی حوالے کے لئے ضروری ہے جیسا کہ اولیٰ پاک سے ایک تصدیق ہوتی ہے تو علم آدم کے سبب ان کا خلیفہ حضرت آدم کو تمام اسما کی تعلیم دی گئی اور ان کے تعلق نفوس انسانی کی تکمیل و تکلیف ہوا۔ اسی وجہ سے ملائکہ وغیرہ کو ہر وہ من اس وقت اس کا کوئی بھی جانتے والا نہ تھا۔ بہر صورت حضرت آدم کی کتابت وہاں ہے اور مخصوص خداوندی اور مخصوص معاشیت کے عادی تھے اس کے بعد پھر ان خفا سے عکس باندہ و منشا انہی کے ایک طرہی وغیرہ نزع یعنی دران چیل میدان میں بھیج دیے گئے جہاں ان کی مائتاج چیزوں و اشیاء ضروریہ میں سے کوئی چیز بھی موجود تھی لہذا وہ مجبور ہوئے کہ زمین سے ان چیزوں کو پیدا کر لیں۔ اس کو کھانا جانتی تعلیم بنائی تھی ان کی دہسری کی اور اپنی اولاد کو علم و طاقت کا ششکاری کی تعلیم دی۔ ان کو یہ بتایا کہ زمین سے کس طرح پنبات پیدا کر کے خدا کے صرف میں لائی جا سکتی ہیں اس میں ان کو ہڈا کیے کا بیان ہوا۔ چونکہ کا ششکاری کے لئے دین و دوسرے تمام کام کو واسطہ ہوا وقت و فصل کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آپ نے ان کی طرف توجہ کی اور انہیں بتایا کہ ایک ہزار زمین پر کوئی بھجے دی اور اس کے سایہ کو برابر دیکھئے اور اس کے تغیرات پر

صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ایجاد کردہ عطر خانے جس کا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

فرض

(انجانب لدی و جلال الدین صاحبِ مِلیم، پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی جیک آبادکن)

اے دل رہ الفت میں نہ ٹھکنا ہے ترا فرض
لے روح بشریت تریاں سے ترا نام
اے عمن جگر تجھ سے محبت کا کھلا رنگ
رہو فن چمن دل کی ہے تو نخلِ منت
لے اکٹھ تو ہے آئندہ حن جہاناب
لے عشق تو شعلہ ہے بجلی ازل کا
اے حن تو فطرت کے گلستان کا ہر پودا
اے پھول تو ہے حن کے میخانہ کا اک جوا

وہن باندھ کے منزل کی پکنا ہے ترا فرض
عظمت کی بلندی پر چکنا ہے ترا فرض
عشق کی آنکھوں سے چکنا ہے ترا فرض
جھوکوں سے شرت کے چکنا ہے ترا فرض
حیرت سے ہراک جلوہ کو ٹکنا ہے ترا فرض
ہر سینہ کی سینا میں بھرکنا ہے ترا فرض
ناز و نغمہ کی ہواؤں میں پکنا ہے ترا فرض
صہبائے لطافت سے چھلکنا ہے ترا فرض

اے مرغِ چمن تو ہے محبت کا غسنی
پھولوں کے درختوں پہ چکنا ہے ترا فرض

خمتان بہار

(انجانب آثر مہبائی)

پھر اب یوں ہی حدیثِ شوق بے بیان بیاں کر لون
وہ فردوسِ تاشا زینت آراے گلستان ہے
خیالِ جنتِ مہووم میں لے واعظانہ و ان
وہ سب نانہ ہے یا پیکرِ رنگینی وستی
کبھی تاروں بھری لائون میں یوں بھی غور کر ہوں

نگاہِ پاک میں کورا زول کا تر جان کر لون
نظر میں کس طرح سے جذبِ سب رنگینان کر لون
نظر کو کس لے بیگا خوشنِ بتان کر لون
یہی جی چاہتا جو کو آنکھوں سے نہان کر لون
دل تار یک کو کیسے حریفِ مکشان کر لون

اثر جب باد ہوئے زندہ کو شامِ سنتا ہوں

یہی جی چاہتا ہے سبیتِ پیرِ مغان کر لون

بی محمد علی تاجر عطر گھڑنے غلِ طلب کر ٹیکے بند اگر اپنی ہو تو قیمت واپس لے لے۔ اور واپسی کے کھمبل کا بھی کارخانہ ذمہ دار ہے۔

اُردو زبان کی قدامت

(فوضہ جناب حکیم برہم صاحب اڈیشہ اخبار ”مشرق“ گوکھپو)



حضری جناب حکیم برہم صاحب اڈیشہ اخبار ”مشرق“ گوکھپو کے نام نامی، اُنکے علمی و ادبی خدمات و لائے جو ہر شاہِ داری سے کون ہے جو داغِ نہیں۔ ذیل کا مضمون انہیں کے کوشش و کوشش ہے۔ اس مضمون میں کہنے اُردو زبان کی قدامت پر بحث کی اور روشنی ڈالی ہے۔ اور اظہارِ دعا و رات کے عدم صحت اور بجا استعمال کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ایک حد تک کے متضاد خیال کی اعلیٰ مثال ہے ہم اچے لے کو ابھی سمجھنا نہ کھتے ہیں۔ امید ہے کہ وہ دادگان اُردو اس مضمون پر کافی غور فرمائیں گے۔ اور ملک کے اساتذہ فن اور متضاد ادب کا کافی فوج کے بعد اپنی پیش ہمارا یوں سے ”مرق“ کو رزیت دین گے۔ تاکہ کچھ بھی اپنے اُردو خیال میں کافی ادا دے۔ - اڈیشہ

کر رنگت میں سُرخ سبند گوسے چٹے خوبصورت ہاتھ پاؤں ملے تھے۔
یہ سلسلہ ہے کہ آئین قوم کی ایک شاخ یورپ گئی ایک نیا نیا
ایک چین و تبت۔ ایک ہندوستان آئی ایک اپنے قدیم خطے
ایران میں رہ گئی۔

آئین قوم جو ہندوستان آئی، اُسکی نسبت سیر قیاس اُسکے
طور و اطوار اور معاشرت و خود داری کی روایتوں کو دیکھتے ہوئے یہ ہے
کہ وہ برہمن تھے۔ اور انہوں نے جیون یوگن کو سٹے کر کے جب
اس سرزمین پر قدم رکھا اور یہاں کی قوموں کو مخلوب کر لیا۔ انہوں نے
اپنی سیادت قائم کرنے کو ذات پات کی تقسیم کر دی۔ خود سردار بننا و اپنی
خود داری کو اس حد تک سراہا کہ اپنی زبان کو بھی یہاں کی قوموں کو ہاتھ
لگانے نہیں دیا جس طرح کھانے پینے اور ازدواج سے یہاں کی قوموں کی
اگاتے کھا۔ اُسی طرح زبان کو انکی دتبر سے محفوظ رکھا۔ مگر قدرت اُس
فیصلے کے خلاف کیا کر سکتے تھے کہ تبادلات و خیالات اور روزمرہ کے ضروریات
کے لئے یہاں کے باشندوں سے بات چیت، خرید و فروخت میں مجبور
ہو کر یہاں کی بول چال اور اپنی بول چال کو ملا نا اور ایک نیا پیدا کر لیا پڑی
یہ اصول سلم ہے کہ زبان کو کوئی پیدا نہیں کرتا۔ زبان غنیمتِ ہوتی ہے

میں نے دسمبر ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون اُردو زبان پر لکھا کہ آئین
ترقی اُردو، کی کائنات کے لئے لکھنا بھجوا تھا۔ مگر یہ خیال آیا کہ
اُس میں ایک اہم بات لکھنے سے رہ گئی تھی۔ وہ مضمون اس وقت میرے سامنے
نہیں ہے۔ لیکن ہے کہ مولانا ظفر الملک (اڈیشہ) ”الناظر“ لکھنؤ کے
پاس ہو۔ کج اُس فوگراشت کو پورا کر رہا ہوں یعنی میری رائے میں
اُردو قدیم زبان ہے

مگر غورِ معلوم ہوتا ہے کہ جو اصحاب اُردو کو دو تین صدی کی پیداوار کہتے
ہیں، وہ متضاد ہو جائیں۔ میری رائے اس معاملہ میں جدا ہے، اور یہ رائے
میری عقل آرائی پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اُردو کے متعلق جتنی کتابیں لکھی
گئی ہیں اُنکے پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ

اُردو زبان اس ملک کی قدیم زبان ہو
اُردو زبان بیشک کبھی بھاشا سے نکلی ہے۔ اور کہتے ہیں کبھاشا
کی عمر ایک ہزار سال سے بھی کم ہے۔ مگر نتیجہ طلب یہ ہے کہ کبھی بھاشا
کی عمر صحیح کئی جاتی ہے، یا غلط؟

در اصل ہندوستان میں آئین قوم کو کڑے لئے پانچ ہزار
سال سے کم پیش ماہ گورا۔ اسی آئے والوں کی صورت اور معاشرت ہیں

مغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ

اس نے یہاں کی زبان کو انہوں نے پراکرت کا لقب دیا۔

پراکرت عوام الناس کی زبان کہہ سکتے ہیں۔ یہ گوتاری خطاب غالباً غیو آریں کا دیا ہوا ہے۔ محکم قوم پریشی طرح فاتح قوم کا جسکے جاکا ہے۔ دیکھ لو کہ انگریزی زبان کیا کر رہی ہے اور ہندوستانی زبانیں کس حالت میں ہیں۔ جب مسلمان آئے تو چند ہی روز کے بعد یہاں کی قوموں نے فارسی اور عربی میں کسی قدرت حاصل کر لی تھی۔

برعین قوم کے سوا سیریں اور اقوام ہند آریں نہیں ہیں اور اقوام ہندوستان کی قدیم قوموں کے ستند اور شریف افراد ہیں اگر برعینوں کے سوا اور قومیں بھی آریں ہوتیں تو وہ یہ تفریق کبھی گوارا نہ کرتیں کہ ایک سردار بنے اور باقی سب غلام بن کر رہیں۔ اور بادچھتر یوں سے تو اسکی ایسا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ انہیں اقوام ہند میں جو سردار اور شریف قومیں تھیں وہ تو باقی رہ گئیں اور بکثرت جاہل مزدور پیشہ چنگون اور پہاڑیوں بھاگ گئیں جنکی نسلوں میں پھیل وغیرہ ہوں تو تعجب نہیں۔

غرض کہ پراکرت زبان کی ترقی ہوئی گئی اور زمانے نے جناب بودھ کو پیدا کر دیا جو تخت شاہی چھوڑ کر سادات کے قانون پر کار بند ہو گئے اور سب کے پہلے انہوں نے دیوبانی زبان شکریت پر چل کر کیا تاکہ راج پٹ کی کوئی تفریق نہ ہے۔ اور ایک ہاں سارے ملک میں شتمال کچا ہے۔

اس طرح ایسے وغیرہ سب پراکرت کی ترقی میں مصروف ہو گئے۔ اور اس متحدہ زبان میں شائستگی اور سیدھا پن پڑے لگا کیونکہ اب یہ درباری زبان ہو گئی تھی اور درباری اور کاروباری زبان میں شاعرانہ تخیلات اور صنائعِ بدائع اور استعارات نہیں ہو سکتے۔

روزمرہ کی کاروباری زبان کے لئے سیدھی سادھی بول چال رواج پاتی ہے۔ جب جناب شکر چار یہ کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے پھر قدیم آریں کے ضابطے نافذ کر دیے اور شکریت کا زور بڑھا۔ تاہم پراکرت زبان کو جناب شکر چار یہ شائیں کے آؤ آخر کار

اس نے برج بھاشا کی نئی شکل تو نہیں مگر کچھ صورت بدلی ادیب برج بھاشا کی حکومت ہو گئی اور تمام ملک میں نئی زبان فصیح سمجھی جانے لگی کہ سہا ہی فتوحات کا پھر ہر لہر لے لگا اور تبادلہ خیالات کے لئے مسلمانوں سے یہاں کا باشندے بھی اسی طرح مجبور ہوئے جس طرح آریں قوم مجبور ہوئی تھی۔ مسلمان چونکہ عالم و حکو میں اس قسم کی سطحی تفریق پسند نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے فارسی کے تحفظ کی کوشش اپنی زبان کو ہندو کی زبان قوموں کو مجبور کیا کہ وہ خواہ مخواہ اپنی زبان چھوڑ کر فارسی ہی اختیار کریں۔

مگر قدرت کے قانون کے موافق تبادلاً و تخیل سے برج بھاشا میں فارسی۔ عربی اور ترکی الفاظ اس طرح خلط ملا ہوئے کہ ایک نئی زبان پیدا ہو گئی۔ جو ایک نامزد و از میں سلاطین اسلام سے کے دو بین ریختہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

لیکن جیسا کہ زبان زیادہ ترقی ہوئی تو اس نے دو اردو نام اختیار کیا۔ جس طرح آریں نے اس مخلوط زبان کا نام پراکرت رکھا تھا۔ تاکہ اسکی ذات ظاہر ہوئی رہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے اسکا نام اردو رکھا۔ جو ایک لشکری زبان کی جاتی ہے۔

اگر غور کیا جائے اور اردو کی صرف و نحو پر غور نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اردو کی بنیاد برج بھاشا پر ہے۔ تمام قواعد و ضوابط اردو زبان میں برج بھاشا کے موجود ہیں۔ صرف اسما و صفات عربی و فارسی سے لئے گئے ہیں۔

میری رائے میں یہاں کے دانشمند اور اہل ربط ہندو مسلمانوں نے غفلت کی۔ ورنہ پورے قواعد برج بھاشا کے لئے جاتے۔ اور عربی و فارسی کے جو اسما و صفات اب تک انچ ہیں باقی رہتے۔ لیکن یہ بات شاید اس لئے نہ ہو سکی کہ برج بھاشا کے قواعد بھی مضبوط نہ تھے۔ اور اسکی صرف و نحو بھی شکریت کے ضوابط پر مرتب ہوئی ہے۔ برج بھاشا میں ضوابط قدیم سے اس لئے نہ گئے کہ کسی زبان کے

مصر علی محمد علی تاج محمد لکھنؤ کے عطر خانہ کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

قبضے میں لکھا ہے اور دیکھو کہ کون کس کے ہیں۔ اب اردو ساہے ہندوستان کی زبان ہے۔ بنگال۔ بہار۔ پنجاب۔ وسط ہند۔ بیلٹی اور اس سے شہرے خیال آفرین اور ادیبان مکہ تین پیدا ہوئے ہیں۔ جگہ کلاں انہیں دوز بردہ ملی دیکھو کہ غلامی سے آزاد کرتے جاتے ہیں۔ خصوصاً بے خاک و کن ہیں اردو ویونیوٹی قائم ہوئی عالم ادب اردو کی شہرہ یادی حضرت شہرہ یادی کن خلد اللہ اقبال کے قبضہ قدرت میں ہو گئی۔ مگر اردو کی ان ترقیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک نئی خرابی پیدا ہوئی جس نے عالم سخن کے ادبی نظام میں عجیب خطرناک طوائف الملکی کی نشان دہی کر دی اور خدا ہی ہے جو ہماری زبان مختلف مذاق و دستوں کی شکست سے اپنی جان بچا سکے۔

ان شکست میں بے پیلہ اردو ہندی کا جگہ ہے۔ اردو کی تاریخ ہم پر لکھ چکے ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو اردو صرف ہندو مسلمانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہوئی اور ان کے اگلے اتحاد و اتفاق کی یادگار ہے۔ موجودہ سیاسی کشمکش نے ہندو مسلمانوں میں اختلاف پیدا کیا اور ان کی مخالفت نے اس زبان کو جس طرح پیلہ، دوفون کی جم جھپٹی، ہم نواقی اور ہم نشینی کی نہایت دلچسپ اور سراپا غلطی بنی ہوئی تھی۔ اب اسے رطانی کا مکمل بنا دیا۔ یہ بھی ہوتا تو چند ان بڑے ہوتا۔ قیامت تو یہ کہ ہندو اردو کے پرانے حق سے سکڑش ہو کر اس کے دشمن بن گئے اور خود اپنے فرزند کے ساتھ ایسی سردہری ہے کہ باہمی عہد و پیمان ہوتے ہیں اور قہین لائی جاتی ہیں کہ اس زبان پر ع

ستم ہی کرنا۔ جفا ہی کرنا۔ بگاڑنا۔ اللہ کبھی نہ کرنا

بغضب اردو پر دوسری آف بیوٹ پڑی کہ انگریزی تعلیم کی ترقی نے اردو و شہر و سخن کو مشرق و مغرب کے ادبی مذاقوں کی جڑ کاٹنا بنا دیا۔ اس سے خیر فوری و آگوری نظامی و خاقانی و سعدی و جامی کا کلام ٹپڑ کر دے کے شاعر ادیب پیدا ہو کر رہتے تھے۔ ایسا

صرف دھوکہ ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ کوئی زبان قواعد و ضوابط کی پابند ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک ملک کی زبان ہوتی ہے۔ ملک والے اسکو برتے ہیں۔ جب کوئی دوسری قوم اسکو حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے اس کے قواعد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اردو کے قواعد بھی منضبط نہیں ہوئے۔

سب سے پہلے انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اردو کے قواعد منضبط کئے مگر ان کو زبان حاصل کرنے کی ضرورت پڑی۔ اب یہ بان ٹپ کر رہ گئی۔ اور یہ دائرہ قواعد و ضوابط میں آگئی۔

اس وقت ہندوستان اور برہما میں تین سوڑے نہیں متسل ہیں۔ مگر جو فصاحت و بلاغت اردو زبان کو حاصل ہے وہ کسی زبان کو حاصل نہیں۔ اور جسے بڑی بات اس زبان کو یہ حاصل ہے کہ اسکا جاننے والا ہر خطہ ملک میں موجود ہے۔ اور اسکو اہل زبان چاہتے ہیں۔ مگر زبان دان ضرور کہہ سکتے ہیں۔

یہی اسے ہندو اسکے موجود مسلمان اسکے مصلح اور انگریز اسکے مونی ترقی دینے والے کہہ جاسکتے ہیں۔ انہیں شک نہیں کہ ہندو مسلمانوں نے اسکی خدمت عیسوی کرتی جاہلی تھی، انہیں کی۔ اگر انگریز اسکو ترقی دیتے تو کج یہ زبان اتنی مقبول نہ ہوتی۔

اردو کو طبعی زبان بنانے میں مسلمانوں نے بڑی غفلت کی کیونکہ علمائے اسلام نے اسکو مبتذل کھکھو فارسی تاہیت تصانیف کا ذخیرہ پیدا کر دیا۔ اور اطباے اسلام نے بھی جہاں تک طبی کتابیں لکھیں نہ زیادہ تر فارسی میں لکھیں۔

اسکی ترقی افغان کی بنا پر اسکے دو مرکز قرار پائے۔ ایک دہلی دیکھو اور اس میں شک نہیں کہ باوجود باہمی اختلافات کے اہل دہلی دیکھو اسکو معراج ترقی پر پہنچا دیا۔

مگر اردو کے آخری عہد کی ترقیوں نے اب اسے دہلی کے

صرف صخر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر تھا ایسا ہے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

ہر زبان کا ہر لفظ اپنے مقامی اور لسانی اور لازمی معنی اور خصوصیات کے لحاظ سے اپنا جدا گانہ عالم رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر زبان کی تشبیہوں اور تمعاروں کے خصوصیات و علائق کا ایک خاص طبقہ ہوتا ہے۔ لہذا زبان کے تمام نفلوں اور تشبیہوں کے مترادف و مماثل الفاظ کا متحدہ وجود دوسری زبان کے نفلوں اور تمعاروں وغیرہ سے مطابقت قائم رکھتے ہوں غیر ممکن ہے۔ ہمارے مغرب پرست ادیب انگریزی کی تشبیہوں اور تمعاروں کا ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں مگر اس کے تمام حیات و تعلقات کی طرف سے ہم پریشانی کرنے کی بجائے ہر خیال اور بندش کو ایسا بھونڈا۔ بے جوڑ اور بے ربط کر دیتے ہیں کہ رسالہ جلد غارت ہو جاتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ انہوں نے انگریزی کی تخلیق اعلیٰ حاصل کر کے ہمارے تمام شعرا و ادبا پر امتیاز حاصل کر لیا ہے اور قابل احترام ہیں مگر جو کام اختیار کیا ہے انہیں انگریزی سے زیادہ شرقی السنہ عربی فاضل اور دو کی اعلیٰ ترین لیاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس سے وہ عموماً بے بہرہ ہیں۔ مثال کے طور پر چند نمونے پیش کرتا ہوں جن میں انگریزی کی تقلید مزین اردو کی مرث کی گئی ہے اس لئے کہ ایسے تصرفات کو بہ صلاح نہیں کر سکتا۔

ایک جدید ناول کی سرگزشت اس وقت میرے سامنے ہے چند ہی صفحات کے مطالعہ میں یہ الفاظ نظر آئے۔ ”ناخوش نصیب کامیابی حیات نجد“ کامیابی سے خوش نصیبی کو ہمارے دیار و زمین اور ہمارا زبان اردو میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ حیات کو پانی کی طرح جو جانے سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

”اتفاقاً رسالہ“ ”اردو“ (اورنگ آباد دکن) کے دہلی میگزین پر پڑے مجھے اگلے ایک اکتوبر ۱۹۶۳ء کا۔ دوسرا اکتوبر ۱۹۶۳ء کا۔ پہلے کے صفحہ ۴۵ پر ہے ”پرتدوین کی طرح شعر الاپنا“ تے پرتدوین فارسی اور اردو میں گانے والے ہوتے ہیں۔ شاعر نہیں کہتے ہوں۔

سند رہا تعلیم پاکر اور کو پروشیکسپ اور ملٹن وٹسین کا کلام پڑھ کے لوگ ہماری زبان کے شاعر و ادیب بننے لگے ہیں۔ یہ مشرق و اقصایاں مغرب چاہتے ہیں کہ اردو نظم و نثر کو مغربی خصوصاً انگریزی شاعری بنا دیں۔ ہمیں اس بات پر حیرت کرنے کی جرأت نہیں کیونکہ جو شخص زبان کے ادب و انتشار کی تعلیم پاتا ہے اس کا مذاق اس کے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ پھر اسے کسی مذاق و رنگ میں چاہے اپنی ہی زبان کے ہوں مزہ نہیں آتا۔

لیکن یہ بتانے کی شدید ضرورت ہے کہ جس طرح ایک بان کے قوعہ صرف دو خود دوسری زبان کے صرف و نحو سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہر زبان کا ادبی مذاق بھی جدا گانہ ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کسی کے فصیح ترین شواہد و بیانیہ سے بیخبر شعراء کا دوسری زبان میں نقلی ترجمہ کچھ تو بالکل مہمل ہو جائیگا۔ ایک بان کے ادیب بیخبر دوسری زبان کے تشبیہات و ترسار سے کام لینا نہایت ہی ناگوار اور دشوار کام ہے جو کہ جرح خاص لوگوں کے عام شاعروں اور شاعروں سے بھرگوا انجام نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ ہمیں اس قدر کام نہیں ہے کہ ایک بان کے تشبیہات و ترسارات جیسے افسانہ و ترسار الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کر دیے جائیں تاکہ یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ تشبیہیں اور ترسارے اور وہ بندشیں اور ترکیبیں اس زبان کے محاورے اور نقلی معنی و معانی سے کہاں تک تعلق رکھتی ہیں۔

میں انگریزوں اور انکی زبان کی عظمت جانتا اور انکے آگے سوجھکا جاتا ہوں لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اردو خالص شرقی زبان ہے بحاشا۔ فارسی۔ عربی اور لٹریوی ڈین زبانیں جب سے انکا غیر ہونا ہے سب مشرقی ہیں۔ اور اسی خالص مشرقی اور شرقی الاصل زبان کی شاعری اس مغربی زبان کی زبان سے ملنا جن میں تضاد کی نسبت ملحق ہوتی ہے صرف ایسے لوگوں کا کام ہے جو دونوں نفاؤں میں تبحر اور کمال کا درجہ رکھتے ہوں۔

صنعتی محمد علی تاجر عطر گھنٹوں کے کاغذ کا عطر جتنا جھگڑا ہو گا اس قدر کی خوشبو میرا دلوں کو ادھر لے

اُسی صفحہ پر ہے۔ ”سخن فہم نوع“
سخن فہم نوع، سخن فہم طبع کہ سہ تین نوع ایک لفظی اصطلاح ہے۔ اور قسم کے
مسنون ہیں مسئلہ ہے یا کہ اس عمل پر بالکل عبور نہ ہے۔

صفحہ ۴۹ پر ہے۔

”تثقیل کی صحیح چٹک اے لوگ“

اَوّل تو عربی میں تثقیل کا لفظ اس معنی میں غلط ہے۔ عربی میں تثقیل
تثقیل نہیں کہہ سکتے۔ اور جب عربی میں تثقیل ہے تو اردو میں بدرجہ اولیٰ غلط
ہے۔ اسکے بعد ”چٹک“ کا لفظ اس عمل پر بالکل حمل ہے۔

اسی صفحہ پر ہے۔ ”سماجی زندگی“

سماج کا لفظ پہلے نہ تھا، بلکہ غالباً ہندوین اس عمل پر ”سما“ کہا
جاتا تھا۔ سماج کا لفظ پہلے پہل آریہ سماج والوں نے اختیار کیا۔ اب لفظ
کو ایک طبقہ یا گروہ یا جماعت کے عمل پر لکھا گیا تو کبھی بندش پیدا کرنا۔
میں نہیں کہہ سکتا کہ اردو کے عالم کیا طوطا قن نیز ہوگا۔

دوسرے صفحہ ۴۰ پر ہے۔

”مترمز ریز“، فقرہ کو فارسی اردو میں مجزہ فقرہ مزمر کے کبھی ”فقرہ ریز“
یا ”مزمر ریز“ نہیں کہا۔ علاوہ برین ”مزمر“ ایک عربی فعل ہے۔ جسکو
اسم قرار دیکر زمین و سرفا فعل لگانا نحوی طور پر بھی غلط ہے۔

اسی صفحہ پر ہے۔

”گرے لگی چیم چیم بھو بار“۔ اردو میں بھو بار گرتی بتین،
بڑتی ہے۔ چیم چیم یا چیم چیم میں ایک خاص قسم کی آواز ہوتا شرط ہے
اور بھو بار میں کسی قسم کی آواز نہیں ہوتی۔

بحر اعلیٰ مغربی مذاق کا جدید طبقہ شعر ادا دیا، اردو میں ایسے نامناسب
اور غلط تصانیف کر رہا ہے جس سے اردو زبان اور اسکی شاعری بجا
درست ہونے کے غارت ہوئی ملی جاتی ہے۔ اور صرف شاعری ہی پر
موقوف نہیں، نثر اردو کو بھی یہ طبقہ خوب بگاڑ رہا ہے اور صرف اتنی ہی

بات کے لئے کہ انکے ہوا خواہ یہ کہیں۔ ”خوب رنگ نکالا ہے۔ بہت اچھی
اردو لکھتے ہیں۔“ دراصل یہی سامان اردو کو بگاڑ رہے ہیں یہی شاعری
اور شہرہ رفتہ زبان ہیں نئی نئی جڑیں کر کے بیدار فہم کر رہے ہیں۔ حالانکہ
یہی ریختہ سلطان غفلت کے وقت میں اگر کوئی فارسی آدمی بھاشا سے
مرکب تھا تو کج شہنشاہ خارجہ فہم کے وقت میں بہت صاف اور کینہ کی
طرح روشن بھاشا کا جو ہر سہ ادراک نہیں عربی فارسی شکر کے
غیر انوس الفاظ و لغت بھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس موقع پر یہ لکھنا بھی میرا فرض ہے کہ ہندوستان میں کی بوقت شیخ
رسالے ادب اردو کے نکلے اور اب بھی کئی نکلے ہیں جن کے موجود ہیں
ہیں۔ انکی موت کی وجہ ادب موجود ہیں اور کافی اشاعت میں لکھتے انکی
کس پر سی کے اسباب پر غور کرنا چاہئے۔

”مرقع“، ایک خاص اہتمام و شان شہنشاہ نکالا جا رہا ہے جدا
نظر سے بچائے۔ مگر اسکے قابل و اصل ادیب محترم سے یہ کہنا ہے کہ اردو
کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ معنایں شرف و غلظت ہی تک اہمیت محدود ہو بلکہ
زبان کی تہذیب و شائستگی بڑھانے اور حق زبان ادا کرنے کے لئے
ضرورت ہے کہ صحت زبان کے قواعد و ضوابط کا پورا لحاظ رکھا جائے اور ایک
مستقل بحث ہوتی رہے تاکہ غیر اقوام جو اردو کو جاننا اور لکھنا چاہیں انکے
سامنے صحیح الفاظ و لغات اور محاورے آئیں اور جو سیلاب غلطیوں
کے خلاف ہر خطہ ملک سے آ رہا ہے اس سے محفوظ رہیں۔

آخر میں میری دعا ہے کہ ”مرقع“ زبان اردو یا ہندوستانی زبان کا
رہنما ثابت ہو۔ اسکے گرمی قدر اور طبع جناب و وصل کی توجہ پہلے دن سے
نیا دہ آخری دن تک ایسی ہی ہے اور جس طرح بہت سے قابل تھکالو
پر کج اشک مسرت ہم بہا رہے ہیں، اسکے لئے خوشی کے آئینہ کو جس طرح
حکیم بہیم۔

تمام اہل ان فن نے صغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کو بہترین عطر مانا ہے

افکارِ تازہ

(حضرت عابدی اے۔ میر سادہ پٹنہ اردوستان لاہور)

بارشیں انوار ہے برقِ جلالِ طور ہے
مجھ سے بہتر کون سمجھے رازِ جبر و خستیاں
غرق ہے رنگینوں میں عشرتِ شام وصال
کچھ حقیقت بھی ہو پائے جنوں ہے مستِ گام
تم نکا ہوں میں لئے ہو سستی فردوسِ عشق
”گوںش بھو پر پیام و چشمِ محرومِ جال“
ان سے میں اندوہِ فرقت کی کمانی کیا کہوں
میں کسی سے آپ کی رنگیں ادائی کیا کہوں
ارزشِ بیم سے نقصان ہو گئے ہیں دل کے تار
اسکے آگے رائیگان جاتا رہا عابد کا عہد
کہ دیا اُس نے کہ حُسنِ سر پر مغرور ہے



(از جناب جلال الدین اکبر صاحب اکبر)

رنگ یہ تیری فوجا نی کا
ہو کے رسوا رہا نہ کچھ بھی خیال
عشق میں طے نہ ہو سکا قصہ
ہو گئے ایک مہراں سے مجھ کا
رشتہ دشمن سے کچھ نہیں حاصل
کچھ عجب چیز تھی وصال کی رات
ہے مرا امتحانِ بد نظیر
اک تماشا ہے دلِ ستانی کا
راز داری کا رازِ دانی کا
آسائے اور لہجے تو اپنی کا
مٹ گیا لطفِ زندگانی کا
ہاں تقاضا ہے بد گمانی کا
لطف اک بُت کی بیسمانی کا
اک بہانہ ہے سرگرائی کا
ہے غمِ دوست کیا وہ شے اکبر
جس پہ دھوکا ہے شادمانی کا

کارخانہ منظر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک دہلی اور ایک شاخ گلزار حوضِ حیدر آباد دکن ہے

منق جذبات

(اجتاب امیر حسن صاحب قوسی ام لے (علیگ)

ماظرن غالباً ہمارے فاضل معنوں نگار کے نام سے نا آشنا نہ ہونگے۔ علمی حرام میں اکثر ایسے مضامین نظر سے گزرتے ہوئے اس لئے آپ کی فاضل زیادہ تعاضد کی محتاج نہیں۔ آپ دور حاضر کے ایک ممتاز افسانہ پرداز ہیں۔ ذیل کے معنوں سے ناظرین اسکا انداز نگاہیں گے کہ آپ نے فلسفیانہ مضامین کو کس شخص سے اپنی عبارت میں ادایا ہے۔ اڈیٹر

انسان مدنی اتصال ہے۔ اور غیر متون ایک لمحہ کے لئے بھی جو ٹھکرا
زندگی میں نہیں کر سکتا۔ بل غیل کر رہنا اور ایک دوسرے کے دکھ کھانچ و
راحت نام و شادی میں شریک ہونا ایک ایسے ربط یا ہی اور ذریعے کا
محتاج ہے جو افراد کو متحدہ خیال کر سکے۔ یا کم از کم محسوسات قلبی اور کیفیات
باطنی کا ترجمان بیکر خاطر خواہ اثر ڈال سکے۔ نطق یا زبان قدرت کی ہی ہوئی
و نعمت غیر مترقبہ ہے جو اس ضرورت کو بدرجہ اتم پورا کر رہی ہے۔ یہی حکایت
ہی یہ ہے کہ انسان اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچا سکے لیکن چہ چہ
آپ کو ایسے بھی ملین گے جو طبیعتی سے اس پیش ہا آپ کو بعض قواعد و نظریات
آتے۔ قوت گویائی ان میں مفقود ہے۔ اکی زبان گوشت کے ایک کس جان
ٹکڑے سے زیادہ حیثیت نہیں لگتی۔ کیونکہ اس میں وہ جو ہر خصوصی ہو جہیز
جسے نطق سے تعبیر کرتے ہیں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ مطلب یا اشارہ ان در کتاویں میں
ادا کر کے وہ اپنا کام چھلا دی لیتے ہیں۔ ان کا غم و غصہ ان کے جذبات یا اسطو
سرور اور ان کا چھپا ہوا نہیں رہتا۔ ان کے حرکات و سکنات اور چہرے کے
تغیرات صفات ظاہر کر دیتے ہیں کہ ان کے دل میں اس وقت کیا گزر رہا ہے۔
انسان کو جانے دیجئے۔ جو ان نطق جو تا مضر فطرت کا محکوم ہے
اور جس کی تمام ضروریات خود فطرت ہی کا دیتی ہے، بظاہر نطق سے بے نیاز نہ
لے حاجت نہیں کہ اپنی خواہشات کو جیسا کہ اس قدر تابع فرمان نہ پنے

بجندوں پر زبان سے ظاہر کرے۔ وہ انکو روک نہیں جانتا۔ وہ فطرتاً
مجبور ہے کہ ادھر خواہشات متحرک ہوئیں اور اوطان میں پورا کرنے کے لئے
اپنی تمام توفیق صرف کر دیں۔ مگر اس کے جذبات و محسوسات بھی سب کے
سب پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔ اسکی آواز کا زیر و بم نرمی اور کڑنگی، مسرت
اور ٹھراؤ اس کے ہر عضو کی جنبش یا قرار اور اسکی نگاہوں کا انداز و یک
زبان ہے جو انہیں بلاغت کے ساتھ ماہر لے دل بیان کرنے کے لئے
کافی ہے۔ گستاخ کو دکھ کر چھلنے کو نہ اور دم ہلانے لگتا ہے۔ زبرد
و شمن سے مرحوب ہو کر جو سمیت لیتا اور پیچھے جھک جاتا ہے۔ کان اور
دُم داکر چھلنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا کمر و رولہ ہم پلچہ پیت پڑ کر چھپتا ہو
بدن بچھلا لیتا ہے اور اسکا روان روان کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ نگہیں اُٹنے
لگتی ہیں اور وہ قد و قامت میں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا معلوم ہے
یہ تمام بیرونی کیفیتیں آمیزہ میں اس کے انبساط و خوف، یا غصہ کا۔
گھوڑا بالائی کی آواز سنتے ہی سر اُٹاتا ہے اور تھکڑا ہوتا ہے اور تھکڑا ہوتا ہے
یا غصہ کے قوی تر انداز میں کہ کرتیاں کچھنے کو کہتا ہے۔ اور دھینے والے
سمجھ لیتے ہیں کہ اس کیون ہی حالت طاری ہے۔ یہاں ہی خارجی علامات
و کام کرتی ہیں جو زبان یا نطق سے مخصوص ہے۔ اور زبان خود مجموعہ ہے
بامعنی الفاظ کا، جو مختلف کیفیات و اوقات اور اشیاء کو انسانی اور غیر انسانی

ہر عملی عمل تا جرح عطر کھنکھایا گیا ہوا عطر خانا اور کاغذ انوں کے نشاں ہوئے عطر خانی پر نسبت ہمیشہ خوشگوار ثابت ہوگا

لڑکوں سے جب کوئی سوال کرتا ہے تو فوراً مائلیتا ہے کہ ان میں سے کس کس کو بہن یا بہن ہے۔ جو طالب علم یونیورسٹی کے آکر بیٹھ جاتے ہیں محبوب سرائیکی، گھڑاٹ، اور چند نوجوان بھائی بھائی جھانکے لکھتے ہیں۔ پریشانی کے آثار خود بخود ان کے چہروں پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کسی طرح انہیں پریشان نہیں لکھ سکتے۔

خلیفہ خوف کا یہ اثر ہے کہ دورانِ خون اپنے معمول پر نہیں رہتا چہرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مٹے مٹے سرخ رسان اسی اثر کی مدد سے سنگین جرائم کا پتہ لگا کر شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک مجرم صبر چھپا کر نہیں چھپ سکتا۔ وہ آدمی کی جال ڈھال، زنا گشتار اور جھگڑوں سے بچان لیتے ہیں کہ ان کے سینے میں کس قسم کا دل ہے۔

اسی طرح جذباتی انفعالی پسند کی شکل میں نمودار ہو کر ہر تہلے شرم سے ہانی پانی ہٹا کر نہیں جاتا عرقِ دامت ہمارا روزِ مہ کا شاہد ہے اور غصہ کی وجہ سے کھٹ بہن، چین چین ہونا، خونِ جوش کا آجانا، اپنے حرکات سکنا ت پر قابو نہ رہنا اور تیز غور و خوار ہونا سب سے دیکھنا سب سے زیادہ نمایاں کیفیتیں ہیں جو عام طور پر جو انسان میں پائی جاسکتی ہیں۔ اپنی مجاہد کے اس سوال پر کہ ”غصہ کتنے کس ہیں؟“ ایک سرشار محبت کچھ عجیب عالم میں جواب دیتا ہے۔

”جس وقت بخیر دین نونی ایسا لفظ میری زبان سے نکلتا ہے جسے تاکہ جانی کی وجہ سے میرے کانگ لانا“
 ”نہیں کر سکتے، یا جب میرا قلم ستارہ وار ہوا کی صورت میں تھا“
 ”لیکن اور تو خوش پہنچ دیتا ہے جسکو کانگ کی فطرت کے پھٹ“
 ”تیری تیرا ناگھین کھینا نہیں جاہتین۔ یا حسین من عالم“
 ”میں کسی ایسی حرکت کا میں ترک ہو جاتا ہوں جس پر تیری“
 ”رعنائی اور فروغِ گشتا کی احرام لگاتے بغیر نہیں دیکھ سکتے“
 ”تو اس وقت ذرا سوچ تو سہی، تیری کیا حالت ہوتی ہے۔ تیری“

ساتھ ظاہر کرنے کے لیے علامت کے طور پر مقرر کر لئے گئے ہیں۔ علامات صدیقی ہون یا کسی اور قسم کی از خود زبانِ تہن۔ اور ترجمانِ باطن کی جاسکتی ہیں کسی شہور کا رخائے کا نشان تہن یا کسی ایک جس چیز پر دیکھیں گے فوراً سمجھ لیں گے کہ یہ اسی کا رخا کی بنی ہوئی ایک چیز ہے۔ یہاں اس پر الفاظ میں کچھ لکھا ہوا ہے کہ یہ علامت ہی بذاتِ ایک پر مبنی جملہ ہے جو ظاہری الفاظ کے جامے سے معزاسی لیکن اس تجربہ کی بنا پر جس نے آئین چند خصوص مفہوم پریشانی کے ذریعہ میں علی الاعلان اپنے صانع کا پتہ نہ رہا ہے۔

اسی طرح ہر ذی حیات کے تغیرات جملہ جزوِ زیادہ تر اس کے ذہنی فطرت کے زیر اثر اور مطابق ہوتے ہیں، معانی سے غالی نہیں کئے جاسکتے۔ خود کے تجربے کے بعد کہاں سے اندر دنی کی کیفیات کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ دین تو ہر حضورِ محسوسات قلبی سے اثر پذیر ہوتا ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ ذکی لمس جو چیز ہے وہ انسان کا چہرہ ہے۔ اور اس میں بھی انھیں ایک ممتاز اور اہم حیثیت رکھتی ہیں حیوانات کے چہرے بشرے اور ساخت اس قدر اختلاف نہیں دیکھتے جتنے انسان کے۔ انسانوں میں دو شکلیں ہیں شکل سے بری ہیں مگر جن میں ہر موقوف ہو۔ یا جو ایک نظر ایک دوسرے سے جدا نہ کی جاسکیں۔ بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں بھی وہ مکمل مشابہت نایاب ہے جو حیوانات کی پوری ایک نوع میں اکثر اوقات پائی جاتی ہے۔ یہاں ایک دوسرے کا رنگ ملتا جلتا ہے تو خود حال مختلف ہیں۔ آنکھ تاک ایک سی ہے تو وضع قطع میں تہن آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسان کا چہرہ کتنی غیر محدود کیفیتیں پوشیدہ رکھتا ہے اور کس قدر شبانہ اثرات پیدا کرنے پر قادر ہے۔

اور حوصلہ رکونی صدیر میں پوچھا، یا رنج و الم کی گھٹائیں اُن کو لڑائیں تو اوہ ہر طرح پر زور دے چھائی۔ افسردگی کیلئے کہ اپنے اکثر شاہوگا
 ”صورتِ بہین، حالتِ پیرس“
 غور دیکھئے تو اس کا ایک ایک نقطہ حقیقت پر مبنی ہے۔ ایک ہر شاہوگا جامع کے

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حاضر موم میں استعمال کیا جاسکتا ہے

یہ خوشنما اور بجلال تصویر پیش کر کے من دکھانا چاہتا ہوں کہ فطرت
انسانی جذبات میں کچھ عجیب و غریب پوشیدہ رکھی ہیں۔ جسکے باعث اسے
مستور و مہجوری حرکات و سکنات کا مرکب ہونا پڑتا ہے۔ اور چند مرتبہ تیز
جسمانی پیدا کرنے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے تمام جسم میں سب سے زیادہ تیز
جزیر انسان کا پھر ہے اور چہرے میں بھی لطیف ترین حصہ جو لطیف سے
لطیف جذبے کا حامل ہو سکتا ہے انسان کی آنکھ اور نگاہ ہے۔ یہ سچ تو یہ
کہ ہر کیفیت باطنی الفاظ کے جاسے میں سما بھی نہیں سکتی بعض بعض تو کھلی ہی
نارک لہجہ ہوئی ہیں کہ زبان سے ہلکا ہو کر لہجہ کی شان بیکہ تمام ہستی کھینچتی ہیں
انکا اظہار اگر ہو سکتا ہے تو صرف نگاہوں، اشاروں، یا چہرے کی مختلف
حالتوں سے۔

محبت بھی نگاہ میں جس نے، کبھی نہیں، دیدہ استہوار کا جسکو چہرے
اور چشم شوق کی جسے شاشت ہے، صاف کہہ گیا کہ کیفیت میں الفاظ میں انہیں
کی جا سکتیں۔ کیا آپ کیسے کہ وہ جھلکا دیا پس حیران کا وہ رنگ شستہ
حوالہ قلم با سپرد زبان کر سکتے ہیں جو آنکھوں میں اکثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ کیا آپ
کا بڑے سے بڑا ادیب یا شاعر غنیمت سے غنیمت میں وہ مطلب داکر سکتا
ہے جو حیثیت محبوب کی ایک نظر ان واحد میں ایک دوسرے سے پہچانی ہے
کہنے کو تو میں بھی یہی کہ گیا۔

ظہیر حسین نے ددی مجھے منسرایا
اداسے غدر غضب چشم شرمسار میں ہے

لیکن کوئی صاحب چاہیں کہ اس ”چشم شرمسار“ اور جس ”اولے غدر“
کی ہر تصویر ایک دیب کے الفاظ یا کسی نقاش کی رنگ آمیزیوں میں
بالکل وہی کیفیت اور اثر پیدا کرنے جسکا اظہار اس شعر میں کیا گیا ہے تو مجھے
خیال میں قطعی ناامید ہونا پڑ گیا۔ آپ خود اس یا اس قسم کے کسی اور شعر سے
کتنا ہی لطیف تصویر اٹھائیں، لیکن صاحب نگاہ کا وہ حیران کن تاہم حیرت
کے ساتھ سامنے آہی نہیں سکتا۔ اسے تو نگاہیں براہ راست ہی کھینچ سکتی

” پیشانی پر نعل نہیں۔ نہیں۔ بلکہ تیرے غور شید “
” حسن کی چند شاعریں، تیرے حیران جمال کی چند ہیرا بننے “
” گنتی ہیں۔ تیری زکریا کے محافظ یعنی ابرے عمارت کے “
” زرا اور کچھ جاتے ہیں۔ تیرے تیرے مرگن سیدے ہر کشتہ “
” نگاہ پر ایسے سطر ہوئے نظر کرنے گئے ہیں کہ شیریں کی “
” آنکھیں بھی جھپک جاتی ہیں اور سامنے آنے کی جرأت نہیں رہتی۔ “
” تیری چشم مست را زمین ایک خاص روشنی “ چمکاتے اچھلتی “
” ہے، جو جس جملے تو لاکھوں خرمون پر گل لڑائی کے کیا زانو “
” قلوب اپنے تو ہزاروں پہاڑوں کو جلا کر سڑک نور بنا دینے پر “
” آباد ہو جائے۔ نیم گلفنہ، زکریا شلا جو حیا سے ہر وقت نعل “
” زینت نظر ہے اب کھل کر ایک ہلکنا ہوا سا غریب جاتی ہے۔ “
” اور اس میں وہ بے لالہ قلم جو میں ارستہ گنتی ہے جس کا “
” ایک ایک گھونٹہ فرشتے کی سیکڑوں بادل بنائے پر قارو “
” مسیون کی بیچارہ زمین برساتیے کو کافی ہے۔ رہے لیں “
” جنبش میں آتا چاہتے ہیں اور زمین آسکتے۔ رخسار زمین “
” مکے گشتہ زمین، اور تیرا رنگ صبح ہمار کی غرض شوق سے “
” کہیں زیادہ رخ ہو جاتا ہے۔ تو کا چہرہ تھی ہے۔ تن کر شوق “
” کھڑی ہو جاتی ہے، ادھر ادھر ٹپکنے لگتی ہے اور پھر کیا لگی “
” بیٹھ جاتی ہے۔ تو چاہتی ہے کہ جو چیز تیرے سامنے آئے لے “
” نیست نابود کر دے۔ تھے آنگاہ جوتی ہے کہ دنیا کا تختہ ابھی “
” اٹل کر کھردن “

” کیوں؟ اب بھی کچھ نہیں؟ اسے تجاہل عارفانہ “
” پوچھنے والی! ” غصہ کسے کہتے ہیں؟ “
” حکما اور فلسفی کچھ بھی کہیں۔ میں تو تیری اس اداسی کو “
” غصہ کو بھیگا “

صہر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے ایجاد کردہ عطر کا استعمال ہر موسم میں جو عطر کا ہر

ان علامات کو نظر رکھ کر جسم کی اندرونی حالتوں میں تبدیلی اور تبدیلی کا پتہ لگایا جاسکے۔ اسکا قول ہے کہ صرف چہرے کو دیکھ کر تمام انسانی اعضاء معلوم ہو سکتے ہیں نبض دیکھنے یا کوئی آدنگانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی بشرطیکہ اس طریقہ تشخیص کی پوری پوری مہارت پیدا کر لی جائے۔

ہمیں یہاں اس خیال کی تائید یا تردید کرنے کی ضرورت نہیں مگر یہ ضرورت تسلیم کرنا چاہیگا کہ جسم اور روح و دماغ میں ایک قطعی ارتباط اور وابستگی ضرور پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ذہنی حالت انسانی چہرے پر اپنا اثر ضرور ظاہر کر دیتی ہے۔ اور تجربہ باطن کے ساتھ ساتھ بیرونی تغیرات کا تصور نیز پرہیزنا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ عموماً سچ کہتے ہی چہرہ بڑاؤ و تعداد میں چہرہ خود اپنی کیفیات خارجی کا آئینہ میں ان میں سے ہر ایک کا عکس قبول کر لیتا ہے۔ وہ ظہور باطن کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک مرقع ہے جس میں جذبات مختلفہ کی ہر ذیلی ”ذاتی“ تصویر اپنی پوری رنگینیوں کے ساتھ موجود رہتی ہے۔

غیر سر رضوی
ایم اے (علیگ)

ہیں۔ اور اس کے منہ سے کچھ دل ہی دایہ میں لئے جاسکتے ہیں۔ دیکھنے اس ادا نے کس خوبی سے احزاب جرم کیا، اور کس حسین انداز میں مندر صچھائی خود فریادی سے اٹنا پشیمان ہونے کے سوا کچھ میں نہ پڑا دیکھنا کئی دانی اس فرض سے کسی طرح حمد و برا ہو سکتی تھی۔ کیا محض الفاظ قیامت تک یہ اثر پیدا کر سکتے تھے۔ تو یہ دیکھئے تو یہ۔

ایک مقرر کا یہاں بھی نہیں سکتا۔ سامعین کو اپنا خیال نہا ہی نہیں سکتا، اگر وہ اپنے الفاظ میں اپنے حرکات و سکنات سے زور نہ پیدا کرے۔ مطرب اچھے سے اچھا شوکا جائے۔ مگر خاطر خواہ اثر نا ممکن ہے جب تک اس کے چہرے کی تغیرات شعر کے مضمون کا ایک عکس پیش نہ کر سکیں، ہو بہو تصویر کھینچ دینا و صورت سامنے آ جانے کے یہی معنی ہیں چھٹی تو شعر پڑھتے وقت اگر وہی کیفیت طاری کر لیجائے جو الفاظ میں پوشیدہ ہے تو اسکی تاثیر و قدر و قیمت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

جس کی کہ شور و اکثر لوئی کو ہنسی سے جو غسل کے ذریعہ سے علاج کرے گا، موجود ہے پھر اس کے مشاہدے کو ایک کمال علم بنا دیا ہے پھر کی بیرونی کیفیات میں اور تغیرات اسکا موضوع ہے بقصد اس سے یہ ہے کہ

پیام خوشنید

”یہ تنگاپوسے دما دم زندگی کی ہے دلیل“

(اقبال) خضر راہ

دوتا جاتا تھا اور کہتا تھا مجھ سے آفتاب
”تو جو وقت افزا پر عیث مسرور ہے
زیت ساکن ہو تو چہرے ٹو ہے ساز حیات
اُس طرف ساکن ہوا دل اس طرف موت لگی
گردش پیہم میں مضمر ہے مرا از چہات
قلب کی حرکت ہی کا ہے نام آرا ز حیات

جی پیہم بن نہان میں ہے خبر از حیات
جسم کو جنبش ہے اور پھر دیکھ اجماع حیات

(ڈاکٹر) سید محمد امین ہاشمی، ایم اے۔ ایل این بی کیمبل خانپور

لشکر عطر رش کہ فروخت کیا جانا ہو مگر صغریٰ محمد علی مابعد عطر کھڑی صورت گلاب نس اور بڑی کی لودج کے لوگ بھی عطر سے روح کا ٹکنا ثابت نہیں کرتے۔

مشاہدہ فطرت اور شاعری

(از حلیہ مولوی جہاد باری صاحب اسی)

حلیہ مولوی جہاد باری صاحب اسی ان منتظم ہستیوں میں سے ہیں، جن سے اپنی وطنی دنیا کو بہت کچھ فائدہ کی امید ہے۔ آپ ہمیشہ علمی خواہش میں مصروف رہتے ہیں۔ اور یہی آپ کا فطری ذوق اور مشغلہ خاص ہے۔ آپ کی تالیفات تعینات بہت کچھ شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ مثلاً فطرت اور شاعری کے عنوان کے تحت جن جو مضمون آپ کا جمع کیا جاتا ہے، اُس سے ناظرین خود آپ کی قابلیت خاص، علم خیالی، مضمون آفرینی اور درست نظر و معلومات کا اندازہ کر سکیں گے۔ (حیر)

مستقل بھی تحقیقات کی گئی تو یہی معلوم ہوگا کہ انسان ہی باتیں جواب دینے کیلئے کہتا ہے جو کبھی اُس نے عالم ہدایت میں بھی دیکھی ہوں جب یہ ایک کلیتہہ ہو گیا تو یہ کہتے ہوئے کوئی یا ان میں ہو سکتا کہ انسان کو ان باتوں کا خیال ہی نہیں آ سکتا جو اُس نے دیکھی ہوں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی باتیں ہمارے خیال میں آتی ہیں جو ہم نے نہیں دیکھیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مطالعہ فطرت صرف آفتکوں کی بجائے پتھر، پتھر، پتھر سے بلکہ اس ختمہ ظاہری جس چیز کا ادراک اپنی کسی قوت سے کر سکتے ہیں اُسکو مطالعہ ہی کی حدود میں کھاجا جائے گا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو کتنا پرمکھانہ تغذیل کی کمی پوری کرنے والی کو ادبی چیزیں ہوں (اور ہیں) مگر سب سے بڑی چیز وہی چیز ہے جس کا جلی نام زیب عنوان ہے یعنی مطالعہ۔

مثال کے لئے ہم آپ کے سامنے ایک ایسے شاعر کو لاتے ہیں جس کے دیوان کی تمام دیکھاں بنا صرف تغذیل پر ہے۔ اس کی حدت تغذیل کی قوت بیان ہے اس کی قوت مدد کہ کوئی ان حد میں ہے، مگر ہم ثابت کر سکیں کہ وہ کہیں بھی اپنی تغذیل کو مطالعہ فطرت سے علیحدہ نہیں کر سکتا ہے۔

کون ایسا ہے جو ہندوستان کے سرمایہ دار شاعرانہ ماحول میں غنی کشمیری سے نوازا ہوا ہو۔ کون نہیں کا شاعر وہ ایک ہر کا وہ ایک کو کہ بربر فائدہ اٹھائے اور اس کے کارآمد و محسوس اندر و خوش کن نتائج پیدا

جہاں تک بیان کیا گیا ہے ماہرین اور متعین فن و تغذیل کی شاعری کے لئے یہ ضروری بتایا ہے۔ اور میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ تغذیل کی شاعری نہ صرف ایک مضمون پر مشتمل ہی ہے مثالی ہی جاسکتی ہے بلکہ ہر ایک خیال اور قیاس کی جگہ شاعری تغذیل کے بغیر ناممکن ہے تغذیل کی کہیں غفلت ہو سکتی ہے اور شاعری کو ان پر ان کی غفلت اصناف شاعری پر قائم کیا جاسکتا ہے مگر اس مختصر مضمون کی چند سطریں جو کچھ لکھا ہے وہ اُس عنوان یا اُس سُرخی سے متعلق ہے جو ہم اصل میں دیکھ کر چکے ہیں۔ اسی سطر میں غیر ضروری بحث کو کسی دوسرے وقت فرصت کے لئے اٹھا کر رکھتے ہیں۔ اس وقت تک بتا دیا ہے کہ تغذیل بذات خود ایک ایسی چیز ہے جس کا جو عدم کے برابر ہونا نہ ہونے کے مثل ہے۔ اس لئے کہ تغذیل اس قدر اجزا سے مرکب ہے کہ اگر ان کو اُس سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تو اس کی ہستی ہی کی قوت خیرات سے کچھ ہی دور رہ جائیگی۔

شاعر کی تغذیل کہ بہت سی چیزیں مدد دیتی ہیں منجملہ ان کے۔ مطالعہ فطرت اور شاعرانہ قدرت اُس کے لئے اس قدر مؤثر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کے زیادہ کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی۔

میری خاتی را سے نہیں ہے بلکہ اگر متعین کا یہ خیال ہے کہ ان خیالات اور اس کی بلند چواری کی بنیاد محض اُس کے شاعر ہونے پر ہے حتیٰ کہ خواب کے

ہم غرضی محوطی تا جو ماحول کے کارخانہ میں تمام ماحول صرف و سخن متعلل سے بنائے جاتے ہیں

یہاں ایک ہی مضمون کو سو سو طرح لکھا گیا ہے اور ہر جگہ دل و دماغ کو ایک تازہ لطف ملتا ہے۔ میں مثلاً (عقنی) کو پیش کرتا ہوں، کہتا ہے۔
 بزم سے پریشان مختل و غش غشہ دار
 کہوں آید مجلس شیشہ خالی بیکنہ دارا
 میں سے پرشون کی فصل میں قصب کی اتنی عزت ہے کہ جب وہ آتا ہے تو شیشہ اپنی جگہ خالی کر دیتا ہے اور اونٹھ جاتا ہے۔ لطافت مضمون کے علاوہ کیا کوئی منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ شعر اور اسکی تحفیل غیر مشاہدہ پیدا ہو گئی۔
 شاعر نے دو یا تین دیکھیں ایک تو یہ کہ جب کوئی مجلس میں آتا ہے تو لوگ اس کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اس نے لکھا کہ جناب قصب کے مہمانین قدم پر غزلتے ہی شیشہ شراب اٹھا دیا جاتا ہے۔ انی شاہد سے ایک تحفیل پیدا ہوئی جو نظم کے سانس میں حل کر ایک فقرہ قیامت بن کر نکلی۔ اور سنئے۔

بزم سے پریشان سرکشی بلاق ذرہ کہ میری جوتان بے مہما ہوں مینا را
 یعنی مجلس زخاں میں سرکشی صرف طاق پر لکے ہوئے کے قابل ہے۔ کیونکہ زخاں ست مینا را کو بہت پیلا ہے اسکا بھی خون بہا جاتے ہیں۔ اگر وہ طاق پر نہیں ہوتا۔ یا با لفاظ دیگر اسکی سرکشی طاق پر نہیں ہوتی یہاں بھی تحفیل مشاہدہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں لفظ شیشہ بیکنہ دارا ہے۔ (سرکشی بلاق ذرہ) (خون مینا) وغیرہ سب قابل ذکر نہیں کیا ہے۔
 شہداز شعلہ آواز عقل بزمی روشن
 سنت گردن خاموش ساقی شمع مینا را
 کہتا ہے کہ بزم سے کی روشنی صرف شعلہ آواز صرعی پر خضر ہے۔ لہذا دور جلتا ہے۔ عاہر ہے کہ زندوں کی بزم میں آواز عقل مینا را لگا دیکر اور انفسر کی چھائی زندگی۔ یہ آواز جسے شمع مینا را بھی لگا گیا ہے اسکو گل کو شمع محض کہجھا نا اور محض کہے رونق اور بے توکر ہے۔ اس شعر میں تحفیل کی زیادتی ہے۔ مگر لفظ کا نظم نہ ہا ہا ہے اور بے نام مشاہدہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسی مضمون مشاہدہ دور بزم زندان پر شعری کی بنا ہے۔
 شیشہ ہار عقب از بسکہ پر دیار زند
 گردن کا راز خضر خاں خوار را

کرنے میں فردا اپنی نظیر کہی ہے۔ اسکی تحفیل پڑھتی ہے کہ انسان کی فکر رسکے بازو دون میں وہن ہانگے رہتا ہے جہاں تک اسکا طاق عقل پہنچا ہے۔ وقت اور فرصت ساعدہ ہوتے تو ہم اسکی تمام شاعری پر بحث کرتے مگر ہمارا موضوع کچھ اور ہے، لہذا اس کے دیوان سے ہم صرف ان شعر دن کا انتخاب کئے جیتے ہیں جو اسے شراب کے متعلق لکھے ہیں، اور اس میں بتائینگے کہ بہت سی جگہ تحفیل کی کی کو مشاہدہ اور مطالعہ سے پورا کیا۔ بہت سی جگہ تحفیل محض شہدے کی یہ دولت پیدا ہوئی۔ بہت سی جگہ تحفیل کی کمی دوسری چیزوں سے پوری ہوئی۔ مگر مطالعہ فطرت ہولہ کے ساتھ رہا۔ ایک ہی قسم کے مضمون کے انتخاب ہمارا ایک اعلیٰ تصویب بھی ہے کہ آج ہم نظر ڈھاتے ہیں تو کوشاوری ایک تحفیل حاصل نظر آتی ہے جو ایک مرتبہ شاعر نے کہا ہے اسی کو ادنیٰ تفسیر کے ساتھ وہ بار بار کہتا ہے ”اور تحفیل کی انتہائی کمزوری ہے۔ اگر ہمیں ہاں اس طوفاں کی حد ہوتی تو انکھوں کو زیادہ تکلیف اور کانون کو زیادہ زحمت برداشت نہ کرنی پڑتی۔ مگر یاد نہیں اس بات کا ہے کہ شاعر میں ایک مضمون کو کہہ جاتا ہے تو ان کو الی وغیرہ سب اس مضمون کو اسی طرح کہتے ہیں صرف لفظ کا فرق ہوتا ہے۔ اتفاقاً کی حیدت ایک قابل بیان حدت باقی رہ گئی ہے۔ ورنہ“
 ”چو گا دیکھ عصارہ شیش بہرست“

والا معاملہ ہے۔ یہ سمجھتی ہے اگر کوہین ایک قافیہ اس قسم کا مخصوص کر دیا جاتا ہے تو اس میں اس سے اس سے ایک سبب ہم کو اور نظر آتے ہیں۔ (چاند) کو طبع اگر یہ قافیہ پیدا جاتے تو بہت کم ایسے مضمون ہوں گے جو آکھوں۔ اور شراب کے ذکر سے علی ہوں اور معمولی سے فرق اور لفظ کی الٹ پھیر کے سوا سب کے یہاں ہی ہو گا جو ایک کے یہاں سنا ہے۔ یا نازک قبالی۔ اور مضمون آفرینی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ یا اگر کوئی چیز ہی بھی اور اسکو قابل قدر جانتے ہیں تو ان لوگوں کا مطالعہ فطرت اتنا کمزور ہے جو شاعری کے لیے سنگت عا رہے۔ بلکہ اس کے، متقدمین کے

میں جتنے دن کہ شیشیوں کو دہراؤں پر مار کر اُنکے ٹکڑے ٹکڑے
دہراؤں میں بکھرو گئے اور مکان میں جا بکھریا۔

ہاتھ خلیل صرف اتنی شاہدہ پر ہے کہ عتبہ شیشیوں کو نہایت بیدار
سے دہراؤں میں مار کر توڑ ڈالتا ہے۔ اور سینا کا رکمان شیشے کے ٹکڑوں کے

سوا جاتا ہے۔

بدوون ہم درگرم سیرا صہا کاشی سے برقم و خم جو گرم خاک درخشا
اس میں نہایت نالک خلیل ہے مگر کھر بھی شاہدہ سے خالی نہیں طلب
یہ ہے کہ میں مرے کے بعد بھی شرب پیونگا۔

یہ خیالی اس لیے پیدا ہوا کہ مصنف نے دیکھا کہ شمس کرنے کے بعد شمس
جسم ہر اک خاک ہو جاتا ہے۔ مگر اُس نے یہ بھی دیکھا کہ خاک سے خشتے بنے ہیں
اور خم اک خراک پر ہے جس میں اس طرح سے گریا اس نے خاک کو شراب
پینے پئے دیکھا۔ اور عجیب غریب ضمون نا کر میں کر دیا۔ اور پچھے

تو حال جو اندازہ ہو چکی کہ لطف کشی یہ بجا رہا وہ ان ہی کہیم ما
اس خلیل کی بنا صرف الفاظ پر ہے۔ دبا اور کھٹی یا دھکیل کی جان

ہیں۔ شاہدہ یہ ہے کہ مصنف جانتا ہے کہ سات سمندر پار کہ یہ ہے وہاں
جانا اللہ شمس کی راہ جانا بہت شوار ہے۔ دریا کی سطحیں آسانی بڑی ہے۔

اس میں اگر شراب کا شوق و محنت سے تمنا کہ کلین تو وہ بھی خلیل کا سہارا
دینے والا شمار کیا جائے گا۔

زیر ہم سے بروئے عتبہ کے تناق چوینڈ سر سناست بار خاطر ما
شاہدہ یہ ہے کہ واقعہ عتبہ خسو اکثر شاربہ ہوتے ہیں یہ شیشے

کا گم وغیرہ کا عین۔ زردن کے شیشے کا بندر ہا یا خاطر ہے۔ اور
اسی طرح و ستارہ عتبہ تدن کی بار خاطر ہے۔ شیشہ اور شیش خلیل کے

زور کوڑا ہوا ہے۔

جو خلیل سر سرہ برادر خیمہ گانت کہ یہ سیکہ شوبہ عبار خاطر
کئے واسے نے بیل سر سرہ یعنی سلائی جو سر سرہ میں بھری تھی نکلی

اُنکو زمین سے ایک خیال پیدا ہوا کہ دل پر چننا لایسا ہوتا ہے۔ اُس نے
مشوق کی ست آنکھوں کو دیکھا کہ اُنکی افراسی سے انگوٹھا اُس نے
ایک شخص کو اپنے مشوق ہی کو سر سرہ لگاتے دیکھا۔ اور دیکھا کہ وہ سر سرہ کی
سلائی صاف ہر گئی۔ لہذا اُنکی خلیل نے نتیجہ نکال لیا کہ خاندان کی سر سرہ
عبار خاطر دور ہوتا ہے۔

بعض مرتبہ خلیل جب اپنی حد سے بچا دور بجاتی ہے اور مشوق کی حد
سے دور ہوتی ہے تو شاعر کی گز محض محال اور فضل باتوں کے دوا کرتی

ہے۔ اگرچہ بادی نظریں وہ مائین خوشگوار بھی معلوم ہوتی ہیں مگر اکثر چہرہ عتبہ
خوگر کیا جاتا ہے تو کئے والا خود سمجھتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا وہ بھول دی کی

لاطائل تقریر۔ اور بتایاں کی باتیں ہیں۔ ذیل میں ایک مثالیں ملاحظہ ہوں
بشاہدین خشتے نیست دل ما گو کہ کسے دلتے ہے کہ سب کمال ما

یعنی اس خشتے سے ہمارا دل کبھی بشاہدیں نہیں ہوتا گیا کہ ہمارا
آہ گل شراب ولا سکی ٹھٹ ہے۔

ملاحظہ فطرت صرف اتنا ہے کہ انسان شراب سے بیوش ہوتا ہے
اور جن لوگوں کو یہ حادثہ پہنچتی ہے پھر یہ شکل انکو عین ہوتا ہے۔

مگر یہ صرف دھماکی صورت میں بیڈ عتبہ طریقہ سے دوا ہوا ہے۔ اسی طرح
ہوا اگر شمس کے سر سرہ چون کی گئے تو ان آتش و شوق میں گم ہو جا

یہاں یادہ تر الفاظ سے خلیل کی نگاہ ہوئی ہے۔ باقی تر عتبہ ہی طرح
ہر کردہ واسے پریشان شد مدبرہ اتحق مما ربک کھنڈیم اور امان تر سجادہ ا

وہی ظہر الفاظ بندھا ہوا ہے۔ ہر ایک لفظ کی خلیل اور خشت سے
پتہ چل سکتا ہے۔ اور پچھے

آتش سے تیز سا دوشلا آواز را برکدے بادو یا بست تار سا را
اس شعر کے سنی اور گہرائی قابل غور ہے۔

منہ جہا لا شمرن میں جو خلیل ہے صرف دوا وغیرہ یعنی ہے مگر
اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاعر کی جدت پر نہایت سرسبز اور کھلیاں

علامہ عطریات کے صغر علی محمدی جابر عطر لکھنے کے کلہ خانہ کے تیار کردہ و غن اور نہایت عالی عرفیات طلب فرمائیے

اور روش طریقہ سے دکھاتی ہے اور اسکی جدت تحلیل ایک بات کو اتنا متمہا نشان بنا دیتی ہے کہ سموائی انفرست دیکھنے والے دیر تک دہلے جرت میں غوطے کھاتے رہتے ہیں۔ ہم مطالعہ فطرت کے معنی پر غور فرمائی محبت کرنے کے بعد انکو ای مضمرن کے اسی مشہور معروض شاعر کے بہت سے شعر سنائیں گے۔



مطالعہ فطرت سے مراد صرف دیکھا نہیں ہے۔ یعنی ان لوگوں کے لئے مبالغہ سمی کہ جاسکتے ہیں جنہیں طبیعت ذات تصور ہو۔ ایک شاعر جسے تحقیق کی دھن ہوگی وہ مطالعہ فطرت عجیب طریقہ سے کرتا ہے جیسے فلسفی ایک ڈوگماٹک اثر کو تفصیل سے منطقی اور اس قدر تحقیقات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی صورت سے شاعر کسی صورت کو دیکھتا ہے تو اسکی نظر ان تمام جزئیات پر پڑ جاتی ہے جس قدر اس میں موجود ہیں کبھی کبھی اسکی نظر غور و کسو اور کبھی دوسرے کو بھی تبادہ تحقیق پر لگا دیتی ہے اور کبھی اس کی نوعیت اور وحدت حالت کیفیت کیمیت وغیرہ پر اسکی نظر سے غور کر کے وہ صرف ایک نتیجہ اور خوش کن بات دے دے کبھی صرف خوش کن اور کبھی کائنات حقیقت کا ایک مرتبہ اور کائنات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ فطرت کا موش بھانسا ہے بلکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاعر کا مطالعہ فطرت بہت زبردست ہوتا ہے وہ ہر ذرہ پر اتنی گہری نگاہ ڈالتا ہے کہ کوئی ذی روح بہت سی فلسفی کے ماسی را اور بعض اوقات فلسفی بھی نہیں اپنی گہری نظر سے کسی شے کو نہیں دیکھ سکتی۔ اور مطالعہ فطرت ہر شاعر کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ جب تک نہ وہ جو شاعری درجہ مکمل پر نہیں پہنچ سکتی شاعر کے لئے محاکات ہی جزو غلظہ ہے۔ محاکات کی تکمیل بغیر شاہد و بکثرت و مست مطالعہ کے ناممکن ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ محاکات شعرا و شاعر کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو شعر قریب قریب بیکار ہے۔ اس لئے کہ واقعات اور اصل شے کے معائنہ کی طرف قریب کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ محاکات ہی ایسی چیز ہے جسکی بعض اوقات سادگی اور بعض اوقات

ہوش صالح ہوتا ہے۔ اگر وہ دونوں جزئیات شعر میں غور میں نہ ہوگا محض ہے۔ مطالعہ اس قدر مفید اور مفید ہے کہ ایک شاعر جسکو ہر ذرہ اور ذرہ ازل سے ایک طبع و ذوق ملے ہے اس کے لئے ہر ذرہ ان شاعری میں قدم بھی لے کے گا تو وہ ہر شے اس شخص کے مقابلہ پر جسکا مطالعہ فطرت اور حسابہ اشیا زبردست ہے ناکام ثابت ہوگا۔ ظاہر ہے کہ شاعر کو مختلف واقعات میں مختلف ذائقوں مختلف ضرورتوں کا پابند ہو کر ماحول سے متاثر ہو کر کچھ کچھ جانتا ہے۔ مگر کیا کوئی شخص یا امید کہ سکا ہے کہ ایک ایسا مفکر کمال شاعر ایک ایسا بینہ افطنی نظم جس سے عطا ہو اپنی جھڑپی کے شعر شاہی، یا میدان کارزار۔ یا بزم امیر و غیر وغیرہ کسی چیز کا نقشہ نہ دیکھا ہو ایک اس شاعر کے مقابلہ پر جس سے دربار شاہی میں کبھی عزت ہو کمال بکر ملتان۔ وزارت پر قابض رہ کر ہر حد ملتان سے دور فرامین شادی جاری کے جہیز، اور اور ہر ملک و دیار اور اعلیٰ سرچیز کا نقشہ اس کے ذہن میں موجود ہو۔ شاہی تخت اور تقریریں اس کے حافظہ میں محفوظ رہیں ہوں ہر ذرہ اور محفل عشرت میں اور شرب میں رات کی طرح کی ہو کیمات اور جزئیات ساز و ملان شاہی پر کسی نظر بیٹھا ہو کہ کچھ فکر کرتا ہے اس طرح مطالعہ کو جس کر لے۔ اس کے سبب سیاح، ایک آدابہ گروہ ضرور ہے سرو سامان و دریش کے مقابلہ پر جس نے سیکولون نراندہ راتیں و جملوں کی طرح غریب کے محفل میں بسر کی ہوں جسکے باون کے بھالوں نے جنگل کے ہر ایک کاسے کا جائزہ لیا ہو جسکی نظر جنگل کے ایک ایک پتے اور ہر شے کی تلاشی لے چکی ہو جس نے دریا کی روانی کا پابند ہو کر کہوں اٹکی ہو جن لوگوں کا جو جس نے طاعون عرش اٹھا کی تفریح سرگاہی کے شہسوزن اپنی ہو کر پیش ماگھڑیاں گواہ ہوں اور ہر شے خوب اور صوفیہ کا اتفاق نہ ہو انکو کوئی مقابلہ کرنا نہ ہے نہ شکر و تحسین کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جن سے تحسین کی تکمیل ہوتی ہے ان میں سے سب سے بڑی چیز مطالعہ فطرت ہے۔ اس سے زیادہ شاعر اور شاعر کی تحسین کے لئے کسی دوسری چیز کی ناہر داری کی ضرورت نہیں۔ اس میں ہر شے کے

روح کا تمام عطران سے نکال دیتی مشہور عالم اور عام پسند کا بغاوت صفر علی محمد علی صاحب کلمہ علمی تو دلالت طلب فرمائیے

ختم کر کے غنی کے چند مضمون خراب کے اوقفل کرتے ہیں۔ خوف ملوث
مضمون بکھر دیتا ہے اور وہ ہم ہر شعر کی مثل سابق تشریح کرتے۔ اب ناظرین
کے مذاق صحیح اور ذوق سلیم کے بھروسہ پر زیادہ محنت کی ضرورت نہ دیکھتے
مجھے ان شعروں کو نہ ناظرین کر کے مضمون ناہن فیہ کو ختم کرتے ہیں۔
از لعل سے پھر سو گل آئندہ نظر ہر چند ریزہ ریزہ کنی جام شیشہ را
بہ منزل سے رساند شیشہ کی گارٹنے را برویکدم ازین عالم بآن عالم خیل را
از شرم توبہ در قمر کو شراب ناب بایضاح ترشہ راداد آفتاب
تا کے قریب پستی مہو مہو سے غوری نتوان چو کس آئندہ شفق و ترسہ
از نجات بہ نیاں اور چو کس سریش ہر کرانصل بھلان نیست در ساقط
تا غنی کرد اجتناب از مو پستان چو کی گشت عیقل با برگ نغمہ بہان و شراب
ساغر دین بہر سلطان بیلہ بہت صہبا کشی نیش سفیدان بکین است
اقدام بر خاسرین با دہ پستان و در وہیلہ ندان خرابات نماز است

تاسرین از بے کوش گرم نہارا شکست بیج کس کو دور با چون محبت بے نسبت
چرخ زمین کو ببطاہدہ سیدے و از است کہ در گرفتار رنگ پیدہ شہباز است
منہ بیلہ بالادین فصولین سے ہر شعر میں تغلیل اور شاہدہ اوقفل کے
ابا بیکسیر پاک گہری نظر ڈالنے تو اب کو معلوم ہو جائے کہ بغور دنیا کے ہر بقدر ذرہ کو
دیکھنا کاشاعر کے لئے کس ترنوع صافی و مضامین میں مفید بہ بہت ہو سکتا ہے کوش
ہم سے ناک بہتر کہنے والے اور شہور شاعر کوشش کریں کہ ایک مضمون کو متفرق
مختلف اور متعدد طریقوں سے ادا کرنے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے
اور اپنی شاعری کو دوسری زبانوں کے مقابل میں نہیں تو کم سے کم فارسی کی
شاعری کے مقابل میں چھوٹا نہیں جس کے قدم بہ قدم چل کر اردو سے تائی ترقی کی
ورنہ یہی قدرت جو اردو کے لئے آج ہے ہمیشہ رہے گی۔

عبدالباری آسی

سوز و ساز

پھیٹنے لے زخمِ غم ہمارا ہے سوز و ساز
آج کیساں ہے قریبِ حسن و پسیمان وفا
صبر کی تاکید برحق۔ اسے حریف آرزو
لے گئی دل سے متاعِ ہوشیاری لے گئی
بیکسی حسن ہے اور کس پرسی کا گلہ
ہوشیار لے دعویٰ بیگانگی عقل و ہوش
نیکے بھونڈن میں عمو دیت سمٹ کر آگئی
کچھ نہ کچھ تفسیر تو ہوگی تری ہر آہ کی

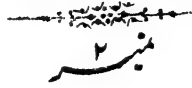
اشکِ خونین من دکھائے جلوہ کیفیت و گداز
آج دل سے مٹ گیا وہ رنگ و بو کا ہستیاز
ضدِ مایہ فرض لیکن تا بہ امکان گداز
وہ نگاہِ ستودہ بر ہم کن بزمِ حجاز
آ۔ خدا کے واسطے آ۔ عشقِ ہنگامہ نواز
وہ اٹھیں و زویدہ نظریں۔ وہ چلے اتلا ناز
سر ترے قدموں میں گر کر ہو گیا کچھ سرفراز
باز آ۔ اظہارِ غم سے او دل افسانہ باز

رازدل کی بات لب پر آئے گا لے جان من
تا بہ کے اکبر رہیگا یہ جنونِ احسار

اصغر علی محمد علی تاج و عطر گفٹو کے عطر تمامہ المنبر کی خوبی اسکے استعمال ہی سے معلوم ہو سکتی ہے

گیتان جلی کی شجہ و تنقید

از مولانا سید ابوالعلا مکیع ماسک لکھنؤی



منبر

گیت نمبر ۲

”جب تو مجھ سے غمہ سرائی کی فرمائش کر تا ہو تو اس وقت

ایسا معلوم ہوتا ہو کہ فخر و غرور سے میرا قلب شمع ہو جائیگا،

میرا ترنہ کنگن لگتا ہو اور میری آنکھیں پر لٹا جاتے ہیں۔“

ایک نیکل خود ہی اس فکرمین بتاتی ہے کہ اپنی غمہ سنجوں سے گل کو غمٹ کرنے کا موقع حاصل کرے لیکن جبکہ خود گل اپنے عاشق صادق پہل سے فرمائش کرے کہ تو میری حضور ی میں غزل سرا ہو۔ تو اس وقت یہ جرت اگلے سرست اور غیر مترقبہ نعمت کیا اس کی ہی میں اتنا تغیر بھی ذکر کی کما شفا عجز کا بیانی کے فخر ناز سے فوراً بندل ہو جائے صرف ہی عین کلاس بیانی کا فوری سیلاب سے فخر و غرور میں غرق کرے بلکہ بہت ممکن ہو کہ سین بیل و نامہ و واقف اور سرست سے قوت دل مقابلہ ذکر سکے اور پاش پاش ہوجا جرت و تسعاب کی شدت سے اپنے مطلوب کا جو کال طلبا طلب ہے نہ نہ ممکنے گلے کیونکہ معشوق غمہ کی فرمائش کرتا ہے اور غمہ اُسے کستے ہیں چون آواز کے ذریعے سے جذبات کا اظہار کیا جائے خود مطلوب بطلب ہو کہ طالب اپنا مطلب بیان کرے تو ہر کیا سرتو کی گئی انتہا ہو سکتی ہے۔ ایسے وقت عاشق کو یا ایک نئی آبادی میں اچانک پھینک دیا گیا ہے جہاں شکستہ و عجیب قسم کی کامیابیاں اور سرستیں اُسے گھیرتی ہیں۔ معشوق عاشق کی طرف خطاب کرتا ہے، عاشق یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ کیا میں اس قابل ہوں کہ میرا معشوق میری طرف مخاطب ہو اور یہ سولی

خطاب بنیں بلکہ ”فرمائش“ اور فرمائش ہی کس چیر کی اسنے ہمار جذبات کی وہ بھی غمہ کے قریب سے اپنی اثر لینے کو تیار و آمادہ ہو چکا ہے۔

ایک دربار جہاں شمع کی نو کو غیر اجازت بندش کی ممانعت ہے۔ ایک سرکار جس کی شہستان میں پروانہ اپنی فطری جسارت سے بازو سکتا ہے۔ وہ مقدس و مشرف ہستی جو کہ ہر غمہ و فخر و شکوہ سے بے نیاز ہے۔ ایک مٹھی بھر خاک سے فرمائش کرتا ہے کہ تو اپنے جذبات کی روح کو غمہ کے لب میں پیش کر۔ غمہ میں کتنے جذبات سما سکتے ہیں اور عاشق کتنے جذبات رکھتا ہے، ”انتہا نہیں“ ایسے فیضیت قوت میں ہر جذبہ ہر ناز کو اور زمین بلکہ ضد ہوئی چاہیے کہ ”پہلے حکو پیش کر“ اب اس کو پیش کیا جائے اور کس کو پس پشت ڈال دیا جائے سولے جرت سے منہ نہ کھنے کے اور کیا صورت پائی ہو

تعلق، ہون جمع دل میں اتنی باتیں

کچھ جس نہ چلا ہوا خاموشی کے

معشوق کی فرمائش کس قدر واجب العمل ہے مگر نامکن اظہار جذبات کا کیسا بہترین موقع ہے مگر کیا لا شدت کا بیانی کا فیض ناکامی، انتہائے سرت کا انجام غم۔ فرمائش اور اسکی تعمیل کے درمیان جرت کی ایک دُنیا حائل ہو گئی۔ ترکیب جذبات کا ایک عالم حد فاصل ہو گیا، کیونکہ آنکھیں آنسو بھر کر لکھیں، کیونکہ دل پاس پاس ہونے لگے۔

اب سوال یہ ہے کہ معشوق کی یہ فرمائش کہ تو غمہ سرا ہو، واقعہ ہے یا وجدان ہے، یا تخیل شاعرانہ ہے، کیونکہ تخیل شاعری کی ہی میں مختصر ہیں۔

موم گروا میں روح جس صغر علی محمد علی تاجر عطر گھٹو کے کارخانہ کا استعمال ہو چکے۔

فروری ۱۹۲۶ء

اُردو کے شعرا بھی کہتے چلے آئے ہیں۔ ۷
 گر تھکیں وہ نقیبانِ جاہلِ عازِ مانگ بیسی سو ایک لڑ بے رحمان مانگ
 ۷ رفتہ رفتہ اس طرح پہونچا حقیقت تک ہزار
 پہلے اسکی اُردو تھی بابِ خود بینی لہٰذا

لیکن اس قسم کے شعروہی شعرا کہتے ہیں جو وجدانیات کی قدر و قیمت جانتے
 ہیں نہ کہ وہ جگہ اس بات کی ضرورت ہے کہ شاعر سے میں تمہیں ادھل
 کریں۔ اور لوگوں کو یہ یقین دلائیں کہ انکی تخلیق عام شعرا سے بلند اور انکے
 الفاظ ترکیبی نو ایجاد اور عوام سے مجاہدستان ہیں۔ ایسے لوگ صرف بندش
 و ترکیب سے اپنے شعر کو اس اتنی بازی پہناتے ہیں، ورنہ بسا اوقات ایسے
 بلند خیال شعرا کے شعرا بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں گویا ہستی معنوی سے
 اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ مضمون غفا ہو جاتا ہے صرف لفظیں ہی
 لفظیں ہو جاتی ہیں۔ مجملات شاعر سے یہ معنی اس اعتقاد پر تریب کرتے
 ہیں کہ یقیناً نازک خیالی بہت بلند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب سہل ممتنع میسر
 نہیں ہو سکتا ہے تو ایک نو ایجاد بندش کا مصراع کہے کہ اُس پر صرح لگانے
 کے وقت محض اس خیال پر کہ ساری دنیا سے مجاہد اور عالی ہوا اس قدر و
 نکل جاتا ہے اور ایسا مضمون سوچتا ہے کہ جسکو اسکی ادبی کرداری نیبحالی
 نہیں سکتی یعنی اسکے الفاظ کا ذخیرہ محل نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ مطلب
 عبارت میں آگیا۔ کیونکہ اسکے دماغ میں گونجا ہوا مضمون اُسے یہ سمجھا تا ہوا
 مگر یہ تو یہ مصراع دلی بلاغت اور عزم کے روستے سے اصل میں بے معنی ہو گیا
 یا مصراع ثانی سے بے ربط رہ گیا۔ جب کوئی نوا یا ایجاد اپنی حد سے آگے
 بڑھ جائیگا جہاں اجڑے ادبی ناکافی ہو گئے تو ہزار جمل جائیگا، اور
 ناخدا خدا کے پاس پہونچ جائیگا۔ اسی طرح نخیل شاعر جب اپنے ادبی
 ماویات سے بلند تر ہو جاتا ہے تو پھر واپس نہیں ہوتا ۷
 کیونکہ اگر کہ صدائے روحانی تہنیں ظاہر کروں
 عالم باطن کے لوگوں کی زبان کوئی نہیں

ٹیگور کی گیتان ملی تمام و کمال وجدان سے متعلق ہے اور
 وجدان جو ذوقِ حقیقی میں سالک پہٹاری ہوتا ہے انکی صدا ہر قسموں میں
 سے ایک قسم یہ ہے کہ یہ کیفیت تک پہونچنے میں سربا ت کر جائے یہ جذبہ
 کی حرکت ہوا باقاعدہ حرکت ہوتی ہے جسکو کہہ سکتے ہیں اور دنیا کی کوئی
 شے ساکن محض نہیں بلکہ ہر وقت متحرک خواہ لذات خواہ بالمرغز یا واسطہ
 اور حال اس کیفیت سے مرکب ہے کہ ذرات کا باہمی اتصال و انفصال
 اس حرکت اتصالی و انفصالی کا لازمی نتیجہ آواز ہے تو کوئی شے حرکت سے
 اور کوئی حرکت سرور سے خالی نہیں یہی فلسفہ ہستی ہے اور یہی
 موسیقی تصوف ہے اسکو محسوس کرنے والا صوفی ہے اور معلوم کرنے والا فلسفی۔
 مولانا روم اور خواجہ حافظ کے یہاں کثرت سے یہ تصور تخلیق

پیرایوں اور الفاظ میں درج ہے ۷

نرے عشق تو وہم و راز و ناز و اندھ فضائے سیدہ حافظہ ہر روز صد
 چرسا زو کہ نہ خواستِ مطلب عشاق کو رفت عمرو ہر روز مایہ برز صدات
 غالب کے علاوہ حال کے اُردو شعرا نے یہی کہا ہے ۷
 آفرینِ لطفِ نیک کے صد بار اگر گفت ہے جہانک سار بہتی عالم آواز ہے
 ٹیگور کا یہ مضمون جو اسکو نہ کورہ صدر شعر سے پیدا ہوتا ہے کہ جب
 اظہارِ جذبات کا موقع دیا گیا تو لازمی ہے کہ مختلف جذبات کو اُتھال د
 جسارت ہو، اور ان میں بعض جذبات دردناک ہیں، بعض طربناک
 یہی کیفیت موسیقی کے شعبوں کی ہے لیکن ہر جذبہ یہ کہتا ہو کہ پہلے ہکو
 فقرہ مناسب کا لباس عطا ہو تو اس وقت تمیل نامکن ہو جاتی ہے یعنی
 ترک آرزو ہی مل آرزو ہے اور ہر بار تمہیں شادی و غم کا تفرقہ بھی
 نہیں بلکہ عقدا و متحد و بید، یہ دونوں خیال بھی نئے نہیں ہیں۔
 مولانا فراتے ہیں۔ ”آرزو بگوار ازارِ غم آبرش“

اور ع

چونکہ گردنِ شادی و جد

جب اپنے ہی عطریت کا استعمال شروع کریں کارنامہ صغر علی محمد علی تاج عطر کھنڈ سے طلب فرمیں

بے اثر اور ناقابلِ یاد گار ہوتا ہے۔ بظاہر لگ سکتے ہیں اور وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے کہ وہ مقلدِ غالب ہے، لیکن حقیقت میں وہ اپنی نفسانیت اور شہرتِ طلبی کا ہے، غالب کا مقصد وہ ہے جو ہر غزل میں اس قسم کا شعر کہنے کی کوشش کرے۔

انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے جس کا فیزین غالب سل معنی دہ کر کہا اس کو اتنے پیچیدہ کہا ہے لیکن کوششِ شاعری ہمیشہ یہی تھی کہ میر کا سا شعر لے تجھے کہ کوئی مسلمان سوال کا مقلد ہو اور خدا کو نہ مانے خود اپنے حافظ کے کلام کی مدح و تحسین ہی دنیا نام کی ہلکی گلابی گیس دورِ شاعری کا رنگ گر اس میں ہوتا تو شاید چندی روز میں کا فور ہو جاتا، ٹیکور نے بھی جو کچھ کہا، اگرچہ وہ مقلدِ غالب تھا اور اچھا ہے مقلد۔ مگر تحسینِ مستغنی ہو کر اپنے ذاتی جذبات کو نظم کیا ہے یہی مقلدیت کا اثر کا صلی راز ہے۔ (ہوا بھاتی)

اس قسم کی بے اصول اور بے معنی غزل گوئی کو لوگوں نے مزاحِ شاعری سمجھ لیا ہے جو کہ اصل اور نوابی کا ترکیبِ شعری کے زمین پر چڑھ گئی ہے اور اس کی ہر حرکت محض تحسینِ طلبی اور متاثریت ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ جس طرح امتیازاتِ خصوص کے لئے چرکپین اور جان صاحب نے ایک رنگ بڑا گانا اختیار کیا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے ترکیباتِ ایجاد بندہ اور اصل گوئی سے عوام کو اپنی طعنِ متوجہ کر لیا ہے۔ لیکن اصل شاعری تحسینِ روح و دانستنی ہوتی ہے۔ وہ ایک واقعہ یا کیفیتِ وجدانی یا ایک خیال کو نظم کرتا ہے۔ اور انہیں معمولی الفاظ میں جو دردِ زور بولے جاتے ہیں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے، شکر کے وقت اس کا کافی مضمر نہیں ہوتا کہ لوگ اسے علیٰ خیال کہیں اور شاعر اٹ جاتے بلکہ اس وقت شاعر کا خیال تو دیکھنا اپنے گرد و پیش کی چیزوں کو بھی بھول جاتا ہے اس کے کلام میں روحانیت اور بقا ہوتی ہے اور ان لوگوں کا کلام

قطعاتِ روان

(از جنابِ ابوبکر محمد بن لال صاحبِ اردن) (میں نے۔ ال ال ال کی دیکھ۔ آناؤ)

(۱)

تو ملے گردِ ٹھوسِ عاشق ہو محدودِ جمال
اور شہرِ مندہ دیدارِ ہر صورتِ تیری
یہ نہ ملنا بھی عنایت سے نہیں ہو خالی
کہ تہ پا بندِ طریقت ہو حقیقتِ تیری

(۲)

قدرت نے دل کو مرجعِ عرفان بنا دیا
ہر خارِ زار کو چمنستان بنا دیا
کیا جلد سے بھٹی ہیں ترقی کی نسلیں
مرا دردی خیال نے انسان بنا دیا

(۳)

جانِ حشر میں بہوشیہ کن کی انتہا جو ہے
وہیں سے عالمِ عقل و فخر دلی ابتدا سمجھو
علاجِ درد کا جب تک دل مضطرب ہے طالب
وہی مدد ہے کہ جب تک تم مرض کو لاؤ وہاں سمجھو

(۴)

مجھے کسیر میری آہ سوزان کر کے چھوڑ گئی
قناعت میرے دردِ دل کو دہان کر کے چھوڑ گئی
ہتھیہ ہے کہ ابابین نہیں یا کفِ کوروی
حقیقت میری ہے دینی کو زمان کر کے چھوڑ گئی

اگر آپ کہ خطرناک کار ہے تو صرف صغریٰ محمدی تا چھوڑ لکھوئے طلب فرما ہے

لیٹرچر بلاؤٹ

(۲) بنی نوع انسان اور اس کے تمام حرکات سکنا تک ہماری محبت۔

(۳) دینا کے حقیقت سے حسین ہم زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا

تختل سے جسکو وجود میں لانے کے لئے ہم ابھارتے ہیں ہماری موانعت۔

(۴) سخن عبارت اور انداز تحریر میں ہمارا ذوق و شوق۔

جب ان تمام باتوں کی صلاحیت ہمارے دل و دماغ میں ہوتی ہے اور اس کا دماغی مادہ ہماری طبیعت میں موجود ہوتا ہے تو جو کچھ ہم اپنے خیالات اور احساسات کا اظہار تحریر کے ذریعے سے کرتے ہیں، لوگوں کے حظ و دلچسپی کا سبب ہوتا ہے، اور انہیں کے دل دماغ کی ترجمانی کبھی ہے، گو یاد بھی ہی محسوس کرتے تھے۔

لیکن عبارت و تحریر میں یہ بات اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ مذکورہ بالا امور کا کافی اثر ہمارے قلوب پر ہو۔ مگر یہ بات آسان نہیں ہے۔ اسکے لئے انتہائی مشق اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے جب تک ہمارا دل و دماغ، قوت مشاہدہ اور فکر و فکر سے لرزہ نہ ہوں۔ ہماری تحریر اور الفاظ میں اثر نہیں آ سکتا حقیقت یہ ہے کہ

زین سعادت بزرگوار و زمست نامہ بخشد خداے بخشندہ
لیکن خداے بخشندہ کی اس نعمت کا جو اُس نے ہماری طبیعت میں ودیعت کی ہے، جسکو اُسیوقت احساس ہو سکتا ہے جب ہم اسکی حق جو اپنے دل و دماغ میں کریں، اگر ہم اپنی جتنی باتیں کامیاب ہوں تو اسکا اداسے غلو ہون ہی ہو سکتا ہے کہ اس جو ہم کو اس طرح متحمل کریں جیسا کہ اس کا بہترین مصداق ہے اور اس سعادت بخشندہ کو بزرگوار و بزرگوار لکال تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر ہماری طبیعت میں ادبی ذوق و شوق کا مادہ نہیں ہے تو پھر ہم کو اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہئے کیونکہ اس میں محض تضییع وقت ہے

لیٹرچر کے معنی ہیں ”بہترین خیالات اور بہترین احساسات جو بہترین فطرت میں ادا کئے گئے ہوں“ روزمرہ کی زندگی میں ہم فطرت اس پر مجبور ہیں کہ جو خیالات ہمارے دماغ میں یا جو احساسات ہمارے دل میں پیدا ہوں ہم انکو دوسروں پر بھی ظاہر کریں۔ اس اظہار کے لئے ایک خاص طریقہ تحریر اور انداز بیان ہوتا ہے اور ہمارا تک ہمارا بیان بیان کے لئے بولوں اور مناسب لفظ ملتے ہیں ہم دوسروں کو بھی اپنے خیالات اور احساسات سے آنا ہی متاثر کر سکتے ہیں جتنا کہ ہم خود ان سے متاثر ہو رہے ہیں۔ لہذا لیٹرچر ایک ذریعہ ہے جو الفاظ کی معاونت سے براہ راست ہمارے دل و دماغ کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور ہماری زندگی کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ صرف انہیں کتابوں اور عبارتوں پر لیٹرچر کا اطلاق ہو سکتا ہے جو بحیثیت اپنے نفس مضمون اور طرز ادا کے ہر شخص کے لئے دلچسپی کا سبب ہوں۔ اور جتنے انداز بیان اور ترکیب الفاظ سے پڑھنے والے کے دل میں انسانی کیفیت متحرک ہوا اور جتنے ہر جملہ اور مفہوم میں زندگی کی لہر اُبھرتی ہوئی معلوم ہو۔

اگر یہ کہنا بجا ہے کہ لیٹرچر کا جو دو ترجمانی زندگی ہی پر منحصر ہے تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صرف زندگی ہی لیٹرچر کا مبداء اور مستحق ہے۔ زندگی کے ہزار شاخے ہیں مگر لیٹرچر کا تعلق صرف انہیں شعبوں سے ہے جنکا انحصار لطیف و زار تک خیالات و احساسات پر ہے۔ لہذا لیٹرچر کی ترکیب عصری کی روح مردان چند مخصوص اور ایہ امتیازات ہیں جن جو حسبِ اہل نقاد تصدیق نہیں۔

(۱) اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے ہماری خواہش کہ ہم خود کیا ہیں، اور ہم اپنی ہستی کو کس طرح نمایاں کر سکتے ہیں۔

کارخانہ اشعار علی محمد علی تاج محمد لکھنؤ جس کو قریب ایک صدی کے زمانہ ہوائیک نامی سے چالیسی ہے

فوری مسئلہ

دار مدار زندگی کی ترجمانی پر ہے اس لئے ہر نوع واقعات زندگی ہی کی ہر صنف شرف و ظلم - عمارت - ڈراما - ناول وغیرہ میں اصل لب لباب ہوتے ہیں۔ پھر زندگی کی ترجمانی کے واسطے لکھنے کے ان مختلف مہنات کو بہترین دلکش و دلنشین پیرایہ میں پیش کرنے کے لئے بڑا صنف کے دل و دماغ کی جدت و ندرت کا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے صنف کو نہایت ذہین اور طباع ہونا چاہئے تاکہ وہ جس مضمون پر قلم اٹھائے، اس کی حقیقت کی روح چھونک دے اور ایسی ایسی واقعی بارکیاں اپنے مضمون میں پیدا کرے کہ پڑھنے والے کے لئے ہر طرح سے دلچسپی و دلچسپی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ صنف کو نہایت حساس اور زندہ دل بھی ہونا چاہئے تاکہ اس کے لفظ لفظ میں ایسی تانگی اور ایسا جوش ہو جو پڑھنے والے کے دل میں تمام حیات کو ابھار دے۔

۱۔ اس کے علاوہ صنف کی قوت تخیل کو بھی نہایت ذہنی اور تیز ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنی تحریر میں لطافت و رنگینی کے ساتھ ساتھ تخیل کی نزاکت بھی پیدا کر سکے اور اپنے مخاطب کو اپنے خیالات کی گہرائیوں میں اس قدر محو کرے کہ وہ کچھ دیر کے لئے اپنے وجود کو فراموش کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ وہ جو کچھ پڑھے اس میں اسے بھی معلوم ہو کہ یہ اُسی کا محسوس کیا ہوا واقعہ ہے۔ مزید برآں صنف کو سب سے زیادہ لحاظ اس بات کا رکھنا چاہئے کہ وہ جس بحث یا جس صنف لکھ کر قلم اٹھائے اس میں اُسی کی نسبت سے موزون اور مناسب لفظ کا انتخاب کرے اُسی کی شان و اشرار نکلیا ہوں۔ اُسی کے مطابق اصطلاحات و محاورات ہوں۔ ورنہ اس کے خیال کے مضامین میں اپنی شان پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہی سبب ہیں جب تمام مکمل لکھنے کی روح و رون ہوئی تو اس وقت لکھنے کا طلاق اس نعرہ پر ہوتا ہے کہ لکھنا ہے اُن بہترین خیالات و اُن بہترین احساسات کا جو بہترین الفاظ میں قلم بند کئے گئے ہوں۔

محمد عبدالحمید صدیقی (حلیگ) بی۔ اے۔

۲۔ اور حاصل اسکا سولے ناکامیابی کے کچھ نہیں چنانچہ اسکی مثال آجکل کی اکثر شہر مشہور صنف کی تصانیف ہیں جنکے صنف انکے اپنی ہونیکا دعویٰ لکھتے ہیں حالانکہ واقعی وہ ایسی نہیں ہیں کیونکہ ان سے مطالبہ مقاصد اپنی حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ آپ اپنے لئے ننگ بوجہ ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا سے ادب میں ایسے مصنفین کا وجود محدود ہے جو کہ ہے اس لئے کہ انکی تصانیف سے غنائی حاسترین یہ ذوقی پیدا ہوتی ہے اور ادب لطیف کا خون ہوتا ہے۔

لکھنے پر زیادہ ترجیح مباحث سے تعلق رکھتا جو وہ جہل ہیں۔ (۱) ہمارا اپنا ذاتی تجربہ و مشاہدہ جو ہماری خلوت و جلوت کی تانگی کا حاصل ہو۔

(۲) بنی نوع انسان کے مجموعی تجربات۔ جو زندگی کے اہم مسائل عامہ پر مشتمل ہوں۔ مثلاً مسائل زندگی و موت۔ سزا و جزا۔ تقدیر و تدبیر۔ خدا و رضا کے ساتھ انسان کے تعلقات اور اسی قبیل کی بہت سی باتیں جن پر انسان کے باہمی روابط و ضوابط قائم ہیں۔

(۳) ہمارے ذاتی معاملات و تعلقات اپنے اپنے بنائے جنس کے ساتھ یا تمام تمدنی معاشرتی دنیا اور اس کے پیشانیہ گمانوں اور کاروبار زندگی کے ساتھ۔

(۴) تمام کائنات فطرت کے مہیات اور مظاہرے ہمارا رابطہ و رابطہ۔

(۵) خود ہمارے اقتراح اور ایجاد کی کوششیں اور انکی مختلف تنوعات کے ساتھ خلوت و فطرت۔

یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر لکھنے کی بنیاد ہے۔ لکھنے کے ذریعے سے ہم انہیں باتوں پر مختلف پہلو سے روشنی ڈالتے ہیں، طرح طرح سے انہیں باتوں کی تصویریں مختلف نظروں اور مہر و نواں کیلئے پیش کرتے ہیں۔ اس میں جس قدر کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی قدر ہماری عمارت اور تحریریں لطیف اور اثر ہوتا ہے۔

جو حیثیت نفس مضمون لکھنے مختلف فلاح پر مشتمل ہے مگر چونکہ اسکا

کارخانہ مضمون محمد علی تاج محمد الحسن کی چھاپی معاملات کی صفائی اور طبع کی عمدگی ہندوستان بھون مشہور ہے

عکس تحریر شاہجہان بادشاہ غازی انار شاہ

(از کتاب "ہٹری آف ہمایون (ہمایون نامہ)

مرتبه گلبدن بگم بنت ظہر الدین محمد بابا بادشاہ

مترجمہ باضافہ جلد

اینٹ اس - بویج ام - آر - اے - اس

در تصدیق صحت کتاب مذکور

بسم الرحمن الرحیم

این تاریخ مشتمل بر مجل احوال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کیستیستان و اولاد امجاد آنحضرت و بیوانح ایام
حضرت عترت کائنات انار اسد برمانہ تالیف
بسیست و دوم در عہد دولت سیاه یا باصفیہ
حری شاہ جہان بادشاہ بن جہاگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ

عکس تحریر گلبدن بیگم بنت ظہر الدین بابر بادشاہ

یہ تحریر اصل "ہمایون نامہ" تصنیف گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ کے مرتب کردہ اور اسے قلم کے گلے سے لٹکے ہوئے صفحہ ۲۸ کا (بی) کا عکس ہے۔ جسکو "اینٹ-اس" بونچر و ام-آر-اے-اس نے اپنے ترجمہ کر کے "ہٹری آف ہمایون" میں شائع کیا

طوی میرزا ہندال انکہ سلطانم بیگم خواہر مہدی خواجہ بوذرجمیہ
 بایام غیر حیفہ خواجہ فرزند یکرند آہستہ و فرزند فی شہ
 اکہ جانم سلطانم را بفرزند می نکو بدہشتہ بودند و دوسالہ جو
 کہ خانزادہ بیگم نگاہ کردہ بودند و عجایب دست می داشتند
 و بہرادرزادہ خود داند و طوی را در کمال لطافت و خوبی
 کردند کونشکہ و ادسقمہ و پنج توشاک و پنج لیستوق و یک
 سیکہ کلان و دو تیکہ کلولہ و قوشقہ و لہاب مع خاکہ جلیغ
 مع سہ توشاک ہمہ زرد دوزی و سرد پاپامی میرزا بیار
 و تاج زرد دوزی و فوطہ دروپاک و رومال زرد دوزی و
 قور پوش زرد دوزی و سلطانم بیگم نہ نیمتنہ مکہ دار جو
 یکی از لعل و یکی از یاقوت و یکی از زمرد و یکی از فیروزہ و
 یکی از زنبہر و یکی از عین الہرہ و یک زنجیر کورہ و یک
 چارقب و چار تہجی مکہ دار و یک جفت حلقہ لعل و
 یک جفت حلقہ در سہ پنچہ و یک پیرشامی یک دخت و دو طب
 و دیگر اسباب و بشیاد رخت و رخت و کارخانہا از ہمہ

تاریخ جرمنی

(سلسلہ)

باب اول ابتدائی حالات

سزین جرمنی جو آج سرسبز و شاداب زراعتوں سے مبر ہے اور طرح طرح کی صنعت و حرفت اور تجارت کی چراگاہ بنی ہوئی ہے۔ اپنے ابتدائی دور میں ٹٹے ٹٹے کھیل کے میدانوں، لکڑی، چمکوں اور ماریوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جرمنی کے زمانہ اولین کے حالات کا پتہ کچھ ایک شہر لیپزگٹھ صنعت داروں نے 1700ء کے کسی شہر کی تحریروں سے ملتا ہے۔ ان کے زمانہ میں زراعت، اہل جرمنی کے آبادی اور ممالک بنانے کا کرہ تھے جن کے آثار اب تک کین کین پلے جاتے ہیں۔ ان کا یہ آثار کھودنے سے بہت کچھ ابتدائی تمدن و معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں ان کے مملکتوں کے سینکڑوں اوسر کے دانٹوں کے تیر اور بجائے دیگر پلے گئے ہیں اور پتھر کی کھدائیوں اور آستانے ہیں۔

جرمنی باشندوں کے وجود کا علم سب سے پہلے جرمنی یورپ کو ہوا جو آغا تاریخ ہی سے تمدن اور مذہب تھا۔ اور اس کو یہ علم ہاویلر کے ایک نامی سوانگر پائیماس کے ذریعہ ہوا۔ یہ شخص سکندر اعظم کے زمانے میں یونان کے مسائل پر تجارت کی غرض سے گیا تھا اور وہاں سے غیر وغیرہ اپنے ساتھ بھڑو مخالفت لایا تھا۔ اہل زمانہ میں (چوتھی صدی قبل مسیح) جرمنی میں بچلے چھڑا اور مہمی کے لوہا و صدیات ہمال ہونا شروع ہو گئے تھے اور ممالک میں نفاس پسندی بھی ہونا شروع ہوئی تھی۔ کہنا، باہمی دانت اور رنگ بڑا گئے پتھر کے ماسے اور صنعت چھڑن بتا دیتی تھیں جو سن ۸۰۰ء میں (Hoardale) باتاٹ کے قریب کھودی گئی، اس میں سے چھ ہزار مختلف چیزیں برآمد ہوئیں۔ اس زمانہ میں انسان کی لاش ادھی جلائی

فرنگی ایک بڑی اور زبردست قوم اول کے عہد سلطنت یورپ کے واسطے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی چھارہ دم (فرانس) کی حکومت نے کوئی انقلاب یورپ میں پیدا نہیں کیا۔ اور جو بھی انقلاب بنائیں تو آخر (جرمنی) نے پیدا کیا وہ نہ تو مملکت اور نہ کوئی اور غیر سیاسی خلافت پیدا کر سکا۔ ہمارا کام ان مہم کو نہ تو انگلستان ہی میں مل سکتا ہے نہ فرانس میں۔

فرن جرمنی میں جیسی جیسی ایجادیں جرمنی نے کی ہیں وہ کسی ممالک کے باشندوں کوئی بڑی نصیب نہیں ہوئیں۔ سیکلے کی ٹانگیوں کے بعد جرمنی کا وجود صفحہ ہستی پر قائم رہنا ایک تعجب خیز امر ہے۔ لیکن جرمنی وہ جرمنی جو سیکلے میں قریب قریب تمام ممالک کے زمین کے خلات میدان جنگ میں آئی، اسکی فولادی بنیادیں ہمارا جیسے بڑے شخص رکھی جتیں ان کو بلا دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔

تاریخ جرمنی کے مطالعہ سے ہم کو یہ سبق حاصل کرنا ہے کہ ایک شاندار و بے سروسامان قوم کس طرح اپنی قوت آزادی کے احساس کے ساتھ غلبہ ترقی پر گامزن ہو سکتی ہے۔

باوجود اس کے کہ ابتدائی سے قوم جرمن میں کوئی مذہبی فرقہ پیدا ہوئے اور ان فرقوں کے سب سے کئی ایسی سطنتیں بنو اور کھلیں جس کا غرض نظر اور حکمت علی ایک دوسرے سے باہل تھا کہ تھی۔ اور چوتھی جزائی حیثیت سے یورپ کی سیاسی ریشہ و ایندوں کا مرکز بن گئیں۔ مزبوران اس قوم کو ایسے ایسے سیاسی اور فوجی انقلابات کا مقابلہ کرنا پڑا اگر ایسا ہی وقت کسی دوسری قوم پر پڑتا تو وہ صفحہ ہستی سے محو نہ ہوتا۔ مگر ابھی تک اس کا محصل اپنی جفاکشی اور طرح کی قربانیوں کے باعث تو وہ عالم میں نمایاں اور متاثر ہو گئے

منظر علی محمدی تاجر عطر کھنڈی تیار کردہ اشیاء خالص عمدہ اور کجائیت ہوتی ہیں

ضروری معلوم ہوگا، لیکن تاریخ جرمنی کے سلسلہ میں تاریخ روم کا مختصر کر
کرنے سے بے ضروری اور لازمی امر تھا۔ کیونکہ اس کے قبل کہ ناظرین کو معلوم
ہوگا کہ تاریخ اہل جزئی کی سلطنت روم کا وارث قرار دے گی۔

دوسری صدی قبل مسیح میں جب ایل ہرن کی جمہوریت نے روم پر
حکمرانیت روم کی سلطنت ہسپانیہ سے لیکر ایشیائے کوچک تک و دنیا
رومیکان *Rubicon* افریقہ کے شمالی ساحل تک پہنچی
ہوئی تھی۔ روم کو شروع زمانہ ہی سے اپنا وجود قائم رکھنے کے واسطے قریب و
کے شہروں اور ریاستوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس چھوٹے سے شہر کے اسکند
جو ترقی منازل کے بعد دنیا کی بہترین تمدن اور زبردست سلطنت کا مرکز بن گیا
اور وہی بنیاد ۵۳ ق۔ م میں رکھی گئی۔ فطرتاً ہی مدبر واقع ہوئے تھے۔
انکا اصول حکومت یہ تھا کہ حکوم قوموں اور ریاستوں کو کبھی بغیر مطالبہ کے
کسی قسم کے شہری یا ملکی حقوق دیتے تھے اور وہ بھی بہت ہی طویل و طویل
گفت و شنید کے بعد اور میدان جنگ میں شاذ و نادر پیش قدمی کرتے تھے
ورنہ ہمیشہ حملے کے منتظر رہتے تھے۔ حملہ ہونے کے بعد پھر ان لوگوں کا جنگی
جوش اس قدر بڑھ گیا کہ جو اتنا تھا کہ جب تک دشمن کو بالکل زیر کر دیتے،
کسی طرح چین نہ آتا۔ یہ دو ایسے اوصاف ہیں کہ جس قوم کا یہ شعار ہو جائیں
یقیناً وہ دنیا میں بہت کامیابی کے ساتھ حکمرانی کر سکتی ہے۔

۵۰۹ ق۔ م تک اہل روم بادشاہوں کے زیر حکومت رہے مگر
بعد ازاں انہوں نے اپنے رہبان جمہوریت قائم کر لی۔ روم کی عظمت کا زمانہ
جمہوریت کے قائم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اقلی کی جو قوم بھی
رومیوں کے مقابلہ میں اقلی ہو سکے ان کا لوہا ماننا پڑا۔ اور اس طرح رفتہ
رفتہ (۲۶۶ ق۔ م تک) تمام اقلی پر رومہ انگریز کی حکومت ہو گئی۔
روم کی تاریخ میں اب یہ زمانہ آتا ہے کہ دوسری ریاستیں اسکو حد کی
نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔ مگر ان ریاستوں کا حد کرنا روم کے لئے بالکل
سبقت آموز نہ تھا۔ بلکہ واقعہ نفس الامر یہ ہے کہ جہاں تک ملکی غیر خود اہل

جاتی تھیں اور اسی زمین میں دفن کی جاتی تھیں بعض قبریں جو دریافت ہوئی
ہیں انکے مشاہدہ سے اس حد کے رسومات کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ ایسی
قبریں پائی گئی ہیں جن میں ایک لاش اساتذہ ہے اور اس کے ارد گرد نو مشین
سنگی دیو ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاندان کے سردار کی وفات پر
اس کے مال بچے بھی اس پر قربان کر دئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان
قبروں میں کین کین جانوروں کی ہڈیاں بھی ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ کچھ نجیبین کہ اس سردار کے ساتھ اسکے اوقات اور گھوڑے بھی
دوسری دنیا میں جیکو اہل جزئی *Walhall* (وال ہالا) کہتے تھے
موادہ کر دئے جلتے ہوں۔ اس سے اور کنگھیوں کے پائے جانے سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو تباہ و ستمگار کا بھی شوق تھا ایک
ہی قسم کے پتھروں کے اوزار اور درود و برصقامات پر دستِ بام ہونے سے
یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ فن تجارت سے بھی ناواقف نہ تھے
نذر وہ بالاحالات تاریخی سند نہیں رکھتے۔ بعض مورخین کے
قیاسات و معمولات کے نتائج ہیں یا ان کا جسہ جسہ حال و وضع
کی تحریروں سے اخذ کیا گیا ہے جن میں سے ایک مصنف پتہ بھی ہے
جو لکھتا ہے کہ ساحل بالٹک کے باشندوں کے گھوڑوں کی طرح
گھڑ ہوئے تھے اور ان کے کان جسم کو ڈھانک لیتے ہیں۔

ہماری تاریخ کا آغاز اس زمانہ سے ہوتا ہے جبکہ اہل روم کا مقابلہ
جرمنی کے کچھ قبیلوں سے میدان جنگ میں ہوا۔ اس زمانہ کے حالات
ہم کو ہرنو اسٹرو اور ٹیٹس سے بھی بہت کچھ دستیاب ہوئے ہیں۔
یہ لوگ اپنے عہد کے نامور مصنف تھے۔

باب دوم

اہل جرمن روم

تاریخ جرمنی روم کے پڑھنے والوں کو مختصر تاریخ روم کا بیان بظاہر مختصر

کیا حضرت علی محمد علی تاج عمر لکھوئے آپ اقامت ہیں؟ جن کا کا رضاء ۱۳۹۹ھ سے ونا فروغ ترقی کے ساتھ جاری ہے

روشن رکھا۔

روم پر سب سے پہلا غوغا شمالی حملہ ۳۹۰ ق۔ م میں ہوا۔ اہل گال (Gaul) جو گاتھ (Goths) لوگوں کے پیشرو تھے، کوہ الپس کے شمال و مغرب میں رہتے تھے۔ ان کے ایک فرقہ نے جنگ سائیز (Senones) کتے تھے۔ الپس کو قطع کر کے وادی پرو (Po) میں اپنا ڈیرہ ڈالا۔ بودباس کے لئے رنیزین کی تلاش میں جنوب کی جانب بڑھے اور شٹرکلوزیم (Clusivum) کا ۳۹۱ ق۔ م میں محاصرہ کر لیا۔ اس شہر کے باشندے روم کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے روم سے مدد مانگی۔ روم کے سائیز کے پاس اپنی بیٹیجے اور کلا بھیجا کہ وہ شٹرکلوزیم کا محاصرہ اٹھالیں اور اہل روم کی دوستیوں پر حملہ نہ کریں۔ اہل گال کی اس درخواست کو مخالفت کی نظر سے دیکھا اور دوسرے سال (۳۹۰ ق۔ م) ایک دگر فرقہ لنگانیز (Luganeis) کے ہمراہ روم پر حملہ آور ہوا۔ روم کی تمام عمارتوں اور مندروں کو برباد کر ڈالا اور بالآخر کچھ سونا بطور نذرانہ اہل روم سے لیکر واپس چلے گئے۔ گوارس حملے نے روم کو بالکل کمزور کر دیا تھا، لیکن پھر بھی اہل روم نے رفتہ رفتہ اپنی قوت رفتہ رفتہ حاصل کر لی اور ان ریاستوں کو جو اہل گال کے حملہ کی وجہ سے روم کے مخالف ہوئی تھیں اسے سرخیز کر لیا۔

اہل گاتھ نے جو کہ اہل گال کے پیرو تھے آج سے ۸۰۰ سال قبل شہر روم پر حملہ کر کے سلطنت روم تے البری کا شیرازہ حکومت بکھیر دیا۔ اہل گال کے دوسرے شہر ۲۰۰-۱۷۱ ق۔ م کے درمیان بڑے اس رتبہ ان کے دور فتح جیکان اٹلی Boiz اور ہلز (Boiz) تھا حملہ آور ہوئے۔ یہ لوگ وادی پوین اترے اور انہوں نے اس بری راستہ کو جو اٹلی سے اسپین کو کوہ الپس اور ساحل سمندر کے درمیان ہو کر گزرا تھا سدود کر دیا۔ (بانی آئیندہ)

روم کے دلوں میں اس قدر خوف و ہراس پھیل گیا کہ وہ دوسری ریاستوں سے زرا زرا سی بات پر پھر بھاگنے لگے تھے اور انکو جنگ آزادی کے لئے آمادہ کرتے تھے کہ اہل روم نے خود اپنی محسوس شہری ریاستوں سے لڑائیاں پھیلزین۔ جزیرہ سیسیلی (Sicily) کو اپنے قبضہ میں لانے کے سلسلہ میں ریاست کارتیج کو جنگ پر آمادہ کیا۔ گکارتیج Carthage کے سب سے بڑے جنرل ہینبال (Hannibal) نے قریب قریب تمام اٹلی میں روم کے خلاف ایک آگ لگادی، جن سے کچھ عرصہ کے واسطے خود روم کا وجود معرض خطر میں پڑ گیا، مگر بالآخر کارتیج کو شکست ہوئی اور سپانیہ جو کارتیج کا دیگین تھا روم تے البری کی حکومت میں آ گیا۔ اس طریقہ سے روم نے جنوب مغربی یورپ کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس دور میں روم نے محض کارتیج ہی سے جنگ نشین کی بلکہ اس مقدونیا اور اٹلی کے کچھ بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ان لڑائیوں میں صرف ہونے کی وجہ سے روم کو اتنی محنت نہ ملی کہ شمال کی جانب اپنی حدود کو وسعت دے۔ ایک جہریتھی کہ شمال کی جانب کوہ الپس (۵۴۰۰ فٹ) کی سرفراک چوٹیاں دیوار تھیں بن کر اٹلی کے واسطے پشت پناہی کر رہی تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ شمالی حملہ آور ابھی تک برابر مقابلہ نہ آئے تھے اور چونکہ وہ قویں روم کے مقابلہ میں تھیں لہذا اعلانہ جنگ سے محترز رہا کرتی تھیں۔ شمالی اقوام کے حملوں کی وجہ میں شروع ہو گئے نوعیت باطل جنگ گاتھ تھی، فی الحال ان کا مقصد روم کی سلطنت کو تباہ و برباد کرنا تھا اور یہ حکومت کے خوابان تھے۔ بلکہ وہ اپنی بودباس کے لئے زمین کے تلاش تھے۔ چنانچہ لنگ حملہ جزیری اور مغربی رواتیوں کے مقابلہ میں اس وقت زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے۔ مگر ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ یہی شمالی وحشی قویں سلطنت روم کی بربادی کا باعث ہوئیں، بالخصوص اہل جرمن جو اس سلطنت کے جانشین ہوئے اور انہوں نے سلطنت روم کا نام آئینویں صدی عیسوی تک

عطر جنا جعفر علی محمد علی تاج صحر لکھنؤ کے کا رخا نہ کا بنا ہوا ہے اس کا نسخہ ہی مختلف ہے

نقد و تبصرہ

(درج ذیل نواب حیدر ایجنٹ مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب نظم لطیف الہی لکھنؤی)



نواب حیدر ایجنٹ حضرت نظم لطیف الہی کا علمی تجر - فضل و کمال - ادب و انشائیاتی آفرینی - نازک خیالی - نورِ قلم - قوتِ سخن اور کمالِ فن - غرض ہر شے قریب سے متنبہ ہے - اپنے نواب مقدر مرزا پوری کے شاعر کے لئے اپنی غزل بھی اور اس پر خود نقد و تبصرہ تحریر فرما کر عنایت کیا - جسکو ہم ذیل میں ہدیہ ناظرین کر سکتے ہیں -

وصلِ بگڑھی



کہان لے نظم لے کر کاروانِ صبر و تاب آیا یہاں سویا رطوفان، موج خیز خطر آیا
لفظ کاروان و طوفان سے چٹکتا ہے کہ عالم ہی کو کوئی دای تھوکیا ہو جانتے سے قافلے میں گزرتے ہیں جس میں بلا بھی جا کر تے ہیں
خیالِ خواب سا گورا - نظر مثلِ سراب آیا یہی جلدی تھی جانے کی - تو کینِ عہدِ شباب آیا
استعمامِ بہانِ انشا سے حسرت کے لئے ہے ۱۲
لرز جاتا ہوں گردل میں خیالِ انصواب آیا سمجھتا ہوں معاذ اللہ کوئی تیرِ شباب آیا
ابلیس کی طرح اذیت بد کھائی نہیں دیتا، مگر بیانِ تیرِ شباب کی روشنی میں صاف صاف نظر آیا ۱۲
شبِ غم میں ستاروں کے لئے روزِ حساب آیا کہ میں گستاہوں تائے وہ سمجھتے ہیں عذاب آیا
سیریِ اختر شامی سے نارے بینگ آگئے ہیں ۱۲
سحابِ تیرہ لے کر خیمہ مشکین طناب آیا اور اس ظلمات میں لیکر نہ ساقی آفتاب آیا
آفتابِ مبتدل سا استعارہ ہے جامِ شراب سے، مگر بیانِ ظلمات میں آفتاب کا آکھنا ناگزیر رکھتا ہے ۱۲
عبث کی گردشِ افلاک کے گہوارہ جنبانی نہ دل ٹھہرائے غم بلا نہ موت ساقی، نہ خواب آیا
فصحا کا عہد ابھی ہے کہ شمرے میں دونوں طرح کی (۵) بوسے ہیں غلو و غیر غلو ۱۲
نکل لے جانِ مضطرب بھی ہوں ابمِ عنان تیرا ٹھہرے عمرِ فزین بھی تیرے ہم رکاب آیا
ہوں - اب - ہم - میں کھلا کھلا منافق ہے - لیکن مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ اس شعر کو نکال ڈالوں ۱۲
ہنسی آئی - جیسا کہ پیڑھی تو سی بین چلن ہو یہ مجھ سے کیوں نگہ پھیری - یہ مجھ کیوں عتاب آیا
کسی ہنسی آئی کے مقابلہ میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں بخدا ایچ کی جانی ہے - اسی کو خدمت کر دیا مگر یہ خدمت برا اظہارِ اہمیت ہے - ۱۲

خاص کا رخائے صغر علی محمد علی صاحب نظر لکھنؤ کا تیار کردہ زردہ پتہ کو سیاہ دانہ دار اطلب فرمائیے۔

اٹھایا زیر خنجر لطف نظارہ کا جی بھر کے نہ بسمل کی پکت جھبکی نہ قاتل کو جواب آیا
غضب ہے اگر کوئی نہ کہہ دے جو زبان اور بسمل دعا قاتل لینے پہلی سنی رکھتے ہیں۔ غالب مرحوم نے اسی بات کو سمجھلایا ہے۔

مطلب ہے ناز و غرور دے گئے گفتگو میں کام لے چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کے بغیر ۱۲

یہی معلوم ہوتا ہے محبت سے حسد میں کی کہ مرنے کی مراد میں مان کر عہد شباب آیا
کسی سے محبت کرنا اور کسی پر مرنا ایک ہی بات ہے، ضرورت شعر نے مجھ کو کیا کہ عشق کی جگہ یہاں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے۔ ۱۲

میرہ نو کے اشارہ سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ جو آیا سر لے دہر میں پا در لہ کا ب آیا
ہلال دیکھتے ہی دیکھتے چھپ جاتا ہے اور یہی اسکا اشارہ ہے اور اس اشارہ سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ اس سر میں جو کیا۔

بہت جلد جانے والا ہے، رہتی تھی یہی ہلال کو رکاب سے اس قدر مبتلا ہو گئی ہے کہ اس میں کچھ لطف نہیں رہا۔ ۱۲
نہ جانے طاقت رقتا کر کیا کہتی ہو رہہ کر میں اب جھک جھک کے چلتا ہوں کس کی جگہ کیا

جھک جھک کر چلنے کا سبب ہے کہ میں نہ جانتا چاہتا ہوں کھلافت زخار کی طرف سے کیا جواب آیا ۱۲
اثر یہ ہے کہ خواص قلب کا زندانِ مومکش کے دعا کو جب اٹھایا ہاتھ گھڑ گھر کر حساب آیا

خواص قلب کا یہ مرتبہ ہے کہ گناہوں سے بھی اُسے ضرر نہیں پہنچتا۔ شاعر ہمیشہ سے اسی مذہب کی تائید کرتے ہیں ۱۲
جواہر ریز ہے گرد و نطر لہجہ نر و باموں شفق سے شیشہ شبنم میں باقوت نداب آیا

یعنی شفق کا عکس شبنم میں اسی طرح ہے جیسے باقوت گداختہ۔ ۱۲
فلک نے یہ فلکے کائنات اس بزمِ ہستی کی عے عشرت کا یہ بیانہ حباب اندر حباب آیا

حباب کی ہستی کچھ اختیار نہیں رکھتی۔ اسی سے بیانہ و موم کی حالت ظاہر ہے کہ وہ بھی بے ثبات ہیں۔ ۱۲
نہ پوچھو دم نکلنے میں تھی کیا لذت شبِ غم کی اجل اس طرح سے آئی کہ میں سمجھا کہ خواب آیا

بعض لوگ اس طرح سے نہیں کہتے کہ اس میں سے کوڑا نکلتے ہیں۔ اس سے بچے اتفاق نہیں ہے۔ ۱۲
نہ جایا خانہ لے نظم ہم کہتے نہ تھے تجھ سے وہاں سے ہو کے سرشار و سیستِ مخراب آیا

شعوبِ حقیقت پر معمول نہ ہو تو یہی قرینہ ہے اس بات کا کہ اس میں اتھارہ ہے یعنی یہاں نہیں جانے سے لذات دنیا میں نہک
ہوئے لڑو ہے اور خراب ہوتا اتھارہ ہے۔ شے نتائج سے جو اٹھنا کہ لذات سے پیدا ہوئے ہیں ایک شاعری صفت کی زبان شاعری کے

لہجہ میں اس ضمن میں کو ادا کیا ہے۔

نظم طباطبائی

اگر آپ کی طبیعت اصول سے بلا کسی ضرورتِ نفسی اجزا کی کمینہ نش کی تیار کر وہ بتا کہ غور و فیہ کا بر توہم عقلی و محلی تاجرِ عطر لکھو سے طلب فرمائیے

فریب خیال

(افسانہ)

(انحضرت تیار فچہری)

(خاص ”مترق“ کے لئے)

ترقون کا حشر خیال کیا جاتا ہے، اس قدر بے نصیب واقع ہوا

یہ محراب اور رشید کی بیوی کی! سزا دھریہ
ملاحظہ ہو۔ میں نے تو چون کو بھی اس قدر بے خط نہیں
دیکھا، حرفوں کا جو رد کیے کس قدر سلسل ہے، جیسے کوئی
ہکلا رہا ہو، املاتو خیر کیا درست ہوگا جبکہ اُن کے باپ گلا
اسکا سلیقہ نہیں اور تھو کو تارہ، متعجب کو حشر،
لکھتا اور پونا انکا روزمرہ ہے۔

مجھے کس قدر شرم آتی ہے، جب کوئی دریافت کرتا
ہے کہ اچھی شادی کس خاندان میں ہوئی، نہ کوئی دنیاوی
جاہ و ثروت، نہ کوئی علمی شہرت، تقابلیت، نہ کوئی ذاتی
وجاہت و اہمیت، معمولی طبقے کے لوگ اور معمولی سا لوگ
کے درمیان نشوونما پائے ہوئے جانور کیا سمجھ سکتے ہیں
کہ میں کیا چیز ہوں اور تو کیا مجھے کس لحاظ سے دیکھتی ہے۔
والد مرحوم اپنی فراست و اتانی کے لحاظ سے
تواکلت ہی خائف تر رہ کر یوں نہ کھتے ہوں، لیکن قیدی
ہے کہ وہ بیٹھ شانس فطرت نہ تھے اور انہوں نے میری
شادی کے مسئلے میں اس قدر شبہ و اداسے کام لیا کہ
کا کوئی احساس و مانع اسکو برداشت نہیں کر سکتا۔
ہر چند جس وقت انہوں نے میری شادی کی انہیں

رشید، کبھی متا ملا نہ قدیموں کے ساتھ اور کبھی غصہ و بھڑکی کی تیز
زقار سے بڑھ کر کی چھت کی کوئی سورت پر پیش کر چکا ہوگا، لیکن اچھی
سمجھ میں نہ لایا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بد مزہ
اور غیر مطمئن زندگی کی تخیل کو برداشت کئے جائے۔
اُس نے اپنی مٹھی کھول کر ایک پرچہ کاغذ نکالا اور دیکھنے لگا،

دیکھا اور پھر تازہ برہمی کے ساتھ شلنے لگا۔
وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، اپنی حال کی
امیدوں کے تجویز میں مصروف تھا اور اپنے مستقبل پر بھی ایک سڑکائیز
جگا و ڈالسا جا رہا تھا، جسکی ایک گراؤڈ (Broke Ground)
اُسکو کیر فٹش ونگار نظر آتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر اس تھوڑے
کو دیکھا اور اُس کے خیال نے الفاظ کی و جذبات نے آواز کی صوت متبنا کر لی۔

میں، کہ اس وقت علمی دنیا کی ننانیں میرے ساتھ
وابستہ ہیں، میں ”کہ میرے قلم سے ہر لفظ معیار
ادب نکل سکتا ہے، اور ہاں ہی میں، کہ جسکے لکھا و مانع
اور زائید خیال کا ایک ایک نقشِ لطیف منتقل اور کر د
سمجھا جاتا ہے۔“

(وہ اپنے اس انداز بیان سے شاعر ہو کر غصہ ہی تن گیا)

کس قدر دردناک فیصلہ فطرت کا ہے کہ وہی میں اپنی
ازدواجی زندگی کے اعتبار سے، اُس شہدائیات کے
لحاظ سے جو آج ہندوئے نیا میں تمام ذہنی و دماغی

منہ علی محمد علی، تاجر عطر لکھنؤ کے کاغذ کا انتظام بینک میں منیجر کی زیر نگرانی ہے جو ۶۰ سال سے کام کر رہا ہے

یہ جتنا دماغ اور فکر کثرت اگر تھیں جن جس ہوتی تو میرے طرز
عمل کو دیکھ کر کرب کی فکر کے مائے مرچ کی ہوتی، لیکن ایسے
بے خبر قوتوں اور بے شرموں کو فکر ترود اور شام سے یکساں ملے
جانور ہیں جانور! کھائے ہیں، جی ہے ہیں۔

”میں جانتی ہوں کہ اب کو کچھ سے کبھی
محبت نہیں ہوتی اور یہ ہوتی ہے کیونکہ
میں جاہل ہوں، بیوقوف ہوں، او“

کسی طرح ان کی بڑی بننے سے قابل نہیں
ہوں، لیکن کچھ میری محبت تو کم
نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ تو میری اپنا
خدا کے لئے بھی کبھی تو اپنا حال لکھنا
کچھ۔ میری خاطر تین، سیدہ کی
خاطر سے، کر باز، بعض، دفا (دفعہ)
وہ آپ کو یاد کر کے رو دیتی ہے۔“

خدا جانے یہ ہمارے کیا سامرو پڑ گیا۔ مگر چلتے چلا تے
پھر بھی باز اور دفا کے دو چکر لگا ہی گئیں —
ہاں یہ سیدہ کی کا خیال ہے جو اس وقت تک مجھے ملے
ہئے ہے۔ ورنہ خدا جانتے ہیں کب کا آزاد ہو چکا ہوتا۔
غضب تو یہی ہے کہ کیا اہل اور جاہل مان کی محبت
نہیں مستقبل کو بھی تباہ کر چکی ہے اور میرے لئے اس میں
بھی حارسہ کہیں سکا رہتی ہوگی کہ سکون —

رشید کا غصہ دفا پھوڑا ہوا ہے اور اس تحریر کے پڑنے پر نے کر کے
منتشر کر دیتا ہے، مقولہ کی دیر تک پھر سنتا ہے، لیکن اس مرتبہ کے چہرے
سے ایک خاص قسم کی شہرت نکلتی ہے، رقابتیں بجائے مضطرب کیے گئے،
چہرے ہنسنے کے بجائے ایک نفوس کی جگہ لطف و دفا کے خطوط نمایاں ہو جاتے ہیں

طاہر علم تھا، اور ان کے ہاتھ میں صرف ایک بندہ چہارہ
کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن وہ یہ تو سمجھتے تھے کہ میری
دامنی رفتار اور میری فطری استعداد کیا ہے اور میں کیونکر
ایک جاہل خاندان میں پرورش پانے والی جاہل عورت
کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہوں؟ —

زرا طریق خطاب ملاحظہ ہو۔

”میرے سرناج“

شہنشاہِ اشد، وہی وقتا نویس، وہی پہلا پیدا کرنے والی
فرسودگی، ہزار مرتبہ سمجھا کر مجھے کسی ایسے مکروہ نقطہ سے
مخاطب نہ کیا کرو، بلکہ نہ کسی متبذ کے مطلب کی بات
شروع کر دیا کرو، لیکن وہ تو دماغ کی راہ میں قدرت کی طرف
پیچیدہ بنا دی گئی ہیں، سمجھ میں کیونکر آ سکتا ہے۔

”یہاں ہمہ وجہ (وجہ) خیریت“

اور آپ کی خیریت خود اوند (خداوند)

کریم سے نیک خاہان (خراہان)

اشد تجھ خیریت چاہنے والی کو دنیا سے اٹھائے، پھر
مجھے کو، کو دوبارہ یہ فقرے نظر سے دگر نہ لکھیں۔ اس
آواز تجھ پر میری خیریت چاہی جاتی ہے۔ نہ ہر نے کر
مزاج برسی کی جاتی ہے۔ بار بار کم خطہ بھیجا کرو۔
مجھے جب کوئی ضرورت ہوگی تو خود لکھ دیا کروں گا، لیکن
اظہار محبت کی کسیل بھلا میری جان لئے کیونکر ہو سکتی ہو۔
”عرسے (عرسے) سے اپنے اپنی خیریت“

پھر وہی خیریت؟ ضد ٹھہری نا۔ مسئول جاہل بہ تدبیر
”سے آلا (اطلاع) تین ہی، دل کو
ہست فکر ہے۔“

زردہ مبتلا کو پستی کا نہایت خوشبودار ورق والا اور بلا صدق والا اصغر علی محمد علی تاج محل لکھنؤ سے طلب فرمائیے

وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام کرسی پر بیٹھ کر پہلے لفظ کو دیکھتا ہے۔

”انگریزی کا خط اور ایسا خوبصورت، اور اس درجہ بے نقص صفت، لفظ کا رنگ تو دیکھئے، حرف و ق کی آخری حد ہے۔“

پھر لفظ کے اندر سے اُسی کے ہر تکرار ایک کاغذ نکالتا ہے، اور پڑھنے لگتا ہے۔

”... رشید“

اسکو کہتے ہیں ذوق کی لطافت، ادب کی نزاکت، معنی کا حُسن، اور صرف نقطہ نگاہ کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر چند تم ”تو“ میرے“ ہی لیکن میں تم کو ایسا لکھ نہیں سکتی، یہی ہے وہ شاعرانہ لمحہ، اور یہی ہیں وہ قیامت زرا د اُمین جنگو

”پرسش جو اور اپنے سخنی و مسیانین“

سے تعبیر کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔
”یہ میں کب تک لکھے جاؤں کہ زندہ ہوں۔“

بے غیرتی اور اُس پر یہ اصرار!

خدا کے لئے اس احساس کو میرے اندر

قوی نہ ہونے دیجئے۔ کیونکہ زندگی بے لگ

صرف بے حسی کا۔

کیا طرزاد ہے، کس قدر دلکش اہلوب بیان ہے، ثبوت

میں جان دینے کا مفہم نہایت پُرکمال ہے، لیکن

بیان اسکا کیسے نہیں لگایا، اور مدعا ہی ہے۔

”آپ سے بار بار عرض کیا کہ مجھے میرے

حال پر پھوپھو دیجئے لیکن آپ نہیں ملتے،

کسی داغدار ہستی کی دل پر سی، اگر

نکپا شمی نہیں تو خندہ منی کی مترادف

ضرور ہے۔“

بیجان، اشر، نکپا شمی سے احوال کر کے خندہ منی

کہنا جو شاعری کی زبان میں مین نکپا شمی ہے کس

قدر بلوغ انشا ہے۔ مترادف! ظالم کا سر فی علم ہی کم

نہیں، عام لوگوں کی طرح مراد میں لکھا، بلکہ مترادف

لکھا، جسکو خواص ہی کھ سکتے ہیں۔

”آپ تشبیل دریافت فرماتے ہیں!

اچھا تو مینے شب گزشتہ جو میری

اور سو گوارا توں کم تارکیت معنی، اس

تفصیل کے اجمال کو میں ان الفاظ

ظاہر کی جوں:۔

کیا ہو گیا نیم کہ پھر خوب نہیں

اکٹھج تو مین معنی ورم اتعاب شب

کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہیں؟

اگر یہ خواہش ہے تو اُس وقت کا تعلق

تکھے (جو غالباً دو مرتبہ ہے) جب

میرے بلوں پر ہمیشہ کے لئے ٹھہر سکت

ثبت ہو چکی ہوگی، کہ اس سکون کے لئے

ایسے ہی سکون مطلق کی ضرورت ہے،

دس میں میں ایک خیال اور نظم ہو گیا تھا

جسکا مفہم آپ نے میرے ہونے ہی نہیں ہے۔

و اماں صبح پر نظر آتا تو ہے مجھے

ہاں ایک کسٹریغے اثری طے شب

قوام بتا کہ خوشنودار ورق والا اور بلا ورق کا رخا نہ صغر علی محمد علی باجر عطر لکھنو سے منگائیے

پہلا شعر کس قیامت کا ہے اور کس حد تک کا رنگ لے چکا ہے۔
 ہے۔ دوسرا شعر بالکل روشن کا علم ہوتا ہے، آفتاب کو
 دامن صبح کا ایک شمع کہ درود ملک شہ کی بے اثری کے ترکہ
 ثابت کرنا کس قدر دشوار تھا یہاں ہے، معاشرت یہ ظاہر
 کرنا ہے کہ اگر شہر بھر کی صبح ہوئی تو بھی کیا، جبکہ ایک سور
 کا دل بھی داغدار ہوتا ہے، لیکن اس کو بیان کیا اس اترا
 کر لے کر دھاتیں خود کسی ہی بے اثر ہی ہوں، لیکن یہ
 ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت میں ان صبح پر ایک
 دھبہ چھوڑ گئی ہیں، پھر، سچے ساتھ صفت انتہا بے شوق
 کا اظہار جس جس کے ساتھ ہو گیا وہ ایک نکتہ لطف ہے۔

”خیر۔ یہ باتیں کہہ سکتے ہیں نہ
 مٹنے کی، وقت آجائے تو صرف ٹھیکے
 کی، چھوڑ دیں قصوں کو۔ اب
 یہ بتائیے کہ آپ کا اثر غفلت و نور
 کب تک مکمل ہو کر شائع ہو جائے گا۔
 آپ نے غور فرمایا کہ اس کے اقصا پر اب تک
 مجھے بیابان بنا دیا، ہر چیز یہ حقیقت ہے
 کہ آپ کے خیالات سے پورا لطف آتا ہے
 کی اہمیت، مجھ میں نہیں ہے، لیکن اپنی
 قابلیت کے لحاظ سے بھی جو کچھ میں اپنی
 قریبوں سے سمجھتی ہوں وہ بھی سر
 دھننے کے لئے کافی ہے۔ یہ نہیں
 سمجھ سکتی کہ ایک انسان کی کیا عظمت ہے
 ایسی تیز دست قدرت حاصل کر سکتا
 ہے، اور اس درجہ بلند خیالات کی پرت

مسلحہ متواتر کس طرح ہو سکتی ہے۔
 آپ نے شیطان کا ذکر نہیں کیا ہے میں
 فی حقیقت اس تصور انسانی کو پیدا کرنا
 چاہا ہے، جس کے وجود کا علم بھی ابھی
 تک لوگوں کو نہیں، حیرت کرتی ہوں
 کہ کتنے آدمی اس کے سمجھنے والے آپ کو
 بل سکیں گے، مگر آرٹ ان باتوں سے
 سہرنا ہے، صنعت کسی تعریف کی
 محتاج نہیں، گلاب کا پھول جنگل کی
 بھائیوں میں بھی وہی صنعت رنگت ہو
 ہے، خواہ کوئی نگاہ انسانی اس تک
 پہنچے یاد ہوئے۔ معاف نہ کیجئے
 میں نے بہت سچ خواہی کی۔ اب
 اجازت دیجئے کہ اس پر کچھ کہوں۔“

”نہیم“

نہیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر چھوڑ جاتا ہے
 حیرت ہے کہ کس فصاحت میں اس کی تربیت ہوئی ہے اور اس قدر
 بلند خیالات اس کے دماغ میں پیدا ہونے کا کیا سبب ہے پھر
 سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اسے غصے سے خط کتابت
 ہونے اور باوجود اس حقیقت کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی
 ہے، کچھ تک کہیں ایک لفظ بھی بے تکلفی یا بے احتیاری کا
 اس کے قلم سے نہیں نکلا۔

کتنی بار اس نے دینی زبان سے یہ بھی خواہش کی کہ میں
 کلمہ جا کر اس سے ملوں، لیکن اس کجبت کا روبرو سے محبت
 ہی نہیں ہوتی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں

گولی بنا کر ورق دار طوائف اور نقری جو کارخانہ صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ کی تیار کی ہوئی ہیں ایک بار دہا کرنا افسوس کچھ

محال ہے پہلی مہینہ ہونی بھی تو انکی اولین شرط ہی ہوگی کہ پہلی بیوی کو طلاق نہ دے۔
 — ممکن ہے ایسی صورت پیش آئے لیکن جیتاک پوری طرح اسکا
 یقین نہ پہلی ترین صورتوں پر غور کر کے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔
 — ”رشید، تم نے اب تک بتایا کہ کس خاتون کی بیوی ہے؟
 کیا عمر ہے، اور اسکی تعلیم کہاں اور کس حد تک ہوئی ہے۔“

— ”یہ مجھے خود نہیں معلوم، میں نے تو ”اکسچینج کلب“
 (Exchange Club)، میں ممبر بننے کے بعد ممبروں
 کی فہرست میں اس نام کو دیکھ لیا کہ کس خط پر بھیجا اور رفتہ رفتہ نوٹ
 یہاں تک پہنچ گئی لیکن اسکی تحریروں سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ
 اسکی تعلیم بہت بلند ہے، اور کسی معزز خاتون سے تعلق رکھتی ہے۔
 میں نے ایک مرتبہ“

رشید کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ ڈاکیر نے لاکر چند خطوط جنہیں
 سب سے پہلے رشید نے یہ کہتے ہوئے کہ:-
 ”بھئیے ایک اور خط ان کا آگیا“

ایک نٹے لفافہ کو چاک کیا جیسن تقریر تو نہایت مختصر تھی کہ:-
 ”میں میوزک کانفرنس میں شرکت
 کی غرض سے لکھنؤ آ رہی ہوں، صبح
 وقت تیار سے جہ کو ذریعہ تار اطلاع دے گی۔“
 لیکن اسی کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی جسکے نیچے لکھا ہوا تھا:-
 ”دعا کہ آپ مجھے پہچان لیں“
 ”نیم“

رشید دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا، اور پھر عباس کو خواہ لکھ کر کے خود
 سرکہ کر اس طرح بیٹھ گیا کہ جیسے کوئی بڑی سخت مصیبت نازل ہوئی ہو۔
 اس وقت تک رشید کی جو کچھ گرویدگی نسیم کے ساتھ تھی، اس کا
 بڑا سبب صرف یہ تھا کہ نسیم نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ادب کا صحیح ذوق رکھنے والی

کرتا ہوں کہ ببادا ملنے کے بعد وہ میری طرف سے ان
 خیالات و توقعات کو واپس لے لے جو اس وقت تک
 تحریروں کے ذریعے سے میں اس کے دل میں پیدا کر سکا ہوں
 لیکن آخر اسکا نتیجہ کیا ہوگا، اس ڈرامہ کا اختتام کیا
 ہو سکتا ہے، یا کیا ہونا چاہئے۔

اسکا خیال اس حد تک پہنچا تھا کہ سیاسی آگیا اور اس نے آتے ہی
 رشید کی صورت دیکھ کر سمجھ لیا کہ آج پھر حضرت پر عمر ان عشق طاری ہے۔
 ”کیون“ کیا اور کوئی سماجہ کر کے نصیب ہو گیا ہے؟
 — ”تم نے آج تک میرے مسئلہ پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا
 حالات زیادہ حرکت اختیار کرتے جاتے ہیں، اور میں جلد سے جلد اگر
 کوئی فیصلہ نہ کر دے گا تو ممکن ہے کچھ زیادہ خراب صورت پیدا ہو جائے۔“
 — ”آپ بہ عقل مند، میں میں دفعہ کچھ چکا کہ سچیدہ کہ ان کو طلاق دے
 اور کلکتہ جا کر نسیم کو بیاہ لاؤ، اس سے زیادہ دلچسپ کن فیصلہ تمہارے
 لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔“

— ”وہ تو میں سمجھتا ہوں کہ تم اس معاملہ میں کبھی متین نہیں ہو سکتے“
 ”اچھا یہ نظر نہیں تو نسیم سے خط و کتابت بند کرو، بیوی کو
 پاس بلا کر رکھو اور اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح شرفا بسر کیا کرتے
 ہیں۔ اور بان ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی
 ہو سکتی ہے، اور وہ یہ کہ نہ ایک کو باقاعدہ طلاق دو، نہ دوسری سے
 باضابطہ شادی کرو، لیکن اسکو مطمئن کر کے حکم میں لکھو، اور اسکو منکوحہ
 سمجھ کر ربط پیدا کرو۔“

— ”اور ایک چوتھی صورت اور بھی تو ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ
 صدیقیہ کو طلاق دے بغیر نسیم سے نکاح کر لوں۔“
 — ”نہیں“ یہ صورت ناقابل عمل ہے، کیونکہ اول تو مجھے اس میں
 کلام ہے۔ کہ نسیم تم سے شادی کرنا بھی چاہتی ہے یا نہیں، اور وہ اگر غرض

کا رخا نہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نو ایجاد قرص مبتلا کو سے خوردنی کی قیمت فی شیشی صرف ۸ علاوہ محصول ہے

تعلیم کے ساتھ انگریزی بھی حاصل کی اور پھر مطالعہ سے اُس نے اپنی قابلیت و معلومات میں کافی اضافہ کر لیا۔ لوگوں کا خیال ہے اور ایک صد تک غلط بھی نہیں کہ شروع سے ہی اسکا میلان طبع، انگریزیت کی طرف زیادہ تھا جبکہ ایک پتہ یہ ہو کہ رفتہ رفتہ اُسکے معاشرت و معیشت نے بالآخر انگریز اصول اختیار کر لئے اور یورپ کی ہر ادا کو وہ نگاہ استحسان سے دیکھنے لگا۔

اسکی شادی خاندان ہی میں شاید چچا کی لڑکی سے تبدیلہ عمر میں ہو گئی تھی اور چونکہ شادی کے بعد بھی عرصہ تک اسکے ذوق میں کوئی خاص انقلاب نہ ہوا تھا۔ اس لیے وہ بھی اس دن تک اس تعلق سے مطمئن تھا لیکن جبے رفتہ رفتہ انگریزی اثر نے اسکے دل و دماغ پر قابو حاصل کر لیا تو لنگو صدیقہ سے نفرت ہونے لگی۔ اور اسکے بعد جیسا کہ شاعر عی ادب نگاری اور تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں لگا کر اندر خاص شہرت حاصل کرنی، تو اُس نفرت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا، کیونکہ اگر پہلے اسکو صدیقہ سے اس لیے بیزاری تھی کہ مسکو جدید طرز سے خوشنما طور پر ساری باندھتے تھے، آتا، وہ اپنے بالوں کو مختلف انداز سے سنوارتا نہیں جانتی، وہ زمین و آرائش کے جدید اصول سے ناواقف ہے، اسکی رفتار و گفتار میں کوئی لوح نہیں ہے، پردہ کی شدت سے پابند ہے، تو اب اس میں اور ایک اضافہ اس الزام کا بھی ہو گیا تھا کہ وہ اسکے مضامین نہیں سمجھ سکتی، وہ اسکی ادبی شہرت کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتی، اور اسکے کلمے عجیبے شعرون میں سے کسی معمولی شعر تک بھی اسکے ذہن کی رسائی نہیں ہے۔ صدیقہ فطرتاً ذہین تھی اور اس میں کلام نہیں کہ اگر اسکو تعلیم و تربیت دی جاتی تو آسانی سے یہ عقیدہ اسکو سلجھنے و فہم کرنے کا بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ وہ حدود درجہ سرعت پسند تھا اور چاہتا تھا کہ ایک ہی دن میں اس کے اندر انقلاب پیدا ہو جائے، اس لیے ہمدرد و مہینہ تک یہ کوشش کرنے کے بعد وہ مایوس ہو گیا، اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اس بیکار مصروفِ دماغ اور کوفت سے کہیں یا چھاپے کہ صدیقہ کو اسکی حالت پر بھڑک دیا جائے

ثابت ہوئی تھی اور شاید ایک ہلکا سا تعلق اس فلسفہ سے بھی تھا کہ اب تک اُس نے اُسکو دیکھا نہ تھا، لیکن اب جو تصویر اُس نے دیکھی تو اس کی ذہن گرویدگی و فتنہ عیشت میں تبدیل ہو گئی اور پس و پیش کا وہ عالم کہ اُسکو کیا کرنا چاہیے وہ نہ رہ گیا اور صورت پر نگاہ ڈالتے ہی اُس نے فیصلہ کر لیا، کہ اگر کوئی حقیقی مدعا زندگی کا ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ نیم کو شریک زندگی بنایا جائے۔

ایک سرو قامت زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال کی لڑکی، کتابی چہرہ، ہنگال کی نشانی آنکھیں، مٹے مٹے بالوں کا جڑا، خود حال بہت ناخوش، زہنی بیک ساری میں نہایت خوش فہمی کے ساتھ لٹی ہوئی۔ یہ تھا مجموعہ تصویر کے سیاہ و سفید خطوط کے امتزاج و اختلاط کا، اور ہر چند عیشت مجموعی کوئی ایسی قدرت اُس میں پائی جاتی تھی جو صاحب تصویر کے غیر معمولی حسن کی شہادت میں پیش کی جا سکے لیکن ریشہ چونکہ پہلے ہی سے بڑی حد تک مغلوب ہو چکا تھا اور اب تصویر کے جابجا ہلکے سیالوں نے جن میں مشاق مصور نے زیادہ تر اپنی پینل کی مدد سے پیدا کیا تھا، اسکے صنعت پرندہ دماغ کو اور زیادہ متاثر کر دیا، اس لیے اُس اپنی پہلی نگاہ کا جائزہ بھی ختم کر دیا تھا کہ فوراً سرسبز ہو گیا اور دفعتاً اسکے دماغ میں اس قدر کثیر خیالات و جذبات کا ہجوم پیدا ہوا کہ اسکا سر چمکنے لگا، اور عقلمندی و بر کے لئے اُس نے ایسا محسوس کیا کہ وہ اس زمین و آسمان سے علیحدہ کسی اور جگہ پھینک دیا جائے جہاں انسان خوب و بیداری کے درمیان ایک شکر کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

ہر چند ریشہ تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا لیکن اپنی فطرت و ذہنیت کے اعتبار سے یقیناً وہ عام سطح انسانی سے کچھ بلند واقع ہوا تھا، وہ ایک شریف مگر معمولی خاندان کا شخص تھا جس میں تعلیم کا رواج زیادہ نہ تھا، لیکن چونکہ یہ قدرتی لحاظ سے ذہین دماغ لیکر پیدا ہوا تھا اس لیے اُس نے خود اپنی کوشش و کاوش سے عربی فارسی کی پھر لڑی

صخر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تیا کہ وہ ”بانو میرا دل“ استعمال کئے قیمت فی شیشی دو روپیہ و ایک روپیہ

کر لی، اور نسیم کی تہنرائی کے لئے طیاروں میں مصروف ہو گیا۔

(۲)

نسیم کو کلکتہ سے آئے ہوئے چار دن ہو چکے ہیں، اور شہ کا مکان کا شانہ آخس نہا ہوا جگہ گارہا ہے۔ میوزک کانفرنس کے جلسوں میں باقاعدہ صبح کی شرکت ہو رہی ہے اور نچلے دیگر حیرت انگیز باتوں کے یہ بنا کہ حقیقت بھی رشید پر ظاہر ہو گئی ہے کہ نسیم میں جہان و رصفاات تکمیل کی نمانیت کے پائے جاتے ہیں، وہیں ایک مسفت یہ بھی آہن موجود ہے کہ وہ نہ صرف علم موسیقی کی واقف ہے بلکہ شاعری نہایت اچھا بجاتی ہے۔ چونکہ رشید خود بھی دلدادگان موسیقی میں سے تھا۔ اس لئے اس علم نے اسکے جذبات کو نسیم کے حضور میں کیسے نیا پیش و عبودیت بنایا اور اسکی بھڑاریاں و دارنگھیاں اس حد سے گزریں کہ ان میں کوئی اور اضافہ ہو سکتا۔

جس حد تک سطح و خطوط، تناسب نقوش کا قلعی ہے، نسیم ایک معمولی عورت تھی، لیکن چونکہ عورت نام رنگ جلا کا نہیں، بلکہ اس فن دلربائی کا ہے جو اسکی سنائی خصصیات کو نہایت دلفریب رنگے نیکر پیش کرتا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ نسیم مکمل عورت تھی۔ وہ اسکے پاکیزہ معاشرت، وہ فن تزیین و آرائش میں اسکی غیر معمولی مہارت، وہ رفتار و گفتار میں اسکی صناعتانہ تکمیل وہ موقع و محل کے لحاظ سے اسکا صرف مہم و خندہ، وہ بیجانی کے ساتھ ساتھ خاص خاص اوقات میں اسکا سکوت افعال، وہ عفو و ان شباب کی تمام توانائیوں کے باوجود اس کا کسے سزا کرکٹ میں ناظر ہونا، وہ اسکا علم مجلس کے تمام رموز و نکات سے باخبر ہونا، وہ اسکا تہذیب و سائنات کے ساتھ علمی و ادبی صحبتوں میں ایک صاحب بصیرت انسان کی طرح حصہ لینا۔ تعلیم میں

چنا چنے ہی ہوا اور رفتہ رفتہ اس بیگانگی نے نفرت و بیزاری کی شدت میں صورت اختیار کر لی۔ مہنتوں ہو جاتے تھے کہ وہ مردانہ نشتر سے اٹھ کر گھر کے اندر نہیں جاتا تھا اور اگر کبھی وطن سے باہر چلا گیا تو ہمہ تنوں اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تصفیہ مرنے ہے یا جیتے ہے۔ چونکہ رشید کی ماں زندہ تھی اس لئے وہ اپنی ہوا اور پوتی کو نیبھالے ہتھے ان تمام باتوں کو چھپا لے ہوئے تھی، ورنہ رشید نے تو اپنے طرز عمل سے کوئی دقیقہ عادت کی رٹوں میں نہ اٹھا رکھا تھا۔

اسی طرح اس نے کئی سال اپنے وطن میں بسر کئے لیکن اتفاق سے کاروبار کی ضرورتوں نے اسے کسی دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ اب کو خیر باد کہہ کر اور اپنے خیال میں ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے لکھنؤ چلا آیا۔

رشید اس قدر معمولی شکل و صورت کا انسان تھا کہ زیادہ سے زیادہ اسے اس لحاظ سے بے عیب، کہہ سکتے تھے لیکن فطرت نے اس کی کو اس طرح پورا کیا کہ دماغ غیر معمولی دیدار و زبان و قلم میں خلص قوت عطا کر دی۔ یہی اصل ہار اس کی کامیابی کا تھا اور اس نے اسکی بہت سی خلاق و بڑے نمون پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

چونکہ اردو واجی زندگی کے لحاظ سے وہ عجیب تھا، اس لیے معمول اسکی بہت سی آرزوؤں کے حتمی تکمیل کے لیے وہ ہر وقت پھینک رہا کرتا تھا، ایک آرزو یہ بھی تھی کہ کوئی نہایت شایستہ و قلم یافتہ عورت اسکو ملے، لیکن اس وقت تک وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ اب نسیم کے ساتھ خط و کتابت کرنے اور اسکی تصویر دیکھنے کے بعد البتہ اس نے سمجھ لیا تھا کہ شاید تکمیل آرزو کی ساعت آگئی ہے اور اس لئے یہ معلوم کر کے کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہے، اس نے اپنی نئی زندگی کی ساری اسکیمیں تیار

باقی آئندہ

کارخانہ صنعتی محمد علی تاجو عطر لکھنؤ کی ایک شاخ ”چاندنی چوک دہلی“ اور ایک شاخ ”مگلزار حوض حیدر آباد دکن“ میں ہے

تصویر بہار

فروری ۱۹۳۶ء

(از جناب مولانا جہاں جبین صاحب عذلیہ شادانی لکھی۔ ۱۳۰۵ھ۔ اہل عشق کا اہل: انا میں جناب نواب صاحب دربارت دوجا میں)

گینا خس: ان کا دور جان گزرا بہار آگئی
 چمن کی روبرج رفتہ لو پھر ایک بار آگئی
 ہے عذلیہ خوش فوا چمن میں پھر عزت سرا
 روش روش پر پھر گلون کے پھیلنے لگی عیسا
 آگاہ ہے بہرہ اس قدر کہ ہے زردین زمین
 جدھر نظر اٹھائیے بچھا ہے فرشتے خلیں
 کچھ ایک بوستان کے صحن ہی پر پھرنیں
 زہے بہار! ذرہ ذرہ خاک کا ہے عین
 طیور مل کے گار ہے ہن گیت نو بہار کے
 ہوا وصال گل نصیب ان پھر سے ہزار کے
 نہ یہ پکارا کی نہ شور یہ چکورا کا
 قطعہ نہ یہ نواسے فاختہ نہ یہ تودو کی صدا
 رباب دارغنون وچنگ و بربط و ستاروں نے
 کین لگی ہے ضمیر ان کہیں کھل ہے چاندنی
 وہ چاندنی کہ جسکے آگے بہتاب گر دے
 بنفشہ و سمن کہیں گلاب و نارون کہیں
 کھلا ہے موگرا کہ یہ جناب ہن بلور کے
 یہ فقیہ ہن نور کے کو آسمان کے تارے ہن
 ہوا کا فیض کئے یا یہ فیض ہے ہمار کا
 ہر ایک جوئے بارے ہر ایک بشارت سے
 جو شاخ گل چک لگی ہر اک گل چٹک لگی
 ہوا سے بل کے برگ و شاخ کی ترانہ یر زبان
 وہ قمریوں کے ہمیں۔ وہ بلبلون کے چہچہے
 صبا کی چھیرے گلون کا ست ہو کے جھومنا
 غرض ہمار کی دامن مراد جس سے ہے چمن
 دنوں میں جو شہر نشا سے عجیب امتکاس
 گر یہ رونق چمن ہے چارون کی ہیراں
 کسی کو گزشتات ہے تو وہ خدا کی ذات ہے

صلہ حدن تبریک دال ارا قدا اور العہ ہمال کیا گیا ہے ۱۳۰۵ھ

اگر آپ کو عطر حنا دیکر ہے تو صرف مغربی محل علی ہاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

ذکر خبر

اردو اخبار و جرائد پر مختصر ضروری نوٹ

(مضامین پر مفصل تنقید و قفا قفا خاص طور سے کی جائیگی جس کا اس نوک کوئی تعلق نہیں ہے)

انجہارات

جہان

(۱) نظر لکھو:- یہاں جدیدہ سات سال سے جاری ہے۔ پہلے کلام ”ترجہی نظر“ تھا۔ اور اب صرف ”نظر“ کے نام سے ۷+۲۷ کی قسطیں: خاص آرتاب سے نکل رہی ہیں۔

ہائے کرم شوقِ جناب حاجی محمد مصطفیٰ خان صاحب مصطفیٰ مالک
کارخانہ صنعتی جھڑی باجر محلہ کھنڈہ کے نام نہایت سے کون ایسا ہے جو وقت
نہیں۔ آپ اردو کے خاص حامی۔ اسکی ترقی کے دل سے خواہاں اور اردو
ادب سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

آپ کو اردو نظم و نثر سے خاص فہم و ذوق ہو اور گو آپ اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے خود بہت کم (نظم و نثر) لکھتے ہیں لیکن پھر بھی جب کتے اور بوجھ لکھتے ہیں اسکا لطف وہی بیان کر سکتے ہیں جکی نظروں سے یہ چیزیں گزر رہی ہیں۔

آپ کو ہمہ رستہ مدد و جہد اور اعطایا ہے۔ مذاق بھی نظری طور پر محدود فیاد عشق کا بارگاہ سے صاف و تہہ دار پایا ہے۔ جو آپ کے شوق و آسائش و حضرت سیف شاد بھاجا پوری کے رنگ خاص کا عکس کر رہا ہے۔ اس جہت آپ کے کلام میں دیگر شاعر و ادیب لطافتوں کے ساتھ اس رنگ کی جھلک نظر آنے لگی ہے۔ یہ سادگی آپ کے حسنِ خلق کا نمود، اور آپ کی گونا گونا گویا و کوششوں کا نتیجہ ہے۔

”ترجمی نظر“ بھی اردو کے لئے کچھ نہ کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ جابجیاں ”تالیف“ خصوصیت کے ساتھ اردو ادب کی شاہراہوں میں گزرتی نظر آ رہی ہیں، مگر ابھی اس کی ترقی کا آغاز ہے۔ لیکن ہمارے کرم حاجی صاحب روح کی توقع اور اسکے زیرِ نواہی جنساں پیرزادہ سید فدا حسن صاحبان نے (علیگ) کی سماعی حیلہ اور اسکے اکیڈمی ریفنصوحی مسٹر مناج خان املائے علیگ، ملو اتھو اتھو اور جابجیاں جن لوگوں کی کوششوں سے کچھ ترقی کی امیدوں کو کھلی چھپائی اور فنکارانہ عقوبت کے ساتھ اس کی سالانہ ترقیت میں حصہ لیا۔

(۱) اور وہ بیچ لکھنؤ دہشتی سچا حسین مرحوم کے عذاب ہائے خاص کفر کا حکیم کو بتاتا حسین صاحب کی اور حسین ہفتہ وار اشعار ہوتا ہے۔ لطافت ظرافت کے ساتھ سچا حسین صاحب کی علمی و ادبی تحقیقات چھپ چھپا کر حسین نئی روح چھوکتی ہے جو خصوصیت کے ساتھ علمی طبقے کے واسطے اسی طرح دلچسپ ہے جس طرح لطافت و ظرافت کا رنگ پسند کرنے والے حلقے کے لئے۔ انکے مذاق کے مضامین کاغذ، کھانا، پھپھانی کی خبریں ان ہی حسین موجود ہیں اسکی سالانہ قیمت صرف ششماہی سے، اور سہ ماہی بج رہے ہیں۔

(۲) نیز عظیم را دیکھا دینہ قدیم منہتہ دارا جبار ہے جسٹانجی عمر کے پچاس سال
نئے لطف و خوبی اور شہرت ناموسی سے خجھر کر کے کیا دوزین سال بین قدم بہ
ہے اس نے نہ معلوم کتنے دہانے کے ٹیٹب فراز دیکھے کتنی نکلی گزشتوں سے
اس نے مقابل کیا ہمیشہ مسلمانوں کا بھوکہ اور دیکھی ترقی و فلاح اور بیوی کا
خواہاں باہا اور مات دھرمی دستمحلان امین نے وہاںسی طاقتیں ہیں جن پر
باد حوادث کا اثر ہو نا قریب قریب محال ہوتا ہے مضامین کے اعتبار سے
بھی قابل تعریف ہے جو روح اس نے شروع میں اختیار کی اسی طرح کچھ غلط
ہے اسکی کیا سببی کا لاز باعث اور نہ یہ خیال ہیں اس علی صاحب کی اور
ہے اور یہ جبار کی ہی کہ لکھتے ہیں اور آپ ہر طرح قابل مبارکباد ہیں اسکی عالم آباد
قوت اللہ شہ شامی پچا اور رہا ہی ہے۔

(۳) ذوالقرنین میں ایلون، جغایطی، بلایوں کی یا خاص نعمت و اجر پر جسکی اڑھیر کی کفر و غوغا کو داسے نہایت غلبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔
 کہی ذاتی توجہ۔ ذاتی قابلیت و ضمنی تعظام کی وجہ سے ذوالقرنین قابل تعریف
 اجار ہے۔ اسکی علم و اقدامت صبر۔ اور رعایتی طور پر۔ (باقی آئندہ)

عطر حنا جو صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

روح سخن

جناب شی مترا علی صاحب کہ ارشد لادہ حضرت امیر نیانیؒ

جناب از جعفر علی صاحب انصاری لکھنوی بی نالے طبری کلکٹر

تسے دے قابل یہ تو نہیں ہے مجھے بھی کوئی اور تو نہیں ہے
 نہ اُن کا پل پُرخ سے میں خوشی من شرب وصل ہوتی سحر تو نہیں ہے
 وہ نہیں جس کے کچھ غیر سے کہہ سہ ہین یہ میری دعا کا اثر تو نہیں ہے
 رما د بھلا قدر کیا جانے اسکی مرا شکرت سرت گہر تو نہیں ہے
 کے دل میں بیشک ہن را ناں کے کسی کا مجھے اسہن در تو نہیں ہے
 یہ کیا شام سے لاج جلا ہے کیسا کہیں ساتھ انکے سحر تو نہیں ہے
 میں جنت میں چاروں طرف کھینا ہوں دہان بھی ہُن ہُن بشر تو نہیں ہے
 یہ کیوں غیر کھین چڑا رہا ہے مجھ سے نکا ہون میں انکی نظر تو نہیں ہے
 وہ ہنس نہیں کے کہتے ہیں دن آہ تم تو
 حفظ نام کے ہوا اثر تو نہیں ہے

نرگس مست خواب آلودہ لب لعلین شراب آلودہ
 دوش پر زلف غبرن بھری اور گریبان گلاب آلودہ
 پھول ڈوبا ہو گلاب میں تھا اُفت وہ چہرہ حجاب آلودہ
 جھاڑ کھاتا دیکھئے قسمت تھی جبین بوج و تاب آلودہ
 یاد ہے یاد ہے اشراب تک
 وہ نگاہ عتاب آلودہ

جناب فرخ بنارسی (ازاناؤ)

پابند ہوئے میں ہم نفس کے سب کھیل بگولے ہنس کے
 شبنم کی طرح همان میں اپنا پایا د سُرُخ رات نس کے
 ریا د ہوئی تو چین آ یا پوئے ہئے حوصلے ہوس کے
 ایسی تو بسے میری توبہ رہ جاتا ہے دل ترس کے
 بڑھ جاتی ہے رونق گلستان کھل جاتا ہے ارجب برس کے
 پُرساں نہیں قافلے میں کوئی نالے سننے ہین سب جرس کے
 میں چارہ گری سے باز آیا یہ دگن ہین میسے بس کے
 چھوٹے بھی تو یوں سیر چھوٹے صدقے ہوتے ہے نفس کے
 افسانہ درو دل نہ پو چھو قصے ہین یہ کیوں برس کے
 ہم وہ نہیں ملے طلسم ہستی رہ جائیں جو دکشی میں نہیں کے
 فرخ راز و نیاز کامل
 قہقہے میں ہین جنبش تنس کے

جناب شفیق صدیقی اڈیر دیلا حصر جو پتہ لینا حضرت مترا ہانی

دہن بھی باجہ مجھے اچھلے عشق گوئی ہوئی محنتی زم الزم میں اے عشق
 کہتا ہے کون ذکر محبت کو بے اثر میری بان سے کوئی نئے جلوئے عشق
 لے بخودی بنا کہین ہوں کہ مقام میں کوئی مجھے فطرت میں آنا سولے عشق
 اسکا پتہ کسی سے نہ معلوم ہو سکا کیا اہلئے عشق ہو کیا اہلئے عشق
 وجہ وجود ہر اک فی وجود کی ایسی کو کوئی چیز نہیں ہو سولے عشق
 لکھا ہے آفرینش عالم کے باب میں دنیا بے عشق ہو عقیقی برائے عشق
 کبھی کبھی چاہے کسی دن سے سہ سہ
 ڈوبے شفیق کو نہ لگی ہو ہولے عشق

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خاکا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

تفسارات ادبی و شعری

(از جناب ”آئیم“ خلف حضرت دہم خیر آبادی)

(۱) لکھتے ہم پر فدا ہے ہم فدا کے لکھتے
 اس صریح کے قافیہ فدا کے کی طرح اور قوافی میں آئے، جانے
 کھائے وغیرہ کے ساتھ ”برائے“ (یعنی واسطے) سولے (یعنی بجز) کو
 ہم قافیہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کتابت میں بیابندی لفظ قافیہ
 لینے معمول لکھی جانے یا بجز اضافی، بحالت عدم جواز مصل توجہ کی ضرورت ہے
 اور بصورت جواز اساتذہ کے کلام سے شالین، دھکا دین (بجز حضرت ناسخ)
 (۲) لفظ سہ (یعنی تین) میں ہائے محقق ہے یا مظلوم۔ اس کے
 ہم قافیہ لفظ ۵ (یعنی گاون، برہ) یعنی بزرگ و سرور (م) ہوں یا نہیں؟
 اگر ہوں تو شال تحریر فرمائیے۔

”معلیٰ سہ حرفت دہر سہ تہی“

اس مصرع میں دوسرے قابل دریافت یعنی اسکا لفظ بالکسر شائع حرکت
 صحیح ہے یا باظهار ہائے ہنزہ۔ اگر باظهار یعنی ہے تو یہ لفظ ”سے“ یا ”ہے“
 وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کی کوئی مثال ملے تو عنایت فرمائیے
 (۳) ”ہوئی“ یا ”ہوئے“ کا اطلاق اس سے صحیح ہے
 یا دوسرے؟ ان میں دوسرے کے عدد لینا چاہئے یا ایک کے۔ او
 اسکی مثال بھی عنایت ہو۔ جو گون ”ہوئی“ یا ”ہوئے“ کو فعل کے وزن پر
 سمجھتے ہوئے ایک سے سمجھتے ہیں اسکی وجہ معلوم ہونا چاہئے کیونکہ لٹے
 دیئے گئے وغیرہ بفتح کے وزن پر ہیں اور برابر امین دوسرے کے
 عدد لے جاتے ہیں امین وزن کا لٹکھن نہیں کیا جاتا؟

(۴) ”قدم“ کی جمع عربی میں ”اقدام“ آئی ہے۔ لیکن لفظ
 قرینک اصغیر نے ”قدم“ کے معنی لکھے ہوئے اسطرح تحریر فرمایا ہے۔
 قدم - (عربی) اہم ذکر (۱) قدم کی جمع (۲) کسی جگہ سے آنا۔

تشریف لانا، سفر سے واپس آنا۔ یہ جمع عربی کے اعتبار سے غلط و اقدام صحیح ہے
 لیکن ساتھ فدا کے نے دیگر اوزان کے موافق خیال کر کے اپنے کلام میں باندھا یا
 ہے۔ ان لغتچین مصل ضرور ہے۔ جبکہ معنی فیروز و دم نہیں لکھے گئے۔
 (نوٹ) بختیں کے خود بخود سے راقم کا مرہ ہے)

اگر کسی کو اساتذہ فدا میں سے کسی کی مثال عبارت مرقومہ بالا کے
 سائیدی معنی میں یا دہو، یا تلاش سے مل سکے تحریر فرمائیں۔

(۵) ”عریان“ ہضم جسکے معنی نشت میں برہنہ کے لکھے ہیں
 اور علاوہ تیغ و صبح کے صفات میں متعل ہوتا ہے جس طرح شعلہ کی مثال
 میں نیز اصاب کا یہ شعر ہے۔

از صاب نگاہ شعلہ عریان عشق پڑھ چون پند کہے بر سر شرفی ایشاق
 اور تیغ کی مثال میں نیز اصاب کا یہ دوسرا شعر ہے

صبح میں ہے وہ شعلہ تار گرو نہ گرد بیٹے خون می کیا از تیغ کہ عریان می شود
 نیز صبح کی مثال میں نیز ابدال کا یہ شعر ہے

صبح غیش تبس باغ سینہ عریان می شود خون زخم میچو رنگ از گل نیاں می شود
 اب دریافت طلب امر کی برہنہ کے معنی کے علاوہ عریان کن کن کن منون

میں متعل ہے اسکی مثال رحمت ہو؟
 اور علاوہ شعلہ۔ تیغ۔ صبح کے اور کن کن صفات میں متعل ہے

ہر ایک کی مثال دیکھا ہے؟

آج کل ”عریان“ اور عریانانہ بصورت جمع ظاہر و عریان کے معنی
 میں متعل ہوا ہے۔ ان منون میں اسکا استعمال کمان تک صحیح ہے

در صورت جواز شال کی ضرورت ہے۔

باقی آئندہ

تمام بہران فن نے مصرع علی محمد علی تاجر لکھتے کے صحت کو بہترین صحت مانا ہے

اصلی کوک شاستر یا بہار عیش

المعروف لذت النساء بالشمع ۶۲ آئین سن والا

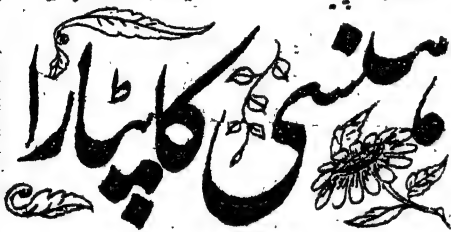
یہ وہ کوک شاستر ہے جو آج کل ہر ایک کتب خانہ میں ملتی ہے بلکہ یہ دیکھ کر ہر ایک صاحب کے خاص احساس پر امن کے پرانی کوک شاستر کا لفظ بلفظ ترجمہ جس کو ایک عام لوگوں کو تو کیا پڑے بڑے روستا کو بھی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی آئین دہ تمام باتیں درج ہیں جن کے جاننے کے لئے آپ سیکڑوں روپیہ برباد کر چکے ہیں اور پھر بھی مطلب حاصل نہیں ہوا یہ کتاب ہمارے دوسری جگہ ہرگز نہیں مل سکتی اس کتاب میں صد ہافید اور مٹھوس مطلب کی باتیں درج ہیں عورت مرد کے متعلق ہزار ہائیں سیدہ رازا در خاص حالتوں کی عورت و مرد کی انھی برہنہ تصویریں ہم بہترین آئین کا مفصل بیان ملتی ہے مذہبی اور علمی اصول درج بھی ہیں۔ بعد میں فرمائیت نہ کریں خفیہ دھڑا دھڑا بک رہی ہیں آج نہ گا کر حسرت پوری کیجئے ورنہ ممکن ہے کہ پھر اسکی ایک جلد بھی پائی نہ دے اور سوا آفوس کے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ خبر وارد کیجئے غفلت میں نہ رہیگا قیمت فی جلد دو روپیہ محصول ۴۴ علاوہ۔

ملک علی محمد مینجر جنرل بک سپلائی کمپنی لکھنؤ۔

دیوان جان صاحب چھپکا

چھپکا سس کعبہ دوبارہ زیارت کیجئے

لکھنؤ کے مشہور پختہ گوشتا سر میر یار علی صاحب جان مرحوم کا یہ انارکھتر دیوان جان صاحب چھپکا اگر آپ کو لکھنؤ کی نیکی اور کھسالی زبان نادر و اجمل شاہ کے زانہ کی معاشرت کا فوٹو دیکھنا ہو تو اسے نہ کر پڑے اور لطف اٹھائیے ادبی دنیا میں اس میدان کی سخت ضرورت ہے قیمت ایک روپیہ کلیات جان صاحب قیمت ۴۴



یعنی ہنسنے ہنسنے کا زبردست ٹھیکہ دار

اقلم خان کا پیش تاملار منشی دل لگی کا قافہ مرالار پڑھنے والوں کو بات بات میں لٹون کچھ نہ بنا دینے والا جیسے چوٹ پٹے غامضین تمام کھایا پیا ہنم کرینگے صرف ایک کارڈو سر گھٹئے تاکہ جلد سے جلد افریقا سے بیشتر مافوق الارض کی کمالات کی دم کاٹ دے بینک اگر اس کتاب کو بارہ سال کی چاٹ کھا جائے تو بیجا ہو گا اداں سے آفریک دیکھ جائے ایک فقوی کیا لایا گیا جو کہ سوچ سمجھتی نہ آدے ہوں مجھے کہ یہ کتاب ایک بزم عشرت کی قیمت صرف ۴۴ روپے بلات ۴۴ لطف بیل کن حسینوں کا مذاق نہ کرنا شاعرانہ بزم خیال ۴۴ پتہ مینجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

مشہور عالم دوا خانہ معدن الادویہ کے چند تیر بہد فوجیات ذیر سرستی اجناس بیح الملک سید فضل علی صاحب عرف میر خضاب قندہ

معجون مغز خشک کن مدلل دودغ اور اعصاب کو قوت
دیتی ہے باہ کو بے انتہا کوشش تھی ہے اعصاب کے کسی کمزوری
کو دور کرتی ہے جس کو کئی شہرت بہت ہو چکی ہے اور اس قدر
دارج کے موافق ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد تو
ابراہیم طلب کرتے ہیں یہ معجون دوا خانہ معدن الادویہ میں بنی ہے
قدیم سے ہی ملتی ہے پہلے ایسی چیزیں ہزاروں روپیہ صرف
رہے پر دوسرا کو حاصل ہو سکتی تھیں مگر اب اس دوا خانہ کی بدولت
ہر شخص ناؤ اٹھائے کما حقہ حاصل ہے قیمت اس قدر کم ہو چکی ہے کہ ہر
حب کی مانند قیمت رقت و سرعت کو دور کرتی ہے
باہ کو قوت اور تندرستی خرابی کو دور کرتی ہیں۔ جریاں کے دوا
اگرچہ اور خوبی ہے کہ بے انتہا ملک بین چالیس دن کے
استعمال سے کامل برداشت قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ناؤ
اسی سے ظاہر ہے کہ دوا خانہ باوجود کثرت سے تیار کرنے کے
کمزوری نہیں سے عام ہوتا ہے قیمت میں خود رکھ
ماوالہ انوری دوا کشمیر۔ دل دودغ و مگراد تمام
اعصاب کا ریمہ کو قوت دیتا ہے۔ مغز قلب ہے اہم
مقام ہے جہاں دوشخت اور قنار کے لئے مفید ہے
تھوڑی دوا ہے۔ تمام ملک کی گئی ہوئی قوت کو از سر نو پیدا کرتا
ہم میں خون دور کرنے لگتا ہے۔ قیمت فی بوتل دودغ (علا)

طلائے مسیحی۔ یہ دوا طلبہ جو ایک مدت سے
دوا خانہ معدن الادویہ میں تیار ہو رہا ہے جسے استعمال کر
برسوں کے مصیبت زدہ اور زندگی سے مایوس ہو جانے والے
حضرت کو لطف زندگی حاصل ہو گیا اس کے استعمال کے
دو تین روز کے بعد ہی سے ناٹن شدہ قوت عود کرنا
شروع ہوتی ہے اگر باقاعدہ اپنے افعال سے توبہ کر
اس کا استعمال کیا جائے تو پہلی قوت پیدا ہو جاتی ہے
ضعف اعصاب کا بہترین علاج ہے ناپوس اور
بھار دون کی امید کو پورا کرتا ہے۔

قیمت فی بوتل ۲ ماشہ
منعش۔ یہ ایک خالص دوا ہے جو
جناب بیح الملک کا عقیدہ ہے۔ حرارت غریزی
کے ابھارنے اور قوت مردمی کے برائے مفید کرتے
میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اعصاب کو طاقت بخشتی ہے
جسریاں کو دور کرتی ہے۔ اس کا پیدا
کرتی ہے اور اس قدر طاقت بخشتی ہے کہ
فراغت کے بعد بھی تھکان نہیں محسوس ہوتی
بجز شرط ہے۔

قیمت میں خود رکھ

اشتہار سید عباس میجر دوا خانہ معدن الادویہ کے کئی اور نسخے لکھتے

میکافون
سارکون



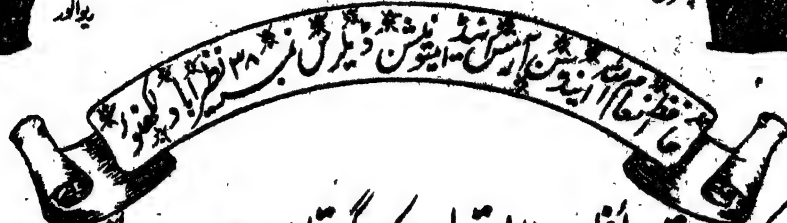
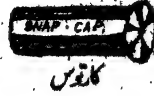
میکافون نمبر ۳۱

گراموفون کمپنی کے مینٹ لکھنؤ میں

سلطان کمپنی نمبر ۴۱ چالیس لکھنؤ آباد پارک میں ہیں
جوہر قسم کے

گراموفون نئے نئے گانوں کا عمدہ اسٹاک رکھتے ہیں

ایک مرتبہ ضرور تشریف لاکر یا فہرست لگا کر فرار فرمائیں



چہرہ کی بند و قین رفل ریوالور پستول اسٹنگ گن تلوارین چھپرے اور بزم و غیرہ نیز
 کارٹوسن جھوٹا بارو اور کلبہ سامان شکار تمام کارخانوں کے ارزان اور مناسبت قیمت پر مقبوضہ
 کارخانہ دستیاب ہوا ہے تمام راجہ راجہ تعلقداران رؤسا اور دیگر لائسنس یافتہ حضرات
 پچاس سال سے برابر اس کارخانہ کی امداد اور قدر دانی فرماتے رہے ہیں۔
 آرڈر کے ساتھ کم از کم چار م قیمت آنے پر بقیہ مال بذریعہ دی۔ پی۔ روانہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ حضرات
 جو مستثنیٰ ہیں انکو نمبر اور تاریخ نو فیفٹیشن جس کے ذریعے سے گورنمنٹ مستثنیٰ کیا ہے فرائش کے ساتھ اپنے
 دستخط کر کے بھیجا کریں۔ لائسنس دار صاحبان کو فرائش کے ساتھ اپنا لائسنس بھیجا ضروری ہے جو انکو بعد
 مدلل ضروری واپس کر دیا جائیگا۔ ایک مرتبہ ضرور آزمائش فرمائیے۔

مفت فصل فہرست مفت

مینجر محمد یاسین صاحب انعام ایس ایس ایموشن فیرس ۳۸ لاکھ روپے کا عطیہ



"His Masters Voice."

دار پستنی

ایکینٹ کمپنی لمیٹڈ
دی گراموفون کمپنی لمیٹڈ
منسٹر این آبا پارک لکھنؤ

اشتر محمد صادق مینجر رسالہ انتخاب "مزنگ۔ لاہور"

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

نورجیان
بی بی شمشادہ نور الدین جہانگیر محمدی بن
بلوچی زبانت نند کرال دود پشپراج
مولفہ سر سید احمد علی - ڈاکٹر گرونی
علی محمد بن "علی طومر"
نوشتہ فی جامعہ حصول تعلیم کراچی
گام کوئی ایک نسخہ

دار السلطنت پنجاب لاہور سے پابندی وقت کے ساتھ
ماہواری شایع ہوتا ہے۔ جو کہ
ادبی و فنیوں اور ریگنیوں کا خوشن۔
حیرت انگیز علمی مضامین حالات اور واقعات کا آئینہ
اور گلہبا کے کا قیمتی خزانہ ہو کثیر الاشاعت
میں واحد ہو جو لانی ۹۲ء سے بولنگھموں ادب کا ہندوستان
کر رہا ہے۔ بکھائی چھپائی ملک و قیوم کی خدمت
سالانہ ۲۰ صفحات پیش کرتا ہے۔ نفیس
سالانہ قیمت محض ایک قسم اول تین روپے نیم دو روپے
بریل پاک۔ چار روپے تین روپے
مینجر رسالہ و نکش لاہور

بحری قزاق

مولفہ جناب مرزا باقر حسن صاحب موزوں بی ایس سی۔

اسیر یعقوب کا اپنے گم شدہ لڑکے کی تلاش

ایسا ہی کہ حسن عثمانی
سیرم شاہ کی مکارانہ چالیں ہر شام یا غلیل الرحمن کی خوفناک کیتیاں سلیم شاہ کی عبرت ناک غلیل الرحمن کا خستہ انجام وغیرہ
بالکل نیا اور نہایت ہی دلچسپ اور غرضانی کا نتیجہ خیز حسن

بہرام کی رہائی

مولفہ مشہور فسانہ نگار مرزا سوا صاحبی۔ ۱۔ ڈاکٹر آف فلاسفی اینڈ ڈی ایڈ اس۔

جس میں بہرام کی رہائی کے حیرت انگیز واقعات اور اس کے عجیب و غریب کارنامے عیاں ہوں قابل کی پراسرار زندگی اور
خوفناک جرائم کا ارتکاب بہرام اور مہاراجہ کی پوشیدہ ملاقاتیں اور سنی شیر خونی رازوں کا برطف انکشاف نہایت
ہی موثر دلکش و دلگداز انداز سے بیان ہوئے ہیں ستر غرضانی کے تمام ناواقفین اسے رنگ و بھنگ کا دلدادہ بہترین فضا
ہے کا غد نہایت نفیس چکنا لکھائی چھپائی دیدہ زیب ٹائٹل بیج پر نہایت خوبصورت نوٹو کارنگین ہلاکت
قیمت ہر

کروڑ پتی چور

جس میں عجیب و غریب واقعات شاطر چور کے فریق کرتوت قابل جاسوس کی حیرت افزا کارگزاران بیگناہ
کی اسیری اور رہائی عجیب انگیز نظارے قتل و غارت کے عبرت ناک سین مختصر و موثر الفاظ میں
دکھائے گئے ہیں خوش مذاہک۔ قیمت فی جلد چھ

مینجر جنٹلمین بک ڈپو امین آباد لکھنؤ۔

داراب کی گرفتاری

مولفہ مولانا حسرت رضا مولوی فاضل لکھنوی

ہندوستان کے مشہور ڈاکو داراب کے پیش کارنامے دوسرے ڈاکوؤں سے مقابلے پولیس کی قابل قدر کوششیں داراب کا اپنی جالاکوئوں سے بچنا ایک پسری ریاست کے ولیم سے ساز دوسری ریاست کے حیرت انگیز راز۔ داراب کا عشق اور اپنے ہمراہی ڈاکو کے فریب سے گرفتار ہونا مصنف کا نزدیک قابل داد ہے سر غلامانی اور فوجی چالین۔ رندم دبرم حسن و عشق تمام خوبیوں سے آراستہ ہے اول صفحہ پر رنگین ہلاک ہے۔ قیمت صرف بارہ آنہ (۱۲/۱)

ممتاز بیگم (کل)

مبئی میں مشرعب القادر باؤلہ کا اہولناک قتل

امریکی کی شاہد رضا ممتاز بیگم کے عشقیہ حالات۔ دلگداز واقعات حیرت انگیز عشق کے خوبصورت مناظر مشرعب باؤلہ کا افسوسناک ویراں منزل سوز۔ درو محبت تجاںس مہتل عبرت آموز قتل کی عجیب و غریب سازش۔ حیرت انگیز کشافات۔ تمام واقعات بہت محنت و خوبی سے مرتب ہوئے ہیں مع خوشنابلاک۔ قیمت فی جلد بارہ آنہ (۱۲/۱)

خونناک دلیتی

مولفہ مصوود جذبات فداعلی خنجر۔ لکھنوی

جسین مشرعب حسن سیاح انگلستان و امریکہ کے حیرت انگیز کارنامے جاسوسی کے ساتھ ساتھ بیگم کے بدعنوانیوں کی محیر العقول چال بازیان آنریبل مرارجی نان جی کے خلعت رشید مشرعب جی اور مشرعب جی کے افسوسناک مصیبتیں۔ نشاطیہ سر اغر سائون کی جاسوسیان نہایت سلاست و خوبی کے بیان چھٹی ہین۔ پاکٹ سائز۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب مع خوشنابلاک۔ قیمت فی جلد چھٹر

مینجر جٹلین پاک ڈپو امین آباو لکھنؤ۔

ڈاکٹر وحید حسین۔ ایچ۔ ایل۔ ایم۔ ایس مشہور موسیقار دندان و عینک ساز نمبر ۳۰۴۔ امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ

نہایت نفیس اعلیٰ درجہ کے عطر اور خوشبودار روغن ملنے کا پتہ
 کارخانہ عطر ممتاز حسین مولوی گنج لکھنؤ

امتیاز

محکمہ جنوائی ڈولر لکھنؤ (جسے دنیا جانتی ہے) کے مشہور طبی حامدان کے چند انتہائی آزمودہ عجبات میں صداقت لازماً کے یہ معلوم ہوئی
 اگر ضرورت ہو تو ایک بار ضرور استعمال کر کے دیگر اشتہاری دواؤں کے مقابلہ میں جو کچھ کون سچا ہے۔

مقوی ایک میخون ہے جو اعصاب دماغ کو طاقت پہنچاتی ہے مقوی دل و دماغ ہے اسٹیم طعام ہے وہ اندرونی شکستہ خیزین
 آجکل مبتلا ہیں بالکل دور ہو جاتی ہے۔ تمام گئی ہوئی قوتیں آجاتی ہیں ایسے مریضوں کے لئے یہ نسخہ بخش ہے (۲۱) دن کے لئے ۴۔

طلبہ لائٹانی اسے ضرور لاجواب طلبہ اسکے استعمال کر نیسے معلوم ہو گا کہ کیا چیز ہے۔ وہ تمام بیرونی شکستہ خیزین
 جیسے زندگی بیکار ہو گئی ہے رفع ہو جاتی ہیں۔ وہ طاقت جگے جائیگا انوس تھا پھر پنی بھار دکھاتی ہے۔ اسکا حیرت نفاذہ اسکے
 استعمال سے معلوم ہو گا۔ (۲۱) دن کیلئے ۴۔

نوٹ۔ یہ چھ ترکیب استعمال ہمارا دوا ہو گا۔ یہ ہر دوسریات ایک ساتھ استعمال ہونگے۔ حصول ڈاک ذمہ میاں نہرت
 محجرات دوا خانہ سے مفت طلب کیجئے۔

دوا ہنگامہ کا پتہ میجر دوا خانہ منبع الادویہ نظیر آباد۔ لکھنؤ۔

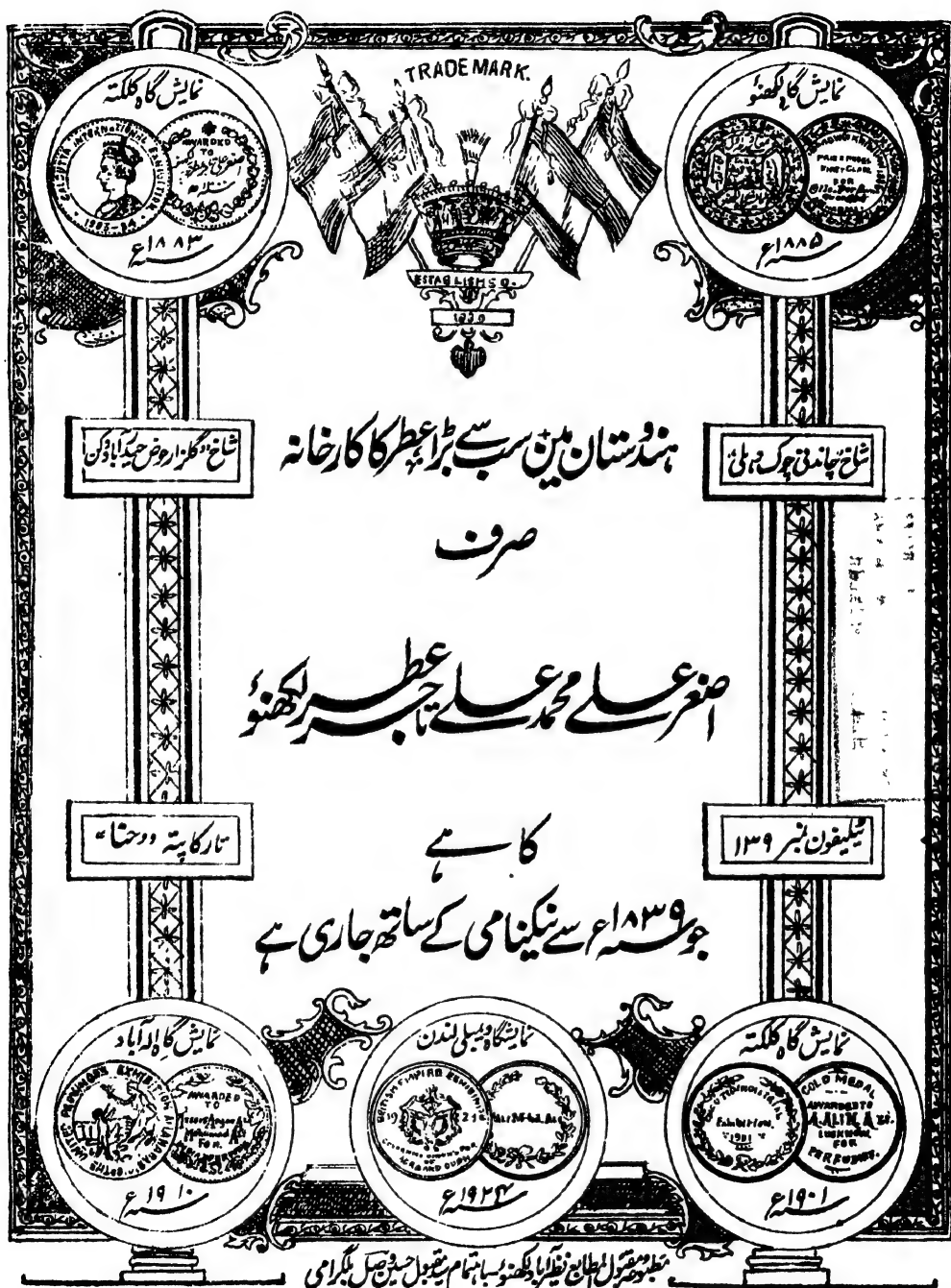
یو اسیس۔ ہمارے خونی دوا سیر کی عجب دوا ہے اسکے استعمال سے سترہ دور ہو جاتی ہیں۔ اور مریض ملدوا ملدوست ہو جاتا ہوتا
 فی شیشی ملاوہ محمولہ ڈاک میجر لکھنؤ براورس نمبر ۲۲ ماڈل ہاؤس لکھنؤ۔

بِکَرَامَتِ کَبَائِیَةِ نَظِیرِ آدَمِ

ہر صنعت، مولف اور قلم کار کی مطبوعہ کتابیں سرمایہ آسانی پر روانہ کی جاتی ہیں
مختصر فہرست بلگرامی کتابچہ نئی نظیر آباد لکھنؤ

[illegible]

دکتر اقبال : ۱/ کتابہ ۲/ جواب شکوہ ۳/ نالذخیم ۴/ اکبری اقبال ۵/ بلال ۶/ شیعہ و شاعر ۷/ فریاد است ۸/ کمال ترانہ ۹/ بانگ درا (جلد ۱) ۱۰/ اسرار حوی وغیرہ ۱۱/ پیام مشرق ۱۲/ تصویر درد ۱۳/ خضر راہ ۱۴/ طلوع اسلام ۱۵/ بانگ درا (جلد ۲)



تنبؤ مقبول الطابع نظیراً لکھنؤ سبھا تمام مقبول حسین صلی اللہ علیہ وسلم

تا تو بیدار شوی ناله کشیدم، ورنہ
عشق کارے است کہ بآہ و فغان نیز کنند
(عطیہ علامہ سراقبال)

موقع

دَارُ الْأَدَبِ لکھنؤ کا مقبول جہانِ عزیزِ حُرید
۱۳۵۱ھ

مرتبہ
شید مقبول حسین قسطل بلگرامی

”مرقع“ کے قواعد و ضوابط

- (۱) مرقع ہر گریزی مینے کی ۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ شائع ہوگا۔
- (۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ محصول ڈاک مقرر ہے، چونگی وصول ہونا چاہئے۔
- (۳) مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوئے روانہ نہیں ہو سکتا۔
- (۴) مرقع کی قیمت رُوسا، ودیگر محرز اصحاب و اُس کے بیویوں انکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔
- (۵) جواب طلب مور کے لئے جوابی کارڈ ایکٹ کا آنا لازمی ہوگا۔
- (۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا نمونہ لکھنا ضروری ہوگا۔
- (۷) رسالہ نہ پونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے۔
- (۸) کوئی مضمون ایسا شائع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔
- (۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضمون نظم و سحر و جادو جو خوبوں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ نہایت خوشگوار ہوں گے۔
- (۱۰) مرقع کو موجودہ پالیٹکس مذہبی مباحثے کوئی سرکار نہ ہوگا۔
- (۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہوں گے، مگر وہ جہنم خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بچ کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
- (۱۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی لگنی ہو یا اُس میں ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو کر شائع نہ ہوں گے۔
- (۱۳) جس نظم و شعر کے مضمون میں زبان، لغت یا فن کی غلطیاں ہوں گی اسوقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسبتیں اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دیں۔
- (۱۴) مرقع کا سلسلہ صلح کل ہے، وہ انشاء اللہ کبھی وِیل نہ رہے یا تعصب نہ ثابت ہوگا۔
- (۱۵) مرقع کو ذاتیات کے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جہاد ہوں یا اہل اخباراتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ سین اہل قلم رہے گا۔

”مدیر مرقع لکھنؤ“

مرقع میں اشتہارات بھیجتے وقت ذیل کا رخصنامہ ملاحظہ فرمایا جائے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۱۰	۲۰	۳۰	ہائسل بیچ کے صفحہ ۲۰ و ۳۰ کی قیمت کا رخ اسکے علاوہ ہے
چھ ماہ کے لئے	۵	۱۰	۱۵	جن خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ قیمت کا پیشگی آنا ضروری ہے
تین ماہ کے لئے	۳	۶	۹	مینجر مرقع لکھنؤ
ایک ماہ کے لئے	۲	۴	۶	

ڈاکٹر سرور حسین - ایچ - ایل - ایم - ایس - مشہور ہو میو پیچہ دزمان و عینک ساز نمبر ۳ و ۴ - مین الدولہ پارک - لکھنؤ

یہ حیرتم بہ کہ بتندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

اپریل ۱۹۲۶ء

- (۱) صبحِ عید (نظم) جناب یاسطایدونی ۲

(۲) مرقعِ عید (نظم) جناب سید محمد انابوری ۲

(۳) تانے پھول (شفقِ شاد) جناب سیدی کاکوری ۲

(۴) نواسے اقبال (نظم) جناب لکڑہارے محمد اقبال ۳

(۵) ٹالٹالے کی لنگری پر ایک نظر جناب مولوی عبدالحی محمد صدیقی جی۔ لے۔ علیگ ۴

(۶) رباعیاتِ دان جناب یار محمد مہر لعل جھسا ڈوان۔ ایم۔ اے۔ یال۔ یل۔ بی۔ ۵

(۷) لندن کے ایک خط کا اقتباس جناب عزیز الدین (لندن) ۶

(۸) روحِ سخن (غزلیات) جناب مولوی سید امین الحق صاحبِ ضوی تہل مولانی سید سرفراز صاحبِ آشر لکھنوی

(۹) سیمو و بیتِ عید (نظم) جناب مولوی عبدالمصاحب عید ۷

(۱۰) موسیقی جناب مجنون گورکھپوری ۸

(۱۱) افکارِ جناب مجنون غزل جناب مجنون گورکھپوری ۸

(۱۲) غزل از جناب فرخ نیازی ۸

(۱۳) دریائے نیل سان اندھ جناب عزیز لکھنوی ۹

(۱۴) مرقع (نوٹ) از جناب ڈیوٹوٹ ڈریائے نیل کا شیخ منقول از دلگداز ۱۷

(۱۵) تصویرِ حقیقت (غزل) جناب شاکر حسین قرباش لکھنوی ۲۰

(۱۶) ٹالٹالے اور انقلاب جناب علی منصور صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۱

(۱۷) قطعاتِ تاریخی ٹالے وفاتِ جناب پنڈت بیج نرائین حکیمیت لکھنوی۔ (از جناب لدان بگلوی از جناب عشر لکھنوی ۲۲

(۱۸) جلیسِ جہنی جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی ۲۵

(۱۸) نمبرِ عشرت (غزل) جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی ۲۲

(۱۸) فریبِ خیال (خانی) جناب نیاز فتح پوری۔ اوڈیٹر ۳۳

دنگارہ جموں

عطر حاجو صفر علی محمد علی تاجر عطر الکھنڈ کے کارخانہ کا بنا براہی اُسکا نسخہ ہی مختلف ہے

صبح عید

از جناب سید ابوالفتح
 دامن گل سے کم نہیں دامن صبح عید
 یہ شان صبح عید یہ سامان صبح عید
 گویا ہوا پر ہے گلستان صبح عید
 سوجان سے جو دل افراں صبح عید
 اُسکا ظہور شام تھا اعلانی صبح عید
 سرخو بخود چمکا طرب کے واسطے
 دیکھیں ہونے لگے پشیمان صبح عید
 سارِ شعاع سر میں سطینِ تابلیں کی
 جاری ہوا یہ دہریں فرمان صبح عید
 بخشش خدا کی کج ہے ہر ذرہ ابر
 پیش نظر تھا شام سے سلمان صبح عید
 کیا دلفریب کی ہیں نگینِ دایمان
 قصرِ نمان سے کم نہیں دامن صبح عید
 ترویں دزد عید کی باسط سنی بہت
 یہ شان صبح عید یہ سامان صبح عید
 سوجان سے جو دل افراں صبح عید
 دانش کے سر پہ ہوا احسان صبح عید
 سرخیِ شمع کی صاف عنوان صبح عید
 مگر نعمتوں سے ہوا غور صبح عید
 پھولوں سے جو بھلا ہوا دلان صبح عید
 ایک غزلِ شانے تھا جان صبح عید

غزل

پہان شکن کو یاد نہ پہان صبح عید
 پہان صبح عید ہر عنوان صبح عید
 وہ تل کرے ہیں مجھے آج راس لے
 رنگین ہونے کو ان صبح عید
 چہرے با کا رخ تابان صبح عید
 سازِ شہ صال پر نامان صبح عید
 باسط وہ رشک گلِ عشرتِ مست
 سنتا ہے کون تیری غزل خوان صبح عید

مرقع عید

از جناب محمد متنا احمد صاحب سہل (دانا پوری) سلمہ فیوض علی گڑھ
 تیجِ حسرت کھوکھلے دل میں رہ گئی
 کچھ غلش ہی ہو کے دل میں رہ گئی
 عید کے دن یاد گلِ احباب کی
 عشقِ غم ہو کے دل میں رہ گئی
 ایک حسرت کے دل میں رہ گئی
 انتہا سے یاس لے بلِ یقی
 حسرتِ بیتی کے دل میں رہ گئی

سانے پھول

از جناب جی کاکوروی سکریٹری بزمِ شرا اورنگ آباد - دکن
 برقِ تڑپے کی ٹہسے جا لگی
 دل نہ ٹھہرا ہے اور نہ ٹھہر گیا
 زیت کا ہے فروہتیں تاکِ حب
 بے تکیاں بھی پھر لگین وقتِ نزع
 وقتِ پڑنے کی یہ ساری بات ہے
 درد کے یہ سارے غور ہو گئے
 مصروف تھا گیا جب کو شش وین
 تصور نے قری تصور کھینچی
 اور کوئی اب ستم بجا و کر

تمام ماہِ رانِ فن نے صغرِ علی محمد علی تاجرِ عطر گند کے عطر خانہ کو بہترین عطر مانا ہے

جلد

اپریل ۱۹۲۶ء

نمبر



بکس روئے تیرنگے فح انسان بہت ۱۹۲۶ء حسن و عشق مضع مرقع جان بہت

نولے اقبال

از شحات علامہ سر محمد اقبال اقبال - ام - اے پی - پاج ٹوی

من شکوہ خسروی اور رادہم
تحت کسری زیر پے او نہم
او حدیث دل بری خواہد ز من
آب رنگ شاعری خواہد ز من

کم نظر، بیتابی جام نہ دید
آشکارم دید و پنہام نہ دید

اسکے پاس سے جو دل شکستہ ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ دل
شکستہ ہے! وہاں سے جہان حرامن محبت کی چٹانیں ہیں
اور نظاہرین نظرین انھیں شاداب وادیاں سمجھتی ہیں! !

مجلس اقبال جومنا
عبد اللہ مکرانی (اردو)
عبد الباقی عیوبی
محمد یونس عیوبی

صوفی حضرت علی محمد علی مابرجع طرک کتب کا بنایا ہوا عطر خانا ایسا ہے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

ٹالسٹائے کی زندگی پر ایک نظر



روس کا زبردست مصنف حکمرانوں سے ابھی ایسا کچھ
 بہت زیادہ زائد نہیں ہوا۔ ایک عالمگیر شہرت و عزت رکھنے والا شخص تھا
 لوگوں کے دلوں میں جو اس کی وقعت تھی وہ اس کے غیر معمولی خلوص کی وجہ سے
 تھی۔ وہ کما کر تھا کہ دنیا میں وہ طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ
 جگہ نگار اور تباد کہ خیالات کے کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور دوسرے
 وہ جو اس قابل نہیں ہوتے۔ جسے گفتگو اور تباد کہ خیالات کرنے میں
 نفعات آتا ہے وہ آزاد خیال لوگ ہیں۔ آزاد خیال لوگوں سے اس کی
 مراد ملازمہ شخصوں سے نہیں ہے بلکہ وہ لوگ ہیں کہ جو عقیدہ اور کورن
 پیروی سے آزاد ہو کر زندگی کے ہر پہلو پر وسیع اور گہری نظر رکھتے ہیں
 ایک جگہ وہ خود لکھتا ہے کہ ایک شخص خواہ وہ عابد و فاضل یا مذہب
 اور ملحد۔ انگریز یا روسی۔ دوئل مند ہو یا مفلس یا اور جو بھی کچھ ہو
 وہ ایک آزاد خیال شخص ہو سکتا ہے لیکن اگر اُس کے ذہن پر اس کی اپنی
 قومیت، شخصیت یا حیثیت کا احساس غالب ہو اور وہ صرف ہدایت
 سچائی اور حقیقت کو دوسرے ذرائع سے قبول کر سکتا ہے جس سے اُس کے
 عقائد پر اثر نہیں پڑتا تو اس شخص کے لیے جو سچائی کو دنیا کی تمام باتوں پر
 ترجیح دیتا ہے۔ ایسے شخص کے ساتھ تباد کہ خیالات کرنا ناممکن نہیں ہے
 کیونکہ ایسی گفتگو سے کوئی نفع مستعد نہیں ہو سکتا۔

اور طباع شخص کے پیش نظر ہو سکتا ہے باقی نہ بچا تھا جس کو ٹالسٹائے
 نے اپنا نہ کر لیا ہو جس کے مختلف پہلوؤں پر اس نے غائر نظر ڈالی ہو اور جس کی
 حقیقت کے متعلق اُس نے اپنی آزاد رائے کے سامنے پیش نہ کی ہو۔
 نیز اس لحاظ کے کہ آیا اس کی رائے خود اس کے لیے باعث تسکین ہوگی یا نہیں
 یا اس کے اور اس کے کارناموں اور روش زندگی کے لیے موجب تحقیر۔

یہ ایک خاص بات ہے کہ اُس نے علم ادب کے متعدد
 اور مختلف اصناف پر نظر اٹھایا اور ہر شعبہ میں اپنی قابلیت و معلومات
 کے ایسے ایسے جوہر نمایاں کیے ہیں کہ ہر شعبہ ادب بذات خود اس کے علی حیدر
 و قدرت بیان کی ایک تین دلیل ہے۔ ناول۔ افسانے۔ ڈرامے۔ خطوط۔
 تبصرے۔ تذکرے۔ اخلاقی و تاریخی مضامین اس کے ادبی کارناموں کی نمایاں
 مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری زبانوں کی تصانیف سے اس نے اپنی
 روسی زبان میں بہت سے ترجمے بھی کیے ہیں اور دیگر ممالک کے بزرگوں
 کا قول زمین کا ایک بیش قیمت ذخیرہ بھی کیا ہے۔ ان باتوں سے اس کے
 ادبی شغف اور انما کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اس کی تصانیف زیادہ تر
 اس کے ذاتی تجربات اور معلومات پر مشتمل ہیں۔ جس فطری اور لازمی طریقہ
 سے اس کے دماغ کی نشو و نما ہوئی تھی وہ بجائے خود ایک حیرت انگیز اور
 ایک صفت ادیب کے دوسری صفت کی طرف رجوع ہونے میں وہ اپنے مشاہد
 و تجربات کو جس حُسن و خوبی کے ساتھ کام میں لاتا تھا وہ ہر شخص کے
 اختیار میں نہیں ہے۔ اس کے ابتدائی مضامین مثلاً کریمین دہر کے متعلق
 جس میں اُس نے خود حیدر کیا تھا چھوٹی مچھوٹی کریمین دہر کے نام سے لکھی ہیں
 گویا وہ ان بڑے بڑے ناولوں کے پیش خیمہ تھے جو اس نے اپنی شادی کے
 بعد جبکہ اس کو زیادہ فراغت و بیگاری تھی لکھے اس طرح اس کی دوسری

ٹالسٹائے کے اس خیال سے اس کا طبع نظر معلوم ہوتا
 ہے جس پر کما سے اپنی تمام زندگی بسر کی۔ لیکن ہر اس کا دماغ اس کے
 اپنے چند ذاتی خیالات و عقائد پر اس کی عمر کے آخر زمان میں راسخ ہو گیا
 لیکن تقریباً ساٹھ سال تک وہ مختلف مسائل پر یکے بعد دیگرے متواتر
 اپنے ذہنیات کو متعل کر لیا۔ یہاں تک کہ کوئی اہم بحث جو کسی ذہین و

صنعتی و محنتی تاجر عطر لکھو کا بنایا ہوا عطر حاضر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

تصانیف بھی جن جو اس نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر لکھی ہیں۔

۱۸۱۷ء میں شادی ہونے سے قبل اس نے اپنی جائیداد کے وہ قانون کے لوگوں کی تعلیم کے لئے اپنے تحت میں ایک سر قائم کیا اور اس میں بڑی دلچسپی اور انماک کے ساتھ اپنے اوقات صرف کر لیا۔ لوگوں کو مختلف مضامین پر خود سہن دیتا تھا اور ان کے ساتھ ان کے کھیل کود میں ہمیشہ شریک ہوا کرتا تھا۔ اس نے اپنے اس زمانہ کے تجربات پر بعد میں ایک زبردست کتاب درس و تدریس کے متعلق لکھی۔ تیس سال کے بعد سلسلہ ۱۷ میں اس نے دو سال تک متواتر وسطا روس کے قحط زدہ و مہانوں کی اعانت کے لئے بے انتہا اخلاص اور سرگرمی کے ساتھ کام کیا۔ اس کے متعلق جو کچھ اسے تجربات ہوئے وہ اس نے ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیے ہیں۔ لیکن چونکہ اس کی تصنیف گورنمنٹ روس کی پالیسی کے منافی تھی اسلئے اس کو اس کے سبب سے اپنی آزادی کی قربانی ادا کرنی پڑی۔ امور سیاسی میں اس کے اثرات یہاں تک تھے کہ اس کی تصانیف نے سلطنت زار کی بنیادوں کو ہلادیا۔ اور صرف اسی کی تنہا ہستی تھی جس کو زار روس کو اس کے افعال حرکت پر بر لا برا لکھنے میں زرا بھی باک نہ تھا۔

ٹالسٹے کا قلب ان برائوں سے بہت زیادہ متاثر تھا جو دولت و ثروت یا انتہائی عسرت و افلاس کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ٹالسٹے خود اپنی جائیداد و دولت سے بیزار تھا۔ وہ کسی قسم کی طرح ان بھگڑوں سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس خیال سے نہیں کہ اس کو الگ کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچائے بلکہ خود اپنے ضمیر کو باعافیت مطمئن کرنے کے

لئے اس کی عمر کے آخری تیس سال علاقائی دنیاوی سے دست بردار ہونے کی کوشش میں صرف ہوئے جس کے واقعات بذات خود ایک عجیب افسانہ ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی بیوی سے آخر انھیں معاملات کے متعلق آپس میں ناجاتی ہو گئی۔

آخر کا جب اس کی عمر تقریباً بیاسی سال کی تھی اس نے اپنے آپ کو تمام وابستگیوں سے آزاد کر کے اپنے محبوب وطن کو ترک کر دیا اور ایک نا آشنا مقام پر اجنبی ہمساویں کے ساتھ بہت ادنیٰ اور معمولی زندگی بسر کرنے لگا۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس شخص نے اپنی تمام زندگی میں کسی کا دل نہ دکھایا تھا اس کو اپنی آخری عمر میں اپنے اہل خانہ جس کے لئے موجب تکلیف و درد سہی ہونا پڑا۔

اسٹاپوڈ کا ایک چھوٹا سا گناہ امیشن جو ابا دون سے دور ایک جنگل میں واقع تھا۔ جہاں خلافت بنا ہوا تھا۔ آدمیوں کے مجرم کی وہ کثرت تھی کہ رہنے کے لئے کہیں جگہ نہ ملتی تھی۔ دنیا بھر کے تبارہتی پیغام رسانی میں مصروف تھے تاکہ اس زبردست مصنف کا حامل فرمایا کریں جو ایک غیر معمولی اہل میں بستر مرگ پر جان بحق تسلیم ہوا تھا۔ اخبارات کے ذریعہ اس صفحات اس کے متعلق کثرت سے شائع ہو رہے تھے۔ اور خطوں کے وصول ہونے کی کوئی انتہاء نہ تھی۔

یقیناً اس سے قبل کبھی ایک عزت گزین کے بستر مرگ نے استقر عالمگیر شہرت حاصل نہیں کی۔

محمد عبدالحی صدیقی۔ بی۔ اے۔ (حلیگ)

رباعیات وان

انجیبا یو بکت میں مل صاحب وان ام لے۔ ایل لیل فی کول انادو

لکھتے ہیں جو دوست مل افیت میری بدست کریں نہ وہ حمایت میری غم کی عظمت کسی کو معلوم نہیں
کیوں ہوئے شریک لطف علم کو نہیں بخشیں تیرے لئے صحبت میری سب محو خیال میں دنیا میں وان اپنی قدرت کسی کو معلوم نہیں

علاوہ عطا خان کے جو قسم کے صند، عطاریات، صغیر، عالم، مجرب، عالم، جرجط لکھتے ہیں طلب فرماو

موسیقی

ذیل کی چند سطریں جو ہنسی کے مشہور شاعر و نقاد ہنرش بائٹنہ کے افسانوں سے ماخوذ ہیں جاسنے راسنی اور وہ مشہور دو ممتاز ماہرین موسیقی کا سوازد کرتے ہوئے پھر ظلم کیا تھا۔ پھر تنہا لکھا اپنی نعت اور نگینے کے لحاظ سے ایک نیا صلیبیت رکھتا ہو۔

”موسیقی کیا ہے؟ اس سوال نے سونے سے پیش رویت گھٹلون میرے دماغ کو مصروف رکھا۔ موسیقی کا وجود ہی حیرت انگیز و دلکش ہو سکتا ہوں کہ مجھ سے۔ اس کی جلا گلا گھٹلون اور شاہد کے درمیان ہے صبح (یا شام) کے دھندلکے کے نامزد لوح اور دادہ کے بیچ میں جو چوڑا ہے موسیقی لوح ہے لیکن ایسی لوح جو ماحول مافی کی تخلیق ہو۔ وہ مادہ ہے لیکن ایسا مادہ جو قیود مکانی سے آزاد ہو۔

ہم کو مطلق علم نہیں کہ موسیقی ہے کیا؟ البتہ اتنا جانتے ہیں کہ کش موسیقی کیلئے اس سے بہتر قیادت نہیں کہ کر یہ موسیقی کسے کہتے ہیں کہ قیادہ ہمارے قانون کو اکثر ساتھ تو خزانہ کرے ہوتا ہے اس فن کی تقدیر کسی اصولی ترکیب پر نہیں بلکہ محض تجربہ پر مبنی ہے اس لئے فنون کی تعلیم

افکار جناب مجنون گورکھپوری

حق کی یقینین ہر حق کے اعجاز سے
کیا کہا ہاں مجنوں کا نامی انداز سے
آشنا کا آتش سے محروم ساز سے
اخضر دل کی تجلی بقا و حق آغاز سے
جھک میں بھی احتساب شریعت و سنت
بھوکے روتا دھو لہرے آغاز سے

غزل انجناب منیر خاں

ترا وصال جو ہوتا تو میں کہاں ہوتا
یہ قطرہ بحر سے ملتا تو بے نشان ہوتا
ادل میں جشت لگا کر امتحان ہوتا
تو پھر زمین فطرت کی نہ آسمان ہوتا
کبھی نہ شکوہ بسدا و آسمان ہوتا
جو امتحان کے طریقے سے امتحان ہوتا
میں ضبط عشق بھی کرتا تو ریا گان ہوتا
کہ انشوں سے مراد ازل و عیان ہوتا
فریغ سخن تیار کرو نہ غلط رہتا
ہزار پرے بن بھی تو اگر نہ ساق ہوتا
بنائے دلے کو جب تھا بگاڑنا غفلت
تو پھر دیکھ نہ دیتا تو کیا زبان ہوتا
ہر ایک میں سبک بستان ہوتا
جن جن عشق اٹھاتا جو پردہ و حشر
ذکوئی زار ہی ہوتا زار و دان ہوتا
تسے مجاہدے رسوائے کھیا ورد
ہماری خاک کا ہر ذرہ آسمان ہوتا
بہار دیکھ کے اندیشہ خزان ہوتا
جو باہمال محبت کی راہ میں ہوتے
وہ لازم جو چھپانے بھی پھی عیان ہوتا
اب پناہ حال بھی ہم سے نہیں ملن ہوتا
اُسے چھپانے کے لیے نہایت ضرورت

صغریٰ محمد علی تاجو عطر لکھنؤ کے کاخانہ کا عطر خاں محمد پڑا ہو گا اس قدر اسکی خوشبودی پرا اور خوشگوار ہو گی

دریائے نیل

(از سان اہند جنابہ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز کھنوی)

سے ہر دوت نے کہا ہے کہ یہ دریا دریائے نیل کا ہے اسکے بعد کف دریا
بہا کی پشت پر جمع ہونا شروع ہوا اور برابر سوب و تراکم ہوتا تھا یہاں تک
کہ وہ ابی قیر کی چوٹی سے لگا کر ٹھہر گیا۔

وسط افریقہ سے جو تیز زمین آتی ہیں وہ کھن دریا کو
مشرق کی طرف ڈالتی ہیں جس سے ایک ٹھکی ہوئی کمان بجاتی ہے
جو شام میں جبل کا دیوس تک پہنچتی ہے۔ اور اسی سخت و خوفناک
موج کی وجہ سے مصر کی آبادی دریائی طرف نہیں بڑھتی کیونکہ یہ موج
بحر ابیس میں لگتی ہے اور ساحل کو غیر آباد کرتی ہے جس طرح ہوتے
اسکے بعد یہ حج شدہ کھن دریا کو کھنا شروع ہوا اور
نقدور اتھورا بلین ہوا جس سے زمینیں پیدا ہو گئیں۔

علماء طبقات الارض نے اس ٹولیا بننے کی مدت
۴۷ ہزار برس تجزیہ کی ہے۔ ماسیر و کتا ہے کہ یہ مبالغہ ہے اسلئے کہ پہلے
زمانہ میں کھن دریا کی چال بہ نسبت اس زمانہ کے تیز تھی۔

نیل یونانی لفظ ہے اصل میں نیلوس تھا مجب نہیں
اسما نیل کر یونانہ دن نے یہ لفظ چین سے لیا ہوا یا انابل
سے جو یونانی لفظ ہے مصری سے تھے اہل مصر میں اسکا نام باعتبار
قدس جیسی ہے اور دائرہ پرستش سے ٹکرا اسکے موقع (دریا یا کو
(بڑی نہر) کہتے ہیں اسکے ٹکٹک بہاؤ کی بنا پر اعتبار فضول تقریباً
بیس نام ہیں۔

نیل کی شاخیں اصل شاخیں نیل کی تین ہیں:- (۱) فرع کاؤبی
ابی قروانی شاخ جو مغرب کی طرف بہک کر بحر
متوسط میں قریب ابی قیر کے گرتی ہے۔ (۲) قوس کے مغربی انتہا کر

دریائے نیل کا ساحل پہلے بحر شور سے ملوث تھا اور جہاں
اب بہتا ہے پہلے اسکی جگہ نہ تھی اسکا دھارا دریائے شور میں گرتا تھا۔
رفتہ رفتہ اسنے اپنے امواج کی قوت اور روانی کی طاقت سے ایک
راستہ نکالا لیکن یہ قوت طاقت ایک جانب محدود نہ تھی اسلئے
اسکا مجری بدلتا رہتا تھا موجود کی روانی جس طرف اسکو لجاتی تھی
اُس طرف راستہ بن جاتا تھا مشرق میں اسکا مجری جبال عرب کی وادی
اور مغرب میں جبال یو بیا کی وادی تھی۔ دریائے نیل کا طول جبل مقطم
سے جبل جنیفہ تک تھا راستہ میں موٹیرین بست پڑتی تھیں یہی راستہ
نیل کو بحر احمر سے ایشیا اور افریقہ کے درمیان میں ملا تھا۔ جبل جنیفہ
کے درمیان میں ایک بہت بڑا جزیرہ بھی تھا۔

جبل یو بیا سے ۳۰ درجہ کے فاصلہ پر سفید پتھر پائے
جاتے ہیں جنکا سلسلہ جبل ابی قیر کی چوٹی تک چلا گیا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ساحل نیل پہلے کھاری پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اور
اُس وقت مصر کی زمین دلدل کی شکل میں تھی۔ اسکے بعد نیل نے اپنا سانچا
کھن اس خلیج میں پھینکنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بحر گہرا اسکی موجیں
یورپ کے کنارہ پر لگتی تھیں تاہم ایک اس خلیج میں راستہ بنا شروع
کیا اور برابر جاری رہا رفتہ رفتہ ان ریت کے ٹیلوں سے ٹکرا لیا جنکے
نشانات نہایت ہمیشہ تھے بقدر کنارے کی مٹی کا ہونا تھا اسکے بعد
ان ریت کے ٹیلوں پر ڈالتا تھا اور وہ مٹی چمجاتی تھی عمل عرصہ تک
جاری رہا اور ایک نہ دوسری تہ پڑتی رہی تاہم ایک دیکھنا گیا آئی

لہذا پہلا حصہ جو جب دریائے سندھ سے ملتا ہوا ایک بڑا ٹکڑا ہوا تھی جو اُس کے
ساتھ بہک لاتی تھی جو دریائے چوچالی جہاں دریائے سندھ بہتا ہے اس کی خلیج
زمین کو ڈھلے گئے ہیں۔

صخرہ علی محمد علی تاج عطر کھن کا ایجا و کروہ عطر حنا ہے جسکا استعمال برہمن میں ہو گا اور ہے

اپریل ۱۹۷۷ء

کے طور اور مچھلیاں اور دیگر حیوانات پیدا کرتا ہے۔ لہذا اسکو منجھلے اپنے معبودوں کے ایک جمود قرار دیتے ہیں اور اسکی صورت ایک آدمی کی سی بتاتے ہیں جسکی خلقت درست قوی پہل اور تیز منہ ہے امین کی ہیئت میں ہے اور جسکا نسب بہت درست ہے اسکا سینہ سین (چربیلا) وسیع پستان لٹکتے ہوئے ہیں کموتی ہے رانوں پر کچھ بڑی ہے جس سے اسکا بڑا پیٹ ملا ہوا ہے۔ پیروں میں جوتے ہیں سر پر ایک مصنوعی ٹوپی جیسر دیانی پھولوں کا مانج ہے بعض اوقات ایسی صورت بتاتے ہیں کہ پانی اسکے پستان سے بہتا ہوتا ہے اور وہ ترائی کے لئے پیالے میں کوئی چیز لئے ہوئے یا ایک دسترخوان اٹھائے ہر جیسر طرح طرح کی ترانیاں ہیں۔

یہاں پر اسکی صورت کا ایک نقشہ بھی دکھایا گیا ہے ایسے نقشوں کا نام چچی رکھا گیا ہے اسکی کیفیت یہ ہے۔

ابن الارباب رب الغذا ذات پر مدگار خوراک صخر الماکولات مجضبه اپنی فراخی سے کھانے کی چیزیں نکالنے والا مالی القطرین بحصولاۃ قطن من ارض کو اپنے حاصل سے بھرتا ہے مانح الحیاۃ زندگی دینے والا مزیل الجماعۃ قضا سال کو دور کرنے والا مقحلہ الاشواک اشواک کا بھرنے والا۔

کبھی اسکی شکل دو آدمیوں کی بتاتے ہیں ایک منجھلے رنگ کا ہے ایک نیلے رنگ کا پہلے کے سر پر تھکا لوٹس دنبات درائی ہے یہ اشارہ اس طرف ہے کہ رئیس بچری ہے یہ دونوں صورتیں بھی چچی کہلاتی ہیں اور انھیں سے ہر ایک کی ایک نوجو ہے پہلے کا نام مہیت قماہیت ہے دوسرے کا نام مہیت محبت ہے یہ دونوں اکثر کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں دونوں کے ہاتھ بلند ہیں گویا پانی مانگتی ہیں۔

معانیل ہر شاخ نیل میں ایک پریش گاہ ہے اور کہیں

ہو جاتا ہے سرخی بڑھ جاتی ہے اسوقت بھی اسکا صاف کرنا ضروری ہے یہ دنیا اسوقت اپنا خاک خشک زمین پر ڈالتا ہے جسکی وجہ سے وہ نہیں شاداب ہو جاتی ہیں اور انکے فوائد زیادہ ہوتے ہیں اسکے بعد تھوڑا کم ہوتا ہے اور زمینوں کو سندس کے خلعت پہنا دیتا ہے۔

سبب زیادتی آب اسکی اصل مدد کا رنگ جانا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ پانی قبل اسکے کچھ نہیں میں ہوئے نہر کا زمین خشک ہو جاتا ہے اور بارش کا پانی نیل رنگ تک نہیں پہنچتا البتہ وہ جگہ سے اسکو مدد ملتی ہے۔ ایک بلا جوش سے برف گھل گھل کر آتی ہے دوسرے نہر میں اور انھیں دو کڑو مددوں کی وجہ سے زیادتی شروع ہوتی ہے اور اسی بنا پر نیل کی وجہ سے مصر میں تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اول فیضان کا زمانہ (جڑھنے کا) اس زمانہ میں شہر بے مصر منبر لا جزیرہ کے ہوتے ہیں اور نہ میں مانند نہروں کے لیکن یہ حالت جلد جاتی ہے کیونکہ نہی نہر میں سیرانی زمین کے نیچے نکل ہی ہیں۔

دوسرے اتحار (رکنا) کا زمانہ اس میں زمین شہر مصر ایک سرسبز باغ کی طرح ہوتا ہے جسکی زمین شاداب کیفیت اور درخت پھل دار ہوتے ہیں سوم زمانہ تحرق۔ اس زمانہ میں سر کی زمین خشک اور غبار آلود ہو جاتی ہے اور آثار قحط پیدا ہو جاتے ہیں۔

قیاس النيل مصر والے نیل کی زیادتی کا اندازہ ہاتھوں سے کرتے تھے جب پانی ۲۴ ہاتھ بڑھ جاتا تھا۔ ۴۴ ہاتھ نیٹھ ہوتے ہیں اسوقت وہ اتنی زیادتی کو مبارک سمجھتے تھے اور جب ۱۱۰ ہاتھ یا ۵۰ سے زیادہ بڑھ جاتا تھا تو وہ علامت مصیبت کبریٰ کی ہوتی تھی۔

چونکہ دریائے نیل دہل مصر کی سر زمینوں کو سیر و شاداب کرتا ہے نباتات کا ذخیرہ ہم پہنچاتا ہے اور خفایا نام

صخر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

رہتے ہیں اسکے لیے مخصوص زمین ہے جسکی آمدنی دھت و ذر وغیرہ ڈوبے ہوئے دن کے دفن کے لئے مخصوص ہے انسان ہوا حیوان اور یہی وجہ ہے کہ ہیرودت نے اہل مصر سے سنا کہ ہمارا مسبود ذیل جھوٹ رکھتا ہے غرق سے اور ہم لوگ اسکے تابع ہیں انسان و حیوان کی میتیں کا دفن کرنا اور انکے اجسام کا چھپانا اسکا فرض ہے۔

شہر مائیل ایل کے بہت سے شہر ہیں اور جدیدین کہ یہ سب اسکے لئے وقف ہوں بعض کے

نام یہ ہیں۔ حسات۔ چچی۔ قویت۔ چچی۔ نبلو۔ بلیس۔ چونکہ اہل مصر کا خیال یہ تھا کہ دنیا کی آخری حد شمال ہے اس وجہ سے انکے دل میں یہ امر راسخ ہو گیا کہ نیل جزیرہ مصر کی غار میں ایک تابوت چھپا رہتا ہے جسکا نام تجست ہر دین سے بڑھنا شروع ہوتا ہے جبکہ مقدس نیل آسمانی سے آسین قطرہ کرتا ہے۔ اہل مصر کا یہ خیال تھا کہ وہاں دو گڑھے ہیں بہت عمیق گھلے ہوئے جنکو نادانی کہتے ہیں نیچے کے حصہ میں حجر جرات ہے ہر جسکا نام مونیسی ہے۔ بیدان میں ایک اور شکل دکھائی دیتی ہے ایک پتھر دو سر پر رکھا ہے چیرد اپنی جانب عقاب ہو۔ نیچے ایک گول پتھر ہے جس میں انکا مجبور چھپا بیٹھا ہے دو دفن ہاتھوں میں برتن ہیں جسے پانی پتا ہے اور ایک اڑد ہا اسکو گھیرے ہوئے ہے جسکے سر اور دم کے درمیان تھوڑی سی جگہ ہے جہاں سے پانی بہ کر زمانہ مخصوص میں بڑھتا ہے وہ مصر میں عمدہ عمدہ غذائیں میسر کرتا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں۔

عمید النیل جب انقلاب صیفي ہوتا ہے اور پانی گڑھوں میں اکھٹا ہو جاتا ہے اس وقت تک کہ اسے تیار دی یا بادشاہ یا بادشاہ کا بیٹا آتا ہے بلکہ یا بلکہ کی قربانی کرتا ہے اسکے بعد دیا میں ایک کاغذ ڈالتا ہے جو دیوانی گھاسن مختوم ہوتا ہے۔ بین ترک حریت کی قسم دی جاتی ہے تاکہ مصر میں اسکی زیادتی نہ ہو

سے نہ بڑھے جب بادشاہ قربانی کرتا ہے تو سب حالات پتھر پر کندہ کئے جاتے ہیں اور اس عید کا وہ سچو خیال رکھتے ہیں خواہ بادشاہ شریک ہو یا نہ ہو اور روایات تدریک کے قبیح ہیں کیونکہ سال کی نیکی بی ماہ حرمیان پر موقوف ہو اگر اس معاملہ میں کمی یا مستحکم کیا تو ریاض نیل بھی اپنی نیکیوں کو چھوڑ دینا اور زمین وغیرہ کو ڈوبنا اس موسم میں کا شکار بنانا اپنا تو نہ لیکر آتے ہیں اور چند روز تو اتر بیان رہتے ہیں اور اسقدر شراب پیتے ہیں کہ بہوش ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ بڑی عید کا دن آتا ہے اور بادی مہراب سے گلتے بجاتے نکلے ہیں انکے ساتھ ایک تصویر مینی ہے اسکو دریا کے کنارے بچا ہوا اور کہتے ہیں۔

السلام علیک ایہا النیل یا من لے نیل پتھر پر سلام ہو تو زمین مصر کے ظہرت علیٰ ہذا الارض خلائیست زورہ کر نیکی لیا آتا ہے تودہ ہے جہاں لایا ہوا مصرات الذی تخفی آنا را کیوں ہیں جنہی ہے آئیکہ دن تک عجیٹ فی انبا علیہ یوم تنزل تودہ دیا ہے پانی کا نقصان ان بلو بقدر تاملتہ البعرا فیض و مباحدا پر پتا ہے جسکو آفتاب نے پیدا کیا ہے علی البساتین التی واجد تھا الشمس ہمارے لئے تاکہ مشرق کدہ بنے والے لائوچی جمیع مایکون فی شرق انت زورہ زمین تودہ ہے جو صحر کو سیراب الذی تمنع عن ذی الصحر اجمین ہرنے سے منع کرتا ہے آسمان کے پانی نزولہ من مہاہ اللہ ان المقدس سے (دبے پانی سے سیراب کرتا ہے ہتھا ایست) ای الارض نولوعا مجاد یعنی زمین حریں کرتی ہے عیش و ہدی اور مقدس تیرا صاحب الموب پش کرتا نعوب یقدم قربانینہ والمقدس ہے اپنی قربانیان اور مقدس نایح حالاً قام یصلح احوال العالم انت مست عالم کو درست کرتا ہے تو ہی مالک ہے الا سماء حتی تجاوزت الشلال چھلیوں کا جب تو شلال سے گزرتا ہے لہو جذا الطیر نزل یصقل انت تو جانور کھیتوں میں کھانے کے لئے

صرف صفر علی محمد علی تاج عطر کھنڈ کا بنایا ہوا عطر حنا ایسا ہے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

صانع القہر وموجد الشعیر۔ نہیں کہے تو کہوں اور جو کا بنانے والا
مطیل جبل العابد ان غطلت اور عابد کی عمر دراز کرنے والا ہے۔ اگر
اصحاب ادا عتواک کسادا تیری انگلیاں بیکار ہو جائیں گا کہ کریں
ہجرت الاوف من الناس فی یا تھکو کساد بازاری لاحق ہو تو ہزار ہا
نافعہ ان فصحت فت نزولک آدمی کو فاقہ ہو جائے اور اگر تھکا کساد
من السماء اقتبل بالمصبودات سے گزرتے ہیں درہم تو مخلوقات فنا
والخلق وتکذبت الحمیوانات ہو جائے اور حیوانات میں خرابی پیدا ہو
وصادت الارض کبارا وصغلا اور زمین کے چھوٹے بڑے گھر بے حیثیت
فی حلاب واذا کتاب الحال ہر جائیں اور اگر رکس کے حال ہو گا
على عکس ذلک واستجب اور اگر کوئی کہ دایں قبل ہو گئی تیرے
دعاء الناس حين تفصن فکون فیضان کے متعلق تو تم کام زیادتی تو
لهم خندم عند زیادۃ (ای خدمہ دیانے بارگاہی بنیادی میں)
نیلا عباد کا عند الانعام حین ہر کار زمین خوشی سے جھنجھکیاں اور ہر زمین
تصیر الارض ابتهاجا ونیشرح وفد کا محتاج اسود ہو گا اور شہر شہر
کل ذی بطن وبہت کل ظہور منسی سے متحرک ہو گا خوشی میں جھنجھکیاں
الفضی وقصص کل سندھیا ب اور ہر دانست الاجایکا۔ اے لائے والے
الارزان وکثر الماکلات ووجوا ریزی کے زیادہ کرنے والے کو لائے
احسن الاشیاء انت صا الخیر اور اچھی چیزوں کے ایجاد کرنے والے
انت اللطیف بمجئیات حیث توصاب جراثیم ہے تو ہر بانی کو لائے
تکون خلیل اللہ نعم انت اپنے غیر مقدم سے اس حیثیت سے کہ تو
الذی توحد علفا حیوانات اور ہر دست ہوتا ہے۔ ہاں تو وہ ہے جو
وتعطی کل صانم لقرابین المعبودا جانوروں کا چارہ پیدا کرنا اور جو چیزیں
فالنور النائم عملہ کلا جودا معبودات کو قرانی کے لیے لازم ہیں۔ تو وہ
الذی یحصدہم القطن فی غنم ہے کہ وہ فون قفون کا اہتمام کرتا ہے
المخادون وزاد خیرات الفقرا فقیروں کے لیے خیرات زیادہ کرتا ہے اور ان

انت الذی تستجیر عا وھ عند انت الذی تستجیر عا وھ عند
نقد یمر النادر فلا ینقصھم نقد یمر النادر فلا ینقصھم
غنی وان تشید السقن وهو غنی وان تشید السقن وهو
منتهی قصد لا فلا ینقصون النیل منتهی قصد لا فلا ینقصون النیل
احبابا ولا تماشیل تمام مزدوج احبابا ولا تماشیل تمام مزدوج
ولا یشاہد ولا یلغ لہ جزویہ ولا یشاہد ولا یلغ لہ جزویہ
ولا یوفی الیہ بقران ولا یوفیہ ولا یوفی الیہ بقران ولا یوفیہ
کلام السحر الحق ولا یغفر لہ منک کلام السحر الحق ولا یغفر لہ منک
ولا یھتدی الی حقہ بسبل الطلا ولا یھتدی الی حقہ بسبل الطلا
السحر یتلا بیت وحیا یکفیک السحر یتلا بیت وحیا یکفیک
لاحد یظلم علی اضیمک الا ان لاحد یظلم علی اضیمک الا ان
دراری اکلک تشتر منک دراری اکلک تشتر منک
لا ناک تحکم کمک وامرہ لکذہ لا ناک تحکم کمک وامرہ لکذہ
علی جمیع اهل الارض یجلی فی شہد علی جمیع اهل الارض یجلی فی شہد
من مکان الجنہ سکانہ شمال من مکان الجنہ سکانہ شمال
وهو الذی یشفق فیخففہ موع وهو الذی یشفق فیخففہ موع
الاعین ورضیض باہسانات و الاعین ورضیض باہسانات و
ایما وجدت حلت الا فراح ایما وجدت حلت الا فراح
والشرحت الصد ورواخذ والشرحت الصد ورواخذ
لنفساح سک بن بنت شبت لیس لنفساح سک بن بنت شبت لیس
لان طائفتہ المعبودات المعصاة لان طائفتہ المعبودات المعصاة
لا عدت کل شئی هذا فیضان لا عدت کل شئی هذا فیضان
یروی الحقول یتجمل جمیع الیاء یروی الحقول یتجمل جمیع الیاء
فی نیامہ کل یروی من عمل الاخر فی نیامہ کل یروی من عمل الاخر
بدن نزاع فانا دخلت کنت بدن نزاع فانا دخلت کنت

صفر علی محمد علی تاجر کھنڈو کا کاٹنا دھوا عطر خنا جھنڈ پڑنا ہو گا اُس قدر کبھی خوش ہو دیرا پورا تو کھنڈو اور کھنڈو

محاطاً بالآغاثی واذا خضبت
صاحبك التھیل علی اذ ارتصوا
فرحایوم ظھریك من غیابھ
مكونك فاذلك الاكوك نجف
اضھلال لهم وفساد وخیض
الیك لیساوا الماء السنوی
شوهدهاھی مصر الوسطی
واھاالی الوجه البحرین صطفه
بعضھا یحایب بعض وشوهده
كل امری حال لاعد و صنفه
ولا یزوی احد وراء حارة
ولا یلبس احد ملائیس الا عیا
ولا یجلی علی الا دخنوت معبود
الدنوة ولا علی طائفه المعبود
انسجكونھا كبفی فی الظلمة
كن حق صمحت الزیارة فطر كل
انسان انت مبنت الارزاق
لحقیقة التي هی رعبه الناب
هذ اھو كلام الاتصاں الذي
یجھل و یحب الی عاھم واذ
تكدست لجم الحیط الساموی علی
الانسانة ندم ریتی میجود
الجب عندئذ قرأنا و تھلكت
لك كل معبودات قاطبة لهم
تنزل الطیون فوق الجبال وھی

گھیرے ہوئے ہیں اور تھک کر حلقہ میں
لیکھا کرتے ہیں جب تو غلام ہے تو
تعلیل تیرے ساتھ ہوتی ہے تیرے
ظہور کے دن لوگ خوشی میں قص کرتے
ہیں تیرے بجز سے (تیرے) نہیں بھول
دوسرا طاری ہوتا ہے اور جب وہ تجھے
سالانہ پانی کے لئے عاجزی کرتے ہیں
تو مصر و وسطیٰ اور سوہل بحر کے لوگ
صفت درست کھا تی دیتے ہیں بعض
پہلو میں بعض کہہ کر اپنے صفت
کی مقدار کو اٹائے ہوئے اپنے ساتھ بڑے
بڑے نہیں چھپا اور نہ لبوس عینیتا
ہے اور نہ زیور سے آراستہ ہوتا ہے۔
تخت معبود و ثنوة کے اور نہ معبودات
نسج کے کیونکہ اس کا قیام تاریکی میں ہوتا
ہے لیکن جب تو بڑھتا ہے تو شخص عطر
لگا تا ہے اور مسرور ہوتا ہے تو اگا تا ہے
ان ارزان کو جسکی طرف لوگوں کی رغبت
ہوتی ہے۔ یہ التماس جو سب ہوتا ہے
انکی دعا کے قبول ہونے کا جب تیرا
دیباہ کی وجوہ سے کمر کرتا ہے انسان
پر تو معبود العجب اور جمیع معبودات
اسوت قربانی پیش کرتے ہیں اور پند
پداؤں سے نہیں اترتے جب تیرے ہاتھ
کسی چیز کو غیر کرتے ہیں تو وہ سوا ہوتا

عجنت یدك شیئا صار ذھباً
او طوبیة صادت فخذة فلا یكل
اللا نور و لكن القم بفضل من
الاھجاء و الكرمیة لقد شرعوا
فی الاعاثی علی العود واخذوا
یرتلون لك تبصیفك مستمرا
من احلاك ذراری اولادك
ولیکندوا من احلاك تاتیل لك
کیف لا والنبیل و معبود الذنوة
الذی یحس الارض و كسرت لیسف
فی عیون الناس وھو الادی
یحیی النساء الحبالی و یحب ككثرة
الحیوانات و لما رافعتك مدینہ
الا مبر شیم الغنی عفی الصنوبر
اللوطس نادك شی ثابتا و حیذا
لذخابت و وجدك جمیع الحشیش
لا دلا لك فلو ان غمضت عن
عطاء الذذ اعلانی لك السعادت
من المساكین و قعدت لك فی قفصك
دیباہ نیل کی بزرگی محض اسوج سے ہیں ہے کہ وہ مصر کی
زمین پیدا کرتا ہے بلکہ اسوج سے ہرگز نیل ہی کی وجہ سے اسکی صورت پوری
ہوتی ہے اور اسکی بہت کامل ہوتی ہے کیونکہ وہ قسم قسم کے درخت و درختوں
پھول وغیرہ پیدا کرتا ہے ان وادی نیل جسکو ہر سال پانی ڈھانپ لیتا ہے
اسمیں زیادہ امید درخت اور گھاس گھنے کی نہیں۔

نباتات مائیں نیل
ہرودت نے کہا ہے کہ مصر کے لابون و جیرون

تمام ہارن فن نے صفر علی محمد علی تاج عطر لکھنو کے عطر خا کو بہترین عطر مانا ہے

مقبوط ہوتے ہیں۔ ادتب جسکے کان ٹسے ہوتے ہیں
نفس دعل (شتر مرغ) سر شاہرین، اور اسکی ایک
قسم کہ پالتے ہیں حیوانات کا سودا (دندہ) فطری (جی) بیڑا پڑھو
کتا معلم فلس چتیا ساو جتی داران جانوروں کے شکار ہیں بہت
اہتمام کیا جاتا ہے اور جنگلوں میں شکار کرتے ہیں۔ ازبٹ گھوڑے
باہر سے آئے ہیں۔

وہ جانور جو خشکی اور تری دونوں میں رہتے ہیں

تمساح گھڑیاں۔ برنین۔ یہ دونوں جانور روئیل
کے کنارے رہتے ہیں اور انسانوں، جانوروں، دونوں کو ازیت دیتے ہیں۔
سلاطین جانن کے زمانہ میں براہین بہت تھے لیکن شکار
وغیرہ سے کم ہوتے گئے۔ تاہم دریائی جانب پتھری زمین میں پھپھتے
وہاں حضرت مسیح کے بعد قرن سینزدہم تک نصف تک بعض موجود تھے۔
بعض اہل مصر تمساح (گھڑیاں) کی عبادت کرتے تھے اور
انکی حفاظت کرتے تھے۔ اور بعض انکا شکار کرتے تھے اور ہلاک کرتے تھے
مع ذلک وہ تھوڑے زاد تیل تک دیاے تیل میں موجود تھے ہوا طر
کہ تا مبلوں نے ایک چھوٹے جزیرہ میں سامنے قتا کے چودہ گھڑیاں کیے
لیکن آج تک تیل اسفل سے اسوان تک گھڑیاں کا پتہ نہیں ملے اسلح
کے شکار سے اور دغلی جازوں کی حرکت سے محروم ہو گئے۔

طیور بہت تھے عتاب۔ لحدو۔ مالش حقہ۔ قمر۔
قان جعق۔ کبوتر۔ سام۔ جمل۔ عصفور۔ حارس۔ ہیض۔ اسود۔ بط۔
وغیرہ سب جھاڑوں میں رہتے تھے اور انکے اقسام سے جڑا کر پھوڑے
پڑے تھے۔ اور بلقیام زمانہ سے مانوس ہو گئے ہیں اور خلفاء مصر
ملک مینا کے زمانہ تک مرغ کے عوض پالتے تھے۔ کیونکہ مرغ اس زمانہ
میں کمیاب تھے۔ روئیل کی شاخوں میں بہت سے قسم کی پھلیاں تھیں
جس میں بہت سی کھانے میں عمدہ اور لذیذ ہوتی تھیں جیسے مسک سلطان

وغیرہ میں جو بڑھنے کے وقت پانی سے بھر جاتے ہیں دو قسم کے نباتات پکا
جاتے ہیں جو یورپ میں مشہور ہیں کیونکہ مصر کی تاریخ قدیم میں انکی اہمیت
ہے۔ بل کی دیانت اور دینی اور قومی آداب میں برکت۔ لوطس۔ برکتی
کنارہ دیا یا شہر سے ہوئے پانی میں یا آہستہ بہنے والے پانی میں اگتی ہے
اور دیارے سمت کی شناخت ہوا اسکو سال بعد بعد توڑتے ہیں پتھری
زمین سے کھاڑنے کے بعد اسکی ٹھنکی کاٹ کر ڈال دیتے ہیں اور اسکی
تنہ کو بقدر ایک ہاتھ کے باقی رکھتے ہیں اور اسکو کھاتے ہیں اور بیچتے
ہیں لیکن امرام اسکو تنور میں بھونک کر کھاتے ہیں۔ اور خوش ذائقہ عمدہ
رہتی پکاتے ہیں اور یہ انکو بہت مرغوب ہوا اور اسی وجہ سے بادشاہوں
کے دسترخوان پر اسکا ہونا مرسوم تھا۔ لوطس۔ یہ اشارہ ہوا مصر اسفل کا
اسکی تین قسمیں ہیں۔ ایض۔ تینیں۔ خیری۔ اندن۔ تینیں۔ عربی
اور اسکا پھل خشک کی طرح کا ہوتا ہے اور اسکے فصوص میں جسنیکا کے
ایسے دانے ہوتے ہیں۔ تیسری قسم نیلوفر وردی ہے۔ ہیرزدت نے اسکی
بہت تعریف کی ہے۔ اسے کہا ہے کہ اسکے ایک تنہ سے پھل نکلتا ہوا اور
یہ تنہ پھول والا تنہ نہیں ہوتا بلکہ جڑ سے نکلتا ہے اور اسکا پھل شہسکی
کھسکی کے قوس (ماکھی چھت) کا ایسا ہوتا ہے یا سیال کا ایسا اور اوپر کے
حصہ میں ۲۰ یا ۳۰ خول ہوتے ہیں ہر ایک میں ایک پھل ہوتا ہوا مصری
اسکو یا قلی قلی کہتے ہیں۔

حیوانات مختلف قسم کے ہیں۔ بڑے سینکڑے
حیوانات مثیل۔ بلوں کے جو مشابہ ہیں ذوق شہر کے بلوں سے
بھیریاں۔ بکر یاں معمولی کتے ٹیلی کتے (شتر مرغورے رنگ کے)
مسحوب۔ الافنا۔ المسدید۔ بالاذن الکثیف الذلیل۔ سلوتی کے جسکے
کان لمبے ہوتے ہیں اور چوڑائی میں کم قطعی کتے مستضع کتے جمیدو
افریقہ میں خوبصورت ہوتا ہے اور اب درموا کی جگہ سے اسکے رگے پٹے
ملہ میان مراد پھول کے اندر کی دال ہے جس میں زیرہ بھرا ہوتا ہے۔

کارماد صغریٰ محمد علی تاجر عطر گھنوں کی ایک شاخ چاندنی چونک ہلی۔ اور ایک شاخ گلزار حوض حید آباد دکن ہے

نیل کا پانی کہہ کر ماہی کو اسکو زمین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسوقت باتوں کو جانور کھا جاتے ہیں یا انسان شکار کرتے ہیں یا بیچے کھلتے ہیں۔ اشناہم نیل میں تین طرح کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ بحری نیل یا مچھلیاں بستی مگر بحرا میں تین تری ہیں بحری ایکلی بھی تری ہیں ان اور مگر بھی ان دونوں مچھلیوں کی نسل بڑھتی ہے اور بہت ہوتی ہے۔ اسوجہ سے اسکا شکار ان اشناہم میں آسان ہے۔ (ماخوذ از مخصا شاہد بیٹو پٹھان صاحب، سرائیہ)

ابراہیم سکی غذا الوس تھی اور طاشتر طلیہ میں پائی جاتی تھی۔ - لوی - شلیہ - عبیدی - ذی انعمہ المجدود - (عاز - سلحفاہ کبک بولا کچھو) جو نیل میں رہتا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی (تھے از ماہی) سترین قدیم زمانہ سے موجود رہے اور وہ ایک مستقل مچھلی ہے جو اپنے تئیں بھلائی ہے اور جب بہت بھول جاتی ہے تو پانی کے اوپر تیرتی ہے اور پشت کے پهل پلٹ جاتی ہے۔ اس کے کانٹے ساہی کے ایسے ہوتے ہیں۔ جب

”مرقع“ - مرقع بالاصغر نانی نوعیت میں بہت خوب اور لمبی ہے۔ دریلے نیل کے متعلق عجیب عینہ آتیش سوہنہ بن حکو عقادین بتایا وہ دل پر اور وہ عقادہ بیک ایک جزو عظیم ہو گئی ہیں۔ اپنی نایج و خزانہ کو ایک جو انکشاف میں تین گرا لگاؤ کا تفصیل کی جگہ تو ایک نقل کیا ہو جائے لیکن صرف اُن باتوں کا بیان نہ کیا عقادہ پر کیا کیا انکو ایک مگر جب کر نیل میں بھی ایک عجیب کتاب صفحہ اس کے لٹو کا ہو گئے۔ اگست ۱۹۷۷ء کے سالہ اول گدار لکھنؤ میں دریلے نیل کا منہ کے عنوان ایک مضمون پڑھا اس میں بھی اسی ہی روایات کا ذکر کیا ہے ورنہ کے ساتھ ساتھ لکھا گیا جو نہایت دلچسپ پر لکھا ہے ہم انہوں کی حریف لکھی کے لئے اسکو درج ذیل کرتے ہیں۔ ادبیر

یعنی وہ مقام جہاں سے دریلے نیل نکلا ہے۔ کج کل جزاؤں کا اگرچہ نیل کے سرچشمہ تک نہیں پہنچ سکے مگر پھر بھی جانتے ہیں کہ انفریقہ کی اس شعور اور بے بڑی مچھلی سے نکلا ہے جسے موجودہ جزاؤں کا انجھٹان ”کوئوہریک“ (کوئوہریک) کہتے ہیں۔ جہاں سے ہم نر اریل کی سافت ملے کرنے کے بعد دریلے نیل بہت سے دھار دن پر مینٹ کے شمالی سواحل مصر پر بحیرہ روم میں گرا۔ اگلے زمانہ میں دریلے نیل کے منبع اور اصلی سرچشمہ کی اکثر لوگوں کو جوتھتی اور چونکہ ان دنوں ارض حبشہ کے ناپید انکار وشت میں گھسنے کی کمی کو فوج نہ ہوتی تھی۔ اس لئے کسی جزاؤں کو اس دریا کے اہلی سرچشمہ کا پتہ نہ لگ سکا۔ بے علمی اور نادانیت ہمیشہ طرح طرح کے خیالات پیدا کیا کرتی ہے چنانچہ دریائے نیل کے متعلق بھی بہت سی لائینی باتیں مشہور ہو گئیں۔ اس پر طرہ ہے کہ کنہروں اور ندیوں سے چونکہ زمین شاداب اور زرخیز ہو جاتی ہے

روئیدگی کی برکت سے قسم قسم کے پھول کھتے، طرح طرح کے پھل لگتے اور دنیا میں جنت کی سی نزہت و دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے احادیث میں بعض روایوں کی نسبت کہہ دیا گیا کہ وہ جنت سے آئے ہیں اور تحقیق میں وہ جنت ہی کی سی برکتیں ہیں۔ مگر نیل کے اصلی مرکز کے نہ معلوم ہونے اور اسکی جنت کی ندی ہونے کے خیالات نے اس لاعلمی کے پرے میں عجیب کرشمے پیدا کر دیئے۔

قرآن مجید اور سچی حدیثوں میں بہت کم ایسے واقعات ہیں جو نیل سے باہر اور بے سرو پا ہوں۔ مگر جب مسلمانوں میں احادیث کے منہ سے اور دینی روایات کی جھوک شوق پیدا ہوا تو بہت سے راویوں نے اُن واعظوں کی طرح جو عجیب و غریب کرشمے سنا سنا کے سامعین کو تہمید و مظلوظ کیا کرتے ہیں۔ ایسی روایتیں تصنیف کرنا یا وہود و مہود و مہود کے نکالنا شروع کر دین جو سامعین کی سمجھ سے بالا ہیں اور ان پر پھرت اور غواوق عادت کا اثر ڈالیں۔

انفر عطر و حکم فرشت کیا جاتا ہے مگر عطر علی محمد علی تا جہر لکھنؤ مرقع کتابش اور یا نری کی روح کے کو عظمیٰ روح کا مکتب ثابت نہ کر سکتے۔

ہیں کہ مجھے روایت پہونچی ہے کہ عیص بن اسحق، بن ابراہیم کی نسل
میں سے ایک شخص تھا جو حاکم نامہ سے مشہور تھا اور بادشاہوں میں عیص
بن اسحق کا بیٹا تھا کسی بادشاہ کے خوف سے وہ اپنے وطن سے
بھاگ کے ارض مصر میں پہونچا اور اسلہ اسلہ وہاں مقیم رہا یہاں درجہ
نیل کی عجیب عجیب باتیں دیکھ کے اُس نے قسم کھائی اور عہد کر لیا
کہ نیل کے سرچشے کا پتہ لگانے کے لئے جہاں تک میں نیل میں اُسکے
کنائے کنائے چلا جاؤں گا، چاہے اس کو شش میں مری کیوں نہ
جاؤں، اپنے اس عہد کے مطابق وہ نیل کے کنائے کنائے
روانہ ہوا بعض کہتے ہیں تیس سال تک اور بعض کہتے ہیں کہ پندرہ
سال تک برابر چلا گیا۔ یہاں تک کہ بحرِ فصرہ دیکھنے کے بعد
پہونچا اور کیا دیکھتا ہے کہ دیکھنے نیل اُس سمندر کے پانی کو کاٹ
کے برابر بہتا چلا آتا ہے۔ اب وہ اس سمندر پر چلا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے
کہ جس کے ایک درخت کے سائے میں ایک شخص کھڑا ہوا نہانہ پڑھ رہا ہے
(شاید اس سمندرمیں کوئی جزیرہ ہوگا) اُس شخص نے ایک لکھنوی کو دیکھ کر
سلام کیا اور پوچھا ”آپ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا ”حاکم بنی شام
بن عیص بن اسحق بن ابراہیم“ اور آپ فرمائیے کہ آپ کون ہیں؟ نے
کہا ”میں عمران بن عیص بن اسحق (تمہارا چچا) ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کہ
تمہارا یہاں آنا کیونکر اور کس لئے ہوا؟“ کہان میں تو دریلے نیل کا رستہ
دھو بیٹھنے کو آیا ہوں مگر تمہارا آنا کیونکر ہوا؟“ جواب دیا کہ ”جس لیے تم
آئے ہو اسی لیے میں بھی آیا ہوں۔ مگر جب یہاں پہونچا تو خداوند جل جلالہ
وحی بھیج کر جب تک میں نہ سکون دوں یہیں ٹھہرے رہوں۔ اب حاکم نے
کہا ”اچھا آپ کرنیل کے جو کچھ حالات معلوم ہوئے ہوں مجھے سنائیے۔
اور بھلا کتابوں میں آپ نے کہیں دیکھا ہے کہ نسل آدم میں سے کوئی
شخص دریاے نیل کے سرچشے تک پہونچ سکے گا یا نہیں؟“ عمران
نے کہا ”ہاں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عیص بن اسحق کی نسل کا ایک

تصدیق کی بھی زیادہ ضرورت نہ تھی اس لیے کہ یہودی میں لڑاکا
کے علاوہ ایسی بے سرو پار روایات کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ موجود
تھا، اور چونکہ صحابہ میں سے کئی بزرگ یہودی الاصل اور روایات یہودی
سے واقف تھے اس لیے انہیں کے زمانہ سے یہودی روایات کا
بیان کیا جانا شروع ہو گیا۔ ”جو“ اسرائیلیات ”کہلاتی تھیں۔
چونکہ یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن مجید کے محلِ قصص انبیاء کی تفصیل
تورہ اور یہودی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ اس لیے قرآن مجید
کی تفسیر و شرح کی حیثیت سے اس قسم کی روایتیں پیش کی جانے لگیں
اور لوگ اُن کو دلچسپی سے سُنے لگے۔

پرچ یہ ہے کہ اس بے حقیاطی کی نقالی نے تفسیر و حدیث کے
فنون کو بڑا نقصان پہونچا دیا۔ حدیث میں حج و تعدیل کے قوانین
اگرچہ بہت کچھ روک تھام کی۔ مگر چونکہ صحابہ ہی کے عہد سے روایات
یہودہ اختیار کرنے کا طریقہ جاری ہو گیا تھا اس لیے شک نہیں کہ
جمع الروایات حدیث میں بھی ایک متحدہ سلسلیات کا موجب
ہے۔ جو اگر کُن لکھ دین کی جانب سے سب سے متاثر ہے
تو مگر قابلِ اعتبار نہ ہوتا لیکن اس پر بھی بہین یقین ہے کہ اصول
حدیث کے مطابق اگر پوری طرح تنقید کی جائے تو عمل والا یعنی اسرائیلیات
کا بہت ہی کم حصہ باقی رہ جائیگا۔

انہیں جو خرف روایات میں سے ایک روایت دریلے نیل کے
سرچشے اور اصل منبع کی تحقیق میں ہے جو اصول روایت سے چلے
جس قدر ساقط الاعتبار ہے مگر گزشتہ بارہ صدیوں میں اکثر علماء اور
ائمہ دین کے نزدیک مسلمانوں کا جزو دین بنی رہی ہے۔ یہ ہم نامے
ہیں کہ تحقیق نے غایبی خرف روایت کو کبھی نہیں مانا لیکن اس
دیکھا نہیں کیا جاسکتا کہ خلیفہ کے ماننے والوں ہی کو حاصل رہا۔
ابو صالح عبد اللہ بن صالح بن محمد کا ب لث بن سعد کہتے

توسونے کی سرزمین میں پہنچو گے۔ جہاں پہاڑ جنگل سیلاب سونے کے ہونگے۔ بس اسی مقام تک عتین تیل کا حال معلوم ہو گیا۔ آگے دیر بھر سکر گئے۔

عمران کی ان ہایتین کو بازو میں باندھ کے حائر روانہ ہوا اور تمام مراحل طے کر کے سونے کی سرزمین میں پہنچ گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ خالص سونے کی ایک عظیم الشان دیوار ہے اور اس کے نیچے اور سونے کا ایک برج ہے جس پر پٹائی گنبد ہے۔ اس گنبد کے چاروں طرف سونے کے چارہواڑے ہیں۔ دریا سے تیل کا پانی اُس دیوار کے اوپر سے زور و شور کے ساتھ گرے اُس برج میں چلا آتا ہے۔ پھر اُس برج کے چاروں دروازوں سے اُس کے چار گنبد گرے ہیں۔ اُن میں سے تین تو زمین کے اندر خائب ہو جاتے ہیں اور ایک اوپر رہتا ہوا آگے بڑھتا ہے جو کہ دریا سے تیل ہے۔ حائد نے یہاں بیٹھ کے پانی پیا اور ارادہ کیا کہ اُس دیوار پر چڑھ جائے جہاں سے تیل کا اصلی پانی آتا ہے فوراً ایک فرشتہ نے نودار ہو کر اُس کا اور کہا ”حائد! بس آگے بڑھنے کا قصد نہ کرو۔ دریا سے تیل کا جھنڈ علم تین چل رہا تھا ہو چکا اب اس کے بعد جنت ہے اور دیوے نیل وہیں سے آ رہا ہے۔ حائد نے کہا ”میں جنت کی بھی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا ”یہ سن کر اُس کی جنت میں غیر ممکن ہے۔

اب حائد نے پوچھا ”تو یہ چیز جسے میں دیکھ رہا ہوں کیا ہے؟ فرشتہ نے کہا ”یہ آسمان ہے جس میں آفتاب اور مانتاب چکر لگاتے رہتے ہیں۔ یہ جلی کے مانند ہے۔“ حائد بلا۔ ”میلو جی چاہتا ہے کہ اس جہنم پونجے میں بیٹھ کے ایک چکر میں بھی لگاؤں“ اس کے بعد سے علما، میں اقلات ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حائد اس پر چڑھ گیا۔ اور دینکے گرد چکر لگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہیں اسکی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد فرشتہ نے کہا ”حائد با تین جنت سے رفق ملیگا

شخص پہنچ سکیگا۔ اور سونے حائد میرے خیال میں وہ تھا سونے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ یہ سن کے حائد نے خوش ہو کے کہا ”ایسا ہے تو بھر مجھے وہاں کا راستہ بتائیے۔“ عمران بولا ”تاؤ گا مگر پہنچتین مجھ سے ایک شرط کرنا ہوگی۔ حائد نے کہا ”کی جو شرط ہو فرمائیے۔“ ”کہا“ جب تم دریا سے تیل کے منبع اور سرچشپے کو دیکھ کے واپس آؤ تو اگر میں زندہ ملوں تو اُس وقت تک میرے ہی پاس صبر رہو۔ جب تک کہ حضرت باری تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعہ سے کوئی حکم نہ دے یا مجھے اپنے پاس بلالے۔ آخر اُن کے صورت میں مجھے دفن کر کے چلے جانا۔ اور اگر واپس آئے تم مجھے مردہ پاؤ تو ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے آغوشِ حق کے پیر کو کرنا اور اپنی راہ لینا۔“ حائد نے کہا اس شرط کو سبر و جہد بجا لاؤنگا۔ یہ اچھا نکتہ پیش جواب سُن کے عمران نے کہا ”تو صبر طرح اس سندر کو کر کرتے ہوئے آئے ہو آگے چلے جاؤ آگے بڑھ کے کہتین ایک جانا تو ملیگا۔ جبکہ پچھلا حصہ تو کھائی دیتا ہوگا، مگر کلا حصہ نہ نظر آئے گا۔ تم اس سے خوف نہ کھا بلکہ کہتے ہی اسکی پیٹھ پر سوار ہو جانا یہ جانا تو آفتاب سے دشمنی رکھتا ہے۔ جہاں آفتاب نے طلوع کیا پکٹا ہے کہ اُسے دوڑنے لگ جائے۔ یہاں تک کہ آفتاب اُٹھیں آجاتا ہے اور اسے ٹھہر جاتا ہے۔ پھر جب آفتاب کو غروب ہونے لگے تو پھر سندر کے اندر گھٹا ہے کہ دوڑنے لگے۔ غرض وہ تین سندر کے اُس بار پونجی دیکھا تم شکلی پر قدم کہہ پھر آگے کی راہ لینا۔ اب تیل کے کنارے کنائے کوچ کر کے کم ایک ایسی زمین پر پہنچو گے جو فولادی ہوگی اس کے ہاتھ لیں اور سیلابِ بولامد کے ہونگے۔ اس سرزمین سے گزر کر تم تانبے کی سرزمین پر پہنچو گے۔ جہاں پہاڑ جنگل سیلاب سب تانبے کے ہونگے۔ اگر اس سرزمین سے بھی گزر گے تو تم تھامنی کی سرزمین پر پہنچو گے جہاں پہاڑ جنگل سیلاب سب چاندی کے ہونگے۔ اس سے تم گزر گے

”مترع“

۲۰

اپریل ۲۶ ۱۹۷۶ء

اسکے بعد اُس پیر مرنے کا اند کو سب کا ایک درخت دکھایا۔ جس پر سب لگے تھے اور کہا ”اؤ میرے ساتھ اسکے سبب تم بھی کھاؤ“ حائد نے کہا میرے پاس جنت کے میوے موجود ہیں۔ اور مجھے ممانعت ہے کہ ان کے کھانے کے بعد دنیا کی کوئی غذا نہ کھاؤں۔“ پیر روئے کہا ”سچ کہتے ہو۔ جو کوئی جنت کے میوے کھاتا ہوئے اور کوئی چیز کھاتی چاہے۔ مگر کھلا کبھی تم نے ایسے سینے یا برین بھی کھائے تھے؟ یہ درخت بھی جنت ہی سے آیا ہے۔ ورنہ کھانا نہیں ہے۔ خدا نے عمران کے لئے اس درخت کو یہاں لگا دیا تھا کہ وہ اسکے پھل کھایا کرے۔ اور تمہارے ہی لئے وہ مرحوم لے چھوڑ گئے ہیں۔ اور اگر تم نہ آتے تو یہ پھر آسمان پر چلا جاتا۔ اس کے بعد پیر زوردار اس سبب کا شوق دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ حائد کو کھلا معلوم ہونے لگا اور دل میں اس قدر شوق بڑھا کہ آسمان سے ایک سبب توڑ کے سُننے میں لگا کھانا چاہیے ہی اس پر ذاتِ مائے خود اپنا ہاتھ کاٹ لیا اس پر تھیر تھاکا پیر مرنے کہا ”یہ وہ پھل ہے جس نے تہذیبِ حیات نکالا۔ ضرورت تھی کہ تم اس پھل کو کھاؤ تاکہ تم میں اور دنیا کے جو لوگ تمہارے جنت کے انگوروں کو کھا سکیں اس سبب کو کھا کے دنیا میں رہنے کے قابل رہیں۔“

اسکے بعد حائد ارضِ مصر میں واپس آیا۔ لوگوں کو اپنے سفر کے واقعات بتائے اور وہیں پیوندِ زمین ہوا۔

جو تمہاری زندگی کے لئے کافی ہوگا۔ اور اُس کے سامنے تہذیبِ دنیا کی کوئی چیز مزہ دے گی۔ یہ باتیں ہوا ہی رہی تھیں کہ انگور کے تین خوشے اوپر سے اتر کے حائد کے ہاتھ میں آگئے۔ یہ تین رنگ کے تھے ایک زرد سبز کا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا باقوت سرخ کا اور تیسرا سفید مویون کا۔ فرشتے نے دیکھتے ہی کہا ”یہ جنت کی تاک کے انگور ہیں۔ مگر وہاں کے اعلیٰ اور منتخب انگور وہاں سے نہیں ہیں۔ اب تم وہیں جاؤ۔ اور پیل کا جس قدر حال بہترین معلوم ہوتا تھا معلوم ہو چکا۔“ حائد نے پوچھا ”مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ تین دھارے جڑیں میں نہ بٹا ہو جاتے ہیں یہ کہاں جاتے ہیں؟ فرشتے نے کہا ”ان میں سے ایک فرست ہے۔ دوسرا جلد ہے اور تیسرا جھون ہے۔“

اب حائد فرشتے سے رخصت ہو کر واپس چلا۔ پہلے کی طرح دشمنِ آفتاب جانور کی مدد سے سمندر کے اس پار آیا اور اُس مقام پر پہنچا جہاں عمران سے ملاقات ہوئی تھی۔ دیکھا تو اُسی دن اُسکا انتقال ہو گیا تھا حسبِ صیت اُسے نہلا دھلا کے اور کفن کے دفن کیا۔ اور تین دن تک اُسکی قبر پر پتھر لرا۔ چوتھے دن داغی کا رادہ کیا تو ناگمان ایک پیر مرد دونوں ہوا جسکی پیشانی پر چھبے کا نشان تھا۔ اُس نے آتے ہی سلام کیا اور کہا ”لے حائد۔ دریلے نیل کے کیا حالات معلوم ہوئے۔“ انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا جسے سُن کے وہ کہنے لگا، اہاں یہی حالات ہم نے کتابوں میں دیکھے تھے

تصورِ حقیقت

مصر حقیقت جانیائے کثر تین دریاں شامی ڈیر اندھکن، مصر بحر تھا بحر لکھنؤ داگ جباب بحر روم و جبابہا سقا

اگر سیرِ یونانی مملے میں نہ ملتا ہوتا نہ فتنے منتشر ہوتے نہ کوئی راز دہانتا مہارک تھا یونان کا شہر میں ہی سکھ جاتا کہ میں اطلب میں نقشِ پائے کا ڈان ہوتا سست کر عوج دل میں نقطہ نورم غنائی فنا کا گونجھے، جسکی جانب کچھ گاتنا حدین ملے گی یہی مکانِ وسعت کی فراہنا کا تھا اب کوئی ہم سے نہاں تا نہاں میں ناخاموش زمین شمعِ فردی یہ چپ کی ادبوں کوں چھ فرخانی تا محبتیں اگر جرات بھی ہوتی سُرگ کی جبروت ہی ہوتا کہ سر پر سماج تا متیں کی جبروت لافزوں کی عزت مضبوطی نکل کہنا دہرے سے جو کچھ فغانی تا

علامہ عطار کی صغر علی محمد علی ہاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا تیار کردہ روغنِ در نہایا علی عقیات طلب فرمایا

طالسٹاے اور انقلاب روس

سے باہر ہے کہ وہ اس نئے تمدن کی خوبی یا خرابی پر کسی قسم کی رائے زنی کر سکے کیونکہ یہ نئی عمارت اپنی حیثیت میں بالکل نئی ہے اور اس کی بنیادیں ایک بالکل جداگانہ اصول پر قائم کی گئی ہیں۔ یہ صرف زمانہ و واقعات ہی آئندہ بتا سکیں گے کہ یہ نیا نسخہ انسانی مزاج کی درستی کے واسطے کمان تک مفید ثابت ہوا اور اس کے جواز یا عدم جواز پر رائے زنی کرنا صرف آئندہ مورخ کا حق ہوگا۔ مگر واقعات یہ بتاتے ہیں کہ جہتیں تو انسان کے رہنے کے واسطے ایک نہایت وسیع اور خوشنما باغ کی بنیاد ڈالی تھی افسوس کہ وہاں بھی مکر و فریب کے خار ہلے مگیلاں نے بڑھ بڑھ کر نازک و بے بساط پودوں کو دبایا۔

انقلاب روس کی حقیقت ان چند الفاظ میں بخوبی ادا کیا سکتی ہے کہ یہ انقلاب حق و باطل کی دیرینہ جنگ کا آخری نو آغاز تھا مگر اس مرتبہ نبرد آرزو بھی نئے تھے اور نبرد آزمانی بھی نئے نئے اصولوں پر کی گئی۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ دونوں مخالفین اپنے اپنے فن سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن واقعات پر غور کرنے سے انسان ایک لمحہ کے لیے اس شک شبہ میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ ”خمس کی ہوئی“

کسی ملک کے انقلاب کا ذکر قلمبند کرتے ہوئے ان دسویں واقعات کا ذکر بھی لازم ہوتا ہے جو کہ دور انقلاب میں ظہور پزیر ہوئے ہیں۔ مگر ان سطور میں میرا مقصد یہ نہیں کہ خونریز جنگ کا ذکر کروں جن سے کہ روس کی تاریخ پڑھے بلکہ ان واقعات کا اکتشاف منظور ہے جن سے کہ روس کے

انیسویں صدی کے شروع میں روس دنیا کی نظر میں ایک نیم وحشی ملک کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں کے باشندے موجودہ تہذیب و تمدن سے قطعی نا آشنا تھے۔ سیکڑوں برس سے ملک پر جبر و استبداد کی حکمرانی تھی۔ قومی تعلیم کا خیال بھی وہاں کے باشندوں کے دماغ میں نہ آیا تھا اور نہ کبھی کسی حکمران نے اس خیال کو اپنی عملی امداد سے قوت دی۔ ملک کا بیشتر حصہ ویران اور غیر آباد تھا۔ باشندے عموماً کاشتکار پیشہ تھے مگر صرف اس قدر پیدا کر سکتے تھے کہ اپنے خاندان اور عزیز و اقارب کے لیے کفالت کر سکے۔ تجارت گویا ایک ایسی شے تھی جس کے وجود سے بھی وہ لوگ ناواقف تھے۔

ایسے ملک میں جہاں کے باشندے ایسے سادہ لوح اور دنیا کے مکر و فریب سے نا آشنا ہوں وہاں اقتدار پسندوں کی حکومت ایک لازمی امر ہے اور پھر روس میں تو ان حکومت کے قوانین کا چا دو ایک مدت دراز تک قائم رہا۔ بیچارے کسان کو ہر طرح سے پریشان کیا جاتا تھا حکومت کے ٹیکس روز بروز اس قدر بڑھتے جاتے تھے کہ غریب باشندے پناہ مانگنے لگے۔ اور ظلم و جبر کی یہ حالت ہوئی کہ وہ لوگ اس نام نہاد آزادی پر ایک آزاد غلامی کو ترجیح دینے لگے۔

گزشتہ صدی کے وسط میں دنیا نے سرزمین روس پر ایک عجب تماشہ دیکھا یعنی کہ دیہی روسی کسان جن کو کہ دنیا نیم وحشی کہہ خطاب کرتی تھی، ایک بیک مذهب و تمدن ہو گئے بلکہ یہ کسان بچانہ ہو گئے کہ روس نے دنیا کے سامنے ایک نئی تہذیب کا علمی نمونہ پیش کر دیا۔ یہ کام موجودہ زمانہ کے مورخ کے احاطہ خارج

صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خانہ اور کارخانوں کے بنائے ہوئے عطر خانہ کا نسبت بہ شہر خوشگیا ثابت ہوگا

کی پیمینوں کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

وہ ایک اوسط درجہ کے کسان کی زندگی بسر کرنے لگا۔

ان تغیرات اور ارتقائے داخلی کا نتیجہ ایک در خاص شکل میں نمودار ہوا۔ تقریباً پچاس سال قبل روس میں کوئی مصنف پیدا نہوا تھا۔ لیکن اب روس دنیا کے اہم ترین لٹریچر رکھنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اُن متعدد مصنفین میں سے جو کہ روس میں اُن ایام میں پیدا ہوئے ٹالسٹائے۔ دوستوئی۔ گورکی۔ آؤن، ترنگرہو کے اسماء نہصوت سے لیے جاتے ہیں۔ مگر ان سب میں اعلیٰ ترین درجہ ٹالسٹائے کو حاصل ہے۔

وہ جذبہ جس کو ہم آجکل حب الوطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں ٹالسٹائے اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُسکا قول ہے کہ دنیا میں تمام جنگ و جدل کی اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب سے کہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو حب الوطنی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آئندہ بھی لوگ دنیا میں دشواریوں کے بانی ہوتے ہیں، اور اقوام عالم کے درمیان دشمنی کا بیج بوجتے ہیں۔ یہ جذبہ حب الوطنی نہیں بلکہ خدا اور اُس کی مخلوق سے دشمنی ہے۔ اور ایسے لوگ نسل انسانی کے واسطے اولاد المیہ سے کم نہیں۔

اس موقع پر روسی ناول کی چند خصوصیات بیان کرنا بھی بعید از بحث نہ ہوگا۔ کیونکہ روس میں انقلاب برپا کرنے میں روسی ناول کو بہت بڑا دخل ہے۔ یہ امر کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ روسی لٹریچر ایک غیر متدن قوم کا لٹریچر ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ ہم بغیر ایک اعلیٰ معیار تمدن کے دنیا میں رہ کر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ موجودہ تہذیب کے ہم معنی نہیں بلکہ خود تہذیب کو ہم اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ روسی ناول کے کیریکٹر اکثر غریب مخلوک الحال کسان ہوتے ہیں جو کہ راستبازی

ٹالسٹائے نے سراپہ داری کے خلاف کوئی باقاعدہ جنگ نہیں کی اور سراپہ داروں کی تباہی و بربادی اس کا مقصد تھا بلکہ اُس کا سطح نظر یہ تھا کہ دنیا میں ایک خوش حال انسانی وجود کے واسطے یہ ضروری ہے کہ ہر فرقہ اور ہر گروہ آپس میں امن و امان سے زندگی بسر کرے اور یہ جیسی حاصل ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ضروریات زندگی کی تقسیم برابر ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ ایک اعلیٰ قومی نظم و سلطنت اُن تمام ذرائع کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ زمین کا بیشتر حصہ جو کہ اس وقت بڑے بڑے سراپہ داروں کے پاس ہے اور کیونکہ تقسیم سراپہ داروں قدرت کے خلاف ہے اس لیے اُسے بھی حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے پھر ملک کی تقسیم مساوات کے اصول پر کی جائے یعنی ہر شخص کو مساوی حصہ زمین ملنا چاہیے کے لیے دستیاب ہو سکے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ اگر تمام دنیا کی مختلف اقوام اپنی اپنی قوموں کو توڑ دیں اور آلات حرب کو برباد کر دیں تو دنیا سے جنگ و جدل کا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹ جائے گا۔ اور انسان ایک انسان چین کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

ان انقلاب انگیز تعلیمات نے روسیوں کے دلوں پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اُن کے خیالات میں یک بیک ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ ٹالسٹائے کو وہ اپنا پیغمبر سمجھنے لگے۔ اور اُس کے واسطے وہ ہمیشہ اپنی جان نثار کر دینے پر تیار رہتے۔ حکومت وقت کے خلاف آہستہ آہستہ پیمینی پیدا ہونے لگی جس کا کہ انریہ ہو کہ ٹالسٹائے کے مرنے کے بعد روس میں ہزاروں خفیہ انجمنیں قائم ہو گئیں جو کہ ہر وقت جبر و تعدی کی حکومت کی تباہی پر تیار تھیں۔ اُسی کا نتیجہ ہم آئندہ چل کر زمانہ موجودہ

صغریٰ محمد علی تاجر عطر کہنو کے ایجا کردہ عطر خانہ کا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

رق

۲۳

اپریل ۱۹۲۶ء

و خود داری کا ایک اعلیٰ معیار دنیا کے روبرو پیش کرتے ہیں۔
 روس کا ہر ایک باشندہ قدرتا فلسفی پیدا ہوتا ہے مگر فلسفہ کی
 حقیقت سے نا آشنا ہوتا ہے۔ روسی لٹریچر قومی جذبات کا
 ایک شفاف آئینہ ہے جس کو کہ مکر و خد دینی کی گرد آلودہ

فضاؤں نے کسی دھندلا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لفظ اور
 ہر بات میں سچے جذبات کی تصویر نظر آتی ہے۔
 علی مقدود
 مسلم یونیورسٹی علیگرھ

قطعاتِ نخلیہ فاتحانہ پٹ برج نرائن چکبست لکھنؤی

قطعہ

بسالِ وفاتِ بلانہ جناب برج نرائن صاحب چکبست لکھنؤی ۱۹۲۶ء

از تصانیف لطیف پروفیسر سید ابوالحسن شاہ دان ۱۹۲۶ء

سینئر پروفیسر رانگل کالج بلاہور پنجاب ۱۹۲۶ء

شاعرِ مکمل سے برج نرائن چکبست
 ذیل کے شعر میں بتلاتے ہیں اس مسئلہ کو
 ”زندگی کیا ہے غنا صرین ظہور ترکیب

موت کیا ہے انھیں اجڑا کر پریشان ہونا“
 قول کو اپنے عمل سے بھی کیا ثابت
 شعر مذکور ہی تاریخ کا ماحذ ہو اگر

بات ہی کیا ہے ان اشکال کا آسان ہونا
 کچھ تصرف سے یہ شادوان نے کہا سی وفات
 ہے حذرِ غنا صر کا پریشان ہونا

۱۷ (نوٹ) کسی شکی ذہنیت سے قرین کو مطالعِ منظر میں حد کتبیں۔

ختم شد۔ ۱۳۳۳ھ

محمد شاہ ابوالعالی رکوٹ۔ مکان جناب سردار سہیل سنگھ لاہور۔ ۱۹۲۶ء

اجتنابِ مرزا کاظم حسین صاحب شکر لکھنؤی

دارغانی سے لکھے برج نرائن چکبست
 سُن دیا جس نے اُسے صد جا بجا ہوا
 دوسٹ جاکر جان سے پیدا دکھا
 جو لکھا صنوبرِ قرطاس پہ مقبول ہوا
 اُنکے ہی قول سے تاریخ ہو ہر اور عجز
 موت کیا ہے اور نہیں اجڑا پریشان ہونا

صنوبرِ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر شامائے لعل کی خوشبو اس کے ساتھ رہے سے معلوم ہو سکتا ہے

جلیس مہنی

چودھویں صدی اچھی ختم نہیں ہوئی اس باغ کی بہار اب تک ہم دیکھ سہے ہیں، اسکے آغاز میں گلزار سخن اپنے پرے شباب پر تھا۔ اس چمن ہزاروں خوشنوا بل چمک رہے تھے جنہیں خزان کے دورے مٹانا شروع کیا۔

کیسے کیسے بلخ فصیح شاعر ہماری آنکھوں کے سامنے پوشیدہ ہو گئے سب کا ذکر تو درکنار وہ زمرہ پروانہ سخن جو ہمارے ہم صحبت تھے دیکھتے ہی دیکھتے ہمیں مفارقت کا دلخ دے گئے اور کچھ ایسے خطابوں کہ ہمارے ہلو سے اٹھ کر گوشہ تربت پسند کر لیا۔

ان بزرگانِ طریقت کا جب کوئی ذکر کرتا ہے تو آنکھ کے منہ جاری ہو جاتے ہیں اور دل عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ نہیں تھا کمالوں کی برکت سے شاعرے کی زمین تھی جتنے قدموں پر غوغائی آنکھیں ملتی تھیں وہ آسمان کے تارے توڑ لاتے تھے۔ انکے مبارک عہد میں زبان کی صلاح ہوئی، رسم الخط میں ترمیم ہوئی، زبان میں چھٹا آئی، خود قافے لکھنا زبان کو سنوارا، قدروانی اور جوہر شناسی کا دور بند ہو چکا تھا اگر انکی ہمت نے عروس سخن کو سنوارا اور خوب سنوارا۔ (۱) حکیم صناسن علی جلال لکھنوی:۔ میانہ قد شخصی و ادبی تا کہ مزاج گرمی کے زمانے میں انھم میں نکھالے ہوئے آہستہ آہستہ تشریف لاتے ہیں اور دو چار شعر ایسے سنا جاتے ہیں کہ تمام جلسہ بخود ہر جاتا ہے۔

شبِ صال یہ اندھیرا کیا کہیں کہ انکو لیکے یہ آسمان بکلی آیا کی ہوئی فاقہ غریب میں کیسی بچے کوہن کیاتے لچا و لچا وطن میں

آج آپکی ذفرت میں بسرا رنگی مل لیجے پھر ہم سے ملاقات نہوگی تو بہ کرین ہم بادہ کشی سے کوئہ نگار تقصیر سے پیر خرابات نہوگی

دل مرا آنکھ تری دلوں میں ہماز مگر ایک کا حال را ایک کا حال اچھا ہے مٹی ہو کر بھی صفائی نہ مٹی سے جلال لاکھ نشینوں سے مر اجام سفال اچھا ہو

عذو کے ساتھ ہی لچھا تم آؤ وقت اخیر وہ اب گر گیا کہ اور اوج عمر بھر دیا (۲) مائل میر صادق علی لکھنوی:۔ آخری شاہ ادوہ کے انتقال کے بعد گلگتہ سے لکھنؤ چلے گئے اور زندگی بھر سے ہر کوچک میں ایک عطر فروش کی دکان پر نشست لکھی۔ نشر برس کا سن تھا بہت خوش فکر تھے کبھی کبھی راستہ میں صاحب سلامت ہوئی تو کلکتہ کے دو چار شعر سناتے تھے۔

اندھیرا تھا جو بھر جبین سے جلائی شمع آہ آتشین سے رہ گیا ستر میں سوئے محبت نہ چھوٹ گیا جندل بر جبین سے گلا کا ٹون بہت شوق اجل ہے مجھے فخر کوئی لائے کہیں سے (۳) نواب مرزا مہدی علی خان نرشار گرد میان بچہ تمام رنگی انکارین بہتلا ہے۔ مگر شعر گوئی کا مذاق جاری رہا، دو گھڑی باران میں بیٹھ کر دل بہلا لیا کرتے تھے، فن شعر سے بھی واقفیت کامل رکھتے تھے آخر میں کر بلا سے محلی تشریف لے گئے اور چرنا تھاں ہو گیا۔

خاکسارانِ جہان کا خیال اچھا کہ رہے دوست میں کمال اچھا

اگر آپ کو عطر خاں درکار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

مرکے بھی شعلہ نشان ہو دل پر دوا گریبان کرتا ہوا جبک نفس سردا

تذکرہ لیکر چلے ہن دل دین ایمان امین جہان کو پند کئے مڈال چھا،
(۳) بیت کہ تو صاحبِ جلیسِ خلعتِ لیسِ نیر کو میرا نیس۔

نہ ہوگا حشر میں کوئی کسی کا بھروسہ ہے تو اپنی یکسی کا
سدا گریبان رہا نہ شبنم نہ دکھا منہ نے غم نے خوشی کا

نہایت دوست پرورد زندہ دل آدمی تھے مگر گردنِ رودگار نے
ایسا پیا تھا کہ سر نہ اٹھا سکتے۔ جب زراثریہ کی طرف توجہ کی، اور
دو چار جگہ مڑتے پڑھنے لگے، کچھ آسنی کی صورت نظر آئی تو تھکا گئی
جس مجمع میں بیٹھ جاتے تھے غم غلط کرتے تھے بخشنا انتقال کر رہیں
برس ہوئے۔

قرب کام ہے وقت پر نہیں آتا بچھانے دل کی لگی کو گریز نہیں آتا
جھا بیدہ زگر سے بلغم میں نہ کرو یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا

قتل سے محروم بہمنیوں کی تاثیر قسم کوڑے کرتا ہوں پتھر سے
کیا تھوکتا خوشی شوق کی تاثیر سے دوست کو کوڑے کی صورت کی تصویر سے
تشنہ کا ان حیرت انگیز نہیں ہم آگیا سب کے دل ٹھنڈے کئے آئینہ شہر سے
بچھنی ہوت پہلے جان سے پر ہا بچکا تیز بہر نظر سکا تھلا کے تیر سے

(۷) خواجہ بادشاہ صغیر خلعت خواجہ وزیر و وزیر چکن کی
چو گریزہ لڑی اپنے ہوئے لہال کا رومال اوڑھے ہوئے، مشرور کا پانچوا
سیل شاہی جوتا پہنے ہوئے، جریب ہاتھ میں لئے چلے آتے ہیں۔ ان کے
ساتھ ایک بزرگ پست قامت اسی وضع کے بہت ضعیف آہستہ آہستہ
قدم اٹھائے چلے آتے ہیں۔ انکو بخشی جی کہتے ہیں، شاہی میں فرج کے
بخشی تھے۔ یاس تخلص فرماتے ہیں۔ نام تو انکا کوئی نہیں پوچھتا۔ کہتے
ہیں اور سب سلام و نیاز کے بعد مزاج پرسی کرتے ہیں فحشی خدا علی ش
انکے ہنس میں۔ ان سے کچھ مذاق کی باتیں ہوتی ہیں۔ پھر کاما مانتے
ہیں۔ انکے انتقال کو تیس برس ہوئے۔ ۸۰ برس کا سن ہوا ہے

(۵) سید ہمدی صاحب جد یہ لکھنوی۔ مڑی گئی کا بھی
شوق، مگر زل چھی کہتے تھے، باروت دوست فواز تھے۔ گندی رنگ
میانہ قد، دھڑلی لڑی پہنتے تھے، دن ان کی ہر صحبت جابا بہن گزار دیتے
تھے، دینا کی نگہوں کے پاس آتے تھے، ہر شخص کی تعریف کرتے تھے۔
پس فنا بھی ہی دیکھ دین سب سحر کو پھلری قبر کے سیاہ سے
ہمارا دل ہو بہت سخت فوج ناز ہے کم حضور اور کاکے لئے سیاہ سے
ہر ایک فرستے ہیں پیدہ ہر کیفیت اسکی دل بگڑ چکے دینا میں نہ تباہ سے

(۸) شیخ خدا علی علی ش تلمیذ میر گل و عرش۔ بڑے خوش مزاج آدمی
ہیں مسکراتے ہوئے چلے آتے ہیں اور کہتے آتے اپنے ہنس شہر پر
دو چار آواز سے کس دیتے ہیں۔ لوگوں کے اسرار سے دو چار شرمنا
دیتے ہیں۔ پڑھنے کا اعزاز چھا ہے تلاش بھی اچھی ہے۔ ۲۵ برس
ہوئے کہ انتقال کیا۔ ان کا دیوان بھی نہیں چھپا۔ آغا میر کی ڈیوڑھی پر

(۶) فحشی امیر شہد تسلیم تسلیم ز شہد تسلیم دہلوی، اپنے پار
رام پور میں ملازم تھے۔ لکھنوی میں اکثر آکر کرتے تھے اور دو مہینے قیام کر
چلے جاتے تھے، نہایت نیک مزاج تھے، شہر اچھا کہتے تھے۔ ہر
شخص سے بخلاص ملتے تھے۔ خوش نویس بھی تھے۔ اپنا پہلا دیوان
خود لکھا تھا جو مطبع نو کشور میں مطبوع ہوا ہے۔

مکان تھا ہے

دہ جائیں یہ گستاکیاں کناک ہیں حضور سایہ گل ہم پر گراں ہوگا
صدائے صوفیہ صوفیہ گستاکیاں مری طرح نہ کوئی زرا و ناتوان ہوگا

نواب کلب علی خان مرحوم کے دیوان بھی اپنے لکھے ہیں۔
عاشقِ دلِ خوش ہر حسنِ قدیم کا یہ سب زبانِ قیہ بنا ہو کلیم کا

موسم گریہ میں روح فنا اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا استعمال کیجئے

پاس کچھ کتابوں کا ڈھیر ہے، ہکو دیکھ کر بیٹھ گئے، اور صاحب سلامت کے بعد اپنا کچھ کام منایا۔

پھر کہنے لگے کچھ تم بھی اپنا کلام سناؤ، میں نے کہا یہ خلاف تہذیب ہے کہ ایک بزرگ شاعر کے بعد اپنا شعر پڑھوں، فوراً یا چھا کچھ اپنے استاد کا کلام سناؤ۔ سن کر بہت داد دی، ایک تاریخ بھی آخری شاہ اودھ کے انتقال کی سنانی، جس کا مادہ یہ تھا۔

چراغ ہند گل بے با و گردید

فرمانے لگے گل شدن اور گلشن تو میں نے سنا ہے لیکن گل گردیدن سے کان آشنا نہیں ہیں۔ میں نے کہا آپ کے پاس تو ”بہارِ عمر“ موجود ہوگی، اس میں دیکھ لیجئے، دیکھا تو گل گردیدن بھی لکھا تھا۔ اپنا کان ور سے پکڑا اور کہنے لگے تم سچ کہتے ہو ہاے کیا نصیحت لوگ تھے۔

نعل کے واسطے باؤ کھدو دھرم دون درسا اوبت کافر بہت بگڑا مسلمان کج جہانی میں تمہاری شکاری ترقی جو سدا لوگ کہتے ہیں اسی بگڑا کران کہ (۱۲) سید علی محمد صاحب رشتہ میر خورشید علی صاحب نفیس۔ ۵۴ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ شاعر مرثیہ گوشتے غزل بھی کبھی کبھی کہتے تھے۔ رنگ سخن اچھا تھا، پابند وضع تھے۔

حسرت جبرائیل سال اچھا ہے جس پہلائے دل کچھ غیال اچھا ہے پلستہ میں جھکاوہ ہر روز سے لا جنت ہنستے کہتے ہیں کج آپکا حال اچھا ہے صبح رخ نے اسے کانوں کی ٹھنڈک بخشی اب دل سوختہ برقی جلال اچھا ہے طلبہ صلح دیتے جو ہیں کچھ وجہ اب ہم سمجھتے ہیں کہ انجام مل اچھا ہے

(۱۳) بشیر احمد خان نقشبندی تیسرا جلال۔ دو ٹکڑے اب میں تھا، مگر زیادہ تر کھنڈوں میں بہتے تھے اور نہایت خلق تھے۔ ہم برس کی عمر ملی، تو برس آپ کے انتقال کو ہوئے، ایک مختصر دیوان چھپا ہے

افسانہ عشق و عالم میں بن گئے کچھ حرف آگے تھے ہماری زبان پر

(۹) حکیم مولوی میر عنایت حسین صاحب برقی: عمر، سال سیلائے سخن کے ایسے مجنون مجھے تمام عمر بھر دین گزار دی۔ وسیلہ رزق معلیٰ۔ ذی استعداد۔ دوپہر کا وقت ہے۔ حکیم صاحب ایک چادر اوڑھے ہوتے چھتری لگائے ہوئے آسے ہیں، کئے بیٹھے زراستہ لئے مزاج پوچھا، خیر سرت پوچھی، دو شعر نے کے سنائے اور خدا حافظ کھڑے چلے، نہ مزاج میں غور نہ حکمت، انتقال کہ دوپہر کیا داغ عشق کا تھا سب سے پہلے غم فقط سب کے وہ جوئے دل میں گہ گیا بیڑا سیکا پار ہوا۔ بحر عشق میں جو وقتِ رزق حسرتِ حل جہ گیا

۔۔۔۔۔

اواسے لفرین ستارہ کرتی کئے بہا فزہ چلے گل دل میں پہلے بہار گلون کی جان ہوا اور بلبل کا ایک، فضلہ اہل خرابا ہے، اواسے بہار (۱۰) میر بادشاہ علی نقی خلیف شاگرد میر نذیر علی وزیر صبا: چھپکے و، مائل بفرہی، میا دق، چرواشیہ ٹہنی پہنے ہوئے چکن کا رومال اوڑھے ہوئے تشریف لاتے ہیں، نہایت خلق متواضع نیک طینت معلومات شاعری سے مالا مال، سنگی بیک کے احاطے کے قریب، محلہ شاہ گنج میں رہتے تھے۔

کیا آئینہ بڑا دل تو وہ بڑے برہم کدورت و ہم سے ٹھکانی لکھ صفائی میں جلی ریح کی اکدم نہیں گوارا ہے محبت ہو گئی چاروں کی کشائی میں (۱۱) لالہ نبی دھرم پت کا بیٹھ شاگرد لالہ مینڈو لال ترار تلیذ موجی رام موجی۔ منشی باقر علی ہسرنے کہا، بہت ہمارے استاد ہیں۔ ستر چھ برس کی عمر ہے۔ کہیں جانے آکے قابل نہیں ہیں، نکو دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔ محلہ شراف آباد میں ہے، جن پرانے شعرا میں غنیمت ہیں۔

ہم ان کے ساتھ گئے تو دیکھا۔ ایک سن آدمی دے چلے نہ نہیں دانت، نیپٹ میں آت، ایک کٹھڑی میں بیٹے ہوئے ہیں۔ اس

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی، معاملات کی صفائی اور مال کی عدگی ہندوستانی بہرین مشہور ہے

”مرق“

تم نے کبھی اس بات پہ بھی غور کیا ہے
یہ کیا ہو کہ تم سے کوئی خوش نہ ہو سکتا
اتھن میں بھی شکل نالی ہے کچھ ایسی
ریخ انکو نہیں ہو یہ کوئی کہ نہیں سکتا

— — — — —

جفا عشی کی لکڑی کا گڑا ہین ہے
یہ محل نہیں بل پناہ گراہین ہے

— — — — —

دل پر کشت کوئی لئی کہ جگر پر آئی
نام لے لیکے و لا محکو پکارا کس نے

— — — — —

نہیں بولہ محبت میں کوئی نازیدہ
زرا سا وقت اور وہ بھی جان جا گیا
(۱۳) حکیم سید علی حسن عرف نھنے آغا صاحب اہل تبرکیند
شیخ محمد جان صاحب شاہ پر و میرزہ۔ رسالہ معیار کے اڈیٹر
تھے۔ زبان اردو کے ہی خواہ تھے۔ اگرچہ اصول غور و فکر شاعری پر
ہم سے مختلف ہوتی تھی مگر ہم ملاقات و راکم و رفت برابر جاری رکھی
اور کتے تھے کہ شاعری کی بحث توکل و دلیل کا جھگڑا ہے ہکو آپس کے
دراجم سے کیا تعلق، نیک مزاج اور بڑے ملنے والے تھے۔ مناقشات
تحقیق الفاظ کے بعد لفظ مائل کرنا بھی انہیں کا حصہ تھا۔ ”معیار“ کا
اجرا شخص آپ کی ہمت پر موقوف تھا، ان کے مقال کو تحقیقات میں سرگرم
ہے نگاہیں بل نادان مجھے عزیز وہ نہیں ہے میں شوقیہ نجات کی تھی

— — — — —

دیر آگئی تھی قیس کی عود و بخود ملک
ہمے جنون میں کوئی دیر آ چھٹ گیا

— — — — —

چارہ گرا امید اسی کا نام ہے
دود و اجبتک لبون پرم ہے
رہنے ملے دفن کر کے رہ چکے
اب امید گریہ مشجبم ہے
(۱۵) منشی نوبت رے نظر تمیز رشید آغا مظہر اڈیٹر رسالہ
”خدا ننگ نظر“ غور و فکر شاعر تھے۔ دبیر میں ہوئے کا انتقال کیا،
فری صورتی سے بھی واقف تھے۔ قریب قریب دہائی آتے تھے

۲۸

ابریل ۱۳۲۶ء
کچھ زمانے سے ”دودھ اخبار“ کے اڈیٹر بھی ہو گئے تھے۔ اس سب سے
پانچ بجے ضرور آتے تھے، اجاب سے نہایت خندہ پیشانی سے
ملتے تھے۔ ”رسالہ روانہ“ میں بھی اڈیٹر رہ چکے ہیں، اور رسالہ
”ادیب“ کی اڈیٹری کا فخر بھی حاصل تھا۔ یا وجود انکا رعاش کے
شاعری کا شوق جاری تھا۔

رسالہ ”خدا ننگ نظر“ کا اجرا خلد مکان خبر بائسنس میجر محمد علی خان
نیر کا رحید آباد کی سالگو کی یادگار بن گیا تھا، ”حسن قسمت“ سے کوئی
قدر دانی نہ ہوئی۔ اور رسالہ نید ہو گیا، پہلے نواز گنج میں رہتے تھے
اسکے بعد اشرف آباد میں آ گئے تھے۔

اس قدر جو شہر جنون میں عجز تھا
میری حالت دیکھو اگر کیا جان چاک تھا
اب تو اپنے ہاتھ بھی لیں کام سے جاتے ہیں
دست جان کے کبھی اپنا کیا جان چاک تھا

— — — — —

دکھائیوالے کا نہ کف کھا سیکے دل کو
جنہیں ہو صبر بند کبھی خدا انکی
بے نیم ظالم و ظالم دیکھ لیکے لوگ
وفا دفا ہے ہمارے جفا جفا انکی
بھٹک ہی ہو مرنے روح عاشق کی
بنانا کے نہاتے ہیں بصد انکی
دہانک کہیں ہیں لکھن بنو بگڑ
چھڑائی جائے کسی کہیں خدا انکی
(۱۶) نواب مرزا ملک شاگرد رشید لکھنوی، ہر سنیے خود
شاعرہ کرتے تھے اور قریب قریب ہر ایک شاعر سے میں شریک
ہوتے تھے، شاعری کا نہایت شوق تھا۔ ایک مرتبہ پاؤں پکا ہوا
تھا، مدد کی سخت تکلیف تھی، اسی حالت میں ڈولی پر سوار ہو کر شاعر
میں شریک ہوئے، انتقال کو چند دن یا بارہ برس ہوئے۔

جدا کرے کہ نہ تھ جائے پوٹیلے
سناہنیزم سے عاشق ٹھٹھا جاتے ہیں
نہارا حال گردن ہے کوئی کہ نہ تھ
انہیں خبر نہیں گئیوئے جاتے ہیں
مولوی عبد الوہم کلیم تمیز رشید و لطافت۔ کہ نہ تھ شاعر
تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ ایک دیوان چھپ چکا تھا اور ایک غیر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنوی کی تیار کردہ اشعار خالص عمدہ اور بکفایت ہوتی ہے

ہمارے یہاں نشست ہوتی تھی۔ نہایت وضعدار تھے۔ خوش پوشاک بھی تھے، اجاب سے یہ خندہ پیشانی ملتے تھے۔

ہمارے یہ دل میں ہر محبت کیسی خیال لینے بھنگی کوئی دکھائی کیا تو اپنے دل ہی میں انصاف کرے گا کٹی ہار نفس میں تواب ہائی کیا

+

ہم خاک میں مل بھی گئے وہ بے ہمتی لے لیتے ہیں جو سر کے لیے پاک دھوکے میں جو برکے کہیں میری تنہا ہو دست اثر دار گریبان دعا کا (۲۰) حکیم عابد علی کوثر نیکزاد امیر منیانی :- نہایت خلیق، نیک نفس، سکین بزرگ تھے، خیر باد مسکن تھا۔ لکھنؤ میں جب آئے۔ ہماری ملاقات کو حضور شریف لائے اور شروع و غنہ کا چرچا رہا۔ متفقہ الفاظ کا بہت شوق تھا، صاحبِ تلامذہ تھے، کہندہ مشق تھے، نفوس ہے کہ اچکا دیوان طبع نہ ہوا۔

چشمِ سینا ز ساقی قلعہ خوار ہیں یونین یونین کیون کرستونین ز شامین یونین گھر گھر کو زبان ہے فراق یارین حشری ٹہری ہیں عزا دلین یونین شوق کی تیا یا لیں ہر یک کھینچ کر ہم کیا دیوان کا میں تھے گنگا دلین یونین مار دلوں ہے یہ کوثر نہیں ہے شاعری

دل جلا ہوں شاعرون یونین ز شامین یونین

(۲۱) حکیم سید محمد ہمدی کمال خلیفہ میر ضامن علی جلال لکھنؤ :-

عمر ۴۴ سال، انتقال کو دس برس ہوئے، پہلے تو دوسری یاستون میں تہہ اطباء میں ملازم رہے۔ آخر میں ریاست اپر سے تعلق ہو گیا تھا لکھنؤ میں جب آئے تو ہم سے ضرور ملے، نہایت خلیق، اور مکر مزاج تھے اکثر اپنا سادہ کلام سناتے تھے، شعر اچھا کہتے تھے، اور فی شعر غنہ کا شوق تھا، جتنا دشمن تو کہتا ہے جو کوئی کسی کو اپنا بنا تا ہے کیوں نہ کوئی سانا اُنکا ٹرپنا مراد چلے گا کسی میں جو کوئی حادثہ کسی میں چلے کوئی دل میں کہتے ہیں سب شوقین بھائی بھائی بی بی یہ وہ کہے کہ اردو کوئی

مطبوعہ تھا، فارسی کی استعداد اچھی تھی، مرزا بہادر مرزا محمد عباس کے مصاحبین میں داخل تھے۔ انتقال کئے ہوئے دو برس ہوئے لکھنؤ و اہل لکھنؤ کے بہت طرفدار تھے ہر شخص سے نہایت خلوص ملتے تھے، شعر کا مزاج وہ بہت لیتے تھے، وضع دار تھے، نہایت بزرگ تھے۔ سوا فیر شعر کے اور کوئی فکر نہ تھی۔

بھکیان آتی ہیں کیونکر اُسے لیکر لڑن جو کرے میر خیال اُنکا خیال اچھا

+

کتھنیر جنوں کیجٹ خشتناک تھا جو کہ دیوانے تھا اُنکا گیارا چکا تھا غیر کی بھی اُسکے سینے پر پڑی گئی گیارا ہائے کیون کے نام میں گیارا چکا تھا (۱۸) میر ذاکر حسین صاحب یاس شاگرد جلال :- اُنکے انتقال کو دس برس ہوئے۔ بہت کم سخن تھے، تواب ہمدی علی خان کی سرکاسے تو سل لکھتے تھے، نہایت خلیق تھے، شاعرون ہیں کم مشوک ہوتے تھے۔ کہندہ مشق شاعر تھے۔ اُنکا دیوان طبع ہو چکا ہے جو مرثیہ میں مجرات تو سزا آگئی شکست دی گئی جفا کو سزا آگئی نہ سمجھے کوئی کہ میں ناتوان بہشت فرستے عرش کی سُن لیتے ہیں جفا آگئی سبب ہے جو بہت دیکھتے ہیں آئینہ کہ آئینہ کل ہو کچھ صوت آٹنا آگئی

+

خونین ہیں کچھ کہتی ہے خدائی کیا قیامت آگئی اپنی طبیعت آئی کیا جواب تیا ہے دعوے کا آئینہ آئینہ دکھا رہی جو حسینوں کو خود خدائی کیا تمام عمر زاری ہے حق پرستی میں کر بھگا کوئی ہماری سی پارسائی گیا (۱۹) مولوی عبد الاحد شمشاد فزنگی محلی لکھنؤی تلمیذ رشید آفتاب لدوہ قلعہ و شاہ عبد العظیم آسوی حکیم جعفر حسین کا شغف نہایت بزرگ تھے۔ تین دیوان اُنکے طبع ہو چکے ہیں۔ غازی پور میں مدرسہ چشمہ رحمت کے منبر تھے۔ علم فارسی و عربی میں کافی دیکھا۔ لکھتے تھے گرمی کی تعطیل میں لکھنؤ آتے تھے اور ذوقِ قیام لکھنؤ میں چاندی سے شام تک

اصغر علی عمر علی کے عطر شامہ الغبر کی خوبی اسکے استعمال ہی سے معلوم ہو سکتی ہے

عمر تحمیدنا ۵۰ سال تلمیذ آئیر میتانی، ساکن ڈیڑھی آغا، انکے انتقال کو برس ہوئے۔ آپکا دیوان چھپ چکا ہے، سہ پر کوڑا کے دو سکہ دہر شعرا کا مجمع ہوتا تھا۔ اکثر نواب شیخ محل بھی آتے تھے۔
قسمت بلی و مجنون کا عجیب قصہ شہر حسن کی کاٹھوار سوا کوئی عمر بھر کم نہ ہوئی، الفت مرگان ہم بیرون دل میں درگاہ نے نکلا کوئی

ۛ

جادو کی کسی چشم فرود کو چل گیا چارون طرف شوگر کی بجلی نکل گیا
(۲۶) مرزا محمد وحی علی خان مظہر لکھنوی: ساکن محلہ تیک گنج
تلمیذ تیر شکرہ آبادی نہایت خوشگوشااعر تھے ہمیشہ افکار میں مبتلا رہے
آخر عمر میں بڑا شعر ملازم ہو گئے تھے، لیکن زندگی نے وفات کی اور تحمیدنا
۷ برس کی عمر میں انتقال کیا طبیعت نہایت مذاق پسند تھی۔ تھوڑا زمانہ
ہوا کہ انتقال فرمایا۔

جنہیں وہ تھا صورت آفرین سے پیٹنے مڑے ہوئے ہیں کہیں سے
سنبھل کر دل ترش لے کا ہر شغم وفا کا نام ہوگا اس گلیں سے

ۛ

سو گئیے لیکر مری قبر کے محلے بھول رنگ باقی نہیں پر پڑے فایتے ہیں

ۛ

کوئی ہنستا ہو مجھے دیکھ کر رہا ہے کوئی آپ ہیں آؤں تو دیکھوں تماشا کیا ہے

ۛ

اور چندے بار ہے واعظا تو یہ کرنے کے دن بھی آتے ہیں

ۛ

اشک کہتا ہو کہ میں تیر تیاں کئی وہ یہ کہتے ہیں ہوا حشر جانا نکلا

ۛ

لے شوق جلد سے پیچ دی بنا سجاے عقل و عشق میں جن جلاوت

ۛ

جب آپ دیسی عطریات کا استعمال شروع کریں تو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیں

سادگی میں بناؤ کرتے ہیں رنگ تصویر میں بھرتے ہیں
تم سلامت ہوئیے پھر کستا آپ میری بلا سے مرتے ہیں
(۲۲) مولوی سید محمد اصطلح صاحب عرف مولوی لدن
صاحب غورخید۔ دوست بے یار تھے لیکرے کا بہت شوق
تھا۔ انتخاب نام ایک سالہ طرعی غزلوں کا نکالا تھا، مشاعرے
بہت کئے، اور بہت سے شاعروں میں شریک ہوئے۔ انتقال کو
۳۰ برس ہوئے۔ آپکی ایک کتاب افادات، علم عروض میں طبع ہوئی
کیا فقط دینے نہ ہمیں گھر نیٹے کئے طیر تک چنتے ہیں نکلے شایانے کئے
باغبان گلشن ہے تیر اسداغ دیا ہو کبھی تھوڑی سی جا اگر شایانے کئے
قبور واد کا تھا یہ پاس شمع زم کو نور کی چاد عطا کی شایانے کئے
پھر وہ نکھارتے ہیں قبر عاشق بن جا آئے ہیں سوز مئی فتنے بگنے کئے
(۲۳) مرزا محمد علی آدم لکھنوی: عمر تحمیدنا پچاس سال، انکے انتقال کو
دس برس ہوئے، محلہ وزیر گنج میں رہتے تھے اور ریاست تانپارہ میں
ملازم تھے۔ گندمی رنگ، چھپک و نیک مزاج تھے، تحمیدنا برس
ہوئے کہ انتقال فرمایا۔

ہے بے پناہ تیر تری چشم ناز کا تعلیم یافتہ اثر دگداز کا
لے مبتلا سے نزع بس آ نکھ بند کر تا چند انتظار بہت جیل ساز کا
(۲۴) محمد حیات بخش رسا تلمیذ داغ دہلوی: عمر تحمیدنا ۵۰
سال، ابتدا میں آپ محراب و مثل مشغول شکرہ آباد تھے۔ آخر عمر میں
ریاست اپور میں بڑا شعر ملازم ہوئے لکھنؤ میں دو چار مرتبہ تشریف
لائے۔ اور اپنے کلام سے محفوظ فرمایا، تحمیدنا انتقال کو دس برس
آدمی خوش فکر تھے۔

کیا تھا عشق کہ کچھ دن مجھے مٹا گیا خبر نہ تھی کہ یہ ظلم و بال جان ہوگا
جھٹساے بار ک شکرہ رسا کر نام تمام عمر کا احسان را لگان کا
(۲۵) نواب سید بنیاد حسین خان صاحب جاہ لکھنوی:

جب آپ دیسی عطریات کا استعمال شروع کریں تو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیں

مرقع

یادش بخیر دل جو گیا تھا بہار میں ہم ساری عمر رمانچ میں کیا چٹائے
مید مصطفیٰ میرزا عرف پیلے صاحب شید کھنڈی
ساکن محلہ رکاب گنج وال کی مثنوی مرثیہ شاعر تھے، غزل بھی لکھتے
تھے اور غزل گو تھے۔ ابتدا میں شاعر و نثر نویس شریک ہوتے تھے۔ آخر
عمر میں غزل گوئی ترک کر دی تھی۔

شاعرے میں جانا موقوف کر دیا تھا۔ ترک شاعرے کی کیفیت
ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ نواب سید صفحہ میں صاحب بیان
نہایت نفیس اور پاکیزہ صحت شاعرے کی مقلد تھی، شاعرے کی کوٹھی
دہن بنی ہوئی تھی، قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے۔ لکھنؤ کے مساندہ
سخن سب جمع ہوتے تھے، مولوی علی میاں صاحب کاتل، مولوی ن
صاحب خورشید، سید بندہ کاظم جاوید، سید عباس حسن نصاحت معروف
بات یہ تھی کہ نواب صاحب کا اخلاق سب کو کشان کشان مقلد تھی
بجائے تھا، اور رسم بھی کچھ ایسے تھے کہ کوئی شاعر نثر سے عذر نہ کرتا
تھا، اول تو نواب خود خاندان اجتماع سے تھے، دوسرے نہیں
سیر چشم، تیسرے ارتباط اور خلوص۔

اس شاعرے میں جناب رشید بھی جاتے تھے۔ ایک رتبہ
آپ شریک شاعرہ تھے کہ ایک نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ تشریف
لائے اور جناب شید کے قریب بیٹھے۔ آتے ہی سب پہلے اپنے
ٹوپی اٹھا کر آگے رکھ دی اور آپ ہشت پہلو ہو کر کسی قدر صفت سے
آگے بڑھ گئے بیٹھے۔ یہ امر جناب شید کی تہذیب کے خلاف تھا،
طوعاً و کرہاً شاعرے میں بیٹھے رہے۔

اور اسکے بعد سے کسی شاعرے میں شریک نہ ہوئے۔
لوگوں نے سبب پوچھا آپ نے کہا، آج کل کے زمانہ میں
تہذیب مشاعرہ قائم نہیں رہی۔ غرض شاعرے سے یہ ہوتی ہے کہ
شعرا کی تہذیب انکا ادب، انکا حفظ و راتب لوگوں کو اٹے اور اس

اصل

لوگ شاعرے میں آتے ہیں، اس انگریزی زمانے نے ان سب کے مٹانا
خروج کر دیا ہے، جو لوگ شاعرے میں اپنی لٹری اٹھار کر بیٹھتے ہیں،
انکو دوسروں کی لٹری کی کیا عزت ہو سکتی ہے، جب شاعرے کی
غرض باقی نہ رہی تو اس میں شریک ہونا بیکار ہے۔

ہم نے جناب شید کو آخر عمر میں دیکھا اور باہر انکی خدمت میں
جانے کا اتفاق ہوا، انکی تہذیب بہت اچھی تھی، اور سب زیادہ
قابل تعریف انکی فصاحت تھی۔

انکے انتقال کو آٹھ برس ہوئے۔
کتنے میں نیم و گل عالمگیر نگہ حال کوئی نہتا ہر انکھا کوئی گریان بکلا

خندہ جام پر ہر وقت نظر پیری ساقی سوچے کہتا ہو خوش وقتا ہے
شیدہ کوئی چھپکایا آئین اس یاد کو تے میں کیوں اہل خرابا ہے

انکی آرایش بھی ہوتی ہو لطف تو تھکے دن کو نہتہ گلیاں گویہ کو نالے رات کو

گلکے کان مٹے کون التجا میری در قبول کے قابل نہیں عامیری

جام چلے کو ہر سبیل نظر ٹپٹھیں آنکھ ساقی نہ پڑتا ہم اور نہ ٹپٹھیں

ایک ت کا ہر قصہ حاجی بل تھا ابنیہ یاد پہلو پر کو وہ پہلو ہے

جملہ منظوم نمونے پس سبکباری ہو اور احباب کو ہر فکر کفن بھاری ہو

کتابا ہوا تھا کرسے شجرہ گلچین کیوں نصیب تیرے پھر اشیان بنایا

حجید۔ سید باقر صاحب لکھنوی برادر رشید مرحوم۔ ہناتہ
خلیق با وضع تھے۔ سلیم المذاق شاعر تھے۔ اکثر شاعروں میں
تشریف لاتے تھے۔ تخمیناً پچھ برس ہوئے انتقال فرمایا۔
پوچھنا چھوڑ دیا اگلی جن بھی مزاج جان کر دوستوں کو ذرا فات مجھے
کسی موقع میں نہیں جوتا جو ناموس آج آپ کے عزیز ہیں فصل ہجرات مجھے
دیکھنا ہوں کہ شکستہ ہیں خزاں احباب دے ہی جو خیر انجام کی جات مجھے
بسا غریب دیکھوئے سنہی آئیں گے روینگے جد سے اہل خوابات مجھے

خاک سیری چمن کو نکات حاصل ہوا غنچے خٹکے بھی شمع بوئے فانی نے لگے
تم سلامت ہو اٹھی ہری کس دھوکہ لاش گزرتے تو یہ وطن دیہہ سامان ہوتا
یہ وہی سخندان کامل در زمین دفن ہیں جو کبھی ہمارے طیس
تھے۔ ان میں سے بعضوں اور خدا جانے اس میں برس میں ایسے ایسے
کتنے نامور ان سخن پوینہ خاک ہو گئے، جنکو ہم روزانہ دیکھتے تھے لیکن
اب نام تک یاد نہیں آتا۔

اس مضمون کو ابھی ناتمام سمجھے یعنی بہت سے احباب ابھی
ایسے عزیز ہیں جن کا کلام ہم نے انکی زبان سے سنا ہے اور وہ ہکو
اپنی تشریف آوری سے مشرف فرماتے تھے۔
تو ایسا سمجھنا چاہئے کہ اس مژدے کا پہلا بند ختم ہو گیا اور دوسرا
بند شمع کے لئے مستند ہو کر انتظار فرمائیے

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

بٹھے ہیں ان ہا میں ہم میان کے دوست روح نمانہ ہو ہی ہو رہی ہے دوست
ایک سیری قریب ہیں بہن ہزاروں پتین ہڈی کا یاد کیا جلدی زمین کے دوست

حکیم حامد علی خان صاحب بیر شریٹ لا لکھنوی: نہایت
خلیق ملنا سبب متواضع تھے۔ اور جب کبھی ملاقات ہوتی تھی نہایت
خلوص سے پیش آتے تھے۔

ایک مرتبہ چوک ناگہ پر کہیں جا رہے تھے، مجھے دیکھا اور سلام
حلیکے بعد تانگہ کوڑا کر مصافحہ کیا، معاف کیا، اور شکایت کی کہ بہت
دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی، کبھی کبھی تو آکر کرو۔

یہ عجیب بات تھی کہ سلام میں ہمیشہ انہیں کو سبقت دیتی تھی ہکو

غمر عشرت

از جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی

وسط سینے سے اکثر سحر نکلنا ساتھ اپنے دل مرجح کو کیا نکلا
آپ کا ناز و غمر سے بھی نہ نکلا اسکو کتنے دن وفا ساتھ مادل بھی چلا
دیر و کعبہ میں دہی سحر نہ نکلا ایک ایک سوا تیرہ نہ خیر نکلا
میوفاؤن کی محبت میں کئی حمر اپنی کونج عزت میں بسر ہوئی بھٹا کی طرح
قمر ہے فرقت ساقی مجھے اس میں کس مل جیسے نذر کیا ہم نے سحر نکلا
کس لئے طور پر لے تو جلی جاؤں فصل گل میں شریک فی نہ سحر نکلا
کس لئے طور پر لے تو جلی جاؤں مل بھٹا تھا جس میں وہ ترانہ نکلا
ڈوب کر سینے سے جیہا پکا خیر نکلا کونج عزت میں بسر ہوئی بھٹا کی طرح
ہم کو کیا نام ہمارا بھی نہ بھر نکلا کون والوں کو گدا کی بھی خاک نہ بھر
رات کو لے کے پیلا میرا نور نکلا کون دل جو محبت میں انہی ڈوبا
ڈھونڈوئے کج سے ہر مرجح کا لکھ نکلا کیوں گرا بھٹا اٹلی وطن نظروں سے
کیا خطا تھی جو قدم شمر سے بھر نکلا حیرت سے ہوئی تھرتھری عشرت
کوئی دنیا میں اگر صاحب جوہر نکلا حیرت سے ہوئی تھرتھری عشرت

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ جو کو فریب ایک، صدی کا زمانہ ہوا ایک نامی سے جاری ہے

رسانِ ملکِ حضرتِ یحییٰ کی غزل

اُنکے قلم کی لکھی ہوئی

یہ سن کے آج شہرِ غمِ دہ بات بھی تو ہو ہسکر کھلکھلے دل سے کہیں رات بھی تو ہو
ہم لیں بلا یزید زلف کی دہ رات بھی تو ہو آؤ فریاد کی رات کہیں برسات بھی تو ہو
مگر سر پہ نہی مزیں توبہ کرد کچھ سوچوں ساقی زلفِ مانی مانات بھی تو ہو
انہار آرزو کوئی البسِ خطانہ تھی کیوں تیوہاں جیسی مزیں کوئی بات بھی تو ہو
یہم جاگے سر جھکا سیرِ بالہ جامِ کبیرم یہی رہنماں سابقہ حاجات بھی تو ہو
باپوشِ سرانِ سینو کی آئی ہر میر گھر ان کی نظر میں کچھ میری اوقات بھی تو ہو
بخت کو سو کر شیم بھنگی ہزار ہاتھ حضرت سے کچھ ملو کر امانات بھی تو ہو
کہنے کو اٹھ بیگی سنگر سے کوئی بات مشہر کے روز مجھ سے ملاقات بھی تو ہو
بنتِ عجب بچھا بیگی دامنِ پئے ناز زادِ مرید یہی تر امانات بھی تو ہو
ہم میکہ کو چھوڑ کے کہے کہ ہو میر کچھ غیر اس طرح کی مدارات بھی تو ہو
تم کو ریاضِ جانتی ہر خوبِ حیریز جتنے ہو نہ کہ اتنی ہی بدعات بھی تو ہو

جناب مولانا نیاز فتحپوری اڈیسر ”نگار بھوپال“

— کی —

ایک فارسی غزل
جو خود اُنکے قلم کی لکھی ہوئی ہے

— — —

دلِ رانا تو جسمِ دوستِ آہِ آسنا کہوں فُوتِ سوا بزمِ دنا بزمِ مست کہوں
ز حالِ دلِ نیمِ رستِ از یادِ کونِ جِرامِ کہ چہرے بعدِ آسِ خوفِ شوقِ عاکِ کوم
چہرے بڑی از ہجومِ آرزوئے منِ بکس سوئے من ہر گھاتِ رکودِ نامدِ عاکِ کوم
جسِ دلِ محو سازد یادِ آں کُتبِ رُخوت گھاسِ با من و من بالگھاسِ با کوم
لبسِ جنبید از جوئے بزمِ نغمِ نغمِ من نغمِ رومِ جوئے خیالِ جہا کوم
غزبانِ جہلِ می جوئے ترکِ جہا سازی جہا کوم کہ من اہلِ حسنِ بزمِ کوم

نیانِ اینجادِ مندرِ محوِ بزمِ رُخوتِ می

نغمِ بزمِ رُخوتِ می کہ ترکِ بزمِ کوم

نیاز فتحپوری

۶۱۹۶۶
۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء

فریب خیال

(افسانہ)

از حضرت نیاز فتحپوری (ڈیڑ لکھ چوبیس ہزار)

(خاص مرقع کے لئے)

یہ فسانہ جناب نیاز نے فروری میں خاص مرقع کیلئے لکھا شروع کیا تھا جس کا ایک حصہ فروری کے مرقع میں شائع ہی ہو چکا ہے فروری کے محارم میں ہی جناب نیاز نے یہی افسانہ کچھ ترمیم کیا مرقع سے نقل فرمایا تھا اب یہ فسانہ باوجود پریشانیوں کے میرے اصرار سے کسی نہ کسی طرح جناب نیاز نے ختم کیا ہے جس کے لیے میں انکا بوجھ منون ہوں اپریل کے محارم میں اسی فسانہ کا کچھ حصہ شائع ہو رہا ہے میرا ارادہ تھا کہ جو حصہ فسانہ کا فروری میں شائع ہو چکا ہو وہ بعد کے مرقع شائع کو ن لیکن ایک نہ کہ کچھ میں فسانہ شائع نہ ہو سکا سلسلہ ٹوٹ گیا دوسری زوری میں فسانہ مرقع میں شائع ہوا اور میں کچھ ترمیم فساد کر کے چھاپا جناب نیاز نے شائع کیا ہوا سلسلہ معلوم ہوا کہ فسانہ شائع ہونے میں میں نے کچھ کو باج کیا کہ ان لوگوں کو رابطہ حاصل ہوتا تھا تو یہ بھی کوئی بات نہیں کہ اس کا کچھ نہ لکھا جائے

رشدیہ کسی شام ملائم قدموں کے ساتھ اور کبھی غصہ میری کی تیز رفتار سے بڑھ گئی

کوئی سو مرتبہ پائش کر چکا ہوا، لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ

کرے تو کب تک اپنی بدمذہبہ وغیرہ ملین زندگی کی تلخوں کو برداشت کئے جائے۔

اس نے اپنی مٹی کھول کر ایک پرچہ کاغذ نکالا اور دیکھنے لگا، دیکھا اور

پھر تازہ بروئی کے ساتھ ٹھٹھے لگا۔

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، حال کی اسیدوں

کے تجزیہ میں مصروف تھا اور اپنے مستقبل پر بھی ایک سرو رائیزنگ ڈانٹا تھا۔

جسکی بیک گردنوں (Back of the head) پر نقش نگار نظر آرہی تھی

تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر اُسی تحریک کو دیکھا اور اب اُس کے خیال نے اٹھا پاکی اور

اور جذبات سے آواز کی صورت اختیار کر لی۔

”میں کہ اس وقت علمی دنیا کی قوانین میرے ساتھ وابستہ

ہیں۔ میں کہ میرے قلم سے ہر لفظ معیار اور بے تکلف نکلتا ہے، اور

ان، وہی میں کہ جس کے اظہار داغ و زائید ہے خیال کا

ایک ایک نقش لطیف مستقل آذر کہہ سمجھا جاتے۔ وہ اپنی

اس ادویت سے متاثر ہو کر خود ہی تن گیا لکھتے دردمان فیصلہ

فطرت کا ہے کہ وہی میں، اپنی از و داعی زندگی کے اعتبار سے

کون منع کیا تھا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہیں لیکن

اور تھوڑے کو تار، شیعہ کو خوش لکھا اور بولن اٹھا ورنہ وہ

مجھے کھد ر شرم آتی ہے جب کوئی دریافت کرتا ہے کہ اچھی

شادی کمان ہوئی ہے، نہ کوئی دنیاوی جاہ و ثروت، نہ کوئی

علمی قابلیت و شہرت نہ کوئی ذاتی وجاہت مذہبیت۔ میسولی

طبقہ کے لوگ اور معمولی انسانوں کے درمیان نشو و نماں پاؤ

ہوئے جاؤں کر کیا سمجھ سکتے ہیں کہ میں کیا چیز ہوں اور دنیا

مجھے کس نہا سے دیکھتی ہے۔ سال گزشتہ جب میں ان حضرت

(خسر) کو اسٹیشن پہنچانے گیا تو میں نے اسی خیال سے کہ خدا جانے

کیا طاقت ان سے سرزد ہو جائے۔ (افعال) (رشدیہ کا دوست)

کو منع کیا تھا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہیں لیکن

اگر آپ کو طبی اصول کو بلا کسی مصراہشی اجزا کی آمیزش کے تیار کر دے تبہا کو سے خوردنی درکار ہو تو صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سوسلٹس

اللہ تعالیٰ خیریت پانے والی کو دنیا سے اٹھالے، یا پھر بھی کدو و بارہ
یہ فقرے غور سے نہ کر لیکن، اسی انداز تحریر پر میری خیریت چاہی جاتی
ہے، زہر و دیکر مزاج پر سی کی جاتی ہے۔ بارہا کہا کہ تو خط نہ بھیجا کر لیکن
اطلا راجت کی تکمیل پہلا بغیر میری جان لے کیونکہ ہو سکتی ہے۔

”دعہ سے (دعہ ص) سے آپ نے اپنی خیریت.....“

پھر وہی خیریت، عند شہری تا۔ نامعقول، جاہل، بدتریز۔

”سے اتلا (اطلاع) نہیں دی، دنگو بہت فکری ہے“

بجای ہے، درست ہے، یہ جدا داغ اور فکر، کجفیت اگر تجربہ میں جس ہوتی
تو کب کی فکر کے مارے مچکی ہوتی، لیکن ایسے بے غیر فزون اور بے
شربون کو فکر، تردد و اور تاثر سے کیا واسطہ۔ جالور میں، جالور!۔
کما رہے ہیں، جی رہے ہیں۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے کبھی محبت نہیں

ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ میں جاہل ہوں اور کسی

طرح آپ کی ہوی خفے کے قابل نہیں ہوں، لیکن کچھ بڑا

میری محبت تو کم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو میرا دین

ایمان ہے، خدا کے لئے کسی کبھی تو اپنا حال کھو دیا

کیجئے، میری خاطر نہیں، سہیدہ کی خاطر ہے کہ باز

(بعض) وہ قاذوفہ) وہ آپ کو یاد کر کے رو دیتی“

خدا جانے یہ جملہ کیوں کیا مربوط ہو گیا، مگر چہ چہ چلاتے باز اور دقا کے دہ

چرکے، یا تو، لگا ہی گئیں، بن، یہ سہیدہ ہی کا خیال ہے جو اس وقت تک

مجھے روکے ہوئے ہے اور نہ خدا جانے میں کب کا آزاد ہو چکا ہوتا،

غضب تو یہی ہے کہ ایک نابال اور جاہل مان کی خیریت اس کے مستقبل

کو بھی تباہ کر رہی ہے اور میرے لئے اس میں بھی عار ہے کہ میں اس کو

انجی پچی گوں۔

رشیدہ کا غصہ، دفعہ پھر بڑھ جاتا ہے اور اس تحریر کے پڑنے کے کر کے

وہ نہیں مانتا۔ پھر کیا وہ وقت میں بھول سکتا ہوں جب حضرت
نے میرے اور افضال کے سامنے ہی ناول بیچنے والے کو بلایا
اور اس سے چار چار آئے تین شیشہ جاراں ”شیشی جیری“
اور باکی سا قن ”خیریت کے کنکھوں سے ہلوگوں کی طرف بھی
دیکھا، گویا اپنے نزدیک بڑا زبردست سکھ اپنی قابلیت کا ہم پر
جار ہے تھے۔ اور ادھر میرا شرم کے مارے یہ حال تھا کہ گاہ
ادب پر نہ ہوتی تھی۔

والد مرحوم اپنی فراست و دانائی کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی
فائق مرتبہ کیوں نہ رکھتے ہوں، لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ بیعت شمس
فلوت نہ تھے اور انھوں نے میری شادی کے مسئلہ میں استدر
استبداد سے کام لیا کہ دنیا کا کوئی شمس داغ اسکو برداشت
نہیں کر سکتا۔ پھر چند صوبت انھوں نے میری شادی کی مٹا بعل
عنا اور ان کے ہاتھ میں صرف ایک بندہ بچا رہ کی حیثیت رکھا
تھا، لیکن وہ یہ تو سمجھ سکتے تھے کہ میری دامنی افتادہ کیلئے اور
میں کیونکہ ایک جاہل عورت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہوں۔
ذرا طریق خطاب ملاحظہ ہو۔

”میرے سہرتاج“

استغفر اللہ، وہی دقا و نصیت، وہی استا پیداکر نیوالی

نہ ہو دگی، ہزار مرتبہ مجھ پر کہ مجھے کسی ایسے کو وہ لفظ سے

مخاطب نہ کیا کرو۔ بلکہ بغیر کہن حیدر کے مطلب کی بات شروع

کر دیا کرو، لیکن وہ تو داغ کی راہ میں قدرت کی طرف سے

پچھیدہ بننے لگی ہیں، تم میں کیوں کر آ سکتا ہے۔

”میاں بہر، وجہ (و جو) خیریت۔

نہ اور آپ کی خیریت خود آوند۔

خداوند! کہم ہے نیک فاقان دقا“

عظ جناح اصغر علی محمد علی تاج عطر کھٹو کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اس کا نسخہ ہی مختلف ہے

جھوٹ دیکھ، لیکن آپ نہیں مانتے،
 کسی داغداہستی کی دہری اگر تک باشی
 نہیں، تو اس کی مترادف ضرور ہو،
 بحان اللہ، تک باشی سے اعراض کر کے خندہ زنی گستا
 جو شاعری کی زبان میں عین تک باشی ہے، کس قدر بیخ
 انشا ہے۔ مترادف! ظالم کا مبلغ علم تو دیکھیے،
 عام لوگوں کی طرح مرادف نہیں لکھا، بلکہ مترادف
 لکھا جسکو خواص ہی کھ سکتے ہیں۔

”آپ تفصیل دریافت فرماتے ہیں؟“
 اچھا تو سنئے، شب اگر شہ جو میری اور
 سو گوارا راتوں سے کم تاریک نہ تھی
 اس تفصیل کے اجمال کو یوں ظاہر کر سکی
 ہوں :-

کیا ہو گیا نسیم کو پیر پر خیر نہیں
 اک چمچ تو سنی تھی دم اٹھائے شب
 کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہیں؟
 اگر یہی خواہش ہے تو اس وقت کا انتظار
 کیجئے (جو غالباً دو درمیں ہے) جب میرے
 بون پر پیشہ کے لئے ہر سکوت غبت
 ہو چکی ہوگی، کہ اس کے بیان کے لئے
 ایسے ہی سکون مطلق کی ضرورت ہے۔
 اسی زمین میں ایک خیال اور نظم ہو گیا تھا،
 جس کا مفہوم اب میرے ذہن میں بھی نہیں
 دامن صبح پر نظر آتا تو مجھے
 ہاں، ایک داغ بے اثر ہی دکھتا

نشر کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر تک پھر ملتا ہے، لیکن اس مرتبہ اس کے
 چہرے سے خاص قسم کی مسرت نکلتی ہے، رفتار میں بھی بجائے اضطراب
 کے سکون ہے، اور چہرہ پر غصہ کے عین تک نقوش کی جگہ لطف و نشاط
 کے خطوط نمایاں ہیں۔ وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام
 کر کے پرچیکر پیلے لٹاؤ کو دیر تک دیکھتا ہے :-

”انگریزی“ کا خط اور ایسا خوبصورت، اس درجہ
 بے ریز صندت! لٹاؤ کا رنگ تو دیکھیے، محض ذوق کی آخری
 حد ہے۔

پھر لٹاؤ کے اندر سے اسی کے ہر رنگ ایک کاغذ نکلتا ہے اور پڑھنے
 لگتا ہے :-

”رشتہ“

اس کو کہتے ہیں ذوق لطافت، ادبی نزاکت، محسن کے
 صوفی نقطہ نگاہ کو کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جو
 کہ ہر چند تم ہو تو میرے ہی لیکن میں تم کو ایسا لکھ نہیں سکتی
 یہی ہے وہ شاعرانہ سحر اور یہی ہے وہ قیامت زاداد جس کو
 پُرسش ہے اور پائے سخن در میان نہیں
 سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔

میں یہ کب تک کہے جاؤں کہ زندہ ہوں یا غیرتی
 اور اس پر اصرار اٹھانے کے لئے اس احساس کو
 میرے اندر قوی نہ ہونے دیکھو، کیونکہ زندگی نا
 ہے صوفی بے حس کا

کیا طرزِ ادا ہے، کس قدر دلکش اسلوب بیان ہے شوق
 میں جان ویدے کا مفعوم نہایت پامال بات ہے لیکن بیان پرکا
 کہیں ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ مدعا وہی ہے۔

”آپ سے بار بار عرض کیا کہ مجھے میرے حال پر

خاص کا رخائے اصغر علی محمد تاج عطر کھنکھناتیاں کر وہ زردہ بتا کو سیاہ دانہ دار طب فرمائیے

بہاؤ شاہ کی قیامت کا ہے اور کدو میر کا رنگ لٹے ہوئے
 ہے، دوسرا شعر بالکل موثر کا معلوم ہوتا ہے۔ آفتاب کو
 دامن صبح کا ایک داغ لکھ کر دے گا شب کی ہے اثری
 کے اثر کو ثابت کرنا کھنڈرِ یلغ انداز بیان ہے۔ مدعا
 صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شب چمر کی صبح ہوئی بھی تو کیا
 جب کہ ایک چور کا دن بھی وغدار ہوتا ہے، لیکن اس کو
 بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دما بین خواہ گنتی ہی ہے
 اثر ہی ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت
 میں دامن صبح پر ایک وجہ چھوڑ گئی ہیں پھر اس کے
 ساتھ ضمن انتسابِ عشق کا اظہار جس شخص کے ساتھ ہو گیا
 وہ ایک جدا گانہ لطف ہے۔

”خیر۔ باتیں نہ کہنے کی ہیں نہ سننے کی،
 وقت آجائے تو صرف دیکھنے کی ہیں بیچو
 ان قصوں کو۔ اب یہ بتائے کہ آپ کا ڈراما
 خلعت و جوڑ کب تک مکمل ہو کر شائع
 ہو جائے گا۔ آپ نے جو اظہار کیا کہ اس کے
 ناقص اجزاء بھیج کر مجھے کتاب بنا دیا،
 ہر چند یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خیالات
 سے پورا لطف اٹھانے کی اہلیت مجھ میں
 نہیں ہے لیکن ابھی قابلیت کے لحاظ سے
 جو کچھ میں آپ کی تحریر و فن سے سمجھتی
 ہوں وہ بھی سر دھننے کے لئے کافی ہے
 جن مبین مجھ سکتی کہ ایک انسان کو کیوں کر
 الفاظ پر ایسی زبردست قدرت حاصل
 کر سکتا ہے اور اس درجہ بلند خیالات کی

بارش سسل و متواتر کس طرح ہو سکتی ہے۔
 آپ نے شیطان کا کبر کو پیش کر کے فی الحقیقت
 اُس تصور انسانی کو سیدھا کرنا چاہا ہے،
 جس کے وجود کو علم ہی ابھی تک لوگوں
 کو نہیں ہے۔ حیرت کرتی ہوں کہ کتنے
 آدمی اس کے سمجھنے والے آپ کو مل
 سکیں گے۔ اگر آرتس ان باتوں سے
 بے نیاز ہے، صنعت کسی احزان کی
 محتاج نہیں۔ گلاب کا بھول شگل کی جھانک
 میں بھی دی صنعت رنگ و بو ہے، خواہ
 نگاہ انسانی اُس تک پہنچے یا نہ پہنچے،
 معاف کیجئے، میں نے بہت سمع خراشی
 کی اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو
 ختم کروں۔

نسیم

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر دل پر
 چھوڑ جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ کس فضا میں اس کی تربیت
 ہوئی ہے اور اس قدر بلند خیالات اس کے دماغ میں پیدا
 ہونے کا کیا سبب ہے، پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود
 اتنے عرصہ سے خط و کتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت
 کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے آج تک ایک خط بھیجے
 مخلقی باپ اختیار ہی کا اس کے قلم سے نہیں نکلا۔
 کتنی بار دہلی زبان سے اُسے یہ بھی خواہش کی
 میں لکھنے جا کر اُس سے ملوں، لیکن اس سخت کاروبار سے
 فرصت ہی نہیں ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود بھی

کیا اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے آپ واقف ہیں؟ جن کا کارخانہ ۱۹۳۵ء سے روز افزوں ترقی کیساتھ جاری

فریب خیال

رافسانہ :

از حضرت نیاز فقیہی اڈیٹر نگار ہویاں)

(خاص سرفہ کے لئے)

یہ فسانہ جناب تیان نے خود ہی میں خاص موقع کیلئے لکھا شروع کیا تھا جس کا ایک حصہ خود ہی کے مرتع میں شائع ہی ہو چکا ہے خود ہی کے نگارین ہی
جناب تیان نے ہی افسانہ کو پھر کبھی کہہ کر مرتع سے نقل فرمایا تھا اب وہ فسانہ باوجود پیشانیوں کے سیرے امراتے کسی کی کسی طرح جناب تیان نے ختم کیا ہے
جس کے یہ ہیں امکا جھنڈون ہوں راپیل کے نگارین اسی فسانہ کا کچھ حصہ شائع ہو رہا ہے میرا ارادہ تھا کہ جو حصہ فسانہ کا خود ہی میں شائع ہو چکا ہو اس کو
بعد کو تیرے شائع کون لیکن ایک دفعہ یہ کہیں میں فسانہ شائع نہ ہو سکا سلائیٹ لگ گیا دوسری خود ہی میں جو فسانہ مرتع میں شائع ہوا اس کو پھر میرا ارادہ تھا کہ کچھ
بنا جائے نہ شائع کیا ہوا سلائیٹ سے معلوم ہو چکا کہ وہ فسانہ شائع نہیں ہو سکا لہذا کئی دنوں کے بعد اس کا لکھنا شروع کیا اور اس کا لکھنا شروع کیا اور اس کا لکھنا شروع کیا

اس شہیدِ حیات کے لحاظ سے جو اسی مذہب و دنیا میں تمام فرائض و اعمال
تقریبوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے، اس قدر بے غیب واقع ہو! یہ
یہ تحریر ارشید کی جو ای کی اسرار و تحریر کا مخطوطہ ہوا گویا
بے اختیار می بین کچھ گھیر کر کاغذ پر نہ لکھی ہیں، احقر کو کاغذ
دیکھے مگر قدرِ رسل ہے، جیسے کوئی بیکار راہ جو۔ ادا تو خیر
کیا درست ہوگا۔ جب کہ اُن کے باب کا کوئی اس کا سلیقہ نہیں

اور تھو کو مار، منہ بچ کر جوش گھسا اور بولنا اٹھار روز وچ
مجھے کقدر شرم آئی ہے جب کوئی در یافت کرتا ہے کہ لڑکی
شادی کا مان ہوتی ہے، نہ کوئی دنیاوی باہ و قسوت، نہ کوئی
علی طاہت و شہرت، نہ کوئی ذاتی وجاہت، نہ بیت۔ بیوی
طبقہ کے لوگ اور معمولی انسان کن کے درمیان نشو و نما باؤ
ہوئے جاؤ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ میں کیا چیز ہوں اور دنیا
مجھے کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ سال گزرتے ہیں جب میں ان حضرت
(خسر) کو اسٹیشن پہنچانے گیا تو میں نے اسی خیال سے کہ خدا جانتا
کیا حقائق ان سے سرزد ہو جائے۔ (افعال رشید کا دوست)
کو نہ کہ خدا کا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہیں، لیکن

رشید ابھی شام لاؤندھون کے ساتھ اور کبھی عصر میں ہی کی تیز رفتاری سے پہاڑوں کی کوئی سو مرتبہ پائش کر چکا ہوا، لیکن اس کی سہم نہ آیا کیا کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بد مزہ و غیر مطمئن زندگی کی تجویز کو برداشت کئے جائے۔ اس نے اپنی مشقی کھول کر ایک پرچہ کا خدا کا نالا اور دیکھنے لگا، دیکھا اور پھر تازہ برقی کے ساتھ ٹپٹنے لگا۔

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، حال کی امیدوں کے بخیر۔ مین معروف تھا اور اب مستقبل پر بھی ایک سرواڑہ لگا رہا تھا۔ جسکی بیک گردن *Back Green* پر نقش دیکھ کر نظر آ رہی تھی تو وہی دیر بعد اُسے پھر اسی خبر پر کھینچا اور اب اُس کے خیال نے اظہار کی اڑ اور جذبات نے آواز کی صورت اختیار کر لی۔

”میں کہ اس وقت علمی دنیا کی تقائیں میرے ساتھ وابستہ ہیں۔ میں، کہ میرے قلم سے ہر ہر لفظ میاں رادب بکھر چکا ہے، اور بان، وہی میں کہ جس کے انکار و مانع اوزائید اسے خیال کا ایک نقش لطیف مستقل آذر کہہ بجا مانے (وہ اپنی اس اومیت سے متاثر ہو کر خود ہی تن گیا) کہ تقدیر و رزاق فیصلہ طرقت کا ہے کہ وہی میں، اپنی اوزاد و اجی زندگی کے اعتبار سے

اگر آپ کو طبی اصول کو بلا کسی مصراشتی اجزائی آزمینش کے تیار کردہ تباکوے خوردنی درکار ہو تو اصغر علی محمد علی تاجر عطریات کو ضرور طلب فرمائیے

نشر کر دیتا ہے۔ ٹھوڑی دیر تک پھر ٹھٹھا ہے، لیکن اس مرتبہ اس کے چہرے سے خاص مہم کی مسرت چمکتی ہے، رفتار میں بھی بجائے اضطراب کے سکون ہے، اور چہرہ پر غصہ کے بجائے انگ نعوش کی جگہ لطف و نشاط کے خطوط نمایاں ہیں۔ وہ عجیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام کرسی پر جھجکے بیٹھے لفظ کو دیر تک دیکھتا ہے:-

”انگریزی“ کا لفظ اور ایسا خوبصورت، اس درجہ برتر صنعت! لفظ کارنگ تو دیکھئے، جس ذوق کی آخری حد ہے۔

پھر لفظ کے اندر سے اُسی کے ہر رنگ ایک کاغذ نکالتا ہے اور پڑھنے لگتا ہے:-

”رشد“

اس کو کہتے ہیں ذوق لطافت، ادبی نزاکت، حسی کشش صرف نقطہ لگا کر کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جو کہ ہر چند تہہ ہو تو میرے ہی لیکن میں تم کو ایسا لکھ نہیں سکتی یہی ہے وہ شاعرانہ لہجہ اور یہی ہے وہ قیامت زا ادا جس کو پُرسش ہے اور پائے سخن در میان نہیں سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔

میں یہ کب تک لکھے جاؤں کہ زندہ ہوں اور غیرتی اور اسپر یہ اصرار! خدا کے لئے اس احساس کو میرے اندر قوی نہ ہونے دیجئے، کیونکہ زندگی نام ہے مرنے ہی کا،

کیا طرزِ ادا ہے، کس قدر دلکش اسلوب بیان ہے شوق میں جان دیدے کا مغموم نہایت پامال بات ہے لیکن بیان ہلکا کہیں ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ مدعا وہی ہے۔

”آپ سے بار بار عرض کیا کہ مجھے میرے حال پر

بھڑو دیجئے، لیکن آپ نہیں ماننے، کسی داغدار ہستی کی دلپرسی اگر تک باقی نہیں، تو اس کی مترادف ضرور جو،
بحان اللہ، تک باقی سے اعراض کر کے خندہ زنی کہنا جو شاعری کی زبان میں عین تک باقی ہے، کس قدر بلیغ انشا ہے۔ مترادف!، ظالم کا مبلغ علم تو دیکھئے، عام لوگوں کی طرح مراد تو نہیں لکھا، بلکہ مترادف لکھا جسکو خواص ہی کھ سکتے ہیں۔

”آپ تفصیل دے بات فرماتے ہیں؟
اجھا تو سنئے، شب گزشتہ جو میری اور سوگو اور راتوں سے کم تاریک نہ تھی اس تفصیل کے اجمال کو یوں ظاہر کر سکی ہوں:-

کیا ہو گیا انیسیم کو بھر یہ خبر نہیں اک بچہ توستی تھی دم اٹھائے شب
کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہیں؟
اگر یہی خواہش ہے تو اس وقت کا انتظار کیجئے (جو غالباً دور نہیں ہے) جب میرے لبوں پر ہمیشہ کے لئے ہر سکوت غمت ہو چکی ہوگی، کہ اس کے بیان کے لئے ایسے ہی سکون خلق کی ضرورت ہے۔
اسی زمین میں ایک خیال اور نظم ہو گیا تھا، جس کا مغموم اب میرے ذہن میں بھی نہیں رہا، مان صبح پر نظر آتا تو ہے مجھے
ہاں، ایک داغ بے اثری دکھائے

خاص کارخانہ اصغر علی محمد تاجر عطریات کا تیار کردہ زردہ ہوتا کو سیاہ دانہ دار تپ فرمائیے

بلاشکر قیامت کا ہے اور کدو رہو میرا رنگ لے ہوئے
 ہے، دوسرا شعر بالکل موثر کا معلوم ہوتا ہے۔ آفتاب کو
 دامن صبح کا ایک داغ لکھو دماغ شب کی ہے آخری
 کے اثر کو ثابت کرنا کس قدر یلغ انداز بیان ہے۔ مدعا
 صرت یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شب جبر کی صبح ہوئی ہو تو کیا،
 جب کہ ایک سحر کا دن بھی دھندلا ہوتا ہے، لیکن اس کو
 بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دعائیں خواہ کتنی ہی بے
 اثر بھی ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت
 میں دامن صبح پر ایک وجہ چھوڑ گئی ہیں پھر اس کے
 ساتھ ضمناً الشما بہ عشق کا اظہار جس جس کے ساتھ ہو گیا،
 وہ ایک جداگانہ لطف ہے۔

”خیر یہ باتیں نہ کہنے کی ہیں، نہ سننے کی،
 وقت آجائے تو صرف دیکھنے کی ہیں بیچوئے
 ان قصوں کو۔ اب یہ بتائے کہ آپ کا ڈرامہ
 ”خلعت و قوڑ کب تک مکمل ہو کر شائع

ہو جائے گا۔ آپ نے بڑا نظم کیا کہ اس کے
 ناقص اجزاء بھیج کر مجھے قیاب بنا دیا،
 ہر چند یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خیالات
 سے پورا لطف اٹھانے کی اہلیت مجھ میں
 نہیں ہے لیکن اپنی قابلیت کے لحاظ سے
 جو کچھ میں آپ کی تحریروں سے سمجھتی
 ہوں وہ بھی سرد ہونے کے لئے کافی ہے
 میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایک انسان کیونکر
 الفاظ پر ایسی زبردست قدرت حاصل
 کر سکتا ہے اور اس درجہ بلند خیالات کی

بارش مسلسل و متواتر کس طرح ہو سکتی ہے۔
 آپ نے شیطان کا کٹر کڑواہش کر کے فی الحقیقت
 اس تصویر انسانی کو بیدار کرنا چاہا ہے،
 جس کے وجود کو علم میں ابھی تک لوگوں
 کو نہیں ہے۔ حیرت کرنی ہون کہ کتنے
 آدمی اس کے سینے والے آپ کو مل
 سکیں گے۔ مگر آرتھ ان باتوں سے
 بے نیاز ہے، صنعت کسی احزان کی
 محتاج نہیں۔ گلاب کا بھول ہنگام کی جھانک
 میں بھی وہی صنعت رنگ دبو ہے، خواہ
 نگاہ انسان کی اس تک پہنچے یا نہ پہنچے،
 معاف کیجئے، میں نے بہت مسخ فرما دی
 کہ اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو
 ختم کروں۔

نسیم

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گرا اثر دل پر
 چھوڑ جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ کس فضا میں اس کی تربیت
 ہوئی ہے اور اس قدر بلند خیالات اس کے دماغ میں پیدا
 ہونے کا کیا سبب ہے، پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود
 اتنے عرصے سے خط و کتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت
 کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، آج تک ایک خط بھی بے
 تکلفی یا بے اختیار ہی کا اس کے قلم سے نہیں نکلا۔

کتنی بار دہلی زبان سے اُس نے یہ بھی خواہش کی
 میں کلکتہ جا کر اُس سے ملوں، لیکن اس گفت کار و بات
 فرصت ہی نہیں ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود بھی

کیا اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈو سے آپ واقف ہیں؟ جن کا کارخانہ ۱۳۵۷ء سے روز افزون ترقی کیساتھ جاری

کیونکہ راولہ عمل مقرر کی جاسکتی ہے۔

”کیونکہ دماغ خراب ہوا ہے؟ نسیم اور کسی سے شادی کر کے پر راضی ہو جائے! آپ تو خیر کیا چیز ہیں، کہ آپ کا سارا کاروبار بھی اُس کے ایک حقیر ترین ناز و سنجہ کا نہ کی قیمت نہیں خرچ کر سکتا یہ وہ ملا سے بد ہے کہ فوراً کے کارخانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے، میں نے اُسے دیکھا نہیں اور زمین اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں، لیکن مرن اس کی تحریروں سے میں نے یہ اندازہ کیا ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے محبت نہیں کر سکتی اور ہر اُس شخص سے اظہارِ الفت کیلئے آمادہ ہو سکتی ہے جس کے اندر کچھ بھی خون پلڑنے کے لڑائے مل سکتا ہے۔“

علاوہ اس کے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ خود تم کو اپنے آپ سے اس قدر غلط فہمی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔ دنیا میں تین چیزیں ہیں جن کی طرف ایک صورت کو سیلان ہو سکتا ہے اول مشن صورت، سوجھ آپ کو قدرت سے ملا نہیں، دوسرے دولت، وہ بھی تمہارے پاس نہیں اگر غلط دولت کا صحیح صحیح لیا جائے، رہی تیسری چیز قابلیت و شہرت، سواس خصوصیت میں بھی بہت سے لوگ تم سے زیادہ نمایاں و ممتاز نظر آتے ہیں۔ خدا کے لئے اپنے ہا سے اپنی باتوں پر کھٹائی نہ مارو، اور ان کو لکھ دو کہ اگر محض شہرت و اقتدار ہی پسند ہے تو براہ کرم مٹا کا جائی شادی کی درخواست کر۔“

”اس سے زیادہ تحلیل و تجزیہ تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے تم نہیں سمجھ سکتے کہ محبت ان تمام باتوں سے بے نیاز ہے اور جس طرح۔“

بہار شبو باست جان را کہ نام نیست

ایک مسلم حقیقت ہے، اسی طرح اس رشتہ میں بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ

عشق کا ہے بے سبب ہم رختہ در ولی کند

میں یہ نہیں کر سکتا کہ واقعی اس کو مجھ سے محبت ہے یا اگر محبت بھی ہے تو اُس کی نوعیت کیا ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ خوش قسمت سے وہ شخص جس کی زندگی کو نسیم اپنی محبت سے پر نور بنا دے اور اسی خیال کے

پس و پیش کرنا ہوں کہ مبادا ملنے کے بعد وہ میری طرف سے اُن خیالات و توقعات کو واپس لے لے جو اس وقت تک تمہارے دل میں پیدا کر سکا ہوں لیکن آخر اس کا نتیجہ کیا ہو گا، اس ڈرامہ کا اختتام کیا ہو سکتا ہے یا کیا ہونا چاہیے.....“

اس کا خیال اس حد تک پہنچا تھا کہ جاس آگیا اور اس نے آتے ہی رشید کی صورت دیکھ کر کہا کہ آج پھر حضرت پر کجیاں عشق طاری ہے۔

”کیونکہ کوئی اور ناؤ نہ چکر موصول ہوا ہے“

”میں نے پوچھا ہوں کہ تم کسی وقت انسان بھی ہو چکے ہو یا نہیں، خدا کے لئے کبھی تو بخیرہ بن جایا کرو، میں ہزار دفعہ کہہ چکا کہ معاملہ ذات کی حد سے گزر گیا ہے اور اگر جلد میں نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو ممکن ہے کوئی زیادہ قبیح صورت پیدا ہو جائے، لیکن تمہیں تو دوسرے کی تکلیف سے مرن لطف اٹھانا آتا ہے تم کیوں کوئی صاحبِ سورہ دینے لگے،“

”آپ بن عقل نہ مین بس دفعہ کہہ چکا کہ سچیدہ کی مان کو طلاق دو اور کلکتہ جا کر نسیم کو بیاہ لاؤ، اس سے زیادہ دل خوش کن شورہ تمہارے لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔“

”وہ تو میں سمجھتا ہوں کہ کوشش کے بعد میں تم کبھی متانت اختیار نہیں کر سکتے۔“

”اچھا یہ منظور نہیں تو نسیم سے خط و کتابت بند کر دو، بیوی کو پاس بلاؤ اور وہ زندگی بسر کرو جو شریف خاندانوں کا دستور ہے۔ اور بان ایک تیسری صورت بھی ہو سکتا ہے اور یہ کہ نہ ایک کو طلاق دو اور نہ دوسری سے شادی کرو، لیکن اُس کو مطلقہ کے حکم میں رکھو اور اس کو منکوحہ کی شان سے ملے۔“

”اور ایک جو حتمی صورت اور بھی تو ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ صفیہ کو طلاق دو بغیر نسیم سے نکاح کر لوں“

”یہ یہ صورت ناقابلِ عمل ہے، کیونکہ اول تو مجھ اسی میں کلام ہے کہ نسیم تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر خفا نہ ہو تو میں کہوں کہ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہو یا نہیں، لیکن اگر بغیر محال وہ نکاح کے لئے راضی ہوئی ہو، تو اُس کی اپنی شرط یہ ہو گی کہ صفیہ کو طلاق دو۔“

”ممکن ہے ایسی صورت پیش آئے، لیکن پہلے ہی سے اس پر یقین کر کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا انتظام اب تک اُس نیچر کی زیر نگرانی ہے جو ۶۰ سال تک کام کر رہا ہے

کیا کرنا چاہیے دفعۂ دور ہو گیا اور اُس کے دیکھنے ہی اُس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر حقیقی مدعا زندگی کا ہو سکتا ہو تو وہ صرف یہ ہو کہ نسیم کو شریک زندگی بنالیا جائے۔ ایک سرود قاف، زیادہ سے زیادہ ۸۰ سال کی لڑکی، نکال کی نشانی، انکسین خند حال نہایت ذہین، لیشی ساری میں نہایت خوش وضعی کے ساتھ بیٹی ہوئی۔ یہ قبا مجموعہ نقویر کے سیاہ و سفید خطوط کے استخراج و اختلاط کا۔ ہر جذبہ حیثیت مجموعی اُس میں کوئی ایسی قدرت نہ پائی جاتی تھی جو صاحب نقویر کے غیر معمولی حسن کی شادیت میں پیش کی جا سکے، لیکن رشتہ چونکہ پہلے ہی سر بری حد تک مغلوب ہو چکا تھا اور اب نقویر کے جا بجا ہلکے سلیوں نے حکومت شاق مصور کی پینل نے پیدا کیا تھا، اُس کے صنعت پسند دماغ کو اور زیادہ متاثر بنا دیا تھا، اس لئے وہ دیکھتے ہی سر بسجود ہو گیا اور دفعۂ ایک دماغ میں اعتدال کثیر خیالات و جذبات کا جھوم پیدا ہوا کہ اس کا سر ہلکانے لگا اور قھوڑی دیر کے لئے وہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ وہ اس آسانی سے علیحدہ کسی اور جگہ پینک و یا گیا جو جہان انسان خواب و بیداری کے درمیان ایک سنگری کی زندگی بسر کر رہا ہو۔ ہر چند رشتہ، تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا، اپنی انفرادیت و ذہنیت کے اعتبار سے یقیناً وہ عام سطح انسان کے کسی قدر بل بالا واقع ہوا تھا۔ وہ ایک شریف مگر معمولی فاندان کا شخص تھا جس میں حکیم کا رواج زیادہ نہ تھا، لیکن پیچ یہ قدرت کی طرف سے ذہین دماغ نیکر آیا تھا، اس لئے اس نے خود اپنی کوشش کاوش سے عربی فارسی کی ضروری تعلیم کے ساتھ انگریزی بھی حاصل کی اور پھر مطالعہ اُس نے اپنی قابلیت میں کافی اضافہ ذکر کیا۔ لوگوں کا خیال ہوا اور ایک حد تک غلط بھی نہیں کہ شروع ہی سے اُس کا میلان طبع انفرجیت کی طرف زیادہ تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی معیشت و معاشرت نے بالکل انگریزی اصول اختیار کر لئے اور وہ یوتھ پک کی ہزار کو نگاہ پسندیدگی سے دیکھنے لگا۔ اس کی شادی فاندان ہی میں چچا کی لڑکی سے ابتداً عمر میں ہو گئی تھی اور چونکہ شادی کے بعد یعنی عرصہ تک اس کے ذوق میں کوئی خاص انقلاب پیدا نہ ہوا تھا، اس لئے وہ بھی اس زمانہ تک اس تحقیق سے مطمئن رہا، لیکن جب رفتہ رفتہ انگریزی اثر نے اس کے دل و دماغ پر قابو حاصل کر لیا تو اُس کو حقیقہ سے نفرت ہونے لگی اور اس کے بعد اس نے شاعری، ادب، نگاری

انتہا میری متاثر بھی ہوئے۔ اس کی تحریر و ن سے البتہ یہ معلوم ہوتا کہ کدوہ میری طرف بہت مائل ہے جس کو میں سوا سے خوش قسمتی کے اور کیا کر سکتا ہوں؟ سفر خوش قسمتی یا بد قسمتی کا حال تو بعد کو معلوم ہو گا اور خدا نے چاہا تو وہ چیز جسے تم خوش بھی کہتے ہو، کبھی ہی نکلے گی۔ فی الحال اسے ذی بیکار ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ کس فاندان کی لڑکی ہے اور اس کی تعلیم کمان اور کس حد تک ہوئی ہے؟“

”یہ مجھے خود میں معلوم اپنے تو کبھی کب (Kachang) کے شہید ادبیات کا مہر ہونے کے بعد قسمت میں اس نام کو دیکھ چکے کہ کڑھ بیچو یا اور اس کے جواب میں جو اس کی تحریر آئی تھی وہ تم بھی دیکھ چکے ہو اور اُس غزل کی بھی بے انتہا تعریف کر چکے ہو چکا ہے غرض اسے نزدیک غیر فانی ہے۔

مرالیا ذکر ہے، تم آنکھ بھر کر دیکھ لو جس کو

وہی دنیا سے کھو جائے، وہی دیوانہ ہو جائے

بہر رفتہ رفتہ ذہن اس حد تک چوٹ لگئی کہ تم کو کچھ دینے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ میں نے ایک مرتبہ....“ رشتہ کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ نے لاکر چند خطوط دئے، جن میں سب سے پہلے رشتہ نے یہ کہتے ہوئے کہ ”جیسے ایک خط اُٹکا آگیا“ ایک ہلکے لغا ذکر چاک کیا، جس میں تحریر تو نہایت مختصر تھی کہ۔۔۔ ”میں بیٹیک کا نفوس میں شرکت کی غرض سے کھنڈو آ رہی ہوں“ لیکن اسی کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی جس کے نیچے یہ تحریر درج تھی۔۔۔ ”تاکہ آپ مجھے بچان لین — نسیم“

رشتہ دیر تک نقویر کو دیکھتا رہا اور پھر عاس کے حوالہ کر کے خود سر کچڑا کر اس طرح بیٹو گیا جیسے کوئی بڑی سخت مصیبت اس پر نازل ہوئی ہو۔

اس وقت تک رشتہ کی جو کچھ گردید کی قسم کے ساتھ تھی اس کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ نسیم نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ادب کا جامع ذوق رکھنے والی ثابت ہوئی تھی اور شاہد ایک ہلکا سا حلق اس فلسفہ سے بھی تھا کہ اب تک وہ نگاہوں سے دور تھی۔ لیکن اب جو نقویر اسے دیکھی تو اس کی کردیدگی دفعۂ بہت میں تبدیل ہو گئی اور پس و پیش کا وہ عالم کہ اسے

زردہ تبا کو پتی کا نہایت خوشبودار و ورق والا اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈو سے طلب فرما سکتے

تسمیہ کی پذیرائی کے لئے ہزاروں میں معروف ہو گیا۔

(۲)
تسم کہ ملک سے آئے جو سچا اور سچے ہیں اور رشید کا مکان کا شاہدین بنا ہوا ملک کا
ہر ایک پروردگار کا نفس کے طور میں باقاعدہ ایک شرکت جو رہی، اور ان کے دیگر حضرت الکفر کا کفار کا
حقیقت بھی رشید پر ظاہر ہو چکی کہ تسم میں جہان اور نعمات کی نیک نیت کی پائی جانی ہیں اور ایک
یہی موجود کہ کونسی طرح واقعہ اور داستان اجماعی ہو جو کہ رشید خود بھی خود ہی خود ہی
دلدادہ تھا اس لئے اس ملک کے جذبات کہ تسم کے حضور میں یکساں تشریف نہاد اور داد اس کی بقول ان
اس حد کہ گنیں کہ ان میں کوئی اور اضافہ نہ ہو سکتا۔

جس حد تک سطح خطوط انسانی بقع غرض کا تعلق جو تقسیم ایک کہنوں کی عورت تھی، لیکن جو حکومت نام جلد روزگار کی ایک قسم اس فن و دیباچی کا جو اس کی انسانی خصوصیات کو ثابت و فروغ دیتے ہیں پیش کرتا ہے، اس لئے کہ جاکا کتا ہے کہ نہ بہت مکمل عورت تھی۔

۱۰۔ اسکی بیکرہ معاشرت، وہ فن ترمیم و آرائش میں اسکی معمولی مہارت، وہ فطرت
تکفیل میں اسکی متاعانہ کیکل، وہ وہم و گم میں اسکی محاذ کاس کا حقیقہ بزم و عیالی کی سادہ سادہ کام
سکونت انصاف، وہ خفوا ان شباب کی تمام توانائیوں کی سادہ اسکی کیز نکات، مینا نظر، تا،
وہ اسکی علم کی کسک تمام روزہ و نکات سے باخبر ہونا اور وہ اسکی جذبہ متانت کی سادہ علم علی ادبی
مہجور میں ایک صاحب بصیرت (السا کی طرح) حصہ لینا۔ یہ تمام باتیں اسقدر حق کیسا تفسیر میں
جمع عقیدہ کہ شکل سے کوئی شخص اسکو دیکھنے کے بعد اپنی جان سلامت لجا سکتا تھا، یہ جانی کہ
شہید جبکہ روح زمین سے اکیلے اکیلے مدون و مگر سر پہلی آ رہی تھی۔ اُسے جو قبر پر سر
انعام کار و بار برق و مفاہیس، اٹھا دیکھا تو اسکی حالت، شکل و ہی جو کئی حرکت خائبہ بخیر
ریزی باؤسے سامنے پیش آنے شروع کیے۔ یہ پیدل کے الفاظ میں شمع کے سامنے۔

جو نیمہ داغ و نیمہ خاکستری حالت پر دانہ کے ہوتی ہے۔

ایک رات مختصہ صحبت قائم تھی عباس بھی تنگ تھا، مستحق و ناسبت موضوع بحث تھی اور باہم تبادلہ خیالات ہو رہا تھا، تقسیم نہ ہو کر کافر نفس بے تیرہ کرچہ کہہ رہا جو کہ موقعی سے کھٹکھٹ کر بت تازہ نسبت حاصل ہوا، اس نے ابریا خیال تھا کہ کیا ان کی کافر نفس بہت زیادہ کاسیا پاشا رہے ہوگی، لیکن یہ معلوم کر کے مجھے صدمہ ہو گا کہ کیا ان کا ذوق بیوقوفی بہت گر گیا ہو گا اگر وہ کہ سلطنت کو شے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا کس قدر حیرت ناک اور پرہیزگار کھٹکھٹوین کوئی ایک اہل عرفین بھی ایسا نہیں جو اس میں تنگ

اور ضعیف و مایفہ کے سلسلہ میں ملک کے اندر کچھ شہرت حاصل کر لی، تو اس نفرت میں اور اضافہ ہو گیا، کیونکہ اگرچہ اس کو عقیدہ کہ اس نے خیر ساری کئی کئی جہدیں طرز سے خوشنما ساری باغضائین آتا، وہ اپنے بالوں کو مختلف انداز سے ستورا تا یمنین باقی، وہ ریشہ و دراز کش کے جہدیاں میں عینا کاغذ پر اس کی نقاد و گفتاری میں کوئی پوچ نہیں ہوا پرہد کی شدت سے یہاں ہونو ہوا۔
آخرین دن الزامات کا بھی اضافہ ہو گیا تھا کہ وہ اس شخص میں نہیں کسی ستمی، وہ اس کی شہرت کی اہمیت کا اعتراف نہیں کر سکتی، اور اس کے کسی خود خوں میں کسی بھی طرح کی حرکت بھی نہیں کرنا، نہیں
ضیفہ کرتا، نہ جن اور داری میں کام نہیں لگا کر اس کی تعلیم و تربیت کا ہتھامک باماتا رہا
سے شیدا اس کو اپنے ذوق کا بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ وہ حد و حد جسعت اپنے بقا اور جانتا تھا کہ کیا
دن میں اس کے ان انقلاب پیدا ہو جائے، اس کو ٹھیندہ وہ دیندہ نگہ کرکوشش کے بعد وہ
ایسے ہو گیا، اور اسے فیصلہ کر لیا کہ اس بیکار صرف مانع کیسے بنے اچھا ہو کہ ضیفہ کو اسے حال پر
چھوڑ دیا جائے، چنانچہ یہی ہوا اور رفتہ رفتہ اس کی بے گئی نے نفرت و خیراری کی صورت اختیار کر لی
ہفتون جو جاتے تھے اور وہ مردانہ نشست سے اٹھ کر لڑکے اندر میں جاتا تھا اور لڑکھی مٹن
سواہر لڑکائی تو سمیٹوں اتنے یہ بھی نہیں پہچا کہ ضیفہ برتی ہے، یا جیٹو جو چونکہ بیکار تھا نہ
تھا اس لئے وہ اپنی ہوا روپوشی کو سمجھا کے ہوئے جمعی تھی، ورنہ ریشہ نے اپنے طرز عمل سے
کوئی تو رفتہ رہے آپ کو جانتا تھا ثابت کر میں نہ تھا کھا تھا۔

اسی طرح اسنے کئی سال وطن میں بسر کیے، لیکن اتفاق سے کاروبار کی ضرورتوں
اسکی دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور کر دیا اور وہ سب کو خیر باد کہلوا دینے پر توجہ دینا چاہیے
قطعِ تعلق کر کے کھنڈہ چلا آیا۔

نشیہ پاشہ رضوی نے مشکل و صعوبت کا انسان تھا کہ زیادہ سوز زیادہ مہم صرف "عیب" کہہ سکتے تھے، لیکن فطرت نے اس کی کو مصلح پر کاروبار کیا کہ داغ رضوی نے وہ بار بار اپنی تعلیم خالصتاً نہایت کروی سی ہیں راز اس کی کامیابی کا تھا اور اس کی بہت سی خلاق برائے نیک و صالحہ جو نیکو ادواجی زندگی کے کاغذ سودہ اپنے پاکیزہ نصیب تھا، تاہم ان ہی بہت سی کی زندگیوں کی جن کی تکمیل کیلئے وہ ہر وقت مہیا تھا، ہر اکٹرا، ہر کسی ایک روز ہی صحت کوئی نہ خاتمت یافتہ تعلیم یافتہ ہر روز اس کو ملے، لیکن وہ بہت ذہین کامیاب جہاد تھا اب ہم کہہ تے خود کو کہتے کرتے اور اس کی ضروریہ یہ کہہ لینے کہ بعد ازاں اس کو یقین ہو گیا کہ نشایہ کیسے آرزو کی ساعت آگئی اور اس نے معلوم کر کے کہ وہ کھٹو آگے ہوئے انجمنی زندگی کی گمراہی کی ہمیں سب کو رستہ لگا

قوام تباہ کو خوشبودار و ورق والا اور بلا ورق کا رخاۂ اصنعہ علی محمد علی تاجر عط لکھنؤ سے منگائے۔

مصلحت کی نرمی آواز کے ہر ممکن بوج کو قبول کر سکتی ہے۔ ہمارے طرف بنگال شریوایا خاندان کی عورتیں اس طرف بہت مایل ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں تفریحاً اسکی مشق کرتی ہیں لیکن یوپی میں چونکہ اسکو محبوب فن قرار دیا گیا ہے اسلئے میرا خیال ہے کہ ہندوستان کا حصہ جو ہر لحاظ سے ملک کا قلب کہلائے جائیکے قابل ہو اس میں بھی دوسرے صوبوں پر بھیچے جائے۔ عباس چونکہ اپنے موسیقی کا ذکر کرتے کرتے اسکی تان سلسلہ نسیات پیر توڑی پڑ اس لئے قبل اسکے کہ "عورت اور فنون لطیفہ" کے موضوع پر گفتگو کی جائے "عورت اور ناسیت" سے متعلق بعض مسائل کا فیصلہ ضروری ہے۔

سب سے پہلا سوال جو غالباً مسئلہ تعلیم و آزادی سے بھی مقدم ہے یہ ہے کہ عورت کے پیدا کر نیکی ضرورت ہی کیا تھی، کیونکہ دنیا کے تمام سائل، اخیر میں اصلاح نظام تعلیم کے جا کر قائم ہونے میں اسلئے ضرورت کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ عورت صرف اسلئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ شاعری، حیات میں مرد کی معاون و مددگار ثابت ہو اور تجربے سے حکم یہ بات بتائی ہے کہ اسکی ہر لغات و اعداد ہینہ اس ماحول کے تابع رہیں ہے جس میں رہ کر مرد اپنے اسباب برتری تلاش کرتا ہے۔ مثلاً عہدِ وشت کو لیجئے جب مرد صرف شکار پر زندگی بسر کرتا تھا تو عورت اسکی معاون اس حقیقت سے تھی کہ وہ شکار کو صاف کر تھی، گوشت پکاتی تھی اور کھانوں کے لباس طیار کر تھی جب عہدِ زراعت آیا تو اسلئے کاشت خیز زندگی خد صاف کیا۔ چپا اور مرد کو کھلایا، اب اس مکان کی عہد میں اسکی اعانت کا طریق یہ ہے کہ وہ تجربہ گاہوں میں مردوں کے ساتھ رہتی ہے طبعیات کو سمیٹا کے مسائل میں مرد کو مشورہ دیتی ہے اور اسکے ساتھ ہوائی جہاز پر رہ کر اسکی مدد کرتی ہے۔

اس نے قبل اسکے کہ ہندوستان کی عورت کیلئے کوئی طریق عمل مقرر کیا جائے، غور طلب امر یہ ہے کہ یہاں کا مرد کس دور سے گزر رہا ہے اور اس کے حالات کا اقتضا کیا ہے۔ کیا ایسے ملک میں جان مردوں میں بھی ایک ہی حکم تعلیم یافتہ نہ ہوں عورتوں کی تعلیم و آزادی کا سوال کوئی بر محل سوال ہو سکتا ہے جدید تعلیم یافتہ حضرات کیلئے یقیناً ایک جماعت ایسی عورتوں کی ہونی چاہیے جو ان کے ذوق کے لحاظ سے ضروریات ازدواج کو پوری کرنے والی ہو لیکن اس میں بھی سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ تعلیم جدید سے جو خواہشات ہندوستان کے

ہوتا اور اپنے طبقہ کے جو تماشائی تھے ان کی بد ذوقی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے سب سے زیادہ جس چیز کو پسند کیا وہ تیرہ بیٹہ تھا۔ یقیناً ہم اب بھی پُر لعنت چیز ہزاروں گنا تمام ساز و دل کو بکھا کر کے انھیں آواز کے ایک مرکز پر لے آنا دلکش امر ضرور ہے لیکن کسی کمال کا ہندو نہیں ہو سکتا۔ اور اہل گفتگو کی طرف سے اس کی استعداد پر جوش خیز رہائی سخت مایوس کن تجربہ تھا۔ سرودھن میں فدا حسین خان، سار فاؤن میں فہایت خان، انیکارون میں الور کا بیکارو صرف یہ تھا، حاصل اس آل انڈیا میوزک کانفرنس اور اس کے تمام اجتماعات گانے والوں میں ایک بھلیا دھماکا سے ذکر کیا جائے۔ کھنڈرا صوفی غلطی ہو کر آواز کے حسن کو فن موسیقی سے غلطہ سمجھ لیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ بھی غلطی ہے دیگر تمام کے ہے جو عورت پر مرد کی جانب سے روار کے گئے ہیں۔ چونکہ خوش گوئی میں مرد کو شریع عورت پر فائق نہیں ہو سکتا تھا، اس نے اسے فن موسیقی سے اسکو غلطہ ہوا کہ وہ باکھوش مقابلہ میں آئے۔ تاکہ دھڑ بھڑا صوفی چیز ہے، لیکن اسکی حقیقت اس خاک کو زیادہ نہیں ہے جسے ایک معذور رنگ بھرنے سے پہلے کا خندہ بنانا ہے۔ یقیناً خاک نقش کی بنیاد ہے لیکن نقش تو نہیں عہد شاہ رنگی کے عہد میں کچھ لوگوں نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس میں کچھ رنگ آمیزی پیدا کر کے خیال کو رواج دیا، لیکن قبل اسکے کہ وہ تکمیل کو پہنچنا سلطنت کا زوال ہو گیا، بھوکو شایان اور دھواں صورت کیا تھا و اجداد طیشاہ نے اس میں اور زیادہ رنگینی پیدا کر کے شہری کی بنیاد ڈالی لیکن یہی انجام کو نہ پہنچی تھی کہ بساط سلطنت ہی اٹھ گئی اور موسیقی کا کام دو کیمبر پر گرا کر ناگہی پر پلاسٹیم بولی لیکن جلع ہندوستان کی قدامت پرستی اس کو بدست ہی ترجیح دے کر یہی ہر طرح موسیقی میں لٹک رہا تھا۔ قریب خیال کی ترقی کو کمال ہی سمجھتے ہوئے غور سے یہ دیکھا گیا کہ اس میں اسلئے کچھ بڑھ گیا ہے۔ مشہور ہو کر موسیقی محرم ہے اور اس میں کام نہیں کیا کہ حقیقت یہی ہے لیکن کیا کوئی ان دھڑ بھڑانے والوں کی کریم آواز کو سن سکتا ہے اور کیا ان استادوں کی بدنامی دیکھنے کے بعد بھی ضبط ہو سکتی ہے موسیقی کا وہ ہے لیکن وہ اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب آواز، حرکات و احوال میں سب سے سبب جس کا ساتھ جمع نہ ہو جائیں اور کچھ انکا اجتماع صرف عورت ہی میں ہو سکتا ہے اسلئے اگر کوئی کمال عمل غلطی کو دیکھتا ہے تو عورت میں سکھاراج کرنا چاہو جو قدر شا اس کیلئے وضع کی گئی ہیں اور جن کے اعصاب

گولی تیرا کو ورق دا طلائی اون تو فنی جو کا رتا اصغر علی محمد علی باجر عطر گفتگو کی ہوئی ہیں ایک بار منگا کر آواز بلیں کیجئے

سپر دھوا، اسلئے انھوں نے آتے ہی مختلف خبریں مختلف معلومات، گھوڑوں کے حالات اور ہارجیت کے متعلق بشپیں گویوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا اور چونکہ نسیم کی فرص ہے رشید نے مرزا عسکری کے خدمات حاصل کی تھیں، اس لئے وہ نسبتاً اٹھاک کے ساتھ سننے لگی اور آدھی رات کے بعد جب تنہائی ہوئی تو رشید کی کتاب خاطر داریوں اور نیا زمند یوں کا صلہ بار کاٹھن سے صرف اس قدر ملا کہ نسیم نے خود بخود میں داخل ہوئے وقت اس کا پتہ لایا اور جس میں ایک برقی رو دوڑا کر پس پردہ غائب ہوئی۔ نسیم لکھنؤ سے رخصت ہو چکی ہے، اور رشید جو عالم اضطراب طاری ہے، اس کی نصیحت پہلے سے زرا مختلف ہے اس کے قبل اس کی یہ جبینوں کا تعلق صرف کاوش جو تجربے سے حاصل کیا ہے نسیم سے ملنے اور اپنی قریبوں سے اس کو برقی دھک لوف سمجھ لینے کے بعد اس کے اضطراب سے حلیہ صاف صورت اختیار کر گئی تھی اور نسیم کی بات کو دودو لاتی تھی قائم رہیں ایک ایک لمحہ کی دیر اس کو ناگوار تھی وہ سمجھتا تھا کہ حصول کامیابی کے لئے جتنی استعداد ہونا چاہئے وہ پیدا کر چکا ہے اور اس لئے اب تقویٰ اپنارہم ہے۔

لکھنؤ کے قیام میں نسیم نے اپنی اداؤں سے اس کو جس حد تک مخلوق کیا اس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ رشید نے اپنے تمام پست کندہ حالات سے اس کا گاہ کر دیا اور اس کے عوض میں باوجود اس کے رشید کو اس کی محبت کا یقین ہو گیا تھا، نسیم نے باوجود اصرار کے اپنے متعلق سوائے اسکے اور کچھ نہ کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میں مرشد آباد کے خانی خانہ خود آ سے وابستہ ہوں، لیکن اب اس نسبت کا اظہار مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کیا اس کا صرف انسان ہونا کافی سبب ہمدردی حاصل کر سکتا ہے؟

خانہ دانی تقویٰ کے منہی اظہار کے ساتھ ہی اتنا زبردست درس انسانیت، ایسی ہوئی بات نہ تھی کہ رشید اس کو سخت ہوجاتا، چنانچہ وہ مضروب ہو گیا اور بغیر اس کے کہ وہ نسیم کے موجودہ حالات زندگی، اور دیگر افراد خانہ کے متعلق کچھ نہ کہتا، وہ اس کی طرح قانع ہو گیا جس طرح بنی اسرائیل اول اول من وسلو نے ہر جگہ کہتے تھے۔

چلتے وقت رشید نے نہایت دلی زبان سے جب اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاح جعفر جلد ملے ہو، ہوجانا چاہتا تو نصیحتی چاہا کہ وہ محبوب ناک خاں اس کی نظری تو دیکھ ہی تھی لیکن رشید نے یہ وقت چاہا تھا اور اس کے بابت دہان بالکل کھلی تھی۔

مردن میں پیدا ہو رہی ہیں وہ کس حد تک درست ہیں اور عورتوں کیلئے ان کا پورا کرنا ضروری بھی ہے یا نہیں۔ اولین معیار جس سے نتیجہ تعلیم کی بحث و عدم صحت پر حکم لگا جا سکتا ہے۔ اقصا دی حالت ہے۔ اگر ایک شخص تعلیم حاصل کر نیکی بعد صرف شاعر بن سکتا ہے اور موت عمل اس کی حرکت میں نہیں آتی تو کہا جائے گا کہ تعلیم بیکار ہے، اس طرح اگر ایک عورت بوی بننے کے بعد صرف بیکار ذوق شہری کو پوری کرنے والی ثابت ہوگی تو ہم کہیں گے کہ اس کی تربیت ناقص ہے اسلئے جسطرح مروین شاعرانہ کیفیات سے پہلے قوت عمل پیدا ہو چکی ضرورت ہے، اسی طرح عورت کو موسیقی دان ہونے سے قبل ایک اچھی ممتدہ ایک یقینہ ممتدہ کا پتہ چلے جائے۔ ایک فادست شاعر کی ضرورت نہیں اسی طرح وہ اپنی زندگی کے خالق سے نا آشنا رہ کر گانے والی سے بھی بے نیاز ہے۔ آپ کو شاید اچھا معلوم ہو لیکن مجھے تو یہ منظر کبھی پسند نہیں آ سکتا کہ بچہ غراب و قسیم جان سے رو رہا ہے اور مان بھی ہوئی الا پ رہی ہے۔ میر جس طرح ہمارے ان کے مردوں کو فخرین لطیفہ سے پہلے فخرین کا سب سے حصول کی ضرورت ہے اس طرح عورتوں کو خفیہ بننے سے پہلے تجربہ ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ بنگال کی بیک ترقی کے ان ابتدائی مارچ سے گزر گئی ہو لیکن ہمارے ان تو ابھی ان کی ابتدائی نہیں ہوئی اور اسی لئے شرفاء کی عورتوں میں گانے بجانے کو سیب خیال کیا جاتا ہے جو میر سے نزدیک بلکل مناسبہ اب بیان یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی انجام مشاغل و انکسبات کے لحاظ سے ایسا ہے جبکہ ایک ایسی ہی بوی دکا رہے جو اپنی تمام خصوصیات انسانی کے لحاظ سے مکمل ہو جیسے ہمارے رشید صاحب سو اسکے لئے بنی الاقوامی شادی جو عزیز ہے ابھر صرف توکل کہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے بھولی ہوئی عورت قسمت سے بچا رہی ہے۔

جہاں اس آفریدی تھے وہ کھنکھنسیم کے پسند کر لائی اور رشید اس خیال کو کہ نسیم کو ناگوار نہ وارد وہ ہم ہوجائے، جہاں جہاں ہو لیکن قبل اسکے کہ جاسکے اس کے تقریر کی داد یا سز کسی طرف سے ملے، مرزا عسکری آگئے جو رشید کے نظریات و تہنیتیں سمجھ اور گھوڑ دیر کے بعد شائق ہو چکے گھوڑ و درین شرکت کا پروگرام نہیں

کار خانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نوایجاد قرص مبتلا کو سے خور دنی کی قیمت فی شیشی صرف ۸ روپے ۱۰ پائے ہوئے

یہ عالم ہے کہ کوئی صاف جواب ہی نہیں ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر ان تمام قربانیوں کے بعد بھی تیسیم مجھے مل جائے تو میں کسی طرح خسارہ میں نہیں رہ سکتا، زیادہ کرنا زیادہ ہے کہ موجودہ تجارت نہ چلی نہ رہے، بعد ضرورت میں اپنی تیش قلم سے بھی کا سکتا ہوں، مگر کچھ ہو تو سہی، کوئی توجہ تو کھلے! کیا نارودن! لیکن تارین لکھن کیا۔ عباس کی رہے تھی کہ میں بھی لکھتے ساتھ چلا جاؤں اور وہاں پوچھ چکا تمام باتیں تحقیق کروائیں نہیں گیا، واقعی غلطی ہوئی کیا اب چلا جاؤں، لیکن میان کالار و بارکس کے پھر کروان خاص کر ایسی حالت میں جبکہ مالی حالت اچھی نہیں ہے۔

وہ اسی فکر میں تھلا تھا کہ ڈاکٹر کی تیسیم قسم کا بھی ایک خط لکھا۔

”آپ خیال فرماتے ہو گئے کہ میں نے قصداً آپ کے عزت انشاء میں تھلا رکھا حالانکہ آپ چاہتے تو یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ ممکن ہے کوئی مجھوری ہو۔“

حقیقت یہ ہے کہ میں نے لکھتے جا کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ مٹنے سے پہلے تو میں اپنے دل و داغ کو دھوکا دے بھی سکتی تھی، لیکن اب کہ آپ کہ مجھوت اور غیر معمولی قربانیوں کے گھر سے نقوش اک تسلیم شدہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکے ہیں باوجود کوشش کے بھی آپ کی ہستی کو اپنے سے جدا نہیں سمجھ سکتی،

اس درمیان میں ایک سخت آزمائش کا سامنا ہوا۔ میرے والد ہر چند بہت روشن خیال ہیں! ہم ابھی ان میں بہت سے آثار قدامت کے پائے جاتے ہیں اور وہاں کے متعلق ان کا اصلو جیسے کچھ متعلق ہیں ان کے نزدیک ننگی کا حقیقی راحت جارت ہر طرف دل و فامارت سے اور میرے ہاں ہر وقت صداقت سے۔ عرصہ سے وہ میری شادی کی فکر کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک بیخام صوبہ ہمارے اکیلے سے شخص کی طرف سے آیا جو میرے والد کے ذوق کے مطابق تھا یعنی وہ حضرت کوئل کے عہد میں پیر پور گیا لاکھون کی جائداد رکھتے ہیں اور خاندانی میں۔

مجھ سے ذکر آیا تو میں خاموش ہو گئی۔ لیکن میرے یہ محسوس کر کے کہ مبادا وہ میری خاموشی کو رخصت مندی سمجھ لیں، بیٹے اُن سے کہا کہ فی الحال اس مسئلہ کو ملتوی کر دیا جائے، کیونکہ میری صحت ابھی نہیں ہے اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی! لیکن اسکو معقول عذر تسلیم نہیں کیا گیا اور مجھ پر زور دیا جا رہا ہے کہ ملتا ہوا فی جاؤں

نیم کو گئے ہوئے ہیں دن کا زمانہ گزر گیا اور اس کے دو خط بھی آپ کے ہیں لیکن سوا شاعری کے اُن میں کوئی بات ایسی نہیں جو میں سے رشید کی آتش شوق و ضروری شغل چلاتی ہے، لیکن ساحل کا پتہ ان کے کہیں نہیں چلتا۔

وہ اسی فکر میں تھلا تھا کہ کھڑے کھڑے لایا اور وقت اس کی چٹاؤں کے بدلے چلی

علیہ میوزک گفٹس بنانا سب سے نیم و مسٹر رشید

ہمانداری سسٹیم

مصارت موٹر

ملکٹ گھوڑ دوڑ

گھوڑ دوڑ کی قمار بازی میں نیم کو دے گئے

ملکٹ ریل انڈسٹریز لکھتے فرسٹ کلاس مع دیگر ضروری مصارف ۱۵۰

تحائف برائے سسٹیم ساری نیاسی آؤٹ ہڈاؤ کڑا حلالی ۱۵۰۰

اور اسکی مجموعی رقم ۳۵۴۳۷ ساٹے آئی تو داغ چکر گیا کیونکہ اسکا رو باراتا بڑھا ہوا نہ تھا کہ اسکا جو تھا ہی حصہ بھی حصہ میر تقی میر میں صرف نہ کر سکتا۔ اُسے حرکت کو خست کر دیا اور یہ ایک سرکردہ کرسو چار ہا کر اسکی کو کیونکر پورا کرے وہ ابھی اسی عذاب میں مبتلا تھا کہ محروم و بڑا ہوا آیا اور اسے ایک گناہ پیش کر کے کہا کہ اس بندھی کاروبار پہلے اوکاڑہ میں نے کہا کہ آج ہی آپ کو یاد دلا دوں۔“

رشید! ہنڈی! اسکی ہنڈی ہے اور کتنی رقم کی ہے یہ سکرانے کا قدر حرکت ہاتھ سے لے لیا اور دیکھا تو اس پر ہنڈس کے ساتھ بڑے بڑے تین صفرا اسکو گھور رہے تھے اور ہنڈی اس کا رخا نہ کی تھی جسکے ساتھ خوش حال ملکی قائم رکھنے پر اس کے سارے کاروبار کا انحصار تھا۔ تیر کی دروازے اُسے تنگ کی پاس کی کالی پیسٹ

کوھر اسکی رقم کی جانچ کی اور نہایت پریشان صورت کیا ساتھ سوچنے لگا کہ:- اگر میں کل اس ہنڈی کا روپیہ یاد کروں تو اس کے یہ منے ہو گئے کہ پیر میں بازار سے ایک پیسہ کا بھی مال نہیں خرید سکتا۔ جن لوگوں سے مجھے روپیہ وصول ہوا ہو وہ اول تو اس قدر جلد ادائیگی کر سکتے اور اگر ادھر کسی دین تو زیادہ سے زیادہ دین ایک مہینہ تک ادائیگی موجودہ سا کہ قائم رکھ سکتا ہوں۔ اُس طرف بے چارگی کا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھتے کا تیار کردہ ”بانو میرا“ استعمال کیجئے۔ قیمت فی شیشی دو روپیہ و ایک روپیہ

ہر ہر گوشہ سے آثار حیات و نشاۃ اس قدر فراوانی کیساتھ رونما ہو رہی ہیں، گویا اس سرزمین کے بسنے والوں کو تجویزی نہیں کہ فکر و تدبیر و رنج و کام کے کتنے ہیں اور انسان مرنے اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ رات دن سرور و انبساط کے عالم میں زندگی بسر کرے۔ یہاں جو چہرہ ہے تبسم ہے جو قلب سے دھڑک رہا ہے اور جو نبض و خون جگمگاتے ہوئے ٹپ رہی ہے شباب کی حکومت ہر شخص کی ملکیت ہے اور دولت کی بکیر۔ رشید و تبسم ہی آئے اور اسی شگامہ رنگ و بو کا ایک جزو ہو کر رہ گئے۔

کشمیر کی سرزمین ہمارا کاموسم سخن کی معیت، خلوت کی آزادی، جوانی کا جوش اس سے زیادہ اور کیا تکمیل لطیفہ کے لئے چاہئے کہ رشید کسی کی کو محسوس کرتا مگر رشید نے اس وقت تک استعمال نہ کیا تھا، لیکن چونکہ یہاں نہ کہنے کی خواہش صوابی جوتا اس لئے تبسم کے خواہش و اصرار پر اسے اس آگ کو بھی اپنی رگون میں دھڑلایا تو ایک شب و درون شب بیکر نشہ و درجہ جوش ہو گئے اور کبھی کبھی خوار کی حالت میں بیخوش رشید کو بے چین بنا دیتی تھی کہ دولت کی طرف سے وہ مطمئن نہیں ہے اور کچھ اس کے پاس ہے وہیں مکان ہاتھ سے دیکر فراہم کیا گیا ہے تو پھر تبسم کے نازک ہاتھ پر جھپکنے والے جام کے ذریعہ سے اس نامحسوس خیال کو منسوب کر لیتا تھا اور اس ضمنی و مستقبل دونوں طرف ایک پردہ ڈال کر صرف حال کو فروس بنانے میں مصروف ہوتا تھا ان کے انیکے بعد پہلا انوار تبسم باغ جو عود خلیہ کے شباب کی شگفتہ ترین یادگار ہے من و شباب کی خوشبو کی قیروں کو فائز خیال بنا ہوا تھا، تبسم و رشید بھی ایک طرف چہار کے بلند بالا درختوں کے نیچے بسرہ کر مغل کشان بڑا آہستہ آہستہ شمل ہوتے اور ہوا کے سرد مچھوٹے ان آسودگان شرباب کو اور زیادہ دروغ بنا رہے تھے۔

گزشتہ ایک ہفتے کے قیام کشمیر میں کوئی گفتگو اس معاملہ کی نسبت نہیں آئی تھی اور جب رشید یہی جانتا تھا کہ جملے مکن جو مد سے جلد یہ مسئلہ طے ہو جائے لیکن چونکہ تبسم نے اس کو یقین دہایا تھا کہ وہ اس کو یہ امتیازی خیال شائع سمجھتی ہے اس لئے یہ شیڈول بنا تھا کہ باواس بائیں میں جھپک کر لیا خود اپنی طرف سے اسے ناکرنا انصاف و نزاکت کے خلاف ہو اور اس کے غیر معمولی شاعرانہ فطرت کی طوفان سے تبسم بدظن ہو جائے۔

آج تبسم باغ میں میچکر جو گفتگو ہوئی اس کے ابتداء پر چند جاگیر و نور جان کی حکایت

اس میں شک نہیں کہ عام نقطہ نظر سے یہ بہترین پیغام ہے، لیکن میرے لئے وہ بالکل بیکار ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے آپ کو میں اس کے قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں پاتی۔ بہر حال میں نے جبری کوشش سے چند ماہ کے لئے اس کو امانت ہے اور آئندہ جیسے کشمیر کا عزم کرتے ہوں، یہاں تبدیل آب و ہوا کا ہے لیکن عام یہ کہ آپ معیت حاصل ہو جائے اور اگر مناسب تو وہیں مسئلہ بھی طے ہو جائے جس کیلئے آپ مصروف اور میں قیام۔

اگر آپ نہ جاسکیں تو مجھے اطلاع دیجئے تاکہ بجائے کشمیر کسی اور جگہ چلی جاؤں، کیونکہ میرا بیان سے چند دن کیلئے بہر بلا جہ ضروری ہے اور اگر آپ کا بارہ ہوں تو کتنے کس تاریخ تک آپ طیارہ چوسکیں تاکہ میں اس میں کھنڈی بیویج جاؤں اس خط کے مطالعہ کے بعد معاملات پیشکش کرنی چاہئے اس کا اندازہ شکل کی ایک طرف تو جذبہ رشک کہ تبسم کا خواب ان ایک اور ہو گیا ہوائی حالت اذنی و جہانت کے لحاظ سے کہیں اس سے زیادہ بڑا دوسری طرف مانی شکلات جیکے دور کیل کی کوئی توجہ نہ لائی تھی، پھر سال کی شیرجائی جیکے لئے کم از کم دو تین ہزار روپیہ کی ضرورت تھی کشمیر کے سفر کا، لہذا تبسم نے زیادہ جھل تھا کہ اپنی ساری امیدوں کی کاسیابی کا انحصار تھا۔ وہ دیر تک ٹھنڈا رہا اور سچا ہوا کا لہر لہا کرنا چاہتا آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ کشمیر کا ماننا ضروری ہے اور اس نے سب سے پہلے روپیہ کی فکر کرنی چاہئے ہے مکن تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لیے روپیہ قرض لے سکتا، لیکن اسے ضرورت ایک کئی رقم کی تھی اس لئے وہ فوراً آگورود نہ ہو گیا اور وہ اپنی اپنے مکان سکون کو دس ہزار میں ایک ہند و اہل محلہ کے پاس رہیں کر کے چوتھے دن کھنڈی واپس آ گیا اور تبسم کو نار دیر یا گزشتہ فلاں تاریخ آپ کا انتظار کر دیتا۔ (۴)

میں کا زانہ ہے اور کشمیر کا موسم بہار ہے وہاں شگفتہ گوشت کے چیل نام سے موسم کے بہترین اہل پڑنے والے شاب ہے یہ سلا عام ناگات گھر و نظر آ رہا ہے اور ہر روز تبسم جوش پھاڑوں کی برق پھیل پھیل کر دیا ہے جھلم اور دل چیل کی اسواج کی خشک جانیوں میں گرمی خرام پیدا کر رہی ہے اور ہوا کا ہر جھونکا تو موسیج خرام دیا ہے جو ہر جنبش پہل کر کر "گزر جانا ہے" سیاحوں نے آ کر کشیون، باخون، اور بخون میں چل پھل کر رہی ہے اور دیر کی

کارخانہ اصغر محمد علی تاجر عطیہ کشمیر کی ایک شاخ "چاندنی چوک" ملی اور ایک شاخ گلزار خاص حیدر آباد دکن میں ہے

گیا ہوا تھا واپس آیا تو دیکھا کہ نسیم حد درجہ اندر دھنمیل بیٹھی ہوئی ہے اور سکا سارا سامان بندہ ہوا رکھا ہے۔ دوسرے ہی لمحہ میں رشید کو بھی حقیقت کا علم پڑا اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے رشید کیلئے بالکل پہلا صدمہ تھا۔ یہ اس صورت میں نسیم سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا اور سوا اسے اسکے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ خود بھی اپنا سامان مفرد درست کرے۔ لیکن چونکہ اسکے لئے یہ صدمہ حد درجہ غیر معمولی و شدید تھا اس لئے راولپنڈی پہنچتے پہنچتے اسکو بھی تپ آگئی اور کھٹو پہنچنے کے بعد وہ بالکل صاحب فرائض ہو گیا۔ (۵)

ادھر ڈاکٹروں نے یہ تجویز کیا کہ رشید پیمیدی میں مبتلا ہے وہ سرسٹرن امریکہ کے ایمینٹوں نے یہ خبر دیکر مدت معلوم تک خریداری جڑے کی بند کو چکا اسکی جہانی و دماغی محنت و دوزخ کو بالکل بیکار کر دیا۔ اسنے دوکان میں رکھے کے بعد جو اس ہزار روپہ حاصل کئے تھے ادون من سے ۳۰۰۰ ہنڈی کے ادا کئے باغیچہ دار مال کی خریداری کے لئے اپنے آدمیوں کو دئے اور تین ہزار کسٹم میں مشا ہوتے خیال تھا کہ اسکے واپسی تک یہ ۵۰۰۰ کم از کم سات ہزار روپہ جمع ہو جائیگا لیکن وہاں امریکہ کے ہاتھ روک لینے نے اس رقم کو نصف سے بھی کم کر دیا اور جن لوگوں کو یہ وصول ہونا تھا انھوں نے اور زیادہ تباہی سے کام لیا شروع کیا کہ رشید کا رو بار کے بند ہو جانے کی وجہ سے وہ رشید کی طرف سے کچھ بے فرض سے ہو گئے تھے اور زیادہ زراب ہو جائیگی وجہ سے وہ اپنا بھی پیسلا ہوا روپہ فروم نہ کر سکتے تھے۔

تیسرے ہفتہ رشید کے جب پوش و حواس کچھ بر جا ہوئے تو اسنے ایک تار نسیم کو دیا کہ اپنے والد کی خیریت سے اطلاع دے کیونکہ کشمیر سے روانہ ہوئے بعد کوئی خبر اسکو نہ معلوم ہوئی تھی لیکن اسکے دوسرے ہی دن ایک مفعول خط اسکا آیا جس میں بہت کچھ اپنی قیمتی محنت و ناکامی کا ذکر کیا تھا اور پریشانیاں تو کیوں جہ سے خانہ کلمہ کئے پر حضرت چاہی گئی تھی اسکے ساتھ یہ بھی تحریر تھا کہ ڈاکو کا علاج اب بے فاصلع ہے اور میں بہت حلو و کھٹو کرنا چاہتا ہوں کہ دنگلی میں آپ کو بیان طلب کیے با بعض مبدلیاں بنا رہا ہوں سبب یہی ہستی و میرے لئے ایمین زیادہ آسانی تھی۔

جو وقت یہ تحریر آئی تھی اس بھی موجود تھا۔ رشید نے یہ تحریر اسکو دی اور خود کو

مقیم ہو گئے ہیں واپسی کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے اور اسی سبب کشمیر کے جذبات میں تامل پیدا ہوتا جاتا ہے۔ ایک شام جبکہ رشید کچھ تحائف لئے ہوئے بازار سے واپس آ رہا تھا اور سکا ملازم راستہ میں ملا۔ رشید نے سواری روک لی اور اس سے پوچھا کہ کمان جا رہا ہے۔ اسنے کہا کہ یہ تار دینے جا رہا ہوں۔ رشید نے پہلے تو نال کیا کہ رشید وہ نسیم کی پراٹھوٹ خط و کتابت کی جستجو نہیں کرتا تھا لیکن بعد کو اسنے ایک خاص جذبہ سے متاثر ہو کر تار کا مسودہ دیکھا تو اُس پر صرف یہ لکھا تھا کہ:-

(Time to Come) (وقت آگیا ہے) اور ایک شغل مام الدین کے نام چیتور روڈ کے بت سے بھیجا جا رہا تھا۔ پہلے تو اسے کچھ شک ہوا کہ کوئی کس قسم کے گھر کا پتہ یہ نہ تھا لیکن تار کے مضمون نے اس کے تمام شکوک و دودھ کر دیا کیونکہ وقت آگیا اسے مراد (اسکی سمجھ کے مطابق) وقت نکاح تھا اور شاید تیسرا بڑ کسی عزیز کو طلب کر رہی تھی تلک شادی زیادہ موافق ہو جائے۔

رشید نے آدمی کو وہ تار واپس دیکر حکم دیا کہ ڈاک خانہ سے جلد واپس آئے اور اسکو یہ ہدایت کر دی کہ نسیم سے اسکا ذکر نہ کرے کہ میں نے یہ سوچ دیکھ لیا ہے۔ جو وقت رشید کتنی میں پہنچا تو نسیم بہت مسرور تھی لیکن رشید اس سے زیادہ خوش تھا۔ اسنے مختلف تحائف اسکے سامنے پیش کئے لیکن سب سے زیادہ جو چیز ان میں پسند کی گئی وہ کشمیری شال تھی جسے رشید نے ۵۰۰ روپہ میں خرید لیا تھا

تھوڑی دیر کے بعد نسیم سے دریافت کیا کہ آج کیا دن ہے اور اسکا جواب ملنے کے بعد اسنے کہا کہ آئندہ جمعہ کو نکاح کا انتظام کیجئے اور اسکے دوسرے دن لگا لگا اس خبر سے رشید پر جو کیفیت طاری ہوئی اسکا اندازہ مشکل ہے کیونکہ اس دباؤ یقینی صورت تکمیل آرزو کی اور کیا ہو سکتی تھی لیکن وہ اس بے خبر تھا کہ ہاتھ لبون تک جام کے پہنچتے پہنچتے بھی بہت سی صورتیں ناکامیوں کی پیدا ہو سکی ہیں اور آخر کار یہی ہوا کیونکہ نہ عین شادی کے دن مہر کی کلکتہ سے نسیم کا تار آیا جس میں اسکے باپ کی خطرناک بیماری کی اطلاع درج تھی اور ادلین فرصت میں اسکو طلب کیا تھا۔

جو وقت یہ تار آیا رشید موجود تھا بلکہ تحائف عروسی لینے کے لئے بازار

عطر خنا جو اصغر علی تاجر عطر کھٹو کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے۔

ملو کر دیا لیکن مکان نہیں جوڑا اور صرف اس امید پر کہ شاید یہ سب کچھ بائبل جاننے کی کشتی
 طرح میں دے گا اور مناسب خیال کیا۔
 مئی ۱۹۷۱ء کو گزریہ کہ اس کی ششما شروع ہوئی اور
 ختم ہوئی لیکن یہ ختم ہوا کہ گزریہ کی اور نہ رینڈیہ کی کہ اس کی ششما ختم ہوئی کہ وہ بالکل
 بایس ہو گیا۔ اور ان کا وہ آلام نہ لے سکے نہ جسمانی صحت کے توازن کو بالکل خراب کر دیا جو
 اس کی زندگی بالکل سبکدوش بنا کر رہی اور وہ عزم کر چکا جو کسی جگہ دور کا طریقہ یا سہ ماہی
 گناہی کی حالت میں گزار دے لیکن وہ اس غیر عادی احباب بہت دلاتے رہے مین ایک مین کی شکل
 ہو رہی تھی اور اس کی عمر چار ملیر کا تھا کہ اس کو ملو جانا چاہئے تو کچھ خاص اس کا کہ جندن کی کشتی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر خاں ہے۔


یوسف نے اس واقعہ کے بعد تیس سال تک اس کے گوشہ حالات معلوم نہ ہوئے
جس تک کہ اسے اسے محالاً ہو پہلے فائدہ کی وہ کو زبان میں جن کو ذہن سامع خود سمجھ سکتا ہو
لیکن ان تمام باتوں پر جو دس صدیوں کے حاصل کیا وہ دراصل بلکہ تاریخی حوثیں پیش کر دیا گیا
تشیہ کی حالت عیسائی کے ان پر غلوں سے تیار ہوا ہون کیا تھا ساتھ جنہں وہ چھٹا انچرا ہوا
روح صرف کر رہی تھی بہت روٹی جاتی ہے اور وہ ہر لمحہ اپنی زندگی میں ایک نیا من انقلاب
پیدا ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہے اس لئے اس نے وہ دن میں ایک تحریک یسوع کو دنا کی جی ہم آگے دے کر کہ
فائدہ کو ختم کئے دیتے ہیں۔

مصدقی یوسف میں گزشتہ دو ہفتہ سے براہ راہہ کر ہا تھا کہ تعین کچھ لکھوں لیکن مصنف
اجازت نہ دیتا تھا۔ مجھ لاشہ جانت ہترے اور ادا دماحت کے شکرانہ میں سب سے پہلے جو کام
کر رہا ہوں وہ میں ظفر سنائی ہوئی سی ہے اس واقعہ پر قبل سری زندگی کا جو بیخ را تھا اس قسم
واقعہ ہو لیکن اسے بدیر میں جانتے جا تھا قبل کیا ہو اس کے ہم آہین اس لئے اس کی مٹی کے میرے وقت
حیات کے روشنی دو دن ہمارے سامنے آجائیں۔

دنیا میں ہر شخص کی خواہش یہ ہے کہ وہ امن و مسرت کے حصول کیلئے سعی کرے اور اظہار غرض
استدراصم نظر آتی ہے کہ غفلت کا کسی مخالفت کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی لیکن کس قدر تعجب ہے کہ
کو دنیا کا اس راہ ہمارے تمام و تقاضا مقابلہ و مابقت سب سے بھی سبب ہوا رہی ہو سبب
شکست اس کے ہے جو کہ نہ اسے اسکی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کو کون کا قاعدہ نظر کر خیال ہن
آرزو دار آجگاہ تہاد صرف جدا بلکہ ایک دوسرے سے متصاد ہے۔ ایک لگروہ
کیلئے جیتا ہے کہ دوسرا فقر کا طرفدار ایک علاقہ کے دروہائیت کی جو میں ہوتو دوسرا ہن
دو خود غرضی کا بستان رہے لغرض یہی تہا بین خیال اور تقاضا تھا جو کہ نے دنیا میں اضطرار
ہر یک کے کھا ہوا وہ یاد نہ ہو کہ ایک دہا کشا وہی تھا کہ وہ دنیا کی اس جہتی کو دور کر کے
سب کیلئے کر پئے آئے لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا اور کائنات کی یہ سونگہ واقعہ ہون
میں اپنے لئے جو شہزادہ زندگی سے تو گناہا ہتا تھا، وہ بھی یقیناً میرا انتخاب کی بلے عدلا
تھی کیونکہ اس شخص کو یہ انتہا خود غرضی نفس پرست اور شقی اقلات دیا تھا میں سمجھتا تھا کہ
عیسائی ہن کی کے میرے اوپر ظلم کیا گیا ہے میری سرتوں کو بال کیا گیا ہے اور اس لئے مجھے حق
حاصل ہو کر میں اس ظلم کا انتقام لوں مگر حق کو مسلح ہوئے نہ کھالونا چاہتا ہوں نے

صغیر کو چوڑا چسپ کر دنا تھی اور ان کو بھی قطع تعلق کر لیا جو عیسائی کے طوطا میں اپنی دنیا لگ
بنائی تھی تھی تہا میں سچین عیسائی فلسفہ زندگی کا وضع کیا اور آخر جب تک میں کو بھی کھلا تو
سمجھ لیا کہ ہر شخص کو لگنا اور اس کا راز کچھ ہو گیا ہوں لیکن میں اس میں جھوٹ دیکھ لیا تو میر
ظاہر کر میں ہا ہر کو گھرا تا تو مسلح جیسے کوئی جو رہا ہے مگر میں اس میں ہر کوئی کہ میں تو ہر طور سے کر
ان غریبوں کا مکان بھی تہا میں لیا تھا لیکن میں اپنا مستقل احساس کی حقیقت نہیں بیان کر سکتا تھیں
قدم رکھتے ہی میری ان آسوں کو زبیر لگتی جو یاد تھا بے غم ہوئے مگر ہم غم نظر نہ تھے
اس وقت تک میں سچ صغیر کیا ہو گیا تھا اس کے عوض میں اگر وہ مجھے نہ بھی دیدتی تو
کافی انتقام نہ ہوتا لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب تھے دیکھا کہ وہ اب بھی سیر کرنا پسند
کچھ قرآن کر کے لٹو آدہ ہوتے تیار دنا کسکے سلسلہ میں ہفتوں مال جا لگ کر بھی خطاب کرتی
گھٹنوں سر سے جو وہ کمر کر دنا کی پہلے اپنی جان نہ کر کے کہ دما میں صرف دہریہ دور کر کے کہیں
دوڑنے دوڑنے پانوں میں لگا دو دنا کو گھٹنے ہاتھوں چلے کر گھٹنے لیکن اس کے کھل کر اس میں
نہیں لکھن کر لیکر فاشا رخ ہر کیلئے ہناطہ کلینف ہوتے لیکن میں نے کہ میں نے کچھ سکون نہی
خوش انداز ہو چانے میں نے نہ کیا تھا ان باتوں کے کچھ کرنا چاہتا تھا اور آواز کے جمی تھی دنا کیلئے کچھ
عورت سے تیسرے کی پردہ کوئی اور نہ تھے اس واقعہ حیرت کی کوئی اور چیز۔
مرد کی زندگی یقیناً تیر حیرت کا مکمل ہون پہلے ہی تھا تھا اور اب بھی سمجھتا ہوں لیکن پہلے
میں جس چیز کے عورت سمجھتا تھا اس کا تعلق صرف نادہ سے تھا اور اب سیر نہ دیکر ایک
روحانی چیز ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ عورت نام ہی صرف ظاہری رنگین سفلی زبان نش
آرائش دانی ہر دی اور علی و دہنی آرائش کا لیکن اب سیر نہ دیکر مجھے عورت حلو
و صداقت اور شفقت کی داتا کار، وہ ایک روحانی مخلوق ہوا رہی تھا کہ اسے دیکھنا چاہتا
و دلوت کا ایک عزم پتہ نام اور مسلح بیخوش ہو کر تہا میں کھنا چاہتا وہ قدر کا لکھنے کا خطرہ ہوا اور
اصول اخلاق کی لحاظ سے اس کو دیکھنا چاہئے کہ عورت جاہل ہو جو عیب میں اگر وہ عیسائی
میں عورت ہو لیکن اگر وہ اپنی نائیت ہو چکی ہو تو اسکی تمام مردانی بیکار ہو کر دنا کیلئے
کیلئے عیسائی کو تہا میں ہر جی سکتی لہذا میں کیسا ہو کہ فیصلہ کیا کہ باطل دنا میں صلی ہو کر
ادبہ لوگ جو تعلیم خوان و آرا دی انسان کے حامی ہیں اس حقیقت کو نظر میں نہ کر کے آواز
الحد نہ کر رہے صرف تہا میں ہی بادی بلکہ روحانی آثار بھی دور ہو چکا ہے اور اس قدرت و افلاک
زندگی میں بھی چھوٹے ہو رہا ہے اور اس قدر قلیل وقت نہ کر زمانہ میں بھی کسی حاصل نہ ہوا تھا۔

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے عطر خان کو بہترین عطر مانا ہے



نمائش کا گھنٹو

نمائش کا گھنٹو

۱۸۸۵ء

۱۸۸۵ء

شاہ چاننی چوک، لکی

ہندوستان میں سب سے بڑا عطر کا کارخانہ

شاہ مظفر اور مرض حید آباد کی

صرف

صغریٰ محمد علی عطر لکھنؤ

کاپی

جولائی ۱۸۳۹ء سے نیکامی کے ساتھ جاری ہے

سلیفون نمبر ۱۳۹

سار کا پتہ دھوا

نمائش کا گھنٹو

نمائش کا گھنٹو

نمائش کا گھنٹو

۱۹۰۱ء

۱۹۲۲ء

۱۹۱۰ء

خط و مشورہ اعلیٰ نیکامی لکھنؤ سب سے بڑا عطر کا کارخانہ جس کی گرامی

تا تو بیدار شوی ناله کشیدم، ورنہ
 عشق کارے است کہ بآہ و فغان نیر کنند
 (عطیہ علامہ سراقبال)

موقع

دَارُ الْأَدَبِ لکھنؤ کا مقبول جہانِ عزیز برید
 ۱۳۵۱

مرتبہ
 سید مقبول حسین صہیل بکرامی

”مرقع“ کے قواعد و ضوابط

(۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہونگے، مگر وہ جن میں خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بیج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
(۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی لگی ہو یا اس میں ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو بیج کا شائبہ بھی پیدا ہو گھر شائع نہ ہونگے۔
(۳) جس نظم و شعر کے مضمون میں زبان لغت یا فن کی غلطیاں ہوں گی، اس وقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسبت سے اصلاح اپنے پر خود صاحب مضمون نہ کر دیں۔
(۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے، وہ انشاء اللہ بھی دل آزاں یا مستصحب نہ ثابت ہوگا۔
(۵) مرقع کو ذاتیات کے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جہاد ہوں یا اہل خبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اس میں ثابت قدم رہے گا۔
”میر مرقع لکھنؤ“

(۱) مرقع ہر انگریزی مینے کی ۵ تا ۱۰ کج کو دارالادب لکھنؤ شائع ہوگا۔
(۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔
(۳) مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہونے روانہ نہیں ہو سکتا۔
(۴) مرقع کی قیمت رؤساء و دیگر معزز اصحاب و افسر کے بڑیوں کی انکی بہت افزائی پر منحصر ہے۔
(۵) جواب طلب مور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہوگا۔
(۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا نمونہ ضروری ہوگا۔
(۷) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تا ۱۰ تک آجانا چاہئے۔
(۸) کوئی مضمون یا شائع نہ ہوگا جو خراب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔
(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و شعر و نثر جو جو خوبیوں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ نہایت خوشگوار ہوں گے۔
(۱۰) مرقع کو موجودہ پالیسی کے اندر بھی مباحثے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

مرقع میں اشتہارات بھیجتے وقت ذیل کا رخصانہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد و طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۱۰	۲۰	۳۰	ہائٹل بیج کے صفحہ ۲۰ و ۳۰ کی اہمیت کا رخ اسکے علاوہ ہے
چھ ماہ کے لئے	۵	۱۰	۱۵	جو خط و کتابت طے ہو سکتا ہے۔ اہمیت کا پیشگی آنا ضروری ہے
تین ماہ کے لئے	۳	۶	۹	مینجر مرقع لکھنؤ
ایک ماہ کے لئے	۱	۲	۳	

ڈاکٹر سرور حسین۔ لیج۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ مشہور ہو مو پتہ دمان و سینک ساز نمبر ۴۰۔ امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ

فطرت کی گود میں بھولے بھولے بچے

— — — — —

قدرت نے ابھی ابھی تیار کر کے نکا رخاؤ دنیا میں بھیجا ہے اور جن پہ احساسِ ادراکِ بشری کا تازہ رنگ چڑھایا گیا ہے۔ آیا انکو بھی فطرت نے کچھ موقع دیا ہے کہ اپنے قواسِ ظاہری و باطنی سے کام لیں۔ اگر وہ کام لیتی ہیں تو کوئی نذر اور کیا کام لیتی ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ نامتے (بھولے بچے) جن پر نقابِ فطرت کی سیدھی کیرنیں پڑتی ہیں کمانِ تکمل علیٰ کلمہ مقولے کے مصداق ہو سکتے ہیں کہ ”بچے نادان ہوتے ہیں“ کیا اس جملے کے معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ غریب کچھ دن گئے کہ اپنے باپ اور نورانی مرکز کو چھوڑ کے آیا ہے۔ اس وجہ سے اسکی نظریات کے مناظر سے آشنا نہیں۔

بان اگر اسکا قابلِ تنظیم داد (آدم) اس پست گرسے میں پھینکا جاتا اور اسکی گودی بھری باصممت اُدی (خوا) اسکا ساتھ دیتی تو غالباً فاکٹر لھما لھما اللہ یطاعت کی آواز اس کے کان تک پہنچتی مگر کون نہ پہنچتی، اسکو قالبِ خالقین آنا تھا اور ضرور آنا تھا۔

پیارے بچے کو ”نادان بچہ“ شاید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اس نئی دنیا میں جہان وہ لایا گیا ہے بالکل اجنبی سے، اس کے قواسِ مددگار ابھی ادراکِ مادیات سے بیگانہ ہوتے ہیں، مگر اسکی نظر اپنے روحانی مرکز کو ڈھونڈ رہی ہے اور نہیں پاتی، اسکی بیدری عالمِ تجرؤ کا خواب، اسکی نیند خوابِ تجرؤ کی تصویر، محبت بھری بان اسکو لپٹا سنا خوش بین لے کے لڑباں دیتی ہے مگر وہ خاموش لیٹا رہتا ہے، مگر جب اسکی فطرت اس سے باتیں کرتی ہے تو وہ خود بخود مسکراتے لگتا ہے۔ جیتہ روتا ہے اور اس کے رخسار پر آنسو بہتے ہیں تو والدین کے دل میں

صغیر عالمِ فطرت کے بنائے ہوئے بہت سے ایسے نقش موجود ہیں، جنکو عالمِ محسوسات پر ڈرنے والی نظر نے ابتدائے آفرینش سے اپنی جولا نگاہ بنایا۔ مگر انکا اثر دل سے بچاؤ رہو کے زبانِ ظلم تک نہ آیا، اور نہ آسکیگا۔

شام ہر روزی ہو۔ آسمان تک ایک شعلہ زیتارا دنیا کے ہنسی رنج و غمی روشنی ڈال رہا ہو۔ مطلع اُفق کے ساغر میں ہلکے گلابی رنگ کی شراب ہو انکی بین میں جذب ہو رہی ہو۔ بھل دینا کا ایک نئی طرح و ذی جس فروستِ نظارہ ہو، اسکی محد و نظر ہزاروں میل کے فاصلے پر روشنی ڈال رہی ہو، عقلِ سلیم ساتھ دے رہی ہو اور حواسِ مجتمع ہوں بھلا اس سے نرم اور بخیر الفاظ میں یہ سوال کر کے دیکھئے۔

تو کیا دیکھ رہا ہے۔ اور کیوں دیکھ رہا ہے؟“ پہلے سوال کا تو غالباً وہ یہ جواب دے گی کہ آسمان کا ایک ستارہ ہوا نور (جسکو عرف عام میں ستارہ کہتے ہیں) دیکھ رہا ہوں۔ مگر دوسرے سوال کا اس کے پاس جواب نہیں، سوال اس کے کہ یہ آسمان اسکو بھلا علوم ہوتا ہے یا اس سے دیکھنے کو خواہ مخواہ اسکا جی چاہتا ہے، اور بس۔ اگر اس سے زیادہ تشریح کی کوشش کر گیا تو سوال اس کے کہ اسکی زبان پہ کچھ جھٹکتے ہوئے الفاظ آجائیں اور کچھ نہیں، اسکی نظر کے عمل نے جو اثر اس کے دل کی باریک گون پر ڈالا ہے اسکا بیان قابلِ الفاظ میں نہیں ہا سکتا۔ چنانچہ ایک والدِ استقبلی کا تعلق ہے۔ انسان مانتا سب کچھ ہے مگر اس کے ہمارے قادیان میں۔ باوجود اس کے کہ اس کے گوس ختمہ ظاہری و باطنی، دونوں پختہ ہو چکے ہیں۔ اسکا ادراک اسکو ہر چیز کی کچھ نہ کچھ ماہیت بتا دیتا ہے۔ لیکن وہ انسانی تصویریں جنکو وہ

اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حنا ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

جہانِ مقصودِ حیرانِ دوست تمام

فہرست مضامین

۹۲۶ء

۱۱) مرقع کا فوری نمبر اور	۱۲۹) افکارِ تازه (غزل)	جنابِ لوی قوی صدیقی لکھنؤ ۲۱
جنابِ بھٹی بکری کا مکرر نامہ	۲) غزل	جنابِ حقّی کا کوروی ۲۱
۱۲) رشحاتِ حلیل (غزل)	۱۷) نواب صاحب جنگ حلیل القصر حلیل	جنابِ بڑے اجفر علی صاحب
۱۳) خط کی گوہرین مجھے پہنچانے	۱۸) جنابِ آغا شہر لکھنؤ	آثر لکھنؤ - بی۔ اے۔ ۲۲
۱۴) پرکھ کے تقدیرین غزل سے خطا نظر	۱۸) جنابِ اجفر علی صاحب	جنابِ انصاحب محو طبعان
۱۵) ایک تہائی شیبہ کا	۱۹) کلامِ ذاکر	صاحب محمود ۳۱
نیم روز کا منظر	۲۰) ماہِ خواب	جنابِ ذاکر ٹوکی ۳۱
۱۶) رباعی آثر	۲۱) نواسے راز (نظم)	جنابِ بیچن صاحب ۳۲
۱۷) رباعی روان	۲۲) حضرت غالب مرحوم کے دو خطوں کا عکس صفحہ ۱۱	جنابِ ازباز پوری ۳۲
۱۸) متعّے شاعری (غزل)	۲۳) جنابِ عظمیٰ کا پتھر ۳۳	جنابِ عظمیٰ کا پتھر ۳۳
۱۹) رباعی فرخ	۲۴) افکارِ رشقیق	جنابِ شفیق اویڑ ویدھیر صاحب ۳۹
۲۰) اتنا ذہن و فضل (مولانا عبد الباقی) کا نوہ نظم	۲۵) عبودیت عجد (نظم)	جنابِ لوی عجلتہ صاحب ۳۹
۲۱) (نغمہ ہستی) (نظم)	۲۶) جوابِ تنفسارات	جنابِ دان بکری ۴۰
۲۲) (نوحہ وفات حضرت مولانا محمد عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ)	۲۷) قند پارسی (غزل)	جنابِ آدی بھٹی شہری ۴۳
۲۳) جنابِ لوی بلین لہج صاحب	۲۸) تنفسارات ادبی و شعری	جنابِ انیم خیر آبادی ۴۳
۲۴) جنابِ بانی تخلص بیکر	۲۹) میر تقی میر کے مطلع کے	ماخوذ (دوسل بکری) ۴۵
۲۵) جنابِ چکیت لکھنؤ	۳۰) جواب پرانین حال و احوال	
۲۶) جوہرِ رحیم حلیصا صاحبی	۳۱) فکرِ خیر - آزاد اخبارات	
۲۷) جنابِ بھٹی بکری	۳۲) جبرائیل مختصر مری ٹو	۴۶) ادبیر
۲۸) جنابِ بھٹی بکری	۳۳) خیر مقدم مرقع (نظم)	جنابِ عزیز بکری ۴۸
۲۹) آہ چکیت	۳۴) مائینجھائے در کے مرقع	جنابِ آزاد بھٹی پوری ۴۸
۳۰) موت		جنابِ شکیل قریشی سونی ۴۸

عطرِ حنا جو اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اس کا نسخہ ہی مختلف ہے

ایک کوہستانی نشیب کے آفتاب نمرؤ کا منظر

ہو جاتی تھیں، اور جیسے جیسے ٹولے، بڑک اور نرم چھوٹے اُنکو اُٹھا دیتے یا گراتے تھے ویسے ویسے وہ کبھی دم پر جاتی تھیں اور کبھی دمک اُٹھتی تھیں۔ سنو ذرا کا ہر خطہ فردوس کے فرخ زریں کی طرح لمبا ہاتھا اور جس طرح غروب کے وقت بادلوں میں سے بجلی جھپکتی ہے، اُسی طرح ہوا کے چھوٹکون میں درختوں کی جنبش سے وادی کے اندر سورج کی شمع اون کی ہزاروں جلیان کو بندھتی تھیں۔ سیاہ چٹانوں کے جس انبار باوجود ایک ہونے کے سرخ کافی سے دمک رہے تھے۔ اور اپنے پُر تلکنت خاموش سایہ کو مضطرب جلیون پر پھیلائے ہوئے تھے۔ اس کے دامن میں ان کی سنگین خلا کو آگ وان کے شفاف چپٹے ایک غیر مضبوط مٹی اور نیلگون کمرے سے ممتنع کے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سنگین بلند یوں کے سجدہ اور مندر سکوت کے بے پایاں فاصلوں کے درمیان گلاب و عنبر کے ہزار ہا جھاوٹ سبز بادلوں کی طرح جن میں تاریکی کا کمینہ پتہ نہ تھا، بلکہ جو محض متورجلی کرنے ہی کے لئے اپنا وجود رکھتے تھے، دور دور تک کھائی تھے تھے۔ یہاں تک کہ سفید اور آنکھوں کو خیر کرنے والی انتہائی فضا کی چمک سمندر کی تیز روشنی میں مل کر غائب ہو جاتی تھی۔

(ترجمہ) محمد عبدالحی صدیقی، بی۔ اے۔ (حلیگ)

آفتاب نمرؤ کوہستانی نشیب کی طرف جھکنا ہاتھ بندھنا اور انبار کے چھوٹے ہر طوط پھیلے ہوئے تھے جیسا کہ خزانہ رنگ ہزاروں قسم کے مداسماگ درختوں کے ترو تازہ سبز یوں سے ملا ہوا تھا۔ ان چھوٹوں میں سورج کی روشنی کچھ اس طرح جذب ہو رہی تھی کہ بعینہ ہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ بجلی انبار کے رنگ گویا رنگ نہ تھے بلکہ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دھڑکی ہوا میں گئی ہوئی ہے، سرخ، شہابی وار خونی رنگ کے درخت جو سترت فضا میں کھڑے جھوم رہے تھے وادی کے اندر آفتاب کی شمع اون کی بارش میں ڈوبے ہوئے تھے پتا پتا اور قماش مستر اور ہنر از رنگی سے کانپ رہا تھا۔ ہر وہ پتہ جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی تھیں۔ کبھی ایک شعلہ جوا معلوم ہوتا تھا، اور کبھی ایک نقبش زرد میں وادی کی گہرائیوں میں دور دور تک سبز مٹی میں ایک بلورین سمندر کی لین، امواج کے خلا کے مثل معلوم ہوتی تھیں۔ اور سمندر کے جھاگ کی طرح جبکہ خوشنما پھولوں کے انبار کٹاروں پر لگے ہوئے تھے، تاریخی رختات کی نقریں دھاریاں وادی کے چاروں طرف ہوائیں لوٹتی پھرتی تھیں، اور چٹانوں کی بھڑکی دیواروں پر سے ٹکرا کر ہزاروں چھوٹے چھوٹے ستاروں میں پاش پاش



رباعی اثر

کڑھنا اور زرارہ زارہ نا اچھا ہاں عشق کا اعتبار کھڑا اچھا
لیکن کسی کا فری نگہ سے لے لے
اب تو نہ کبھی دو چار ہونا اچھا
(مرا جعفر طحان بی لے اثر لکھنوی)

رباعی روان

جب نفس پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ انسان رفت ماب ہو جاتا ہے
اُن سوزش عشق کی یادنی تاخیر
ہزار خ دل آفتاب ہو جاتا ہے
(با محبت مہر لوان لیل لیل بی)

تمام ماہر ان فن نے صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خا کو بہترین عطر مانا ہے۔

مناغے شاعری

مرزا جناب خواجہ مسعود علی صاحب دودی ”سکر شری“ انجمن حدیقہ اشعار کلم ہندوئی علی گڑھ



یعنی جناب آصف کوئٹہ دی کی وہ غزل جو علی گڑھ جلی کے زمانہ میں کال اڈا شاعر کے موقع پر چڑھی گئی تھی۔ یہی وہ غزل ہے جس پر ان شایا شاعر کی انتخاب کی کمی نے بعد اتفاق اسے ان تمام غزلوں میں بہترین قرار دیا جو شاعر میں پڑھی گئی تھیں اور اسی غزل پر ایک ملاحظی نے جو بہترین غزل کے لئے قرار کیا گیا تھا جناب آصف کی خدمت میں پیش کرنے کا اعلان کیا۔
دھل بلگرامی

نمایان کر دیا اس نے بہارِ روئے خندان کو
زرارو کے ہوئے موج تبہماے نہان کو
زر انکلیم جینیش دے نگاہِ برقِ سامان کو
یہاں کچھ نخل پکھیرے ہوئے اوراقِ رنگین ہیں
شلبے حشر میں شانِ کرم بیتاب نکلی کی
بس اتنے پر ہوا ہنگامہ دار و رستنِ برپا
دکھائی صورتِ گل پر ہمارِ شوخی نہان
قفس ہو دوام ہو کوئی چھڑاے اب یہ نامکن
اب ان رعنائیوں پر شکوہ جو رستم کیسا
ہوئے جو اچھے خلوت مرے راز میں اُس سے
متنا ہے کل کر سامنے بھی عشوہ فرما ہو

زمین دیوانہ ہوں صغیر نہ بھکو دوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جانتا ہے خود جیے گریبان کو

رباعی فرخ

راحت کی جسے ہوس ہے دیوانہ ہے
ہر حال میں جو خوش ہے وہ فرزانہ ہے
دم بھر کی ہے بس بہارِ باغِ عالم
کل بھول کھلے تھے آج ویرانہ ہے

فرخ (نصرت)

صغیر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا عطر خاجس قدر پڑانا ہوگا اسی قدر ہنسی خوشبو دیرپا اور خوشگوار ہوگی

تنگ کڑج اُٹھے ہیں، ”ہم غلطی ہی میں بندرا بل جوتے تو اچھا تھا۔“
اس خواہش سے نیراد نہیں کہ وہ دنیا میں ہنسائیں چاہتے بلکہ
اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ آرام روح اور آرام جسم و غلطی میں حاصل تھے انکے
مقابلے میں تکلیف موت کی کوئی ہستی نہ تھی۔

جس طرح ایک تیز رفتاری گلاب کے پھول کا طواف کرتی ہے
اس طرح ایک بچے کی نظر عالم ارواح کی ہر لطیف شے پر تادار شاہ
ہوتی ہے۔ تیزی پھول سے خوشبو جذب کرتی ہے، مگر ایک مصوم کی
نظر مناظر روحانی کے پاک اور لطیف اثرات جذب کر کے روح کو
قوت دیتی ہے۔

تو ان قدریت عالم ادب کے ہر فن کے لیے یکساں ہے
تکلیف راحت، خوشی و غم میں ہر فی روح شریک ہے۔
خواہ وہ بچہ ہو، جوان ہو، یا بوڑھا۔ مگر غرض طلب اور ہے کہ بچے کو اگر
کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ فنی تکلیف ہوتی ہے (وہ بھی جسمانی) جو
ایک مقررہ وقت پر ختم ہو جاتی ہے۔ مگر جوان اور بوڑھے کے تکلیف
اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے دل میں نشتر بن کے رہ جاتے ہیں
اگر کوئی یہ کہے کہ بچے کی روح احساس نہیں کرتی تو شاید یہ درست
نہ ہو۔ اسے احساس ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے، مگر فطرت اس
اثر کو جلد سے جلد اسکے دماغ سے زائل کر دیتی ہے کہ اسکے نشوونما
میں خلل نہ واقع ہو۔ کیونکہ اکثر جوان اور تندرست آدمی جب کسی
زبردست تکلیف کا شکار ہو جاتے ہیں تو پھر نہیں پہنچتے۔ ایسی
حالت میں عہد طفولیت جس قدر یاد آئے تھوڑا سا ہے، ایک اگر نہ
شاعر کہتا ہے

”مجھ بچن میں چھوڑ دو، تو میں بہت آرام سے موت کا مقابلہ کروں“

واقعی آدمی کیسا ہی رنجیدہ خاطر ہو، پریشان خیال ہو، تھوڑی
دیر بچن میں بیٹھے، تو اُسکی فکر، اسکا تردد و تھوڑی دیر کو مٹل ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں کام کرتے ہیں۔ اور جب ہنستا ہے تو اُنکا دل سرور ہو جاتا ہے
بچے کی تکلیف کا سبب تو ہم بتا سکتے ہیں۔ مگر اُسکی خوشی کا سبب
ہم کو معلوم نہیں، اور اگر معلوم بھی ہے تو اپنے علم کے مطابق۔ یقیناً
نہیں۔ نہ معلوم اُسکا وقت کس مصروفیت میں گزرتا ہے۔ شاید اُسکی
روح ہر وقت اس فکر میں غرق رہتی ہو کہ دونوں عالموں کے شایین
قابل کرے۔ اور شاید اُسکی ہی کو کشش اُسکے قولے ظاہری دنیوی
کو جلد بدل دیتی دینے لگتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد اُسکو معلوم ہو جاتا ہے
کہ کسی خواب کی تعبیر یہی ہے مگر زرا اور ہونچال ہو کے خواب ویش
کو اپنے دماغ سے بالکل محو کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اُسکی زبان سے
کچھ پیارے پیارے الفاظ نکلنے لگتے ہیں جو اُسکے پالنے والوں کے
کانوں میں پہنچتی زبان کا لطف پیدا کرتے ہیں۔

یہی بچہ جب جوان ہوتا ہے تو اُسکا دل اُسکا دماغ، اُسکی
تمام قوتیں، مصروف کار ہو جاتی ہیں، مگر وہ قلیل وقت جو اُس کو
تفکرات دنیوی کے علاوہ ملتا ہے، اُس میں اگر وہ عالم ادب سے قطع
نظر کر کے روحانی اثرات کے متعلق کچھ خیال کرتا ہے۔ تو قدرے
مشغی کے بعد اُسکو محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ کبھی کسی ایسے عالم میں
تھا جہاں کے مناظر اس کو اُس کے متاع سے بالکل جدا لگا دیتے۔
اُسکی نظر محسوس کرنے لگتی ہے کہ اُسکے سامنے ایک نئی پردہ حائل ہو
اور رفتہ رفتہ اُسکا جھج بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اب پردے کے ادھر
کے مناظر سامنے نہیں۔

گو مناظر و شام اُسکو نظر فریب تصویریں دکھاتے ہیں، اور اُنکا
اثر اُسکے دل کی رگوں میں پیوست بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جس وقت اول
کے نورانی فضا کی کوئی کرن اُسکے احساسات کو جگاتی ہے تو اُس تک
ظاہر کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے۔

بچہ سے لوگ دنیا میں ایسے ملین گے جو زندگی کی کشائش سے

علاوہ عطر خنکے جملہ قسم کے صندلی عطریات صغریٰ محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائے

”مرقع“

۶

مارچ ۱۹۲۶ء

حزن و ملال کا تصویر بن جاتی ہیں۔ یہی کوہِ خاک کی مسکین ہزاروں
امیدوں کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ خود
خاک کے ذروں میں مل جاتا ہے، اور اس کی پاک روح جو کچھ دن تک
رفاقیت جسمانی کے لئے آئی تھی، خوش خوش عالمِ بالا کی طرف
پرواز کر جاتی ہے، اور اپنے مرکزِ اصلی میں ہمیشہ کے لئے قیام کر لیتی ہے،

سید آغا اشرف لکھنوی

بچے سے فطرت خود محبت کرتی ہے اور دنیا سے محبت
کر رہی ہے۔ معصوم بچہ جیتے دنیا کی پہلی ہوا کھاتا ہے، اور والدین کی نظر
اُسکے بھولے بھولے چہرے پر پڑتی تو محبت کا بیج دل میں بیٹھ جاتا
ہے۔ اور آخر عمر تک اس پہلے محبت سے شاخیں پھولتی رہتی ہیں۔

افسوس دہری بچہ جس کا چہرہ نورانی، جسکے افعال دل خوش کن
جسکی نظر محبت انگیز، اسی کو زمانہ ایک وقت انقلابات کا نشانہ بنالیتا
ہے۔ دنیا کے کمزور بات اسکی صورت بدل دیتے ہیں، اسکی نگاہیں

پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

اجنا ہے راجعہ علی خان صاحبہ لکھنوی بی ۱۰۷

وہ شوہر کی کامان کا گدہ کوں کوں کی
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

موجن پر ایک وقت سال و جہان کی
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

اور تباہی بھیر لڑن کا تالاب کی مٹھکی
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

جنگل میں ہاک بھولا لگ سی لگی ہے
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

ہر شے میں ایک جلوہ پوشیدہ آشکارا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

کیون امتیاز کیجئے ناقوس اور اذان میں
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

تھوڑے جڑا زمین پر ہرگز خیال تیرا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

خچے چاہے بہین ظاہر ہے کہ بہین (۱) گلشن ہنک باجرات! تیرا سکرنا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

موجن شرب کی بہین بھیر لڑن کے (۲) ہر دوش مست جس سے دھبے سُنا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

ٹھیلیاں صبا کی نگینیاں سحر کی سرور کے گلون غنچوں کا چھلانا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

شرق کی سبلا لاغریں کچھ سیاہی وہات بھر کے جائے تارون کا بھلا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

دوستان ایک طرف ان عشق بہن میں ششم سے کوئی یکے بعد سے نہ بھٹکا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

مفتیش کو کر کے گویا جھٹکا ہے وہ دس میں ہزار سے کالہ لہنا
پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

پُرکیت کس قدر بہین فطرت کے یہ مظاہر

کارخانہ صنعت علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف ”خدا“ لکھنؤ کافی ہے

استاذ علم و فضل (مولانا عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ) کا نوہم

مؤید بن ہم چند لانا آزاد سماجی صاحب دہ معتمدین و بچ کرتے ہیں جو جناب مہرج نے حضرت قیام الدین مولانا مولوی حاجی محمد عبد الباقی فرنگی محلی کے حوالہ پر مال کی جو حوث اثر سے زیادہ جو اسکے کہ آپ کے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ہمیشہ خفا تھا، لہذا تاخیر ہو کر تحریر فرمایا ہے اور ہمیں اپنے دلی جذبات، اپنے خیالات اور ان امور کا ذکر کیا ہے جن کے لئے دنیا ہمیشہ فرس کرتی رہی اور نہ کر سکے گی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات وہ ذات گرامی صفات حتیٰ جبکہ نظیر ملنا دشوار ہے۔

مجھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کم از کم پچیس سال سے شرف نیاز حاصل تھا اور سلسلہ طریقت میں حضرت قطب لائق علیہ السلام کے بارے میں سرفہ سے جو نسبت اور توسل کی بڑی جدوجہد آتا تھا اسی کا میں بھی نام لیا ہوں اور اس طرح جو صدر اہل بیت مجھے آپ کے وصال سے ہوا اس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ واسطہ رکھنے والے تو واسطہ رکھنے والے آپ کے جاننے والے تو جاننے والے ہر شخص جس نے کبھی آپ کو جین دیکھا کبھی آپ سے نہیں ملا حضرت نام ہی سنا ہے اس کو بھی صدر اور دلی صدر ہوا ہو گا۔

آپ کی ذات ملک کے لئے مبارک ہے قوم و ملت کے لئے مسود اور مسلمانوں کے لئے خلیف و مہرودی کا باعث تھی۔

مسائل حاضرہ و چند دیگر مسائل میں بت سے اصحاب آپ نے خفا رکھتے تھے لیکن آج ان کی بھی یہ حالت ہے کہ اس صدر سے منہم و ملول ہیں اور یہ جھک کر مجموعی حیثیت سے آپ میں کتنے عاس کہنی خوبیاں اور کتنے فیوض و برکات تھے۔ آپ کو یاد کرتے اور آپ کے واسطے اظہارِ اسخ و غم کر رہے ہیں۔

مولانا ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ بروز یکشنبہ عالم ظہور میں آئے اور انچاسویں سال میں بھی اپنے قدم بڑھایا یہ تھا کہ ۲۰ ربیع المرجب ۱۳۵۸ھ کو آپ پر فوج کا سخت اثر ہوا۔ یہاں تک ۵ گھنٹہ اس مرض میں مبتلا رہ کر جب ۲۴ ص ۱۱ بجے شب کے قریب میں جہاں فانی سے کھلے عالم جاوڑا چلا گیا جب تک ایک سب سے دن کے باغ حضرت مولانا نور رحمۃ اللہ علیہ تین اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ کے باپن، سنگ مر کے ایک کٹہرے میں جو پیلے تیار تھے وہ خاک ہونے لگا۔ انشاء وانا لیراجعون۔

آپ کے وصال پر جو کچھ سخی و غم نہ کیا جاسکے ہے۔ خداوند کریم آپ کو دین بھی درجات عالیہ عطا فرمائے۔ آپ کے تین جناب مولانا قطب الدین عبدالموالی صاحب (جن سچے باندہ آپ کے متوسلین کی بہت سی مدین وابستہ ہیں آپ کے نعم البدل ثابت ہوں گا) تمام اعزہ کو ہمہ جہل عطا کرے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ تین تحت جگہ میں ترقی دے اور علم و فضل کی دولت نصیب کرے اور خلق کو اسے فیوض برکات کا منہم بنائے۔ آمین۔ (وسل لکھنؤ)

استاذ علم و فضل اور یادگار کمال تحقیق حضرت مولانا عبد الباقی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ، عالم شہادت سے گزر کر، عالم غیب کو راہی ہو گئے یہ سارے عالم کی کا تو ایک معمولی واقعہ ہے، عالم، تو تسلسل حوادث و سولہ کا نام ہی ہے، ہاں کارگاہ تعمیر و تخریب میں اس کے سوا ہوتا

اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کا ایجا کردہ عطر خا ہے جس کا استعمال ہر موم میں خوشگوار ہے

کئی لحاظ سے دنیا کی ایک ہی سطح ہے، اسی سطح پر ہر مروج کو اُبھرنا اور بیٹھنا اور ہر جہاب کو بننا اور ٹوٹنا ہے،

اور اس لئے یہاں ہمیں کئی نئے دایرے پر کوئی نیا مقام سمجھنا پڑتا ہے اور نہ جانے والے پر کوئی واقعی گنجائش بھر فوس و تعزیت، لیکن عالم کلی کے ایک محدود حصے میں، جس کا نام عالم انسانی ہے جہاں مضافات و مضافات اور تعلقات و حیثیات نے چھوٹائی اور بڑائی اور اہمیت و اہمیت کے اعتبار سے ہر حق قائم کر دیے ہیں اگرچہ یہ بھی عالم انسانی کی طغیانی و ناخوشگینی کا آئینہ عارضی ہے جس کو درجہ بیکینی میں پوچھ کر یقیناً غائب ہو جاتا ہے گا، مولانا کا سامنے وقت کا ایک سانحہ عظیم ہے، خصوصاً ہمارے ایک کیلئے، اور زیادہ خاص ہماری قوم کیلئے، اور بھی زیادہ خاص عجمت علیہ کے لئے اور بچا ہے اگر اس سانحہ پر عام رنج و الم کیا جائے مولانا جیسے علیہ کے فضائل و کمالات کا تو رشہ گشت گشتا تا تو اب فضول ہے، انکے فضائل و کمالات انکی روح کے ساتھ ہی عالم تعلقات سے بے رشتہ ہو چکے، ان کی یادگار ان کا تذکرہ جن سے ان کے قد و دانوں اور دالبتون کا واقعی تعلق ہو سکتا ہے فائدہ سے خالی نہ ہو گا، تذکرہ بھی، حدیث گوئی و داستان نوازی کے رنگ میں نہیں کہ شغل ہو و لعب تو صفت سے زیادہ اپنے اندر مضرت رکھتا ہے، بلکہ تذکرہ رطلیح کے رنگ میں جو تذکرہ کی اصل غایت ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تین زبردست یادگارین چھوڑی ہیں جن میں اگر موت زندہ ہی رکھنے کی کوشش کی جائے تو انکے متعلقین کے سامنے کام کا ایک میدان عظیم ہے، (۱) مسند علم و روحانیت (۲) خدامِ احرارین (۳) مکمل آزادی ہند کی آرزو و تائید۔

مسند علم و روحانیت سے وہ علم و روحانیت کی خدمت کرنی چاہتے تھے ان کی علمی خدمات کی جولا گاہیں مولانا علوم و مدرسہ نظامیہ حیدرآباد ہند کی علمی گاہیں تھیں، انکی روحانی خدمات کے میدان، سلسلہ رزم و زانوئے والیرہ اور حبیبیہ الشائخ ہند کے روحانی کارخانے تھے۔

خدامِ احرارین سے وہ مرکزی سیاسیات اسلامی کی خدمت کا حوصلہ رکھتے تھے جس کے لئے وہ مدتِ عمر بھر بختلاف و آشغال و حیثیات سرگرم عمل نظر آئے، خدامِ احرارین کا وجود انکی سرگرمی عمل کی آخری شکل کی جیسا اگرچہ ایک جماعت کو اس خاص شکل میں ان سے اختلاف و خلافت تھا، لیکن اس کلیہ اختلاف و خلافت میں ایسے جزے کچھ میرز و بیچ میرس ہوتے ہیں انکے علاوہ ان اختلاف و خلافت کا بہت کچھ دار و مدار غلط فہمی و غلط تفسیر پر پڑتی تھا جو اب نشاء اللہ زمین باقی رہے گا مکمل آزادی ہند کی آرزو و تائید ان کو ان کے ارتقاء کا بعد کی پیداوار تھی پھر پھر انکی فکریات میں شامل ہو چکی تھی، اس کا اظہار اس شکل میں ہوا کہ انہوں نے، ہندوستانی کی کیونسٹ پارٹی کی جیسا کھلا ہوا نصب العین، مکمل آزادی ہند ہے ہولی تائید فرمائی، اور اسی بہت افزا دنیا پر پیر پیر خاندان فرنگی محل کی اور علی غفرانی محل کے ایک ممتاز رکن کیونسٹ پارٹی کے باقاعدہ ممبر بن گئے اور احشیت سے کانپو کیونسٹ کانفرنس میں شرکت کی اب اگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سچے قدردان اور وفا شعار وابستہ اس ملک میں موجود ہیں اور انکی ان فاتحہ خوانیوں اور عزاداریوں میں، ہم دخل و مشغلہ پرستی کے سوا اصلیت و وفا کا کچھ رنگ بھی ہے، تو ان کا فرض یہیں ختم نہیں ہو جاتا جہاں ختم کرنا چاہتے ہیں بلکہ آگے بڑھتا ہے اور آگے بڑھنے کی پہلی حد یہ ہے کہ وہ ان یادگاروں کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں، اور اصلی حدود یہ ہے کہ ان کے مقاصد و اغراض کو پورا کرنے کی جدوجہد کریں یہی اس بڑے شخص کی سچی قدردانی اور مرثیہ خوانی ہے میں خود اپنی اس تعلیم پر عمل کیلئے آگے بڑھتا ہوں اور باوجود اس بے انسی کے جو مجھے اپنی ناکسی کے باعث مدتِ عمر مولانا سے رہی انکے کمالات اور کارناموں کی مصفاۃ قدردانی کے لئے یہ عہد کرتا ہوں کہ انکی یادگار ہمارے نشتہ کی تائید تقویت

بھصر علی محمد علی تاجر علم رکھنے سے مال طلب کر نیکی بعد اگر ناہند ہو تو قیمت واپس لیجئے۔ اور واپسی کے محصول کا بھی کارخانہ زندہ رہو

مرق

۱۱

مارچ ۱۹۲۶ء

کاش مولانا مرحوم کے نام و البستہ اور قدردان خصوصاً ارکان فرنگی محل،
اشخ رہ خیرات و خیرات خیراتین کا خیرین میاں خیر جہاں ہے کہ مولانا کی غیر
فلانی اولاد و اولاد کے مرنے والے گرامی ہیں چہ شہار و خیرات خیراتین نذر گزراؤن؟

کو جو عین میری مریضیات و فکریات بھی ہیں، اپنے مشاغل کا ایک
جزو سمجھو لگا، اور اس طرح مولانا مرحوم کی روح گرامی کو ایصال ثواب کرتا
رہوں گا۔

کہ تھی تو خدام خلق اور وہ خاشا رہت
ترے عمل سے تھے آباد کار و بار بہت
زمانہ یعنی رہا تجھ سے ساز کار بہت
تری روش میں تھا انداز و نگار بہت
دیے ہوئے ہیں جسرت نہ مزار بہت
زبکہ تھی تری تعمیر کنشہ دار بہت
ترے ارادوں کے جب ہوں گے رازدار بہت
کہ تو نے چھوڑی ہیں شکل یادگار بہت
وہ اپنے دوش پر رکھا ہے گرجہ بار بہت
فقر آزاد بھائی

تری و دلع پہ ہے خلق اشکبار بہت
تو ذی کمال تھی اور ترے عزم اعلیٰ تھے
تو فتح خوبی انجام پر بھی قابض تھی
تو بیقرار تھی اور بیقرار رکھتی تھی
شہود میں ترے تھوڑے ہی عزم ابھرے ہیں
تھی معرفت تری دشوار مثل رمز عمیق
کرین گے قدر تری آگے چل کے اہل زبان
مٹی نہیں ہے تو دنیا سے بھی کسی صورت
رکے گا زندہ انہیں ہے یہ عزم سبحانی

نغمہ ہستی

(خاص مرق کے لئے -)

گوش نوا شناس ہے محرم نغمہ حیات
مطرب جان نواز نے پھیٹا ہے ساز بخود
زمزمہ نشاط ہے تار نفس کے ساز میں
بزم جہان کے ساز میں نغمہ ہے سوز زندگی
اُڑ گیا برق کی طرح جلوہ گہ مجاز سے
ساز ہی وجہ نغمہ ہے نغمہ ہی وجہ ساز ہے
منظر کائنات میں نور بھی تیرگی بھی ہے
دور سلسل ایک ہے جس کا حیات نام ہے
لذت حیات ہے راز حیات جاودان

زندگی اک سرد ہے ساز ہے ساری کائنات
وجد میں بزم دہر ہے وقف نیاز بخود
رقص میں ہیں تجلیان دگے حریم ناز میں
نغمہ ہے کائنات میں جلوہ فروز زندگی
سوزہ ہے کہ آشنا جو ہو اس کے ساز سے
جلوہ ہی خود حجاب ہے ایسا ظلم راز ہے
دائرہ حیات میں رنج بھی ہے خوشی بھی ہے
شام کے بعد صبح ہے صبح کے بعد شام ہے
بزم ازل سے تا ابد عالم صوت ہے جہان

وزیر مرق

لفظ مرق

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ

نوحہ وفات حضرت مولانا محمد عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ



مرقومہ عالی جناب لوی سید امین الحسن صاحب رضوی مولانا تخلص بسمل ازبید آباد دکن



عکس خاموشی ہے جذبات کی بیداری کا	موت کی نیند کہ سرمایہ ہے ہشیاری کا
زندگی انکی تھی موت انکی ہے جو دنیا میں	حق ادا کر گئے جو حق تھا نکو کاری کا
دلنشین ہیں ہی امین خلد نشین بھی وہی لوگ	جن میں تھا دلولہ و حوصلہ و نینداری کا
میں تو کیا ایک نامہ نہیں رہتا ہے جہد میں	شوق تھا کچھ تو مسلمانوں کی غمخواری کا
لے فرنگی محل اب تجھیں کہاں وہستی	خاتمہ جس پہ ہوا ہاے رواداری کا
اب کہاں سیدی و مولوی عبد الباری	اُن ابھی وقت نہ تھا انکی عواداری کا
دل منور تھا تو اک نور کی تصویر تھے وہ	خاتمہ ہو گیا پاکیزہ طرہ عواداری کا

آج معلوم ہوا غم بھی ہے اک شہر بسمل
پہلے سنتے تھے فقط نامہ دل انکاری کا

نواب مرزا محمد باقر علی خان عروج

(از پرنٹ برچ نرائی صاحب پبلیکیشن لکھنؤ بی ایس ایل ای بی کول)

عجب اتفاق ہے کہ اودھ کی سلطنت کے آخری دور میں جبکہ مختلف سوشل اور اخلاقی رجحانوں کا بازار گرم تھا اور پولیٹیکل مجبوریوں کی وجہ سے حکومت کا تاج آخری فرمانروا کے اودھ کے سر پر زربا تھا لکھنؤ میں مشرور سخن کا مذاق روز بروز ترستی کرنا لگیا حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس یادگار خط کی زبان دہلی کی غلامی کی قید سے آزاد ہو گئی اور خصوصاً میان کے محلات کی زبان سادگی پائی گئی اور نقاست کے اعتبار سے ضرب المثل ہو گئی۔ اودھ کی سلطنت کا چراغ نکل ہونے پر اس زبان کے اصلی وارث دی لوگ تھے جنکا تعلق خاندان شاہی یا خاندانی وزارت سے تھا۔ یہ پڑانے گھرانے ایک ایک کر کے مٹتے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ اس زبان کا لطف بھی مٹتا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں نواب مرزا محمد باقر علی خان عروج کا نام قابل ذکر ہے۔ نواب صاحب موصوف اشرف الدولہ نواب امجد علی خان کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے سمدیش اعلیٰ نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان تھے جن کا عروج نواب آصف الدولہ بہادر کے اودھان حکومت میں ہوا لکھنؤ کے اس مشہور گھرانے میں جو کہ خاندان شیش محل کے نام سے مشہور ہے تین پشت تک اودھ کی وزارت میں ہی ہوتی میری نگاہوں کے سامنے نواب صاحب موصوف کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی ہے جس کا نام شاہنامہ ہے۔ سنایا ہے کہ نواب صاحب نے یہ مثنوی تقریباً تصنیف فرمائی تھی۔ اس کا پایہ محض شاعری کے اعتبار سے زیادہ بلند نہیں ہے لیکن روزمرہ اور زبان کا لطف

قابل داد ہے۔ مثلاً ایک نوجوان عہدت کی جھلک علامت کا حال اس طریقہ پر نظم کیا ہے۔

جمع تھے دن غریزہ بیگانے
موت کی تھیں نشانیاں جو تمام
کوئی کرتی تھی چمکے چمکے دُعا
سورہ جن کیا کسی نے تمام
کوئی کہتی تھی کیا ہوا یہ سبب
دھوکے اک بوند مخمیں پہونچا دو
دوسری بولی سر پہ نکل نہ بچاؤ
ساری جان انکی ہے پسینہ تر
سر کوچ کھٹ پہ ملتی تھی کوئی
کوئی بولی زیادہ رنج نہ کھاؤ
کال میں نہ ہو خلافت مزاج
کوئی کہتی تھی ہے مجھے مرغوب
کوئی بولی نہ ہو خلافت مزاج
کچھ دنیا میں نئی نکالتے ہیں
طعنہ زن لوگ ہوئے بیکار
پاس محبویان جو تھیں دوجا
کتنی تھیں کس پہ جان دار گئے
ہم کو جیسے کا آسرا دے جاو
تم نہ بولیں ہوں اس میں نہ جھجنا

شمع کے گرد جیسے پروانے
عورتوں میں پڑا تھا اک گہرا
خنسورہ کی دے رہی تھی ہوا
کوئی پڑھتی تھی سورہ انعام
آئین یہ گاڑی سا ذیل کھل گیا
لوچسل کنبی کا کٹورا لو
کچھ خبر ہے تھیں حماس میں آؤ
دانت پچھے پانی دین کیونکر
لا کے صدقہ ۲ تارنی تھی کوئی
ارے جلدی حکیم ہواؤ
بات کہنے میں ہو گئی است پت
ڈاکٹر کا علاج ہوتا ہو خوب
انکا ہونوچ ڈاکٹر کا علاج
سنی ہوں کالانی ملتے ہیں
والی بنی نہ کھانی صحت
روزی تھیں وہ بھین بھد قطار
باجی کھکھسے بھکاریں گے
کمان جاتی ہو کچھ پتا دے جاو
اٹھ کے بجایا ہمیں منا لوزرا

اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

ارے جلدی مجھے بلا لیںا رہ گیا تیرے دین گره دینا
علاوہ اس شہسوی کے نواب صاحب مرحوم نے غزلین
مرثی اور سلام وغیرہ بھی تصنیف کئے تھے ان کا پتہ ملنا ہواقت
دشوار ہے صرف غزلوں کے چند متفرق اشعار دستیاب ہو سکے ہیں
لکھے جاتے ہیں ان اشعار سے مصنف کی طباعی اور پاکیزگی زبان
کا کافی اظہار ہوتا ہے۔

بھولے سے بھی جو کراہتا یاد دگر بلبل قفس سے سنتی ہرگز دل بخل کے

قبول ہو کہ نہ ہو یہ ناز مغرب صبح بہن تو شام و سحر سا ذکر کر لینا

زبان کو ذکر سے تیرے یہ کام ہٹائے کسی کا نام میں لون تیرا نام بجائے
چلے وہ اٹھ کے جہیلو سے یکے بلوار جواذن پائے تو نصرت غلام بجائے

مجھے تسکین بھی دینا انکی ایک پس کی خوشنما جہاں بڑاں نہیں تہا میں نہ ہا خطہ زمین

ترا شکوہ لب پہ کب لاتے ہیں ہم دل ہی دل میں اپنے غم کھاتے ہیں ہم
انکی چوٹی سے یہ کہتی ہے کمر بوجھ سے دہرے سے کھاتے ہیں ہم

ہم ترا ڈھونڈھ چکے تیرے نگاہ دل کے ٹکڑے میں تو ملتا ہی نہیں

جسین بلی کا ہر جلوہ دور دل آئین میں خوب بھان لے جنوں ہی محل تو نہیں
دل صدا دیتا ہو سینہ سے یہ گھڑانی نذر درو جیٹے جھنڈے اتار ہی میان آئین میں
درد کا دیون مرن بھگور کیا سان جو یا خدا دے کے پہلو میں ممد دل آئین میں

بھگور شکوہ نہیں گر تم سے پیائے نہ ہو غیر کہ بھی تو نہ ہو ہائے نہ ہو

سُت گیارہات بھر من منہ کیسا اسکی سب مانگی مجھے لگ جائے
چار بائی گولیات مار اٹھے چل کے جوہی کے آگے ہوا مہم
لاڈلے سے کوئی علم اٹھوے رکھو سینہ پہ بھائے ٹھنڈل کے
مجھ سے بس ڈیڑھ سال تھی ٹپری

ابھی غش میں گری ہوئی تھلا جان ہائے کبن منتون سے پالا ہے
تن بدن کی نہیں خبر ان کو پہلی رکعت پہ پھیرتی ہیں سلام
مانتی تھی نہ اپنی مان کا کہا بیٹھی انگنائی میں مسخیری کھا
دن کو بالائی اُسے کھائی تھی

چشم تر دل میں مدد لے فغان مری کلم گو یہ مان ترے قربان
مان تصدق ہو اٹھیں کھولو تو تجھ کو بھولیاں بیکار تی ہیں
چوٹی کروا لو شام ہوتی ہے مینا بندی کا دم نکلتا ہے
دیکھلے اس کا آخری دیدار

باپ ملے تو میسی ہو زخمت اسکی یہ آخری سواری ہے
انان کہہ کر مجھے بھار لے پھر تم کو پالا تھا گاڑنے کے لئے
منہ پہ لٹ آئی ہوسوار لے پھر چلین ہم کو اُجاڑنے کے لئے

صرف صغریٰ تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حنا ایسا ہی جسکو تمام ہندوستانی مقبولیت حاصل ہو

چک بست لکھنؤی

نواب صاحب مرحوم نے ۱۲۰ سالہ عرصہ میں تھمنا، سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مرقع - مرقہ بالا مضمون جناب چک بست نے بھی بہت ہی قوی سے دن ہوئے میری خاطر سے باوجود اپنی عظیم الفرستی کے مرقع کے لئے لکھکر عطا فرمایا تھا ابھی یہ مضمون ناظرین کی نظر سے گزرنے ہی نہ پایا تھا کہ جناب چک بست نوکری دنیا سے چل بسے۔ اور جو کام انھوں نے جناب نواب مرزا محمد باقر علی خان مرقع کی وفات کے بعد اُن کے کلام پر تبصرہ کا اختیار کیا تھا وہی کام خود جناب چک بست مرحوم ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ جناب چک بست نے تو عزیز دن اور دوستوں کا اتنا بار احسان بھی گوارا نہ فرمایا کہ دو چار روز بجا رہتے اور وہ انہی چار سازی اور تیار داری سے دل کی بھڑاس نکال لیتے۔

نواب مرقع مرحوم کے کلام کی جس شان سے انھوں نے رہنمائی کی ہے آج ہم یہ بھی تمہیں کر سکتے کہ جناب چک بست کے کلام پر ایک نظر ڈال سکیں۔ خدا سے امید ہے کہ جناب چک بست کے احباب و ائیرنگوں کے کلام کو جلد سے جلد روشناس عطا کریں گے تاکہ شہیہ یا شکر نہ کہ کلام کی طرح چک بست کا کلام دنیا سے شامی ہوئی کتاب عالمات کی طرح درخشاں رہے۔

چک بست کی ذات عجیب ذات تھی آپ اردو زبان کے حامی بلند ولولہ دار اور زبان کی ترقی کے دل سے خواہاں۔ اردو شعر و نظم کے قدردان اور خود بھی خوب لکھتے تھے نہایت عظیم الاخلاق اور باہم دت تھے۔

آپ ایک مقدمہ کی پیروی میں ۱۲ فروری ۱۳۲۵ء کو واسطے بریلی تفریق لگتے تھے ہاتھ دایبہ میں آپ پر فالج گرا۔ حملہ اتنا سخت تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد ہی آپ کی بوجہ پردہ لنگی آپ کی لاش لکھنؤ میں لائی گئی اور میں سب مرام ادا کر کے لے گئے اور ایسا کر کہ تو تاپ ایک شہر میں فرما گئے تھے۔ روح و قاب کی طرح روز ازل پیدا ہوا لکھنؤ کے واسطے لکھنؤ میرے لئے

آپ کے گھر میں اس خبر و حشت اثر سے ایک کہرام تھا اور جس قدر وہ غم نہ کرتے کہ قاب لکھنؤ میں ایک عجیب دلیل پر لگی تھی بشرح خاص ہر ایک سکتے کی کسی حالت تھی اور جیسے دیکھتے وہ شہر کی کئی قبائل کے ساتھ ایک کثیر مجمع تھا اور ہر ایک اس سانحہ سے متاثر تھا۔

دنیا سے اب بالخصوص اردو زبان کو آپ سے یہی صدمہ پہونچا۔ ہم آپ کی اس ناگہانی وفات پر آپ کے تلمیذ کے ساتھ بچ و غم میں شریک ہوتے اور اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور دو چار شعر اس جگہ جناب چک بست کے مرگ ناگہانی کے اعتبار سے درج کرتے ہیں۔

روح کا پانی ہے عشق جو ہر حسنِ لطیف گل سے بڑھ کر ہے خیالِ نازِ جیسے خانہ درانی ہری سب چاہتے ہیں شکلِ

لیوہ تاوان ہیں جو کہتے ہیں زب سے قبل مصلحت کہہ کر بچ و غم میں بھیج درکار ہر فساد یہ حدیث صبر و تسکین و قہر

موتے دم بگماتے ہے آس طبیعت میری مجھے پہلنے طفاک میں حسرت میری خواہ بہتی کی نہیں تعبیر ایسی زینہار

جب بالغ میں لکھنا جو صبح گل نہ کیا کیسا ہے جو تین اعزاز میر بننا ہے عروسانِ جہان کے لیے زیور دستاویز نوشہ کی رہا کرتا ہے کثر

لیکن کسی وضع پائشِ حشاک دیکھا بیکس کے کفن پر ہے جس نے نک دیکھا

وصل بگڑا می

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کل خانہ کا عطر بنا جس قدر پڑتا ہے وہاں کا سب قدر سب خوشبودار اور خوشگوار ہوگی

آہ چلبست

اور بلندی حوصلہ کی داد دینے کے لئے ایک متعل کتاب بھی کافی نہ ہوگی لیکن معیار کے شاعرے، ملک کے ادبی جرائد اور اود چیخ کے صفحا بیرون آپ کے نم البدل کی سعی لاجل کرین گے اور لکھنؤ کی شاعری میں آپ کی ذات کو جو درجہ حاصل تھا وہ آئندہ نسلوں کیلئے طلوعین کا کام دے گا۔

افسوس تو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ برادران وطن عام طور پر اپنی مشترکہ زبان اردو کا متعلقہ کر رہے ہیں اور اسکی جگہ ایک ایسی زبان کو دینے کی سرگرمی کو ششیں کر رہے ہیں جس سے ملک کی آبادی کا ایک معقول حصہ بالکل بے گناہ ہے، نڈرت لشن لائن در ہنشی نوبت رائے نظر پوشی جو اپر شاد برقی کے بچکبست آنجہانی کی وفات نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جو قدیم خیالات کے ہندو اور مسلمانوں کو وابستہ کئے ہوئے تھا اور آپ کے بعد میں کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آئی جو بلند آہنگی سے اس سہ کو جوڑے گی پھر کوشش کہ سنجاب سے لگائی قہند شعر اپنا زکر سکتا ہے لیکن زبان اردو کا مرکز لکھنؤ آج ایسے ہندو شاعرے خالی ہے جو جناب عزیز دھنی و شاقب و آرزو کی صف میں بچھکر ہم آہنگی کی اہلیت کا دعویٰ کر سکے۔

اس لئے چلبست کی موت کا نام ہم اس شخص کے دلیں ہے جو اردو کو مشترکہ ملی زبان بنانے کا خواہاں ہے۔

اور ہم اس شخص کے دل میں جواب اردو کے بقا و قیام کے مسئلہ سے دلچسپی رکھتا ہے۔

کیا ادب اردو کا یہ مرکز ایسے شخص کی یا بیدار یا بگاڑا قائم ہو سکی کوشش کرے گا۔

رحم علی الهاشمی (بی لے)

مرنے والے پر ماتم دہنگباری مقتضائے فطرت ہے، لیکن ہر موت کی اہمیت کا اندازہ اس کے ماتم کرنے والوں کی تعداد سے ہوتا ہے۔ بھنبی سے بعض ساخت عالم ایسے ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا تعین عین وقت پر نہیں کیا جاسکتا بلکہ تدریج مخلوق کی زندگی میں اس خلا کو محسوس کیا جاتا ہے اور اسلئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے پڑت برج زائن چلبست آنجہانی کی جو اتانرگ کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے وہ چند تعزیتی جلسے اور ماتمی ریزو لوشن کافی ہیں جو گزشتہ چند دن کے اند لکھنؤ اور برہوجات میں عام و خاص مجموعہ میں پاس کئے گئے۔ لیکن اسی کے ساتھ جب ہم دنیائے ادب میں اس خلا کا اندازہ کرتے ہیں جو چلبست آنجہانی کی وفات سے پیدا ہو گیا ہے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس مرنے والی ہستی کے ماتم کا پورا پورا حق دینے والا نہیں کیا۔

مرزا غالب مرحوم نے اپنی وفات کی تاریخ اپنی زندگی ہی میں کہہ لی تھی لیکن اس مصرع سے جو سال نکلتا تھا وہ دہلی میں عام دبا کا سال تھا اس لئے اس خود مارا قاعے شعر نے اپنے ماتم کو ماتم عام میں شامل کرنا گوارا نہ کیا۔ لیکن چلبست کی شاعری کا یہ ایک زندہ صفا و معجزہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے بلا ارادہ اپنی تاریخ وفات اپنی زندگی میں کہہ لی تھی اور وہ بھی ایسی جو غالب اس صدی کی تاریخوں میں یادگار بھی جائیگی۔ یعنی راج

موت کیلئے نہیں اجزا کا پشاپ ہونا

ہم حضرت محشر کی اس کاوش کی داد دیتے ہیں کہ انھوں نے اس راز سر بہ کوشش کا ریا انوٹ جناب مشر نے لفظ اعجاز کے ساقی کا کالی بولے مرنے والے صفات اخلاقی، علمی قابلیت، اور ملکی شاعری میں

بلندی تخیل، نکتہ دس طبیعت، ندرت مضامین ششہ مذاق

کارخانہ احمد علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک ملی اداکاش خ گلزار حوض حیدر آباد دکن ہے۔

مَوْت

(از جناب ہوشِ بگلرامی)



جناب ہوشِ بگلرامی سے دینے اور بخوبی واقف ہے۔ آپ کے ضامین جو مختلف سائل میں شائع ہوئے، یا اب دنیا کے نہایت مشہور جریدہ ”نگار“ بھوپال میں بھی نظر جاسکتے ہیں۔ آپ کی علمی ادبی قابلیت کی کافی دلیل ہیں۔ آپ کا علمی ادبی ذوق غلطی پر آپ پریشانی سے دلدادہ ہے اور در ذہن ترقی کے مروجے کرتے جاتے ہیں۔ اسی ذوق و شوق نے حیدرآباد کے قیام کے زمانہ میں آپ کو ایک علمی مجلہ نکالنا شروع کر دیا جس کا نام ”ذخیرہ“ تھا۔ آپ کو اس میں بہت کچھ کامیابی حاصل ہو چکی تھی مگر مادہ کے انقلاب نے آپ کے منصوبے پرے نہ ہونے دیئے۔ اور امید افزا خیالات کا نیرازہ بچھ گیا۔

اس وقت آپ برائیک نامگامانی آغا کا پڑی اور ایک سائیکل چلنے کے لیے خرچ میں سکون پر کئی گرا دی، یعنی آپ کے والد ماجد نے داعی اجل کو بلایک کر کرہ پیشہ کے لئے آپ سے خرافت اختیار کی۔ اور آپ نے سب کو پیشہ کے لئے اپنے وطن اور اپنے بیلے وطن بگرام سے واپس یعنی ریاست راجپور (جہاں آج کل جناب ہوشِ بگلرامی کا قیام ہے) کی خاک کے سپرد کر دیا۔

اس حادثہ سے آپ پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اسی حالت اور خیال میں آپ نے چند شعر نظم فرمائے۔

تیری قسمت لئے زینِ رامبو تجھ کوڑا کاروانِ بگرام
ہو گئی آباد خاکِ رام پور نہ گیا خالی مکانِ بگرام
اور ایک شعر میں بھی جبکہ عنوان ”موت“ آپ کا ظہور ہے میں تحریر فرمایا۔ یہ شعر مندرجہ ذیل ہے۔ یہ خاک سے نہایت ہی پرانے اور اپنی مصنویت کے لحاظ سے نہایت ہی قدامت پر ہے۔ یہ ایک شخصیت ہے جس سے تصوف کو وسوسہ اور اصحاب میں سے تھے بکواس خبر سے یہ صدر ہوا۔ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ سے اور ضامین ہوش کو اپنے پلادگان کو جس طرح چھٹا فرمائے۔

وصلِ بگلرامی

کی میاں خیرہ او دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ گونا گون نعمتوں و کثیر التعداد
اور ان کے ساتھ ذی روح کے عہدِ مہل کو توڑنے کے لئے موت کو
پیدا کیا ہے جس سے ہنسنے نہا مانگتا اور اس کا نام سننے ہی خوف
ہو جاتا ہے اور یہ جو اس سنجیدہ ہوتا ہے اور کربیدہ کا تپنا ہے اور
لرزنا، یہی موت تو ہے جو زندگی کی لذتوں اور مسرتوں کو خاک میں
ملائے دالتی ہے، اس سے بڑھ کر کوئی ڈراؤنا منظر ہے اور نہ دل آنا
بات !! اس نے ہمارے ہمارے اور دلیر سے دلیر شخص کو محض
میں کچھ دیا ہے۔ اس کے داؤ پیچ آسا وادہ اور اس کی قوتیں لا محدود
کوئی نہ اس سے زور آزمائی کر سکا اور نہ اس کے بچوں کی سخت گرفت

ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئیگا
خدا کا نام لئے جاؤ گا م آئیگا
دنیا میں زندگی ہی ایک ایسی نعمت ہے جس کا ہر کو در شیدائی
ہے، ہر ذی روح اپنے لئے عمر کر فوج کے دھانی مانگتا ہے، بوڑھا ہو
یا جوان، کسں ہو یا بچہ، ہر ایک تندرست کو کفر نہ ہونا اپنی زندگی کا
حق سمجھتا ہے۔ دنیا کی لذتوں کا مزہ چکھنا اور اس کی آرائشوں میں
پھنسا رہنا بھی اہل دنیا کا فطری مذاق ہے۔ یا ہی تعالیٰ نے
گلشنِ اہلِ پسو ایسی مختلف النوع چیزیں خلق فرمائی ہیں جنکو
دیکھ دیکھ کر مجھ و عقل کا انسان حیرت کرتا اور اس کی حکمت و حسناتی

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خانہ اور کارخانوں کے بنائے ہوئے عطر خانہ کی نسبت بہت خوشگوار اثرات ہوگا

دیتی ہے، تو ستم دین غوطے سے کر دوج کا آخری غسل دیکھتی ہے۔ تو یوں کوکلر کا عالم غربت کی کیسی اپڑتی ہے۔ نہ بولتی جباروں کو دیکھا دیکھ کر سہا پر قہقہہ لگاتی ہے اور بھڑک اٹا انتشار دیکھتی ہے تو بجلی گرا کر اڑھ کی ایک آخری آواز سن کر اپنے کامیاب حملہ پر خوش ہوتی ہے، تو گولیاں چلا کر اپنا شکار بناتی ہے۔ تو تلوار کے حملوں کا لطف

ترپنے سے اٹھاتی ہے۔ تو دیوارین گرا کر زندہ دگو کر دیتی ہے تو آدھیاں چلا کر قوم حاد کی تباہی کو مایہ دلاتی ہے۔ تو زور لوں ہلا کر چکنا چور کر دیتی ہے، غرضیکہ تو ہر صورت میں موجود اور ہر شکل میں چلنے ہے، ٹھکرو وقت کا جیلہ درکار ہے، یہ کیا اور تو نے اپنا کاری شتر چھوڑا۔

کیسی کیسی ہیبتوں کو تو نے خاک میں ملایا، اپنے اہمی بخون کی گرفت میں کسا اور بھرد بھگنے دیا، آج ہمارے لئے اُنکے افسانے عبرت و بصیرت کے سبق ہیں، وہ تیرے ہی ستم و جور کا مرثیہ قیامت کے انتظار میں پڑھ رہے ہیں، وہ اپنے اپنے دلوں میں کیسے کیسے اداؤں کو لے گئے ہیں، کیسی کیسی حسرتوں پر کہیں بھی ہیں مگر تیرے لئے یہ سب کھیل اور بے تماشے ہیں۔ تو غریب لوطی کی حالت میں بھی تو رحم نہیں کھاتی، توان سے بھی تو مرعوب دہوئی۔ اور انکو بھی تخت شاہی سے اُتارے بغیر نہ رہی جبکہ راج پاٹ شرق سے مغرب تک تھا۔ اور جو خورشید غاوی بھی خراج دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ نہ شاہان اُلو انفرم ہے اور نہ اُنکے خوش تدبیر وزیر، نہ رسم کا نشان ہے نہ ہندیا کا پتہ، نہ فلاطون و بقراط ہیں، نہ یونان و یونان، نہ فردوسی و ہوشیار ہیں نہ حکیم پیراؤتین، نہ وہ عظیم الشان سلطنتیں باقی ہیں اور نہ اُن حکماء و فلاسفہ کا قابل رشک جباؤ۔ اور خیر، یہ بیچارے کس شمار و قطار میں ہیں، جب خدا کے محبوبین بندے اور پھر اُن کے سرور و مزار علیہ صلوات و سلام نہ کمال عالم فانی میں باقی نہ رہے۔

بیر خفاک کی نظروں میں یہ آئے دن کے کھیل اور تماشے ہیں

نکل سکا۔ شاہناہ سلیمان کاروین تن رستم داستان اسکے سامنے ایک خاک کی جنگی، اور کوہ قاف کے قوی ہیکل خیالی دیوار کی خانی قوت سے شرمندہ و پست۔ دنگانی کا طوفان گمراہ و سرکش بن کر صراط مستقیم کی تلاش کرتا ہے۔ مگر ایک بیکٹ سی سے عدم میں پہنچ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

لے موت تجھ سے زمانہ تھرتا ہے، دنیا لرزتی ہے، اور کون ہے جو تیرے تیرے بے خطا کا نشانہ نہیں بنتا۔ روز ازل سے تیرا طریقہ تیرا ڈھنگ تیرے تیرا تیرا مزاج قاتلوں کے مانند ہے، تو جہاں کی بربادی کا سبب ہے تو چھستان کی بے رونقی کا باعث، تیرے ہکا منکی پر بھی نافذ ہیں، اور تیری پر بھی، زمین کا ہر گوشہ اور سنگ کا ہر قطرہ تیرا دوبا مانے ہوئے ہے۔ سائنٹفک مانع تیرا مقابل کوئی پیش کر سکا، اُنکی دماغی ترقیاں تجھ سے پست اور انکو بھی تیری تیغ جاسے امان نہیں۔ شہر خورشید تیری جاگیر اور اُنکے ٹوٹے پھوٹے مکان تیری آبا د بستی ہیں۔ نہ تو بچہ پر دم کھاتی ہے اور نہ جوان بدوڑھ پر ترس۔ غرض میں ہو یا گمراہے میں، جہاں کی منزل میں ہو یا بڑیلے کی سرحد، نہ تو کسی میں فرق کرتی ہے اور نہ امتیاز، تیرا دل رحم سے خلی اور تیرا قلب ہمدردی سے ناداقت ہے۔ نہ تجھ کو کسی سے محبت اور نہ موت، تیری طوطا شچی ازل سے مسلم اور تیری تما تلامداؤں کا ہنسن سنجی، تیری قہر و غضب کی بجلی انسان پر بھی گرتی ہے اور جان پر بھی، شجر بھی نہیں بچتا اور حجر بھی، ہنرتی تا پائدار کو خاک سیاہ کرنے کے لئے تیری ٹرپ کافی ہے۔ دنیا جو سو گداری کے لباس میں ہر وقت بلبوس رہتی ہے یہ تیری ہی توجہات سے پایاں کا نتیجہ ہے۔ ہر گھر جو ماتم کردہ نظر آتا ہے وہ تیرے ہی قدموں کی برکت ہے۔ گاؤں ہو یا قصبہ، شہر ہو یا ملک، انکی دیواروں میں تیرے ہی التفات نے حصہ لیا ہے، تو مختلف صورتوں سے آتی اور پھیں بل بل کر نظر کو فریب

سکتا رہی کا دل تھا کہ اُس نے موت کو زندگی پر ترجیح دی، کسی بوڑھے سے پوچھو جو ضعیفی کی سختیوں اور غمیں کا مزہ چکھ رہا ہو۔ اُسکی زبان کسی وقت بھی موت کو دعوت دینے کے لیے نہ کھولے گی کیونکہ باوجود ان تمام مصائب کے وہ زندگی کو دنیا کی اولین قیمت اور اُسکی افزونی کو اپنی تنہا آرزو سمجھتا ہے۔

مرنے کے بعد انسان اگر اپنے وجود سے اپنے کو زندہ نہیں رکھ سکتا ہے، تو اپنے نام کو حیات جاوید کے قالب میں ڈھالنا اپنی دماغی صنعت سمجھتا ہے۔ یہ تھا خاصا ہوس ہے کہ بقائے نام کے لئے پختہ قبر بنے۔ اور نمایان مقام پر تاریکی کتبہ تاکہ آئندہ دوروں کی اچھی نظر بھی ہم کو یاد کرے، دیگر کتبہ کو دل پر تازہ کرے، باوجود دنیا سے رخصت ہو جانے کے انسان کی خام خیالی پر ہنسی آتی ہے کہ وہ لوگ جبکو زندگی میں بڑی بڑی حکومتیں قارونی دولتیں بنائیں، دیو بنچا سکیں۔ زیر زمین مٹون مٹی کے نیچے دبے گئے ہیں۔ خاک میں وہ کچا ایوان کہاں انہیں کے ڈیرھ دو گز کے مختصر ٹکڑے پر عوام کی طرح لیٹے ہوئے اپنے گناہوں سے لرزاں یا اپنی کسی نامعلوم نیکی کے بھروسہ پر رحمتِ خداوندی پر نازاں ہیں صرف تھوڑے زاد کے لئے فراہموشی سے بچانے اور کسی تیلج کی ایک نظر چڑھانے کے لئے کیسے کیسے طریقے، کیسے ڈھنگ اور کیا کیا شکلیں و صنعتیں اختیار کی جاتی ہیں۔

یہ بھڑ ہے اور انسانی فطرت بھی کہ دوست احباب، عزیز بست، پالے ہوئے جانور، بنائے ہوئے مکان، لگائے ہوئے درخت، اور اسی قسم کی تمام چیزیں جن سے ہر وقت تعلق رہتا ہے۔ اور واسطہ، ہم کو ان سے اُسی قدر محبت ہوتی ہے جس قدر کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے نہ ہوتی ہیں۔ اکینے موت سے انتہائی بے گنجی کے اسباب ہماری آنکھ کی بجائی۔ اور ہمارا اُسکا ہر وقت اٹھنا بیٹھنا اور

یہ نظائے وہ ابتدا سے آفرینشِ عالم سے دیکھ رہا ہے اُس نے یاس و نارادی اور ارباب و حسرت کی لڑائیوں دیکھی ہیں۔ اُس نے موت و حیات کی باہمی کشمکش کو دیکھا ہے۔ اُس نے روح و جسم کی مفارقت کا ہر قصصِ محفل، دیکھا ہے، اُس نے آخری وقت کی تکلیف، غنودگی، ایزدین کی تپک، اضطراب و اضطراب، جھنجھک انسان حیوان کے آخری سفر کے تمام جگر خراش مناظر دیکھے ہیں اور نہایت دلچسپی سے دیکھے ہیں۔ یہ تمام واقعات اُسکی ”گرگ زبان دیہہ“ آنکھیں شمار سے فروں تر و تہہ دیکھ چکی ہیں، وہ اسکا عادی ہے اور جو گرا اُسکی تفریح ہی کھیل ہیں اور اُسکے دل بہانے کے کئی نام یہی تماشے، اور اُسکی بیکار زندگی کے یہ محبوب مشاغل ہیں۔

لے موت! بہت سے صہیت زدہ تہری ملاقات کی متنا بھی کھتے ہیں۔ حروان نصیبیوں، اور فراق کے ماروں نے تو تجربہ اپنی عزتِ نجائیں تک قربان کر دی ہیں، گویا یہی کہتا ہوتا ہے مگر مجھ سے ہر شخص بھاگتا ضرور ہے۔ تیرا نام آتے ہی غریب و گھبرا جاتی ہے۔ انسانِ عمر جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے، آرزوؤں امیدوں اور سرسوتوں کی گھڑی تھم لگی ہوتی جاتی ہے۔ مگر حین کی ہوس بڑھتی جاتی ہے، اُسکی یہ آرزو ہوتی ہے کہ درازی عمر کے ساتھ مسرت کے سامانوں میں بھی خوشگوار اضافہ ہوگا اور ابھی باغِ زندگانی کی لطیف ہواؤں سے دل و دماغ کی تفریح کر سکیں گے۔ گو ضعیفی کی زندگی رحمتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اعضائے جسمانی کمزور، ہوش و حواس میں اجڑی، اٹھنے بیٹھنے میں تکلف، زرا زرا سے کاموں کے لئے دوسروں کے دست بگراؤ ہر ایک خواہش میں دوسروں کے تابع، یہی اسباب تھے جو سکندر نے ابدی زندگی کے لئے جبر علیہ الحیات کو ٹھکرا دیا، اور کہہ دیا کہ ایسی مجبوری زندگی سے پرسکون موت بہتر ہے، مگر یہ

ہم محبت رہتا ہے، ایک مکان میں جو شخص بہت دراز نکالے زندگی بسر کرتا ہے تو اس کے در دیوار سے محبت کی صدا سننے آئے لگتی ہیں، جب وہ اسکو چھوڑنا چاہتا ہے تو دل دکھتا ہے۔ جلدی شاق ہوتی ہے، فراق ناگوار رہتا ہے، چھوڑنا بڑا معلوم ہوتا ہے کوئی عمارت جسکو بد و دشواری سے دیکھتے چلے آتے ہوں اگر کو گریا دیکھیں گے تو رنج ہوگا اور افسوس، صدمہ کی ایک ذرہ نیت دل پر طاری ہو جائیگی۔ یہ واقعات جو زندگی کے مشاہدات ہیں ثابت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے غیر میں موجود ہے کہ جسکو متواتر اور ایک طویل زمانہ تک دیکھتے رہتے ہیں اس سے اس کا پیدا ہونا قدرتی ہے۔ یہ وہ قوی جذبہ ہے جو عمر کو ترقی عمر کے سے سونے جلا گئے، اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرنے آمادہ رکھتا ہے۔ اگر یہ نہ تو بیماری کے دخیلہ کی کیا ضرورت تھی حکم اور ڈاکٹر دنیا میں کیوں بننے لگے کی کیا کوکوششیں اور بی تیار کیرین صرف ہوتیں، مالی قربانیاں اس جان کو باقی رکھنے کے لئے کیوں کجاتیں آلات جراحی کیوں ایجاد کئے جاتے جبری بوٹیوں کے لئے صحرانوردی کیوں اختیار کجاتی، معدنی اشیا کی تلاش میں سیلابوں کی کیوں خاک چھانی جاتی، اور کھٹانوں سے کیوں سرگرداں جاتا ہے چونکہ زندگی کا ہر حصہ دنیا میں گزرتا ہے۔ اس لئے طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ہم اس سے الگ ہو جائیں۔ ان کا ساتھ چھوڑ دیں اور وہاں جا کو بسیں، جہاں کہ حالات واقعات سے ناواقف، طرز معاشرت سے بے بہرہ اور رسوم و رواج سے نا آشنا ہیں۔

دنیا کی ہر شے میں گونزہ قرار نہ اے کے ساتھ اہتمام کے آثار نمایاں ہیں مگر ہر چیز اب بھی ایسی ہی دلفریب ہے اور جاذب نظر ہے جسکی پہلے تھی اس سبب سے ہم زندگی کے طالب و راہسکی بھائی آرزوئیں لکھتے ہیں اور لے موت ابو لوگ دنیا کو فانی سمجھتے ہیں اور جو حقیقت ہیں

فانی ہے۔ وہ دنیا سے ایسی دلچسپی پیدا نہیں کرتے کہ موت کا خیال انہیں سوانح مریدہ و دنیا کی خواہشوں میں اس طرح بسلا نہیں ہوتے کہ موت سے غافل ہو جائیں وہ زندگی کو ایک قرض سمجھتے ہیں جسکو موت رنج کو ٹھاکہ کر کے ادا کرتی ہے، پر ہرگز رہتیاں خوب جانتی ہیں کہ کسے وقت یہ آئے گی۔ اس لئے یہ موت کا وقت ان کے اطمینان کا ہوتا ہے وہ راضی و رضا ہوتے اور بخوشی یہ کہتے ہیں کہ میرے لئے کھینچ کر لیتے ہیں جانی دی ہوئی اُمی کی محنت حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو جائے حکم خدا نے اپنی موت کا وقت مصال کی خوشی میں اپنے دوستوں کا گناہا لگو چاہے کہ تم مجھے دیر کر سکتے ہو جس سے دیکھنا دیکھنا اپنے مجاہد ہوتے

اسکی خوشی کہ ان کو تم کو دینی چاہی تھی اسکو دینا ہنس، کہہ جاتی ہے: موت کا ڈر انہیں لوگوں کو دنیا و مافیہا سے محبت لکھتے اولاد و نسبت عمر کو گنوا دیتے ہیں جب موت سر میں لانے لگتی ہے تو سراسر ہوجاتے ہیں اور جو کسی سے افسوس کر سہیں کہ تم خوشہ آخرت بھی نہ بنا سکتے، دشواریاں منظر میں اور اتنی طویل مسافت کس سہلے سے طے ہوگی، گناہوں و مصیبتوں کا اعمال انہیں خوف لاتا اور حجاب موت کی ڈروانی تصویر سامنے کر کے کہتا ہے کہ اپنے ساتھ ہم کو بھی لے جائے تو دنیا میں ہٹے سٹھنے کھانے پیتے پہننے، اوڑھنے اور آرام و سانس کے حصول میں ہر طرح کی کارکنیں اور کوکوششیں لگا کر جہاں جاکے مستقر ہو جائیں گے ان کے لئے کیا مقدمات کئے۔ اب تمہارے ساتھ تمہارے عزیز و اقارب ہونگے اور نہ دوست احباب، قبر کے تنگ انراک گڑھے میں کیلے تم ہو گے اور مٹا دی زندگی کے ساقی اعمال جو لوگ تم سے الگ ہو جائیں گے تمہارے لئے ہند نہ کرتے تھے وہاں بہتیں پوچھتے (خاموشی غنائی) کے لئے بھی نہ آئینگے۔

رام پور۔ اجنوری ۱۹۲۶ء "ہوش" بلگرامی

لکھنؤ پندرہ اہنس، ہون (صاحب مملکت) فرلے نفا کی بڑی خوشبو کا لاس لے لے عالم نیک اسرار تھے جن کا کائنات قریب تھا ان کے سوال و جواب میں کسے کسے

انہر ہر عطر روح لکھ فرودخت کیا جاتا ہے اگر مضر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ صرف گلاب خسل و پانڈی کی روح کے لکھی عطر سے روح کا کھنکھنا نہیں کرتے

افکار تازہ

(از ملک اس فطرت علامہ مولانا محوی صدیقی لکھنؤی نائب صدر بزم شعراء اورنگ آباد)

ہمے را از زندگی دم بھر مین افشا ہو گیا میرا مرنّا اُنکا آنا اک تماشا ہو گیا
دل جفا سے دوست سے مانوس ایذا ہو گیا رفتہ رفتہ جو دشمن بھی گوارا ہو گیا
اب کہاں ایسے جنوں پیکر دنا پر دماغ قیس کیا اُٹھا دیا رُحش سونا ہو گیا
ہاں یہی دل تھا کبھی راز آشنائے التفات گر کے نظروں سے جو حرف نازیبا ہو گیا
بے خودی اُسکی ہے کیف اُسکا ہے مستی اُسکی ہے پیکے تیرے ہاتھ سے جو سست صبا ہو گیا
کچھ تجھے بھی ہے خبر حسن بے پروئے دست کون ظالم دشمن اہل تماشا ہو گیا
اتو چہن آیا تجھے لے دیدہ خونین ہر شک دل سے خالی میرا غوش تماشا ہو گیا
خون دلا سجزہ ہے یا ترے دہن کا فیض جو گرا آسو وہی نقش تماشا ہو گیا

بیکسی کی زندگی محوی ہے کوئی زندگی

میرے مرنے کو یہ سمجھو تم کہ اچھا ہو گیا

(جناب رضی کا کوردی از اورنگ آباد دکن)

بنائے دامن صحرا زمین کو رغبان کی یہ وحشی مر کے بھی نکلے نہ سرحد سے بیابان کی
جو دور آنسو بہائے ہن انھیں تم بوجھ بھی ڈالو بہت کافی تلافی ہو گئی خون شہیدان کی
خیال یار بھی آیا ہے دل مین چٹکیان لینے طبیعت شوخ ہے یادش بخیر بس آفت جان کی
جو بحر عشق مین ڈوبے جنازہ اُنکا یوں اُٹھا انہیں آغوش مین موصیٰ کُھرتی مٹھان کی
کیا خانہ ترے وحشی کو تنگناے وحشت نے کفن کو بھی نہ کھین دجیاں جنبے گریبان کی
جو آنا ہو تو اگر آخری دیدار کر جاؤ کہ صورت کو ترس جاؤ گے پھر بیا رہجران کی
گل ملتے ہن حرم عشق اک خوشبوسی آتی ہے مرے تار گریبان سے تری زلف پریشان کی
چلے کم کردہ منزل جس جگہ سے بھڑھن آئے کہیں قسمت مین مٹی تو نہیں لکھی بیابان کی
دل مضطرب تم ہر تسلی رکھ کے دیکھو تو تمھارے ہاتھ مین ہے زندگی بیا رہجران کی

رضی اپنا عقیدہ ہے کہ اک تصویر ہے جنت

بہار روئے جانان کی زمین کوئے جانان کی

تمام ماہران فن نے منہ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خانا کو بہترین عطر مانا ہے

روح نشاط پر ایک نظر

نگاہ اس شاہدِ مادیّت کی فریبِ کاربون سے متاثر نہیں ہو سکتی۔
چنانچہ غالب نے جب یہہ کہا۔

ہستی کے مت فریب کی کہاں ہو تہد عالم تمام حلقہٴ دام خیال ہے
تو یہ دراصل اسی بادِ علم و عرفان کا نشہ تھا لیکن فریبِ شہود کو فریبِ

شہود سمجھ کر اپنی طلسمِ کاربون کے سامنے سرِ عقیدت خم کر دینا دراصل
”بساطِ آراے شہود“ کے منشا کی تعمیل ہے جو یقیناً علم و عرفان سے ایک
بلند تر مقام ہے کیونکہ عالم موجودات کو فریبِ محض سمجھ کر اس گناہ
کش ہو جانا مشیتِ ایزدی کے خلاف علمِ نافرمانی بلند کرنا ہے۔

بزمِ شہود فریبِ سہی لیکن اس فریبِ بین مبتلا ہی ہو جانا عین منشاء
قدرت کی اطاعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلوہ گاہِ حقیقت کے محراب
خاص باوجود اس کے کہ ان کو دنیا کی بے ثباتی کا یقین کامل تھا

رز نگاہِ حیات میں سرگردمِ عمل نظر آتے ہیں۔ اس بنا پر یہ مقام جمل
یعنی فریبِ شہود کا دلدادہ بن جانا علم و عرفان سے کہیں بلند تر ہے۔“

حضرت اشرف کے دیوان میں یہ شعر بھی ہے

میں ہوں زل سے گرم و روضہٴ چود میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہیں ہے
مرزا صاحب کی شرحِ کس قدر تو میں ہے اس فلسفیانہ وضاحت آشنا

دماغ کی جس سے ایسا شعر نکلا ہوا اور جو دنیا کے تعلق پر کہہ کر میرا ہی
کچھ غبار ہے وہ اور فریبِ شہود کے سامنے سر جھکا ئے اور فریبِ شہود کا

بندہ ہونا علم و عرفان سے بلند مقام ہوا یا دہم پرستی ہوئی جلوہ گاہ
حقیقت کے محراب خاص اور جمل کے دلدادہ! تو یہ!

شعر کی تمام خوبیوں کا اظہار مجھ ایسے بے بساخت اور کمِ جز
شخص کے لئے نامکن ہے۔ علاوہ برین اسکے سمجھنے اور سمجھانے کیلئے

روح نشاط کے نام سے اردو کے بانی ناز شاعر حضرت اشرف کا
مجموعہٴ کام شائع ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ بیشتر اشعار ایسے ہیں جو
اپنے مطالعہٴ معانی کے اعتبار سے لا جواب ہیں۔ روح نشاط کا مطالعہٴ

شرفِ عین مرزا احسان احمد صاحب بی لے ال ال بی کا نشہ
اور اسکے بعد مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ام لے ال ال بی کا
تبصرہ ہے۔ مولانا سہیل کو اندیشہ ہے کہ تبصرہ طولانی ہو گیا میں
عرض کرتا ہوں کہ شاید نامناسب نہ ہوتا اگر ان اشعار کا مطلب بھی
واضح کر دیا جاتا جو مختلف عنوانات کے تحت میں مثلاً ادرج کئے گئے ہیں
اس طرح تبصرہ کی نیکیاں اور بڑھ جاتیں اگرچہ موجودہ صورت میں
بھی مفید اور دلچسپ ہے۔

مقدم مرزا احسان احمد صاحب نے بعض اشعار کے
معانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا
ہے کہ انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ دیگر شعراء معنی و حال کے تعلق
جس لئے کا اظہار فرمایا ہے اس سے بھی مجھے اختلاف ہے میں اپنے
ایکوشش کی دیتا اگر اشعار کے لقب کا سختی ہوتا بعض امور اور بھی
بالہذا ہرین ممکن ہے کہ میں ہی غلطی پر ہوں۔ ناظرین فیصلہ کر لیں
جناب اشرف کا شعر ہے

مقامِ جمل کو بایاد علم و عرفان نے
اسکے تعلق مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”علم و عرفان کا تقاضہ ہے کہ عالم کا نشہ اور اسکے شاہد و مظاہر
کو صرف سراپ بے بود تصور کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک حقیقت شناس

علاوہ عطرِ حنا کے جملہ قسم کے صنلی عطریات اشرف علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید فرمائیے

ایک طرف کی ضرورت ہے اور یہاں یہ حال ہے۔
راستہ دھیری سخت خنجرالستہ دوزار۔
تاہم امید ہے کہ جو معنی عرض کردہ کاشعہ کے الفاظ سے مترشح ہوں گے محض
خیالی نہ ہوں گے۔

شاعر کہتا ہے کہ جو کچھ علم و عرفان کے دائرہ سے باہر ہے جہل ہے۔
مقام جہل کو پاپا نہ علم و عرفان نے
تحصیل علم و عرفان کا ذریعہ ہی عالم کون و فساد ہے جو خود فریب شہود
ہے یعنی بے حقیقت و بے ثبات لہذا ہم جسے علم و عرفان کہتے ہیں دراصل
بے خبری ہے اور بے خبری بھی عجیب قسم کی جو وسعت علم و عرفان کے
ساتھ ترقی کرتی ہے۔

میں نے خبر ہوں باندازہ فریب شہود
جس قدر ہم فریب شہود کھلتا جاتا ہے اُسی قدر اندازہ ہوتا جاتا ہے کہ
ہمارا جہل کتنا شدید ہے پھر بھی اپنے جہل کی تہاہر نہیں مٹی کیونکہ علم و
عرفان کی مدد سے جہاں ایک جگہ جہل کھوں کے آگے سے اٹھا سکی
جگہ نہ اترنے سے حجاب قائم ہو گئے مثلاً ایک قطرہ آب کو لیجئے۔ جب تک
یہ علم نہیں تھا کہ اس میں ہزاروں جاندار مخلوق آباد ہیں ہمارا جہل
صرف قطرہ آب تک محدود تھا مگر اس علم نے ہزاروں نئے راستے جہل
کے کھول دیئے کیونکہ بجائے ایک قطرہ آب کے اب اسکی ”دنیا“ کی فطر
درپیش ہوئی۔ اگر صرف یہی ایک سلسلہ لیا جائے تو متناہی ہے دیگر
ایشیائے عالم کا ذکر کیا۔

حاصل یہ ہوا کہ جب موجودات عالم کے تعلق ہمارے علم و عرفان
کی یہ حالت ہے کہ اپنے جہل کی بھی انتہا دریافت نہیں ہوتی تو ہم ذات
وصفات باری تعالیٰ کا انحصار کیا کر سکتے ہیں۔

اس سے بہتر اور نادر شاہد ہی کوئی طریقہ عظمت و جلال صمدی کے
اظہار کا ہو۔ دیا کوڑے میں بند ہے اور دریا بھی وہ جس کے ہر قطرہ میں

ایک بحر ناپید کنار موج زن ہو۔ یہ شعر یک خیال کے سامنے
ایک لباق و دق میدان پیش کرتا ہے جہاں ایک بل میں ایک
عمر کی راہ ملے ہوتی ہے مگر پھر بھی انسان لب تشنہ اور منزل سے
ہیگانہ رہتا ہے۔

یہاں پر جناب صفر کے اُس شعر کے تعلق جو ضمنا آگیا کچھ
لکھنا بدعا ہو گا۔

روز لزل روح انسانی است بزم کاسرمدی ترانہ سنکرست و شراب ہونئی
آستانہ ناز پر عبودیت خم ہوا راز و نیاز و عہد و پیمان شروع ہوئے۔
وعدے کے ایفا کا ہنسا چند شراب کی تکمیل پر ہوا۔ ایک تنہا نگاہ یہ
میدان شہود یا عرصہ وجود قرار پایا حکم ”ہبطوا صعدوا۔ روح انسانی
شغلہ بمان اس میدان کو طے کر رہی ہے مگر چونکہ تخلیقی راز نمان
رہ چکی ہے اور شراب شوق سے چمکی ہوئی ہے سکی ہرستانہ لغزش سے
ایک نیا عالم معرض وجود میں آتا ہے ازاں تک ایک یہ دنیا ہے اذیکلمہ
یہہ تشارے اور سیارے اور تمام نظامہائے شمسی اور وہ دہندے فوٹونی
حلقے جن کو سائنس نیکلا (Nuclei) کے نام سے موسوم
کرتا ہے۔ یہ سب فیض ہے اُس سردی ترانے کا جو ابتک کانوینین
گوں رخ رہا ہے یہ تمام رنگینیاں اور لطافتیں صرف انسان کے واسطے
ہیں مگر شرط یہ ہے کہ انکے قریب انکے طلسم میں گرفتار نہ جائے خود
ان کو محبوب نہ بنائے بلکہ یہہ سمجھے کہ عہد الست کی یاد دلانے والی
نشانیاں ہیں۔

میں نے ازل سے گرم و برہ صمدی جو میری کچھ غبار پر دنیا کہیں جسے
انشاد اکبر! دیکھیے شعر خیال کو کقدر و وسعت دیتا ہے ایک گولہ ہے
جو صرف ٹمک دو ہے اور جس کے پسماندہ غبار میں بھی ایک نیا کا
سمان ہے جس کی جولانی کبھی ختم نہیں ہوتی حالانکہ ازل سے گرم
جستجو ہے۔ اگر ہم دنیا کو کسی تارے سے دیکھ سکیں تو یہ بھی ویسی ہی

علاوہ عطریات کے صغریٰ محمد علی تاجو عطر کھنڈ کے کارخانہ کے تیار کردہ روغن و رنماہت علی عریات طلب فرمائے

سے آزاد ہے اس لئے اسکا ذوق شاہدہ مقاضی ہے کناظہر و باطن کے قیود باقی نہ رہیں۔“

شاعر بہترین کتا کہ حسن کو محدود نہ کرو بلکہ وہ تو کتا ہے کہ کہ اُس حسن سے بچ جس کا نام تعین ہے چاہے اسکا منظر شاہدہ (نظر) ہو یا مطالعہ (فکر) ظاہری حسن تعین یہ ہو کہ نظر نے اپنی انتہائی قوت صرف کر کے ایک منظر حسن قائم کیا۔ باطنی حسن تعین یہ ہو کہ فکر نے اپنی آخری پرواز سے ایک نفسین مہندی پر دریافت کیا۔ یہ منظر بجائے خود حسین اور دلکش ہیں مگر شاعر کتا ہے کہ یہ دونوں ناقص ہیں چونکہ محدود ہیں۔ ہمیشہ حسن بطلق کا خیال کر دو جن تمام شاہدات و محسوسات کو اپنے دامن میں لے ہوئے ہے۔ مگر اس حسن بطلق تک رسائی اُسی وقت ہوگی جب لے و دلغ سے تعین کا پردہ اٹھا دو گے۔ ایسا بھلی یک جلوہ تھا اُس میں چھپا ہوا اُس رخ پکھینا ہوا اپنی نظر کو بین مرزا صاحب نے یہ مطلب بیان کیا ہے

”اکثر انسان میں مخصوص صلاحیتیں ہوتی ہیں جو غنی اور غیر محسوس رہتی ہیں لیکن جب کوئی خارجی اثر محرک ہوتا ہے تو وہ دفتر یک بھتی ہیں۔ جب تک رخ رنگین کے پر تو سے نظر فنیسیا بنیں ہوتی تھی اُس وقت تک اسکی مجرئیائیوں کا احساس نہ تھا۔“

میں پھر ادب عرض کروں گا کہ مرزا صاحب شعر کی غویان تو دیکھنا اسکا مطلب بھی نہیں سمجھے۔ اچھا شاعر حتی المقدور کوئی لفظ فضول نہیں لاتا۔ دوسرے مصرع میں لفظ ”اب“ پر غور کیجئے یہی شعر کے معنی کی کلید ہے ایک ایسی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جسکی نظیر شکل سے ملے گی۔

عاشق کو رخ پر نور جاناں کا جلوہ دیکھنا نصیب ہوا
شوق کی بتیاں اور جلوہ کی خیرگی نے خود خال کو دم بھر کے
واسطے نمایاں کر کے آنکھ سے ادھل کر دیا فقط ایک شعاعی جہر

نورانی نظر آنگی جیسے اور ستارے ہیں لہذا غبار بھی نورانی ہوا۔ ذاتِ سرمدی سے ادنیٰ اتصال کا یہ نتیجہ ہے۔ اُنکا کیا پوچھنا جو اُس کے ہیں جو اُس کے محبوب ہیں۔

دوسرا شعر یہ ہے
جسے میری تجوئے دال لکھے تھے جا
بیخودی نے ابلے محسوس عریان کر دیا
مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ۔

”ذوقِ تجوید کا ایک حجاب ہے چنانچہ انسان ایک راز کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا راز سامنے آجاتا ہے غرض جب تک وہ اس جدوجہد میں مصروف رہتا ہے حقیقت کی نگاہوں سے مخفی رہتی ہے لیکن جب اُس پر تجویدی طاری ہو جاتی ہے تو یہ حجاب تجوید فحشہ اٹھ جاتا ہے اور حجاب حقیقت نظر آئے لگتا ہے۔“

لفظ محسوس اس شعر کی جان ہے جس کے متعلق مرزا صاحب نے کچھ نہیں کہا۔ ہماری تجوید اس لئے ناکام رہتی ہے کہ ہم اپنے مقصود کو اپنی ذات کے باہر تلاش کرتے ہیں جہاں تجویدی طاری ہوئی۔ (احساس خودی مثلاً) ہم محسوس کرنے لگے کہ وہ ہم میں ہے اور اسکا ظہور (عریان ہونا) بجز اس احساس کے کہ وہ ہم میں ہے اور کچھ نہیں بیخودی کے ساتھ لفظ ”محسوس“ کو اس خوبی سے لانا جتنا بضرر ہے کمال شاعری پر دلالت کرتا ہے۔ اور کوئی صورت تجویدی میں جس باقی رہنے کی ہوتی نہیں سکتی حقیقت کا لفظ ”انا“ اور حقیقت کا محسوس ہونا ان دونوں میں جو نازک فرق ہے اُس پر غور فرمائیے مرزا صاحب نے شعر کی خوبی نمایاں کرنے کے بجائے اس فقرہ سے مضمون کو اور پسٹ کر دیا۔

بچ حسن تعین سے ظاہر ہو بلکہ بلبل ہو
مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ۔
”حسن ایک غیر محدود شے ہے جسکی خلی جہت و مقام کی بندشوں

شاعری قابل قدر ہے عام اس سے کہ اُسے بڑھاپہ پر سکڑ جین خوشی ہوتی ہے یا بچ۔

گیٹے کی شاعرانہ عظمت کا کس کو عزت نہیں دیکھئے وہ کیا کہتا ہے۔

”غم جسکی غذا نہیں ہوا جس نے رات کی تاریک گھڑیاں مٹنے اور صبح کے انتظار میں نہیں کاٹیں۔ لے لے لاییدہ قوتو! اُس نے تمہیں نہیں پہچانا“

خوشی و غم دونوں میں ایک پیغام ہے شاعر کا فرض ہے کہ اس پیغام کو لوگوں تک موثر الفاظ میں پہنچا دے۔ یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ اُس نے جذبہ خوشی یا جذبہ غم کو نظم کیوں کیا بلکہ یہ جو کچھ نظم کیا وہ شاعری کی مکمل میں درکار مل لیا ہے یا نہیں۔

اس موقع پر اس امتیاز کی طرف بھی اشارہ ضرور ہے جو مرزا صاحب نے درد و الم (آہ و بکا) اور سوز و گداز میں قائم کیا ہے۔ بھائی فرمائے بجا ہے کہ سوز و گداز آہ و بکا کا نام نہیں مگر اسکی کیا دلیل کہ آہ و بکا میں سوز و گداز پیدا نہیں ہو سکتا۔ نوحہ غم ہو یا نغمہ شادی جو ہو تاثیر میں ڈوبا ہو جو شعر تاثیر سے خالی ہے وہ شعر نہیں۔ اگر خالی الفاظ ناچتے ہیں تو وہ بریان نہیں بلکہ بڑھاپا میں ہیں اگر نالہ شیون اثر سے خالی ہے تو ٹوٹے ہوئے دل کی فریاد نہیں بلکہ گریہ کے نوحہ گر کی آہ و بکا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو خوشی کا گیت سطح گاسکے کہ بوج و جد کرے۔ خوش قسمت ہے وہ جو اس طرح روئے غفل کی غفل کو رولائے مگر قابل رشک ہے وہ جو ہنسنا بھی سکے اور رولنا بھی سکے (ہنسی سے میرا مطلب غرہ بن نہیں ہے)۔ جناب ہنجر کا کام دیکھو قسم کے شہکار گنجینہ ہے اگر کمروا بات زمانہ نے فرصت دی تو کسی اور موقع پر حضرت ہنجر کے منتخب شہکار کی خوبیاں دکھانے کی کوشش کر دگا۔ یہاں چند شہار مختصر تمہید کے ساتھ درج کرتا ہوں۔

اللہ سے دیوانگی شوق کا عالم اک قص میں ہر ذرہ صفا نظر آیا

اگر قطع ہے تو آپ جتنا چاہئے جتنے سننے والوں کو ہنسی آسگی اور اگر حقیقت ہے تو ہنسی کو درد کا پردہ بنائے مگر تارٹے والے تار جانیں گے اور آپ کی ہنسی پر خون کے آسوں بائیں گے۔

یہ خیال ہو کہی طرح پھیل گیا ہے کہ غزل میں حسرت و یاس مرگ میت جنازہ منع اور اس قبیل کے مضامین نظم نہ کرنا چاہئے۔

مجھے اس سبب ہمتی پخت ہوس ہے اس قوم کے افراد اپنی بات اور اپنے ایمان کے واسطے خوشی خوشی جان کیا دیں گے جو موت کا نام سنکر کانپتے ہیں جو استغدر عیش و راحت کے سر میں درد و غم کے منفرہ کرنے والے جذبات پر عمل پیرا ہوتا تو کیا انکے ذکر سے گھبراتے ہیں۔ حالانکہ موت بھی اور تغیرات زمانہ کی طرح ایک تغیر ہے اور سچ اکثر نشاط کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ شاید وہ نہیں جانتے

کہ عیش و آرام کا ارادہ ہونا دراصل مبتلائے غم ہونا ہے۔ علاوہ برین شاعر خوشی کی خوشی اور غم کا غم نہیں کرتا بلکہ انکا فلسفہ بیان کرتا ہے۔ آتش نے کیا خوب کہا ہے

جلادہ راہ جو سالک پیش پایا تھی تھم گیا جو کہن بچے آشنا آئی حقیقت ایک ہے صورتیں مختلف ہیں خوشی ہو کہ غم احویات ہو کہ مٹا شاعر کا کام شاہ حقیقت کو بے نقاب کرنا ہے کون کس حد تک کلابا ہوا۔ ع۔

ابن سعادت بزور بازو نیست

انسان بلکہ تمام مخلوق کی زندگی کے دو پہلو ہیں حیات و مرگ شاعر کا تصرف دونوں پر یکساں ہے اور وہ خود ان دونوں سے بشرطیکہ شاعر کے پیش رہا خطاب کا تعلق ہو۔ یہ سچ ہے کہ اگر حیات کا نام محض قصہ اور مرگ کی نشانیاں صرف اعضا کا انشعاب و زنا پتلیوں کا پھرنالو دونوں کا مڑنا ہے تو ایسی شاعری کو دور سے سلام اچھا۔ اگر حیات و مرگ کے اسرار بیان کئے گئے ہیں تو ایسی

فلو کا گزرنے میں حسن کے جلووں میں حشمت و درمیدگی و بیگانگی سلطو
(اسی سے رنگ پٹاؤس سے تشبیہ دیتے ہیں) لہذا یہ اتحاد و موجودگی
اور آجائے نہ زندانی و حشمت کوئی

اصل یہ ہے کہ اس شعر کے متعلق کچھ لکھنا اسکے کيفت کو زائل کرنا
ہے مگر بغیر کے راہی نہیں جاتا شعر میں جنون عشق کا فلسفہ بھی بیان
کر دیا ہے حسن کے جلووں میں ریمدگی ہے جنون عشق اسی کا نتیجہ
ہے اس طرح حسن و عشق میں ایک بطن پیدا ہوا خوشی کو خوشی جسے موت
نہیں ہو سکتی۔ ہوش جو وجہ بیگانگی تھے جفاقت سے رخصت ہو گئے
پھر یہ ضرور ہے کہ بقول غائب ع فریاد کی کوئی نے نہیں ہے۔
جذبہ حزن طاری کرنے کے لئے لازم نہیں کہ سینہ کو پی و آہ و زاری
ہی سے کام لیا جائے مگر یہ بھی فرض نہیں کہ انہیں یک مشت خلیج
کر دیا جائے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت مہر کے کلام کا انتخاب شائع ہوا ہے
اور انتخاب بھی غالباً ان حضرات نے کیا ہے جو مخملاً نشاط کے
متوالے ہیں پھر بھی غم انگیز شعرا کی کمی نہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔
ہجوم غم میں سین کوئی تیرہ تو کا کہاں ہے آج تو لے آفتاب تیرہ
اک نشتر ہے جو روح کو شرباتا ہے۔

اک شورشِ حال کا آتش ہے پروا آنکدہ و لبس اب کفر ایمان ہے
حزن و افسردگی کا ایک مکتوب ہے۔

جان بلب کلختر نہیں ہے سناں کی آجین میں نہ راہ شمع و عیان کی
کون صاحب اس بر بجاے دل تھانے کے قص کر نیلے
خاک دان کی بر باد کر باد صبا یہی ممکن کہ کل تک مرا افسانہ ہے
عبرت کا ایک متعل درس ہے۔

یہ شعر راوروی میں اسی انتخاب سے جو مرزا صاحب نے
پیش کیا ہے چن لئے گئے دیوان میں اور بھی ہیں صرف ایک مثال

علاوہ اور خوبوں کے محاکات کی شان دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ تمام
صحرانگہ کارہا ہے۔ اگر صحرانگہ استعارہ دل سے کیجئے تو اور ہی عالم پیش
نظر ہوتا ہے۔

اٹھے جب نہ زے ہوش غضب میں چڑھتا ہوا اک حن کا دریا نظر آیا
غصہ میں سانس پھولنے لگتی ہے پھر مشوق کا غضبناک ہو کر اٹھنا
ان دونوں کیفیتوں نے مل کر مشوق کو ایک دریلے حسن اور ہر سانس
کو ہر اد کو ایک بقیہ راج بادی کیسا دلکش انداز بیان اور کس قدر
لطیف شعر ہے۔

تھا لطیف جنوں یہ خونہ فشانے پھوٹنے پھرا دین صحرانظر آیا
مضمون معمولی اور باہال مگر نقطہ خونہ فشانے نے جس میں چپکنے کا مضمون
ہے ایک حسن پیدا کر دیا۔

خوب تھا صحرانظرے ذوق جنوں بھاٹنے کو نت نئے دامن کہاں
ہر صحرانظر کو ایک دامن سمجھئے پھر شعر کی بلاغت پر غور کیجئے۔
میخانہ کی ایک وجہ سمجھنے کے دیدی کیا کروا ساقی نگہ ہوش رہا سے
نگاہ ساقی کو روح میخانہ کنما میرے نزدیک بالکل نئی تشبیہ ہے
پہلے ہستی کی ہے شامش ضرور پھر جو گم ہو تو جو نہ کرے
ان مختصر الفاظ میں اصول زندگی و طریق سلوک کا مکمل فلسفہ ہے۔
تفصیل کی گنجائش نہیں۔

حشوتی ہستی حشوتی ہستی ہستی حشوتی ہستی حشوتی ہستی
عشق کو منسل سب نے کہا ہے مگر کسی کو جادہ منسل سے استعارہ
کرنا جناب ہر صحرانظر کا حصہ تھا۔

اور آجائے نہ زندانی و حشمت کوئی ہے جنون خیز ہوت شور و سلاسل ہر
یہ شعر نہایت سے مستفی ہے جنون جنون عشق کا اس حکمک ہو گونا
کہ مشوق نصرت کھینچ کے چلائے بلکہ خود اس میں بھی انداز جنون پیدا
ہو جن عشق و راز و نیاز کی وہ منسل ہے جہاں معمولی شاعر کی

جبکہ ایسی عطریات کا استعمال شروع کریں کارخانہ منظر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیں

جو صفحہ نظر آگئی۔

کا ہی چاہے اس نظر سے مختلف دو ادین کا مطالعہ کر لیں۔ غالباً میرے قول کی تائید ہوگی یہ موضوع ہے کہ کسی کے بیان پر خوشی کی طرف اور کسی کے بیان غم کی طرف جھکتا ہے جس طرح انسان کو طبیعت میں مختلف ہیں۔ کوئی پرہیزگار رہا۔ انوار کی بارش شروع ہو گئی۔ خود حسن و عشق کا تہیاز مٹ گیا۔ سب حسن سب عشق ہو گیا اور سب عشق سب حسن۔

جیسے کبھی انکھوں سے گلستان میں کیا
اہل نظر اندازہ کر لیں کہ مرزا صاحب کا یہ قول کہ حضرت اشقہ کی زبان سے جو حرف نکلتا ہے کیف و سرور سے بے خبر ہوتا ہے کہا تک قابل پزیرائی ہے۔

مہمان کی ادائیگی ہے، لیکن اس میں کچھ خون تناسیبی جو شامل میرا عشق کی قربانیوں نے حسن کی ادائیگی کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ گویا ایک کسی تخیل کو پورا کر دیا۔ اور ایک لطیف پہلو جس کے مرے صرف ایک شاعر اٹھا سکتا ہے یہ ہے کہ جس تنہا کا خون ہوتا ہے وہ حسن کی ادائیگی ہے۔

انکا یہ فرمان بھی غلط ہے کہ اس رقص وستی کے موجود حضرت ہتھر ہیں۔ تمام اساتذہ سابق و حال کے کلام میں ایسے اشعار کثرت ملین گئے جو طربا نگیز ہیں یا جن میں جوش و خروش موجود ہے۔ میرے متعلق عام خیال یہ ہے کہ اس کے کلام میں درد ہی درد ہو مگر ملاحظہ ہو۔

بے نیازی کو تری کچھ بھی بے نیاز ہوا
شعر میں خاص خوبی یہ ہے کہ اس حسرت میں جو جذبہ لہذا مضمحل ہے وہ کسی بے نیازی نے قبول کر لیا۔

حسن کیا صبح کے چہرہ نورانی کا
تشنہ کھینچا دیر میں بھٹا کہ کب تک لگا
دیکھو جبکہ ہے پر اوہ ہرٹ لعل نابا
اور اسی کے ساتھ۔

روداد میں سنہ لہذا طرح قفس میں
جیسے کبھی انکھوں سے گلستان میں دیکھا
اس شعر کی تعریف بل اس قدر کافی ہے کہ غالب کے شعر کا جواب بلکہ اس سے بہتر ہے۔

لعل غموش اپنے دکھو ہوا رسی میں
ہم فقیر دن سے کہ ادائی کیا
کچھ نہ دیکھا کچھ نہ بکشا شہ پر بیچ و تاب
شعبہ غم بزم کا باعث لہذا حسن و ست
آخری شعر کا زور اور شکوہ اور اسی غزل کے دوسرے شعر کا درد اور تنگی دونوں کا متعلق کیجئے۔

قفس میں مجھے روداد میں کتنے مژدہ
کیونکہ اس میں قائل نے غم و غصہ کی محبت اور ان سے تعلق کا اظہار کر دیا۔ یہم کو یونین میں پیش ہے وہ یہ سن کے مگر یہ ہے جسے کل بجائی ہمارا آشیانہ کیون ہوا۔ تا تو مزید واقعات کا اظہار نہ کر سکیا یا ان آفات کو نرم کر کے بیان کر گیا۔ لہذا لطف و داستان جانا رہیگا یا کم ہو جائیگا۔ حضرت آخر نے ظاہری بے تعلقی دکھائی ہے۔ گویا میں سے کوئی واسطہ کوئی دلچسپی نہیں رہی اب کہنے والا بے حد مرگ اور ہلکا کم و کاست بیان کر گیا۔

غیر کہ کہنے سے لڑانے نہ ہو سینگا
بات یہ ہے کہ غصہ میں سلیقہ ہے وہ الفاظ و معانی میں توازن و تناسب قائم رکھنے میں اور محض الفاظ کی دردست سے وہ کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جس کی مصوری منظور ہے۔ یہ اشعار جس جہت سے دلچ کر دیئے گئے مزید مثالیں تیر یا کسی دوسرے شاعر کے کلام سے پیش کرنے میں طول ات ہے۔ جن حضرت

غالب نے جن اثر کو پورے مصرع میں ترتیب دے دی ہے جسے آخر حضرت آخر نے دی ہے کام صرف ایک لفظ "جیسے" سے نکالا۔ یہ لفظ ایک مبسوطا لے ہے میں میں میں تھا اور وہ چین ہمت آراستہ و بارونق تھا۔

اگر آپ کو عطر خاں درکار ہے تو صرف میر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

ایک خوبصورت شاخ گل پر میرا اشیانہ تھا میں وہاں بہت خوش تھا
چٹے بوٹے بوٹے سے مجھے الفت تھی مجھے میری مصیبت کا پورا ٹوٹ پڑا صبا
نے اس کے کمرے میں بند کر دیا۔ اسکو ایک مدت ہو گئی پہلے میں بہت
تڑپا پڑا کاناہ و فریاد کی صیاد کی جتنیں کیں قہین میں طرح طرح کے لفظ
سنائے کرو میں خوش ہوا اور رحم کھائے مگر افسوس! سکا دل نہیں
پسچا آخر کار شوق و اضطراب کی جگہ جزن و یاس نے لے لی۔ دل
ٹوٹ گیا فسر دگی فطرت تانیہ ہو چلی۔ قفس میں دل لگ چلا تھا آتے
میں کیا خبر آئی کہ گلشن تاراج ہو گیا اشیانہ اڑ گیا جان ہجوم
غنیہ و گل تھا سرسبز و شادابی تھی وہاں خاک اڑ رہی ہے باد موم
کے جھونکے چل رہے ہیں۔ میں یہ سب باتیں اس طرح سن رہا ہوں گویا
مجھے گلستان سے کبھی واسطہ ہی نہیں تھا آگے سے بھی نہیں دیکھا تھا
اگر بیان کرنے والے سے رو دو انگلستان اس طرح نہ ستون تو وہ فصل
حالات بیان کرنے میں تامل کر لگا بہت سے واقعات چھپا ڈالے گا اور
میرا اشتیاق تشنہ رہ جائیگا دلیر چھپان چل رہی ہیں مگر رو دو! چہن
اس طرح سن رہا ہوں۔

جیسے کبھی آنکھوں سے گلستان نہیں دیکھا!

بہت کچھ لکھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں لکھا مجبوراً اس مضمون
کو ختم کرتا ہوں لیکن اسکے قبل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے حضرت ضمیر
کے کلام میں لغزشیں بھی نظر آئیں گویا انکی وقعت اس سے زیادہ
نہیں جیسے شاہد ان زمانہ کے جڑ مرث میں بعض کے رسا پر کوئی بڑا
خال ہو۔ جیسے ایسے معشوہ کو ن کی طرف سے منہ پھیر کر دوسروں کے
جمال پر شال سے آنکھیں سینکین۔

لوگوں کو تنقید کی طرف رغبت ہو چلی ہے۔ ذیل میں رائڈن
کی ایک عبارت کا ترجمہ حاضر ہے جو غالباً مفید اور دلچسپ ثابت ہو
”وہ گوشت تنقید کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے حکایہ خیال ہے کہ

کارخانہ صفر علی محمد تاج عمر لکھنؤ جس کو قریب ایک صدی کے زمانہ ہوائیک نامی سے جاری ہے

جیسا کہ ایک سنجیدہ شخص کے شایان ہے پیلے عصائی کا ہے پھر باؤن جمانا ہے۔ غرض کہ وہ اپنے کام میں بہت ہنرمند رہتا اور حیرت انگیز ترقی پزیر رہتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی کو کوئی تعریف کرتا ہے نہ مذمت۔ انگلیس کہتا ہے کہ مجھے ہومر میں معمولی غلطیاں مل سکتی ہیں لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ غلطیاں محض انسانی کمزوری کی نشانی ہیں۔ اونی فروگزشتین ہیں جو جوش و خروش میں نظر انداز ہو گئیں مگر اس کی روح کی عظمت باوجود ان تسامحات کے مجھے فریاد آتی ہے اور اگر صابر مصنفین کا کلام نسبتاً غلطیوں سے پاک ہے مگر شاید یہی کوئی شخص ایسا کچھ فہم ہو جو شلڈ اپو نوئس یا تھیا کر ٹیر کو ہومر پر ترجیح دے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مندرجہ بالا اقوال موقوف سلسل نظم کے بارے میں ہیں۔ غزل کا شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے لہذا اس کے معائب بھی زیادہ نمایاں ہوتے ہیں اور زیادہ کھٹکتے ہیں۔ ان کو کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ ہر قوم کی شاعری ہر زمانہ میں انکی اقتصادی و معاشرتی حالت کا آئینہ ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے دل بچھے ہوئے ہیں جنکو زمانہ نہیں ڈالا جن کے آداب و اخلاق جن کی تعلیم جن کا یا شصت جن کے قدیم روایات باوقافی طرح جہر ہو اکالین ہو پھر سے ان کو روکنے میں ان سے آپ بہر توقع رکھتے ہیں کہ ناجائز نہیں اور اس کے قہقہوں میں شریک ہوں۔ انکو ان کے ملک و دن میں رہنے دیجئے اور آہ و زاری ناز و بکا کر دیجئے اگر وہ انکی ہر عمر عشرت میں شریک نہیں ہوتے تو آپ کا کیا نقصان ہے۔

اب میں کچھ اس کیفیت کے متعلق لکھوں گا جسے مرزا صاحب رقص موتی سے تعبیر کرتے ہیں بشر کو سر کا سام کے دیگر مختلف کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ حزن یا الاساطیرت یا حیرت۔ ظاہر ہے کہ جس شعر کو سر کو سر میری طبیعت تنفر ملو وہ میرے لئے کسی کام کا نہیں۔ باقی تین جذبے رہ گئے شعر کی خوبی یہ ہے کہ جس جذبہ کی تصویر ہو مکمل ہو۔ جذبہ حیرت

شدت کے ساتھ ان شعراء سے طاری ہوتا ہے جن میں شاہد حسنی کی ایک جھلک پر وہ سے نظر آتی ہے انکی بنا پر بہن اپنے ذوق اور اپنی فکر سے کام لیتا پڑتا ہے اگر حیرت کی تسکین ہو گئی تو ایک لہر نساٹ کی دل و دماغ میں دوڑ جائیگی ورنہ انقباض رہے گا جو شاید نفرت میں بدل جائے۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ شاعر کو صرف ایسے اشعار کہنا چاہئے جن سے سامع پر انبساط طاری ہو۔ انقباضی اشعار ٹکسال باہر گویا شاعری خصوصاً تغزل ہمارے نفس پہاے جذبات ہماری امید و ن ہاری آرزوؤں ہماری حسرتوں کا آئینہ نہیں ہے بلکہ ایک سانچہ ہے جس میں خوشی ڈالتی ہے۔ شاعر میں جب تک غم سے متاثر ہونے کی استعداد ہے اس سے یہ امید رکھنا کہ وہ دردناک و حسرت انگیز اشعار نہ لکھ سکے گا۔

حافظ کا کلام رقص موتی کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے مگر اس میں بھی بکثرت ایسے اشعار موجود ہیں جن کو پڑھ کے بیکار انبساط کے حزن طاری ہوتا ہے مثلاً۔
شبائے یوسف ہمیں گرو دیا حیرتیں مل
کجا و ضلال ایسا کہ ان ساحلہا
مراؤ نسرل جانا ان کی طرح
جس فریاد میدار دے برید و جملہا
اسی غزل میں یہ شعر بھی ہے۔
بے سجاؤنگین کجنت سے چراغ دید
کہ سالک بجز نور راہ و دم منہ لہر
جس میں سرور و انبساط ہے۔

شاید راکر کی رائے زیادہ مفید ہوگی۔
مکو بی صنایع صبر کے کوہ لاندہ کوئے اگر اسے خیال ہو کہ اس کے سوا
چرم پر کسی کی نظر نہ پڑے گی۔ اس طرح شاعر بے پروا ہو جائیں اگر نفاذ و
گیری پر نہ تعلق رہیں؟

آخر

تخیل محمود

(خاں صاحب محمود علی خان صاحب قلمن جو قلعہ دارو آئیری اسپتال مربوطہ آباد)

ہاں گرتے نادک کا انداز جدا ہوتا ہر زخم مرے دل کا تصویر و فابوتا
دل خون تمنا سے ہوتا نہ اگر رنگین اس منظر فطرت کا پھر رنگ نیا ہوتا
تھی انکی خود آرائی ورنہ اسی مغل میں انگڑائی کے لینے کا انداز جدا ہوتا
اسے ساقی میخانہ تھی کون خطامیری اک جام مے راحت مجھ کو بھی دیا ہوتا
میں دیکھتا جب بہت دامن ترا متل میں خون دل مضطر کچھ بیٹوں سے رنگا ہوتا
تم جانتے کتنی تھی تلخی غم الفت کی گر بادہ فقرت کا اک گھونٹ پیا ہوتا
وہ دیکھتے کیا آکر انجام محبت کو میت پہ گر آتے تھے آنے تو دیا ہوتا
زینت ہوئی دنیا کی غفلت کے جابوں اٹھتے جو یہ سب پردے اک حشر پیا ہوتا
محل سے تری اٹھتا گر نہ متانہ ہر ساز مرے دل کا چوکٹ پہ فدا ہوتا

محمود نگہ ان کی بڑتی جو محبت کی
لوح دل خردن پر اک نقش کھدا ہوتا

کلامِ ذاکر

تجسس ہے مجھے اک بے نشان کا پتہ کوئی بتا دے لامکان کا
اجل اتنی سی مہلت چاہتا ہوں نتیجہ دیکھ لوں آہ و فغان کا
نہ دیکھا رشک سے حد نظر نے گلے ملنا زمین و آسمان کا
دکھا دے اسے صبا پس ماندگان کو کوئی ذرہ ہی گرد کاروان کا
وہ بے پروہ سنا ہے آئین گئے آج یہ موقع اصل میں ہے امتحان کا
نہ کیجے جھگو مانوس عنایت مزہ مٹ جائیگا در و نہان کا

بس اب جان کیجے ڈاکر نذر قاتل
لگا رکھا ہے یہ جھگڑا کمان کا

ابوالخیر بات (سید ذاکر علی ذاکر ٹونکی)

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

ماورِ خواب

تیرے چہنے خشک ہیں۔ تیرے چہستان بہار کے پتے منتشر
ہیں۔ تیری عظمت رخصت ہو چکی تیرا ماضی ختم ہو چکا۔ ہماری
توقعات اہماری آرزوئیں سب خاک میں مل گئیں۔
کیا کھلائے ہوئے پھول جان بخش بہار کے جھونکوں سے
پھر سرسبز نہ ہو جائیں گے؟ کیا پامال دل پھر حرکت نہ کرے گا؟
کیا تیرا محبوب تیری پرستش کی تحقیر کرتا ہے؟
دیکھ، تیرا مطلع کیسا روشن ہو رہا ہے! اس روشنی میں
ایک شوکت پنہاں ہے۔ تیرا رخ ان شادوں کی طرف ہے،
تو پھر زندہ ہو گا۔ تو مردہ نہیں ہے۔

ابرجو تیری نظروں کے سامنے حائل ہیں چھٹ جائیں گے
ہلے مضبوط جھٹ کا بدلا، ہماری خوفناکی کا صلہ ایک نیا روشن
آفتاب بکھر طلوع ہو گا۔

توقعات جو شریفانہ ہیں کامیاب ہونگے، کیونکہ کامیابی پر
مہربانیں لگ چکی ہے۔ خیالات جو پاکیزہ ہیں کفن کے وزن
کو ہلکا کر دیں گے۔

روحانیت پھر غالب ہوگی، اور مادیت مغلوب ہو جائیگی۔
روشن شب کے تاریک ترین پردے میں ستور رتی ہے۔
سیدن (لکھنؤ یونیورسٹی)

(ترجمہ)

نوائے راز

لاکھوں نعتیں خودی میکہ مجازین } روحِ ہمیری جب سا را گہ نیازین } میرا غبارِ آج تک سجدہ گناہ جگہ جگہ
میری نگاہ شوق کتنی داغ اس پر } نینے لگی جو سبق دہن گہ مجازین } اہل نظر کے ماسطہ بدین کی عید ہے
جدین میری روح ہے کیمت حق قلب } نغزِ راز است جو دہ نے نوازین } صبح کی ہے کہ اُید دیکھے صبح ہو نہ ہو
گوشِ حقیت شناسا بکھلے ہوں سے } بیحدین کیوں نہان یک لے رازین }

لاکھوں نعتیں خودی
میری نگاہ شوق کتنی
جدین میری روح ہے
گوشِ حقیت شناسا

اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کی تیار کردہ شہداء خالص عمدہ اور بکفایت ہوتی ہیں

ناٹک ساگر

مینی دنیائے ڈرامہ کی تاریخ



اس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا آج سے دو ہزار برس پیشتر بھی ڈرامے کی دلدادہ تھی، فرق یہ تھا کہ اس وقت صرف مذہبی اثرات کو قایم رکھنے کے لئے ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ اور اب تفریحی شاعری کا ایک جزو لا ینفک ہیں،

خزائن اور انگلستان میں بھی شروع شروع میں ڈراموں سے تبلیغ و تلقین مذہب کا کام لیا گیا۔ انگلستان میں وٹون اگرچہ ایک چار دیواری سے باہر رسکار وراج نہ ہو سکا، لیکن آخر تک کی خوشبو پھیلی اور انگلستان کی سڑکیں نے ایسے ایسے ڈرامہ نگار پیدا کئے جنکی پشت اس فن کو بہت کچھ فروغ ہوا، اور نہ ہی صلاح کے علاوہ، دنیاوی امور میں بھی مصلحان لئے گئے۔

مصنفین کا خیال ہے کہ مسلمان اگرچہ مذہباً اس قسم کے کہو و لعب کو داخل مصیبت سمجھتے ہیں، لیکن ڈرامہ کے ہمہ گیر و قابل قبول اثر سے اپنے دامن کو بچا سکے، انکے ایک فرقہ (شیعہ) نے اسے تہی رنگ میں نمایاں کیا، اور محرم کے زمانے میں بجلہ اور سامان عزا کے اسکو ممتاز و درجہ بڑھا، چنانچہ ایران میں مذہبی شہرت سے ڈراما کا ظہور پایا جاتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ جابلہ طبقہ میں اب بھی رواج ہو۔

چنانچہ ”ہامک ساگر“ کے صفحہ ۴۲۶، ایران کی ڈرامہ نگاری کے سلسلہ میں لطافتات کا ذکر کیا ہے جو محرم میں بطور ڈرامہ ظاہر کئے جاتے ہیں۔

”در نقیض مجلس میں پوری کہیں کام کرتی ہے، اس تاشکوفا س کتا

یہ قابل قدر کتاب، نور انبی و محمد صا جان کے زور قلم، و معلومات تاریخی کا نیچر نگین ہے، اس میں دنیائے ڈرامہ کے مکمل تاریخی حالات و سوانح بیان کئے گئے ہیں، اور دنیا کے مشہور ایکٹروں اور ڈراموں کے متعلق مفید تاریخی معلومات کا ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے۔

ہندوستان کے ڈرامے اور تھیٹر تفریحی شاعری کا جزو اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ بیان بھی کہیں لیا اور رام لیلہ کی میناوی اصول پر لکھی گئی تھی، اور اب بھی ان کھیلوں میں مذہبی رنگ کی جھلک موجود ہے، لیکن غریب مالک تھیٹر کو اپنی اخلاقی، تمدنی، معاشرتی ترقیوں کا ذریعہ سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ ملکی سیاسی معاملات میں ڈرامے کو خاص اہمیت دیکر جاتی ہے۔

یونان میں ابتداً ڈراما مذہبی کھیلوں میں شمار ہوتا تھا، تاہم ساگر میں یونان کی ڈرامہ نوازی کے متعلق یہ عبارت تحریر ہے۔

”محققین کی رسل ہے کہ باقاعدہ ایک دس سے پہلے یونان کے طبائع میں ڈرامہ کا عنصر موجود تھا اور اسکی شہادت ان مذہبی رسوم میں ملتی ہے جنہیں اسرار برنخ کہتے ہیں۔“

ایک قسم کی پوجا جو تھی، جس سے پوجاری ڈیوسٹر اور سرس نامی دو دیوتاؤں کے سمجرات و سوانح حیات بڑھ چکر بیان کرتے اور اعراف و رنج اور بہشت کے نظارے دکھا کر حیات جملہات کا نقشہ انکھوں کے سامنے کھینچتے تھے اور

تلقین مذہب کا کام دیتے تھے۔“

کیا منظر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے آپ اہل فن؟ جن کا کارخانہ ۱۹۳۹ء سے روز افزون ترقی کے ساتھ جاری ہے

یہ اس وقت کی کیفیت ہے، جب سید الشہداء زخمون سے چور ہو کر میدان میں پڑے داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہیں۔

”جناب امام آہ تیروں اور خجرون کا زخم کیا ٹپا لینے والا
درد پیدا کر رہے ہیں، اسے خدا قیامت کے دن بری خاطر
سرے ہو طون پر دم کرتا، وصال کا وقت قریب آ گیا ہے
لیکن ابکر کے بجری پھانسل کوڑا پا رہی ہے، کاش کو سیر
نانا مجھے اس حالت میں دیکھتے۔“

حضور بقیہ عالم (ظاہر ہو کر) پیالے حسین ہنساہے نانا
رسول اللہ تین کھینے لے آیا۔

ممکن ہے کہ ایران کے مسلمان مثیل دودماہ کو نہ بھی رسوم
کا جزو عظم سمجھتے ہوں۔ لیکن عام طور پر دنیاے اسلام دارائے
بصر دنیاوی، دلچسپیوں تک محدود سمجھتی ہے جسکو نہ ہی
کوئی تعلق نہیں۔

اول اول شمسکرت نے فن ڈرامہ کو ایک مستقل فن بنانے
کی کوشش کی تھی، اور یا قاعدہ اصول وضوابط وضع کئے تھے
ایکٹریسی وقت کامیاب ایکٹر سمجھا جاسکتا تھا جبہ ان اصول
کی پیروی کر کے اپنے آپ میں (وقتی طور پر) وہی جذبات
پیدا کرے جسکی ہمثیل میں کر رہا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہندستان
میں فن کی حیثیت سے ڈراما کو رواج پائی نہ اور صرف تہی حیثیت لگی ہوئے
زمانہ میں ہندوستان میں کچھ ٹیٹے کا اثر پڑا ہے، یہ سب یورپا فیض ہے۔
نانک ساگر کے مطامع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات مصنفین
ڈراما اور تھیٹر سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور ڈرامے کو فطرت کی
ایک بہترین رویت بلکہ عین فطرت سمجھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔
”دور سٹو کا قول ہے کہ نقالی انسان کی جبلت میں داخل ہے
اور اسکا انہور اسکے بچپن سے ہوتا ہے، نقالی صورت او“

موزوں ہے، ان ایکٹروں کو لوطی یا تاشیجی کہتے ہیں، یہ
لوگ قرعہ، قرعہ پھر کر تاش کرتے ہیں۔ داری بانگر اور قلندر
ہند اور ریچ بیکر اسکے ساتھ جاتے ہیں۔
آسان کے نیچے فضا میں چالیں کر مین اور قدامتہ جیو تہ
بناتے ہیں، یہی سکو (ایرانی نام) اشیج کا کام دیتا ہے اسکے
گرد و سف چٹرا راستہ ایکٹروں کی آمد و رفت کے لئے
چھوڑا جاتا ہے۔

بیان تاشے کے افاد کا اعلان گھنٹی بجنے سے ہوتا ہے، مگر ایران
میں اس موقع پر ندوق یا توپ سکر جاتی ہے۔ اصل ڈرامہ شروع
ہونے سے پہلے ایک اور بھونٹی ٹیٹیل کی جاتی ہے تاکہ باٹ
کی عظمت کا رنگہ حاضرین کے دل پہنچ جائے مثلاً ایہ غزوہ شیع
پرا کر امام کی شہادت پر قائم رہا ہے اور اربع کے خلاف غم و
استقام کے جذبات بھڑکاتا ہے۔

اسکے بعد

قرعہ (ڈراما) کے دیگر ارکان داخل ہوتے ہیں جن میں
سرور عالم، دیگر دنیا، فرشتے، بچپن پاک، دیگر اہلیت، صاحب
ملاذ، مگر، سادیہ، زید، شمران سعد شامل ہوتے ہیں، بچپن
فرشتوں دیگر مقدس باب ہتھوں اور عورتوں کے پارٹ کرتے
منہ پر نقاب والے ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں ان تمام واقعات کو بیان کیا ہے جو اس
مثیل میں پیش آتے ہیں، یعنی شمر زید کے پارٹ کرنے والوں پر
بعض وقت حاضرین جوش سے مغلوب ہو کر تھپڑ بٹاتے ہیں
حتیٰ کہ کبھی کبھی ایکٹر ان غوش اجل میں پناہ لینے پر مجبور جاتا ہے۔
مصنفین نے سرلوہس پٹی کی کتاب کی عبارت کا ترجمہ
پیش کیا گیا ہے، جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے متعلق ہے

عطر حنا جو منہ علی محمد علی تاج عطر لکھنو کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

حركات انسانوں میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ پس
جیسا کہ کورڈا میں فطرت ہے، اور ڈرا کو لکھنے کی
سورشش فطرت کو عورت مبارزت دیتا ہے۔

کتابت کی غلطی سے اس میں خیر عبارت کے مطالعہ سے یہ
پتہ نہیں چل سکا کہ اس طوک کا قول کتنا ہے اور حضرات مصنفین نے
کتنا حاشیہ چڑھایا ہے، غالباً صرف پہلا فقرہ اس طوک کا ہے جس کا
مفہوم بالکل صاف ہے، بلاشبہ انسان اپنے ہر کام میں تقلید کا
معتلج ہے۔ ایک پھر اپنے بزرگوں کے حرکات و سکنات کی
تقلید کرتا ہے اور بیشک ایسا کرنا مطابق فطرت ہے، لیکن اس
دلیل سے نقل کو ڈرا سے تعبیر کرنا اور ڈرا سے کو مطابق فطرت
بتانا حضرت مصنفین کی زالی غلط ہے

مشہور ہے کہ ایک مرتد سکندر کے سامنے ایک ڈاکو گرفتار
کر کے لایا گیا، سکندر نے پوچھا کیا تم ڈاکو ہو، اُس نے کہا، ہاں
مگر آپ مجھ سے بھی بیٹے ڈاکو ہیں۔ میں رعایا کو لوٹتا ہوں، اور
آپ بادشاہوں کو، میری ترک و تاز چھوٹے چھوٹے قصوں اور
مواضعات تک محدود ہے، لیکن آپ کی جولا نگاہ بڑی بڑی سلطنتیں ہیں
میں اپنی چھوٹی سی فوج کا سردار ہوں، لیکن آپ کے پاس بہت بڑی فوج
ہے، آپ ایک شخص سے تاج لیکر دوسرے کو دیتے ہیں اور میں
ایک امیر کو لوٹ کر دوسرے غریب کی مدد کرتا ہوں، پھر آپ ہی بتائے
کہ مجھ میں اور آپ میں کیا فرق ہے، سکندر یہ دلیل نکالنا خوش ہو گیا۔
کیا کوئی دیوش یہ بات ماننے کے لئے تیار ہو گا کہ سکندر
اعظم اور اس ڈاکو کوئی فرق نہ تھا، اسی طرح اس طوک کے قول سے
ڈرا کو جین فطرت بتانا اور ڈرا سے کی مخالفت کو، فطرت کی مخالفت
کہنا، ایک گھلا چواغل لفظ ہے۔ شاید اس قسم کے مغالطے کی مدد
سے آپ حضرات کے نزدیک یورپ کی وہ آزادی بھی جس نے

عورتوں کو بازیچہ نفس بنا رکھا ہے، عین فطرت ہوگی، کیونکہ قولے
فطری سے متعلق ہونا بھی منشاء فطرت کے مطابق ہے۔

اس سے انکار نہیں کٹھرا ہے، یا انک میں وہ قوت موجود نہیں
جو انسان کی تمدنی یا اخلاقی اصلاح کر سکے، لیکن اس ارکے تسلیم کر لینے
کے باوجود بھی اس کا بطلان نہیں ہوتا، کہ وہ تاشے جو عموماً شیخ پر دکھا
جاتے ہیں، نفسانی دلولین کو بڑا نگہتہ نہیں کرتے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان مذہبی ڈراموں پر جو ہندوستان میں کام لیا
یا جس لیلہ کے نام سے موسوم ہیں عام ڈراموں کے اخراجات کا قیاس
نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کیسوں میں مذہبی روایات کا ایسا زبردست عنصر
شامل ہے کہ انسانیت کو پاس نہیں آنے دیتا، لیکن تھیٹر کے شیع
عام طور پر حسن پرستی اور ہوادوس کی دعوت دیتے ہیں۔

مکن ہے کہ مذہبی ممالک کے لئے، تھیٹر نعمت غیر مترقبہ
بھی ہو اور مطابق فطرت بھی، لیکن ہندوستان کے لئے تو یہ نعمت
ہی زحمت ہے، سب سے پہلے جس تاجدار اور دھ کی ڈرامہ نواری کا
ذکر کیا جاتا ہے، اس کا حشر بھی سب کو معلوم ہے۔

عام طور پر جتنے ڈرامے کھیلے جاتے ہیں ان میں جن عشق کا
عنصر غالب ہوتا ہے۔ کا عہد ہے کہ محض محباب کی جانب طبیعت
کنجش ہے، طبیعت دھجھکی اور ہوس نے زور بازو دھا، پھر ایسی
صورت میں غلامی ترقی کرنا تو کجا۔ اخلاق کی حفاظت مشکل ہے، اس
تو یہ کہ کتا شینی ادنا وارہ حاجی کا چھکا ایسی مختص طے (یعنی تھکڑا)
سے ہوتا ہے، ایسی صورت میں ہم تھیٹر ڈرا، کہ ہرگز مطابق فطرت نہیں
کر سکتے، کیونکہ فطرت کے اصول عموماً فائدہ بخش ہوتے ہیں، اور یہاں
معاہدہ برعکس ہے۔

یہ سلسلہ ہے کہ ایک طرف کے قوائے عمل مسلط ہو جاتے ہیں
غیر مکن ہے کہ وہ تھیٹر سے الگ ہو کر دوسرے کاموں میں باقاعدہ

خاص کارخانہ صغریٰ محمد علی تاج عطر لکھنؤ کا تیا کر وہ زردہ تبا کو سیاہ وامنہ دار طلب فرمائیے

ایکڑوں سے اٹیج کچا کھانے کا دھان کر دین جیسا مقصد صرف ایکٹ کر کے روپیہ کمانا ہے، جو ڈرامے اٹیج پر کھیلے جائیں انکا پلاٹ اتنا دلکش اور متجذیب ہو کہ سامعین پر انکا اچھا اثر پڑے۔ موجودہ ڈراموں میں صرف باپ کا گناہ (ہمارے خیال میں) ایسا ہے، جسکی تقلید ہندوستان کے ڈراموں کو بہتر بنا سکتی ہے۔

حضرات مصنفین نے، ہندوستان میں ڈراموں کی ترقی کے متعلق یہ ثبوت بھی پیش کیا ہے کہ اب کالج اور اسکول کے طلباء ابھی اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ بینک اس بدعت حسنہ سے یا مدد دیتی ہوتی ہے کہ شاید چند دنوں میں یورپ کی طرح یہاں بھی تھٹر اصلاح عمل کا کام کر سکیں۔ بشرطیکہ کالج کے طلباء کالج سے نکل کر بھی اس کھیل کو جاری رکھ سکیں۔

اجارڈن یا رسالوں میں، ڈرامے کے متعلق مضامین شائع ہونے کے یہی معنی نہیں ہو سکتے کہ اب تھٹر ڈرامے کی طرف عام میلان زیادہ ہو رہا ہے، یہ بھی غلط ہے کہ رسالہ اردو میں ڈرامے کے متعلق جو تحقیقی مضمون شائع ہوا ہے اُس سے ڈرامے کی قدر و قیمت گھٹ گئی، چند مہینے پہلے جس کثرت سے ممتاز نگیم کا نام اخباروں میں آچکا تھا کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا مناسب ہو گا کہ ممتاز نگیم عفت کیاب عورتوں کے گروہ میں شامل ہو گئی یا اسکی شخصیت بدل گئی۔

آپ حضرات نے ڈراموں کی اصلاح کے متعلق تو فیہر عکجی لکھا دیکھا، لیکن اٹیج کرنے میں جو قائل تھے وہ جانتے ہیں اُسے قطعی نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ اس طرف توجہ کرنے کی خاص ضرورت تھی، اس لئے کہ کوئی ڈراما موثر نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عکجی سے دکھایا جاتا۔ عام طور پر تھٹر میں جب کسی جنگ کا نقشہ دکھایا جاتا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ چنانچہ تو اسکا دیگر پہلے کا ہاتھ دکھا رہے ہیں، کیا کبھی اس نمائش سے ناظرین ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گمان کر سکتے ہیں

جدد جہد کر سکیں، شاید مغربی ممالک میں بھی ایکڑوں کا یہی حال ہو ہندوستان میں اس مقدس غرض کے ادا کرنے والے (یعنی ایکٹر) عموماً وہی اشخاص ہوتے ہیں جو رقص و سرود کو حاصل نہ کر سکتے ہیں۔ انکو شاید ہی تھٹر میں کوئی ایکٹر اسلیمی نظر آئے جو کسی شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہو اور اُسے عصمت، آداب، عفت کی پوری کہہ سکیں، پھر ایسی صورت میں موجودہ اٹیج اور ڈراما کی طرف ہندوستان والوں کو توجہ دلا گیا یا تاہی اور بربادی کے مستزین ڈھکیلنا ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ مصنفین نے شاید موجودہ ڈرامے اور اٹیج کے متعلق مفید شے بھی نہ پڑی کئے ہو گئے، لیکن اس حصے کے مطالعہ سے اور بھی حیرت ہوئی، کیونکہ آپ حضرات نے صرف ڈرامے کی عبادت اور ترتیب سے بحث کی ہے۔ یہ ہم بھی انتہا میں لگا غاشٹر اور انکے پیروں نے ڈراموں کو ناچ رنگ کی محفل اور بھانڈوں کی مجلس بنا رکھا ہے، لیکن کیا اگر آپ کے خیال کے موافق کامک کے جگا گناہ پارٹ کو حاصل فتنے میں ملا کر اصلاح کو بجائے باز بان بیلان سقم نکالا جائے، تو یہ ڈرامے اصلاح قوم و ملک کا فرض بخوبی ادا کرینگے

واقعہ یہ ہے۔۔۔

سگ بدریائے ہفتکادہ بنوے چونکہ ترشد پلید تر باشد پھر بھی ان میں جن وعشق کے مبتذل جذبات موجود رہیں گے اور ایک شریعت دل رکھنے والا انسان ان سے نصیحت حاصل کرنے کے بجائے نفسانی دلوں میں مبتلا ہو جائیگا۔

بج یہ ہے کہ ڈرامے اس وقت تک قوم و ملک کے لئے صلح نہیں ثابت ہوئے گا اور یہ اُس وقت تک مفید ثابت ہو سکتے جب تک کہ تعلیم اور حضرات اس طرف کا دل توجہ نہ کریں، توجہ کے یہی معنی نہیں کہ صرف ڈراما دکھایا اور آگ ہو گئے، نہیں، بلکہ اپنی پوزیشن کو باز سے طاق رکھ کر خود اٹیج پر کائیں اور ان پیشہ ور جابل، نفس پرست

اگر آپ کو ملتی مصلحت سے بلائی مصترائیشی اجبر کی آمیزش کے تیار کردہ تمباکو سے خوردنی دھار تو ہم مغربی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیا

کہ یہ جنگ واقعی جنگ ہے۔ ہم نے مانا کہ جنگ کا اصلی منظر دکھایا نہیں جاسکتا، لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ اس قسم کے پارٹ ڈرائے سے خارج کر دیئے جائیں جو آپ حضرات کے کھلے کو غلط ثابت کریں یعنی جن سے یہ عیمان ہو کہ وہ سرسرخلاف فطرت تھیں۔

کسی واقعہ کے مطابق فطرت ہونے کی یہ دلیل ہے کہ دیکھنے والوں پر اسکا وہی اثر پڑے جو اصل واقعے کے دیکھنے سے پڑتا ہو۔ مستحکرت زبان کے ماہرین علم النفس نے تو ہمان تک لکھا ہے کہ اگر ایک طرام کا پارٹ کر رہا ہو تو اس میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے کو رام خیال کرنے لگے، اسی کیفیت کا نام رس ہے۔ لیکن ہندوستانی تھیمٹرون میں، معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے اکثر ماتم کے مواقع پر بھی تو ہم سے مدد لی جاتی ہے، کیا یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کوئی شکستہ دل اور غم زدہ شخص نمے لے کے غریبین کا تار ہے۔ یہ یقیناً قالی ہے مگر وہ نقالی نہیں جبکا ذکر اسطونے لگا ایک جگہ حضرت مصنفین نے لکھتوں کی اچانک لبوت کی تاریخ بیان کی ہے، تاہم سچی حیثیت سے ہم مصنفین کی تھیمٹرون شخص کی قدر کرتے ہیں لیکن یہ کوئی مافوق الفطرت بات نہیں، قیاسی ملاحظہ۔

”تھیمٹرون کی تاریخ میں یہ بات بہت جیت بگڑے کہ لکھتوں کی ایک معتدل تعداد نے شیخ پرایس سے اترتے ہی جان لی۔ اسکا کوئی خاص سبب بتانا ممکن نہیں۔“

”سلسلہ میں پیرسین پارٹ کر رہا تھا یہ فقرہ کہ ”زندگی خاکہ کرنا چاہیے۔“ کہنے کی دہائی کے مقابل کے کیڑی گودی گدا“ دیکھا تو زنج پر دازگر کی تھی۔“

”سلسلہ میں سر فنگلن کو شیخ پر فالج ہوا اور

جان برد ہو سکی۔“

صاحبزادہ! ہکو یہ فقرہ طرہ کے سخت تعجب ہوا کہ ”اسکا کوئی خاص

سبب بتانا ممکن نہیں، کیا یہ سبب بتایا جاسکتا کہ انکی روح فطرت درج لطیف ہو گئی تھیں، اور روحانیت نفسانیت پر غالب کچی تھی اس لئے جب چاہا انہوں نے انسانی سے روح کو انوداع کدیا۔ ہندوستان میں بعض فقرا کے بھی ایسے ہی واقعات مشہور ہیں کہ چادر اوڑھ کے لیٹے اور روح پرواز کر گئی، بعد میں سر رکھا اور فنا فی اللہ ہو گئے“ ممکن ہے کہ وہ ایک طرہ بھی خدارسیدہ ہو جس نے علی طور پر زندگی کا محاکمہ کر کے دکھا دیا،

خیر یہ تو ایک ظریفانہ پیرا ہے تھا۔ اصل یہ ہے کہ عیش پرستان، انسان کے دل و دماغ کو اس قدر کمزور کر دیتی ہیں کہ بہت جلد خارجی اثرات ان پر غالب آ جاتے ہیں۔ آدواہ مزاج حضرات اپنی اندرونی کمزوریوں کی بدولت ہندوستان میں بھی اس قسم کی ہوت کا شکار ہوتے رہتے ہیں اگر آپ طبی اصول کو مد نظر رکھ کر ان بندگان نفس کے حالات پر مدد عیش و نشاط کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں، غور فرمائیے تو آپ کو اعتراض کرنا پڑیگا کہ انکی بے اعتدالیان انہیں مرگ مغاہات کی طرف جابھی رہتا حضرت! دنیا کے ہر طبقے میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن انکی کوئی پرواہی نہیں کرتا، ان آپ کے نزدیک ممکن ہے کہ کثرتِ احوال (یا ایک طرہوں کی درازی عمر کے حوالے)، ایک طرہوں کی شان کو دو بالاکر سکیں مرقومہ بلا عبارت میں، ”تسفر و فنگلن کو فالج ہوا“، ادبی حیثیت سے عجیب غریب فقرہ ہے۔ ہم تو آج تک یہی مٹتے آئے ہیں کہ فلاں شخص پر فالج ہوا۔

ادبی بحث کے سلسلے میں جناب کیفی کے مقدمہ کا ذکر بھی ضروری ہے۔ آپ نے بھی ایسے ایسے پر لطف فقرے کئے ہیں کہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

انکی لکھی دوسرا سچی کا گرا نڈیل ثبوت ہے۔

دیگر جی کے ساتھ سخت گیری بھی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا نظام اینکس شجر کی زیر نگرانی ۶ جولائی ۲۰ سالہ کام کر رہا ہے

نواس نے اب دون کی ٹھلری۔

ہاں ہی نہجانی سن بھوتی کمانی گھستا ہے

آپ نے اپنے مضمون میں جا بجا سنہ کے ساتھ ق م، اور ب م لکھا ہے۔ ق۔ م سے قبل مسیح مراد ہے لیکن ب م سے اگر بعد مسیح مراد ہے تو یہ کتنی صاحب کی ایسی جدت ہے جس پر اگھر اور انکے ہوا خواہوں کو فخر و ناکرنا چاہیے۔
اسی سلسلے میں ہم اس تنقید کا ذکر بھی کر دینا چاہتے ہیں جو مولانا شمس نے حضرت مصنفین کے کئی مضمون پر کی تھی۔

حضرت مصنفین نے اپنے مشترکہ مضمون میں لکھا تھا کہ

”د ایک نرانیسی عقب ہر گاہ نے بادشاہ (واجعلی شاہ) کو

موجودہ قرا کی طرف توجہ دلائی۔“

مولانا شمس نے لکھا کہ

واجعلی شاہ کے مصاحبوں میں کوئی فرانسیسی نہیں تھا

مصنفین نے لکھا ہے کہ

”واجعلی شاہ راجہ اندر کے تخت پر ترجان ہوتے تھے اور باقی

پادشاہیں بدر کرتے تھے۔“

مولانا لکھتے ہیں کہ

”بحر زحاریون اور زاپنے گانے والوں کے کسی عزیز داری

نہ اس گراہا کو کوئی پارٹ نہیں لیا“

اس کے جواب میں حضرت مصنفین نے ایک مقام پر یہ لکھا ہے کہ

جو کہ بساط تحقیق و تدقیق کے بعد ہم نے ہر ناظرین کیا ہے

اسکا کوئی پیا کھڑ شہوت پیش کر سکیں جسکی ہندوستان کی سرحد استین

جو دیشیل نوس لے سکے تو ہمارے سامنے خداوند قابلیت کا اقرار

کرنے کے سوا چاہ کا نہیں۔“

سچ میں نہیں آتا کہ جب کہ اپنی ہی تحقیق پر کامل اعتماد ہے تو شہوت

پیش کرنے میں اپنے عجز کا اعتراف کیوں کرتے ہیں۔

آگے چل کر واجعلی شاہ کے حالات کے متعلق یہ بتا رہے کہ وہ تھا

ایک لکھنؤ کے بیان کے جو اس ڈرے میں شریک ہے چکا تھا اور جس کا نام خورشیدی تھا۔

پھر لالہ کنور سین ایم۔ اے سیرٹراٹ لائے مضمون مطبوعہ

مروسی اتینول سلسلہ عم کا حوالہ دیا ہے۔ اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔

مروسی کے لئے ہم نے ہندوستان میں تازیہ صاحب کی

دہری سے آتشہا کیا اور صاحب موصوف نے بھی اس قول کی

تصدیق اور توثیق کی۔

واجعلی شاہ کے حالات کے متعلق وحید العصر جناب کتنی کی شہاد

حضرت مصنفین کے نزدیک ”گراڈیل“ ہو تو ہو، لیکن مولانا شمس

جیسے جتنی لکھنؤ کے سامنے کوئی وقت نہیں ہو سکتی،

بہر حال اگر آپ دنیا کی مکمل تاریخ پڑھنا چاہتے ہیں اور

ڈرے کی تدریجی ترقی کے واقعات پر عبور حاصل کرنے کا شوق ہو

تو ہائیک ساگر کا مطالعہ کیجئے، اردو زبان میں فن ڈرامہ کے

متعلق، اتنی دلچسپ، اتنی جامع اور مکمل کوئی تصنیف نہ ملے گی، شہرت

برج موہن صاحب و تازیہ کینی کا دلچسپ اور پراثر ملامت مقدمہ

بھی قابل دید ہے۔ جو ہائیک ساگر کا معنوی زیور ہے۔

کاغذ کتابت و طباعت دیدہ زیب، حجم ۴۴۶ صفحہ

ملنے کا پتہ

شیخ مبارک علی، تاجر کتب،

لوہاری دروازہ، لاہور۔

اعظمی۔ کانپور

از دفتر حلقہ ادبیہ

زردہ تمباکو کی کانہایت خوشبودار ورق والا اہل بلا ورق والا صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

افکار شفیق

(جناب شفیق صدیقی ایڈیٹر وحید العصر جو پور شاگرد مولانا حسرت موہانی)

یہ کون آ کے سر قبر بے نقاب ہوا ہماری خاک کا ہر ذرہ آفتاب ہوا
کبھی نہ طالب دیدار کامیاب ہوا اُنھی نقاب تو وہ حسن خود نقاب ہوا
جزاے خیر دے اللہ حسن والوں کو کسی کے دل کا دکھانا انہیں ثواب ہوا
ابھی تو آپ کا دیوانہ اپنے ہوش میں ہے بہار آئی کہ وہ خانمان خراب ہوا
مگر لحد بھی جگہ ہے عجیب راحت کی کہ پھر نہ چونک کے اٹھا جوت خواب ہوا
وہ نامراد ازل ہے تمہارا شیدا ئی کبھی نہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوا
جہاں کسی نے الٹ دی نقاب چہرے غضب کا عالم ہستی میں انقلاب ہوا
وہ دل جو شاکی تقدیر تھا محبت کا تمہارے ایک اشارے میں کامیاب ہوا
کبھی شفیق کی توبہ نہ رہ سکی ثابت
ہزار مرتبہ وہ تارکِ شراب ہوا

عبودیتِ عبد

(مولوی عبدالشکور صاحب بیگزہ سکول نوآباد کراچی تلمیذ حضرت شفیق صدیقی جو پوری)

خوب دشت نے کیا بے سرو سامان مجھ کو اب تو گھر بھی نظر آتا ہے بیابان مجھ کو
ساقیا خم میں پلا باوہ عرفان مجھ کو خود فراموش بنا دے یہ ہے ارمان مجھ کو
کون سنتا ہے محبت میں نصیحتِ ناصح یا خدا کے لئے تو کرنہ پریشان مجھ کو
ہے عجب غم کی جگہ عالمِ مکان اے دل نظر آیا نہ یہاں کوئی بھی شادان مجھ کو
چارہ گر کوئی جنون ہے نہ کوئی بیماری حیر جانان نے بنایا ہے پریشان مجھ کو
جی مرا صحبتِ احباب سے گھبراتا ہے لے چلے جوشِ جنون سوئے بیابان مجھ کو
مدتوں سے حرمِ دیر میں ٹکراتا ہوں نظر آتا ہی نہیں جلوہ جانان مجھ کو
عبد میں کانب رہا تھا سرِ محشر لیکن
خلد میں ے کے گئی رحمتِ یزدان مجھ کو

تو ام تبا کو خوشبودار ورق والا اور بلا ورق کا رفا نہ صغر علی محمد علی تاجر عمر لکھنؤ سے منگائیے

جواب تہنسارات

رسالہ مرقع جلد ایک نمبر ۲۔ مابت ماہ فروری ۱۳۴۵ھ
میں کچھ تہنسارات ادبی و شعری بجانب جناب انیم خلف حضرت
وسیم خیر آبادی چھپے ہیں، ان کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

تہنسار اول

۱۔ کھنڈو ہم پر خدا اور ہم ہیں خدا کے لکھنڈے
کیا خدا کے کوئی فیہ۔ اے، جانے، کھائے،
اُردو کے۔ اور برائے اور سوائے فارسی و عربی کے کوئی
لا سکتے ہیں۔ اور کتا بت میں پیابندی تلفظ فانیہ سے بھول
لکھی جائے، کیا ہجو اضافی۔ بحالت عدم جواز توجیہ کی ضرورت ہے۔
ادب و صورت جواز اساتذہ کے کلام سے شاملین (بحر حضرت فاضل)

جواب

اہل ایران جن اسمایا امر کے اخراجات ہو ایک یا بے بھول ٹھائیے
ہیں، جیسے سے نظیری

گر بہ سخن در آورم عشق سخن سر لے را
بر بود دوش سر ہم گر یہا میاے را
گل بجز ان شگفتہ شد، وین دل بیت و نشد
دربن، خفت لے بخت گرہ کشاے را
سرا، اور کشا امر کے صیغے ہیں ان پر نیلے زائدہ کا اضافہ ہے۔

نظیری۔ دین ادیب اگر بود زمر سے مجھے
جمہر بکتاب آور و طفل گریز پائے را
پیش نظیری از فلک درد لے ہم کہ بہت
بر در شہ اثر لے نازا کن گداے را
یہاں اسمائے پا۔ گدا۔ پر نیلے زائدہ ہے۔

جن الفاظ عربیہ کے آخر ہجو ہوتا ہے اُسے حذف کر دیتے ہیں
جیسے سودا۔ حمار۔ صبار وغیرہ مونث کے صیغے ہیں۔ ان کو بغیر
ہجو لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہیں۔ خاقانی
مرغزل کا الانین فرد آور۔ دو کتاے زمین طوطا لشعرا
گراؤشت وین ایستادہ ام شاید نشستہ با زمین پائے با و ما
الشعرا اور سار دونوں ہجو کے ساتھ ملے مگر ہجو حذف
کر دیا۔ پھر لوگ عربی الفاظ سے ہجو گرا کے یاے زائدہ اُس پر
بڑھائیے ہیں۔ جیسے راضی تدبیر و خرد کو رلے لکھتے ہیں۔ اور
صبار۔ رداے اور باے وغیرہ۔ پھر اس یاے زائدہ پر اگر لکھو
یاے وحدت یا تکبیر وغیرہ لانا ہوتی ہے تو یاے زائدہ کو بصورت ہجو
اور یاے ثانی کو بصورت یاے بھول لکھتے ہیں جیسے تنائے دام“
جنگ آزماے وغیرہ

قاعدہ تقطی یہ کہ ہے کہ جن اسم کے آخر میں یاے زائدہ ہو اور پھر
کسر و اضافہ لائیں کہ جبین یا شاع کی وجہ سے یاے بطنی پیدا ہوئی
ہو، اس یاے بطنی کو نہ لکھیں بلکہ کسر و اضافہ ہی کو سیر ہو
اور صرف ایک ہی، لکھیں، کیفایہ دوسرے مقامات پر اس یاے
بطنی کو کتا بت میں نہیں لاتے ہیں۔ تقطیع میں البتہ بجائے کسر
سے لکھ کر تقطیع کر سکتے ہیں۔ سہ خواجہ وزیر

چلاے لے دل راحت طلب کیا شادمان ہو کر
نہیں کوے جلمان بچنے کی آسمان ہو کر
دل اور زمین پر اضافہ میرے کہ جس سے تقطیع میں یاے بطنی پیدا
ہو جاتی ہے اور بجائے ایک حرف اسکا شمار ہوتا ہے مگر شعر میں
لکھتے نہیں۔ لیکن یاے زائدہ پر جب اضافہ یا شاع لاتے ہیں تو اس

گوئی تبا کو رقی و اطلالی اور نقری جو کارخانہ صنعت علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی تیار کی ہوئی ہیں ایک رسالہ کرنا پیش کیجئے

کہ اسکو حذف نہ کیا جائے۔ مگر شعرا ہائے منظمو کو بھی گراں نیت ہیں علیٰ ہرگز
اعلا دین۔ سہ عرفی

بلکہ یا زودہ عقدے کہ ان کو لہوڑا علی ست ابرمطیہ و متول دیا بار
مولوی روم

بعد سے دوسرے شب حیران و زار بردگان ششستہ بد تومید و وار
اسی طرح اردو کے یہ اور وہ میں بھی ہائے منظمو ہے، جیسے فارسی میں
جی چاہتا ہے۔ باقی رکھتے ہیں اور جی چاہتا ہے حذف کر دیتے ہیں۔

یہی حالت اردو کی بھی ہے۔ جامی
تو یہ زے کردم آمد بہار ساقی تو بہ شکم آرزوست

نوزدہ حرفت ست بوقت شمار فیض رسانندہ بہرہ ہزار
پہلے مصرع میں تو بہ کی ہے ساقط دوسرے میں باقی ہے۔ اسی

طرح نوزدہ کی ہے ساقط اور ہر وہ کی باقی ہے۔ آخر ش
گرفتار آہن زنجیر کا یہ دہ طسلائی کا

دونوں ہاؤن میں ہیں۔ اسیر
ہوں وہ غمکش بچھ گئے جب غل آدمی کسیر میں سپہمہا باغ میں فرش شمع ہو گیا

اس شعر میں یہ اور وہ دونوں کی ہاؤن ہے۔

کبھی ہائے محقق کو بھی باقی رکھتے ہیں۔ سہ خاقانی
آنچا شدہ بیکدم کہ بہرہ ز گشت زانجا ہزار سال ریش ہوتا جلال

ان تمام حالات سے معلوم ہوا کہ ہائے منظمو اور محقق دونوں بقاعدہ حذف کا اختیار
سمہ میں تو ہائے منظمو ہے اسکا قافیہ تو ہے اور نہ ہے۔

ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ ہائے محقق قبل کسور کا بھی قافیہ ہے اور نہ ہے
سے غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس جملہ میں۔ شیشہ میں آب بست

یہ سے کھنے کو نہ نہیں کہتا کیونکہ ہائے محقق قبل کسور قبل کہانی نہیں پھر
یہ سے تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان حالت میں یہ سے
کھو لیکن ہاں اس میں اکثریت کے ساتھ ایسے عمل پر کیا آئیے کھتے ہیں۔

اضافت کے بدلے ایک دوسری یا عتاتی بھی کھتے ہیں نظیری
خلک مزدور ایسا ئے تو باشد نواز دہر کار ار اسے تو باشد
نیا دارم زخو دہرگز دلے را کہ می ترسم درو جائے تو باشد
مگر حفظ پہلو پر جب اضافت لاتے ہیں تو کبھی صرف واؤ کو متحرک کر دیتے ہیں
اور کبھی پہلو سے برون فعل لاتے ہیں، اور کبھی پہلو سے برون فعل
یعنی واؤ کو نہیں پڑھتے اور بائے رائے پر صرف کسورہ کو یہ پڑھتے ہیں
مگر کسورہ اشباعی کو یہ سے کھتے نہیں جیسا کہ ایا ئے اور جائے
میں کسورہ کا اظہار دوسری یا سے کرتے ہیں جیسے سہ
پہلو سے من اڑ کسے آیا دشد

یہ تحریر بھی متفقہ اسکی ہے کہ ایا ئے۔ اور جائے وغیرہ کو بھی ایک یا
سے کھتے ہیں اور کسورہ اشباعی اضافت سے وقت قطع بنا کر قاعدہ قطع
ایک دوسری یا سے بطنی پیدا کرین اور کھتے ہیں۔

قاعدہ کو مان کر فرائے اور ایا ئے وغیرہ کے ساتھ آئے اور
جائے کے قوافی درست نہ ہونگے۔ مگر اردو کے کاتب ان قوافی کا
اجتماع صحیح ہوگا۔ اور یہ قوافی معمولی کمالیٹنگے۔

فارسی میں علامت اضافت کسورہ ہے۔ دہ ہمزہ۔ اجزاء
کتاب وغیرہ میں صورت یہ ہے کہ بنا بر تحریر عربی ہمزہ باقی رہا ہے۔
مگر فارسی ترکیب میں اس ہمزہ پر کسورہ اضافت بھی ہے۔

دوسرا استفسار
نقطہ سمعی (تین) میں ہائے محقق ہے یا منظمو۔ دہ اور

ملہ کے قوافی میں یا نہیں سہ
طرح را سہ حرفت دہرستی

دوسرے سمہ میں اشباع کسورہ ہے۔ یا ہائے منظمو۔ اگر ایا سے بطنی ہے
تو اسکا قافیہ سے، زہ سے جائز ہے یا نہیں اسکی مثل غلیت ہو۔
جواب :- اعداد میں ہمیشہ ہائے منظمو ہے۔ قاعدہ متفقہ اسکا ہے

کارخانہ صفحہ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نوابا و قمرس تمباکو سہ خوردنی کی قیمت فی شیشہ عطا دہ محصول ہر

یائے بطنی کہاں سے آئی، کیا تسکا اطلاق میں مکس ہے۔
کیا اس میں سے نہیں ہے۔ چاہے محقق ہوا منظور۔ جب ہے تو
یائے بطنی کا محل نہیں۔

جیسے اردو میں۔ زمانہ ہو گیا کا قافیہ جانا ہو گیا لاتے ہیں۔
فارسی میں اسے محقق غیر محذوف کا قافیہ کبھی الف کے ساتھ نہیں لاتے۔

تیسرا تفسیر

ہوئی یا ہوئے کا اطلاق دینے سے لکھا ہے یا ایک سے۔
اکیس عدد لئے جائیں یا اکیس برفزن فعل، ایک یے ماننے کی وجہ
معلوم ہونا چاہیے۔ کیونکہ بے، ہوئے وغیرہ سب فعل کے وزن پر
ہیں اور ان میں دو یے مان کر پچاس اور چوبیس عدد لیتے ہیں۔ نہیں
وزن کا لحاظ کیوں نہیں کیا جاتا۔

جواب۔ خوشنویس لفظ مسئلہ کا اطلاق ہوئی یعنی بابت
کی یے لکھا اس پر ہمزہ بناتا ہے۔ دوسر کوئی ممکن ہے صرف ہے پر
ہمزہ لگا دیتا ہو۔ تاریخ میں اعداد کا مارکنا بہتر ہے۔ اور قافیہ لفظ
پر۔ خوراک کے اعداد دو سو ستاسی ہیں۔ مگر قافیہ کشی اور روشن کے
ساتھ ہو سکتا ہے۔ جب لکھا اطلاق دینے سے ہے تو ہمیں ہی عدد
بیتا چاہئیں۔

ہوئی، ماضی موند واحد اور ہوئے، ماضی جمع تذکرہ کا وزن
تو اردو میں فعل، باخبر ایک ہی ہے۔ ہان ہوئے، صیغہ مضارع یا
خائب البتہ بروزن فعلن ہے۔ وزن اعداد کی کمی یا زیادتی کا
باعث نہیں، بلکہ تحریر ہے جو ان الفاظ کو ایک یے سے لکھا اور ہمزہ
بناتا ہے وہ دس عدد پچتر کہتا ہے۔ اور جو دینے لکھا ہمزہ بناتا ہے
وہ میں عدد دانتا ہے۔ ان دونوں الفاظ اور لئے و لئے کی حقیقت
میں فرق ضرور ہے۔

اُردو کا قاعدہ یہ ہے کہ افعال میں جب یائے تانیث یا جمع

ہماتے ہیں تو ان یا آ کے قبل کس کو ہوتا ہے۔ جب ہولے الف
ساقط کر کے یائے تانیث ملائی تو و او کو تانیث قاعدہ متحرک کس کو ہوتا ہے
گردا گرد کس قبل معلوم ہوتا ہے اس لئے جتنے نزدیک یائے قافیہ
اضافہ ہے وہ تو ہمیں عدد لیتے ہیں اور جو ہمزہ ہوتا ہے میں ہوس
عدد لیتے ہیں کیونکہ ہمزہ کا کوئی عدد حمل میں نہیں ہے۔

برخلاف لئے۔ دئے کے دونوں میں ایک یے اصلی ہے
اور دوسری جمع کی بڑھی ہے، وزن باعث کئی زیادتی اعداد نہیں ہے۔

چوتھا تفسیر

”قدم“ کی جمع عربی میں اقدام آئی ہے۔ لیکن ثلث خرما کثرت
نے ”قدم“ کے معنی لکھے ہوئے (عربی اسم تذکرہ (۱) قدم کی جمع
(۲) کسی جگہ سے آنا۔ تشریف لانا۔ یہ جمع عربی کے اعتبار سے غلط
ہے اور اقدام صحیح۔ لیکن اسنادہ فلاس نے دیگر اوزان کے موافق
کلام میں بانہ دیا ہے۔ ہان بختین مصدر ضرور ہے۔ جسکے معنی نمبر
دوم میں لکھے گئے۔

نوٹ۔ بختین کے خود سمجھنے سے راقم قاصر ہے۔ اگر کجی
اہل فرس کا کوئی شعر قدم جمع میں یاد ہو تو لکھے۔

جواب۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ قدم معنی گام کی جمع عربی میں اقدام
ہے۔ میری نظر سے بھی فارسی تک میں کہیں نہیں گزرا کہ قدم جمع
قدم ہو۔ جہاں کہیں قدم آئے وہاں سے مصدری بے شک
درست ہو جاتے ہیں۔ یا تو ثلث خرما کثرت کو قاصح ہو گیا ہے، لیکن
ہے انہوں نے کہیں دیکھا ہو۔

بختین سے مراد مولوی سید احمد صاحب کی لفظ قدم ہے
میں جہاں قدم بختین معنی گام ہے وہاں اسکے معنی مصدری بطنی
ہیں، یعنی وہ معنی جو مؤلف نے نمبر پہن لکھے۔ عبارت واضح
نہیں، اس لئے سائل کا ذہن لفظ قدم کی طرف متصرف رہا۔ اور

”برق“

پریشان ہونے کے داو کے ہوتے ہوئے یہ لفظ جتنیں کیسے ہوگا۔

پانچواں استفسار

عربان جسکے معنی لغت میں برہنہ کے ہونے اور صبح و شعلہ
دینے کی صفت میں متعلیٰ ہوتا ہے (اسکے بعد سائل نے عربانی شعلہ
و تیغ میں دو شعر صائب کے۔ اور صبح کی مثال میں بتیل کا ایک
شعر لکھا ہے جو مخون بہا نگہ میں موجود ہیں) اسکے بعد پوچھتے ہیں
عربان کے اور کیا معانی ہیں۔ اسکے علاوہ اوگن کن چیزوں کے
صفات میں آتا ہے مثال دو۔

آج کل عربان اور عربانیان بصورت جمع ظاہر و عیان کے
ممنون میں متعلیٰ مہربا ہے۔ ان ممنون میں اسکا تھماں کماں
درست ہے۔ و در صورت جوار مثال کی ضرورت ہے۔

جواب۔ جو یہ اشعار آپ نے ہمارے گمے لکھے ہیں جن میں
شعلہ عربان آیا ہے۔ یا ہے

بوسے خون می آید آرتیے کہ عربان می شو

یا ہے

صبح تیغش مابا باغ میدہ عربان می شو

۳۳

پانچ مسئلہ اعم

ان پر اگر آپ غور فرمائیں تو انہیں مسئلہ بن غمور و عیان کے معنی
موجود ہیں، کسی دوسری مثال کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عربان کے
معنی برہنہ از لباس جو فحشی اور رقصہ ہیں، اس مسئلہ میں صادق
نہیں آتے۔ پھر میں نے شعلہ کا لکھنا یا مشرق سے صبح کا برہنہ ہونا
یا نیام سے تیغ کا نکھنا جسکو عربانی کے ساتھ متبیر کیا ہے وہ خود بحثا
خفا سے ظہور ہے۔ پھر اگر برہنگی کے معنی ظہور اور عیان کے جو
لازم معنی ہیں لئے جائیں، تو کیا مرجع ہوگا۔ مجازی ممنون کے لئے
کسی سند کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ صرف علاقہ کا پایا جان کافی
ہے۔ اور یہ بیان موجود ہے۔

الا یمان عربیان و لباسہ اللقویٰ میں بھی عربانی
لباس اپنے وضعی معنی پر نہیں، استعمال اور مجاز کا دخل ہے
جب اربان، شعلہ اور صبح کو عربان کہہ سکتے ہیں۔ تو تجارت وغیرہ
کی صفت میں لائے تو کون مانے ہے۔

ختم شد

سید اولاد حسین شادان بگلرامی

سینئر پروفیسر آف انٹرنل کالج۔ لاہور



تقدیر سی

(جناب یہ محرابی صاحب آدمی جلی شری بی لے ال بی کیل میگزین)

رونگے پیراں چون بستان دہم	لذت کشیم شمشاد دل جان دہم	نغمہ خوان در لاکھ نشانی کردم گزار	نارنگہ حسنیت ملنے دل جان دہم
سنباش تاریکی غم از دل غم بود	از رخ پوش چمن مہر تابان دہم	قلب بیتا ہم کہ تیر نکاحم غم بود	لذت سبز بر زخم حریفان دہم
نبت میں ستر شادنا یک جہان و	روزگاہ ہم ہواں پریشان دہم	کرد افسوں چون نگاہ قدما نازن دہم	از بہ معنیان او بخر جان دہم
حلقہ در لکھ پش چمن بردوزن	گو یا جسم ہوا رم راز ندان دہم	ہر دے یکتا زہ سیرا بچہ شمع دہم	ہشک لود جو ہم آورد و طوفان دہم
عبار روز بروز جام کہ ہنگام خوش	نایا دارم چہ پاتی حمد و چنان دہم	نازہ شویش سید ہم ہر جا دہم	خدا ہر باسے غم از بیا بان دہم

کارخانہ منہ غفر علی مہاجر عطر لکھنؤ کی ایک شخ چاندنی جو کہ ہلکی اور ایک شخ مگلزار احوض حیدر آباد دکن میں ہے

تفسارات ادبی و شعری

از جناب: ایشم - خلف حضرت عجم - خیربادی

بدلائل ملنا چاہیے۔

(۵) گل مرقعین تھے چاک گریبانوں

اس مصرع میں ”مرق“ کی جمع مرقع قرار دی گئی ہو لیکن دیانت طلب یہ امر ہے کہ یہ جمع کس قاعدے سے بنائی گئی، اگر تے مرقع کے آخر میں لگا کر اسکو اردو کر کے جمع بنائی گئی ہے تو ”مرقے“ ہونا چاہیے۔ اگر مصرع مرقومہ بالا میں اس طرح سے پڑھا جائے تو حین تقطیع سے سافط ہو جاتا ہے۔

اگر جمع بنانے کے لئے مرقع میں صرف تے کے فو کو کسر سے بدل دیا، اسی طرح اسکے مثل اور اشال معلوم ہونا چاہئے۔ وغیرہم، تو اسکا کوئی قاعدہ اور مثال معلوم ہونا چاہئے۔

(۶) عرصہ یعنی مدت صحیح ہے یا نہیں کیونکہ عربی میں معنی میدان متصل ہے۔ اگر صحیح ہے تو اسکی مثال کلام عرب یا ہذا، فرس سے عنایت فرمائی جائے۔

(۷) ”تروید“ یعنی رد کرتا۔ اس لفظ کو اردو قرار دینا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ عربی ہے اسکے معنی لغت میں ”باز گردانیدن“ باز آوردن۔“ زبون و فاسد گردانیدن۔“ بیا گردانیدن“ دود و در نمودن کے ہیں۔

(۸) ”سر پرست“ یعنی مربی۔ اردو قرار دینا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ فارسی میں اسکے معنی ہمارا اور خادم و پیار دار و پرستار بیمار۔ و موصفت مرہن از دوا و خدا کے ہیں۔

(۹) ”جذبات“ بمعنی کیفیات روحانیہ اسکو اردو قرار دینا چاہئے یا نہیں؟ آج کل اس پر بہت بڑی بحث چھڑی ہے متعزز نے اس پر تین اعتراضات کئے ہیں۔ انکا جواب منسل

(۱) جذبات - اگر جذبات (سکون ذال مجہ) کی جمع ہے تو اس جذبات کے دو معنی ہیں۔ ساقف - (حصہ راہ) - سوت کی لکڑی - اگر جذبات (با تحریک) کی جمع ہے تو اسکے معنی کھجور کے گلابھے کے ہیں۔ (۲) جذب عربی زبان کا لفظ ہے۔ اسکے معنی کشش ہیں، مگر جذبہ بمعنی جذب عربی زبان میں متصل ہے، یا ہل فاس کا تصرف، لہذا جذبہ بمعنی کشش اب فارسی ہے، عربی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی، صاحب علم کے کلام میں ات کی جمع کے ساتھ یہ لفظ بمعنی کشش موجود نہیں ہے۔ (۳) اگر جذبات بمعنی کیفیات کوئی جدید اور موصطلح ہے تو یہ ترکیب فارسی یہ مضاف ہو سکتی ہے، یہ مضاف الیہ، ”ذ“ و ”کے“ ساتھ، الہا کا عطف جائز ہے (اگلے شعر) اس قسم کا عطف جائز سمجھتے تھے، مگر بعض نے تصریح کر دی ہے کہ یہ واو، اور، کا تخفیف ہے۔ فارسی کا واو عاطفہ نہیں ہے۔

یہ تخفیف بضرورت کی جاتی ہے۔

(۱۰) ”عورت“ بمعنی زن، اردو قرار دینا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ عربی میں اسکے معنی زن کے نہیں آئے ہیں اسکے متعلق اراخہ الاغلاط میں شوق نیوی مرحوم تحریر کرتے ہیں کہ بعض اجلہ عصر نو شک کہ معنی زن و حرکت نامہ - گویم - فی المصلح - المیز قبل المنسوع و عورتہ قبیح انظار الیہا“ اکی تحقیق مدلل بحر فرمائی جلد ۲۔

(۱۱) ”تحرک“ بمعنی پیش کرنا اسکو بھی اردو قرار دینا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ لفظ عربی ہے۔ اسکے معنی لغت میں حرکت و دادن و گاہے ہذا بمعنی رغبت دادن و در دادن کے لکھے ہیں لیکن عربی نے

الکتاب کو عطر خاد کا رہے تو صرف منظر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

”دریغ“

۴۵

مارچ ۱۹۲۲ء

دسوات و سوات و سنین نوشتہ بس این غلط دومست از محشی
زیرا کہ دستہ و دون نیست پس جمع اک سنین بوزن فعل بوزن
چگونہ باشد کہ نگفتہ شود سنوان بحالت نصب و جبرین میگردد
ولیکن اینجا حالت نصب و جبر نیست ۱۲ گوید اصل صبا ۱۲ سال سنین جمع
بہار و این غلط است و مبنی سال سنین بہار است و جمع او سنین
و شعرا کہ بیدش ذکر کردہ و دران شعر سن کہ سنین مملہ و تشدید لون
معنی مقدار عمر جمش اسنان است: سنین یعنی سال

از خلاصہ بہار نگہ حاشیہ مصطلحات

جناب شوق از احاطہ الاغلاطین یون تحریر فرماتے ہیں :-
سن - بفتح بجاے سہ مبنی سال با وجود نقص کلام ریا
یافتہ نشد و نہ از ایرانیان و اردہند مسموع شدہ، اگرے صاحب

ہما نگہ ازین شعرا الہ ہر دی اسناد کردہ
توقف تو درین سن بکام عمر شریف شد دعاے آنکہ شوی پیر صوابی کہ
ما چون نیک نگینہ دینچا سن با کہ مبنی عمر باشد کس راندی رسد
کہ سن را مخفف سنہ گوید - چہ درین باب اتہمال نصحا پر ضرورت
کو تا ہی سخن و صحت سن بفتح نامل است -
پھر حاشیہ پر یہ تحریر کرتے ہیں -

”صاحب فرہنگ جہا گیری معنی سان نوشتہ است چنانکہ نسخہ
کہ درند کورہ پیدا است - کا تباں بجای سان - سال تحریر کردہ
اب اس لفظ کے متعلق جو حقیقت ہو وہ دل تحریر فرمائیے -
”آئیم خلعت و نیم - از خیر آباد

ایک جگہ کہا ہے
فلک یسح تو دوشید نہ کرد و کریم چنانکہ لفظ یہ نزو بکث اسنان
(۱۲) اختلاف - معنی لغت کے معنی میں جو عام طور سے
سمجھا جاتا ہے - یہ صحیح ہے یا غلط؟ کیونکہ عربی میں اس کے معنی ناموس
کرون - پیش کسلا و شد کرون و ہم فتن و نوعی حکم فتن - و غلیہ
مکسے گوید ان کے ہیں -

(۱۳) تبادلہ کا لفظ تبادل، یا مبادلہ کے معنی میں متبادل

ہے - یہ صحیح ہے یا نہیں؟
(۱۴) تجویز - عام طور سے بولا جاتا ہے کہ فلان شخص نے
فلان تجویز پیش کی، جسکو انگریزی میں رزلوشن کہتے ہیں - اسکو اردو
قرار دینا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ عربی میں اس کے معنی رواداشت
و اگر وادیند کے ہیں -

(۱۵) ”آسن“ بفتح سین بوزن مبنی سال، اس کے متعلق
حضرت آبرینائی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ ”سن یعنی سال کہین
نہیں بلکہ فارسی میں بہت سے ش کی کئی مند قابل اعتبار نہ ملی -
مبنی میں سنہ ہے - اردو میں بغیر ترکیب اگر سن مبنی سال
کئی کے تو اصل چو سکتی ہے - محققین اسکی جگہ سال لکھتے ہیں
خلاصہ بہار نگہ حاشیہ مصطلحات میں ہے -

در بہار سن - فی تصریح و منتخب سن سال و عمر فقال
کم سنک یعنی سال تو - صاحب ہما نگہ ہم باین معنی آورہ ہیں
غلط گفتن غلط محشی است - و در قاموس و صراح جمع سنہ سنوان

میر حسن بلوی کے مطلع کے جواب پر بیان سن نام

شکلیں تہرزی شاہ تہا صفوی کے عہد میں اردو قہرین ہوا - اتفاقاً اس وقت
صاحبان مع حسن بلوی کے اس مطلع کے جواب کہتے ہیں
لے شہد نوشین است پاکار ہر کہ کوئی نہیں کہتا باز آری نہ تم خون باہد
و قلم نگاری - راخو زار و زار و علامہ سنانا و نگاری

عطر حجاز صفر علی محمد علی تاجر عطر گند کے کارخانہ کا بیابا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے -

۴۶
ذکر خیر

اُردو اخبار و جرائد پر مختصر ضروری نوٹ

مضامین مختصر تنقید و ترقی قوتاً خاص طور سے کی جائیگی جس کا ہر فن کوئی تعلق نہیں ہے۔

جبرائیل

اخبارات

(۱) روحانیت: یہ جبرہ ہندوستان کے مشہور عالم دوسرے الکیات کانپور کے روح رواں تصوف و روحانیت کے حامی جناب مولانا آزاد جانی صاحب کی ادارت میں نکلنے لگا۔ گوکہ پورے شائع ہوا ہے۔

اس میں ۱۸۶۲ء کی تقطیع کے بعد ۲۲ جزو تھے جن میں جنوری ۱۹۲۵ء میں اس کا پہلا
قبر اچھے کاغذ پر لکھا گیا تھا جس کی کڑی ساتھ ایک مہم صاحب کے طبع سے چھپ کر دنیا
عالم ہوا۔ ابتداء پر ہی گوگرد پر مبنی چھپتا ہوا اور گولکھاٹی چھپائی اور کاغذ کا
سے پہلی سی قلمی خوبیاں ۱۸۶۲ء میں مبنی مگر مبنی تھی اس میں روز افزون
ہوا اس کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ زمانہ موجودہ کی برہمنی ہوئی ناپید کی روایت مگر کرنے اور
روحانیت کو نکالنے کے لئے روحانی تحریک قائم کی جائے۔ اسی تحریک کے ذریعہ سے مائت
کا اس طرح مقابلہ کیا جائے جس سے دین دنیا دونوں کی سبب دی ہو اس تحریک کے عملی
جانب پر نہایت کیلئے اسکے چند غرض و مقاصد اور مبنی۔

(۱) روحانیت کے مروجہ اعتقاد کو عقل و نقل کی تائید و ن سے تازہ کیا جائے۔

(۲) روحانیت کی تعلیم دینے کے لئے روحانی زندگی کا طریق و نظام پیش کیا جائے۔

(۳) روحانی تعلیمات جو مضمحل اور قریب قریب معدوم ہو چکی ہیں از سر نو پیش کر کے انکی رونق عام دعوت پر لایا۔

(۴) روحانی کا رنا مے اور سورج پیش کئے جائیں

۵) روحانی ضروری کتابوں کی شرحیں خصوصاً قرآن پاک اور احادیث کی روحانی تفسیریں کی جائیں۔

یہ خلا صد ہے اُس معیار اُس نشانہ اور اُن غراض مقاصد کا جو مجھے معلوم ہو
سکے ہیں انہوں کی بنا پر اسکا اجرا ہوے ۔

راہیہ امر کہ ہنگو کہانک ان دینا کامیابی ہوئی اسکے لئے ضرورت ہے کہ اس کا مطالعہ

(۱) غریب نواز نے یہ خط لکھ کر تیار ہوا کہ قدیم حضرت شفیق جناب مولانا حسن میاں مرحوم دہ مخدو دارین حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب دارین جی پہلوئی ظلالہ العالیہ کے برادر عزیز خانجانیہ مولانا شامس الدین صاحب کی ادارت میں پہلواری شریف (پٹنہ) سے پہلے ایک کتب خانہ کے صفوں پر شائع ہوتا ہے کہ قضا چاہے رکھا ہی اور چھپا ہی بھی نہ تھا ہے یہ واقعہ میں ہی تیار ہے۔ موصوفیہ رنگ (جو غالب پوچھا جائے) سپر غالب ہے ہر وقت اس میں قوتی ضرورت کے لحاظ سے زیادہ تر خود حجاز کے متعلق جدید مضامین، مباحثات دیگر اسلامی خبریں دارین محمود کھلان مباحث شائع ہو رہے ہیں۔

اگر وہ صبح سیر کر چلتا رہا تو آئندہ اس بہت کمچڑھتی کی امید رہے گی کہ بہین باخصوص طبعہ ہونی و نہ سچا کیے، چھ اکر گن نہ سکتا ہے، یہی سالانہ قیمت ۶۰۰ روپے شریا میں ہرگز (۲) نولہ لاکھ ملے ہوں۔ یہی ہندو اخبار ۲۴ جون ۱۲ ص ۱۲ صفحہ ۱ پر شریا اخبار خود:

غلام نقشبند نقاش برہم الاہود سے شیعہ ہو گیا اس کے انکار پر میر خاں بلخ الدین احمد صاحب
تاج پور نے اس وقت جو سند یافتہ دارا خاں شہید سے ہو کر انہیں اس کے بیٹے ناصر صاحب
پر کہہ دیں جن پر کے علاوہ خصوصیت سے نہایت بلند اثر خیر صوفیہ دارا ولی پور مسلمان
ہوئے ہیں اور ان کے سزا دینے خیر خاں بلخ کی کوشش ہے کہ ان کے ذریعہ سے علمی ادبی کارناموں
شاعرانہ خدمات اور وفادار خدمات کی خاطر ان کو شہادت ہو اور دارا خاں صوفیہ دارا ولی پور کے

ذریعہ مرقومہ بلا مقاصد جو نائد ملک کو بیخبر رہا ہے اسلحا سے ہفتہ وار بیخبر کے

سدا کریم جانبی کو کامیاب بنائے اور ملک خوشحالی بہت ازراستی کرے۔ مسکینانہ قیمت ہے۔

(۳) امرا و کاغذ پور: ملک کے مشہور اشراف و اہل درو کے خاص حامی جناب منشی یلماز ان

صاحبِ کلم کی بیڈری کا شکوہ مرفوعاً حاصل ہے۔ زمین ملک کی ہرقم کی ضروری خروج کے

سوا اور دھرم و شر کی جھلک بھی خالص طور پر نظر آتی ہے۔ اس لئے اس سے یہ فہمہ دار ترقی کرتا ہوا

شایع ہو رہا ہے اسکی سالانہ قیمت ۴۰۰۔

صنعتی محمد علی تاجر عطر کھنوی کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ ہے

سلسلہ وار غور و فکر کیا جائے۔

امید ہے کہ طالبان تعلیم و احسان کا دل سے غیر مقدم کریں گے اور وہ ناکامی سے وجہ انشائی کی یاد دہانی کی ترغیب حاصل کریں گے۔

یہ تہائی اہم کام ہے کہ اس میں ہر موشی اور ہر درویش اور ہر صاحبِ معرفت عالم کو حصہ لینا چاہئے اور اپنی تہمتیں لے۔ اور قلمی مدد سے مولانا کی ہمت بڑھانا چاہئے۔ اس کی قیمت تے سالانہ معصوم لاکھ ہے لکھ لاکھ تہمتیں دینا اور احسانیت کو رکھ پور۔

(۲) اور دس سالی قلمی میں اس مشورہ سے غافل نہ بنیں کہ ۲ سال خیر و خوبی سے غم کر کے جنوری ۱۹۷۷ء سے چوتھے سال میں تمام چھاپا گیا یہ دارِ اسفلت اور دارالادب ملی سے

نہایت اہم کتاب کے ساتھ چھاپا جائے اس کے لیے ریاضی ہمارے کو ضرورت ہے کہ چھاپہ کاروں سے اس کا فنڈ کھائی چھاپائی ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔ یہ ۱۰۰۰۰ کے ۴۴ معصومین پر شائع

ہونا ہے جو کہ سب سے پہلی دینی مضامین نظر کی ایک کوشش ہے جلد ۱ قیمت غلام محمد کی ہے۔ (۳) زمانہ کا پیور نشی ویتار میں صاحبِ کلمہ کا اگر اردو کے لئے بڑا ناکامی ہو جائے

آپ کی ذات سے جو اردو اور ادبیات پر دو کو فائدہ پہنچ رہا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپ کے اردو کے سچے حامی ہیں ہر دور و دور میں اپنی سنی میں ان کے کردار میں ہر ہندوستان کا

نہایت مشہور جریدہ زمانہ جو آپ کے ادارت میں ۱۰۰۰۰ کے ایک قطع پر عرصہ دراز سے جاری ہے احاطہ بیان کی روشنی میں یہ زمانہ کی شہرت میں جب قدر آپ نے صرف کیا اور صرف کر کے

ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے اور آپ ہی کا ذوقِ سلیم ہے جو اس کو اب تک بنا رہا ہے۔ زمانہ اردو کے بہترین مضامین شہر و نظم کا مرکز اور تصاویر خاص کا اہم ہے اس کا فنڈ

خوب کھائی اور چھاپائی بہتر سے سالانہ قیمت صبر و صبر ہے۔ (۵) دل آگاہی یہ سالانہ کتاب کثیر تر باقی کی کثرت میں دینی غلامی و ریاضی و فرائض کے ساتھ دیکر آدھنی آگاہی کے شائع ہوتا ہے اور گو آگاہی کے لئے سخت سارے اس وقت جاری

ہیں گئے رسالہ دینی ہی نوعیت میں بہت خوب اور اردو کا ذوق رکھنے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہے اور ادبی دنیا کے لئے نئے نئے تحائف پیش کر رہا ہے۔ اس کا حجم ۱۵۰۰ کے قطع کے ۴۴ معصومین کا ہے لیکن اس میں کہ کتاب شہاب سا ادب کا دلدارہ و شمع ہی جن

کوشش اپنے ذوقِ خاص کی وجہ سے بہت جلد اپنے مقاصد میں کامیاب نظر آئے گی قیمت سالانہ

(۴) (المانی ملی) جناب لانا دوسری محترمہ لاریں حنائی ایڈیٹری میں یہ اخبار پہلے سے معصومین

پر غرضتین اولیٰ سے شائع ہوتا ہے یہ اخبار سالانہ کا نہایت بہتر و جمہوریت کا حامی رہا کی خدمت کرنا مولانا کیلئے اسلام کی صحیح خبر دینے والا ذوقیات پر خوبی سے نقد و تبصرہ کرنا

اخبار ہے کاغذ و صورت کے موافق اچھا لکھا لکھی چھاپائی صاف سالانہ قیمت ۱۰۰۰۰ کے ۴۴ معصومین (۵) ریاست دہلی۔ اردو کا بہترین ہفتہ وار اخبار ۲۰۰۰ کے ایک قطع پر دہلی

سے زیرِ ادارت جناب یون سنگھ صاحب معصومین شائع ہوتا ہے۔ اس میں زراعی مسائل نہایت اہم ہیں کہ یہ اپنے کاغذ۔ لکھا لکھی چھاپائی اور حسنِ ترتیب

کے لحاظ سے آپ کی نظر ہے۔ اخبار کے ۲۴ معصومین میں ان صفحات کے علاوہ ایک تصویر اخبار کے حسنِ

کو دو بار لکھنے کے لئے اس میں شامل ہوتی ہے۔ مثال اور اخباروں کے اس میں بھی اشتہارات کی کثرت ہوتی ہے اور ممکن ہے

اور اخبارات سے زیادہ ہوں جو ہر اخبار کی کامیابی کی دلیل کھائی جاسکتی ہے۔ لیکن اُس میں خوبی یہ ہے کہ جو اشتہار اُس میں درج ہے اُسے ایسے موزوں جگہ لائی

ہے اور اس خوشحالی اور دیدہ ریزی کے ساتھ درج کیا گیا ہے کہ جو کو اشتہار کے نام سے بھاگتے ہیں ان کو بھی حکم دیکھنا ناگوار نہیں ہو سکتا۔

مضامین کی شان بھی اعلیٰ ہے اخبارات کے علاوہ ادبی حیثیت سے بھلا یا بھلا شہر و نظم دونوں طرح کے مضامین شہر کے لئے اس کی طرف سے دینی ہوتے ہیں اور جو کچھ ہونا چاہئے

بہت خوب ہوتا ہے۔ میرے خیال میں عمومی حیثیت سے ہر شان کا شاید ہی کوئی اخبار ہو۔ اس میں سب بوجھ

ساتھ اپنی قیمت بھی مروت سے سالانہ اشتہار بھی کے لئے ہے اور ایک پرچہ کے ۲۰۰ کے لئے جاتے ہیں۔

(۶) غالب ملٹی۔ یہ ہفتہ وار اخبار خطیب العلما مولانا قاری حکیم نذیر احمد خدیجی صاحب کی زیرِ ادارت کلیان نشی و ادب کی پہلی نمبر سے شائع ہوتا ہے یہ خاص سلامتی اخبار ہے

مسلمانوں کیلئے اصلاح کا باعث اور ملک و قوم کیلئے بہترین کاغذ و بہترین مباحث و مضامین کا حامل ہے جو کہ اخبارات میں بہترین کاغذ و بہترین لکھا لکھی چھاپائی کے ساتھ اپنی قیمت لگاتار

اصغر علی محمد علی صاحب عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دینا سبب نہ ہو سکا

خیر مقدم ”مرق“

جہالت کے اندر میں چھلے گئی نکلا
 زمین بیاں لہلہ کرے دلیری نکلا
 اچھا لہو گیا میرے سپر رتیری نکلا
 مرقہ جو چھلے اندازے بکری نکلا

بے کاہم دانی عین غیثہ خدا اسکی
 بھائی دل نہا دو باہلی ادا اسکی
 بے کر دکر نگاہے خدائیں کا یہ نگاہتہ
 حصول علم و دانش کا جو چھلے گیارہ

کہیں اہل علم رات ترقی میں کرستہ
 کہیں اہل بصیرت کے نگاہیں جو پورستہ
 عجم علم اخلاق و ادب کا یہ مرقہ ہے
 دلوں میں کھیل گیا کے خفا کا یہ مرقہ ہے

عہد فکر اہل قلم شرم و ماحمی ہیں
 ترقی زبان ہے نظر اردو کے حاوی ہیں
 کئی پریشک دوستی بھائی شاکستہ ہیں
 ترقی زبان ہے نظر اردو کے حاوی ہیں

بے میں قریب قریب وہیں خوش زبان ہوں
 سکھائی ہے جناب محمد نے اردو زبان ہوں
 اردو چہ قیمت سے اسطرح ہوتی ہیں
 شاہراہ کا دل سے اردو زبان ہیں

کرین بٹل سے اسکی ہوا دیکھتے سال میں
 تمام جواب کو مل کر دو دھڑکیں ہوں
 بھلا اسی ہوں علم کے جگہ کا کیا کہنا
 لے سے منظور ہے ہر اک کا منظور نظر دہنا

مرقہ خیر عالم میں ہے گلہ رت بخت کا
 خیر ہے جناب فصل کی قابلیت کا
 غور ترقی دہا چہ عدلے ایک ہے جسم
 کہیں ہندو ملی لڑیکہ بکری خوش خرم

ہر اہل علم شاکستہ ہوں کے کئی کا
 جناب و فصل کے سر پر ہر اک باہلی کا
 خیر ہے مرقہ ہے مرقہ ہے مرقہ ہے

پلاس انداز سے لکھتے غور نگار آئی
 نظر ہر وجہ میں قدرت پروردگار آئی
 خوشی کا زینت جہان کے ہر اک کی ہے
 زبان پر خوش شادی و لون میں خوشی ہے

زین نے ہر جہاں رو دکھ کر کیا گئے دوسرے
 کمال کے خدیشم کے جسم کا بے ہوسرے
 عروسان جن نے اک لباس طرز پہنا ہے
 کہیں بھولن کی چادر کو بھولن گناہ ہے

وہ دیکھ لے ساقی تھیں جام شرب آیا
 جو لاکھ بجائے پی کرے حساب آیا
 ہوسے میں مت بھی یادہ علم سفر کی
 نہیں واسطی لے آج کل مختار ہیں ہی کے

کسی کے تھیں مان کر کسی کے تھیں مینا
 خدا کے ساقی دیکھ لے کوئی لینا
 دینے چاہے ہر بھل کے آواز میں لگاتے ہیں
 کہ دیکھ لے جو دنیا میں ہیں وہ نہیں پلاتے ہیں

سکھائی کوئے اندازہ بخواروں کو بیوقوفی
 بھی بھڑکے ساقی تھیں بھی خوشی
 نہ جانے آج پیاسا دوسرے کوئی زبردستانہ
 دوسرے ساقی ڈرلا لکھوں برس کا دھاندلہ

دیا جو کھانوں نے دہی پیے پلاتے ہیں
 حاصل باغ میں بیٹھے خوشی لگاتے ہیں
 ہیں ہی کھینچتا آج اس مرقہ کا رخ ہے
 جو فصل ملاری کا نیا نکلا مرقہ ہے

تاریخ اہل مرقہ

از جناب مخفی قلم الحق صاحب کارائشی پوری
 ”مرقہ“ مرقہ ہے اہل عقائد کا !
 رسالہ ہا ہا ہے چندستان کا
 کتابت بھی اچھی طباعت بھی اچھی

ہر اک سطر مانند سنگ گہرے
 ملاحت سے لیسے ہر ایک مضمون
 گھو تم بھی تاریخ سال اشاعت
 مبارک ہوا بل سخن کو مرقہ

خیر ہے مرقہ ہے مرقہ ہے مرقہ ہے
 خیر ہے مرقہ ہے مرقہ ہے مرقہ ہے

تاریخ اہل مرقہ ہے مرقہ ہے
 قریب جانی شوقی کیوں نہ ہو
 گلہ نہ ہمارے اسکا دوقی ورق
 آزاد ہیں ہر سطر لکھان کوئی

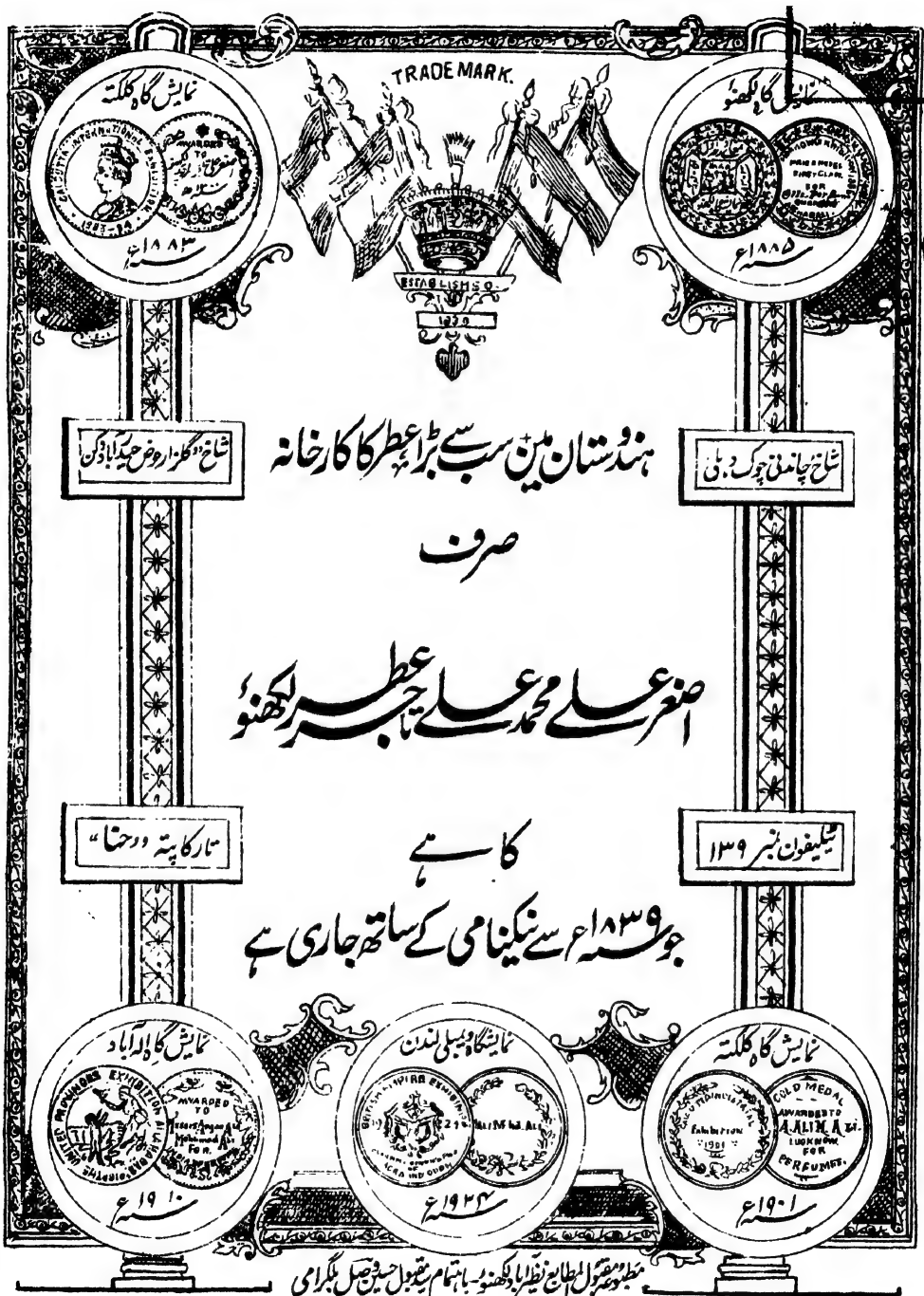
اس میں کے لائے سے مرقہ ہے مرقہ ہے
 مرقہ میں خوشی مرقہ ہے فصل کا
 تمام ماہر ان فن کے اصرار علی صاحبہ اللہ کے عطر کو بہترین عطر مانا ہے

بِکَرَامَتِ بَکِیَسْتِ زِطَرِ آدِلِکُ

مختصر فقہ شریعت بلگرامی بابت چہ بنی نظیر آباد دکنو

[illegible][illegible]

السر اقبال : شکوه ۱۲ جناب شکوه ۱۳ نالہ ۱۴ گہری اقبال ۱۵ بلال اربعہ و شاعر ۱۶ فریاد امت ۱۷ کل ترانہ ۱۸
تصویر درد ۱۹ سر خضر راہ ۲۰ طلوع اسلام ۲۱ باجک در ابلج ۲۲ اسرار و دی و غیرہ ۲۳ حکیم سرفراز



مطبوعہ معقول المطابع نظریہ بالکھنڈو۔ باہتمام مقبول حسین جیل بلگرامی

جون ۶۲۷

تا تو بیدار شوی ناله کشیدم ورنه
عشق کایست که بآه و فغان نیز کنند

علیہ السلام سر اقبال

موقع

دَارُ الْأَدَبِ لِكَيْفَ يُقْبَلُ جِهَانُ غَزِيْرِيْدِ

۵۱۳ ۴۴

مرتبہ

سید مقبول حسین صہل بگرامی

”مرقع“ کے قواعد و ضوابط

(۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہونگے، مگر وہی نہیں خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بیچ کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
(۱۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی لکھی ہو یا اس میں ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو بیچ کا شائبہ بھی پیدا ہو، ہرگز شائع نہ ہونگے
(۱۳) جس نظم و شعر کے مضمون میں زبان لغت یا فن کی غلطیاں ہوں گی، اسوقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسبت سے اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین۔
(۱۴) مرقع کا مسلک صحیح کل ہے وہ اشتباہات بھی دل زار یا متعصب نہ ثابت ہوگا
(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جہل و بون یا اہل خبا و اتقاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرے یا دلنشا، اسد وہ پیشہ میں ثابت قدم رہے۔
”مدیر مرقع لکھنو“

(۱) مرقع ہر انگریزی مینے کی ہ آماج کو دار الادب لکھنؤ شائع ہوگا
(۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ منہ محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔
(۳) مرقع کا فائدہ بنیہ نقد وصول ہوئے روزانہ نہیں ہو سکتا۔
(۴) مرقع کی قیمت روساء و دیگر محرز اصحاب و راسکے مزیوت انکی بہت افزائی پر منحصر ہے۔
(۵) جواب طلب مور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے
(۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا نہ لکھنا ضروری ہے
(۷) سالانہ بیچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ہ تاریخ تک آنا چاہئے۔
(۸) کوئی مضمون یا شائع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی ذباب اثر پیدا کر سکے۔
(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و شعر درج ہوں جو خوبوں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔
(۱۰) مرقع کو موجودہ پالیٹکس یا مذہبی مباحثے کوئی سروکار نہ ہوگا

مرقع میں اشتہارات بھیجئے وقت ذیل کا رجحانہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۳۰	۶۰	۱۲۰	ہائٹل بیچ کے صفحہ ۳۰ و ۴۰ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے
پچھ ماہ کے لئے	۲۰	۴۰	۸۰	جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے
تین ماہ کے لئے	۱۰	۲۰	۴۰	مدیر مرقع لکھنو
ایک ماہ کے لئے	۵	۱۰	۲۰	

ڈاکٹر سرور حسین - ایچ - ایل - ایم - ایس - مشہور دندان و عینک ساز نمبر ۳ و ۴ - مین بالہ داولہ پارک - لکھنؤ

بہرِ قلم کہ بندم دل از کہ بردارم

جہانِ مرقعِ تصویرِ حُسنِ اوست تمام

فہرست مضامین

جون ۱۹۲۶ء

- | | | | |
|--|----------------------------------|---|---|
| ۱- نوید صبح (نظم) | جناب غنیمت گورکھپوری ۲ | ۱۳- کوی جناب ہوا نازِ حُسنِ الہی کے دستِ ظلم کی گھنٹی بجی | ۱۳- کوی جناب ہوا نازِ حُسنِ الہی کے دستِ ظلم کی گھنٹی بجی |
| ۲- رشحاتِ خلیل (غزل) | نواب فصاحت جنگ | ۱۴- عکس خط جناب شوقِ قدوائی مرحوم | ۱۴- عکس خط جناب شوقِ قدوائی مرحوم |
| ۳- عریک شوریہ سرشت | جیل اللہ حضرت خلیل شاہی ۳ | ۱۵- وضع اصطلاحات | جناب مولوی محمد ابراہیم بھٹو |
| اور شوقِ نوازِ صمعی | جناب اوی شوالہ حُسن | علیہ | صاحبِ انشائیہ کاظم جہاںی ۲۶ |
| ۴- مانی | صاحبِ ندوی ۴ | ۱۶- محوساتِ از (غزل) | جناب رازِ بگلاری ۳۲ |
| ۵- (جناب ساحل بگلاری کے مضمون "مانی" پر نوٹ) | جناب اصل بگلاری ۵ | ۱۷- انسان کی کوشش | جناب یوگت موہن لال |
| ۶- "مانی" | ۹ | کی کامیابی | صاحبِ دان ایم لے |
| ۷- "مانی" | ۱۰ | ۱۸- رباعی | ایل ایل بی وکیل ۳۳ |
| ۸- قند پارسی | جناب لانا شکر گھنوی ۱۰ | ۱۹- سلطنت عثمانیہ | جناب رمز گھری ۳۴ |
| ۹- عربی ربابِ قلم | جناب لانا شکر گھنوی ۱۴ | ۲۰- افکارِ فانی (غزل) | جناب سید احمد کالمی |
| ۱۰- غزل | جناب شفیق صدیقی جوہرپوری ۱۶ | ۲۱- بازی کا گاہِ وقار (فانہ) | اد شیر علی گڑھ سیکرین ۳۵ |
| ۱۱- فلسفہ مذہب | جناب بوی بلو میلو شاہی | ۲۲- عالمِ حال (غزل) | جناب فانی گورکھپوری ۳۷ |
| ۱۲- حسیات (غزل) | نظم دائرہ ادبیہ ملی کا کون ۱۷ | ۲۳- دیسی ادب کی تاریخ | جناب یوسف شاہ خیرپوری |
| | حضرت فرخ بناری ۲۰ | ۲۴- رباعی | ۳۰ |
| | جناب محمد علی خان صاحب | ۲۵- نواعی و الملک | ۳۳ |
| | الہ آبادی ۲۱ | مرحوم | ۳۴ |
| | جناب علی شہر سلطانہ گورکھپوری ۲۵ | | |

عطرِ خنا جو صبرِ علی محمد علی تاجِ عطر گھنوی کے کاغذ کا بنا ہوا ہر اس کا نسخہ ہی مختلف ہے

عرب کا شوریدہ عاشق اور عشق نواز

قصہ

(از جناب مولوی مسعود الرحمن خان صاحب ندوی)

رگستان عرب کا یہ محبت پرست و گداز دل عاشق مریخ شاعر صہمی کہ کتاب ہے کہ میں سیر و سیاحت کرتا ہوا ایک ایسے شہر میں پہنچا جہاں میں نے ایک بہتھر کر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا۔

یا معشوق العاشق باللہ خیر و اذ حل عشق الفنی کیف یصنع

یعنی "اے عشق و محبت سے گداز دل و انداز کے لئے مجھے بتاؤ کہ جب جوان کا عشق ہو تو عاشق کیا کرے۔

حضرت "صہمی" نے وہیں کو لے کر اس کے جواب میں یہ شعر لکھ دیا اور اپنی راہ لی۔

دل ادھی خصوصاً کیا کہم سرکہ و عشق فی کل الامور یخصم

یعنی "طبیعت کو مطمئن نہ کیے اور محبت کے راز کو خزانہ دل میں پوشیدہ اور ہر کام میں عشق و غصہ جاری رہے۔

"صہمی" کتاب ہے کہ دوسرے دن میں ہم وہیں پہنچے کہ دیکھو ان میرے شعر کا کیا جواب لکھا ہے جو یہ پہنچا تو دیکھا کہ اسی کے شعر کے نیچے یہ شعر لکھا ہے

کیف یلاری و الہوی فانی الفنی و فی کل یوم قلبہ یتقطع

یعنی "آہ۔۔۔ وہ شخص کہیں نری بہت سے کتاب ہو جو جوان کی محبت میں آتشہ سال اور خانہ غریب ہو اور اسی ایک میر درد کی محبت دل کو ٹکڑے کر ڈیوالی ہو۔

جواب یہ جو اب میں صہمی نے یہ شعر لکھ دیا اور اپنی راہ لی۔

اذا لم یجد صیدا لکنماں سرکہ فلیس لہ شئی سوائے الموت یقع

یعنی "جو عاشق کر راز محبت کو صبر کے ساتھ پوچھتا رہے کہ کب سے اس کے لئے موت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

صہمی کتاب ہے کہ جب یہ میرے دن میں اپنے اس شعر کا جواب لکھتا ہے اس طرح یا تو میری جیت پریشانی کی کوئی حد انتہا نہیں جیت دیکھا کہ پھر کے

قریب ایک نو عمر جوان غنائی لاش پڑی ہوا اس نے شہید محبت نے وہ شعر میرے شعر کے جواب میں اسی پھر لکھ دیا ہے۔

سمعنا و اطعنا ثم متنا فنبخوا سلا ہی الی من کان للوصل یقتع

یعنی "میں نے تیرے عائب شوق سے کہہ کر دل کیا پس ہم رگے ہمارا اسلام اس شخص کو پہنچے جو صل سے مانگتا ہے۔

ہینا لا یاب النعیم نعیمہم وللعاشق المسکین ما یجزع

یعنی "بیارک ہو اہل دول کو مال ان کا۔ اور ناشاد عاشق کو وہ چیز جو پیتا ہے۔

مسعود الرحمن ندوی۔ از پبلی ہیٹ

ماخوذ

صوت صخر علی محمد علی تاجر عطر کشہ کا بنایا ہوا عطر خاں ایسا ہے جو جبکہ تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

”مانی“

پیدائش: جب فاماگ نے کسی سبب سے اپنے وطن (ہریان) کو خیر باد کہہ دیا تو کبسا یا تو کچھ مدت بعد شام ۱۲ بجے کے درمیان سرزمین بابل کی گود سے اس کو بنارس پوسٹ کے روٹ پر آواز کے ساتھ چننے کی کھلکھلاہٹ دینا والا نون کو سنا دی۔ یہ آخری تاجدار کا نکال دیا وہاں خیر باد کا یہ حکومت طفلی کا خیرین کا عقیدہ ہے کہ فاماگ مانی کی پیدائش سے پہلے زروشتی نور سے اپنے بیان کو روشن کر چکا تھا لیکن مانی کے منہ سے یہ کلمہ نہ نکل سکا کہ ”خیر باد“ کی فریاد سننے کے ”چاک پانی“ بنتے ابھی نہ ہی پاس پہنچا ہے اور اپنی زندگی کو برابر کر کے نکلا۔

فاماگ نے مانی کو بھی کسی بن میں مسائل دینی کی گڈنڈیوں پر ڈال دیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مانی باوجود بیس سال میں مذہب کی دشوار گزار گھانٹوں میں سر پہ گھوٹا دوڑا نہ لگا اور اسی کے ساتھ ان مذہبوں کے نشیب و فراز کو بھی اس نے قواعد و دستور کی دیلوں سے ہمارا کر کے راستہ کو صاف شفاف بنا دیا۔ یہ غیر معمولی ایک روز بدن کی فضا سے فاماگ کے قانون میں یہ گونجی ہوئی غبی آواز گونجی ہے کہ ”مے فاماگ اگرشت دکھا، شراب، کومہ نہ لگا اور غوثوں کی فریت سے ہر چیز ”جرعی پروفیسر کسر کتا“ مانی بھی ان چیزوں سے دور رہنا تھا۔ مانی کی باوجود بیس سال میں ”انوم“ ایک فرشتہ نازل ہوا جس نے ”نیروانی رسالت“ کی خوشخبری اسکو سنائی مانی نے اپنی غیر معمولی کی دھڑ سے اس عطیہ الہی کو اس وقت اپنے دل میں پوئیدہ رکھنا مناسب سمجھا لیکن جب اسکی چوبیسویں بہار اپنی آغوش میں قفل و فرست لیکر جلوہ افروز ہوئی تو اسی قدر لائق تامل نہ ہو کا ہر غور ہو اس نے مانی کو مخاطب کر کے کہا کہ ”مانی“ میں یزدان کی طرف سے سلام لیکر آیا ہوں اور اسی کے ساتھ غیر معمولی کی بشارت۔ ”روئے حقیقت سے نقاب اٹھ اور اختلافات مذہبی کی تاریکی کو

ایک طرف روم کے در و دیوار مگر کی نورانیت سے منور ہو رہے۔“
 مانی نے دوسری طرف ایران کی فضا میں اندر دشتی شیطانی ہجوم کر رہے تھے۔ خشک مٹی ترانہ میں ایران کے ہارستان میں وہ زندہ جاوید پھول کھلتا ہے جس کی دلکشنی اور طرز پیری نے ایران و ترکستان، ہندوستان و افغانستان اور آذربائیجان و ترکستان کے ہر گوشہ میں مانی کے نام کی خوشبو میں چیرا دیں۔ تاریک زمین کو مانی کے خیرین کے قدموں سے اپنے جانے میں گرا گئی۔ روایتیں مذہبیت کا رنگ لئے ہوئے اور انتہہ دور بہرہ بریں کے معشوق و غیر طبعی باتوں کے ہوتے ہوئے اس حقیقت کا پردہ مشکل سے کھلتا ہے۔ کوئی اسکو شاعر یا ہے، کوئی مصور، کوئی موسیقی کا ماہر، جانتا ہے کوئی پیچیدہ مگر مانی کی غلام بنا دیتا ہے۔ اور کوئی غیر مذہب کی غرافت بھی دلی زبان سے قبول کر لیتا ہے۔ اسی حالت میں صحت و شہر کا جاننا اور میدانِ اوقات کا فروغ دیکھنا آسان ہے۔
 نام مانی کو اہل عرب ”وریکوس“ اور اہل مشرق ”القورقوس“ کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایسی مونی مسعودی یعقوبی اور فردوسی اسکو ”مانی“ کہتے ہیں۔ جسکی گواہی سنائی مشاگان ”بھی زبانی ہے جو خود مانی نے ”غالب اول“ کیلے لکھی تھی اور جب کاچکھہ شہر بد تو خان کے کھنڈرات سے حال ہی میں برآمد ہوا ہے۔

نسیب و وطن مانی کا باپ ”فاماگ“ جسکو ”مانی مین“ یا ”الیوس“ کہتے ہیں، ہریان کے معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا جسکا سلسلہ نسب پورے پچھنچتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو مانی کو جن کا باشندہ خیال کرتے ہیں صحیح نہیں۔ مانی کی ماں کا نام علی الاطلاق ”میس“ اور ”تاج“ بتایا جاتا ہے لیکن اسکو ”میر“ کے طبقے سے بھی منسوب کرتے ہیں جو خاندان اشکانی کی ایک عقیقہ غررت تھی۔

۱۲ کتاب مانی زرخ میں علامہ شہرستانی نے فاماگ کا ۱۲۷۱ فرست العلوم لاہن نیم ۱۱

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ایجاد کردہ عطر خا ہے جس کا استعمال ہر موسم میں خوشبو دے۔

آتش توت نے اس کے مذہب کا رنگ مجھے دیا اور وہ ایران کے ایک سنگ
دار نے میں محدود ہو کر رہ گیا۔

نزول کتاب نقاشی بلکہ جو کہ یہ بلا دروغی میں بھر رہا تھا۔

اچھے سفر میں ایک پناہ پر پہنچا جس کی خاک آب دہوا اور لطیف نفاذ
اس سے اپنے مریدوں سے یہ کہلایا کہ ”میں آسان پر جا ہوں اور دہان
ایک سال تک یہ کہ زمین پر اُن کا اہم کو خدا کی طرف سے خبر دے گا“
اور یہ بھی کہ ”دوسرے سال کے شروع میں تم لوگ فلاں مقام پر
خاک کے قریب میرے منتظر ہو“ اس کے بعد وہ لوگوں کی نظروں سے
چھپ کر فارمین داخل ہو گیا اور ایک سال تک اس فارمین
رہ کر وہ کام (مصور) کرتا رہا جس سے دنیا مانی کو جانتی ہے۔ ایک
لوح پر عجیب و غریب شکلیں بنائیں اور اس کا نام ”ارتنگ مانی“ رکھا
مقررہ وقت پر وہ خاک کے لوح لٹے ہوئے نکلتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے
کہ ”یہ لوح میں آسمان سے لایا ہوں“ جن شکلوں کو آنکھوں نے دیکھا
ہی نہ تھا اور جو اپنے عجیب و غریب ہونے میں بھی خبر نہ رکھتی تھیں
نہ ان پر سر جھکا دیا اور دل نے بھی مان لیا یہ کتاب (ارتنگ مانی)
غالباً اپنا دوسرا نام ارتنگ مانی بھی رکھتی ہے جس کے تعلق لوگوں کا
خیال ہے کہ اس میں ملک ایران کے اخبار و فرمان ہیں۔ بعض کہتے ہیں
کہ وہ تعلیمات و قانون کا مجموعہ ہے اور ضمیمہ تصویریں بھی ہیں۔ مانی
کی نقاشی کی شہرت کا باعث یہی کتاب ہے۔ اس کتاب میں تصویروں
کے ہونے کی تدبیر اور ادبی شواہد بھی موجود ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں
کہ ارتقاات خداوندیش بیا را بد نگا خانہ چینی و نقش ارتگست
حافظ شیرازی کا شعر ہے۔

اگر بادشاہی داری وادہ گزرمین پر کہانی نمونہ اہل نیک ملک شکنم
مولف تاریخ عجیب السیر نے لڑکی قرعہ میں لکھے ہیں۔

ہکام نوری روشنی سے نازل کر دے اور ”چمن و جہنم“ کے ادا و نواری کو شہین
مظاہر میں اُس کی مخلوق کو بچا دے بزدان تجھے اس راہے مقیم پر حکم عقیدہ
کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی ہدایت کر لے۔

اعظم رسالت و تبلیغ انا پورا دل بن کر شیر پاکان کی تاج پوشی کے
دن مانی نے بھی اپنی رسالت کا اعلان کر دیا اور کہا کہ ”میں قار قلیا ہوں
جس کے اُن کے کچھ حضرت علی نے دی ہے“ کتاب شلوگان میں بھی شلو
کھانی سے ملتا پایا جاتا ہے اور شاہنشاہ کا جو مور بھی لکھی تھیں اس طرح کرتا ہے
بلند کیے مرگد یا ز چمن کہ چون او مصور نہ بیند زین
بران چر بدستی رسیدہ بکام یکے بر نقش مرد مانی بنام
بصور نگری گفت بغیرم ز دین آوران جهان برترم
زمین نرود شا پور شد بارخواست بہ غیر جی شاہ را بادخواست
سرش تیز شد مویان لبخاند زمانے فردا دل سخنا برآمد
گزین مرد چینی چیرہ زبان فتادستم از دین اور کمان
بگو میدرد و ہم سخن بشنود مگر خود بگفت اراد بگردید
ابرونی میں ہے کہ مانی نے اردو شہر کے رمانہ حکومت میں
ایک محد و معلق میں اپنے دین کو پھیلا دیا مگر اس کے تعلیمات بارگاہ
ساسانی اور پارتیہ وقت ایران میں باریابی حاصل نہ کر سکے۔ اس لئے
تھوڑی ہی مدت بعد وہ اپنے ہوا خواہوں (مقلدین) کے مختصر لشکر کی
کمان کرنا پڑا جلد یا اور مشرق ایران ترکستان اور ہندوستان میں
پھر تاراج وہ کسی مقام کو چھوڑنا تھا تو اپنا ایک شاگرد و مقلد لے لے
چھوڑ دیتا تھا تاکہ وہ اسکے اہل اس کی تعلیم پھیلاتا رہے۔ مانی کا اپنی خوش
کا اعلان کرنا تھا کہ زردشتی اُس کے دشمن ہوئے اور مخالفت پر کمر بستہ۔
اگرچہ مانی شاہچہر کے بحالی پر دین کی حمایت و مدد پر اپنے دین کے پھیلائے
میں آزاد تھا اور بادشاہ بھی اس کا مرید ہو چکا تھا لیکن مویہ دن کی

لے ہاں ملک اہل مذہب اول ملایا تھا ۵۵ رومہ اصفا ۵۵ رومہ اصفا ۵۵ مانی نے نقاد میں نقاشی کی تھی ۵۵

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کاٹھ کا عطر خاجہ قدیرانا ہوگا مسیقا را سکی خوشبو دیر پا اور خوشگوار ہوگی

مانی قلم خمستہ آثار
استاد ہندو ران عالم
ہزارہ یکا نہ زمانہ
مانی بزرگان افسانہ

شاہنامہ بھی اس بات کا حامی ہے اور سکندر نامہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

قتل مانی یہ کتاب لیکر ایران پہنچا۔ ہرام ابن شاپور کی حکومت کا زمانہ تھا۔ ہرام نے موبدون کو مانی سے بھڑکادیا۔ موبد یکا مذہب کو اجماعی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ موبدون نے کہا کہ جو شخص احکام ہزدانی کے خلاف مل کرے اسکی یہ سزا ہے کہ سیدہ گھلا کر اسکی حلق بین ڈال دیا جائے۔ مانی نے جواب دیا کہ ایسی سزائیں دینا اہرمین کا کام ہے نہ دخلانہ علان۔ اس کے بعد زرتشتی پیشواؤں نے اس کے قتل کا فتویٰ دیدیا۔ کیونکہ مانی نے تو یہ سے انکار کر دیا تھا اسلئے ہرام نے اسکو قتل کروا دیا۔ یہ واقعہ ششمین عین ہوا جبکہ مانی کی عمر وہ سال کی تھی۔ لیکن البیرونی لکھتا ہے کہ پہلے شاپور نے اپنے بھائی پروردیز کے کئے سے اسکا مذہب قبول کر لیا تھا اور اسکا دل بھی تھا لیکن اس کے بعد جب موبدان موبد کے سوالات سے وہ عاجز ہوا تو اس نے مانی کو اس مشربا پرشہر بدر کر کے پراگشاک کی کردہ آئندہ ایران میں قدم نہ رکھے لیکن جب ہرام کے زمانہ میں یہ پھیلان میں آیا تو ہرام نے اسکو خلاف وندی کے جرم میں قتل کروا دیا۔

روایت بیرونیس اشپیکل چرمین مستشرق بیرونیس اشپیکل ایک روایت نقل کرتا ہے کہ ایک شخص سیتاپورس نامی عرب کی پیغمبر پوزمین سے پیدا ہوا جو لوہان قدیم کے لویات میں باہر اور قائد مشرکین سے پورا پورا واقف تھا۔ علاوہ برہمن تہارت کے سلسلہ میں ہندو مذہب کا سفر کر کے اس نے بہت سی دولت جمع کر لی تھی۔ وہ ایک دفعہ شہر حبیب سہلان میں گیا اور ایک حسین عورت کو اپنی زوجیت میں لیکر وہیں کوٹھنے لگا

بیان اس نے مشرکین اور مختلف مذاہب کی تعلیم کا بغور مطالعہ کر کے ایک کتاب چار جلدوں میں تصنیف کی اسی زمانہ میں جبکہ اس شخص غلطیوں کے بغیر دون کے ہندو تعلق کا شہرہ بلند پایا تو یہ میت المقدس کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں جا کر علامہ موسوی سے بحث و مباحثہ کیا۔ اس مناظرہ میں سیتاپورس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی تعلیمات کو ان سے تسلیم

کرائے لیکن کسی نے بھی اسے کان نہ دھرے۔ اس شکست کے بعد ہرام داغ اس طرف نکلا کہ یہ تعلیم لوگوں کے دلوں میں تازہ جن نہیں پیدا کر سکتی اسلئے وہ فسونگری اور معجزہ نمائی کی طرف مائل ہوا جسکو اس نے معرہ ہند کے زمانہ سیاحت میں وہاں کے لوگوں سے حاصل کیا تھا۔ اس کے جادو نے اس پر الٹا اثر کیا۔ ایک روز وہ اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزہ پیش کرنے کے لئے کوٹھنے پر چڑھا۔ نیچے گر کر ارموت سے ٹکنا ہوا کہ اپنے معجزہ کا ثبوت پیش کر دیا لیکن اسکی یہ ساری محنت بیکار رہیں گئی۔ پھر ہند یوس نامی اسکا ایک شاگرد تھا جسکو سیتاپورس نے پرورش بھی کیا تھا۔ اس شاگرد نے پتلا اپنے استاد کا ایک شاندار معجزہ بنوایا اور اس کے بعد استاد کی کتابیں لیکر اپنا کاراستہ لیا جہاں اس نے اپنے آپ کو ”بودا“ کے نام سے شہرت لے کر استاد کے تعلیمات کی تبلیغ شروع کر دی۔ مذہب ہرم کے سامنے اسکا چراغ نہ جل سکا اور وہ اپنی تعلیمات کی حقیقت ثابت نہ کر سکا۔ اس بے اثری نے اسکو بھی اپنے استاد کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور جو طلسم کی بھول بھلیوں میں پھنس کر تھوڑے ہی عرصہ میں مجھوڑی کے دکھانے کی حالت میں گر کر مر گیا اور اپنی استاد پرستی کا پورا ثبوت دیدیا۔

گر گر جان دینے والا بودا جس بڑھیا کے بیان کرتا تھا وہ ان کتابوں کی مالک ہوئی اس بڑھیا کا پروردہ جسکا نام علی الاختلات کوڑیچوس قور بیچوس اور اتش پتیا یا جانا ہے۔ یہی مانی ہے جو اس بڑھیا کے مرنے کے بعد ان کتابوں پر قابض ہو گیا۔ مانی نے ان کتابوں کا مطالعہ کر کے

ملحہ صہ پارہ دل از مولانا خرقہ لکھنوی

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خاکو بہترین عطر مانا ہے۔

اپنی تعلیم کی بنیاد ڈالی۔

ماتنی اپنے والد کا نفوذ کو وسیع کرنے کی فکر ہی میں تھا کہ انہیں زون شاہ ایران کا بیٹا سیسک مصلح بن کر تیار ہو گیا۔ ماتنی اپنی وطن پرست کا خیال کو کہہ اپنی کتابوں کی مدد سے شہزادہ بین تندرستی کی روح چھوکنے لگا جس سے شاہ کی ارادت و عقیدت بڑھ جائیگی اور حوادث کھینچ آئیگی۔ اس خیال نے عملی جامہ پہنا اور یہ ایران پہنچا اور پہنچے ہی علاج بھی شروع کر دیا تیسمت کا پانسہ اٹا ہڑتا ہے اور شہزادہ اسی کے دادوں پر اپنی زندگی کی دولت ہمارا جاتا ہے جس کا خمیازہ قید خانہ کی چار دیواری میں اسے بھگتنا پڑتا ہے اس شاہزادہ کو مارنے سے پہلے ماتنی اپنے بایس شاگردوں میں سے تو پاس۔ باداس اور آدو کو انتخاب کر کے بیت المقدس بھیج چکا تھا کہ وہ ہر مروج ہو کر انص ضروری کتابوں کو اسکے لئے میا کرین تینوں کا ملذہ لے بیت المقدس بھیج کر کتابیں جمع کیں اور اس وقت ایران پہنچے جن جب ماتنی جیل کی سختیوں کا لطف اٹھا رہا تھا بدقت تمام یہ کتابیں اُس تک پہنچ سکیں۔ ماتنی نے اس حالت پابندی میں ہی کتابوں کا مطالعہ کیا اور بہت سی مفید اور اہم باتوں کا اپنے قلم سے "مذہب میں اضافہ کیا۔ اسکے بعد ماتنی جیل خانہ کی مضبوط دیواروں سے نکل کر فرار ہو گیا اور عربستان میں دریائے اسٹریگ کے پاس مقیم ہوا۔ اُس نے یمن مارسلوس نامی ایک عجمی ویدار کی شہرت سنی تو اپنے شاگرد و تلامذہ کو ایک خط دے کر اسکے پاس بھیجا اور مذہبی مباحثہ کے لئے دعوت دی۔ مارسلوس نے بھی ایک دعوت پر لبیک کہا اور اس کی ساری تعلیمات کو تیر تون سے یاد کر لیا جو پھر اپنے استاد کے پاس واپس نہیں گیا یہی وجہ تھی کہ مارسلوس ماتنی پر غالب آ گیا اور ماتنی کو اسکے مریدوں کے پیچھا پھڑاؤ میں لے گیا۔

ان باتوں سے اس کی متانت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اسکے بعد بھی

وہ شہر دو دوری گیا اور وہاں کے علماء اس نے بحث و مباحثہ کا بازار گرم کیا لیکن مغلوبیت جو اس کی تقدیر تھی اس نے وہاں بھی چھپا نہ چھوڑا وہاں سے یہ نہایت ذمت و خواری کے ساتھ عربستان واپس گیا اور کچھ دنوں بعد شاہ ایران کے حکم سے اسکو شہر بصرہ میں نشہ کر کے اس کی زندہ کھال اتار لی گئی اور اس میں بے بس بھر دیا کہ ایک نمایان جگہ پر لٹکا دیا گیا تاکہ نیکے خورسافر غیر کی زندگی سے بن لیکر عبرت حاصل کریں۔

تعلیمات ماتنی کے حالات زندگی کے سلسلہ میں اس کی تعلیمات پر بھی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کی تعلیم کے دو رخ تھے۔ ایک خاص جبکہ اُس نے علم و فضلہ کی مخصوص چمکت میں بھیلنا یا تھا۔ دوسرا عام۔ یہ تعلیم نہایت آسان اور سہل تھی لیکن زیادہ توجہ دیکھنا پڑتی اور ایسی روایتوں اور قصوں سے ملو تھی جیسی ہندؤں کی کتابیں (مباحثات رامائن اور بیت سے شائستگی کو کہہ ماتنی ہر طبقہ کے لوگوں کے ادراک و فہم کے موافق قانون وضع کرتا تھا سوائے اس کی تعلیم فلسفہ اور منطق کے سیار پر پوری تین تین اتر سکتی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مرتبہ دنیا سے شہر میں بھی بلند تھا اور وہ اس فن میں بھی ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا اور اپنے مذہبی مسائل کو اکثر شرکی جاؤ بیت کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی سعی کرتا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب فہرست العلوم میں لکھا ہے کہ ماتنی کی تعلیمات بہت سے قصوں اور مختلف مذاہب کی تعلیمات سے مرکب ہے۔ شہرستانی بھی قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے۔

ماتنی کی تعلیمات میں توحید کا جلوہ کم نظر آتا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مخلوق نور و ظلمت سے وجود میں آئی ہے۔ آسان زمین، آسمان، چاند سورج اور شادون کی پیدائش کے بارہ میں بھی ماتنی طبیعت کو جو لان گیا ہے لیکن مادی تشبیہات اور علمی نظریہ تجاؤ نہیں کیا گیا۔ اگرچہ غور کرنے سے بعض جگہ فلسفیانہ جھلک بھی پائی جاتی ہے لیکن زیادہ تر ایسے خیالات ہیں

اسے اس علم کو اس نے اپنی کتاب پر فتن گندہ میں قلمبند کیا ہے جو مال میں توران کے کھڑکات سے ہم آہم ہوئی ہے ۱۲۷۷ء ماتنی کی تصنیف کا زمانہ یہاں تک کا ذکر ہے ۱۲۷۷ء

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خانہ اور کارخانوں کے بنائے ہوئے عطر خانہ کی نسبت ہمیشہ خوشگوار ہوگا

جن سے جہلا کی شاید نیکسین ہو سکے۔
بیرونی اپنے خط میں لکھتا ہے۔

معمین نے ابو بکر بن زکریا رازی کی اس کتاب کو جو علم الہی کے متعلق ہے مطالعہ کیا۔ اس میں اس نے مانی کی کتابوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بالخصوص اس کتاب کی طرف جس کا نام

سفر الاسفار ہے۔ مجھے اس کتاب کے نام سے ایسی فرہنگی ہوئی جیسے اور لوگوں کو کیا کے متعلق سونے چاندی کی فرہنگی ہوتی ہے۔ میری نو عمری بلکہ حقیقت کی پردہ پوشی نے دل میں اس کتاب کی طلب کرنے کی کمال خواہش پیدا کی کہ کسی شہر یا ملک میں جان اپنا شناسا ہو اسے تلاش کیا جائے میں چالیس برس سے کچھ زیادہ اسی پیش کی تہا

میں رہا میں ایک کچھ ہمدان سے ایک شخص آیا جس نے فضل ابن سہلان کے ذریعے کچھ کتابیں مانی کے عین اور اُسے معلوم ہوا تھا کہ مجھے ان کا بہت اشتیاق تھا۔ شخص کو نے ان کتابوں کو مجھ سے ملاقات حاصل کرنے کا وسیلہ

بتایا۔ اسکے پاس ایک مجموعہ تھا جس میں مانی کی حسب ذیل کتابیں عین فرقاطیہ، سفر الجواہرہ، اکثر الاحیاء یقین، تاسیس، النجیل اور شاہر قان اور مانی کے چند دسترساے تھے اور میری مطلوبہ کتاب سفر الاسفار بھی ان میں شامل تھی مجھے اس قدر خوشی ہوئی جیسے بیادے کو شہرت کے دیکھنے سے

مرقع

حد پانہ دل میں مولانا شہر کا جو مضمون مانی کے عنوان سے شامل ہوا ہے اس میں کچھ نہیں ہے۔ "یودا گوتم بدھ ہے۔" مولانا شہر کے اس مضمون میں مانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

"مانی نے اپنے مذہب کے لئے اخلاقی اصول بالکل بودہ مذہب کے اخلاقی فلسفہ کے لئے اور اسی سلسلے میں جس میں ہندوستان کے ہیں (صد پارہ ولین) میں اس غلط چھاپا ہے بلکہ اس ہے مذہب سے بھی میں جو برہمنوں کا مذہب ہے"

۱۱۰ء ۱۱۱ء ۱۱۲ء ۱۱۳ء ۱۱۴ء ۱۱۵ء ۱۱۶ء ۱۱۷ء ۱۱۸ء ۱۱۹ء ۱۲۰ء ۱۲۱ء ۱۲۲ء ۱۲۳ء ۱۲۴ء ۱۲۵ء ۱۲۶ء ۱۲۷ء ۱۲۸ء ۱۲۹ء ۱۳۰ء ۱۳۱ء ۱۳۲ء ۱۳۳ء ۱۳۴ء ۱۳۵ء ۱۳۶ء ۱۳۷ء ۱۳۸ء ۱۳۹ء ۱۴۰ء ۱۴۱ء ۱۴۲ء ۱۴۳ء ۱۴۴ء ۱۴۵ء ۱۴۶ء ۱۴۷ء ۱۴۸ء ۱۴۹ء ۱۵۰ء ۱۵۱ء ۱۵۲ء ۱۵۳ء ۱۵۴ء ۱۵۵ء ۱۵۶ء ۱۵۷ء ۱۵۸ء ۱۵۹ء ۱۶۰ء ۱۶۱ء ۱۶۲ء ۱۶۳ء ۱۶۴ء ۱۶۵ء ۱۶۶ء ۱۶۷ء ۱۶۸ء ۱۶۹ء ۱۷۰ء ۱۷۱ء ۱۷۲ء ۱۷۳ء ۱۷۴ء ۱۷۵ء ۱۷۶ء ۱۷۷ء ۱۷۸ء ۱۷۹ء ۱۸۰ء ۱۸۱ء ۱۸۲ء ۱۸۳ء ۱۸۴ء ۱۸۵ء ۱۸۶ء ۱۸۷ء ۱۸۸ء ۱۸۹ء ۱۹۰ء ۱۹۱ء ۱۹۲ء ۱۹۳ء ۱۹۴ء ۱۹۵ء ۱۹۶ء ۱۹۷ء ۱۹۸ء ۱۹۹ء ۲۰۰ء ۲۰۱ء ۲۰۲ء ۲۰۳ء ۲۰۴ء ۲۰۵ء ۲۰۶ء ۲۰۷ء ۲۰۸ء ۲۰۹ء ۲۱۰ء ۲۱۱ء ۲۱۲ء ۲۱۳ء ۲۱۴ء ۲۱۵ء ۲۱۶ء ۲۱۷ء ۲۱۸ء ۲۱۹ء ۲۲۰ء ۲۲۱ء ۲۲۲ء ۲۲۳ء ۲۲۴ء ۲۲۵ء ۲۲۶ء ۲۲۷ء ۲۲۸ء ۲۲۹ء ۲۳۰ء ۲۳۱ء ۲۳۲ء ۲۳۳ء ۲۳۴ء ۲۳۵ء ۲۳۶ء ۲۳۷ء ۲۳۸ء ۲۳۹ء ۲۴۰ء ۲۴۱ء ۲۴۲ء ۲۴۳ء ۲۴۴ء ۲۴۵ء ۲۴۶ء ۲۴۷ء ۲۴۸ء ۲۴۹ء ۲۵۰ء ۲۵۱ء ۲۵۲ء ۲۵۳ء ۲۵۴ء ۲۵۵ء ۲۵۶ء ۲۵۷ء ۲۵۸ء ۲۵۹ء ۲۶۰ء ۲۶۱ء ۲۶۲ء ۲۶۳ء ۲۶۴ء ۲۶۵ء ۲۶۶ء ۲۶۷ء ۲۶۸ء ۲۶۹ء ۲۷۰ء ۲۷۱ء ۲۷۲ء ۲۷۳ء ۲۷۴ء ۲۷۵ء ۲۷۶ء ۲۷۷ء ۲۷۸ء ۲۷۹ء ۲۸۰ء ۲۸۱ء ۲۸۲ء ۲۸۳ء ۲۸۴ء ۲۸۵ء ۲۸۶ء ۲۸۷ء ۲۸۸ء ۲۸۹ء ۲۹۰ء ۲۹۱ء ۲۹۲ء ۲۹۳ء ۲۹۴ء ۲۹۵ء ۲۹۶ء ۲۹۷ء ۲۹۸ء ۲۹۹ء ۳۰۰ء ۳۰۱ء ۳۰۲ء ۳۰۳ء ۳۰۴ء ۳۰۵ء ۳۰۶ء ۳۰۷ء ۳۰۸ء ۳۰۹ء ۳۱۰ء ۳۱۱ء ۳۱۲ء ۳۱۳ء ۳۱۴ء ۳۱۵ء ۳۱۶ء ۳۱۷ء ۳۱۸ء ۳۱۹ء ۳۲۰ء ۳۲۱ء ۳۲۲ء ۳۲۳ء ۳۲۴ء ۳۲۵ء ۳۲۶ء ۳۲۷ء ۳۲۸ء ۳۲۹ء ۳۳۰ء ۳۳۱ء ۳۳۲ء ۳۳۳ء ۳۳۴ء ۳۳۵ء ۳۳۶ء ۳۳۷ء ۳۳۸ء ۳۳۹ء ۳۴۰ء ۳۴۱ء ۳۴۲ء ۳۴۳ء ۳۴۴ء ۳۴۵ء ۳۴۶ء ۳۴۷ء ۳۴۸ء ۳۴۹ء ۳۵۰ء ۳۵۱ء ۳۵۲ء ۳۵۳ء ۳۵۴ء ۳۵۵ء ۳۵۶ء ۳۵۷ء ۳۵۸ء ۳۵۹ء ۳۶۰ء ۳۶۱ء ۳۶۲ء ۳۶۳ء ۳۶۴ء ۳۶۵ء ۳۶۶ء ۳۶۷ء ۳۶۸ء ۳۶۹ء ۳۷۰ء ۳۷۱ء ۳۷۲ء ۳۷۳ء ۳۷۴ء ۳۷۵ء ۳۷۶ء ۳۷۷ء ۳۷۸ء ۳۷۹ء ۳۸۰ء ۳۸۱ء ۳۸۲ء ۳۸۳ء ۳۸۴ء ۳۸۵ء ۳۸۶ء ۳۸۷ء ۳۸۸ء ۳۸۹ء ۳۹۰ء ۳۹۱ء ۳۹۲ء ۳۹۳ء ۳۹۴ء ۳۹۵ء ۳۹۶ء ۳۹۷ء ۳۹۸ء ۳۹۹ء ۴۰۰ء ۴۰۱ء ۴۰۲ء ۴۰۳ء ۴۰۴ء ۴۰۵ء ۴۰۶ء ۴۰۷ء ۴۰۸ء ۴۰۹ء ۴۱۰ء ۴۱۱ء ۴۱۲ء ۴۱۳ء ۴۱۴ء ۴۱۵ء ۴۱۶ء ۴۱۷ء ۴۱۸ء ۴۱۹ء ۴۲۰ء ۴۲۱ء ۴۲۲ء ۴۲۳ء ۴۲۴ء ۴۲۵ء ۴۲۶ء ۴۲۷ء ۴۲۸ء ۴۲۹ء ۴۳۰ء ۴۳۱ء ۴۳۲ء ۴۳۳ء ۴۳۴ء ۴۳۵ء ۴۳۶ء ۴۳۷ء ۴۳۸ء ۴۳۹ء ۴۴۰ء ۴۴۱ء ۴۴۲ء ۴۴۳ء ۴۴۴ء ۴۴۵ء ۴۴۶ء ۴۴۷ء ۴۴۸ء ۴۴۹ء ۴۵۰ء ۴۵۱ء ۴۵۲ء ۴۵۳ء ۴۵۴ء ۴۵۵ء ۴۵۶ء ۴۵۷ء ۴۵۸ء ۴۵۹ء ۴۶۰ء ۴۶۱ء ۴۶۲ء ۴۶۳ء ۴۶۴ء ۴۶۵ء ۴۶۶ء ۴۶۷ء ۴۶۸ء ۴۶۹ء ۴۷۰ء ۴۷۱ء ۴۷۲ء ۴۷۳ء ۴۷۴ء ۴۷۵ء ۴۷۶ء ۴۷۷ء ۴۷۸ء ۴۷۹ء ۴۸۰ء ۴۸۱ء ۴۸۲ء ۴۸۳ء ۴۸۴ء ۴۸۵ء ۴۸۶ء ۴۸۷ء ۴۸۸ء ۴۸۹ء ۴۹۰ء ۴۹۱ء ۴۹۲ء ۴۹۳ء ۴۹۴ء ۴۹۵ء ۴۹۶ء ۴۹۷ء ۴۹۸ء ۴۹۹ء ۵۰۰ء ۵۰۱ء ۵۰۲ء ۵۰۳ء ۵۰۴ء ۵۰۵ء ۵۰۶ء ۵۰۷ء ۵۰۸ء ۵۰۹ء ۵۱۰ء ۵۱۱ء ۵۱۲ء ۵۱۳ء ۵۱۴ء ۵۱۵ء ۵۱۶ء ۵۱۷ء ۵۱۸ء ۵۱۹ء ۵۲۰ء ۵۲۱ء ۵۲۲ء ۵۲۳ء ۵۲۴ء ۵۲۵ء ۵۲۶ء ۵۲۷ء ۵۲۸ء ۵۲۹ء ۵۳۰ء ۵۳۱ء ۵۳۲ء ۵۳۳ء ۵۳۴ء ۵۳۵ء ۵۳۶ء ۵۳۷ء ۵۳۸ء ۵۳۹ء ۵۴۰ء ۵۴۱ء ۵۴۲ء ۵۴۳ء ۵۴۴ء ۵۴۵ء ۵۴۶ء ۵۴۷ء ۵۴۸ء ۵۴۹ء ۵۵۰ء ۵۵۱ء ۵۵۲ء ۵۵۳ء ۵۵۴ء ۵۵۵ء ۵۵۶ء ۵۵۷ء ۵۵۸ء ۵۵۹ء ۵۶۰ء ۵۶۱ء ۵۶۲ء ۵۶۳ء ۵۶۴ء ۵۶۵ء ۵۶۶ء ۵۶۷ء ۵۶۸ء ۵۶۹ء ۵۷۰ء ۵۷۱ء ۵۷۲ء ۵۷۳ء ۵۷۴ء ۵۷۵ء ۵۷۶ء ۵۷۷ء ۵۷۸ء ۵۷۹ء ۵۸۰ء ۵۸۱ء ۵۸۲ء ۵۸۳ء ۵۸۴ء ۵۸۵ء ۵۸۶ء ۵۸۷ء ۵۸۸ء ۵۸۹ء ۵۹۰ء ۵۹۱ء ۵۹۲ء ۵۹۳ء ۵۹۴ء ۵۹۵ء ۵۹۶ء ۵۹۷ء ۵۹۸ء ۵۹۹ء ۶۰۰ء ۶۰۱ء ۶۰۲ء ۶۰۳ء ۶۰۴ء ۶۰۵ء ۶۰۶ء ۶۰۷ء ۶۰۸ء ۶۰۹ء ۶۱۰ء ۶۱۱ء ۶۱۲ء ۶۱۳ء ۶۱۴ء ۶۱۵ء ۶۱۶ء ۶۱۷ء ۶۱۸ء ۶۱۹ء ۶۲۰ء ۶۲۱ء ۶۲۲ء ۶۲۳ء ۶۲۴ء ۶۲۵ء ۶۲۶ء ۶۲۷ء ۶۲۸ء ۶۲۹ء ۶۳۰ء ۶۳۱ء ۶۳۲ء ۶۳۳ء ۶۳۴ء ۶۳۵ء ۶۳۶ء ۶۳۷ء ۶۳۸ء ۶۳۹ء ۶۴۰ء ۶۴۱ء ۶۴۲ء ۶۴۳ء ۶۴۴ء ۶۴۵ء ۶۴۶ء ۶۴۷ء ۶۴۸ء ۶۴۹ء ۶۵۰ء ۶۵۱ء ۶۵۲ء ۶۵۳ء ۶۵۴ء ۶۵۵ء ۶۵۶ء ۶۵۷ء ۶۵۸ء ۶۵۹ء ۶۶۰ء ۶۶۱ء ۶۶۲ء ۶۶۳ء ۶۶۴ء ۶۶۵ء ۶۶۶ء ۶۶۷ء ۶۶۸ء ۶۶۹ء ۶۷۰ء ۶۷۱ء ۶۷۲ء ۶۷۳ء ۶۷۴ء ۶۷۵ء ۶۷۶ء ۶۷۷ء ۶۷۸ء ۶۷۹ء ۶۸۰ء ۶۸۱ء ۶۸۲ء ۶۸۳ء ۶۸۴ء ۶۸۵ء ۶۸۶ء ۶۸۷ء ۶۸۸ء ۶۸۹ء ۶۹۰ء ۶۹۱ء ۶۹۲ء ۶۹۳ء ۶۹۴ء ۶۹۵ء ۶۹۶ء ۶۹۷ء ۶۹۸ء ۶۹۹ء ۷۰۰ء ۷۰۱ء ۷۰۲ء ۷۰۳ء ۷۰۴ء ۷۰۵ء ۷۰۶ء ۷۰۷ء ۷۰۸ء ۷۰۹ء ۷۱۰ء ۷۱۱ء ۷۱۲ء ۷۱۳ء ۷۱۴ء ۷۱۵ء ۷۱۶ء ۷۱۷ء ۷۱۸ء ۷۱۹ء ۷۲۰ء ۷۲۱ء ۷۲۲ء ۷۲۳ء ۷۲۴ء ۷۲۵ء ۷۲۶ء ۷۲۷ء ۷۲۸ء ۷۲۹ء ۷۳۰ء ۷۳۱ء ۷۳۲ء ۷۳۳ء ۷۳۴ء ۷۳۵ء ۷۳۶ء ۷۳۷ء ۷۳۸ء ۷۳۹ء ۷۴۰ء ۷۴۱ء ۷۴۲ء ۷۴۳ء ۷۴۴ء ۷۴۵ء ۷۴۶ء ۷۴۷ء ۷۴۸ء ۷۴۹ء ۷۵۰ء ۷۵۱ء ۷۵۲ء ۷۵۳ء ۷۵۴ء ۷۵۵ء ۷۵۶ء ۷۵۷ء ۷۵۸ء ۷۵۹ء ۷۶۰ء ۷۶۱ء ۷۶۲ء ۷۶۳ء ۷۶۴ء ۷۶۵ء ۷۶۶ء ۷۶۷ء ۷۶۸ء ۷۶۹ء ۷۷۰ء ۷۷۱ء ۷۷۲ء ۷۷۳ء ۷۷۴ء ۷۷۵ء ۷۷۶ء ۷۷۷ء ۷۷۸ء ۷۷۹ء ۷۸۰ء ۷۸۱ء ۷۸۲ء ۷۸۳ء ۷۸۴ء ۷۸۵ء ۷۸۶ء ۷۸۷ء ۷۸۸ء ۷۸۹ء ۷۹۰ء ۷۹۱ء ۷۹۲ء ۷۹۳ء ۷۹۴ء ۷۹۵ء ۷۹۶ء ۷۹۷ء ۷۹۸ء ۷۹۹ء ۸۰۰ء ۸۰۱ء ۸۰۲ء ۸۰۳ء ۸۰۴ء ۸۰۵ء ۸۰۶ء ۸۰۷ء ۸۰۸ء ۸۰۹ء ۸۱۰ء ۸۱۱ء ۸۱۲ء ۸۱۳ء ۸۱۴ء ۸۱۵ء ۸۱۶ء ۸۱۷ء ۸۱۸ء ۸۱۹ء ۸۲۰ء ۸۲۱ء ۸۲۲ء ۸۲۳ء ۸۲۴ء ۸۲۵ء ۸۲۶ء ۸۲۷ء ۸۲۸ء ۸۲۹ء ۸۳۰ء ۸۳۱ء ۸۳۲ء ۸۳۳ء ۸۳۴ء ۸۳۵ء ۸۳۶ء ۸۳۷ء ۸۳۸ء ۸۳۹ء ۸۴۰ء ۸۴۱ء ۸۴۲ء ۸۴۳ء ۸۴۴ء ۸۴۵ء ۸۴۶ء ۸۴۷ء ۸۴۸ء ۸۴۹ء ۸۵۰ء ۸۵۱ء ۸۵۲ء ۸۵۳ء ۸۵۴ء ۸۵۵ء ۸۵۶ء ۸۵۷ء ۸۵۸ء ۸۵۹ء ۸۶۰ء ۸۶۱ء ۸۶۲ء ۸۶۳ء ۸۶۴ء ۸۶۵ء ۸۶۶ء ۸۶۷ء ۸۶۸ء ۸۶۹ء ۸۷۰ء ۸۷۱ء ۸۷۲ء ۸۷۳ء ۸۷۴ء ۸۷۵ء ۸۷۶ء ۸۷۷ء ۸۷۸ء ۸۷۹ء ۸۸۰ء ۸۸۱ء ۸۸۲ء ۸۸۳ء ۸۸۴ء ۸۸۵ء ۸۸۶ء ۸۸۷ء ۸۸۸ء ۸۸۹ء ۸۹۰ء ۸۹۱ء ۸۹۲ء ۸۹۳ء ۸۹۴ء ۸۹۵ء ۸۹۶ء ۸۹۷ء ۸۹۸ء ۸۹۹ء ۹۰۰ء ۹۰۱ء ۹۰۲ء ۹۰۳ء ۹۰۴ء ۹۰۵ء ۹۰۶ء ۹۰۷ء ۹۰۸ء ۹۰۹ء ۹۱۰ء ۹۱۱ء ۹۱۲ء ۹۱۳ء ۹۱۴ء ۹۱۵ء ۹۱۶ء ۹۱۷ء ۹۱۸ء ۹۱۹ء ۹۲۰ء ۹۲۱ء ۹۲۲ء ۹۲۳ء ۹۲۴ء ۹۲۵ء ۹۲۶ء ۹۲۷ء ۹۲۸ء ۹۲۹ء ۹۳۰ء ۹۳۱ء ۹۳۲ء ۹۳۳ء ۹۳۴ء ۹۳۵ء ۹۳۶ء ۹۳۷ء ۹۳۸ء ۹۳۹ء ۹۴۰ء ۹۴۱ء ۹۴۲ء ۹۴۳ء ۹۴۴ء ۹۴۵ء ۹۴۶ء ۹۴۷ء ۹۴۸ء ۹۴۹ء ۹۵۰ء ۹۵۱ء ۹۵۲ء ۹۵۳ء ۹۵۴ء ۹۵۵ء ۹۵۶ء ۹۵۷ء ۹۵۸ء ۹۵۹ء ۹۶۰ء ۹۶۱ء ۹۶۲ء ۹۶۳ء ۹۶۴ء ۹۶۵ء ۹۶۶ء ۹۶۷ء ۹۶۸ء ۹۶۹ء ۹۷۰ء ۹۷۱ء ۹۷۲ء ۹۷۳ء ۹۷۴ء ۹۷۵ء ۹۷۶ء ۹۷۷ء ۹۷۸ء ۹۷۹ء ۹۸۰ء ۹۸۱ء ۹۸۲ء ۹۸۳ء ۹۸۴ء ۹۸۵ء ۹۸۶ء ۹۸۷ء ۹۸۸ء ۹۸۹ء ۹۹۰ء ۹۹۱ء ۹۹۲ء ۹۹۳ء ۹۹۴ء ۹۹۵ء ۹۹۶ء ۹۹۷ء ۹۹۸ء ۹۹۹ء ۱۰۰۰ء

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجو عمر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک دہلی اور ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن ہے

میرے خیال میں جناب ساحل نے خود بالا عبارت کے سمجھنے میں زیادہ غور نہیں کیا ہے مولانا سے خود اسکو دریافت کیا وہ فرماتے ہیں میرا یہ منشا، نہیں نہ میری عبارت کا یہ منشا ہے کہ ”توہ کو تم پر ہے“ نہ یہ کہ بہنوں کا مذہب پر وہ ہے۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ (۱) مانی نے اپنے مذہب کے اخلاقی اصول بالکل پر وہ مذہب کے اخلاقی فلسفہ سے ملے (۲) اور اسی سلسلے میں بعض بائین ہندوستان کے اُس مذہب سے بھی لین چور بہنوں کا مذہب ہے۔“

جناب ساحل میرے کرم و بہ وطن شفیق جناب ہوش بلگرامی کے حقیقی بھائی ہیں۔ اپنے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات کو معضون کی صورت میں لاکر علمی دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا ہے جو ہر طرح قابل رشائش اور لائق تحسین ہے آپ چاہتے تو اب تک بہت کچھ اس صفت میں لکھے بڑے ہوئے نظر آتے مگر آپ اُن چند نفوس میں ہیں جو گمنامی کو شہرت سے بہتر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے جرائد آپ کی علمی مانیوں سے اجماعی ہنگ خرم ہیں۔

مروند بالا معضون جناب ساحل کی خاص جودت طبع کا نتیجہ ہے اس میں شک نہیں کہ اس عنوان پر جناب ساحل سے بہت عرصہ قبل ملک کے مسلم الشیخ موریخ و افشا پر دار مولانا شہر لکھنؤی قلم اٹھا چکے ہیں۔ حد پارہ دل میں مولانا شہر کا ایک معضون مانی کے عنوان سے چھپا ہے جو دنگل انداز ہے دوسرا معضون کوثر بریلوئے میں سیمت کے مستند مد فرمے کے عنوان کی تحت میں شروع ہو کر نو مہر لکھنؤ کے دنگل انداز میں ختم ہوا۔ ہم اُن دونوں معضون کو یہاں تاظرین کے مزید لطف کے لئے درج کرتے ہیں تاکہ تاظرین لطف اندوزی کر سکیں باوجود مولانا شہر کے اُن دونوں معضونوں کے جو مولانا شہر نے مانی کے متعلق لکھے ہیں جناب ساحل کے اس معضون میں بہت سی خصوصیات ہیں جنہوں نے حضرت ساحل کے اس معضون کو خاص نوعیت کا سرمایہ قرار دیا ہے ہم کو امید ہے کہ تاظرین مولانا شہر کے دونوں مورخانہ مضامین کے پڑھنے کے بعد جناب ساحل کے معضون سے خاص فائدہ اٹھائیں گے اور انکی کاوش و جانفشانی کی دسے داد دیں گے۔

دست بلگرامی

مانی

(از جناب مولانا عبدالحکیم صاحب شہر لکھنؤی مظلعلی)

ہمارے ملک میں ادب ہماری زبان بولنے والوں میں کون ہو گا جس نے شہر کے کلام کو پڑھا ہو اور مانی کا نام نہ سنا ہو جو مصوری اور نقاشی کا سب سے بڑا کامل فنون اور استاد بالکمال مانا جاتا ہے کہ کوئی مصور چاہے کتنا بڑا مصو ہو جائے مگر رنگ کے خیال میں مانی کے درجہ سے نہیں بڑھ سکتا مگر افسوس کہ سارے ہندوستان میں شاید شاد و نادر ہی کوئی جانتا ہو گا کہ مانی کون شخص تھا کس زمانہ میں تھا؟ کیا کرتا تھا کمان رہتا تھا؟ اور کیونکر اہل کمان مرا؟ واقعی ہمارے نزدیک کا یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ ہم ان لوگوں کے حالات سے بہت ہی کم واقف ہیں جن کے نام بالبار ہماری زبان پر

آتے ہیں ہمارے فلموں سے نکلتے ہیں اور جو ہماری افشا پر دازی کا زیور بنے ہوئے ہیں ہم نے اس بات کی کوشش شروع کی ہے کہ ایسے تمام لوگوں کے حالات سے پہلک کو واقعہ کر دیں چنانچہ ہم بہت سے لوگوں کے حالات شائع کر چکے اور اب اس مشہور و معروف نقاش عجم کی سوانحی کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

مانی ایک ایرانی نژاد اور عجوسی الاصل شخص تھا۔ اگرچہ کچھ سنہ ولادت ہمیں معلوم نہیں مگر اس میں کچھ کلام نہیں کہ اسکا نشوونما اور عروج تیسری صدی عیسوی میں یعنی حضرت رسالت مسلم سے

صرف مہر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حنا ایسا ہے جسکو تمام ہندوستان میں قبولیت حاصل ہے

مثاناً غیر ممکن تھا۔

یہ انقلابات یہ کشت خون اور یہ خرابیاں دیکھ کے مآبئی خدائے
ہوا کہ کوئی ایسی کوشش کرنی چاہئے جسکی بدولت یہ جھگڑے سب جان
اور ایران و روم دونوں کسی نئے اصول کے تابع ہوں۔ ان اصول کو
اُس نے اپنے علم و فضل کے زور اور حسن تدبیر سے خود ہی قائم کرنا شروع
کیا۔ مگر تاریخ سے بہت سی شہادتیں مل سکتی ہیں کہ ایسی کوششوں کا
نتیجہ ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ بعض اس کے کہ مذہبی اختلاف مٹے ایک نیا
مذہب پیدا ہو گیا۔ اور جھگڑے بجائے گئے اور بڑھ جایا کئے۔ چنانچہ
یہی نتیجہ مآبئی کی ان کوششوں کا بھی ہوا۔

اپنے جدید مذہب کو ہنر و تیار اور مضبوط بنانے کے چکا تھا کہ اپنی کوئی
میں ان پر پیدا کرنے کے لئے اس نے ارادہ کیا کہ دولت ساسانی میں سوخ پیدا
کئے اپنے باخترین حکمران کی قوت پیدا کرے۔ اور دولت علم کو بھی اپنے جدید
کیش و آئین کا حامی بنائے اور چونکہ بہت بڑا لائق و فائق شخص تھا ہر
اُسکے علم و فضل کا شہرہ تھا لہذا اس غرض میں اُسے بہت آسانی سے مل گئی
ہو گئی۔ اور شہنشاہ ایران شاپور اول کے دربار میں پہنچ کے سارے ملک
میں عزت و ترقی کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ اب یہ عزت و وقعت حاصل
کرنے کے بعد مذہب کے متعلق اُس نے اپنے آزادانہ اور مصلحت آمیز خیالات
ظاہر کرنا شروع کئے تھے کہ ایران کے تمام کاہنوں اور ملت زرتشتی کے
معتقدوں نے بڑے زور و شور سے مخالفت کی۔ ایران میں باوجودیکہ
شاہنشاہی سلطنت کے آگے ہر شخص کو غلاموں کی طرح سر جھکا کرنا تھا
مگر مذہب کا زور اس قدر بڑا ہوا تھا کہ اس کے مقابلے میں بادشاہ سے
بھی کوئی حد نہ مل سکتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ مآبئی کو سخت ناکامی ہوئی۔ اور یہی
ناکامی کہ دربار خسروی در کنار وطن کو بھی خراب و کشتی پڑی۔

مگر ایسی ناکامیوں اس طبیعت کے لوگوں کے لئے عموماً ناجائز ضرر و مان
ہونے کے بغیر نہ ہوا کرتی ہیں۔ مآبئی دربار ساسانی سے حکلا توبہ و ارض

تقریباً تین سو برس پیشتر ہوا۔ اپنے وطن کے استادوں سے سیکھ کے
اور نیز اپنی ذاتی طباعی و مناسبت سے کام لیکے فن مصوری میں اس
درجے کو پہنچ گیا کہ سارے ملک میں کوئی شخص ہمسری کا دعویٰ
نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے کمالات صرف اسی فن پر محدود نہ تھے
علمی ذوق نے اُسے جتنا بڑا مصور بنایا تھا اتنا ہی بڑا فلسفی اور کسی درجے
کا ہیئت دان اور بخوبی بھی بنادیا۔ الغرض علوم فلسفہ اور انکسائیں
غور و تدبر کرنے کے ساتھ اُس نے دنیا کی پولیٹیکل اور سوشل حالت بھی
اور کوشش کی کہ ان مذہبی جھگڑوں کو مٹانے کا ایک اصول کا
پابند بنانے کی کوشش کرے۔

ان دنوں دنیا کی پولیٹیکل حالت یہ تھی کہ ممالک مشرق میں چونکہ
بڑی کوششوں کے ذریعہ عیسوی کو کسی طرح کامیابی نہ حاصل ہوتی تھی
مغرب میں تو مسیحیت بڑے عظیم مغرب کے سوا اعلیٰ تک جا پہنچی تھی۔ مگر
مغرب کی طرف زرتشتی نے اسے ایسا روکا کہ کسی طرح دریا سے فراٹ جاب
نئے آگے نہ بڑھنے پائی تھی۔ جہاں کے سرحدی متلار و صوبجات میں پولیٹیکل
انقلابات کے واسطے میں چھپ چھپ کے دین عیسوی اور دین زرتشتی اور
تھے۔ چنانچہ ارمینہ جو ایران و روم کا سرحدی صوبہ تھا اس قسم کی عظیم الشان
معرکہ آرمینوں کا دھل اور بڑی بڑی سازشوں کا مرکز بن گیا۔ یہاں کا
فرمانروا ایک عیسوی و عظیم کی تلقین سے عیسائی ہو گیا تھا۔ لیکن جب
دولت عجم کے ساسانی تاجدار کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے اس سچی عالم
کو قتل کر کے پہلی آتش پرستی قائم کر دی۔ اتفاقاً اسی سحبت کے فروغ
پالے کا یہ ایک نیا سلسلہ جاری ہو گیا کہ خاص ساسانی خاندان کا ایک
شاہزادہ اور ایک شاہزادی جو خرو و دخت کہلاتی تھی کسی باہوی کی محبت
میں بیٹھ بیٹھ کے عیسائی ہو گئے۔ اور ان کوششوں سے پھر مسیحیت ارمینہ
میں فروغ پانے لگی۔ اگرچہ اب بھی اس جدال و عجم نے عیسائیوں بہت
کچھ ظلم و جور کیا مگر اسی محبت کا قدم آرمین میں جم گیا تھا۔ اور اُس کو

اصغر علی محمد نے تاجر عطر لکھنو کے کارخانہ کا عطر خنا جہد پر نام لگا کر اسی قدر اسی خوشبودیر پا اور خوشنوار ہو گیا

وہ لکھے ہیں کہ آتی نے نقاشان چین کے اعلیٰ کمال نقاشی کا شجرہ سن کے چین کا سفر کیا۔ اُس کی روانگی کا حال جینیون کو معلوم ہوا تو انھوں نے ایک اندسے کوئین کی ترمین روح اس کے راستے میں پڑنے والا تمام ایک آئینہ بنادیا جو پانی کا دھوکا دیتا تھا۔ مائی واپس پہنچا اور پانی اور شیشہ کا امتیاز نہ کر سکا۔ چنانچہ پانی کالنے کے لئے اس کوئین میں ڈول ڈالا۔ مگر جب پانی کی ٹھیس سے شیشہ ٹوٹ گیا تو اپنی غلطی پر اُسے بڑی مذمت ہوئی۔ سمجھا کہ جینیون مصوروں نے تجھے دھوکا دینے کے لئے یہ چالاک کی ہے۔ فوراً کوئین میں اُترا اور اس شیشے کی جگہ اب اس نے ایک مرا اور مڑا ہوا آئینا بنادیا جس میں اوپر سے کیٹے بھی بلبلاتے نظر آتے تھے۔ اور اس صنعت سے اُس کا یہ طلب تھا کہ اقل تو جینیون کی معاندانہ کارروائی کا جواب ہو جائے تو پھر کوئی راہ چلتا اس کوئین میں پانی لینے کے لئے ڈول نہ ڈالے۔ اس کے بعد جب وہ چین میں پہنچ گیا تو نقاشان چین سے اُس سے مقابلہ ہوا۔ قدر در ان بادشاہ یا اُمرا نے مقابلے کی یہ صورت نکالی کہ آٹھ سالے کی دو دیواریں مائی اور چینی نقاشوں کو دی گئیں کہ ان پر اپنے اپنے فن کا کمال نکھانے اور درمیان میں ایک در دیوار اُٹھا دی کہ جب تک دونوں کی طرف کی تصویریں تیار نہ ہو جائیں کوئی اپنے حریف کی کاریگری سے مطلع نہ ہو۔ جینیون نے بڑی محنت و سرگرمی سے اپنی دیوار کو عجیب و غریب تصویریں کا مرقع بنادیا۔ مگر مائی نے صرف اتنا کیا کہ اپنی دیوار کو خوب گھونٹ گھونٹ کے آئینہ بنادیا۔ اور اس پر ایک پردہ ڈال رکھا۔ جب دونوں نے ملکر اب ہم اپنی تصویریں بنا چکے تو معین اور مقابلہ کرنے والے آگے کھڑے ہوئے۔ اور دیوار پہنچ سے توڑی گئی جینیونیوں کی صنعت کی تعریف کی گئی۔ اور اب مائی نے اپنی دیوار سے پردہ ہٹایا جو تصویریں جینیون نے بنائی تھیں۔ ان کا عکس مقابل کی دیوار پر پڑا۔ اور معلوم ہوا کہ مائی نے بغیر دیکھے اُن کے مرقع کی نقل اس کمال کے ساتھ اُتاری ہے کہ

مشرق کو روانہ ہوا پہلے ترکستان میں گیا۔ وہاں کی قوموں اور ان کے مذہب کو دیکھا۔ پھر ہندوستان اور چین کا سفر کیا وہاں کے مذاہب اور اُن کے اصول الہیات میں بصیرت حاصل کی۔ بودہ مذہب کی حقیقت دریافت کی۔ برہمنوں کے اخلاقی و مذہبی اصول دیکھے۔ اور ان سب مورخین پر کمال حاصل کر کے ترکستان میں واپس آیا اور اب یہاں پہنچ کے اُسے ایک سنسان گھاٹی میں جا کے خلوت اختیار کی۔ اس جگہ ایک شان چشمہ جاری تھا اور جا بجا میوہ دار درختوں کے موجود ہونے سے کھانے کے لئے بھی پورا اطمینان تھا۔ اس وادی میں وہ کامل ایک سال تک بیٹھا رہا۔ اور اُسی خلوت کدے میں اُس نے اپنی کتاب ارتسنگ تیار کی۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ چالیس دن بعد کوہ طور پر سے تورات کی لوحین لے کے آئے تھے اسی طرح وہ اپنی اس کتاب کو لیکر برآمد ہوا۔ اور آتے ہی لوگوں سے کہا ”میں خدا کے پاس سے آیا ہوں جس نے مجھے موش بہ نبوت کیلئے ہے۔ اور یہ آسمانی کتاب وہی ہے جس کا جب ساری دنیا کو عمل کرنا چاہئے۔“ دیگر آسمانی کتابوں کے خلاف اس کتاب بن نہایت اعلیٰ درجے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جو اُس زمانے کے اعتبار سے اتنی بڑی اعلیٰ چابک دستی اور ایسی صناعی کا ثبوت دیتی تھیں کہ انسانی قوت سے بالاتر تھیں۔ گئین اُنہیں کو اُس نے اپنی ہلک کتاب کے آسمانی ہونے کا معجزہ اور ثبوت دیا۔

فارسی وار و شاعری و انشا پر داری میں مائی محض ایک معصوم مشہور ہے غیاث اللغات کے مصنف نے خدا جانے کس بنیاد پر اسے ایک رومی نژاد مصور بتایا ہے۔ جو بالکل بے اصل ہے۔ اس کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ اُس کے اُس کمال کی مصوری ہی کو اپنا معجزہ قرار دے دعویٰ ثبوت کیا۔ اس کے اس کمال کی نسبت مولانا فاضل نے سکند نامے میں چند ایسے واقعات لکھے ہیں۔ جو غالباً اُن دنوں ایرانیوں میں مشہور تھے۔ کیونکہ قدیم تاریخوں میں ان باتوں کا پتہ کہیں نہیں

کسی بات میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ سمون نے اس کی بے انتہا تعریف کی اور عرض کر کے کہنے لگے۔ یہ واقعات اس قسم کے ہیں کہ ان کی ایک کمانی سے زیادہ وقعت نہیں معلوم ہوتی۔

بہر حال اس سفر اور اپنی ترکستان کی مذکورہ خلوت گزینی سے فراغت کر کے جب وہ ایران میں واپس گیا تو اپنے کو ایک صاحب کتب پتھر بنا رہا تھا۔ اب ایران میں آئے ہی اُسے نمایاں کامیابی ہونے لگی بہت سے لوگ اُس کے معتقد اور پیرو ہو گئے۔ علمائے زرتشتی سے اُس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اُس زمانے میں شاہ پورانیا سے شخصیت ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اُس کا بیٹا ہر مزین شاہ پور تخت و تاج سلطانی کا مالک تھا۔ ہرگز اُس کی بڑی قدر و منزلت کی علم و فضل کی قدر پائی کہ اس پر نہایت ہی مہربان ہوا۔ اور علاقہ بابل میں اربابوں نام ایک قطعہ اُسے رہنے کو دیا۔

اس قطعہ میں بیٹہ کے آئی نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ اور اس کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کو شائع کرنے لگا کہ ہزار ہا آدمی اُس پر ایمان لے آئے۔ اور مذہب مانوسی روز افزون ترقی کرنے لگا۔ مانی کا مذہب بادی نظریہ دین عیسوی کی شاخ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اصل میں وہ دنیا کے تمام مذہبوں سے مرکب تھا۔ یہ ظاہر سمیت کو مذہب حق تسلیم کر کے اُس نے تمام مشرقی مذاہب کے فلسفہ الہی کو اپنا دستور العمل بنالیا تھا۔ وہ وحدت وجود کے مسئلہ کا حامی اور مدعی تھا۔ تخلیق عالم کی نسبت کچھ نہئے اور عجیب خیالات ظاہر کئے تھے۔ یہ انش پرستوں کے اصول کے مطابق اصل بنیاد و خداؤں بزدان و اہرمین پر قائم کی۔ اور انہیں کے نتیجے میں تو نور ظلمت کی اصطلاحوں سے بھی کچھ مذہبی اور روحانی کام لیا۔ حضرت مسیح کی نبوت کو تسلیم کیا۔ اور ان کے پیروں کے انبیاء خاصہ حضرت موسیٰ کی نبوت سے قطعاً انکار کر دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہودیت سے کسی قسم کا علاقہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

یہودیت میں اس قدر تنگ خیالی تھی۔ اور وہ مذہب ایک قوم اور ایک خاص سرزمین اور ہزار ہا قسم کی سخت قیود کے ساتھ اس قدر وابستہ تھا کہ وہ تمام نئے بیانات مذاہب جنہوں نے حضرت مسیح کے بعد دین میں کوئی اجتہاد و تفسیر کرنا چاہا۔ سب کے سب دین موسوی کے خلاف تھے مانی نے اپنے مذہب کے لئے اخلاقی اصول بالکل نودہ مذہب کے خلاف فلسفہ سے لئے۔ اور اسی سلسلے میں بعض باتیں ہندوستان کے اہم مذہب سے بھی لی ہیں۔ جو یہ ہنوں کا مذہب ہے۔ الغرض مانی کے مذہب کی حقیقی شان یہ تھی کہ جو سمیت کے بزدان و اہرمین اور چین و ہند کے خلاف فلسفہ کو عیسویت کا جامہ پہنا دیا گیا۔ کتاب عبدعزیز (توراة) کو، اُس نے شیطانی دوسو سو کو نو نہ بتایا۔ اور چند ان انجیلوں کے ساتھ جنہیں مسیحی جعلی بتاتے ہیں۔ مانی کی کتاب ارتشک اس نئے دین کا دستور العمل قرار پائی۔ مگر باوجود اس کے کہ مانی نے مختلف مذاہب سے القاط اور انتخاب کیا تھا پھر بھی زرتشتیت غالب تھی۔ کیونکہ مانی کہتا ہے عالم مریخ اور دو قدیم وہ ازل اصولوں سے مرکب ہے۔ ایک نور اور ایک ظلمت۔ یہ دونوں اہلی چیزیں ازل ہی ہیں۔ ہمیشہ تھیں۔ اور ہمیشہ رہیں گی۔ ان میں ہمیشہ سے حس عقل اور دیکھنے سننے کی قوت تھی اور ہمیشہ رہی۔ دونوں باعتبار ذات صورت فعل اور تدابیر کے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور اور یہ لحاظ اپنے اپنے چیز کے ایک دوسرے کی مقابل ہیں۔ یعنی اس طرح جیسے کہ کسی چیز کا سایہ اس کے مقابل رہا کرتا ہے۔ اور عینی خیالیان در بھلائیان ہیں سب نور کی طرف منسوب ہیں اور عینی برائیایان اور خرابیایان ہیں سب ظلمت کی طرف منسوب ہیں۔

تاہم مشرقی مذاہب کے ان خیالات و عقائد کے ساتھ اُس نے تجل سے۔ یہ قائدہ اٹھایا کہ فارسیہ جس کے ظہور کی بشارت حضرت مسیح نے دی تھی اور مسلمان جس کا موروث حضرت محمد (صلعم) کو بتاتے ہیں خود اپنے آپ کو بتایا۔ اور علانیہ کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ نے میرے ہی آنے کی

اصغر علی محمد علی تاج محل لکھنؤ سے مال طلب کر کے بعد اگر ناپید ہو تو قیمت واپس لیجئے۔ اور واپسی کے محضو کا بھی کاغذ خانہ درج ہو

پشین گوئی کی تھی۔

روزین اس نے اس قدر عروج حاصل کر لیا کہ کیتھولک سمیت یونی
بولوس کے پیروؤں کے مقابلہ میں ایک مستقل اور زوردار مذہب
بن گیا۔ اور رومی کلیسیا کا سب سے زبردست حریف بنی فرقہ تھا۔
ماتوی لوگ اپنی توحید پر نازان تھے۔ اپنے مخالف عیسائیوں کو مشرک
و میت پرست بتاتے تھے اور جو اختلافات کہ رومی کلیسیا کی ترجیح کے لئے
عمل میں آتے تھے وہی اختلافات زیادہ قوت اور اثر کے ساتھ ماتویوں
میں بھی قائم ہو گئے۔ چنانچہ بارہ برس عہدہ دار رسولون اور جوارپون
کے نام سے معین ہوئے ان کے ماتحت ۷۲ بپشپ یعنی اسقف اعظم تھے۔
پھر ان کے زیر حکم پریسبیتر اور دیکن تھے جو سفر کرتے اور ہر طرف شہروں
شہروں اور ترقین قریوں دین ماتوی کو تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔

ماتنی کا قائم کیا ہوا دین ماتوی ایک ہزار برس تک دنیا میں قائم
رہا اور باوجودیکہ روم کی سبھی شہنشاہی اور بطرس کے جانشین پاپاؤ
نے اس پر بڑے بڑے اور طرح طرح کے ظلم کئے مگر کسی طرح ان کے شکستے
نہیں ہو سکے۔ فتوحات اسلام سے بھی اس مذہب کو بڑا ضرر پہنچا تھا
لیکن انکی حکومت میں بھی ایک مدت دراز تک زندہ رہا۔ لیکن
آخر مسلمانوں ہی کی کوشش سے غالباً اس مذہب کا خاتمہ ہو گیا۔
کتاب مل و خمل میں علامہ شہرستانی نے۔ ماتنی کے باپ کا نام فائز
بتایا ہے۔ (از صد بارہ دل حصہ اول)

لیکن حیرت کی یہ بات ہے کہ ماتنی نے اگرچہ اپنے مذہب میں بہت
زیادہ اصول آتش پرستی ہی کو قائم رکھا تھا۔ مگر سب سے زیادہ ضرر
اور صدمہ اسے خاص زرتشتیوں ہی کے ہاتھ پہنچا۔ علیہ۔ جوس اس کے
مخالف اور دشمن ہوتے جاتے تھے۔ جب تک ہر حزن شاہ پور زندہ رہا اُسوقت
تک تو اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ اس لئے کہ وہ اس کا دوست تھا۔
اور اسی کی مرہانی سے قلندر آراہیوں بن بیٹھ کے اسے اپنے مذہب کے
شائع کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر جب ہر حزن کے بعد اس کا بیٹا ہرام شہنشاہ
ایران ہوا تو اسے آتش پرستوں کے موبدون اور دستورون نے بہت قدر
اٹھا کر ماتنی کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ آخر حضرت
مسح کے شہید برس بعد اور حضرت محمد صلعم سے ۳۹ سال پیش وہ
اپنے قلندر کے گرفتار کر کے ہر کم کے سامنے لایا گیا جس نے یہ نہایت سختی
سنائی کہ زندگی ہی میں اس کی کھال کھجوالی۔ اس میں بھس بھرا
دیا جاتی کی کھال کا یہ پتلا اپنی مظلومی کی تصویر دکھانے اور نقصان ہی
کے ظلموں کے کارنامے ظاہر کرنے کے لئے ایک مدت تک شہر شاہ پور
کے پھاٹک پر جواؤں و لون ساسائیوں کا دارالسلطنت قرار رکھا رہا۔
لیکن ماتنی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے مذہب کو اس قدر فروغ
دے دیا تھا۔ کہ اس کے بعد پورے استقلال کے ساتھ قائم رہا اور یہی

مسیح کے بلند فتنے

(از مولانا عبدالحکیم صاحب شہر مدظلہ العالی)

ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص تھا یہ وہی ماتنی ہے جو مصوری کا
بہت بڑا متفاد خیال کیا جاتا ہے۔ اور فارسی وارد و شاعری میں بھی
مشہور ہے۔ شاید ہائے بنان پڑے کہ کوگون میں کم ہوں گے جو آئی ہا بلو

نامشک کے سب فرقوں سے زیادہ قوی اور زبردست مائیکلی
یا عربی ترکیب سے کہا جائے کہ ماتوی فرقہ تھا۔ اس کا بانی ماتنی نام ایک

ملہ سنی کلیسیا کی تاریخ مسیحی مذہبی فکر ۱۲

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر خا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب ہو سکا

زرتشتی اُس کی عداوت پر آمادہ ہیں اور مذہبی امور میں دخل دہی کرنا
بادشاہ بھی نہیں پسند کرتا۔ تو شاہی دربار کو چھوڑ کے مشرق کی طرف
چلا گیا۔ پہلے ترکستان میں گیا۔ پھر ہندوستان اور چین کی سیاحت
کی۔ یہاں کے مذاہب کے اہمول سے واقف ہوا۔ بودہ مذہب کی
حقیقت دریافت کی۔ ترکستان میں پہنچ کے اُس نے ایک گھائی میں
خلوت اختیار کر لی جہاں ایک چشمہ جاری تھا۔ اور کھلنے کا سامان بھی
موجود تھا۔ کمال ایک سال تک اسی میں بیٹھ کے اپنی کتاب ترتیب کرتا رہا
جس کو ایک سماں کتاب کی شان سے لے کے باہر آیا۔ اور حضرت موسیٰ
کی طرح لوگوں سے کمابین خلا کے پاس گیا تھا۔ اور یہ احکام خداوندی
تھمارے لیے لایا ہوں۔ دیگر تمام آسمانی کتابوں کے خلاف اس کی
کتاب میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اور
جو اُس زمانے کے لحاظ سے اتنی بڑی جاکبندی کا ثبوت دیتی تھیں انسانی
قوت سے بالا اور بہت ہی زبردست عجزہ تصور کی گئیں۔ عرض ایک
مدت کے بعد پیغمبر مرسل اور صاحب کتاب بنی بن کے وہ ایران میں
واپس آیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ مجوسیوں اُس سے
بڑے بڑے منظرے ہوئے ہر مہر مین شاہ پور کے عہد میں وہ اپنے اس طوفانی

کے نام سے نہ واقف ہوئے۔ مانی تیسری صدی عیسوی کا بڑا نامور ایرانی
فلسفی و فقیہ رہے۔ اور مشہور مصور تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ مشرق
میں دین عیسوی کو کسی طرح کامیابی نہیں حاصل ہوئی تھی زرتشتی مذہب
نے عیسویت کو ایسا روکا کہ مغرب میں تو وہ بحر عظیم مغرب تک جا پہنچا مگر
مشرق میں دریائے فرات و دجلہ سے آگے نہ بڑھنے پاتا تھا۔

آرمینیا ایران و روم کا سرحدی صوبہ پہلے پولیسکل تھیں اور
بڑی بڑی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اب وہ مذہبی انقلابات کا
دنگل بن گیا۔ یہاں کا فرمان روا ایک عیسوی واعظ کی تلقین عیسائی
ہو گیا تھا۔ مگر جب ایران کے شاہی خاندان نے اُسے قتل کر کے پہلی آتش
قائم کی تو قدیم شاہی خاندان کے ایک لڑکے اور ایک لڑکی خسرو وقت
کی کوشش سے پھر دین عیسوی اس ملک میں آیا۔ اور اگرچہ اب بھی
بڑے بڑے غلام عیسائیوں پر ہونے سمیت کا قدم اس ملک میں چم گیا۔
اسی حالت کو دیکھ کے مانی نے کوشش کی کہ ایک ایسا مذاہب
قائم کر دے جو مشرقی و غربی دونوں مذہبوں سے مل کے بنا ہو۔ اس نے
اپنی ذاتی لیاقت کی وجہ سے ایرانی شہنشاہ شاہ پور اول کے دربار میں
عزت حاصل کی۔ لیکن جب دیکھا کہ وہاں کے جاہل اور معتدایان

سے اسے یہاں مانی کے متعلق عجیب و غریب قصہ مشہور ہیں غیث اللغات میں لکھا ہے کہ مانی ایک رومی نژاد شخص تھا جس نے اپنے کمال مصوری کو اپنا سحر قرار دے کے دعویٰ کیا
کہ خیر زمانہ کے غنیمت ہے کہ رومی نژاد ہونا غلط ہے مگر لانا انتظامی سند نہ نامہ میں لکھتے ہیں کہ مانی نے نقاشان چین کا شہر ہن کے چین کا سفر کیا۔ چینیوں کو جب
اُسکی دانگی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ایک گنوہن کی تہ میں (جو اُس کے راستہ میں رہنے والا تھا) ایک آئینہ بنا دیا تاکہ باہر کا دھوکا نہ لگے۔ مانی اس غریب میں
آگیا۔ گنوہن میں ڈول ڈال ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا اور ڈول کی ٹھیس سے غیثت ٹوٹ گیا تو اُسے بڑی مذمت ہوئی کہ چینیوں کی چال کی سے مجھے بڑا دھوکا ہو گیا۔ اس مذمت کے
مٹانے کے لئے اُس نے شیشہ کی جگہ اُس گنوہن کی تہ میں ایک مراور شاہو اکٹا بنا دیا جس پر کپڑے بھی بلبلائے نظر کرتے تھے۔ مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ پھر کسی کو دھوکا نہ ہو
جب نقاشان چین سے مقابلہ ہوا تو ایک مکان میں آئے سٹھنے کی دیواروں میں سے ایک مانی کو اور ایک چین کے مصوروں کو دیکھی گئی کہ پتہ اپنا کمال دکھائیں
صوفیان میں ایک دیوار اودھٹا دی گئی اور کہا گیا کہ جب وٹون کی نقاشی ختم ہو جائے گی تو دیوار کو گرا کے باہر مقابلہ کیا جائیگا چینیوں نے بڑے بڑے کمالات مصوری
دکھائے مگر مانی نے اپنی دیوار کو صرف گھٹ گھٹ کے آئینہ بنا دیا اور جب چکی دیوار گرائی گئی تو چینیوں کی تصویر گائے کی کی دیوار پر پڑا۔ یعنی وہی ہی تصویریں دھڑکی نظر آئیں
لیکن ان واقعات کی ایک کٹلی سے زیادہ وقعت نہیں معلوم ہوئی ۱۷۷۱ء تاریخ دین عیسوی مصنف مل میں۔ عہدہ سخی کلب کی تاریخ مصنفہ ڈکلی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب ہو سکا

داهرن چین و ہند کے اخلاقی فلسفہ کو عیسائیت کا جامہ بھادیا گیا تھا۔ کتاب عبدعزیز شیطانی الامام کا نمونہ بنائی گئی اور چند جعلی انجیلوں کے ساتھ مانی کی تحریروں اس فقرہ کا دستور اسکل نہیں۔ مانی نے انجیل سے یہ فائدہ بھی اٹھایا کہ اپنے تئیں موعودہ فارطیٹ بنا کے اپنے خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا۔

اس مانوی فقرہ نے عیسائی دنیا میں اس قدر ترقی کی کہ پوچھوں کے پیردوں کے مقابلہ میں مستقل اور زوردار مذہب بن گیا۔ اور رومی کلیسیا کا سب سے زیادہ قوی حریف تھا مانوی لوگ اپنی وحدت نازل تھے۔ اور اپنے مخالف عیسائیوں کو بت پرست بتاتے تھے۔ اس فقرہ نے بیان تک ترقی کی کہ رومی کلیسیا کے سے پورے مذہبی مطالبات اس میں بھی جاری ہو گئے۔ بارہویہ مذہبی ہمدہ دار رسول و حواری کے نام سے۔ انکے پیچھے، بشپ اور دیگر اعلیٰ تحت پرستہ اور دیگر تھے جو سفر کر نیوے داعی قرار دیے گئے تھے۔ یہ فقرہ تیرہویں صدی عیسوی تک قائم رہا۔ اور اب روم کے عیسائی شمشاد ہون اور پوپوں نے بڑے بڑے ظلم کئے اور فتوحات اسلام نے بھی اسے بڑا مضرب ہو بچایا۔

داخو وازد نگداز۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۱۷ء

سفر سے واپس آیا تھا جس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی اور علاقہ بابل میں اراہیمون نام ایک قلعہ اسے رہنے کو دیا اس قلعہ سے چھٹے کے مانی نے اپنے نئے دین کی اشاعت شروع کی اپنے بارہ حواری قرار دیے۔ اوائل کو تبلیغ شریعت مانوی پر مامور کیا۔ مگر چند ہی روز بعد متعصب مقتدایان دین زر تشری نے نئے شہر پار ایران بہرام کے دربار میں اس کی شکایت کی بہرام اپنے مذہبی بزرگوں کے اٹھانے سے اس قدر برہم ہوا کہ اس کے حکم سے مصلحت سے قریب زمانہ میں مانی اپنے قلعہ سے گرفتار کر کے لایا گیا زندہ کھال کھینچ کے اس میں جس ممبر دا دیا گیا۔ اور کھال کا یہ پتلہ مدت تک شہر پور کے پھاٹک پر لٹا۔ مانی کا مذہب اگرچہ مسیحیت کے ایک شاخ بن کے نمودار ہوا مگر اصل میں وہ دنیا کے تمام مذہبوں سے مرکب تھا۔ وہ وحدت جوہر کا قائل تھا تخلیق کی نسبت کچھ نئے ہی خیالات ظاہر کئے تھے اعلیٰ بنا و خدائون یعنی یزدان داهرن کے ماننے پر قائم تھی۔ اسی طرح نور و ظلمت کا اصطلاح بھی کثرت سے استعمال کی گئی تھی۔ خدائی اصول بالکل بودھ مذہب کے اخلاقی فلسفہ سے لئے گئے تھے۔ یہودی مذہب بالکل ترک کر دیا گیا تھا اور کہنا چاہئے کہ ایران کے یزدان

تقدیر سی

دا از جناب شفیق صدیقی جو پوری اڈیہ ساو ویلاصر جو پور

قرآن دلم بہ لب شکر شکن تست	عالم متیرہ اداے سخن تست
دیدیم ہر آنجنے آنجن تست	اے جلوہ جانان بہ عالم وطن تست
خلد و ارم و جنت فردوس ندانم	یا و چین تست خیال چین تست
در چاہ باقیم بر دے بجے نیست	شوریدہ دل با بخیال ذوق تست

در قبرس از مرگ شفیق ابن چہ جونے

صد چاک جہرا ہجو گریبان کفن تست

عقارب دین عیسوی مصنفہ دل میں۔

کارخانہ (صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ مٹرخا، لکھنؤ کافی ہے۔

عربی ادبیات کا تبار

از مولوی عبدالحمد صاحب لسانی ناظم دائرہ ادبیہ - مالی کلاں

کی اور شرح ابن ابوالحدید نے،

امام ابو بکر باقلانی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے مصنفات اعمام القرآن، القان اور غرض نادر دوسری ادبیات کا مطالعہ کرنے والوں سے غنی نہیں کہ قرن اول کے اس دور میں ادبی سبک کے انشا پر طرہ زین، بقول از قاشی عربوں کے دماغ نے نظم سے زیادہ نثر کا حصہ پیدا کیا، لیکن نثر کا دسواں حصہ بھی محفوظ نہ رہ سکا اور نظم کا صرف دسواں حصہ ہی بچ سکا، یہ مختصر و مفید حصہ طبعاً صحت کی دلچسپی سے محروم ہے اور زیادہ تر مغرب کی پوٹو پوٹو ادب کا کتب خانوں میں گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ثابت ہو رہا ہے اس دور میں اور جن متاز فنیوں کا پتہ چلتا ہے ان میں زیادہ حجاج، قطری، عمران، وغیرہ قابل ذکر افراد ہیں، اس بزم کی آخری شمع حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ہیں، ابن سعد نے طبقات میں اور ابن جوزی نے مناقب میں آپ کے جو خطبات اور شہسوار سائل نقل کیے ہیں، وہ فصاحت و بلاغت میں آیات کبریٰ کا مرتبہ رکھتے ہیں، اور ان کے پڑھنے سے نہ صرف آپ کے انشا و اراۃ اقتدار کا پتہ چلتا ہے بلکہ آپ کی سلطنت مالی و سیاست دانی کے حالات و واقعات بھی آئینہ ہو جاتے ہیں۔

قرن ثانی کی صبح طلوع ہوتی ہے، اور سب سے پہلے ہمسع عبد الحمید بن محمد بن جیحی سے ملتے ہیں، امویوں اپنے وقت کے نہایت بلیغ صاحب قلم ہیں، ان کا اسلوب تحریر دوسروں کیلئے نقش قدم ثابت ہوا، اس عہد کا دوسرا مقتدا ہارم بن مسلم عبد اللہ بن الملقع ہے، اس فصیح و بلیغ مورخ نے جو کچھ

کمل تاریخ ادبیات عرب لکھ دینا تو بعض وجوہ کی بنا پر فوت میرے بس کی بات نہیں، لیکن اس سے متعلق ایک بسیط تحریر لکھ رہا ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ ناظروں کے پیش نظر کرنے کا شرف مجھے کب حاصل ہو گا۔

عربی ادبیات پر کچھ لکھنے کے لیے جو کتابیں میرے زیر مطالعہ تھیں، ان میں ایک کتاب کا نام اشہر مشاہیر ارباب الشرق ہے، اس کتاب میں محمد کروعلی کے سلسلہ ذکر میں موصوف کا ایک طویل مضمون بعنوان الانشاء و المنشآت مندرج ہے پیش نظر تحریر حقیقت موصوف کے اس مفصل مضمون کی ترجمانی ہے اور ترجمہ بھی نہ۔

ادبیات عرب پر نظر ڈالتے ہوئے اگر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ بادیہ نشین شتر باؤں کی محدود و مختصر زبان کو فکر اس قدر وسعت پر یہ ہو گئی کہ مختلف علوم و فنون کا گہورہ بن گئی، تو قرآن مجید و احادیث نبویہ کے نفوذ و اثر سے قطع نظر کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ اس باب میں جو کچھ حصہ ہے وہ عربی انشاء و اراۃ کا، جبکی موثر بلاغت و فصاحت نے عربی زبان کے سر پر ایک غیظانی تاج رکھ دیا۔

عہد آغاز اسلام میں جسے بلاغت و انشاء کا دور اول کہنا چاہیے، فصاحت و بلاغت کی ایا صفت بلاچون درج احقر صلی کریم اللہ وجہ کے زیر قلم بنی، محققین اس امر میں متفق ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے بعد انجیل البلاغۃ ہی مرتبہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطابات کا مجموعہ جس کی تدوین شریف بنی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حنا ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے

قلمی خدمات اب تک الماریوں کی زینت ہیں باقی افراد کے نقوش قلم گوشت روزگار کے ہاتھوں یا تو بالکل محو ہو یا تو بچ چکے یا اس قدر مختصر موجود ہیں کہ ان پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

تیسرا قرن شروع ہوتا ہے اور امام جاحظ کو پیش کرتا ہے یہ ممتاز اور فائق ادیب اپنے انکار و علوم کا ثناءیت قادر القلم تحریر تھا جس نے کئی کے ساتھ مختلف موضوعوں پر اس نے خصوصاً اسلوب تحریر میں اپنی ادبیت صحت کی ہے اسکی نظریے مابین کلام خدا خالی ہے اسکی تحریر کے کلمات جیسے بارہی دہائے ان کی شہرت کم ہیں ہوئی اسکی عبارت جتنی دفعہ بھی پڑھیے معانی کی لطافت بندش کی جیسی ذہن میں گھسی چلی جاتی ہے پڑھتے جائیے اور دل عتران کرتا جاتا ہے کہ کھنڈے والا کلمات کے بحال استعمال پر پورا اور قادر و زبان کے دقائق و اسرار کا ماہر کامل ہے انہی تحریریں جاحظ افکار میں تبدیلی پیدا کرنے کی غرض سے کہیں کہیں عامی الفاظ بھی استعمال کرتا ہے اگرچہ ایسے ادب کی تلاش کریں جو اپنے اور تحریر اور قدرت قلم کی بنا پر حق کو باطل و باطل کو حق کر دکھائے ہوں تو جاحظ سے قبل ہم کو قریب قریب مایوس ہو جانا پڑتا ہے یہ امام قلم ایک بات لکھتا ہے اور اس طرح لکھتا ہے کہ قاری کا ذہن بالکل مطمئن اور قانع ہو جائے لیکن اس کے بعد یہ وہ بالکل برعکس لکھتا ہے اور بہترین انداز کے پیلے کا اطمینان غائب و قناعت کا نور ہو جاتی ہے جاحظ اپنی پوری کتاب میں اسی طرح ناظرین کے دل و دماغ کے ساتھ جادو و جھل کھیلتا جاتا ہے امام موصوف کی ہر کتاب حقیقت زمانہ کے دست پر بجا ہو ایک محفوظ خزائن جو عربی کتب فائز کے لیے سرمایہ صد افتخار موصوف کی کوئی کتاب بھی کھو لو قضاں اور جدت کا وہ عالم تھا جسے پیش نظر ہوگا کہ انگشت بدندان رجاؤ کے تم بچتے خود شاہد کرو گے کہ کس طرح معانی اپنی لطافتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جاحظ کی

لکھا وہ تکلف و تصنع سے خالی اس کی کل کتابیں کلیات و منہ کی طرح انتہائی بلاغت میں رنگی ہوتی ہیں اس شخص کی عمر نے کچھ زیادہ وفات کی اور وہ صرف ۳۶ برس جیادہ اپنے مقلدین و متبعین کا ایک کثیر التعداد گروہ جو رہا تا سہل بن نون بھی اسی قرن کا قادر القلم ادیب ہے اس صاحب انشا کے قلمی آثار اگرچہ کتابوں میں بہت مختصر مذکور ہیں لیکن جو کچھ ہیں وہ اس کے اقتدار اور جامعیت پر شاہد عاقل ہیں اس کی تحریر سہل معنی کی خصوصیت رکھتی ہے اور مبتذل کلمات اور مشوہات سے پاک ہوتی ہے امام جاحظ نے صاحب قلم کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے انشا پر داؤن کے الفاظ و کلمات پیچیدہ وحشی مبتذل اور بزاری میں نہیں ہوتے سہل بن ہارون اس تعریف کا پورا پورا حق استعمال میں صبیح ہارون رشید کا کتاب عمر بن مظرف منصور و سدی وغیرہ خلفا کا کتاب صالح بن جناح کتاب الادب بلوہ کا مصنف خلیفہ معتز علی اللہ کا وزیر ابو اسحق ابراہیم بن محمد المدیر ابی اسد بن مایہ فصیح الکلام و بلوغ القلم و ذہن مؤرخ الذکر کے اثنا بلاغت میں انظم الرائع و الشرائع و ادوات الکتابة الرسالة العذرا فی لوازم البلاغة جیسی بہترین تصانیف پیش نظر ہیں رسائل البلاغ جو طبع و عاتق جدیدہ کی ایک ممتاز کتاب ہے اور میں چوٹی کے سبب بلاغت جمع ہیں ابونحنی کا رسالہ مذری امین شائع ہو چکا ہے ہون لو اس عہد کے ادب میں بکثرت وارد داخل فہرست ہیں جیسے عبد اللہ بن المقفع عمار بن حمزہ خالد بن یزید حجر بن محمد ابن بن ابی شیخ سالم بن عبد اللہ سعدہ ہز عبد الجبار بن عدی احمد بن یوسف ابراہیم بن عباس الصوفی حسن بن وہب سعید بن عبد الملک وغیرہ وینہ لیکن ان کا قلم میں صحت ابن المقفع احمد بن یوسف الصوفی ہی میں اشخاص ایسے ہیں جن کی

علامہ و عطر حنا کے جملہ قسم کے صندلی عطر بات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

کی جدت و ندرت کے اعتبار سے عربی زبان کو وہ دن دیکھنے نصیب ہوے جو اس سے قبل کبھی نصیب نہ ہوئے تھے متحدہ اجمعی اقوام کا یہ پہلا افتخار تھا جس سے عربی زبان متاثر ہوئی اور اس قدر ہوئی کہ شعر و سخن، اخلاق و محاسن کی حد سے ترقی کر کے علوم و فنون کی زبان بن گئی، حقیقت مامون کا مبارک عہد علم و ادب اور عربی تمدن کی کل تہذیب کا زبرین عہد ہے۔ عہد مامون کا دین مبلغ اہل قلم احمد بن یوسف ہے موصوف کے آثار قلم کا بہتہ صوفی کی کتاب الادراق القلمی، اور ابن طفیل کی کتاب کتاب بغداد (مطبوعہ) نیز تراجم الطولون جلتا ہے، احمد کی تعریف کے لیے صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ خلیفہ مامون الرشید جیسے فرزانہ حاکم نے اس کے فرد و قلم کا ولہام لیا اور اپنی طرف سے قلمدان وزارت پیش کر دیا، اس عہد کے مقبول قلم افرا کی تعداد بہت زیادہ ہیں بعضوں کے نام یہ ہیں۔

عمر بن مسعود (وزیر مامون) ابو الفتح البستی، ابن علی الدمغانی، مامون الرشید نے بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے، مدح و اطاعت سے دوری اور صافی مقصودیت تقرب، کم الفاظ میں بہت معانی کا ادا کر دینا، عمر بن مسعود کی اچیت و انشا پر مامون کی یہ تعریف پوری پوری ساقی آتی ہے اس عہد کی مقبول کتابیں حسب ذیل ہیں۔

- (۱) الامت والسیاستہ، (۲) کتاب العرب (۳) الاثر، (۴) کتاب المعارف، (۵) عیون الاخبار، (۶) اولی الکتاب، یہ کتابیں ابن قتیبہ کی تصانیف ہیں، جو اپنی علمیت، انشا پر اور ذوق قلم کی ہمہ گیری میں نام جا حفظ کا ثانی ہے۔
- (۷) ادب الکاتب کی شرح، مصنف ابن السید بطلمیوسی
- (۸) التنبیہ علی اولیام ابی علی فی المایہ مصنف ابو عبدیہ بکری

دعوت پلسیک کہتے ہیں کس طرح الفاظ اپنی دلکشی و شیرینی سمیت موصوف کے دربار قلم میں غلامانہ اطاعت و فرمان برداری لکھا تھا حاضر و نہایت ہیں بان اس کی کتاب بین قاری کی حجت کا بھی کچھ نہ سمجھ سانا نہ پہنچا ہے، اور وہ گاہ کا غرافت کی چال بھی چل جاتا ہے جا حط کا مخصوص رنگ اس کی کل کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ ابو ان، البیان والتبیین، الجمل، المحاسن والاضداد، الخالطو وغیرہ مصنفات کا مطالعہ کرنا والا اس امر کا بھی اعتراف کر سکتا ہے، موصوف کی ضخیم کتابوں سے قطع نظر کرنے کے بعد ان کے مختصر و خضر رسائل بھی جو مطبوع ہو چکے ہیں یہ شان رکھتے ہیں کہ ان کے ایک ایک ورق کو کسی تنقل تصنیف کا ہمتہ نہ لایا جائے، ابو حیان لکھتا ہے کہ مستقدمین اور متاخرین میں سے صرف تین آدمیوں کو میں منتخب کرتا ہوں، ابو عثمان الجاحظ، ابو حلیفہ الدینوری مصنف "الاخبار الطوال"، ابو زید احمد بن سہل السجی، یہ وہ افراد ہیں کہ ان کے فضل و کمال، علوم و فنون، مصنفات و رسائل کی داد پورا عالم دے لوں گا، اس قلم کے عجیب انداز میں ابو حیان ان تینوں کی تعریف و توصیف کرتا ہے

مقدمین کے علوم و فنون کے تراجم کا آغاز قرن اول کے وسط میں خالد بن زید لموی کے زیر التفات ہوا اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زیر عنایت و اہتمام آخر صدی تک ہوتا رہا۔ اس عہد کا سب سے بڑا امتداد یہ ہے منصور عباسی کے دور میں اس شعبہ کی طرف کافی توجہ مبذول ہو گئی، اور پھر مامون کے عہد میں توجہ کی کوئی حد نہ رہی، اب کیا تھا مختلف علوم و فنون نے صوفی میں ایک نئی روح بھونک دی، اور اس کا دائرہ انسانی سرمایہ، فارسی، ہندی وغیرہ متعدد زبانوں کے تراجم سے مالا مال ہو گیا، طرز و خرم کی رنگارنگی، اسلوب کے تنوع اور افکار و خیالات

کا رخا، اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھو کے لیے تار کا پتہ صرف "خا" لکھو کافی ہے

جس کے ذوق قلم کا نتیجہ کتابچہ ماہنامہ ہے

قرنِ بائیں کے ادبا میں پہلا نمبر احمد بن یوسف معروف
بایں اللہایہ کا ہے جو جملہ دی لاصل ہے۔ اور جس کے والد مصر سے
نعملائے تھے، یہ زبردست ادیب حکومت طولونیر کا محرر تھا، اسکے
اساتذہ میں حسن العقبیٰ اور کتاب المکافاة ہے جو بلا غرض انشا
کے نمونے ہیں، دوسرے اہل قلم انرا حسب ذیل ہیں

۲۔ ابو بکر صولی، ان کے متاخر قلم کتاب الادراہ، الکتاب
کے صفحات میں موجود ہیں،

۳۔ احمد بن عبد ربہ مشہور کتاب عقد الغریب کے مصنف،

۴۔ جعفر بن قدامہ بن زیاد الکاتب

۵۔ ابو الفضل بن الحمید (جو بویہ کا وزیر) ابو الفضل کے والد حکومت
سامانیہ کے محرر تھے، ابو الفضل صحیح دیدیں کی صنعت اکثر انواع کا
ناشر ہے، کہا جاتا ہے کہ رسائل کی انشاء عبد الحمید سے شروع ہوئی
اور ابن الحمید پر کار ختم ہو گئی، جس طرح شعر گوئی کا آغاز امر اقیس
سے ہوا اور اختتام ابو فراس حمدانی پر، ابن عصب اور ابن الحمید کے
متعلق اسے ظاہر کرنے ہوئے لکھتا ہے اور ابو نصر جارہین۔
استاذ الرئیس (ابن الحمید) ابو القاسم (عبد الغزیز بن یوسف)
ابو اسحق (حالی) اور چوتھا جو دمجد لونی مجملو۔

غزل

از حضرت فرخ بنارسی

دل مالکِ فنا ہے تو کیا پیش و پس مجھے
ہونے دے کچھ تو فخر کی دولت سے مستفید
سرمایہ عیادت جاس زندگی کے تھے
لے ہو چکے ہیں منزلِ سہمی کے مرسلے
قتل و نگارِ عیش ہیں غم کی لغانیان
ٹھہرے گا راہ میں زمر کا روانِ شوق
گوارزِ زونے خاک میں جھکے ملا دیا
ہوئی ہے زندگی بھی مصیبت کی کیا طویل
صیادِ بدنگان نہ ہو چکے ناوان سے اب
کب تک رہیگا منزلِ غفلت میں گمان
قوسِ اجل کے یا تو ہے اب شرم بے بسی
آنے لگا ہے حال پر اپنے ترس مجھے

اصغر علی محمد علی تاج محمد کھنڈ کے کارخانہ کا عطر حنا جس قدر پڑنا ہوگا اس قدر اس کی خوشبو پڑنا اور خوشگوار ہوگی

فلسفہ مذہب

(از جناب عود علی خان صاحب عرف آغا علی خان صاحب تخلص محمود شاہل محسن پوری الہ آباد)

فلسفہ دسائنس کو علمی نظریے دیکھنے والوں کے نزدیک اب مذہب ایک ایسے درجے پر پہنچ گیا ہے جس کی طرف سے محض منقولات کی اشاعت بالکل ایک بے حقیقت خیرو گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک کثیر حصہ منقولات کو ہاتھ پر محبت کر چکا ہے اسلئے اس کی ضرورت ہو کر عقلی دلائل سے مذہب کی ضرورت اور حقیقت انکے پیش نظر کی جائے مگر انکے دل میں جتنی وقعت و عزت مذہب کی ہو اور اس کی پابندی کو اپنے لئے وہ مفید سمجھیں میں اس مضمون میں مذہب کی ابتدائی کیفیت، جو دنیا کے سامنے رونما ہوئی اور اس کے تربیتی مایح - اور یہ بات بھی کر دینا کی مختلف قوموں نے مختلف اوقات میں اسکا اثر کس طرح پر قبول کیا ہے اسکے بعد میں پھر نفس منعمون کو جو سرے اس تحریر کا مقصد جو ناظرین کے پیش نظر کرنے کی سعی کر رہا ہوں یہ مضمون عرف عام میں کسی حد تک خشک ہوا اور ممکن ہے طویل بھی ہو جائے - مگر میں اس بات کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایسی سلیس اور ہموار اردو میں جو ناظرین کے دماغ پر گرائی و پیدا کر سکے - مگر ان قبل اسکے کہ میں اہل مضمون کو شرم کروں چند باتوں کو بطور تمہید اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں -

جو شخص جبراً اہل میں زندگی بسر کرنا ہے اور جس رنگ کے آئینہ حیات اسکے پیش نظر رہتے ہیں ان میں رنگ میں اسکے دل و دماغ رنگ جانا لازمی اور یقین ہے اور میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ محض فلسفہ دسائنس کی تعلیم کے جراثیم نے مذہب کی فیلڈ کو کو کھلا کر دیا ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مذہبی خیروں کی بیگانگی اور ادا دی چیزوں کی چمک اور اسکی دلفریبیان طبیعت کے ہواؤں

مذہب کے خالق کرتے ہیں ورنہ فلسفہ و سائنس چونکہ خود زبور الکتا اسرار الہی ہیں اسلئے فلسفہ انکی حقیقی تعلیم خود مذہب کی معاون ہو اسکے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ مذہب کو علمی نظریے دیکھنے والوں نے اس طبقہ کے طوائف میں یہ بات جاگزین کر دی ہے کہ مذہب میں ریاضت جسمانی اس قدر زیادہ اور اس قدر تکلیف دہ ہو کہ جس سے انبساط حیات کا جو ش سرد ہو جاتا ہے جسے مذہب اور تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان ایک دیوار بطور حد فاصل قائم کر دی ہے بعض طبیعتیں ایسی بھی ہیں جو مذہب کی خمیوں کا کھنٹ وہ رخ دیکھتی ہیں جو آخرت کی طرف ہوتا ہوا اور اس طرح کی طرف نظر نہیں کرتیں جس سے دنیاوی زندگی پر مفید اثر پڑا کر سکے ہیں دعوے کے ساتھ کہ اسکا کہ اگر وسیع النظری سے مذہب کے اس رُخ کو بھی دیکھا جائے جس کا میں نے آخر میں ذکر کیا ہے تو لانا نہیں اور دھرمیت کا اثر دنیا سے بہت کم ہو جائے کیونکہ مذہب کے انسانی زندگی کو وہ فائدے پہنچا کرتے ہیں جو دنیا کی کسی اور وقت سے نہیں پہنچ سکتے کیونکہ مذہب کی اصل غرض غایت یہ ہو کہ انسان ایک دوسرے کو اس قسم کا نقصان نہ پہنچائے جسکی وجہ سے تصادم فی انبیاء کا خطرہ دنیا میں بڑھ جائے اور تمام انسانی آبادی متفق و متفق ہو کر منازل حیات کو سکون و مسرت کے ساتھ طے کرتی رہے اور ہر انسان ان میں بہا نعمتوں اور برکتوں سے جو اسکے خالق نے اسکو عطا فرمائی ہیں اپنے حسب استطاعت مستفید ہوتا رہے اور امن و اطمینان طلب ایسی نعمتیں جو بے شمار نعمتوں اور برکتوں کا مجموعہ ہیں انسان کو حاصل ہوتی نہ ہیں اور بالخصوص روح کی وہ وجدانی مسرت حاصل

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ بنایا ہوا عطر خانہ اور کارخانوں کے بنائے ہوئے عطر خانے کی نسبت ہمیشہ خوشگوار ثابت ہوا

اعتراضات کیے گئے تو اپنی رائے میں یہ ترمیم کی کہ مذہب ایک ادراک یا تصور ہے جو ایسے مظاہر کے باعث پیدا ہوتا ہے جنہیں انسان کے اخلاقی سیرت کے متاثر کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔

یہ ایک سکہ مرہ ہے کہ انسانی فطرت میں یہ بات خصوصیت سے پائی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ ان اسرار کے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جبکہ وہ بادی النظر میں سمجھ نہیں سکتا یعنی وہ ہے کہ علت العلل کے سمجھنے کی کوشش ہمیشہ ہر ذی فہم اور تعلیم یافتہ شخص کرتا رہا ہے اور اب بھی لاکھوں ہستیاں اسکے معلوم کرنے میں سرگرداں ہیں۔ مگر یہ بات ہمیشہ ذہن نشین کر رکھنا چاہئے کہ روح با علت العلل کے سمجھنے کے لئے محض عقل کی امداد کافی نہیں ہے بلکہ عبادت اور نفس کی پاکیزگی کی خواہش کی اعانت لازمی اور ضروری ہے اور حقیقت عقل کی امداد سے عبادت اور پاکیزگی

نفس کے مزاج طے ہو جاتے ہیں تب انسان کی اور ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں سے وہ علت العلل کے سمجھنے کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی کے ہر قسم کی اصلی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ شہداء وافر نے مذہب کی یہ تعریف کی ہے کہ مذہب اس غیر محدود طاقت کا خیال ہے جسکی کوئی حد نہیں) میری رائے میں اگر بجائے لفظ خیال کے لفظ (پرستش) استعمال کیا جاتا تو کسی حد تک یہ خیال صحیح یہ ہے کہ تبدیل آفرینش عالم سے ہمیشہ مشرق مذہب اور روحانیت کا گہوارہ رہا ہے اور جن عملی اور نیک نیتی و سچائی سے روحانیت کی پرورش مشرق کے آغوش میں ہوئی ہے اسکی مثال مغرب کی ہرزہ میں میں شکل سے لیلیٰ یا ایک زمانہ وہ تھا کہ مذہب ایک پھول کی شکل میں ذہن اور عقل انسانی کے سامنے تھا اسکے بعد جب تجربات و تعلیم کی روشنی نے ذہن انسانی کو منور کرنا شروع کیا تو مغرب نے آیات کے شمعوں کے تیز دھارے کا مقابلہ کر کے اپنے کورے دم چھڑ دیا

جو جیسے جو اصول مذہب کے دنیا کی اور کوئی شے اسکو نہیں سکوتی۔

یہ ضرور ہے کہ مذہبی تعصب اور فضول مذہبی مراعات اور اہم پرستوں کی مضرتوں نے اللہ تعالیٰ انسان کو بہت نقصانات پہنچائے ہیں جنگی وجہ سے دنیا کو صد بار انقلابات کے دور سے گزرنا پڑا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اسکا مضرت انسان کی حیات پر ایسا پڑا ہے کہ جس سے رفتہ رفتہ آخر کل شیعہ زندگی مسموم ہو جاتا ہے سب سے زیادہ تو تعجب اس بات پر ہے کہ ایک ناجائز الوجود کے ماننے والوں میں استعداد اختلاف پیدا ہو گیا ہو جو کہ کسی طرح سے نکالے نہیں سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حقیقت طہ اور دھارے عقائد میں اس قدر بے آہنگی اور شرعیت میں اعتدال اختلافات دیکھتے ہیں تو مذہب سے متغیر ہو کر اس طرح زنی کرنے لگتے ہیں۔ مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ برائیاں خود مذہب کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ مسٹر میکس ملر نے مذہب کی تعریف یہ کی ہے کہ

(مذہب وہ دماغی قابلیت ہے جو بغیر حواس اور عقل کی امداد کے انسان کو اس لامحدود دلائل و اعتبارات ذات کو مختلف ناموں اور مختلف حیثیتوں میں سمجھنے کے قابل بنادیتا ہے جسکے سمجھنے کا انسان متلاشی رہا کرتا ہے اور جسکے بلوغ میں یہ قابلیت نہیں ہوتی ہے اسوقت انسان مذہب کو نہیں سمجھ سکتا) مسٹر ہربرٹ اسپنسر نے مذہب کی یہ تعریف کی ہے (مذہب کی بنیاد اس قوت پر ہے جسکی تلاش غیر ممکن ہے مگر کائنات اسکی تلاش کی تائید کرتی ہے)۔

ان حضرات نے اور مثل انکے اور حضرات نے مذہب کے اس بڑے نوید لکھا ہے جو محض اصول میں وہ سرائخ مذہب کا جو عملی ہے اسطرح یا تو توجہ نہیں کی یا اسکو ضروری نہیں سمجھا۔ انکے علاوہ بعض حکماء نے مذہب کو محض شوق تجسس بنایا ہے جو انسان کے دماغ میں فطرۃً پایا جاتا ہے۔ مگر کہوید میں مسٹر میکس ملر نے جبکہ ان پر

جہنم ۱۹۲۷ء

جانتے ہیں کہ فلسفہ جاننے میں انکا کوئی مثل ہندوستان میں نہیں تھا۔ اخلاقیات کی تکمیل کی یہ حد تھی کہ تمام عمر کبھی کسی موقع پر بھٹ نہیں بولے۔ ایضاً عہد کی یہ حالت تھی کہ اگر ملا تصدا اور بغیر سوچے سمجھے ہوئے بھی کسی سے کوئی وعدہ کر لیا تو خواہ کتنا ہی کثیر نقصان انکو برداشت کرنا پڑا یا کتنی ہی انداموں کا ٹھکانا ہی ٹری ہے مگر اسکو پورا کیا ہے۔ آخر زمانہ حیات میں جناب مولانا یونور سٹی کے جلسہ میں ارادہ تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جو حق ایک خطرناک حالات کا سخت دھکا انکی صحت کو پہنچ چکا تھا۔ میں نے جب انکے چہرے پر اٹھا وضع و نقاش دیکھے تو وہ چونکہ ہمیشہ صاف اور سچ باتوں کو پسند کیا کرتے تھے اور میں انکی خدمت میں گشت و گشت بھی تھا۔ اسلئے میں نے یہ عرض کیا کہ مولانا آپ کے خاندان کے نزدیک ان کی عمر میں ساٹھ سال کے قریب ہو کر رہی ہیں اور آپ کی کمزوری صحت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ کا دور حیات قریب ختم ہونے کے ہوا اسلئے اب آپ کو اپنے عقائد صحیح اور استدار کر لینا چاہئے۔ زمانے لگے ان خالص صاحب میں خود اسکو محسوس کر رہا ہوں کہ میری قوت حیات اب کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ مگر کیا کروں ایسی بیٹ سے مجبور ہوں جب تک کہ کسی بات کا میرے دل کو اطمینان نہ ہو کیونکہ انکا اطمینان کروں میں نے یہ عرض کیا کہ چونکہ بعض اوقات کثرتِ شمار کی وجہ سے یا محض معمولی بات سمجھ کر ذی فہم انسان تک ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جو حقیقت میں انکی زندگی کے اہم ترین مسائل ہو کر رہے ہیں۔ اسلئے مجھے اس بات کے عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے جو اس فقرہ لکھنؤ سے الہ آباد کا سفر کیا ہے تو یہ سفر دراصل ایک بہت آرام کا تھا اور اس مختصر دوران سفر میں آپ کو کسی چیز کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اور آپ کو بھی معلوم تھا کہ میں اپنے عزیز دوست یعنی مشر محمد اسحاق خان صاحب بیہوش کے

اور بالآخر انکو اس بہاؤ نے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں دنیا کی دلفریبیان اپنی پوری قوت کے ساتھ کام کر رہی تھیں۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان دلفریبیوں کی چمک دمک نے ان کو ایسا محو حیرت یا گہرائی کی نفس اور عبادت کی محنت اسکے واسطے ایسی یادگار بن گئی کہ بالآخر انھوں نے اپنے کندھوں سے اس بوجھ کو ہٹا کر سچے ذالیا جسکی وجہ سے وہ نابہکے شریعت کو شخص ظاہری جو اس کی آنکھ سے دیکھنے لگا وہ یہ ظاہر ہے کہ یہ بیاہ یا روحانیت ایسی چیز نہیں ہے جو محض ظاہری حواس کی آنکھ سے دیکھ کر عقل کی کسوٹی پر کھائے جاتے ہیں جب تک کہ اس آنکھ میں جوہر بصارت نہ پیرا ہو جو پاکیزگی نفس سے پیدا ہوا کرتا ہے۔

اور اس طرف مشرق نے مادیات کے سیلاب کا مقابلہ کیا اور اسنے اپنی زندگی کا ماحصل روحانیت کی تحقیق کو قرار دیا اور اس کا دوش اور محنت بلکہ بعض اوقات اپنی خونریزی سے اُنکو ایسا ذاتی ملنے لگا جسکی مثال کسی مادی اشیائیں نہ مل سکی جی وجہ ہے کہ کھائے مغرب کی نظر کے سامنے ہمیشہ گرد و آلودہ نفسا ہی نظر آتی رہی۔

ان اس طرف کچھ زمانے اکثر مشرقی تصانیف کے ترجموں نے روحانیت کے ذوق تحقیق کو مغرب کے ایک کثیر طبقہ کے دل میں ابھار دیا ہے اور وہ اب بچپن نظر آتا ہے یہاں پر ایک واقعہ کا لکھنا خالی از ہمت نہ ہو گا جو حقیقت میں اس سلسلے کی ایک کڑی کا درجہ رکھتا ہے۔ آنریبل مسٹر جسٹس مولانا سید کریم حسین صاحب سے جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ کس علم فضل کے بزرگ تھے۔

مولانا موصوف سے اور مجھ سے اکثر مذہب اور روحانیت کی بحث رہا کرتی تھی۔ جو لوگ انکے جاننے والے ہیں یہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے ایجاد کردہ عطر حنا کا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

جون ۱۹۶۷ء

منجھ پر یا کر قیام کر دیا جہاں سامان راحت کی ہر چیز موجود تھی پھر بھی آپ وہ چیزیں جو ضروریات سفر کے واسطے ضروری ہیں اپنے ساتھ لائے تھے اور اسپر بھی آپ نے یہ احتیاط کی ہے جو کو اندازہ آپ نے اپنے سفر کے خرچ کا کیا تھا۔ اس سے بہت زیادہ روپیہ اپنے ساتھ لائے ہیں۔ حالانکہ آپ جس قدر روپیہ چاہتے ہر جگہ پر اپنے لئے والوں سے لے سکتے تھے نہ کہ ایک ایسا اہم سفر جس پر آپ کا جانا اگر رہے جس کا منزل مقصود بھی آپ کو معلوم نہیں ہے اور اس کے کل سامان سفر کی طرف سے اتنا آپ بیکر ہیں۔ میرے اس کہنے سے انکے چہرے پر ایک خاص کیفیت احساس کی پیدا ہو گئی اور وہ خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر تک سوچتے رہے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس وقت تہمتی غور و فکر کی حالت میں ہیں انکے بعد مجھ سے یہ فرمایا کہ آپ کا فرمانا بالکل صحیح ہے اور میں اسکی کوشش کروں گا۔ اسکے بعد دن بعد جب میں لکھنؤ میں انکی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ خود مجھ سے مسرت کے لہجے میں فرمانے لگے کہ خاں صاحب اب مجھے ایک ایسی نعمت مل گئی ہے جسے میرے تمام منتشر خیالات کو یکجا کر کے مجھے مطمئن کر دیا ہے میں نے عرض کیا کہ وہ کون شے ہے جواب دیا کہ اسی بیسویں صدی میں ایک فرانسیسی محقق نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو گیا ہے اس میں اُسے وجود روح کے ایسے دلائل لکھے ہیں اور ان دلائل کی جو وجود روح کے خلاف ہیں ایسی قبول اور مضبوط تردید کی ہے جس کا جواب اب میری رائے میں ہونا غیر ممکن ہے اس کے بعد یہ فرمایا کہ میرا مقصد ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ میں اردو میں کر دوں کیونکہ یہ ترجمہ غیر انگریزی دان طبقہ کے واسطے ایک آید رحمت سے کم نہ ہو گا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ یہ جانتے ہیں کہ میں نے اپنی عمر کا تمام سرمایہ مسلم کرس اسکول کو دیدیا ہے۔ ایسے اگر آپ اس کا مدد فرمیں کہ میں اس ترجمہ کو چھپا دوں گا تو میں اس کا ترجمہ شروع کر دوں

منجھ نے عرض کیا کہ آپ جس شخص کو حکم دیدینگے وہ چھپوا دیگا۔ جناب موصوف نے اس کتاب کا پتہ مجھے لکھ کر دیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ پروجیکٹ سے منافع ہو گیا ہے اور موت نے انھیں بھی اتنی دہشت نہ دی کہ وہ اس کتاب کا ترجمہ کر سکتے۔ گوارنے بہتر اس کتاب کا ترجمہ کرنے والا مشکل سے لیگا مگر پھر بھی خدا کے فضل سے ہندوستان میں ایسی ہستیاں موجود ہیں جو کسی حد تک اچھا اور صحیح ترجمہ اس کتاب کا کر سکیں گی۔ ایسے جناب مولانا کے ان تمام اصحاب سے جو آخر عمر میں انکے پاس شریف لیجا یا کرتے تھے میری یہ التجا ہے کہ جن صاحب کو اس کتاب کا پتہ معلوم ہو اور اگر کم مجھے لکھ کر بھیج دیں تاکہ میں مولانا کی اس دلی تمنا کو جوا یک سرمایہ رحمت بھی ہے پورا کر کے کسی کر دوں۔

ہر کیفیت یہ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ بھی اب روحانیت کا قائل ہوتا جا رہا ہے اور یقین ہے کہ فلسفہ و سائنس سے جس قدر اسرار اسکی کائنات ہوتا جائیگا اسی قدر اسکو مذہب اور روحانیت کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی اور وہ زمانہ دور نہیں ہے جب مذہب جو محض قوم کی شیرازہ بندی کے کام آ رہا ہے حقیقی صورت میں دیکھی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر نہ آئے

مذہب کی ابستدا

اس تفصیل میں ہر جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان نے سب سے پہلے اپنی زندگی کے دیو کو راہی کرنے کے واسطے جان و نور کے شکار سے شکر پڑی کرنا شروع کیا ہے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اسے پہلے پتھر کے آلات استعمال کئے اسکے بعد فلزات کے اسلحہ سے کام لینے لگا اور اسے آگ کسی طرح دریافت کی اور اپنی بیکسی کی زندگی کے کسی حد تک نجات حاصل کر کے کسی طرح اور کب اپنی آپ مدد کرنے کے قابل ہوا۔ کیونکہ یہ مسئلہ پہلے خود ایک

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر شامہ العنبر کی خوبی اسکے استعمال ہی سے ہو سکتی ہے

نے ہر قسم کے مالی مذاہن سے اور کسی نے جان کی قربانیوں کے ذریعہ سے اور کسی نے جسمانی ریاضت کے ذریعہ سے اپنے مہذب کی تعمیر و تکریم کو ضروری سمجھا مجھے اس رائے سے اختلاف ہو کہ مذہب اعلیٰ طاقتوں کی پرستش ہے جو ضرورت کے خیال سے کی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائے عالم میں وحشی انسانوں کا ضرورت پرستی تھا۔ مگر اس زمانہ میں اس قول کے بعض مذہب کی توہین ہوتی ہو بلکہ یہی نوع انسان کی بھی صریح تہلیل مقصود ہے۔

یہ ضرور ہے کہ انسان کی فطرت میں خود غرضی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور اس وجہ سے مذہب کی ابتدائی حالت میں بعض انسانوں نے اپنا معبود ایسی قوتوں کو سمجھا شروع کیا جسکو وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہکونف یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ جن چیزوں کو ہم مہیا نہیں کر سکتے یا جن چیزوں کا ہماری ذمہ داری نہیں ہے وہ ہمارے معبود دیکھ کر حیران یا حیرت منگے۔ مگر اب اس وقت وہ سمجھتے تھے کہ اس خطرے سے ہکونفات و ہکونف دلا سکتی ہے جو ہماری جسمانی قوتوں سے زیادہ ہے۔ مگر اب دنیا میں مذہب کی یہ تعریف کرنا کہ مذہب اعلیٰ طاقتوں کی پرستش ہے۔ ضرورت کے خیال سے کی جاتی ہے، بالکل غلط بلکہ مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خیال حقیقت میں اُن سیاسی مندر کے پوجاروں کا ہے جو عالم کی لغزش اشیاء اور مادی قوتوں کو اپنا مہربانیاں سمجھے ہوئے ہیں۔ (رائی آئندہ)

بہت بڑے مفہوم کا محتاج ہے۔ اور اس مفہوم سے ایک علمبردار چیز ہے ہکونف دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے دماغ میں وہ ہکونف خیال پہلے کس طرح پیدا ہوا اور اسکا احساس کیمن اور کس طرح پر ہوا۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مذہب کا خیال انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے تاہم یہ عالم پر غائر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور اسکی تصدیق پہلی موجودہ مختلف وحشی اقوام کے طرز زندگی سے ہوتی ہے کہ سب ذیل چیزوں کی پرستش کی ابتدا انسان نے دنیا میں کی۔

(۱) موجودات عالم کی بعض چھوٹی اور بڑی چیزیں۔

(۲) نذر گین کی روئیں۔

(۳) اور دوسری روئیں۔

(۴) ایک اعلیٰ طاقت یا اعلیٰ ہستی۔

واقعہ یہ ہے کہ جبوقت انسان نے عالم کے ہر کائنات میں ایک ہی اصول اور ایک ہی قاعدہ کو دیکھا اور اُسے یہ معلوم کیا کہ لاکھوں اشیاء عالم کے درمیان میں جو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ایک ایسا نظام اور سلسلہ پایا جاتا ہے جو سب ایک ہی ذخیرہ کی کوئی ان معلوم ہوتی ہیں تب اسکو لامحالہ علت الحلل کے وجود کو خواہ وہ کسی حیثیت سے ہو تسلیم کرنا پڑا اور بالآخر اسکی تعمیر و تکریم اس پر فرض ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کونجیم

حیات

دل میں مرے مہمان تیرا پیکان نظر ہو
آبادیوں ہی کا شہر یہ اجڑا ہو گئے ہو
سوار ہو قرآن قفسِ وقی امیری
بر باد نہ لیکن مرے صیاد کا گھر ہو
ہر آج تو کائناتِ خطر سی لایاں
کل دیکھنے لیا صورتِ بارِ نقش ہو
(عائشہ سلطان کان پوری)

اگر آپ کو عطر حادہ کا رس ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

وضع اصطلاحات علمیہ

(از جناب مولوی محمد ابراہیم صاحبہ از فیکلٹی کالج مولائی)

زبان عبرانی رومنہ الکریمی کی لاطینی جو سیست یا فارسی کی تہذیبی فراعہ مصر کی زبانیں قبطی ہیں۔ بابل تہذیب اشام اور فنیسیا کی زبانیں سریانی کلدانی آشوری نینیٹی ہیں مگر جس طرح سے موسم اور اصول متبدل ہوتے ہیں اس طرح زمانے کے حالات متغیر ہوتے رہتے ہیں ایک زبان ایک وقت تک اپنا دور دورا دکھاتی ہے اور اس کے بعد جہاں اولاد شہر و پیر ہوتی ہے وہاں یہ حدود خال میں اپنے اسلاف سے بالکل ہی میل نہیں کھاتی۔ درمی پہلو کی جگہ پر اسی مرزوم میں اب فارسی جدید سننے میں آتی ہے لیکن وہ اس قدر اس سے مختلف ہے کہ ایک دوسری چیز معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح سرزمین ہند میں ایک زمانہ تھا کہ سنسکرت براج رہی تھی شاکیاسنی گوتم بدھ کی تعلیمات نے ایک مدت کے لئے سنسکر کو اسکی جگہ سے ہٹا دیا اور پالی نے بجائے اس کے قبضہ جایا بشکر چارج نے بدھ مت کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا اور اس طرح براج بھاشا نے پالی اور سنسکرت کے مزوج ہونے سے جنم لیا۔ مسلمانوں کے مختلف اکناف سے پیالے حملہ کرنے اور جاگیر ہونے کے باعث ایک نئی صورت پیدا ہوئی۔ سب سے عجیب و غریب بات یہ تھی کہ شاہی محلات کی زبان کچھ اور ہی تھی۔ عام خلقت کی بولی اس سے بالکل جدا تھی لیکن لشکر گاہ یعنی اردو میں جو چہر لولی جاتی تھی وہ ان سجون کی آمیزش کا ایک معجون مرکب تھی۔ اس طرح بکری امریشی نگاہ ہوتا ہے کہ جو بی زبان پیدا ہوئی اسے ایک طرف تو سامی یا سیمیا طبعی کو اپنے سر چڑھایا۔ ایرانی یا ایران زبانوں کے کھینچے سے جا ملے اور تورانی زبانوں کے ان کو بھی اسے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ توضیح اس کتا یہی کہ ان اصل مادہ زبان تو ایرانی الاصل ہے اور غلبہ عربی الاصل انصاف و سائیر

اردو کی ہمہ گیری۔ انسانی تہذیب و تمدن کا دور اولین اہمک بابل غنیمت کی جانب منسوب کیا جاتا تھا جب تک تودہ خاک کی میٹیا کی سلطنت اور بعد ازاں ایران کی شہنشاہی قائم ہوئی۔ دوسری جانب فرعون اور آریہ کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ فنیقیہ کے لوگ ماہی گیر تھے اور ادنیٰ درجہ کی تجارت میں لگے ہوئے تھے سکندریوں کی مدق گوانی کرتی تھیں۔ بلکہ کھنڈرات میں ریزہ ریزہ پرنگا ہ ڈالنے والے اولمپین کھو کر مٹی سے بوسیدہ بیڈون کو جھلنے والے اب یہ پتہ دیتے ہیں۔ کہ بابل فنیقیہ سے بھی جیشتر ایلام اور عبادت کی ریاستیں تھیں آشوری زبان انیا ایک علیحدہ پرچم پھیلائے ہوئے تھی لیکن اس قدر قابل تاریخی زبان پر غور کرنے سے مسئلہ زبان کے سمجھنے میں گتھیاں پڑتی جا نیگی۔ اسلئے ہم کو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسلوں کی عام تقسیم جس طرح سے کی گئی ہو اسی لحاظ سے زبان کو لیا جائے۔ دنیا میں تین نسلیں ہیں کہ جو ایک امتیاز خاص رکھتی ہیں۔ یعنی اریائی یا ایرین۔ تورانی یا توڑ برین یا ملی یا سیمیا طبعی جسے انگریزی میں سیمٹک کہتے ہیں۔ ایرانی زبان کی لغت میں سنسکرت فارسی۔ فرانسیسی۔ لاطینی۔ یونانی قدیم زبانیں ہیں جنکی تبدیل شدہ صورت میں اب فرانسیسی۔ انگریزی۔ جرمنی۔ برج بھاشا۔ بنگالی وغیرہ ہیں۔ تورانی یا توڑ برین کی تحت میں چینی۔ تاتاری۔ ینگلی اور تبتی زبانیں آتی ہیں۔ سامی یا سیمیا طبعی کی اولاد ہیں اس طرح سے عربی۔ حبشی۔ عبرانی۔ بنی۔ تہ۔ درمی۔ آرامی۔ کلدانی۔ سریانی وغیرہ وغیرہ ہیں۔ نسلوں اور قوموں کے وصل امتزاج سے نئی قومیں اور نئی زبانیں پیدا ہوئی ہیں اور اس طرح مرد در ہر کے ساتھ مختلف زبانیں شہر و پیر ہوتی ہیں۔ آریہ دست کی سامی زبان سنسکرت ہے جو بودیوں کی مقدس

موسم گرامین روح خا صغر علی محمد علی تاجر عطر کفٹو کے کارخانہ کا استعمال کیجیے

اردو میں آگیا۔ اس طرح دنیا کی تمام زبانوں میں جو کچھ ہے اُسی کسی
ذکسی صورت میں اس کے ذہن میں سانی ہے۔

لسانی تغیرات

کیفیات تغیر آتے ہیں۔ جو طرح ایک ملک میں دیا جھیل پہلا
ریتیلے میدان جنگل وغیرہ پائے جاتے ہیں جن میں اُسکی جو طبی
سے موسوم کیا جاتا ہے اُس طرح اُس ملک کی قوموں کو اُسکی صورت
سمجھنا چاہیے اُنکی زبان اُنکی بود باش کا طریقہ معاشرت یعنی
لباس غذا وغیرہ کی کیفیتیں ان امور حالہ کی مختلف خدو خال ہیں
مرزوم ہند میں سندھی بگراتی۔ مرہٹی۔ مہاسی۔ بنگالی وغیرہ وغیرہ
مختلف صوبوں کی رہنے والی آبادیاں ہیں جو کیفیات مختلف ایک
شان امتیاز رکھتی ہیں اور اسی طرح اُنکی زبانیں ہی ایک جداگانہ
حیثیت رکھتی ہیں۔ اس طرح اس ملک میں بہتری زبانیں جنکو
مرہٹی۔ سندھی۔ اودیہ۔ مائل۔ ٹیلگو۔ بنگالی اور ری کہا جاتا ہے۔ اس
ملک میں سنہن میں آتی ہیں گویا ہر زبان اُنکے وصل و فصل کو ایک
تھوڑے سے فرق کے بعد آسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہ تغیرات لسانی جو کچھ
بھی ہیں صورتیں اور اختلاف مرزوم کا بہت کچھ نتیجہ ہیں۔ اس کے
بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ دہوا کے زیر اثر ہر ملک کی بولی میں
بھی نرمی اور کڑھائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ کو مافی البحث بنانے
میں اندیشہ طول ہے۔ اسلئے اس مقام پر ہی اشارہ وراکتفا کی
جاتی ہے۔

استزاج اقوام

جب مختلف قومیں مختلف ملکوں سے آکر کسی مقام
پر آتی ہیں تو لازماً ایک دوسرے کی لفظیں سیکھ لیتی ہیں۔ اور کچھ بگراتی
کر لیتی ہیں۔ اس استزاج کے طریقے مختلف ہیں کبھی کبھی تاجرانہ حیثیت
سے لہین دین کے لیے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اس خیر و رفعت

قصص تاریخ در دیات مذہبی کا ہے جس کے ساتھ ساتھ ترکی رسم و رواج
بود باش اور آئین و قوانین کے حالات بھی پائے جاتے ہیں اس طرح
دنیا کی جتنی آوازیں ہیں اُن سب کی سانی اُردو میں ہے۔ مثلاً
ایرانی اصل زبان کی بعض شاخوں کے ایسا نہیں ہے کہ ت۔ ذ۔
ز۔ وغیرہ کی آوازیں نہ پائی جاتی ہوں۔ اسی طرح فون غدا ہلے غلو
اورٹ۔ لور۔ ٹر۔ پ۔ س۔ ج۔ ٹ۔ گ۔ کی آوازیں جو بعض ایرانی الاصل
اور بعض شامی الاصل السنہ میں آتے ہیں ہمیں موجود ہیں بنگال
منہرینا روتے ہم لیا اور اس طرح آریہ دست کے تمام الاذان اور قصر
پارہنہ کی ردا تین اُنکی گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ سرزمین منہرین غلو
جنگل پہاڑ۔ ندی نالے جڑی بوٹی وغیرہ مشاہد عالم کے تمام جلوہ نما
اُسکے سامنے کسی طرح کا بھی خیال ہوا کے ذریعہ سے ادا ہو سکتا ہے۔
مسلمان جنہوں نے ایک تیرہ و تار دنیا کو اُنکی روشنی سے منور کیا اُسکے
اصل پرستار ہیں۔ شرع اسلامی کی ہر برکت سے عبرانی۔ یونانی۔ یونانی
یعنی وہ زبانیں جن میں الہامی ہونے کا دعوے پر خود بخود اس کے اسات
میں شامل ہو گئیں۔ نرندو۔ و شا کے نورانی شعلے بالکل افسرہ ہو گئے
ہیں لیکن زید کرید کرانصین بعض نیک نفسوں نے زندہ کیا ہے اور
اس طرح امید کی جاتی ہے کہ ایک نئی شان سے اُنکی نورانیت جلوہ لگ
ہوگی۔ فارسی جسکو حقیقتاً اُردو کے آباؤ یا اماتی سلسلہ میں اسطرح
حاصل ہے ان تمام پُر نور اجسام کو اپنی گود میں لے ہوئے ہے اور اُردو
ان سے بہکتا رہے۔

انگریزی قوم تاجرانہ حیثیت سے اس ملک میں
داخل ہوئی مگر انگریزوں پر فطرتاً زور آدمی کے باعث حکمران غلبہ اسے حاصل
کیا اور اس طرح انگریزی زبان کو وہ جبروت و سطوت اور قربانی
حاصل ہوئی جو شاید کسی زبان کو حاصل ہوئی ہو۔ انگریزی کے نزدیک
لاہینی یونانی قدیم رومانی اور تمام لہو دین زبانوں کے خیر و کمال

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھٹو کی سچائی معاملات کی صفائی اور مال کی عمدگی ہندوستان بھر میں مشہور ہے

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی
فادسی	عربی	فادسی	عربی	فادسی	عربی

اسی طرح فراعنہ مصر کی قطعی زبان کی کیفیت ہے

رومیوں نے جب غلبہ حاصل کیا تو باجا جو کچھ انھیں ہاتھ آیا لوٹ کھسوٹ کر لیکے یا جلا کر اگر عمارتوں کو انھوں نے خاک و رباؤ کر دیا۔ اس طرح متبرک زمانہ سے مٹ شاہ کی قطعی زبان اور اس کی مصنفین بھی دنیا سے گویا پیدا ہو گئی۔ عربوں نے جب ان ملکوں کو فتح کیا تو یہ زبانیں جاگتی کے عالم میں یقیناً عربوں نے ان میں ایک نئی روح پھونکی قطعی میں آثار حیا کر رہ گئے تھے اور اس میں اس قدر قلب الحیثیت ہوا کہ خود علی ہو کر رہ گئی فارسی زندہ تھی اور زندہ رہی لیکن ایک نئے قالب میں اگر شہنشاہ ہوئی عربی الفاظ اس قدر غالب ہوئے کہ دولت سے زائد عربی اور ایک ثلث سے کچھ کم فارسی الفاظ رہ گئے۔ تاجرانہ اور فاتحانہ حیثیتوں کے علاوہ ایک تیسرا تفریق معاشرانہ اثرات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب دولت عادات کی پابندی مختلف رسم و رواج میں معتد مختلف شرع و آئین کو ماننے والی قومیں ایک جگہ دو بدو باش رکھتی ہیں تو لازمی طریقہ سے ایک دوسرے کے الفاظ کو حاصل کرتی ہیں کبھی کبھی الفاظ بالکل تغیر نہیں ہو جاتی ہیں۔ ایک بین مثال اردو وشن دلیل پارسیوں کی ہے۔ انھوں نے ہندوستان میں اگر اپنی زبان کو قریب قریب بھلا دیا ہے۔ عام طور پر اپنے مذہب اور قومی افسانوں سے ایک سرد مہری برتتے

میں ایک دوسرے کے الفاظ لے جاتے ہیں کبھی کبھی مذہبی مناد و پچھکر اپنے شرع و آئین کی تعظیم و تلقین کرتے ہیں اور اس طرح ایک نظام تمدن کا جدید دور شروع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی زبان میں ایک ذوق عظیم ہو جاتا ہے۔ ایک قوم فاتحانہ حیثیت سے ملک میں داخل ہوتی ہے اور اس کی زبان حکمرانوں کی زبان ہونے کی وجہ سے اپنا اقتدار شلوہ و تہمتی قہراً قائم کرتی ہے اس طرح اس زبان کا غلبہ ہوتا ہے اگر اس قوم کی زبان اور یا مذہب میں دوسروں کو اپنے میں جذب کر لینے کی قوت ہو تو اکثر وہ ان کی زبان بھی قریب قریب فراہم جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دو ایسی زبانوں کو دیکھیں جن کو شہنشاہان اقتدار حاصل تھا۔ یعنی ایران کی فارسی اور فراعنہ مصر کی قطعی۔

ایران میں نے جب یونان پر غلبہ حاصل کیا تھا بعض حصوں کو سپرد آتش کر دیا تھا۔ انتقام گیری کی آتش جلالہ اسکندر مقدونی جیسے غلطی سے اسکندر رومی کہا جاتا ہے کہ سینہ میں مشعل تھی۔ اس نے ایران فتح کر نیچے بعد جہان جہان آتش خانے گرم پائے انھیں جلا کر خاک سیاہ کر دیا بعد ا میل تک سولے لاکھ کوئی چیز بکھائی نہ دیتی تھی اور ایران قدیم کی زبان کا سارا ذخیرہ جو روستی تعلیمات سے مالا مال تھا بالکل برباد ہو گیا اور اس طرح فارسی کا خزانہ علمی و صغریٰ درجے تک پہنچ گیا۔ انتہا یہ کہ زبان کا افلاس اس درجہ تک پہنچا کہ معمولی بول چال کی فارسی الاصل لفظیں بھی مفقود ہو گئیں۔ ذیل کی مثالیں کافی ہونگی۔

فارسی	عربی	فارسی	عربی
کے	تفحص	رہبری	مشائی
نوشہ	حادث	برین فرہنگ	الہیات
فروزہ	صفت	مایہ	ہیولی
پرلوی	اشترائی	پیکر	صورت

اصغر علی محمد علی تاج علی گھٹو کی تیار کردہ اشیا و خالص عمدہ اور بکھاری ہوئی ہے

ہیں۔ اسلئے کہ مادیت کا زہر الود اشران میں سرایت کر گیا ہے مجھے معمولی تعلیم یافتہ پارسیوں سے گفتگو کا موقع ملا ہے اور تعلیقہ حال منکشف ہوا کہ وہ اپنے اسات کے مفصل کا ناموں کا تو ذکر کیا کیا جائے، کئے معمولی حالات سے بھی نا بلند ہیں انتہا یہ ہے کہ لکے نام بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں رو گئے۔ ان چند مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

فراموشی۔ دراصل فراموشی کی بگڑی ہوئی صورت ہو

اسی طرح پنجرچی (منوچرچی بلورچی) (نوروزچی) شاپورچی (شاہ پورچی) ہمنون اور غوجون کے نام بھی اسی طرح قیاس کئے جا سکتے ہیں یہ تغیر حقیقت نتیجہ معاشرت کا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو توہین جو کبھی زندگی میں بالکل ہم قدم ہیں غالب و مغلوب ہو جاتی ہیں یہ نتیجہ قوت ارادی کے فرق کا ہے۔ اسکی روشنی لیل باری اور زبان میں پائی جاتی ہے قبل اسکے کہ مثالیں پیش کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تغیرات کا ذکر کر دیا جائے جو زبان میں پیش آتے ہیں۔

مثلاً اکثر الفاظ کا تلفظ بدل جاتا ہے کبھی یہ تلفظ استدر تغیر ہوتا ہے کہ اصل لفظ کا پتہ نہیں چلتا مثلاً لین لیجے یوں کہہ سکتا ہے کہ لفظ جبر الہی حقیقت جبل الطارق ہے۔ اسی طرح کہے نیال ہو سکتا ہے کہ انگریزی لفظ *Assessment* دراصل عربی لفظ حشیشین کی مسخ شدہ صورت ہے۔ یا سراسین *Assessment* دراصل سارقین ہے۔

مثلاً اکثر بڑے الفاظ مترک ہو جاتے ہیں جیسے *Assessment* مثلاً اکثر الفاظ کے معنی میں فرق پیدا ہوتا ہے مثلاً ہم المانیہک جنتری کے مفہوم میں بولتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں خیال پیدا ہوتا کہ یہ عربی لفظ المنخاف ہے جسکے معنی آب و ہوا کے ہیں۔

مثلاً نے الفاظ بنائے جاتے ہیں یا کسی غیر زبان سے عاریتاً لے جاتے ہیں جیسے صحافت۔ مدیر و غیرہ ہیں کہ ایک نئے مفہوم کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ یا ایسپ۔ لائینس۔ کمزہ ٹکٹ وغیرہ کی یہ عاریتاً لے گئے ہیں۔

مثلاً نے عادات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسکی توضیح ایک معمولی مثال سے یوں سمجھیے کہ ایک مرتبہ میں ایک ہندوستانی سے ملنے کے لئے گیا جو ایسے درجہ پر فائز تھے کہ ایک انگریزوں کے لیے مخصوص رہا ہے۔ تجربے نے مجھے کہا کہ صاحب پٹنگ ہیں ہر میرے چہرہ پر بے اعتقاد مسکراہٹ آگئی۔ ہر آنکھ گیا اور اسے کہا کہ ہندوستانی آرام فرماتے ہیں اور صاحب لوگ پٹنگ میں ہوتے ہیں۔ اسکے کہنے کی ضرورت نہیں کہ دراصل یہ انگریزی محاورے *Handicap* کا لفظی ترجمہ ہے۔ اگر یہ تمام تغیرات بیک وقت بلا امتیاز کسی زبان میں ہوتے جاتے ہیں یعنی اس طرح کہ وہ قوم جو زبان کو بولتی ہے بالکل اسکے تحفظ سے غافل ہو یا اپنی قوت ارادی کے تحت ڈھنچھال کی وجہ سے اپنی زبان کی نگہداشت فکر کے قواسے اس زبان کی موت کا درجہ محض اشارتاً نہیں لے کچھ امور ذکر کرنے ہیں اگر ان اصول کو اردو کی حالت پر تطبیق کیا جائے تو ان اسباب تغیرات کی توضیح یوں سمجھو۔

(۱) طرز تمدن میں ایک تغیر ہو رہا ہے زندگی کے مصروف کی چیزیں بدل رہی ہیں تمدنی باشندوں کی جگہ لینے کے لئے اب نئے دور سے چلے ہوئے مسافر بغرض توہن رہے ہیں کسی نے کہا کہ کرسہ صابون نے طرز غائے غاۃ اٹھا دیا۔ بٹنوں نے ٹکڑیوں کا جنازہ اٹھا دیا ایک غاۃ اور ٹکڑیوں کو کیا کہا جائے اس قبیل کے بلا سائوز صابا الفاظ میں کراب چلے اور چلے۔ ادنیٰ۔ جام۔ چاندنی ٹکیہ۔ سکا جگا ٹکیہ۔

اصغر علی محمد علی کے تاجر عطر لکھنؤ کے شمارہ العنبر کی خوبی اس کے استعمال ہی سے معلوم ہوتی ہے

ساتھ ہو رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے زبان کے موجود
خود غفلت میں اس قدر تغیر عظیم پیدا ہوا کہ اگر یہ زبان دوسری زبان ہو یا
میں اس سلسلے میں بہت زیادہ وضاحت نہیں کرنا چاہتا جیسا کہ
پورے مضمون کی کیفیت یہی جو بیان بھی اسی ایجاز و اختصار سے کام
لیتا چاہتا ہوں میری مراد زبان کے اس تغیر سے جو تضاد و دو
ہندی کی صورت میں رونما ہو رہا ہے۔ یہ امر درودشن کی طرح سے
ظاہر دیا ہر ہے کہ ہمارے برادران وطن میں ایک طرح کا نشاۃ ثانیہ کا دور
پیدا ہو چلا ہے۔ اپنے قدیم تمدن اور رسم و رواج طرز معاشرت اکل و شراب
اور لباس وغیرہ کے ہر حق کی ایسا کمال اُٹھیں پیدا ہو رہے نفسیات
کے جاننے والے اقبالیہ ذہنیت کے اس سلسلہ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ
ایک گروہ عظیم جس پر کراختیار کرتا ہے قلیل التعداد جماعت اضطراب
اس میں مبتلا ہو جاتی ہے بشرطیکہ اپنی قوت ارادی کو کام نہ لائے۔
لباس وغیرہ سے قطع نظر کہ میں اس وقت صرف مسئلہ انسان کو
لیتا ہوں اور دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ نیرات کن کن صورتوں سے پیدا
ہو رہے ہیں۔

(۱) ذاتی زبان کی گہری حروف کے جاری کرنے کی کوشش
کی جا رہی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ سیاسیات کی حد میں آجاتا ہے۔ میں اس پر
بحث کرنے سے احتراز کرتا ہوں۔

(۲) مدارس میں پہلے اردو ہندی پڑھنا لازمی قرار
دیا گیا اور مہیوں کے لیے جو کتابیں داخلہ کی گئیں، ان میں ایسے لفظ
استعمال کیے گئے کہ فارسی اور انگریزی دونوں حروف میں آسانی سے
مضمین لکھا جاسکے اس طرح سے بہت سی ہندی اصل لفظیں جو غفلت
متروکات تھیں اور دراصل ناانوسہ بین داخل زبان ہو گئیں۔

(۳) سہمی تغیر زبان کی ایک ترقی یافتہ صورت یہ ہے
کہ سارے اور درجہ اعلا فارسی حروف اور اردو حروف میں جاری ہیں۔ مگر

فرش سنگ۔ فرش نیز فرش زیر پایہ اور کتنی لفظیں ہیں کہ ان کی ہنگام
میز کر سی آرام کر سی وغیرہ لے رہے ہیں۔ حقہ چلم۔ نیچہ۔ سنگ۔ پچوان
سریش۔ چمبر۔ سوہنٹال۔ مناس۔ قطعی۔ جلیبی۔ نے۔ بھٹا۔ اور ان کی بھی فصیح
کی جانشینی کی جو عیار سنگار۔ سگرت۔ بیڑی وغیرہ نظر آ رہے ہیں حقہ
نیچہ کی قسمیں اب خال خال لوگوں کو معلوم ہیں۔ چوگان کی عظیم اشعار
و اسن دار وغیرہ یہ وہ لفظیں ہیں جو اب بھل۔ بھین۔ آسی طرح دستکاری کی
مثالیں ہیں جن کا ذکر ہی کیا جاتا ہے۔ مدی۔ ند بلند۔ مینا کاسی۔
پتی کاری۔ سادہ کاری۔ گنگا جمنی۔ کتنے ہیں جو ان کو بھل گئے۔ اسی طرح
شکل دوشالے کی ذیل میں الاوان۔ پشیمتہ۔ کارچی۔ برمتن۔ ترنج۔
حاشیہ۔ اور ان کے اشال میں کہ جو بعض فرما ہو گئے ہیں اور کچھ تصور سے
دزن کے لیے همان نظر آتے ہیں۔ لباس میں ایک فرق عظیم پیدا ہو گیا کہ
بنارس اور لکھنؤ کی صنعتیں قریب الگ ہیں۔ کھواب۔ نہ نبت۔
بانٹا۔ امر و شروع۔ گلبدن سنگی۔ جوزی وغیرہ میں کچھ عدم آباد
ہوئے اور کچھ سخت جان کنی کے عالم میں ہیں اس طرح سے زردندی اور
چکن کی صنعتوں کو خیال کر لیجئے کتنے ہیں جو پیچھے ہٹا۔ یا پسندے کے
منہم سے واقف ہیں سلسلہ ستارہ۔ گکوہو۔ بنت۔ کناری۔ بادلیہ۔
اور ایسی ہی صد لفظیں ہیں جو کچھ اجنبی سا نظر آتی ہیں اور نہ تو
جسم کے متعلق یا ان کے اسباب کے متعلق الفاظ مثلاً بھجر۔ معر۔ بھگلوہ۔
خازہ اور اسی طرح سے ایک دوا دس لفظوں کا ہے جواب ہیے صورت
ہو چکا ہے تمدن کے تفرق کے علاوہ عدالتوں کی جانسی دینے والے اپنے
ساتھ ساتھ زبان میں تغیر پیدا کر رہے ہیں۔ اپیل۔ ڈگری۔ جس لکشا
یہ وہ الفاظ ہیں جو اب زبان میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کے حوالے
مرادفات مراغہ وغیرہ اجنبی نظر آتے ہیں۔ انگریزی جو کہ حکومت کی
زبان ہے اس واسطے اس کی قربانی اور سطوت سے گئے انکار ہو سکتا کہ
لیکن زبان میں ایک دوسرا تغیر ہے جو بہت ہی سرعت مگر خاموشی کے

جب آپ ایسی خطرات کا استعمال شروع کریں تو کلہا خدا احمد علی محمد علی تاج عطر کھنوسے طلب فرمائیں

جن مصلحت

(۸) تین چھٹائی سے زیادہ مہندو طلبیے منصوبات کے ان حصوں میں اردو پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور سچی گفتگو میں بھی سکا کا ذکر کرتے ہیں کہ الفاظ کی ادنیٰ سی تبدیلی سے متذکرہ بالا کا لحاظ رکھا جائے۔

(۹) اسکے علاوہ ایک کوشش بلتخ بھی ہے کعام اور کثیر الاستعمال سہل المفہوم اصطلاحات کی جگہ عام طور پر نئی فصیح لائی جائیں۔ مثلاً چنا ڈ بھائے انتخاب۔

(۱۰) اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ جن لوگوں نے اب مقررین کی تقریر سنی ہے وہ اسے عام طور پر محسوس کرتے ہیں کہ بالارادہ غری اور فارسی کی لفظیں ترک کی جائیں اور کبائے نئے مہندی کی لفظیں استعمال کی جائیں۔

(۱۱) ماہرین میں جو کتابیں کہ داخل نصاب ہیں وہ زیادہ تر ایسے شایع کنندہ کی جاری کی ہوئی ہیں جو غیر مسلمان ہیں ان کتابوں کی زبان بہ لحاظ اخراجات ترکیب بند شمس شکیلی وغیرہ کے اس درجہ گری ہوئی ہیں کہ انھیں اردو کے سوا کچھ اور ہی کہنا سنا ہو گا۔ اکثر مقامات پر ایسا پایا گیا ہے کہ غیر مناسب الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مثلاً امت محمدی کے بجائے جماعت محمدی میں نے ایک تاریخ کی کتاب میں پایا۔ شرع اور آئین منطلحات میں اور فاضل مہموم میں استعمال کیے جاتے ہیں انکی جگہ پر قانون فاعلہ استعمال ہے۔ محاورہ آ کا ان کتابوں میں جس طرح خون کیا گیا ہے اسے دیکھ کر دنا آتا ہے جن بچوں نے درسی زبان میں یہ کتاب سلیمی ہوا اور ادبی سی فصاحتیں برداشت پائی ہوں اسے اصلاح اور درستگی زبان یا درستی زبان کو قائم رکھنے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ زبان کے سلسلہ میں مجھے ڈاکٹر گوندنا تھ چکرورتی کا ایک مضمون یاد آگیا جو انھوں نے قائد اعظم ریلوے میں اس کے تین چار سال اچھ لکھا تھا۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے واپس

منج

انتہائی کوشش اس امر کی جاتی ہے کہ ان میں قبل مطلق اور غیر مانوس بلکہ بالکل اجنبی سنسکرت لفظیں استعمال کی جاتی ہیں مضر فہم میں انہیں کو دخل کیا گیا بعد اسکے اسامے صفت پھر افعال اور اب بجنس محاورات زبان قلم پر جاری ہو رہے ہیں۔

(۱۲) فارسی یا عربی لفظوں کو آسان کما استعمال کیا جاتا ہے اور اگر وہ باعث عادت زبان پر جاری بھی ہو جاتے ہیں تو ش۔ ن۔ ز وغیرہ کی آوازیں نہیں نکلتیں اس طرح الفاظ کی صورت مسخ جو رہی ہے مظفر اب مجھ پر اور ایسے تیزرات میں جو شہود پر بن نظر ہر ایک خفیف سی بات معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت زبان کی موت و حیات کا مسئلہ بیان ضرور ہے۔

(۱۳) قریب قریب ہر بڑے شہر میں آگ کھیلنے والی سٹریلیٹیاں تھوڑی جوں جوں طریقہ سے ٹیشل اور اجنبی سنسکرت لفظیں استعمال کرتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ التزام بھی قائم ہے کہ وہ آوازیں جو سنسکرت میں نامانوس ہیں نہ بولیں آئیں اس طرح سے مفلک بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۱۴) تعلیمی ٹری بڑی پینیاں بک کی قریب کے بڑے شہر میں آتی ہیں تو اکثر یہ دیکھتے ہیں آتا ہے کہ ایک ہی نام سٹا آٹھ آٹھ نو دوس دوس مرتبہ دکھایا جاتا ہے مگر منظر ہی سے کہ زبان بدلی ہوئی ہے میں تین مرتبہ شریک ہوا ہوں اور باوجود اس کے پڑتا ہے کہ کھیل کی زبان میری سمجھ میں اہل نہیں آتی۔

(۱۵) اسی طرح چلتی پھرتی تصویروں کے تاش کا مائل یعنی بعض کچھ ایسے تماشے ہیں کہ جہڑستان ہی میں بنائے گئے ہیں۔ ان تماخون میں بھی زبان انگریزی، مہندی میں آتی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ایک التزام بھی ہے کہ مہندی کی لفظیں اپنی سنسکرت کی صورتوں میں لکھی جائیں مثلاً فارسی کے بند۔

ہو کر اپنے تاثرات کو ڈاکٹر صاحب نے محالہ ظم کیا تھا۔ منجملہ ان تمام امور کے ایک ایسا خیال ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں ظاہر کیا تھا جسے پڑھ کر مجھے بے اختیار سسکاہٹ آگئی۔ ڈاکٹر صاحب کا بلون کے مختلف درجن میں تعلیمی حالت کے مسائل کے لیے یہاں ہوئے یہاں ذریعہ تدریس اردو زبان تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جو زبان کہہ لی جاتی تھی اس کے زیادہ الفاظ ایسے تھے جن کے فہم سے میں قاصر تھا۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے وقت اس بیسی امر کو بالفاظِ اولیٰ کر گئے کہ جو زبان استعمال کی جاتی تھی وہ علیٰ تھی اور لازمی طریقہ سے علمی ملاحظات کو علمی حالہ استعمال کرنا پڑتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مہم ملاحظات کو سمجھتے یا نہ سمجھتے لکھا بسلم یقیناً اُن سے مانوس تھے اور اُن کے فہم و ادراک سے وہ زبان خارج کہ تھی۔ بلغات الارض علم نباتات علم البرق کی کتنی بلگریری عقلیں ہیں جو ایک ایسے

محسوساتِ راز

(ادباجب راز (بلگرامی)

جلوہ کائنات دل زیر مدار ہو گیا
مٹی ٹھکانے ہو گئی دل کو قرار ہو گیا
پانی کو آگ کہ طعین ہوز مگر کی گویاں
گنتی کے کچھ نفوس تھامو شد ہوئی
نفسِ جان آرزو دل کے فریب کر گیا
باز و شکست ہو گئے زخمِ مگر برسے ہوئے
حلمِ جہان نامہ امشب غبار ہو گیا
ذریعہ ہوا سے جالے صحن غبار ہو گیا
آئینہ اگر چمک گیا شعلہ ناز ہو گیا
چارہ گرد و ہٹو ہو تو وقتِ شام ہو گیا
دل میں نظر بھی رہی سینہ نگار ہو گیا
چاکِ نفس کھلے رہے لطفِ بہار ہو گیا
دل میں جو تھا سو کہہ دیاستانِ سبِ تر گین
دلوں کے راز کے گئے جوشِ غار ہو گیا

کارخانہ صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لیے تیار کا بہتہ صرف ”حنا“ لکھنؤ کافی ہے

مکرمی جناب لانا فضل الحسن صاحب حسرت ہانی۔ بی۔ اے۔
ادیر ”اے دے علی“ کان پور

کے

دستِ وقلم کی لکھی ہوئی تحریر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی صاحب مدتیہ دے دے میری کوئی ناز غزل چاہتی ہے
زندہ دل و لب سے کہی ہوئی ہر وقت کہتے ہیں
نہ لکھیں ہر لکھ کر مجھ پر، کہہ دوں گا غزل جو بردہ
فقط بغیر حسرت ہانی

گو یا شہزاد تجس بہ مینا می عشق ہر	رفیقہ جال پر سے دنیا می عشق ہر
یہ کفر ہے دعو می بیجا می عشق ہر	اہل بیکر کو بھی سرو و دا می عشق ہر
سوز و گداز مذہب دنیا می عشق ہر	محل نشین درد جو سید می عشق ہر
ان سے کہہ دے کہ وہ بہ دنیا می عشق ہر	کہتی عقل دین ہی دنیا ہی کر طلب
اربابِ بخشش کو بھی نہ دنیا می عشق ہر	پہنچا جذبہ دل کا سا کمال اثر
بیگانہ غم و درد جو دنیا می عشق ہر	مستی ہر اصطلاح محبت میں آگئی
بھلا کہہ دے کہ وہ دنیا می عشق ہر	خانہ پر بقراری پہنچ سے حال دل
یہ بھی تو اس حریفہ دنیا می عشق ہر	مدت کا بعد چو نہ ہو کمال کریم
حسرت کو با نیندی امان سے کیا غرض	
دے دے جال ہر ترست می عشق ہر	

عکس خط

جناب شفی احمد علی صاحب شوق قدوائی مرحوم



موتی مسجد - رام پور - گویہی -
۲۳ اگست ۱۹۶۰ء

حضرت کرم فرمائے ہیں سلام توں - آپ کے پرستار و دعا گو ہیں۔
”حسن بھائی اسی ملتا“ اس زمین میں شفی احمد علی آبرو ہے جانی نے
پوری تزلزل کی۔ اودھ اخبار ”ہمد“ میں شائع ہوئی ہے۔
حضرت ربان کا خط میرے نام آیا تھا۔ لیکن نہ بیٹے صریح لکھا
نہ غزل کہی۔ نہ اب ممکن ہے۔ اس لیے کہ اس قسم کی خدایت میں پنا
مربوہ نہیں ہے۔ طوائف کے پیچھے وہیں کوفے اپنے آپ کو دالے۔
اور پھر نفوذ۔ اسے زیادہ بہرہ نہ کام تعقیب کے لیے رہتے ہیں۔

آپ کا حیرت

احمد علی ترقی قدوائی

جناب وصل صاحب لکھنؤ۔

بہ توسط جناب مولوی سید محمد کمال اللہ صاحب لکھنؤ

گورکھ پور

گویہی

Gorakhpur

۲۰/۸

انسانی کوشش کی کامیابی

(ازغالب ایوب گفتموہن لال صاحب روان - ام۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی۔ کیول۔ اوناڈ)

اس چٹان کا یہ عالم تھا کہ ایک دقت میں دو آدمیوں سے زیادہ وہاں نہ بٹھہر سکتے تھے۔ چنانچہ پہلا کام جو معمار دن نے کیا وہ یہ تھا کہ ایک ہاتھ سے اس چٹان میں جھٹ جاتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے پیر حکمی اور سالہا سال کی جمی ہوئی کائی کو کھرچنے یا پھیلنے دیتے۔ یہاں تک کہ ذرا سے سہارے کی گنجائش چوٹی جاس کے بعد یہ تدبیر کی گئی کہ چٹان میں چوٹے چوٹے سہارا بنائے اور ان میں ٹوچے کی بیخین گاڑ دیں۔ ان ٹوچوں کے سہارے سے ایک بڑا چوڑا لہجہ کا بنایا جس پر تیار کیا گیا۔ اس کام کی شکل کا نظارہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ دو دو تین تین منٹ کے بعد بلند اور بچھری ہوئی موجیں چٹان سے ٹکرائی تھیں اور جس وقت ان چوٹی کا چڑاؤ چڑھا تو غریب معمار چٹان سے جھٹ کر لیٹ جاتے تھے بلکہ چٹان براؤگی ہوئی گھاس کو چوسنے کے رستے سے زیادہ مضبوطی پر اپنی پوری طاقت سے پکڑ لیتے تھے۔ اور دم روکے ہوئے اس وقت اسی طرح جھٹے رہتے تھے جب تک موجوں کا وہ پھیر چٹان سے ٹکرا کر فروغ ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر اٹھتے تھے اور اپنے کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ابھی چند منٹ ہی کام کر پائے تھے کہ بڑا کادھی عالم ہے چار سال میں صرف بارہ سوراخ اس چٹان میں کئے جاسکے معمار دن کی یہ حالت تھی کہ ہر لحظہ ان کی موت ان کے سامنے اور ان کے ہاتھ کام میں مصروف۔ اب جب بننا دیتا چوٹی آلات تھیں پڑے اور بجاری پھر شین اور مختلف سامان کشتیاں اور جہازوں کے ذریعے وہاں پہنچائے گئے۔

اس جمی ہڈی کے ذریعے جو جدید بنا بنا گیا ہے۔ اس کا طرز

دنیا کی نہایت ہی تعجب خیز مافوقین سے انسانی کوشش کی وہ کامیابی ہے جو دشمنی کے مینار دن کی تعمیر میں ظاہر ہوتی ہے۔ آفتاب عالم تاب کے پروردہ مغرب میں چھپ جانے کے بعد روتے زمین تباہی کا پردہ چڑھا ہے اس تاریکی کا مقابلہ اور اس کو نور و روشنی بدل دینے کی کوشش ابتدا سے آفرینش سے آج تک بلا پرچل آتی ہے یوں کوشش میں رات کی روشنی اتنی ہی دھچکتے جتنی صبح آرمند ملک پر۔ لیکن ہندو دن میں تباہی کی گہرائی میں جب پانی کا آفتاب ہندو جہاز کے نیچے ہوتا ہے۔ اور آفتاب نجد تاریکی جہاز کے اوپر ایسے کوٹھن میں جہاز کی رہنمائی کے لیے وسط بحر میں چوینار جا جا بانائے گئے ہیں ان کی تعمیر جو قوتیں ہوتی ہیں اور جو مہیب جانکا ہی منانے والوں کو کرنی پڑتی ہے وہ کبھی سے غالی دھونگی۔

۲۔ میناروں کی بنیاد اس طرح ڈالی جاتی ہے کہ پہلے آنگنٹ لہجے بالو کے مقام منتخب کر لیا کر پانی میں غرق کرتے ہیں یہاں تک کہ بھرتے بھرتے نگین اور مضبوط بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ یہ کام بیان کرنے میں اس قدر آسان معلوم ہوتا ہے مگر انہیں ہوتا۔ مہین گزار جاتی ہیں اور معتمد کی زور دار موجوں کی دھج سے ڈس پڑے بال بھی تھمتے نہیں پاتی۔ ان میناروں کے بنانے والے ایسے فنانس اور جزی اور ایسے متقل مزاج ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک مینار کے بنانے میں ایک دفعہ ایک سال میں صرف عیس گھنٹہ کام ہو سکا۔ اس کا لیٹھ میں بلرک کے اوپر چوینار بنا ہوا ہے اسکی تعمیر کا مختصر حال ہم یہ ناظرین کرتے ہیں؟ یہ چٹان بعد ہی سو مقام پر طوفانی موجوں کے درمیان واقع ہے۔ ابتدا جب تعمیر شروع ہوئی تو

عطر حاجو اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اس کا نسخہ ہی مختلف ہے

اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور مخدوش تھا۔ وہ ان پہلے ہی سے بہاڑی کے اور ایک مینار بنا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہت اونچائی پر تھا اور اسکی روشنی جہازوں کے لیے معقول رہنمائی دے سکتی تھی۔ چنانچہ پہلے پاکیہ بہاڑی کے دامن میں یعنی سمندر میں ایک جدید مینار تعمیر کروا چاہئے۔ سب سے پہلے ایک بہت بڑا سوراخ بہاڑی کے اس حصہ میں جو پانی کے نیچے تھا بنایا گیا۔ اور اس کے گرد گرد ایک بہت چوڑی دیوار کا حلقہ تیار کیا گیا۔ یہ دیوار اتنی چوڑی کہ ایک حلقہ اتنا بڑا تھا کہ معمولی طوفان کی حالت میں بھی صدمہ آدنی ایک ساتھ پتھر کے کام کر سکتے تھے۔

الات تعمیر اور سامان جمع کرنے کا ایک عجیب و غریب طریقہ استعمال کیا گیا تھا۔ بہاڑی چوٹی پر تمام سامان اور خدمتین فراہم کر کے گینتی چین اور یہی گویا سمندر کا دارال تعمیر تھا۔ اب اس منزل سے بہاڑی کے دامن تک تیار شدہ سامان کے ہونے چاہئے کے لیے ایک جدید اختراع سے کام لیا گیا۔ یعنی جہاز میں ایک ریلوے لائن قائم کی گئی۔ وہ اس طرح کہ لوہے کے تاروں کے بہت بڑے ٹکڑے پہلے بہاڑی چوٹی سے باندھے گئے۔ اور نیچے جلا پہ کا چوتروہ بنایا گیا تھا اس سے باندھے گئے۔ یہ رستے اس قدر مضبوط تھے کہ دو سو ٹن کا بوجھ بھی ان کو جنبش دے سکتا تھا اب گویا ریلوے کی دو پٹریاں جہاز میں تین سو گز تک پھیل گئیں۔ سطح دو اور پٹریاں پچھائی گئیں۔ ایک ایسی تدبیر کی گئی کہ جب پٹریاں پر سامان سے بھرے ہوئے ڈبے اوپر سے نیچے اترتے تھے تو اسی چوٹے سے نیچے سے دوسری پٹریاں پر کے ڈبے اوپر چڑھ جاتے تھے۔

ہزار ہا ٹکڑے پتھر کے اس طرح پہلے خشکی سے بہاڑی کے قریب پہنچائے گئے۔ پھر بہاڑی چوٹی پر اور بہاڑی چوٹی سے جدید مینار کی تعمیر تک اور ہر ٹکڑا صدمہ بٹن و زن تھا۔ اس خیال سے کہ وہ ان میں پتھروں کے کاٹنے اور گرنے کی ضرورت نہ ہو۔ پہلے یہ سب ٹکڑے ایک جگہ کر کے مقام کار فوال میں خشکی پر مینار بنا لیا گیا تھا۔ اس کے بعد پتھر کے ٹکڑے پھر علیحدہ کیے گئے۔ ہر ٹکڑے پر بڑے چھوڑ لیا گیا اور اسی سلسلہ اور ترتیب سے مینار کی تعمیر میں صرف ہوئے۔

یہ مینار دامن میں ان اٹالیس فٹ مڑا ہے۔ اور بہت اونچائی تک ٹھوس پتھر کی ایک سل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد آٹھ فٹ تک ایک مکروہ دوسرے کرے پر بنا ہوا ہے۔ سب سے نیچے مکروہ میں ایک دروازہ ہے۔ جس سے سامان اندر داخل ہوتا ہے۔ دوسری منزل کے مکروہ میں سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے اوپر کے مکروہ میں کام کرنے والوں کے سونے اور رہنے کی جگہ ہے۔ اس کے اوپر کے مکروہ میں لائٹن کا سامان اور جی وغیرہ کے کاشٹنگ سامان ہے۔ سب سے اوپر کے مکروہ میں لائٹن رکھی جاتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی اور عظیم الشان چیز ہے جو بے حد مشابہت تمام شب گردش میں رہتی ہے۔ خواہ کسی طرف جہاز جا رہے ہوں۔ اس کی دو روشن شعاعیں رہنمائی کرتی ہیں۔ اور ایک راتوں میں جہاز اس روشنی کے سہارے سے خطرہ سے بچتے بچتے ہونے لگے اس طرح نکل جاتے ہیں۔ جس طرح چھوٹے شہر کا مسافر گھنٹوں کے جیب کتروں سے بھاگ کر چوک اور امین کباد کی سیر کے اپنے گھر پلٹ آتا ہے۔

ایضاً
ایضاً
ایضاً

ایضاً
ایضاً
ایضاً

ایضاً
ایضاً
ایضاً

صرف اصغر علی محمد علی تاجر علی گڑھ لکھنؤ کا بنایا ہوا عطرنا ایسا ہے جس کو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

سلطنت عثمانیہ

(از جناب سید احمد کاظمی صاحب - اڈیٹر علی گڑھ میگزین)

کی طرح مشہور ہوئے۔

عسکی شہر آب و گل کی رو سے بہشت برین کا ایک خطہ و جلان قدرت کی تمام شیر نگیناں ایک کوزے میں بند ہیں۔ ایک طرف چشمہ شیریں روان و دان ہیں۔ دوسری طرف کوہ و کوہسار اپنی بلندی پر نازان ہیں گل و گلزار چمن دلالہ ناز جب کا کوئی حد نہ حساب رنگ برنگ کی گلین بیچ و تاب کھاتی ہوئی سپہر برین کی جانب چلی جا رہی ہیں۔ اور اشجار چمن انواع و اقسام کے بیوہ جاتا سے پُر اپنے صانع کی یاد میں سر بسجود ہیں۔ الغرض الطغرل نے اپنے رہائش کیلئے صوغا پسند کیا جو ۳۰۰۰ فٹ سطح سمندر سے بلند مقام پر واقع تھا۔ اور جہاں انسان ہمہ وقت ارد گرد کے مناظر سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔

اسی جگہ الطغرل کا چوہنار نور لعل عثمان پیدا ہوا۔ جس کے

نام سے قوم عثمان کی شہرہ ہوئی اور جس کی ساعی نے اپنی قوم کی عظمت میں جارچاند لگا دئے۔ سلطنت عثمانیہ کی ابتدائی حالت کا ایک بھل نقشہ کھینچنا آسان نہیں۔ لیکن اس کی ترقی کی رفتار سلطنت کی رو سے تیز تر تھی اور اس کی حکومت کا استقلال سکندر کی حکومت سے زیادہ دیر پا۔ یہ ترکوں کی آخری مگر عالی شان سلطنت تھی۔ جسکی بنیاد شجاعت کے خیمے چوں سے ڈال گئی تھی لیکن وہ بیج رفتہ رفتہ پونا اور پودے سے ایک تناور درخت بن کر لوشی شاخوں سے دور دور یورپ کے ساحلوں پر شہنشاہ کی روک تھام کے لئے ایک حصار و دھت دیوار کا کام کرنے لگا تھا۔ بعض یورپین

تقریباً تیرہویں صدی کے آغاز میں ایک گروہ جسکی رگوں میں تاتاری خون موجزن تھا صحرا و زری کی حالت میں اتفاقاً اناطولیہ کی سرزمین پر جا بویچا۔ اس قافلہ کا سر دار الطغرل بہت و شجاعت کے گھوڑے پر سوار تھا۔ ان خانہ بدوشوں نے میدان اناطولیہ میں دو قوجوں کو زیر پر کیا رکھا جن سے یہ قطعاً ناواقف تھے۔ اور وہ ان سے بالکل نا آشنا۔ الطغرل مظلوموں کی آہ و زاری نہ دیکھ سکا۔ اور اس نے کمزور سپاہیوں کا ساتھ دینا بنا فرض سمجھا چنانچہ اس تائب غیبی نے ہارے ہوؤں کی قسمت کا یوں پانسہ پلٹا کہ غلبہ سے نفع کا جامہ بنا۔ فاتح فوج نے اپنے دشمن کی جاسے بود و باش ریت کی چنانچہ استغفار پر حقیقت معلوم ہوئی۔ اور پھر الطغرل نے ان کی رام کمائی مانی۔ اور وہ علاء الدین بلوکی کی پادشاہت ہوئی جنگی منگول حملہ آوروں سے مٹھ بیٹھ پوری تھی۔

سلطان علاء الدین نا آشتا ہمدرد کا بے حد گرویدہ احسان ہوا اور الطغرل کے کاندھوں پر دست شفقت رکھ کر اس کی عتایہوں کے صلہ میں ٹھوڑی جاگیر اور کچھ مال و زر عطا کیا۔ جاگیر میں نسکی شہر اور نشیا الطغرل کے سپرد ہوا۔ جو سلطان علاء الدین کی سلطنت کے شمال مغرب میں اور سلطنت یونان کی سرحد پر واقع تھا۔ ان ترک خزانہ بدوشوں نے اس جگہ ایک مختصر سلطنت کی نوع نیل ڈالی اور اپنی آئندہ نسلوں کا پیش خیمہ تیار کیا۔ ایک دن اسی شہر کے گوارہ میں پلے ہوئے چوں سے تمام یورپ کا پٹ اٹھا۔ اور ان کی شجاعت و دلیری کے کارنامے چار دانگ عالم میں روشن

اگر آپ کو عطر ختا در کار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

عثمان کے انتقال کے بعد
اُس کا فرزند متر اور خان

سُلطان آورخان

اپنی عمر کے چھپا لیسویں سال تخت عثمانیہ پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ دنیا کے ہر نشیب و فراز سے واقف تھا۔ اور اُس کا جُزس و باغ جنگ و جدال کے تجربوں سے مالا مال تھا۔ آورخان نے تخت حکومت پر قدم رکھنے سے پیشتر ایک ہاتھ میں جُزوں کی حاکمیت لی اور دوسرے ہاتھ میں آزمودہ کار تلوار سلجھائی۔ مہربان باپ نے آورخان کو ایام طفولیت میں جملہ فنون جنگ سے آراستہ اور مردِ وجہِ علوم کے درس و تدریس سے مزین کر دیا تھا۔ اس سلطان والا تیار کی سپہ سالاری اور بہادر فوجی نگرانی کے زمانہ ہی میں اہم شرحِ حقّی اکثر معرکہ کارزار میں یہ عثمان کے ہمرکاب ہوا تھا۔ کبھی سپہِ مدی کے زیر سایہ ترک سپاہیوں کی ہمت افزائی کرتا کبھی جوا کے گھوڑے برسوار غنیمت کی صفوں کو چیرتا ہوا قلبِ لشکر میں پہنچتا تھا۔ اور اسکی فرزند مردانگی پر فخر و نصرت و سوسو باز رفتار ہوئی تھی اس کی سخاوت اور بے لوث اشارہ کا یہ عالم تھا کہ ایک گنگا بہری تھی کہ جس حاجت مند کا دل چکا مستفید ہو۔ عدل و انصاف کا یہ حال کہ حد و دشمنی سے سربو تجاوز نہ کرتا تھا۔ جس سلطنت کی باپ نے بنیاد ڈالی۔ آورخان نے اُس پر ایک عالی شان قصر کی مستحکم دیواریں کھڑی کر کے زمانہ کی رفتارِ ترقی پر اسکی تکمیل کا بار چھوڑ دیا۔ آورخان نے مصلحتاً دار الخلافہ عسکری شہر سے بروسان منتقل کیا۔ اپنے بھائی علاء الدین کو وزیر مقرر کر کے اور سلطنت کا راز دان بنایا۔ اور جب زندگی نے بھائی کے ساتھ وفاداری کو کھنکھوسا ملکر سلیمان پاشا کو اُس کی جگہ مرحمت کی علم و ہنر سے اُسے خاص محبت تھی۔ چنانچہ اپنی سلطنت میں جا بجا عربی درگاہیں

کے نقشہ نگار و مہین سلطنت عثمانیہ کا آغاز سنہ ۱۳۰۰ء سے ہوتا ہے جبکہ سلطان علاء الدین نے عثمان کو قلعہ و چادوش عنایت کیا۔

بہادر و الطغرل جبے نیلے ناپائیدار سے رخصت ہوا۔ سنہ ۱۳۰۰ء میں اُس کا

سُلطان عثمان

ہردل عزیز بیٹا عثمان چک یا ”نصحا عثمان“ تخت و تاج کا وارث ہوا اُس کے باپ کے بہر و دور مرنے تاج پوشی کی چند رسمیں ادا کر کے اُس کو رمز سلطنت سے آگاہ کیا۔ نوجوان عثمان نے سلطنت کے کاروبار کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ اور طلیع العنان ہو کر فراوانی کرنے لگا۔ سنہ ۱۳۰۰ء میں نصرانیوں کے ایک ہزار لشکر کو شکست فاش دیکر اپنی حد و سلطنت کو بحیرہ اسود تک وسیع کر لیا۔ دور و نزدیک کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں جب ان کے ابھرنے ہوئے آفتاب کی شامیں عکس کُن ہونے لگیں تو جنگجو ترکوں کے نام سے ان کا دلی بھڑانے لگا۔

یہاں تک کہ یہودیوں اور نصرانیوں کے بچے رورو کر جب ماؤں کا ناک میں دم کر دیتے تھے۔ وہ ترکوں کا نام لے لے کر اذیتوں و دلاتی تھیں اور معصوم بارسے دہشت کے خاموش ہو جاتے تھے۔ سنہ ۱۳۰۰ء میں ترکوں نے عیسائیوں پر لشکر کشی کی اور سلطان عثمان کی وفات سے زرا پہلے بروسا ہاتھ آیا۔ سلطان فیضان کی روح نفسِ نصیری سے پرواز کر کے بروسا ہی کے مشہور و معروف باغ میں آسودہ ہوئی۔ اس وقت سے اب تک یہ رسم چلی آ رہی ہے۔ کہ تقریباً تمام سلاطین دولت عثمانیہ وفات کے بعد اُسی جگہ مدفون ہوئے ہیں۔

تک تو ہم ہمیشہ اپنے باقی سلطنت کا بڑا احترام کرتی ہے۔ اور اُس کی یاد تازہ رکھنے کے لیے تاجپوشی کے وقت ہر سن سلطان کی کو عثمان کی تہن تلوار سے زینت و سجائی ہے۔

اصغر علی محمد علی تاج پشکر لکھنؤ کا تیار کردہ باوقیر نکل کا استعمال کیے قیمت فی شیشی دو روپیہ و ایک روپیہ

اسیران جنگ اپنی جہنم بنیاد سے مقدر کے کرشمے دیکھا کرتے تھے ان میں سے کوئی انشس جیسا انمول موتی ہو کر حلیل القدر ملک کے تاج و تخت کی زینت ہوتا تھا اور کوئی ایاد کی طرح گلے کا ہار کوئی گردون گردان کی گردنوں میں آکر مصیبت کے تلاطم خیز سمندر میں غوطہ زن ہوتا تھا۔ لیکن انصاف نے آدرخان کے دربار میں ان بے برگ و ذوق بیون کی وکالت کی اور رحم نے پیرزور سفارش کی چنانچہ نصف مزاج سلطان نے جینسری یا (جینجری) یا نئی فوج کی بنیاد ڈالی۔ جس میں نوجوان اسیر بھرنی ہو کر سپہ گری کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن انھیں شادی بیاہ کی سخت ممانعت تھی اور غالباً اسی لئے جنگ میں بے خوف و ہراس بہادری سے لڑتے تھے۔ کامل ۳۵ سال کی حکومت کے بعد شاہ ذی جاہ آدرخان فرشتہ موت کی رہنمائی پر سنہ ۱۲۷۶ء میں سو سے عدم دا ہوا۔ اولیٰ پنے پاک طینت اور روشن کارناموں کے غیر فانی نقوش جبریدہ عالم شہیت کر گیا۔ (باقی)

سید احمد کاظمی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کھول کر علوم و معارف کی نہرین جاری کین۔ صدای فزع الشان مسجدين تمکین۔ جنکے میناروں کی بلندی سے تکیہ کی صدا میں فضا میں تقدیس پیدا کرتی تھیں۔

آدرخان کے دوران حکومت میں ہر چار طر فوج و کامیابی کے شادیاں بکھرتے تھے۔ یہ ترکی سلاطین میں پہلا شخص تھا جینے بحری مسافت طے کر کے یورپ کے مشرقی ساحل پر اپنے قدم جمائے۔ اور اپنے جانشینوں کے لئے یورپ کے فتوحات کا دروازہ کشادہ کیا۔ بازنطین فوج کے گیلی پولی پر قبضہ کیا۔ اور ادھر ایشیا میں عتکولہ، کندرہ، ایڈس، سمندرہ جیسے نامی شہروں پر ترکوں کا کامل تسلط ہوا۔ ملکک کے قلعہ کا اسے محاصرہ کیا۔ اور عرصہ کی جدوجہد کے بعد وہاں اپنا جھنڈا نصب کیا۔ جنگ و جدال میں غوراً و اندوہاً عوتین، اور بچے، دشمنوں کے ہاتھ آتے ہیں اور وہ انھیں گرفتار کر کے کشان کشان ساتھ لے جاتے ہیں۔ دہلہ مگر شہر میں بعض قومیں ان قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنا کر فروخت کرتی تھیں بعض انھیں دیسیف کر کے اپنی شمشیر کی پیاس بجھاتی تھیں۔ غریب

افکار فانی

(از جناب شاہ شاد علی صاحب سبز پوش متخلص بہ فانی گوا، کہ پوری)

درد سے دل جو آستانہ ہوا	زندگانی کا حق ادا نہ ہوا
نہ ہوا وصل۔ دم روانہ ہوا	کیا ہوا آہ۔ اور کیا نہ ہوا
دی عبث جان رشک دشمن سے	دہ کسی کا بھی آستانہ ہوا
تم اگر غیر کے ہوئے تو ہوئے	کیا ہمارے کوئی خدا نہ ہوا
باز آئے ہمارے قتل سے وہ	ہم جسے سمجھتے تھے ہوا۔ نہ ہوا
کوئی حسد بھی غرور کی آخر	بارے دہ بت ہوا۔ نذر نہ ہوا
جیہ ہے تیری لذت پر فانی	اُس کے غم میں اگر فسانہ ہوا

علاوہ طر حاک جملہ قسم کے صنایع عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

بازی گاہِ وفا

(از جناب شفیق صدیقی چونیوری - اڈیٹر وحید العصر)

(مرکے ہی ساتھ رہیے، وہ وفادار ہیں ہم)

لانفک تعلق ہوگا۔

شور شکوہ حقیقت کا وہ شہر نما اقدوس کر بلاے علی کی زمین پر قوی ہنر
ہوا۔ جہاں شہیدانِ عشق اپنے سر کٹوا کر عیانِ محبت کو دکھا دئے
کہ یوں اسحاق گاہِ عشق میں تنہا گاہِ عشق میں تنہا کیا میاں حاصل کرنے
ہیں۔ اسکی تمام شہرت و مقبولیت کا دار مدار وفا و جفا پر ہے۔

مقتلِ عشق کے سر پر آدوہ شہید جناب منصور جہن کی
صدائے نالافتی نے انھیں سردارِ سرا فراؤ کیا انکی بھی خوب بازی کو چکے
اہبت حاصل ہوئی ہی جفا و وفا کی بدولت۔

میدانِ مجاز میں تیس سامری کی مجنوبت اور بیلائے بند
کی معشوق کا چرچا جفا و وفا ہی کی بدولت ہو کہ وہ بیستوں کے سنگریسے
آج تک فریاد و شیریں کی وفا و جفا کی سرگزشت زبان حال سے سنار چوہی
غرضیکہ وفا و جفا یہ دو چیزیں انجمنِ عشق میں زینتِ محفل
ہیں اگر یہ دونوں نہ ہوں تو حسن و عشق کے جلسوں میں سنا ہی سناتا
نظر آئے۔

عاشقی پیت بگوئند جانان برون دل بست دگرے دادن و خیال برون
عاشق کا یک سخت بندہ معشوق ہو کر اپنے محبوب سے طلب کی
فاطر داری و رضا جوئی کے لیے اپنی ہستی کو شاد بنا ہی شانِ وفا ہے اور
معشوق کا عاشق سے تعدل لیکر اسے صبران پریشان کرنا یہ آئینِ جفا
حسن و عشق کی ابتدا جیسے ہوئی اور اسوقت سے آج تک خفیہ عاشق
و معشوق گزرے انکی داستانِ وفا و جفا کی بند و بست و لپٹ چٹ پٹ
بغیر جفا و وفا کے حسن و عشق کے افسانے نامکمل ہیں مشہور ہے کہ جو جفا

جفا، وفا، حسن، عشق، یہ چند لفظیں اپنے اپنے مفہوم

کے اعتبار سے تو بالکل ایک دوسرے سے بے تعلق ہیں وفا قبول کر جفا یا
بول کر عشق کہی مراد نہیں لیا جاسکتا مگر جب دنیاے محبت کی سیر کیجئے
تو ہر تراشاکہ و الفت میں یہ چاروں ساتھ ہی ساتھ نظر آتے ہیں۔

حسن و عشق کا باہمی اتحاد اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا ایک
دوسرے کے لئے محتاج الیہ ہونا تو باہر ظاہر ہے مگر غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ وفا اور جفا بھی عاشقی کے لوازمات میں سے ہیں۔

عاشقی کے پرستش گرد میں جہاں جہاں حسن و عشق کے جلوے ہیں
وہاں ساتھ ہی ساتھ وفا و جفا کے کرشمے بھی قابلِ دید ہیں جنہیں
دیکھ کر محبتِ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود معنوی مغائرت کے حسن و عشق کو
وفا و جفا کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ حسن و عشق کا
لطف جفا و وفا کی بدولت ہو۔

عاشق حسن سے متاثر ہوتے ہی معشوق کی ہر ادا پر
سیکڑوں جانیں قربان کر نیکی لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جفا پر معشوق
کی طرف سے ظلم پر ظلم ستم پر ستم ہوتا ہے مگر عاشق جانا باز ہر طرح جفا کشی
و تازی برداری کے لیے آمادہ و تیار رہا کرتا ہے اور استقلال کا دامن کے
ہاتھ سے نہیں چھوڑتا حسن و عشق کے تمام واقعات پیش نظر ہیں کتنا
محبت کی ہر داستان میں ہی لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ عاشق نے وفا کی لڑ
معشوق نے جفا کوئی افسانہ و الفت و فدا جفا کے تذکرے سے خالی نہیں
جلوہ گاہِ حقیقت ہے ہر بات گاہ کہ مجازِ حضورِ عشق ہیں
برم میں ردق افروز ہو گئے وہاں حسن و الفت کا وفا و جفا کے ساتھ ایک

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حاضر موسم میں استعمال کیا جاتا ہے

معتوق کی سرشت میں داخل ہیں اور وفاداری عاشق کا خاصہ ہے۔
شب کی شب بزم طرب پر وہ دانیال صبح تک اُٹھتا ہے عورت ماہو جانگی
زینب انسا رخصتی

کا مشوقان نہایت زخمی ہیں کہ عاشق خن خود اپنے جہان بخت
مگر زمانہ حال کی ایک بزم عشق کا مشوقان نہایت زخم
ہنمان رخت کے کلیہ سے کلیہ مستثنیٰ نظر آتی ہے حسین ہر طرف فاضل
کے جلوے آشکار ہیں جہاں کہیں گزری نہیں یعنی اہرام بے کھنکھی
کا واقعہ مشوقان حسینان زبان کے لیے ایک عبرت وہ واقعہ ہے حسین
گرایا نصیحت ناک کی تعلیم دی گئی ہے۔

عمر سے قبل قسطنطنیہ میں ایک سے زیادہ شادی
کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن قسطنطنیہ کے متحمل و زہرہ دل دیکھیں ہر آدمی
نے اس قانون کی کچھ پرواہ نہ کی۔ بالآخر حکومت نے مجبور ہو کر اس امر کی
ہدایت کی کہ وہ اپنی حرم سرا توڑ دے ورنہ سزا دینا ہوگا اسلام نے
اس حکم ثانی کو بھی ٹھکرادیا اور بجائے حرم سرا توڑنے کے اس نے ایک
تخلت جنسیافت کا انتظام کیا حسین وہ اور اس کی اس بیویان شکیب
ہوئیں جو نہایت زرد برقع پوشا کین زیب بدن کئے ہوئے تھیں
اور ان میں سے ایک ایک کا حسن و الغریب جمال جو کہ شرابا تھا۔ آیت

عالم حال

(جناب شیخ غلام حسین صاحب انگریزی)

دخوات ہست کمال ہیں نہ فساد ہے نہ دلا ہیں
یہ سبھی کرشمے خیال کے سبب بظاہر و دلال ہیں
میں ایک ہیں مگر کسی سوز و غم کا حال ہیں
یہ مگر غم کی گود میں لادیں بھی مگر غم ہی
یہ مگر غم کی گود میں لادیں بھی مگر غم ہی

میں کہوں تو تھ غم بھر میں پیش جھکوں
انہیں قیل و قال سے کیا فرض جو دے عالم حال ہیں

سہیل

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ کی ایک مشاخ "چاندنی چوک دہلی" اور ایک مشاخ گلزار عرض حیدر آباد کوکن ہیں

دینی ادب کی تاریخ

(ارجمت سیدنا محمد نذیر صاحب ہاشمی غازی پوری)

ہندوستان کے قدیم نشانات و آثار ادب راجپوتانہ کے ان روایات اور نغمات میں ملتے ہیں جو تقریبات شادی غم میں مطلق اور کلا و نتون کی زبانی سنے جاتے تھے۔ اس ذات کو جو ہمدون اور راجاؤں کے کارناموں کو اپنے خاندانی پیشگی طرح زبانی یاد کرتے اور نسل بعد نسل ان کو ایک حافظہ سے دوسرے حافظہ کو منتقل کرتے تھے بھٹا کتے ہیں اور اس کے صلہ میں ان کو جاگیر میں دیجاتی تھیں۔ سب سے پہلے بھٹا جس کے حالات کچھ صحت کے ساتھ معلوم ہیں چاند برلی گزرا ہے جس نے آخر زمانہ بارہ صدی میں پرتھوی راج کے کارناموں کو شہر محفوظ کیا۔ اس مجموعہ کا نام ”پرتھوی راج رہسیا“ ہے۔ اس کا ہم عصر جگ نایک تاجا نے حمویا کے راجہ پروردی کے دربار میں رسوخ پیدا کیا تھا۔ اسی کو ”آکھیا آکھیا کھنڈ“ کا مصنف کہتے ہیں اب آکھا آودن نے رزم و رزم کے منظومات صرف زبانی لوگوں کو یاد پوری مثنوی لکھی جوئی صورت میں کہیں نہیں ملتی۔ انھیں مطربان قدیم یارزم گویاں ہند میں چودھویں صدی کے وسط میں ستنگ وھر گزرا ہے۔ پھر ستنگھو کے ہمدون راجکان کے کارناموں کو اسی مذہب شاعری کے سلسلہ میں سترہویں صدی میں مشہور و ظہور پاتے ہیں۔ ان دنوں دو طرح کے بھٹا اپنے اپنے خصوصیات کلام کے لحاظ سے گزرا ہے۔ ہن ایک گرو میوار کے دربار میں دوسرا مار وارٹک بیان خال لال پالی ایک شاعر مورخ گزرا ہے جس نے ہندو کی تاریخ لکھی تھی۔ یہ راجپوتی و ہمدون رزمیہ سترہویں صدی تک حرثی اور شہرت پزیر رہا۔

کر جمل ٹاڈ نے آثار راجستان سے لاجپوتانہ کی تاریخ کو ہندوستان کے قدیم نشانات و آثار ادب راجپوتانہ کے ان روایات اور نغمات میں ملتے ہیں جو تقریبات شادی غم میں مطلق اور کلا و نتون کی زبانی سنے جاتے تھے۔ اس ذات کو جو ہمدون اور راجاؤں کے کارناموں کو اپنے خاندانی پیشگی طرح زبانی یاد کرتے اور نسل بعد نسل ان کو ایک حافظہ سے دوسرے حافظہ کو منتقل کرتے تھے بھٹا کتے ہیں اور اس کے صلہ میں ان کو جاگیر میں دیجاتی تھیں۔ سب سے پہلے بھٹا جس کے حالات کچھ صحت کے ساتھ معلوم ہیں چاند برلی گزرا ہے جس نے آخر زمانہ بارہ صدی میں پرتھوی راج کے کارناموں کو شہر محفوظ کیا۔ اس مجموعہ کا نام ”پرتھوی راج رہسیا“ ہے۔ اس کا ہم عصر جگ نایک تاجا نے حمویا کے راجہ پروردی کے دربار میں رسوخ پیدا کیا تھا۔ اسی کو ”آکھیا آکھیا کھنڈ“ کا مصنف کہتے ہیں اب آکھا آودن نے رزم و رزم کے منظومات صرف زبانی لوگوں کو یاد پوری مثنوی لکھی جوئی صورت میں کہیں نہیں ملتی۔ انھیں مطربان قدیم یارزم گویاں ہند میں چودھویں صدی کے وسط میں ستنگ وھر گزرا ہے۔ پھر ستنگھو کے ہمدون راجکان کے کارناموں کو اسی مذہب شاعری کے سلسلہ میں سترہویں صدی میں مشہور و ظہور پاتے ہیں۔ ان دنوں دو طرح کے بھٹا اپنے اپنے خصوصیات کلام کے لحاظ سے گزرا ہے۔ ہن ایک گرو میوار کے دربار میں دوسرا مار وارٹک بیان خال لال پالی ایک شاعر مورخ گزرا ہے جس نے ہندو کی تاریخ لکھی تھی۔ یہ راجپوتی و ہمدون رزمیہ سترہویں صدی تک حرثی اور شہرت پزیر رہا۔

اصغر علی محمد علی ناجر عطر لکھنؤ کا ایجاد کردہ عطر خاص ہے جس کا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

کرشن اور راوہا کے عشق کو ہندوستان میں اس سر سے بیکر اس سر سے تک مقبول و مشہور کیا۔ ان کلاموں کی زبان راز و مایہ پر وہ مہر و غم کی تھی مگر قدر فرقہ ان مشابہتوں کی وجہ سے ہونے لگی نیچر یہ ہر ایک کٹر مت میں راما مندری حسرت کے مقابلہ میں خدائی وحید کی عظمت اور روشنی نہیں رہی۔

ان دو وزن متوں کو چھوڑ کر اس شہرہ آفاق عجیب و غریب کی کو دیکھنا چاہیے۔ جس نے ہندو اور مسلمان مذاہب و مذاہب کے اثرات کو یکساں جوش سے جذب قبول کیا یعنی ملک محمد جی جاسسی نے جو شاعرانہ میں گزرتے ہیں یہ اورت اسی مشہور کتاب لکھکر دینی زبان میں سب سے پہلی اور متعلیٰ نظم کی ایک یادگار راز و مایہ چھوڑی ہے اس نظم میں نہایت لطیف فلسفیانہ خیالات اور غامض جذبات موجود ہیں۔ پادری کرشن کا پیداموت کے فراق میں جگل اذین میں پرتاد کھایا ہے علاوہ الدین کا قلم جو پرت چٹھائی کرنا اور پیداموت کا فن و داس طرح ادھر ادھر ہے کہ جب ہر طرف سے مادی ہو گئی اور علاوہ الدین نے قلم فوج کرایا تو پیداموت نے آگ کی جتاین کو دکر سن اور شوق کے سامان کو خاک کر دیا پیداموت نے شاعرانہ تلمیح اور باشا سے گویا روح کا معرفت اسی کی جستجین چڑا اور تھکت اور لائش کا مقابلہ کرنا ہے مسلمان فقرائے اپنی تعانیف اور شاعرانہ خیالات میں ہندوستان کے باشندگان اور روایات سے بدرجہ کمال ہمدردی اور پادری کی ہے۔

پیداموت ایک ایسی تصنیف ہے جس سے ہندوین صدی کے بلاناہ اور عجانات کے آئینہ خانہ میں پوری پوری روشنی پڑتی ہے مگر ایک بات میں ملک محمد جاسسی نے برخلاف ہندو مصنفین کے فارسی رسم الخط میں اپنی تصنیف کو مکمل کیا ہے۔ اس سے پہلے راجو تاجیک شاعرانہ میں پر کریت زبان میں خیالات منظم ہوتے تھے مگر ان کے ملک محمد جاسسی نے اپنے وقت اس قدر ترقی یافتہ رائج شہرہ اور قابل فہم ایسی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے دینی زبان کا استعمال اور اس سے علم و ادب تک خیالات اور بیانات پہنچانے کا کام گوتم بدھ نے لیا تھا چونکہ اس کی تحریک اصلاح و اشاعت نہروان عامہ علماء کے لئے تھی اسلئے اس نے اس وقت تک کی دینی زبان کو اپنا اذخیال و ذریعہ اظہار بنایا بعض محققین زبان دان کا خیال ہے کہ گوتم بدھ نے سنسکرت کو چھوڑ کر پراکریٹ کی آسان اور عام طور سے بولی جانے والی زبان کو آسان کر دیا یعنی اپنے مذہب کی تبلیغ عوام کی زبان میں شروع کی گویا وہ زبان جس کا نام آج اردو ہے اپنی ابتدائی حالت میں گوتم بدھ کی توجہ اور کوشش کی محنت ہے اور علامہ احسان اللہ عباسی کو کچھ پوری نے اردو کو ہندوستان کی عام زبان ثابت کرنے کے لیے مقام کسب و سطر کو اردو کا سہارا گوتم بدھ کو اس کا بانی قرار دیا ہے شکر چاریہ نے ششونیت کو جاری کر کے بدھ مذہب کو ہندوستان سے جلا وطن کر دیا ملک محمد جاسسی اور ششونیت کے فقر اور شعرانہ اسوت کی دینی زبان کو نشر و اشاعت نصرت کے لیے اختیار کیا یہ دینی زبان تھی جو آج بھی ششونیت دینی عقائد میں بولی جاتی ہے اسلئے قیام کے بہرین نے تسلیم کیا کہ کتان میں زبان کے معاملہ میں بڑا نقص گذرا ہے وہ صرف شہنشاہ اکبر شاہی مطربوں اور موسیقی دانوں میں نہیں تھا بلکہ بہت بڑا شاعر اور مصنف بھی تھا اسی طرح سولہویں صدی میں شعرا کے رشتہ کا مذاق سخن ناہم داس کی کتاب بھگت مالا سے معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان کی شاعری اور روحانی ذہنی برق میں بلبل جاتی شعرا کے دور میں شہرت پر زور ہونے لگی اسلئے تریب مغلیہ و دیار دہلی میں ایسے ہندو شعرا اور ادیب کا مجمع ہوتا ہے جو اردو زبان کی پرورش کرنے والے ایسی جذبات کے نشوونما دینے والے کے جاسکتے ہیں۔ لاجہ ٹوڈل ہندوستان کی تاریخ میں اقتصاد اور مالی حکمت کا مفسر وزیر باجمیر گزرا ہے مگر اس سے زیادہ اس کا وہ زمانہ قابلِ تخریب تھا جاتا ہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے مال طلب کرنے کے بعد گزرا پسند ہو قیص واپس لیجیا اور واپسی کے محصل کا بھی کاخانہ ذمہ دار ہو

حق جو سنسکرت کے غیرانوس الفاظ کو بڑی ادب بن دہر دینی ہوتا
چاہتے تھے۔ ایک یاد و ناقابل ذکر شعرا کے بکلیہ شمس (۱۵۸۴ء)
کا زمانہ آتا ہے جس کو اس وقت کی نہایت خوب صورت اور قابل شاعر
پر مبنی اس سے ایک لگاؤ تھا اسی کے عشق اور خیال نے جس کو کبیر
پر مبنی نامی کتاب لکھنے پر آدہ کیا اس کے ستر برس کے بعد ترقی
صدی میں کبیر داس نے جو نادر عرض بتا کیے تھے انکو بھی مبنی
تیری پاٹھی نے راج اور مستعمل کیا ستر برس صدی کے آخر میں کالیہ
خود دی نے ہزار نامی ایک کتاب میں شعرا کا تذکرہ لکھا اسی صدی کے
اواخر میں مبنی بعض بحر کا نظم نہیں نے خیالات میں ایک نیا انقلاب پیدا
کیا۔ او (۱۶۰۴ء) نے داو و پنچھ جاری کیا پران ناچھ (۱۶۵۴ء)
نے پران ناچھ پنچھ قائم کیا اور گویند سنگھ نے سکھوں کا کچھ
پیدا کیا اور گرنٹ صاحب نے سکھوں کی مقدس مذہبی کتاب پر بھی کیا
سے سنگھ راجپوت شعرا کا بہت بڑا مرنی گزشتہ اس کی بگڑانی
اور پھر دی سے بہاری لال چوبے نے سیات سو غزلین تصنیف کیں
اور ہر غزل کے صدمہ میں اس کے مرنی سے سنگھ نے ایک ایک اشرفی
انوالادی اور غزلین دو دھن ہن بہاری لال چوبے کا لقب
مفسد دن اور زمانوں کا شمار تھا۔

اب وہ زمانہ آتا ہے کہ شایان منزل کا زوال شروع ہوتا ہے اور
مرحوموں کا زور اور زوال ہی انتہا کو پہنچتا ہے راجہ زمانہ میں لوشون
اور سیاسی مکیوں کا حال بھل جاتا ہے۔ ادیب اور شعرا کا حال بڑا ناگ
ہر طرف اور اسی ہے اور مجلس شعرا میں سوسے چند نفوس کے اور کوئی
نہیں اس زمانہ میں اووے ناچھ ترمیدی اور جسونت سنگھ کے
نام سننے میں آتے ہیں اووے ناچھ ترمیدی نے بکھاری لکھا
اور جسونت سنگھ نے رس چند رووی لکھا۔ اسی زمانہ میں مبنی
بالاپ نے لکھی بکھاری داس نے ترقی لکھی اوہی بی تن لکھنے

جو اس نے اردو زبان کے رائج کر دینے اور دوسری ادب کو فروغ دینے میں
انجام دیا بہر حال اکبر کا مصاحب خاص بہت سے غزلیات کا تون
اور کمالوں کا مصنف تھا وہ سائے آتے اور دوسری زبان میں نظم
و شعر کو ترقی دینے کی انتہائی کوشش کرتا ہے عبدالرحیم خاں خاں خاں
خود بہت بڑا شاعر کہتے اور کلمات کلمہ والا تھا اس نے نہایت خیانتی
اور سخاوت کے ساتھ اپنے وقت کے شاعران اور ادیبوں کی مدد کی
اجمیر کا راجہ مان سنگھ بھی بہت بڑا مرنی ادب کا خاں لوگوں کے
تذکرہ کے ساتھ ترمیزی۔ بہری ناچھ کرن اور گرنٹ اپنے وقت کے
مسلم البیوت شاعر اور ادیب مانے گئے مبنی تلمشی داس سب سے بڑا
شاعر مبنی جس نے رام کے کا زمانہ جات کو نظم میں دیکھا مبنی اس شخص
کا قید بلند اور فوسے بہرنا اس میں بہت وزن ایک رباب اس کے
شہرت کی فافاد میں کسی اس کے ہم عصر نے جرات خاندی اور دوسری
کی زمین کی اس کے چیلے لکھوں کی لودا و مین شمار کیے جاتے ہیں لیکن
اس کے بڑا ذاکے سلفہ مبنی مبنی کوئی مبنی جب ہندوستان کے
دور ماضی پر بحث نظر کیجاتی ہے تو اس کا نام اور اس کا تذکرہ مبنی جاگہ
نرالا اور مضبوط پایا جاتا ہے اس کی تصانیف مثل مبنی مقدس کے
ہندوستان کے مرنہ مبنی بڑی مبنی اور یاد کی گئیں کوئی مرنہ کی عذر
اور کوئی دبی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی
مسنگر مرنے رامان کا مرنہ مرنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی مبنی
آغاز دیا چہ مبنی لکھتے ہیں یہ ایسی کتاب ہے جسکو شاہی دربار میں
اور غیب کسان کے شش پوش جو بڑوں میں یکساں طور پر پڑھتے اور
وجد کرتے ہیں ہندوؤں کا بہ طبقہ امیر و غریب جوان اور عورت سب میں
اس کا اثر اور اعتراف موجود ہے دوسری شاعر کا یہ دور تلمشی داس اور
سور داس کے شاعرانہ بیانات سے نمایاں بکھا جاتا ہے زبان کی
صفائی خیالات کی شستگی اور بڑا داکام فم خصوصیت ان لوگوں کو شائق

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر حنا ہے۔

پریم رتن لکھی۔

میں کرشنا تندرسیاس ادیب نے مسکرت کا انصاف راگ
سنگر و بھواب لکھا اسی کے قریب قریب ڈراسے اور ناٹک کی
تھانائیف شروع ہوئیں غرض کہ ہندوستان کی دسی ادبی ترقی
سترہویں صدی میں انتہائی معراج کو پہنچ گئی تھی کما جاتا ہے کہ یہی زمانہ
انگہ تان میں بھی مشاہیر ادب کے عروج اور شہرت کا تھا۔ سولہویں
صدی میں ہندوستان کا وہ حصہ جس کو میرج کہتے ہیں کرشن جی
کے شہرہ کمال سے موجب تصانیف عالیہ ہوا۔ ایک خاص قسم
کے شعر ایسا گرسے ہیں۔ اس دور شعر کا بانی بلبس جارجی
ہوا ہے اس کے بعد اس کا لڑکا بھٹل ناٹھ ہوا ہے پھر
اس کے تلامذہ اشتہار چپ کرشن داس
سور داس مشہور ہوئے ہیں سور داس کو واقفان
فن نے تلمیذی داس کے برابر جگہ دی ہے۔ سور داس
آگرہ کا رہنے والا تھا اس کو یورپین ادیبوں نے تلمیذی داس
سے دوسرے درجے پر رکھا ہے۔

اسی زمانہ میں گورنمنٹ نے اردو زبان کو جو برائی زبان
کی ترقی یافتہ صورت ہے ترقی کی کوشش کی اور فیلنس
ڈکشنری اور پلاٹس ہندوستانی ڈکشنری اردو انگریزی کا
لغت شایع ہذا یہاں تک کہ ڈاکٹر لٹیرے نے پنجاب میں اس
زبان کو فروغ دیا۔

شاہ نذیر شاہی

اب زمانہ انیسویں صدی کے آغاز کا مہر پور میں اور سلطان
کے زوال کا ہے یہاں ترک ہندوستان میں غدر شہداء کا
شروع ہوتا ہے اس دور میں بھی نہایت اچھے شاعر اور صاحبان
کمال پیدا ہوئے ہیں کبھی یہ دیکھا گیا ہے کہ جنگ کی کشمکش اور دور
پر آشوب میں علم اور فن کے بڑے بڑے مشاہیر پیدا ہوتے ہیں اور کبھی
اس کے بالکل برعکس دور امن میں قحط الحال ہوتا ہے ہر سال
اس بحث کے پھوٹنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وقت آدمی کو مشہور
مقبول بنانا ہے یا خود طے لوگ وقت اور زمانہ کی صورت حال کو
بناتے ہیں۔ ویسی ادب کے لیے یہ زمانہ بہت موافق تھا انگریزوں نے
ہندی کا چھاپہ خانہ شمالی ہندوستان میں قائم کیا۔ تندرسیاس
ایک انجمن ہندی تصانیف نشر کے لیے قائم ہوئی اسی کوشش سے
لال توجی لال نے پریم ساگر لکھی۔ اسی مطبع اور انجمن کے ذریعہ
سے تلمیذی داس کے تصانیف طبع ہو کر ہندوستان میں مقبول عام
ہوئیں ہندوستان میں دو شاعر پدم کا بھٹ و مکرم ساہی
بہت شہرت پذیر ہوئے بنارس میں مہابھارت کا ہندی ترجمہ
گوکل ناٹھ نے شایع کیا اسی کے ساتھ ساتھ تنقیدی اہل قلم
پیدا ہوئے خصوصاً ہرچند رنامی مصنف نے ہندی ادب کی
تنقیدی زندگی کو روشن کیا۔ اسی زمانہ کے قریب قریب ایشور
نے تعلیمی معاملات میں کچی لیکچر ویسی ادب کو بہت فروغ دیا کلکتہ

رباعی

ہمدے کن و با موم و دانا بہ نشین
زین ہر دو گرت، پیچ میسر نہ شود
یا با صنم طیف و رعنا بہ نشین
اوقات ممکن ضل و تنہا بہ نشین

اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستا پہ نہ ہو رہے

نواب عماد الملک مرحوم

۲۔ جون ۱۹۲۶ء کا اندوہناک دن مسلمان ہند کے لئے ایک پیامِ ماتم لیکر طلوع ہوا اس روز ۳۰ بجو کے قریب وہ آفتاب علم و فضل غروب ہو گیا جس کے تھکنے نورانی کوشش نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو بجلی نار بنائے ہوئے یقین بلکہ جس کی تابشوں سے طلوع مغرب کی آنکھیں بھی غرقِ غم آتی تھیں آہ عماد الملک جسکی مسلم اقبوت قابلیت کی شمع ہماری آجڑی ہوئی محفل کو متور کئے ہوئے تھی ۳۰ جون کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کچھ گئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی (نامند وانا لیراجون) نظر نہیں آتا کہ اس گوشہ آبدار کو کتنا ڈھونڈیں جسکی ذات مجمع اوصاف پر گزشتہ نصف صدی ج بقدر ناز کرے بجا ہے، علوم مشرقی اور مغربی کا ایک پیش بہا خزانہ تھا جو زانہ کی دستبرد سے لٹ گیا، محفلِ موتی پڑی ہو کہ اس کا صدر درپوش ہو گیا، آجین بے شمع ہے کہ اس کو روشن رکھنے والا خاموش ہو گیا لیکن نہیں صدر درپوش ہو کہ اس کے نغمے فضا میں گونج رہے ہیں، شمع گل ہو گئی مگر گلبل جلوہ دینے ہے۔

ہرگز نیر و آئینہ دلش زندہ شد بہ علم ثبت است برجیدہ عالم دوام جا
فخندہ بنیاد و بکا و نصف صدی تک نواب عماد الملک سرید حسین بنگلہ راہی کے علمی اور قومی کارناموں کا جولانگہ بنا رہا ہر سال از اول کی جوہر شناس نظر نے اودھ کے اس مردِ مخیر خطِ پاک کے ایک گوہر آبدار کو آفتاب یکہ جہان سے ٹری پڑی حرکتہ الاکا ہستیانِ لہور میں آئینِ جھنوں نے اپنی عالی دماغی، اعلیٰ قابلیت اور متم با نشان علمی کارناموں سے مشرق کو مغرب کا ہمہ شوش بنا دیا تھا پانے وطنی اعزاز کو بلند تر مرتبہ پہنچانے میں یہ جین بنگلہ راہی نے جو جو علمی اور قومی خدمات انجام دیں ان پر ہر گام ایک بل ہندوستان جہدِ شکر کے آج حیدر آباد کن بین متعل سکونت اختیار کرنے کے بعد نہ صرف دائرۃ المعارف، کتب خانہ، مدرسہ، مدرسہ ان مدرسہ جڑہ وغیرہ کا وجود آپ کی ساعی جیلہ کا ہون منت تھا بلکہ آپ نے مرحوم اعلیٰ حضرت، اور موجودہ فزان روڈ کن سہی ام ترین جھنوتون کے احوار و اخلاق کو سنوارنے میں بحیثیت ابا المی کے جو عظیم الشان خدمت انجام دی تھی اس کی مثال ملنا محال ہو، سر زمینِ کننے آپ کی علمی آبیاریوں سے باغِ ارم کا روپ اختیار کر لیا تھا اس لئے کہ اس کی ابتدائی ترقی کے زمانہ میں دہان کے ناظم تعلیمات، ہون سکریٹری اور ڈیرہ وزیرِ اعظم کے جلیل بقدر عمدون پر نواز ہوئے کے بعد آپ نے اسی جلیل انقدا اصلا حات کو درواج دیاجن کی بنیاد آج حیدر آباد رتنی کی منازل طے کر رہا ہے۔

آہ! اس محترم اور پاک ہستی کے عظیم امثال، اوصات اور قابلیت کو خاطر خواہ طریقہ پر بیان کرنے سے زبان قلم قاصر ہوئے سکتے کہ ایسے مقدس نفوس اس ذوقانی کو اپنے وجودِ مسود سے شاذ و نادر ہی متبرک بناتے ہیں، اسوس کو خطِ بگرام کو چمکانے والا آفتاب علم آج آسودہ خاک ہو۔ مرحوم جس زمانہ شناسی روشن خیالی، تہذیب و ادبیت سے اپنی مصروف زندگی بسر کی وہ انجوائی نسلوں کے لئے چراغِ ہدایت کا کام دیگی، آج نہ صرف بنگلہ راہی اور حیدر آباد بلکہ سارا ہندوستان اس غم میں سوگوار ہو کہ اس نسلِ محکم کو موت کی دستبرد نے تترزل کر دیا جس نے ریاست کی بادِ مخالف کے تیز و تند مجھو کون سے کبھی جنبش بھی نہیں کھائی تھی۔

امیر علی محمد علی تاج علی گڑھ کا تیا کر دہ بانو میرا لٹ استعمال تھے قیمت فی شیشی دو روپیہ ایک روپیہ



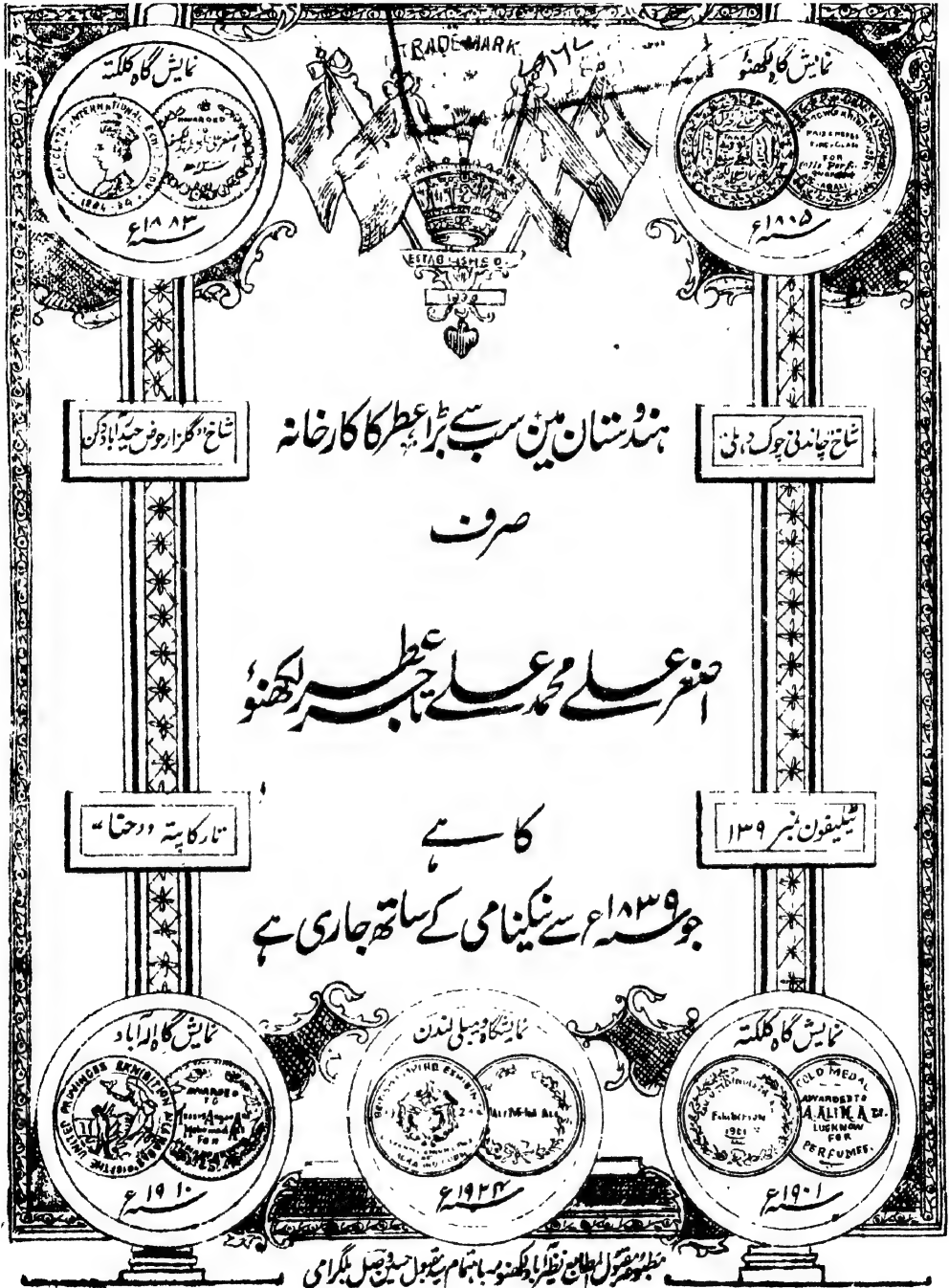
مکھ بلاس - پان میں کھانے کا خوشبودار مصالحہ ہے۔
 مکھ بلاس - تھوڑا پان میں ڈال دینے سے گلوری کو نہایت خوشبودار خوش ذائقہ اور لذیذ بنا دیتا ہے۔
 مکھ بلاس - کی خوشبو سے دہن معطر ہوتا اور دل و دماغ کو ذہنت پہنچتی ہے۔
 مکھ بلاس - کوکین اور متبا کو کا نعم البدل ہے۔
 مکھ بلاس میں طبی مفید اجزاء شامل ہیں جو متبا کو اور چوہہ کے مضر اثرات سے دانتوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔
 مکھ بلاس میں کوئی شے کسی مذہب کے خلاف نہیں ہے اس لیے ہر مذہب کے لوگ اسکو استعمال کرتے ہیں۔
 مکھ بلاس - کھانسی اور نزلہ اور دیگر منہ کے جملہ امراض کو بھی مفید ہے۔


مکھ بلاس کی قیمت ہ ۳ ۴ فی ڈبیہ کلان فی ڈبیہ خورد ڈبیہ کلان فی ڈبن ڈبیان خورد فی ڈبن

نوٹ


- (۱) دو ڈبیہ میں سے کم کا وی پی نہ روانہ ہوگا (۲) جملہ اخراجات و معمول پائسل ذمہ خریدار۔
- (۳) خرچ روانگی کے لیے دو آنہ کا ٹکٹ بھیجنے سے نمونہ مفت روانہ ہوگا۔
- (۴) مکھ بلاس شاخ کارخانہ این آبادت بھی دستیاب ہو سکتا ہے۔


المشاہر مفت خان اوتہ لہان تاجرتبا کو و عطر و کونایہ سرب و لہان





نمایش گاہ کلکتہ
۱۸۸۴ء





نمایش گاہ کلکتہ
۱۸۹۵ء

شاخ و مکرار خوش بوی بادکن

ہندستان میں سب سے بڑا عطر کا کارخانہ

صرف

صنعتی محمد علی چٹوپڑیہ لکھنؤ


شاخ چاندنی جو کہ دہلی

تار کا پتہ درختہ


کا ہے

جو ۱۸۳۹ء سے نیکینامی کے ساتھ جاری ہے


طیفون نمبر ۱۳۹



نمایش گاہ لاہور
۱۹۱۰ء



نمایش گاہ بمبئی لندن
۱۹۲۲ء



نمایش گاہ کلکتہ
۱۹۰۱ء

منظور و ملطانی نظیر لکھنؤ بہ تمام شہر و قریب و دور بکری

تا تو بیدار شوی ناله کشیدم، ورنه
عشق کارے است کہ بے آہ و فغان نیند کنند
(عطیہ علامہ سر اقبال)

موقع

U A 105

دَارُ الْأَدَبِ لِكَيْتُوكَا مَقْبُولِ جِهَانِ غَزِيزِ حَرِيدِ

۱۳۵۱

مرتبہ
سید مقبول حسین صہیل بلگرامی

”مرقع“ کے قواعد و ضوابط

(۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہونگے، مگر وہ جتنی بھی خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بیخ کی بنیاد رکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
(۱۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اس میں ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو بیخ کا شائبہ بھی پیدا ہو اگر شائع نہ ہونگے۔
(۱۳) جس نظم و نشر کے مضمون میں زبان لغت یا فن کی غلطیاں ہوں گی اسوقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسبت سے اطلاع اپنے پر خود صاحب مضمون نہ کر دیں۔
(۱۴) مرقع کا مسلک صالح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل زرا یا متعصب نہ ثابت ہوگا۔
(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جہاد ہوں یا اہل خبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اس میں ثابت قدم رہیگا۔
”میر مرقع لکھنو“

(۱) مرقع ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ شائع ہوگا۔
(۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔
(۳) مرقع کا نمونہ بغیر ہر نقد وصول ہو سجدہ و انہیں ہوسکتا۔
(۴) مرقع کی قیمت رؤساء و دیگر معزز اصحاب و اسکے بڑیوں انکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔
(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا انالازی ہو۔
(۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا نیکو نگہ ضروری ہو۔
(۷) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجنا چاہئے۔
(۸) کوئی مضمون ایسا شائع نہ ہوگا جو مغرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔
(۹) تعلیم یافتہ عواتین کے صرف وہ مضامین نظم و شریح ہو جو خوبیوں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ نہایت خوشگوار ہونگے۔
(۱۰) مرقع کو موجودہ ایٹیکسٹ میں ہی مباحثے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

مرقع میں اشتہارات بھیجتے وقت ذیل کا رخصنامہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۳۰	۶۰	۱۲۰	ماہانہ بیچ کے صفحہ ۳۰ و ۴۰ کی اہمیت کا رخ اسکے علاوہ ہے
چھ ماہ کے لئے	۱۵	۳۰	۶۰	جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اہمیت کا پیشگی آنا ضروری ہے
تین ماہ کے لئے	۱۰	۲۰	۴۰	مینجر مرقع لکھنو
ایک ماہ کے لئے	۵	۱۰	۲۰	

ڈاکٹر سر محمد حسین - ایچ - ایل - ایم - ایس - مشہور ہوئیہ ذمان و عینک ساز نمبر ۲ و ۴ - امین الدولہ پارک - لکھنؤ

ہر حیرتم کہ بہ بندم دل از کہ بردارم

جہان برق تصویر خیر و دست تمام

قیمت سالانہ محصولہ اک فہرست مضامین نمونہ کا پرچہ

پانچویں سال جولائی ۱۹۲۶ء آٹھ آنے (۱۸)

- | | |
|--|---|
| <p>(۱) اکبر الہ آبادی اور شاہ عظیم آبادی
مولوی افضل احمد صاحب - سعادون</p> <p>۲۹ رسالہ "اکبر" الدہاد</p> <p>(۱۰) محبت کے دو رخ (افسانہ) جناب شیخ کھنوی</p> <p>۳۶ (۱۱) کلام اثر (غزل) جناب حفیظ علی صاحب</p> <p>۴۰ اثر کھنوی دہلی</p> <p>(۱۲) جناب حکیم سید محمدی حسن صاحب کھنوی کے
دست قلم کی لکھی ہوئی نظم (بدھ متق) منوہاں</p> <p>(۱۳) جناب سید انور حسین صاحب زور کھنوی - جانشین</p> <p>جناب لکھنوی رحمہ اللہ کا مجموعہ نثر تازہ غزل - منوہاں</p> <p>۱۴ بے پردگی (نہاد) مولوی عبدالصاحب</p> <p>۴۱ عجمہ کرپچی</p> <p>(۱۵) رابعیات جناب بیضی ام لہا علیگ</p> <p>(۱۶) مایع السلف پر تازی را (نقد و تبصرو) ادبیر</p> <p>(۱۷) کلام تازہ (غزل) جناب شاکر گانپوری</p> <p>(۱۸) (۱۷) جناب مونی شاہ جامپوری</p> | <p>(۱) عرض حال ادبیر</p> <p>(۲) کلام الملوک ملک الکلام - مینی</p> <p>غزل در نعت شریف بجزاد علی حضرت سلطان دکن</p> <p>۳ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ</p> <p>(۳) اشیم شہزادان او آہ - جناب تاج علی صاحب آہ</p> <p>(۴) "مشاعرہ امین لادب لکھنوی" کی طرح پر</p> <p>۵ لسان الملک حضرت یاقین کی تازہ نثر</p> <p>(۵) زندگی کا مینی بہشت شرقی و مغربی فلسفہ کا تصادم</p> <p>جناب سید عزیز احمد خاں صاحب بی لہا علیگ</p> <p>(۶) فلسفہ مذہب (بلسلہ گزارش)</p> <p>جناب صاحب مینی محمد علی خاں صاحب</p> <p>۱۲ رئیس الدہاد</p> <p>(۷) لسان العصر اور شاہ عظیم آبادی</p> <p>۲۰ جناب تازہ بلگرامی</p> <p>(۸) "مرق" مینی ادبیر مرق کا نوٹ -</p> <p>۲۹ متعلق منوہاں العصر اور شاہ عظیم آبادی</p> |
|--|---|

کا تمامہ منوہاں علی محمد علی تاج علیگ لکھنوی کے لئے مار کا پتہ صرف "خا" لکھنوی کافی ہے



بکس و تو بزرگ و ح انسان آ ۶۱۹۲۶ رجن عشق مرقع جان ست

(نظم کنوی)

کلام الملوک، ملک الکلام

نعت شریف

طبرزد علیضرت نیکو البیت بنیسن صیفا و طبر المملکت نظام الملک نظام الدوله

نواب سرسید محمد علی خان بہادر فتح جنگ

جی، سی، ایس، آئی

ساجد اولیت صیفہ کن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و اقبالہ

درمیت تو بیا مسکن ایمان اینجاست	رحمت ہر دو جهان مظہر حسان اینجاست
دین دل بخشا نور ازل را بست	کز فروغ نبوی جلوه نیران اینجاست
مسند آراستہ دینی صدر نشین طہ	مہبط روح امین۔ حامل قرآن اینجاست
گوید این گشت بد خضر۔ کہ بہ طور سینا	ایچہ تو می طلسی ہو سیمران اینجاست
تیرگی گزشتہ کا فوجہ جائے عجیب است	کہ ضیاء بخش جہان ہر دو نشان اینجاست
تو کہلے ختم رسل۔ نہ رنوبت داری	پہنچ صد خاتم انگشت ایمان اینجاست
بدہ لے بادِ صبا تشنہ لبان لا مژدہ	جام توحید بکفت۔ ساقی دوران اینجاست
رفعت و وسوسہ پروردہ پرسی از من	برافق نگہراش نیز خورشان اینجاست

پہنچو جہیز لایین خادم و جبار و بکشے
 بر در پاک تو عثمان علی خان اینجاست

اشیم صاحب شادوان اور آہ

از جناب شیخ ممتاز علی صاحب آہ - ارشد تلامذہ حضرت امیر سیدانی مرحوم

کامدار خوشنویسی پر جو گیا میری تحقیق میں کسے اور سوائے آئے جان کا
تافیر ہو سکتے ہیں اور سید طرح کے اور الفاظ بھی گوہارے لئے ناسخ مرحوم سے
زیادہ اور کون متنبہ ہو سکتا ہے اگر اشیم صاحب کے مہمان کیلئے اور اساتذہ کے
ظاہر سے چند خالین لکھتا ہوں اوق مرحوم

جو اس گلشن میں بلکے طے ہے فردوس میں کپڑے تنے طے ہے
نارلس شور سے کون سیرا ہائی دیتا اے تھک گرنے اور بچانے دیتا
پنچہ سر کو بھی خوشی میں ہر صبح غوطے کیا کیا ہے ترا در سحر خانی دیتا
مومن مرحوم

کیا دکھ نہ دیکھ عشق میں کیا تپاں داغ زخون پر خم چیل میں آغوش پر کھائے داغ
ہنا ہوا کسکا جا رہا گلزار غیر نے کون تنگ ہوئی ہے تن پر بے داغ
رہ تو بزل میں غیر کے سینے سے لگے پہلوئے زخم ہو سینہ پر داغ
تقی دس میں بھی لکھو صلی تمام وہ کے تو بھی نہ نہ لکھی تمام شب
نگین ہون سر سے اچھو کھل ہے جس ہاتھ میں وہ دست صلی تمام شب

دارغ مرحوم

کمان ہون نے یہ نہ پوچھنے کھائی چوٹ ابھو اٹھ کے جو کرتی عفو دانی چوٹ
نیکوین چوٹ صبر مل کی چوٹ چوٹ لکھ کے بیک ترا چوٹ مست کی چوٹ
کیون کے دل کا حال کین ہاں چوٹ ابھی کی کہ ہم سے کوا ہر سے دل
بہر عیادت آج وہ اگر یہ کہہ گئے ہون نگین ہون چوٹ کون لگا دے دل
دل چوٹ کر نظر چسپائی ہے لٹ گئے لٹ گئے دہائی ہے
پانی پی پی کے تو بہ کرتا ہون بار سائی سی بار سائی ہے
دارغ ہر چند جان گدہی چوٹ ہے آپ کے سیکھ حکم آپ کا شیدائی ہے

"مرقع" لکھو بابت فروری سنہ روان میں چند استفسار
ادبی ہجاء اشیم صاحب شائع ہوئے تھے جنکے جوابات مرقع بابت شائع
سنہ روان میں لکھنے والا دوسرا صاحب شادوان بلگرامی سینیر
پروفیسر آت اور ٹیکل کالج لاہور کی طرف سے شائع ہوئے ہیں سینیر
پروفیسر صاحب نے عملاً نقل جوابات میں اور خصوصاً جواب استفسار
میں اپنی معلومات کی بنا پر بہت طویل کام لیا ہے مگر کچھ بھی استفسار
کا پورا مقصود حال نہیں ہوا ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے میں سینیر پروفیسر
صاحب سے پوچھوں کہ بلگرام لاہور سے کتنی دور ہے اور آپ جو این
فرامین کر میں بلگرام سے ایوان اور وہاں سے عرب گیا بھی آیا
اولا ہور ہو چکا۔ اب حساب لگاؤ بلگرام سے لاہور دو سو میل ہو گا۔
استفسار بڑا ہے تھا کہ لکھنؤ میں ہر فرد اسے ہم قدر لکھنؤ
فدائے کی طرح اور قوفائی آئے جانے کھائے۔ وغیرہ
کے ساتھ برائے (واسطے) سوائے (بجز) کو ہم تافیر کیا
جاسکتا ہے یا نہیں اور کتابت میں یہ پابندی تلفظ تافیر یا ہے
محمول لکھی جانے یا جملہ اضافی بحالت عدم جو ان مضمحل توفیر کی
ضرورت ہو اور جملہ جواز اساتذہ کے کلام سے خالین رکا ہین (بجز حشر ناخ)
مجھے چوٹ کے مرقع اس حصے سے بہت ہے "قاعدہ کی رو سے فدا لے اور
ایک بارے وغیرہ ساتھ آئے جانے کے قافیہ درست نہونکے مگر ان
کتابت ان قوفائی کا اجتماع صحیح ہو گا اور یہ قوفائی مسموئی لکھا ہین گے
قافیہ میں کتابت کو دخل ہے یہ صبح نہیں معلوم ہوتا جواب استفسار غریب
خود سینیر پروفیسر صاحب لکھا ہے کہ "قافیہ کا مدار تلفظ پر ہے" اقلیہ

مگر آپ کو عطر خاں دار کا رہے تو صرف صبر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

مشاعرہ انجمن میں لاؤ لکھنؤ کی طرح پڑ لسان الملک حضرت جن نظامتہ کی تازہ فکر

۲۶ جولائی ۱۹۲۶ء کو مشاعرہ انجمن میں لاؤ لکھنؤ میں ہری طوط کے منتقد ہوا۔ وہ انجمن کے ۲۲ سالہ کا آخری مشاعرہ تھا جس کا آغاز من ایسے لشکارا لاجی تھے اور کاموں کی اس قدر کثرت - کہ اگر سب بند اور کسی مقامی ممبر کا بزم ہوتا تو من یہ شاعر اگلے سب کو دھڑکا اور اس کے بعد انجمن سے مشاعرہ کرتا۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ مشاعرہ بھی کو کرنا تو لگا تو اس کے کامیاب بنانے میں چونکہ میں کسی کو مشورے کی - یعنی وقت پر ایک کو، مشورے کا سامنا ہوا، یعنی اس سے پہلے انجمن کے مشاعرے جناب سید تقی قول حسین صاحب طریقت کے دو شکریے پڑا کرتے تھے۔ لیکن لکھنؤ کی فضا کے خراب ہونے کے باعث باغیچہ میں مولوی رنج کے خدائی خدا کی خزانے کے سببے جہاں جناب طریقت کا مکان واقع ہے اجازت تھا، مشاعرہ نہیں مل اور بہت دشواری سے محراب خاص میں اجازت ملی اور وہیں مشاعرہ منعقد ہوا۔

شعر داؤن کو تو قریب قریب اس مقام کی اطلاع ہو گئی تھی مگر باہر والوں کو اسکی اطلاع نہ ہوئی کہی صاحب تو اس طرح سے آئے کہ رات بھر کی اجازت ہی نہ ملی۔ لیکن جناب لکھنؤی - جنابے وان جناب فرخ ناری آنا سے شریف لائے اور شرکت ساعہ قرانی - جناب فرخ کو بیشک مکان کی تلاش میں بڑی دقت ہوئی لیکن وہ کسی دیکھی طرح پہنچ گئے اور مجھے متون کرم بنایا۔ ان صاحب کی تکلیف فرمائی کہ میں خصوصیت شکر گزار ہوں۔ صاحب لکھنؤی سے قریب قریب تمام مشہور شعرا نے اپنے خاص اطمینان کرم سے شرکت فرما کر مشاعرہ کو زینت دی اور اپنے علم سے انجمن کو محفوظ اور دیکھ رہے تھے بنایا۔ جناب دلانا شہید انصاری - جنابے قسینا بی بی جناب شہیدہ بی بی صاحبہ زکریا اور دیگر خوش فہم جہانگیر سے شرکت نہ کر سکے۔ باہر والوں میں جناب شاکر - جناب عزیز کا پوری اور جناب سید بھی شریف دلائے جس کا مجھے انھوں نے صریح طرح کے لئے زمین بھی جناب جعفر کو ڈی کی مشہور غزل سے منتخب کی گئی تھی۔

”جو نقش ہے ہستی کا رہو کا نظر آتا ہے پرست ہے ہوشی تمنا آتا ہے“

مشاعرے میں خوب خوب غزلیں پڑھی گئیں اور غزلے ادلی۔

مخدومی و محرمی سان الملک حضرت رماض نظامتہ کے ماننے سے مشاعرے میں شرکت ترک فرما دی ہے۔ میرے اصرار سے ہمارے ہمارے مشاعرہ کرم فرما لکھنؤ کے اس طرح میں غزل عطا فرمائی جس کو ہم شکر یہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ساری طرح میں جناب اردو لکھنؤی ہمارے حضرت جلال مرحوم لکھنؤی نے بھی غزل عطا فرمائی ہے جو اس میں ان کے اصل خط کے ساتھ صفو خاص درج ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے مخدوم نام نہ نہ ہو اور انھیں باقی باقی باقی باقی لکھنؤی نظامتہ بھی غزل رقام فرمائی ہوگی جس کا مجھے انتظار ہے غزل گئے رانسا دار شہیدہ زکریا بی بی۔

آخر میں ہم نے کرم خلیفہ جناب ہمارے سر شری انجمن کے جدول سے شکر گزار ہیں جنوں نے مجھے شرم کی مڈی اور مشاعرے کے کامیاب بنانے میں میرے معاون بنے اور اس کے اہتمام میں ہوا کہ بیانی ہوئی انجمن کی وجہ سے ہوئی ہے ہمارا ارادہ ہے کہ مشاعرے کے غرضت ناموں میں فرق کی نظر سے لے کر درج کریں۔ جن صاحب نے اپنی مزین عنایت میں فرمائی ہیں وہ جلد بھیج دیں۔ مخدومی جناب سیدہ زکریا بی بی اور شرکت مشاعرے میں موجود ہوں۔ میرے ہمارے غزل قرانی اور غزلیہ دہ غزل مجھے بھی تین ملی ہیں جو وقت مل گئی انشاء اللہ درج کیا جائیگی۔

وسل بلکائی

جب گیت خضر کا سا نظر آتا ہے جتن میں نے کی طوے نظر آتا ہے
اللہ بشارتیں اللہ بشارتیں مجھے تجھ سے دیکھتے ہیں مینا اندھا نظر آتا ہے
اللہ کی مدد ہے جس کو شمرنے ہے ہر تہ میں کا کعبا نظر آتا ہے
تبی تو ہو ظاہر میں تجھے دھڑکی تجھ سے دیکھتے ہیں درکار نظر آتا ہے
شرکت مہاش کی اعمال کی شاکست عالم کی نگہوں میں تیرا نظر آتا ہے
فصیحہ جین میں کچھ خاک دراز کے اونچا مرتی سے تیرا نظر آتا ہے
ہر قلب میں سینے میں تیرے صدے ترے کو لاکھ نظر آتا ہے
یہ تجھے گئے شرم میں شک میں مجھے ہر تہ میں ایک تیرا نظر آتا ہے
تھوڑی سی بصارت تھوڑی سی بصیرت ہے ہر شے میں یا صاف اس کا جلو نظر آتا ہے

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کو پیش نظر آتا ہے

کیا پردہ ہے پر فے سے، جلو نظر آتا ہے
 خم عرش سے بھی ہم کو، اونچا نظر آتا ہے
 نازک سی کلی سو کھا کانٹا نظر آتا ہے
 کوچہ ہو تر اظالم یا دل ہو مرا اظالم
 مین ضبط جو کرتا ہوں، ہنس مینس کے کہتے ہیں
 مرگان نے مے حق مین بیٹے بیٹے کا نٹ
 صیاد کے گھر چھکو، بجلی کے شرر اچھے
 گیسو ہی نہیں برم ہے نین بھی آنکھو نین
 اٹھتی نظر آئی ہے ساون کی گھٹا شاید
 صدقے گھٹنگین کے نازک کین گھون مین
 توڑا ہے تم کس نے تصویر خیالی پر
 محل سے گیا تو راب، وہ دور گیا دور اب
 سب کچھ نظر آجائے روشن ہو اگر دل بھی
 کیا چیز ہے ذات بھی کیا شوہن صفات اُسکے

جلوہ ہی ترا سب کو پردہ نظر آتا ہے
 دو گھونٹ اُترتے ہی کیا کیا نظر آتا ہے
 مجنوں مے صحرا مین ایسے نظر آتا ہے
 اک حشر ہلان ہر دم، برپا نظر آتا ہے
 بند آنکھ کے کونے مین دریا نظر آتا ہے
 تاجہ نظر مجھ کو، صحرا نظر آتا ہے
 اس باغ کا ہر غنچہ کانٹا نظر آتا ہے
 کچھ آج تو چہرا بھی اُترا نظر آتا ہے
 جھکتا سو پیمانہ مینا نظر آتا ہے
 ٹوٹا سامے دل کا شیشا نظر آتا ہے
 نازک سا تر اچسرہ اُترا نظر آتا ہے
 جارم سر خم ساتی تارا نظر آتا ہے
 اس آنکھ کے پردے مین کیا کیا نظر آتا ہے
 کثرت مین بھی گھر کروہ تنہا نظر آتا ہے

ترت مین ریاض اکراچے ہے گھر ہے بھی

دن رات حینون کا میلا نظر آتا ہے

علامہ عطر خان کے جرقم کے صنم عطر بات صغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

میں مذہب اور نواز کو رکھ دیتا ہوں کہ ذریعہ صبح اور صبح تو کچھ باہر ہو
 ہر چیز کے اندر اپنا کام کر لیتی ہے ارتباط قائم کیا جاسکتا ہے۔
 لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا جس طرح کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں
 خاموشی کے ساتھ اضطراب کی کیفیتوں، ایجادوں اور اُس کا دوبارہ سے
 جو مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اپنے کو علم کے کرون تو اس خیال
 و احساس سے قوت کی تجدید ہوگی کہ اس نادریدہ طاقت عظم کا ایک
 جزو ہوں جسے آپ چاہے خدا کہیں یا ادراک، میں محسوس کرتا ہوں
 کہ حالت الناس اس سے زیادہ کارآمد تر تسلی بخش کوئی چیز نہیں ہے
 ”سوائے اس کے“ عنایت خان کے کما ”کہ اگر کوئی خود فراموش
 وحدانیت سے پرستش کا کامل احساس کرے اس تجربہ میں یقینی
 طور پر سکون خاطر اور گہری مسرت موجود ہے اور انسانی روح
 اس درجہ پر آکر حقیقی طور پر تخلیق کی قوت حاصل کر لیتی ہے۔
 ”یہ شل ایک مصور کے ہے جو تصویر کے نقش اُتارے جو کبھی
 انجام میں اس طرح نہیں ہوا جیسا کہ اس ابتدائی اسکا خاکہ اپنی
 ذہن میں کھینچا تھا تخلیق القاسم اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے کو اس
 کام میں لگ کر دیتا ہے اپنی مصروفیت میں کامل طور پر جذب ہونے کے بعد
 اپنی ہمتی سے انتہائی طور پر فراموش ہونے کے بعد باقی دنیا سے اپنے کو
 بند کرنے کے بعد اس کا ختم کیا ہوا کام، آخر کار، اس خودی کا حقیقی طرز
 تخلیق اظہار ہے جسے وہ بالکل فراموش کر چکا ہے۔

اور عین یہی حالت مطرب کی ہے۔ اگر وہ اپنی موسیقی میں گم
 ہو جائے تو فوراً ہی وہ موسیقی ہم آہنگی کے حسن سے آراستہ ہونے لگتی
 ہے جس کا اس نے اس سے پہلے تصور نہیں کیا تھا۔ تو پھر یہ ہم آہنگی
 کہاں سے حاصل ہوتی ہے جس کا اس سے قبل علم نہ تھا؟ بہتر
 موسیقی کا نقش کاغذ کی سطح پر کبھی نہیں اُتر سکا اور نہ اُتر سکتا ہے اس
 کہ وہ اس روح کی ایک فوری تخلیق ہے جو ہم آہنگی کے حسن والے

پاس ہوتا وقت ہونا چاہیے کہ ہم خود کریں زیادہ گہرے امور پر نسبت
 ”پر نسبت موثر دن کے“ مسر فورڈ نے دل سے ہنستے ہوئے کہا۔
 لیکن وہ طاقت جو موثر دن کے چٹنے کا باعث ہے آخر نادریدہ ہی ہے
 اور یہی حالت ہر چیز کے ساتھ ہے۔ میرے خیال میں انسانی زندگیوں
 کی اصلی قوت روح میں مضمر ہے بلکہ اس سے بھی آگے۔ ہمارے اطراف
 حقیقی وجود ہیں۔ طاقت کا وجود، ادراک کا وجود، یا آپ انہیں جاننا
 تو برقی لہر بھی کہہ سکتے ہیں جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرنے پر
 آمادہ ہوتا ہے تو یہی قوتیں اس کی مدد کرنے کیلئے اس سے وابستہ ہوجاتی ہیں۔

میری نظریں غھر ترین ناقابل تقسیم حقیقت جو وجود رکھتی
 ہے ادراک ہے اور اس امر کی منتظر ہے کہ انسانی روح اس کو حاصل
 کر کے اپنے کام میں لائے۔ ہم کہتے ہوئے ہاتھوں اور پریشان ہونے
 سے محبت کرنے میں بہت زیادتی کرتے ہیں ہم نتائج کے لئے مضطر
 ہوتے ہیں۔ جس چیز کی بہن ضرورت ہے اور جسے ہم حاصل کر سکتے
 ہیں وہ اس نادریدہ قوت سے ہمارے روح کا راستہ ہوتا ہے جو ہمارے اعمال کی نظر
 ”بس ہی“ مرشد عنایت خان نے کہا دیر سے فلسفہ روح
 کی کڑی کی تکمیل کرتا ہے۔ میرے خیال میں صرف ایک واحد ذات
 ہے جو سب پر چھائی ہوئی ہے اور جس کے باعث اس کائنات کے
 ہر ذرہ میں ادراک ظہور پذیر نظر آتا ہے اور اس روحانی حقیقت
 تک رسائی حاصل کرنے اور اس سے وابستہ ہونے کا طریقہ موجود ہے۔
 ”اور آپ کا طریقہ توبہ ریلوے مستغرق ہے نہ، مسر فورڈ نے
 دریافت کیا ”مستغرق“ ہاں۔ وہ اوقات جبکہ دنیا کی ہر اشیاء
 سے آنکھیں بند کر جاتی ہیں اور نہایت قوت قلب سے بالکل اراپنی
 اور کائنات کی روح کی وحدانیت پر غور کیا جاتا ہے ”غایت شین نے جواب دیا۔
 ”چیرے نیک“ مسر فورڈ نے کہا ”توئی مذہب کا جوہر ہے مگر کئی سال تک سب کے
 سکہ کوئلے میں کوشاں، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہی نوع انسان کیلئے اہل

علاوہ عطر خٹاکے جملہ قسم کے صندلی عطریات صخر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

کے انہماک تصور میں اپنے کو کھو چکا ہے۔

یہ ایک بہترین تشبیہ بیان ہے جو میں روح اور حسنِ صداقت کے سرچشمہ اعلیٰ کے درمیان حقیقی ارتباط کے متعلق پیش کر سکتا ہوں جو کچھ حقیقی مطرب پرطاری ہوتا ہے اسکا تجربہ زیادہ وسیع معنوں میں ہر انسانی روح کو زندگی، طاقت، حسن، صداقت، سکون و آسودگی کے ابدی سرچشمہ سے وابستہ ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ وابستگی صرف خود فراموشی سے ممکن ہو سکتی ہے میں علم النفس کی کسی ایسی اصطلاح سے واقف نہیں ہوں جس کے ذریعہ یہ کیفیت بیان یا شرح کی جائے۔ لیکن آپ کا مطرب، صنعا، شاعر اس کیفیت کے کم از کم سرحدی فطرت سے ضرور واقف ہے اس کے بعد کچھ دیر خاموشی طاری رہی

”مشرّد خان“ مسٹر فورڈ نے کہا میرے خیال میں آپ ایک ایسے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں جسے ہر ملت کے پیرو سمجھ سکتے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ اصول کوئی شکل اختیار کریں لیکن یہی چیز جسکی اہل امریکہ کو ضرورت ہے۔

”میں ذاتی طور پر روح اور مادہ میں کوئی فرق نہیں پاتا۔ یہ دونوں ایک ہیں میں بہت کم ”روح“ کہتا ہوں اس لئے کہ اس سے اس چیز کے اظہار کے خلاف تعصب مترشح ہوتا ہے جسے ہم مادہ کہتے ہیں۔“

”میں ضرور نہیں کہ ہمارا مادی دنیا کے استعمال اور اس میں کمال حاصل کرنے میں ترقی کرتا ہمارے علو روحانی میں ذل نواز ہو۔“
”کیا آپ یہ خیال ہے کہ انسانی ارواح ناقابلِ تخریب ہیں۔“
”ہر چیز ناقابلِ تخریب ہے، کوئی چیز کبھی برباد نہیں ہو سکتی“ مسٹر فورڈ نے جواب دیا ”میں عالم وجود میں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں لیکن وہ پھر اس طرح واپس آتی ہیں کہ گزشتہ تجربات کی بناء پر زیادہ عظیم نشان

کارنامے انجام دین اور اس حقیقت کے ادراک میں مزید قدم و دانش سے کام لین کہ ایک ابدی زندگی کے سرمایہ سے ان کے لئے کیا مراد ہے؟“
”میرے رجحان کی زندگی کا ختم ہونے والا ایک حلقہ ہے، عنایت خان نے کہا ”ہمارا مشرقی خیال ہے کہ وہ جملہ اشیاء کا ابدی سرچشمہ ہے جو ہر چیز کی ہستی میں اپنی جھلک دکھاتا ہے اور ہر روح میں نور کی شکل میں جلوہ ریز ہے۔ اس سرچشمہ غفلتی کے قریب ملائک کی قلمرو۔ اس کے بعد ذہانت کا اقتدار ہے جو اس زندگی میں بعض حواس کے ابدی پیرو تو لگن ہے۔ بعد ازاں اس سرچشمہ کے کم درجہ کے ظہور کے اشکال ہیں مثلاً آفتاب کی کرنیں، بوکانات کے بعد ترین نشہ تک پہنچتی ہیں اور جو ترقی ہیں لیکن پانچ ہندو اعلیٰ میں۔ اس ادراک کے طور میں ہر انفرادی رنج جو کچھ حصہ لے سکتی ہے وہ اس ارتباط کے پیانہ پر منحصر ہے جسے وہ وجود کے سرچشمہ سے قائم کر سکتی ہے۔“
”میں ہم یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے“ مسٹر فورڈ نے کہا ”اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ روح کے کارنامے بیان“ اور کہیں، ”پھر بیان لاتنا ہی میں میرے یقین ہے کہ اگر کوئی استغراق میں زیادہ وقت صرف کرے تو اس سے کوئی زیادہ کار آمد نتیجہ نہیں نکل سکتا“
”لیکن اگر کوئی تھوڑا سا وقفہ کرے عنایت خان نے جواب دیا“
”تو یقیناً“ اس سے کہیں زیادہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر بہتر طریقہ پر کیا جائے تو سرت اور سکون اس کے جلو میں ہوں گے میں اپنی تبلیغ میں عالم امکان کی ہستی کو پیش نہیں کرتا اور نہ میں نیچے کارناموں کو بڑی نظر سے دیکھتا ہوں۔ میں صرف اس امر کی تبلیغ کرتا ہوں کہ ان مصر فیتوں کے ساتھ ساتھ جو ہیں دنیا میں گھبرے ہوئے ہیں میں عالم روحانی میں بھی ترقی کرنی چاہئے“
”یہ صحیح ہے،“ مسٹر فورڈ نے جواب دیا ”زندگی کا اصلی مذہب یہی ہے اور ہم سب کو اسکی ضرورت ہے“ (عزیز احمد خان جیٹا آبادی)

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر حطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتا صرف حنا کارخانہ کافی ہے

فلسفہ مذہب

(بلسلہ گزشتہ)

اوسکی بھی پرستش شروع کی مگر جرمنی کے علماء کی یہ رائے ہے کہ سب سے پہلے موجودات عالم کی بڑی چیزوں کی پرستش انسان نے شروع کی اس کے بعد جب وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوا کہ چوٹی چوٹی چیزوں میں بھی قوت و اقتدار ہے تو اس نے بھی پرستش شروع کی۔

(ایڈورڈ خان ہارٹمن کی یہ رائے ہے کہ سب سے پہلے انسان نے اجرام فلکی کو اپنا معبود سمجھا اور اس کی پرستش شروع کی مسٹر کسمولر کی تحقیق ہے کہ فارسی اشیاء نے جو اثر انسان کے دل پر پیدا کیا اس کے ذریعہ سے رفتہ رفتہ انسان کو اس لامحدود ذات کی قدرت کا یہ پتہ ملنے لگا جس کے وجود کی طرف انکا دل ہمیشہ اشارہ کیا کرتا تھا اور اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ جس احساس نے انسان کو زمین و آسمان کی بڑی بڑی چیزوں اور قوتوں کو موجود سمجھنے کی تحریک کی وہ احساس جمادات میں تھا بلکہ ایک صاحب عقل و دانش کی دماغی تحریک تھی۔ اب گوکہ اکثر علماء نے تمام مذاہم عالم کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے مگر حقیقت میں یہ تقسیم صحیح نہیں ہے کیونکہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ان کا مقصد بھی ایک ہی نظر آتا ہے محض ظاہری مراسم کی وجہ سے جھوٹا اور سچا مذہب یا قدرتی اور الٰہامی مذہب یا قدرتی اور ایجادی مذہب نام رکھ لینا صحیح نہیں ہے۔ اب بین یہاں برائن چند مذاہم عالم کا نہایت مختصر گفتار ہے جو سب سے پہلے انسانی دل و دماغ میں وجود پذیر ہوئے۔) (بابل اور اسویہ مذہب کے عقاید و مراسم) ان دونوں مذہبوں کے ظاہری اصولوں میں کوئی فرق نہیں ہے یہ مذہب چین اور مصر کے مذاہب سے بھی قدیم تر ہے۔

مسٹر ایڈورڈ خان ہارٹمن کی رائے کہ انسان نے سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ جس دنیا میں رہتا ہوں وہ کس قسم کی ہے اور اسکا وجود کس طرح پر ہوا اور خالق اس کا کون ہے اور اسی کے ساتھ زندگی کی ضرورتوں اور اس کے بقا کے فکر و خیال نے رفتہ رفتہ اس کو اس بات کا یقین دلادیا کہ ہر شخص کو اس قوت کا تابع فرمان رہنا ضروری ہے جو سب سے افضل و بالا ہوا اور اس رائے سے وہ متفق نہیں ہیں (کہ مذہب انسان کی ذات میں ودیعت کیا گیا ہے) اس دسکی تاثر پر مبنی کے نصف مشراوٹل مل بندولی نے بھی کی ہے۔ اپنے خالق کی عبادت اور اسکی تعظیم کرنا انسانی فطرت کا ایک ضروری جزو ہے۔ علم عقل کی کمی اور مشاہدات کی وسیع نظری کے فقدان نے درخت۔ پہاڑ۔ دریا۔ سیارے۔ آفتاب۔ مہتاب زمین و آسمان ہر آگ کر انسان نے پہلے اپنا معبود سمجھا مگر جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی انقلابات عالم کے محکوم ہیں تو پھر وہ اس سے بہتر وجود کی تلاش کرنے لگا اور رفتہ رفتہ علم اور ادراک کی امداد نے اس خالق حقیقی کی بارگاہ تک رسائی کی فکر کی جسکی تعظیم کا تقاضہ ہر وقت اس کی فطرت کیا کرتی ہے۔ حقیقت میں آفتاب و ماہتاب وغیرہ کی تعظیم میں انسان نے اس لامحدود قوت کی تلاش شروع کر دی تھی جسکے علم کا براہ راست کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں تھا۔ مسٹر لڈائل کی یہ رائے ہے کہ سب سے پہلے انسان نے درخت پتھر اور لسی ہی موجود عالم کی چوٹی چوٹی چیزوں کی اور اس کے بعد بڑی بڑی چیزوں کی پرستش کی ہے مسٹر میکمولر اور فرانس کے علماء کا بھی یہی خیال ہے اور جب ادراک کا خیال انسان کے دماغ میں نہیں آیا تو اس نے

احسن علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر حنا ہے

پرست بھی تھے (مصریوں کے مذہبی عقائد و مراسم)
 اہل مصر کی تہذیب و شاہانگی اہل چین کی تہذیب و شاہانگی
 سے بھی زیادہ قدیم ہے مغربی اقوام کی علم و تہذیب ابتداً زیادہ تر
 اہل مصری کے مذہب و علوم و فنون سے ہوئی ہے۔ محققین کی
 یہ رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار ہزار سال قبل بھی
 اہل مصر مذہب و شاہتہ و دولت مند تھے۔ یہی حالت بین اس نتیجہ
 پر پہنچنا کہ اہل مصر کا ابتدائی مذہب کیا تھا اور ان کے کیا عقائد
 تھے بہت مشکل ہے کسی محقق کی رائے ہے کہ اہل مصر موجود تھے
 بعض نے یہ لکھا ہے کہ حیوان پرست تھے ہاں اس قدر ضرور یہ
 پتہ چلتا ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف شاخے عالم کی اہل مصر
 پرستش کی ہے۔ کسی زمانہ میں جومات کی اور کسی زمانہ میں اجڑے
 فلکی کی اور کبھی حیوان اور انسان دونوں کی اصنام کے ذریعہ
 کیونکہ وہ تصویروں جو مندروں میں پائی گئی ہیں اور جو بطور معبود
 کے رکھی ہوئی تھیں ان میں علاوہ مختلف جانوروں کے شکلوں
 کے مردوں اور عورتوں کی تصویریں بھی تھیں مگر اسی کے ساتھ
 خاص خاص علامتیں بھی ہوتی تھیں مثلاً دیوی ہاتھوں کی انما
 شکل عورت کی سی بنائی جاتی تھی مگر اس کے سر پر گلے کے سینک
 لگا دی جاتے تھے اسی طرح سبب دیوی کے سر پر بلج بنائی جاتی
 تھی بعض تصویریں ایسی بھی ملی تھیں جس میں نصف حصہ جسم کا
 انسان کے جسم کا بنایا گیا ہے اور بقیہ نصف حصہ حیوان کا چنانچہ
 ہوتس دیوتا کا دھڑمک اور سر باز کا بنا ہوا ہے۔ ہامون دیوتا
 کا دھڑمک اور سر بندھ کا بنایا جاتا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بات
 بھی یا تحقیق کہ ہونچ چکی ہے کہ ان تصویروں کی پرستش مثل معبود
 کے نہیں کی جاتی تھی بلکہ ان حیوانوں کی عظمت ان اوصاف کی وجہ
 سے کی جاتی تھی جو ان میں ہوئے تھے۔ مثلاً کتے کی عظمت و فاداری

مگر باوجود ان سب باتوں کے وہ موجودات عالم کی ہر حرکت کو کسی
 روح کی حرکت مانتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ منزل مقصود پہنچنے
 کے واسطے یہ لوگ بھی سرگردان ہیں۔ اور ان دونوں مذہب والوں کا
 علم ادب جادو و منتروں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں جدید
 منتر ایجاد ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ ایک انبار جادو و منتروں کا اکٹھا ہو گیا
 تمام مگر یہ درد اور ہر قسم کے امراض کا سبب شیطان اور ان تمام
 بدوہوں کو سمجھتے تھے جو تمام کائنات عالم میں ہر جگہ پائے جاتے تھے
 اور اس کا عقیدہ تھا کہ ان منتروں کے ذریعہ سے ہم ان بدوہوں
 کی ضرر رسائی سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور ان کا یہ بھی اعتقاد تھا
 کہ سب سے رو حین نیک اور طاقت ور بھی ہیں جن میں بدوہوں کی
 مزادینے کی قوت بھی ہے اس لیے ان رو حوں سے شیطان اور
 بدوہوں کو سزا دلانے کی استدعا کرتے تھے۔ ان مذہب کی
 ابتدا بہت قدیم زمانہ سے ہوئی ہے اور بطور علمدہ اور دور افتادہ
 ملک میں ہونے کے آزادی اور خود مختاری کے ساتھ ترقی کرتا رہا۔
 جب ۳۷۵۰ قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شامی قوم نے شمال
 کو فتح کیا تو بابل کے مذہبی عقائد میں چند عقاید شامی مذہب کے
 بھی شامل ہو گئے بابل مذہب کے عقائد میں شامی مذہب کے عقائد
 ممزوج ہونے کی وجہ سے بابل مذہب کا اثر مغربی اشیاء اور
 یورپ کے ان مقامات پر جن میں غیر شامی قومیں آباد تھیں پڑا
 بنی اسرائیل تو قبل ہی سے بابل مذہب کے عقائد سے متاثر ہو چکے
 تھے مگر یونان بھی اہل فن کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ سٹرکو کرکی ولے
 ہے کہ اہل مصر نے مندروں کی تعمیر کے متعلق علم نجوم اہل بابل سے
 حاصل کیا ہے۔

اہل بابل علاوہ اروج پرست ہونے کے حیوانات
 پرست بھی تھے وہ اجرام فلکی کو بھی اپنا معبود سمجھتے تھے اور اصنام

سید! ہوا اگر جلدی اس عقیدے میں ترسیم کی اور سمجھ لیا کہ بزرگوں کی ارواح میں طاققت اور امداد سے محروم ہیں۔ ان میں حیوان کی قربانی کا بھی رواج تھا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ قربانی کی دعوت میں ہمارا معبود شریک ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا حصہ قربان گاہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ مگر جب یہ خیال ہوا کہ ہمارا معبود عالم بالا میں رہتا ہے تو اس کا حصہ آگ کے نذر کیے جانے لگا اور اس ذبیحہ سے معبود کی خدمت میں اس کا حصہ بھیجا جانے لگا۔ یہ دعوت کے بعد معبود کے سامنے ناپٹے اور گائے کا بھی دستور تھا۔ یہ عقائد گوکہ مذہب کے اولین زینے تھے مگر ان عقائد سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان شروع ہی سے منزل مقصود پہنچنے کے لیے اپنے علم و عقل و تجربہ کے صدور کے اندر مقبول جہد کر رہا ہے۔

اور ہوشیاری باز کی تیز پروازی اور گائے کے مہربان والدہ کی طرح دودھ دینے کی وجہ سے ان سب عقائد کے علاوہ تمام محققین اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اہل مصر کے یہ بھی عقاید تھے کہ زمین و آسمان آگ و پانی انسان و حیوان کے اندر پرند و غیرہ کی پیدا کرنے والی ایک دوسری قوت یا فاعل ہے اور اس بات کے بھی قائل تھے کہ اس نے انسان کے فائدہ کے واسطے تمام کائنات عالم کو خلق کیا ہے روح کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ روح جسم سے جدا ہو کر فنا نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ وہ زندہ رہتی ہے اور غیر قاتی ہے اور پھر کچھ دن کے بعد وہ کج جسم میں آجاتی ہے۔ ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ دوزخ کی مدعوں کو آفتاب کے دیوتا کے ساتھ سمندر کی انتہائی گہرائی کے نیچے جاتا پڑتا ہے۔

(شامی النسل اقوام کے مذہب کے عقاید و مراسم)

شامی النسل اقوام میں اہل عرب۔ عبرانی۔ کنعانی۔ فینیکی۔ شامی۔ ارمی۔ اہل بابل۔ اور سورہ شامی ہیں محققین کی یہ رائے ہے کہ شامی النسل گروہ ملک عرب سے جل کر چاروں طرف اطراف عالم میں پھیل گئے۔ گو اس نسل کی لوگوں نے ابتدا میں کوئی ایسی سلطنت نہیں قائم کی جو مدتوں تک قائم رہی ہو۔ اور نہ شروع میں علوم و فنون کی طرف توجہ کی مگر مذہب میں اس قوم نے ایسی ایسی تحقیقات اور متنتیں کی ہیں جو پیشہ عالم میں یادگار رہیں گی گو کہ ایسے عقائد جو تمام شامی النسل اقوام کے لیے یکساں ہوں کہیں نہیں پائے جاتے ہیں مگر اس مسئلہ میں تمام متفقین متفق ہیں کہ ابتدائیں یہ قوم ایک یوکی کی پرستش کرتی تھی اور کل عالم کو اور اس سے متوجہ تھی تھی سب سے پہلے ماد و اور تر سے انھوں نے کام لیا اس کے بعد جنوں کی عظمت شروع کی پہلے بزرگوں کی ارواح کی امداد حاصل کرنے کا خیال

کنعانیوں اور فینیکیوں کے مذہبی عقائد و مراسم

جب اسرائیل کی اولاد دریائے اردن کو پار کر کے سرزمین فلسطین میں پہنچی تو وہ ان اس نے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو انھیں کی سی زبان بولتے تھے اور جو ان سے زیادہ شایستہ اور مذہب تھی گو کہ بعد میں اسرائیل کنعانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور ان کو ذلیل قوم سمجھنے لگے مگر حقیقت میں یہ دو دون ایک ہی نسل سے تھے کنعانیوں کے مذہب کے عقائد یہ ہیں کہ ان کا معبود ایک ایسی ہستی کا ہے جو نظر نہیں آسکتی۔ مگر اس ہستی کی پرستش کے لیے ایک عبادت گاہ بنائی جاتی تھی جہاں عبادت کرنے والے نذریا قربانی کے ذریعہ سے شرف سعادت حاصل کرتے تھے عبادت گاہ شہر یا گاؤں کے باہر ہوتی تھی۔ عبادت گاہ ایسی جگہ پر بنائی جاتی تھی۔ جو یا تو قدرتی طور پر بلند ہوتی تھی۔ یا وہ جگہ اونچی کروی جاتی تھی۔ عبادت گاہ میں ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا ان کا یہ اعتقاد تھا کہ

صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حنا ایسا ہے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

مختی اس بس قسم کی عبادت کا طریقہ کسی غیر قوم کو نہیں معلوم ہو سکا مگر اس قدر معلوم ہوا ہے کہ کابیری تعداد میں ساتھین جن کا خلق علم نبوت کے سات طبقات فلکی سے تھا۔

چینی مذہب کے عقائد و مراسم

چینی قوم ہمیشہ دیگر اقوام سے علیحدہ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخیل اور ان کی دنیا سب سے الگ ہے تاہم اس قوم کا دنیا کی تہذیب و تمدن پر بڑا احسان ہے۔ اس قوم نے باہود کی ایجاد کی ہے۔ کاغذ اور مطبع کی ایجاد کا سہرا اسی قوم کے سر پر قدرت نے باندھا ہے۔ چینی دراصل منگولین قوم کی نسل سے ہیں۔ اس ملک میں اس وقت علاوہ اہل اسلام کے تین مذہب مروج ہیں۔ حکیم کینفوش کا مذہب۔ حکیم طاو صاحب کا مذہب اور بدھ مذہب۔ ان تینوں مذاہب میں اسے حکیم کینفوش کا اثر سب سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ یہ مذہب خود منگولین قوم کا ہے اور ان تجربات و خیالات کا مجموعہ ہے جو منگولین قوم کے دل و دماغ سے نکلے تھے۔ عکس اس کے بدھ مذہب غیر ملک سے چین میں لایا گیا ہے اور چونکہ حکیم طاو صاحب کا مذہب فلسفہ تھا۔ اس لیے اس مذہب نے بھی ملاسی کی امداد کے اہل چین کے دل و دماغ میں ایک معقول جگہ حاصل کر لی ہے چینی قوم جو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مغرب آ کر چین میں آباد ہوئی ہے چین کے ابتدائی حکمران نہایت نیک طبیعت پاکباز اور ہنس علم و فن کے حامی تھے۔ لیکن جب چین میں چو خانہ لان نے زور پکڑا تو یہ حالت باقی نہ رہی۔ چو خانہ لان کے کمزور ہونے پر شان ملین نے جگہ لی۔ اس خانہ لان میں (سی ہوانگ فی) ایک بڑا مذہب تھا تو ان رہاگزرا ہے۔ اس نے ملک کے قدیم علم و ادب کو پھر

ہمارا معبود اس پتھر پر اکڑیٹھے گاندڑ کی چترین یا قربانی کا خون اس پتھر پر رکھا یا ڈالا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک موٹی پتید کا ڈھتہ نصب کیا جاتا تھا جب تک بعض بعض عبادت گاہوں میں یا باجنا ہے۔ ایک دیوی اس معبود کی رفیقہ و ہم دم بھی جاتی تھی جس کا لقب عقیبرہ تھا۔ ان کے بیان بھی عبادت کے وقت ناپٹنے اور گانے کا دستور تھا۔ فینکینیوں کے مذہبی عقائد کی بنیاد شاہی نسل اقوام کے مذہب پر قائم ہوئی ہے۔ مگر ان لوگوں کے عقائد دوسرے مذہب کے لوگوں کے میل جول سے کسی قدر علیحدہ ہو گئے تھے۔ فینکی ایک سلطنت اور ایک مذہب کے قائم کرنے کے بڑے شائق تھے اور اس کے لیے انھوں بہت کوششیں بھی کیں جسکی وجہ سے ان میں ایک جمہوری سلطنت اور ایک با اقتدار مامت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ فینکی اگرچہ ایک دیوتا اور عقیبرہ یعنی ایک دیوی کے قائل تھے مگر اصلی عقیدہ ان کا یہ تھا کہ ہمارا معبود ایک ہی ہے۔ یہ لوگ انسان کی قربانی بھی کرتے تھے اور مندر کے پوجاری کو زاری اور بارہ ساعورین اور مجرود متقی مرد ہوتے تھے۔ وہ بعض مواقع پر مذہبی رسومات ادا کرنے کے وقت اپنے پہلو تھی کے بچوں کو آگ پر سے چلا پارتے تھے۔ چین سے اکثر نڈرا تھن ہو جاتے تھے اس کے علاوہ فینکی اجرام فلکی کی بھی عظمت کیا کرتے تھے ۲۰ آفتاب و ماہتاب کو اپنے معبود کا منظر سمجھتے تھے۔ آفتاب کو دیوتا اور پتہا کو دیوی سمجھتے تھے۔ اور کبھی زمین کو دیوی سمجھتے تھے۔ یروشلم کی عورتیں اس کے نام کی روٹیاں پکاتی تھیں اور اسے آسمان کی لکھ سمجھ کر اس کے نام پر خوشبو جلاتیں۔ اور وٹی کے ساتھ پانی کی دھار چڑھاتی تھیں۔ فینکی قوم میں ایک قسم کی اور عبادت کا رواج تھا جسکو کابیری کی عبادت کہتے تھے۔ کابیری کے معبود تو اکثر شہوں میں بنے ہوئے تھے۔ مگر ان کی عبادت خفیہ ہو کر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ کے کاخانہ کا عطر خانہ جسد پرانا ہوگا اس قدر اسکی خوشبو پراہندہ ہوگی

مذہب میں آسمان کے ساتھ زمین کی شادی کا قصہ تسلیم کر لیا گیا ہے مگر مجسم دیوتاؤں کے متعلق کوئی قصہ درج نہیں ہے۔ اس مذہب میں نئی چیزوں کی پرستش کی جاتی ہے (۱) آسمان (۲) مودہ بزرگوں کی روحیں آسمان کے متعلق ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ سب سے بڑا معبود ہے اور دباؤ کے متعلق نہیں بلکہ جو نیلگون رنگ کا آسمان نظر آتا ہے اسکو وہ بہت بڑا طاقتور معبود سمجھتے ہیں۔ جو تمام عالم پر حکمرانی کرتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آسمان کو کہ بات چیت نہیں کرتا ہے مگر اسکی گفتگو اس طرح پر ہوتی ہے کہ جب وہ بارش کا حکم دیتا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اہل عالم پر اسوقت مہربان ہے اور جب خشک سالی ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا والوں سے وہ ناراض ہے۔ ایسی حالت میں بادشاہ وقت کا فرض ہو جاتا ہے کہ اسکو کچھ نذر دے۔

بزرگوں کی روحوں کے متعلق ان کا یہ اعتقاد ہے کہ روح غیر فانی ہے۔ وہ کبھی فنا نہیں ہوتی ہے۔ ہر خاندان میں بزرگوں کی ارواح کا ایک خاص کمرہ مخصوص ہوتا ہے جس میں وہ ہمیشہ اُن کو دعوت دیا کرتے ہیں۔ جب تہوار دن کے مواقع پر عمدہ کھانا تیار کیا جاتا ہے تو وہ کھانا بزرگوں کے کمروں میں بھی رکھا جاتا ہے اور وہاں جا کر اس خاندان کے زندہ لوگ کھانا کھاتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ بزرگوں کی روحیں بھی کھانے میں شریک ہیں۔ اور ان کے متعلق ان کے اعتقاد کی یہ وسعت ہے کہ آفتاب ماہتاب سیارے بادل۔ ہوا۔ پہاڑ۔ دریا وغیرہ کے بھی ذی روح ہونے کے وہ قائل ہیں۔ مگر ان سب روحوں کی وہ یکساں پرستش کرتے ہیں علاوہ علیحدہ پرستش نہیں کرتے۔ مگر باوجود ان سب عقاید اور رسوتا کے ان کے مذہب میں بھی وہی یک رنگی نظر آتی ہے جو اور مذاہب میں ملتی ہے۔ یعنی یہ لوگ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات عالم کے

زندہ کیا۔ اس کے وقت میں ان کتابوں کا مرتب یا جمع کرنے والا حکیم کی فہوش نامی ایک شخص تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کی تصنیف کی فہوش نے کی ہے گو کہ وہ کتابیں الہامی نہیں مانی جاتی ہیں مگر اس کی وقعت مثل الہامی کتابوں کے اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ ان میں ذی فہم اور عقلمند لوگوں کے افعال اور تجربات درج ہیں حکیم کی فہوش کی مستند علم و ادب کی نوکتاب میں جن جن میں سے پانچ کتابوں کا منصف خود کی فہوش ہے اور چار کا اسکا شاگرد فہوش ہے مگر اول الذکر پانچ کتابیں زیادہ مقدس سمجھی جاتی ہیں۔ اور ان کتابوں سے اس مذہب کے عقائد بھی طرح معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۱) امیہ کیگ (تفسیرات) (۲) شریک (تاریخ)

(۳) سی کیگ (نظم) اس کتاب میں تھینا بیس ہزار نظمین ہیں

(۴) لی کی (رسم و رواج) اس کتاب کو شاہنواز دہچوئے نے بارتھو

صدی قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تصنیف کیا تھا اس کتاب میں

قدیم ملکی مذہب کا ذکر ہے۔ اور اس کتاب میں علاوہ مذہبی اذکار

کے تمدن و معاشرت کا بھی تذکرہ ہے جو آج تک اہل چین کے

تمدن و معاشرت کے لیے ہلور ایک دستور اصل کے دیتی ہے۔

(۵) حس لمو (موسم خزان و موسم ہار کا تذکرہ) علاوہ ان

پانچ کتابوں کے ایک کتاب اور بھی حکیم کی فہوش کی تصنیف

کر وہ ہے جس کا نام (سیا و کیگ) مکالمات حضرت فرزند کی

ہے جو حکیم کی فہوش اور اس کے شاگرد سے ہوا تھا۔ بقیہ چار کتابیں

جکا منصف نہیں ہے یہ ہیں۔

(۶) نس لویا (استاد کی گفتگو) (۲) تاسو (علم عظم) (۳)

جنگ پنگ (چھوٹی چھوٹی مثالیں) (۴) سگ سرن (دین

کی تعلیمات) حکیم کی فہوش نے جن کے قدیم مذہبی رسم و رواج

میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس مذہب میں بت پرستی نہیں ہے گو کہ اس

الفر ہر طرح کمزور و خست کیا جاتا ہے مگر اصغر علی محمد علی تاجو علی لکھنؤ صوف گلاب خاں اور پٹری کی روح کے کوئی مصلحت کا بیان نہیں

تمام اجزاء اور موجودات عالم کی تمام ترتیب ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس ترتیب سے واقفیت حاصل کرے اور اس پر غور کرے۔ طاؤ سنتہ قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوا ہے۔ اس کے مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق عالم تمام چیزوں کا سبب اور نتیجہ ہے۔ اور کل شے عالم اس سے پیدا ہوئیں اور وہ سب اس کی مطیع ہیں۔ اور بالآخر وہ سب اسی کی طرف مراجعت کریں گی۔ وہ سب چیزوں کا حشر و نبش ہے اور اسی پر ہو کر تمام چیزوں کو اور تمام ہستیوں کو گزرنی پڑتا ہے اور بالآخر مختلف گروہین کر کے اسی ذات میں وصل اور جذب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہوا اور ہمیشہ رہیگا۔ اخلاقیات کی تعلیم اس نے یہ دی ہے کہ: اسی کا بدلہ نیکی سے دوا اور نقصان کا عیض کھربانی سے۔ جو شخص دوسروں پر غالب آتا ہے وہ بہادر و طاقتور ہے اور جو اپنے نفس پر غالب آتا ہے وہ دیر ہے۔ مگر یہ عقائد چونکہ محض روحانی اور غیر مرنی تھے اسوجہ سے ان کا دائرہ اثر وسیع نہ ہو سکا۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو اس مذہب کے عقائد حقیقت میں آخری زمینہ ہیں مذہب عیسیٰ کے بعد مذہب کا مقصد حصول یزدان ہے جس میں روح کو کامل سکون و آرام حاصل ہوتا ہے۔ اس مذہب نے بے غرضانہ انفرادی اور مجموعی زندگی کی تعلیم دی ہے۔ اور اس طریقہ سے انسانی زندگی کو بہت بلند کر دیا ہے۔

اسرائیلیوں کے مذہبی عقائد و مراسم

قوم بنی اسرائیل ابتدا میں مختلف فرقوں میں تقسیم تھی یہ قوم پہلے ملک مصر میں غلامی کی زندگی بسر کرتی رہی مگر ایک شخص کی وجہ سے جس نے ان کو مذہبی واقعات سن کر ان کا

شجاعت و دلیری کی آگ کو بریگنہ کر دیا تھا۔ غلامی کی زنجیروں سے نجات ملائی۔ اسی شخص کی محبت میں یہ قوم مصر سے روانہ ہو کر خاکسارے سیدنا چلی گئی اور اس ملک کے شمالی حصہ تک پھیل گئی۔ اور بالآخر اس نے اس ملک کو بھی فتح کر لیا۔ جو دیاسے یرون کے مشرق میں واقع تھا جب یہ قوم اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگی تب اس نے مذہب کی طرف جو اسی حالت کا قدرتی خاصہ ہے توجہ کی۔ اگرچہ ہر فرقہ کا طریقہ پرستش جدا جدا تھا مگر بالعموم نہ کہ یہودانہ کو اپنا پرہیزگار سمجھے ہوئے تھے۔ جسکا تعلق لوگ طوفان۔ آندھی۔ پانی اور بادلوں کی گرج سے سمجھتے تھے اور یہودانہ کا مسکن کوہ سینا قرار دیا گیا تھا یہودانہ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ وہ ان لوگوں کے ہر شعبہ حیات میں مدد کرنے کی اہلیت و قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے انھوں نے یہودانہ کے بت بنائے اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ گو بعض یزدان کو خدیاہ بنی نے تہاہ بھی کر دیا مگر پھر بھی بنی اسرائیل چھوٹے چھوٹے بت ہمیشہ بناتے رہے اور جنگ کے وقت ان کو ہمراہ رکھتے رہے کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جنگ میں یہ ہماری مدد کریں گے۔ قوم بنی اسرائیل میں جیسے ایسے ہمارا گروہ ہے میں تمھوں نے اکثر طریقے کے وقت یہودانہ کے نام سے لوگوں کو جمع کیا اور چونکہ ان کے خیال اور دماغ میں یہودانہ کی جنگی عظمت جاگزیں ہو چکی تھی اس لیے ان کے دلوں میں یہودانہ کے نام سے جوش کا پیدا ہوتا قدرتی تھا اور اس جوش کی وجہ سے وہ اکثر جنگ کے معرکوں میں کامیاب بھی ہوتے تھے جسکا نتیجہ ہوا کہ یہودانہ کی عظمت اس قوم کے دل سے کبھی نہ مٹ سکی۔ یہودانہ کے معتمد میں بھی قربانی دی جاتی تھی۔ اور یہودانہ کی نذر کا حصہ آگ کے سپرد کیا جاتا تھا کہ وہ آسمان پر یہودانہ

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خاکو بہترین عطر مانا ہے۔

جس صحیح تعلقات کی ضرورت ہے وہ قائم ہو جائے۔ اور نبی بنایا کہ یہود اہم عالم کا حاکم اخلاق ہے۔ وہی قوم اس سے امداد حاصل کر سکے گی جو راست باز ہو اور جسکا شمار صداقت پر ہو اور وہ دن اب قریب آتا جاتا ہے جب وہ تمام عالم کی قوموں کے ساتھ انصاف کریگا اس لیے تم لوگوں کو کوشش کرنا چاہیے کہ اپنے اعمال درست کرو تاکہ کہیں عمو و سخت ترین سزا کا شوق نہ قرار دے۔ مگر جتنا اثر کہ ہونا چاہیے اتنا کبھی نہ ہوا مگر یہ ضرور ہوا کہ اس طریقہ سے انبیاء نے مسئلہ وحدانیت کی بنیاد ان کے دلوں میں قائم کر دی۔ یہ ضرور ہے کہ پیغمبروں نے ہدایتیں دہیں جو قبولی چاہیے مگر ان کو عملی صورت میں نہ لاسکے اس لیے اس قوم کی اس وقت تک معقول اصلاح نہ ہو سکی جب تک ان کو باطل میں غلامی کی زندگی سے واسطہ نہ پڑا کہ حضرت حزقیہ نے یہودہ کی ہودن کو تباہ کیا اور بقدر عصبہ تھے ان کی اصلاح کی تاکہ بت پرستی کا رواج اس قوم سے جاتا رہے مگر حضرت حزقیہ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین نے تمام احکامات کو پلٹ دیا اور بیان تک پلٹا کہ برہنہ میں انسان کی قربانی چونی لگی۔ اس کے بعد حضرت لوساہ نے تمام مقامی مندروں کو جن میں یہودہ کی عبادت ہوتی تھی بند کر دیا اور اس طرح پر ملک و قوم سے بت پرستی کی بنیاد تک کھود کر پھینک دی یہودی مذہب کے عقائد ان عقائد پر مبنی نہیں ہیں جو ابتدائی زمانہ کے لوگوں میں پائے جاتے تھے کیونکہ حضرت حزقیہ نے اپنے ہم وطنوں سے کہہ دیا تھا کہ ہر شخص کو اپنے افعال کی مزا ملے گی اور اس خطرے سے جو لوگوں کو گھیرے ہوا تھا آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کی اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ گناہ کے جہاں نے یہودیوں کے دلوں میں گہرا نقش پیدا کر دیا۔ ہر یہودی باطن

کے پاس بہو بچاؤ ہے۔ ان عقائد سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اصل معبودت کو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اسکو اپنے معبود کا ایک خیالی مجسمہ سمجھتے تھے۔ زراعت پیشہ لوگ غلہ و ذیل نذر دیا کرتے تھے۔ ایک جنگل میں شومل نے خادہ آگاہ کی قربان تک کر دی تھی جنگل میں جو مال غنیمت ملا کرتا تھا اس میں سے جو عمدہ عمدہ چیزیں ہوتی تھیں وہ یہودہ کے نذر کیجاتی تھیں۔ اس قوم میں ابتدائیں عابدوں کا ایک ایسا فرقہ تھا جو اپنا گانا اور مجنوں کی سی حرکتیں کرتا تھا۔ ان کے متعلق اس قوم کا خیال تھا کہ اس طریقہ سے وہ ان کے معبود کا مقرب بارگاہ بن جاتا تھا۔ یہ قوم جادو و جادوگر کی بھی قائل تھی اس قوم میں جو پیغمبر نبی گزے ہیں وہ بھی یہودہ کی عظمت کو نہ مٹا سکے۔ اکثر فیوہن نے اس قوم کو ہدایت کی کہ خدا فریانی سے خوش نہیں ہوتا ہے بلکہ رحم و انصاف و انکساری و سچائی سے خوش ہوتا ہے۔ مگر ان کے کہنے کا اثر اس قوم پر کبھی نہ ہوا۔ اس قوم کے امر انابت بے رحمی و سنگدلی کا بتاؤ و قربان کے ساتھ کیا کرتے تھے ظلم و رشوت متانی قتل و غارت گری اور عیش پرستی کا دور دورہ تھا اور یہ سب باتیں ہونے کی خیالی امداد پر کیجاتی تھیں گو کہ انبیاء پیغمبروں نے سمجھا یا کہ یہودہ معبود نہیں ہے بلکہ وہ انلاق کا حاکم ہے وہ سچائی اور رحم و انصاف سے خوش ہوتا ہے اور ظلم و بے رحمی و عیش پرستی سے ناراض ہوتا ہے وہ انسان سے کسی بات کا طالب نہیں ہے سوائے نیکی اور سچائی کے اس کے نزدیک سچی قربانی دل کی ہے اور اعمال و افعال کی۔ وہ ہتھارے رن و غم پر اس طرح کرتا تھا جس طرح سے باپ اپنی اولاد کے واسطے وہ چاہتا ہے کہ ہمارا کھانا ہتھارے دلوں پر نقش ہو جائے تاکہ ہتھارے اور ہمارے درمیان

منہ علی محمد علی تاجر عطر کھنوکا بنایا ہوا عطر خا اور کارخانوں کے بنائے ہوئے عطر خا کی نسبت ہمیشہ خوشگوار و میٹھا

بنی اسرائیل کا زمانہ اوج پر ہوگا اور وہ آزاد ہوں گے اور اُس وقت اُن کا مذہب تمام عالم میں پھیل جائے گا اور تمام دنیا اس مذہب کو قبول کرے گی۔ وحشی اور غوغا جیوان و درندے حلیم و بے ضرر ہو جائیں گے۔ عالم سے تمام بُرائیاں مفقود ہو جائیں گی اور بر و شلم ان باتوں کا مرکز ہوگا۔ مگر تمام عقائد کی تہ میں وہی تجسس و تلاش ذات واجب الوجود کا نظر آئے گا جو ہر مذہب کا منہا ہے نظر ہے۔

انکا مذہب والون کے عقائد و مراسم

یہ مذہب شمالی دجنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے اور ابھی مکسیکو اور نیروین۔ ایک شخص (انکا) کا سلاوڈی لاؤنگا نامی نے ایک کتاب سولہویں صدی عیسوی میں تصنیف کی ہے جس کا نام (رائل کسٹرنز آف ڈی انکان) رکھا ہوا ہے اس میں اس مذہب کی تفصیلی حالات معلوم ہو سکتے ہیں اس مذہب کے لوگ دنیا کی پریش کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اجائے ان کے کسی بزرگے دنیا میں اُن باتوں کے تعلیم دینے کی غرض سے بھیجا تھا جو ان کی زندگی کی رہبری کے لیے ضروری تھیں مگر اسی کے ساتھ اس مذہب کے لوگ ایک اور قوت کو بھی جانتے ہیں جسے وہ (نجا کا مک) یعنی (دنیا کی قوت) کہتے ہیں نجا کا مک کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ وہ روح (یا قوت) جو تمام دنیا کو زندگی بخشتی ہے۔ اس مہبود کا نہ کوئی مند بنا یا جاتا ہے نہ اسکو کوئی نذر دیا جاتی ہے بلکہ اسکی عبادت دل کے اندر کی جاتی ہے۔

محمود علیخان زنگ آباد (بائی آئندہ)

یقین رکھتا ہے کہ دنیا کی تمام طب و یالس اور تمام قوانین تواریت میں درج ہیں اس مذہب میں روحانی عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ عبادت کے وقت پاکیزگی اور طہارت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہوداہ کی نیاوہی شخص دست مسکتا تھا جس نے سور کا گوشت کبھی نہ کھا یا ہو۔ یوم سبت کو اپنی دوکان نہ کھولی ہو۔ نہ آمدن کوئی نہ نیاوی کام کیا ہو۔ نہ کسی نفس کو چھوا ہو اور نہ غیر قوم کی کسی چیز کو مس کیا ہو۔ بنی اسرائیل کے قید بابل سے واپسی کے بعد مزایہ مرتب کیے گئے کہ اس کے قبل بھی کچھ مزایہ کی ترتیب چھٹی تھی مگر زیادہ تر قید سے واپسی کے بعد مرتب ہوئے ہیں۔ مگر یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مزایہ دس انبیا کے بعد ہوئے ہیں۔ اس قوم کے علماء و عقلا و جہد رکائات عالم میں ترتیب و ضوابط اور اسکی بعض باتوں کو بحیر العقول پائے گئے اسبقہ راہ اپنے معبود کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہونے لگے اور مختلف اقسام کے ترانے عبادت کا ہون میں تصنیف کر کے گایا کرتے تھے۔ مزایہ میں رسم درواج اور فقہ اور شریعت کا بہت کم ذکر ہے زیادہ تر یہوداہ کی مافوق الفطرت قوتوں اور اس کی جوتوں اور عطیوں کا ذکر ہے ان کے نزدیک ان مزایہ کو لکھا جانا ایک بہت بڑی عبادت سمجھی جاتی تھی اس کے علاوہ مزایہ میں مذہب و تقویٰ۔ توبہ و استغفار۔ اضطراب قلب خاگی الام۔ جسمانی کمزوری۔ اور تصور و مراقبہ کے متعلق۔ متاجات میں بھی درج ہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب یہود و دنیا میں اگر تمام نزاعات علم اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا فیصلہ کرے گا اور ہر قوم اور ہر شخص کو ان کے اعمال و افعال کی سزا دیگا۔ اُس وقت

صغریٰ محمدی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خاہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے

۲۰ لسان العصر اور شاہ عظیم آبادی (از جناب راز بلگرامی)

اپریل کے ”نگارین اکبر آبادی و شاہ عظیم آبادی کے عنوان سے جناب ولی صاحب بی بی لے گا کوئی نے جو موازع علامہ تلمیذ اس کے بعض ہیروؤں نے مجھے محسوس کرایا کہ مولانا مصطفیٰ سے نہیں کیا گیا بلکہ کسی کے خاص دلکا کر بلا وجہ سے دوسرے قومیت ویدی لہذا میں نے ہمارے ہونے فریق کی نظر میں مدد کی اس اخلاقی فرض کو مد نظر رکھتے ہوئے حقیقت کو بے نقاب کیا۔ جناب ولی صاحب میری اس دوستی و جسارت کو معاف فرمائیں گے کہ آپ کے حروف پر نقطہ لگا گئے۔“

راز بلگرامی

مصنف پر نسبت شاعر ہونے کے بہت دباؤ ایک فنکار (سوچنے والا صاحب فکر) یا خلا سرفہرچہ نے اپنے خیالات کو غیبی کے ساتھ نظم کر دیے۔

یہ وہ راس ہے جو کلیات اکبر کے پہلے ادیشن کے شائع ہونے پر کسی ناقد نے ظاہر کی تھی جسکو مرحوم نے بیان تک نہ کیا تھا کہ وہ اسے اپنی حقیقی داد سمجھنے لگے۔ یہ بھی رہیں بغزل و شاعری حیثیت سے اکبر کو شہرت عام کسی حاصل ہی نہیں ہوئی پھر بھی جہاں اپنے رنگ سے الگ ہو کر ”کہا ہے“ وہ ایسا نہیں کہ جناب ولی صاحب شاہ عظیم آبادی کے مقابل میں اسے پہلو بہ پہلو رکھ کر شاعر کو فہمیت دیتے۔

یہ دو شاعر صفت انسان مشیت نے ایک ہی دنیا میں پیدا کیے۔ ایک ہی جہاں میں سانس لینے کا ہند کیا۔ آنکھوں کے سامنے ایک ہی مناظر پیش کیے۔ بہار و خزاں کی دو داستانیں و دو رنگ ساتھ ساتھ سنائیں۔ ساتھ ساتھ آفتاب کے گرم و سرد اثرات ایک ہی

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان چار کیفیات کا اثر اکبر و شاہ کے فطری مذاق شاعری پر بحیثیت مجموعی کیا اور کہاں تک پڑا اور جناب ولی کے دوسرے میلان اپنے خیالوں میں کہاں تک منفی و متحد رہے۔ کلیات اول جو مسئلہ میں منشا لی ہوا تھا۔ اس میں غزل اکبر نے اپنی غزل گوئی کے تین دور قائم کئے ہیں جن کے دیکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر دور میں حضرت اکبر کیا تھے

حضرت اکبر نے اپنے خیالات شاعری کے ہر دور کو جس کامیابی اور فہمندی سے طے کیا ہے اس کی مثالیں اگر پیش کی جائیں تو گویا تخریر کا ایک دوسرا موضوع قائم کرنا ہے جس سے مضمون کی غایت بلاوجہ نذر اٹھا ہوگی۔ اکبر کے ہر دور شاعری پر نظر ڈالنے ہوئے جب ہم آخری دور جو ان کے ارتقا کے شاعری کا زمانہ معراج ہے پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تغزل کا رنگ لہکا ہو گیا ہے عموماً سیاسی۔ اخلاقی۔ عارفانہ۔ غزلیں اور نظموں کی جتنی بہن کلیات میں غزلیات کے عنوان سے جتنے صحائف جمع کیے گئے ہیں۔ تعداد میں زائد ہیں لیکن درحقیقت غزلیت کا

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے ایجاد کردہ عطر خا کا استعمال ہر محرم میں خوشگوار ہو

موجودہ مشائیر نے تسلیم کر لیا جو اور جو بھی پوچھیں۔ ان کی فائز الکا
ہماری وسعت شاعری کی ایک بدلہ کارنگ تغزل ہمارے
لطف شاعری کی روح ان کے پاکیزہ خیالات۔ عالی جذبات
حکیمانہ محسوسات اچھوتے مضامین۔ ولادیز برکین ہمارے سرب
شاعری کا لازوال اہنہ غمگنہ ایک اعلیٰ شاعرین جو غریب
ہونا چاہتے ہیں وہ حضرت شاد کی مغفتم ہستی میں بدرجہ اتم موجود ہیں
ان دو حساس طبیعتوں میں وہی طاقیتیں موجود ہیں جنکا
ذکر ولی صاحب فرما چکے ہیں۔ مگر ان دو ذہن حضرت نے ہر لحاظ
کا استعمال مختلف طریقہ سے کیا۔ برکینیت کو محقق ہنگامہ سے
دیکھا جسکی نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر شاعر کے ساتھ فلاسفر کہلائے
اور شاد حضرت شاعر ہو گئے۔

واعظ اپنے کلام میں لاکھ شیریں پیدا کرے مگر سننے والے
کو وہی تلخی محسوس ہوگی اسی کیلئے نظر رکھتے ہوئے اکبر نے اپنی
دلخراش باتوں کو ظریفانہ رنگ میں بدل کر سلیلا شاکے ہنسیا۔
ہنسیا کے رد لایا۔ اکبر نے اس رنگ میں وہ کچھ کیا جو ایک ”مصلح“
کر سکتا ہے شاد اس رنگ کے خلاف استاد ہو گئے۔

ان سب امور پر نظر رکھتے ہوئے میں بلا خوف ترویج یہ کہنا
ہوں کہ یہ دلی صاحب کی ستم ظریفی ہے کہ وہ مختلف راہوں کے
جاننے والے کسی نہ کسی طرح سرچھوڑ مرین۔ میں یہ نہیں کہتا کہ
ولی صاحب نے شاد و اکبر کو مولود بیکار کیا۔ کیونکہ جب تک
اس قسم کے مقابلہ نہ ہوں گے ذہنیں اپنی خامیوں کو محسوس کر کے
دور نہ کر سکیں گے۔ مگر اتنا ضرر کہوں گا کہ دلی صاحب کی ننگہ
انتخاب اور ان کے مذاق نے مروج کی روح کو شرمایا۔ اور آگ و
پانی کا مقابلہ جو کسی عنوان چوہی نہیں سکتا تھا۔ اس میں ناکام
کوششیں کر کے ملک کے ایک مخصوص طبقہ کو اپنا مخالف بنالیا۔

غیر ان میں بہت کم ہے عموماً کلیتاً حاضر و شاعر کے خیالات و
افکار غزل کی موزون صورت میں نظر آتے ہیں۔ ہالین ہر جب
کبھی غزل سر لائی پڑتے ہیں تو عاشق کیا بلکہ دوسرے عاشق بن گئے
ہیں جو کچھ بھی عاشقانہ رنگ میں کہا ہے خوب کہا ہے اپنے سرب
کمال سخن کو اس رنگ میں بھی قائم رکھا ہے اور درجہ استقامت
کسین ہاتھ سے جانے نہیں دیا لطف زبان بیلاست بیان
انہما واقعات۔ انگشتان جذبات ان کے کلام کی روح اور
غزل کی جان ہے جناب اکبر عموماً یاد ہی کہتے ہیں جو دل میں
محسوس اور محفوظ کر چکے ہیں ان کا کلام واردات قلب کا
آئینہ نامکس ہے جو گزرتی ہے وہ دوسروں کے سامنے چھٹا
کہہ گزرتے ہیں ان خصوصیات کو ایک شعر میں یوں ظاہر کرتے ہیں
شعر اکبر میں کوئی کشف و کلمات نہیں
دلبر گزری ہوئی ہے اور کوئی ہائیتیں

اب ہدایہ مسئلہ کہ شاد و اکبر کا مولود ہو سکتا ہے یا نہیں اس کے
جواب کے لیے کہ جناب شاد و اکبر آبادی کے رنگ تغزل اور خصوصیات
شاعری پر روشنی ڈالی جائے میں مختصر عرض کروں گا۔

فطرت کی فیاضیاں لگے و جنہ کے سنگم سے بر صحتی ہوئی ایک
اجتماعی شاخ کیسا تھہر عظیم آباد کے سہو نار میں بہتے دریا کے مانند
قشتہ کا مدین کو سیراب کرنے لگیں تو معلوم ہوا کہ سر زمین آباد کے
مشاوہ کرنے کے بعد جو فطرت بیج کچھ تھے وہ عظیم آباد کیلئے
نعمت تھے وہاں شاد و جیسی قابل قدر ہستی نے پیدا ہو کر نبات
کو یاد کہ وہ خلک جواز دل سے جیس ہو ایک دل اپنے عناصر کو
مرکز پر لاکر مجھ جیسا جسم جذبات پیدا کر دیتی ہے اسے ارض
عظیم آباد۔ ناگزیر۔ قدر کہ فخر کہ تجھ پر اب دوسرا شاد پھر پیدا ہو گا
مولانا شاد کا مسلم الشیخ استاد ہونا ہمارے نزدیک کیا بلکہ

اصغر علی محمد علی تاہر عطر لکھنؤ کے کا رخانہ میں تمام عطر صرف و غن صندل سے بنائے جاتے ہیں

سندر جھوٹیل سطرون میں مازد کی خامیان دکھائی گئی ہیں
ملاحظہ ہو۔

جباب آسا آٹھایا بحر ہستی میں جو سراپنا
اکبر بنا لایس و ہین موج سفر نے مسفر اپنا

موج فدا نشان دے نام و نشان وجود کا

شاد دیکھ جباب کی طرح شوق نہ کر نو کا

خیالات وکی۔ اکبر کا شعر محض اظہار حقیقت ہے بغلات اسکے
شاد کے بان واقعے کے ساتھ عبرت پریری و بین آموزی کا پہلو
موجود ہے۔ طرز ادا نے اور چکا دیا۔

عرض راز کاش ولی صاحب شاد کے شعر کے مقابلہ میں اکبر کا
یہ شعر لکھ کر موازنہ کرنے مگر جو کسی کی اداؤں کا مارا ہوا ہے غیری
اداکرین بھائے۔ ستم ہے کہ اظہار حقیقت بھی جرم ہے شعر ملاحظہ ہو

جباب اپنی خودی سے بس بھی کہتا ہوا اگر ارا

تماشا تھا ہوانے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

ہوا کا پانی میں گرہ دینا کتنا لمبی استعارہ ہے۔ جدت تحمل کے یہ
معنی ہیں۔ لفظ ”تماشا“ درس عبرت بنا ہوا ہے نصف یکھیں۔

پروانہ جیکے خاک ہوا شمع رو چکی

اکبر ناخبر حسن و عشق جو ہوا تھی جو چکی

پروانہ کی سیت جب بون آگ میں جلتی ہے۔

شاد گوشت ہے ظاہر میں پھر شمع کھلتی ہے

خیالات ملی۔ اکبر کا شعر ہے نیاز تو قریب ہے۔ اس کے مقابلہ میں

شعر نیکان شاد ہی کا کام ہے اُنکے شعر سے یہ بلاغت بھی نمایاں ہے

شمع صورتاً و معاً سنگدل معلوم ہوتی ہے مگر پروانہ کے حال راز

سے حاشیہ پر گھل گھل کر رہا ہوا جاتی ہے۔

عرض تراز اکبر کا یہ بناہ مطلع ایسا ہے کہ شاد کا مطلع کسی

صورت مقابلہ کر ہی نہیں سکتا نگاہ دقیقہ بین دیکھے کہ ایک
مضمون کو دو وزن مطلع کی حیثیت سے کہاں تک لکھ رہے ہیں
شاد نے ایک نئی بات ظنات واقعہ لکھی ہے کہ پروانہ مرنے کے بعد
(بصورت سیت) جلتا ہے لفظ ”شعر“ سے ”مگر“ کا مفہوم کسی طرح
واضح ہی نہیں ہوتا ”جب بون“ کی غرض استعمال بالکل مفقود
در نشست الفاظ جسکی تعریف کروں نہ زور بیان جسکو سرا ہوں
اسکے ساتھ ساتھ اکبر نے شمع و پروانہ کے ”افسانہ عشق“ کو باطل
ختم کر دیا۔

اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا

اکبر مگر محل نہیں ہے ساتی سے بگانی کا

دیکھ تھی سبوجے صبر کا حوصلہ دیا

شاد جس کی طلب تھی سا قیاس کیسں سدا

خیالات ملی مفہوم دونوں کا ایک ہے اکبر کے دوسرے مصرع۔

کا تیور دلاؤ میر ہے۔ یہ زندگی کی تلمی پر قضا و قدر کے شاک کی ہیں

شاد میدان رضائیں ایک قدم آگے ہیں ناکامی و نامرادی پر

عدم شکایت کے بجائے شکر ادا کرتے ہیں طرز ادا کے لحاظ سے

ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

عرض راز کسی چاند راہ فیصلہ کن کا دو وزن حریر بون کے

مقابلہ میں اتنا لکھ دینا ہی تعریف ہے کہ ایک کو دوسرے پر

ترجیح نہیں۔ شاد کے دوسرے مصرع میں یہ مگر آؤں سکتیں

سوا دیا ”ظاہر کرتا ہے کہ مانگنے والے نے کسی چیز کی مقدار

مقرر کر دی ہے جسکے لیے لفظ ”جسکی“ ”یعنی“ کا مفہوم نہیں

اداکرنا۔ اس کے علاوہ جب خالی سب دیا گیا تو صبر کس کا کیا جائے

جو ہر صبر تو یہ ہے کہ ساتی سے ”اگرچہ جام تلخ ملا“ مگر آپ نہیں

کہہ سکتے ہیں صبر کر کے پتے ہیں۔ ہر حال اکبر کا شعر اپنے مطالب

علاوہ عطر خاک کے جملہ قسم کے صندلی عطریات صغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے خریدے گئے

ہر پہلو سے کامیاب اور شاد سے افضل ہے۔

اگرچہ تکلیف نزع میں ہوں سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
اگر کسی نے کی چن امید یوں کی جھٹکتے کاغم نہیں ہے

آخر ہے غم صلیق میں دل بھی ہے جان بھی
مردانہ باش ختم ہے ۱ امتحان بھی

شاد

خیالات ٹلی۔ اگر کا مفہوم یہ ہے امید حاصل میں نزع و سکرات
کی عام تکالیف کو گوارا جن اور سرسرا و اطمینان حاصل ہے شاد کے
شعر کا مفہوم بہت بلوغت وار ہے زندگی کے تمام مصائب بطور
بطور امتحان عشق و محبت کے تھے چلے سنے پر دہل کی شاد کا ہی مختصر

ہے نزع کی بے چینی کرب و الم کا استقلال کے ساتھ برداشت کرنا
صرت امتحان محبت ہے۔ ظاہر ہے کہ شاد کے شعر میں جو حقائق

اسرار۔ اسالیب بلاغت اور جوش بیان موجود ہے اگرچہ شعر میں
بے ضریب راز۔ وہ نون حضرات کے شعروں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ شاد تکالیف محبت سے برداشتہ خاطر ہو کر وہ الفاظ استعمال
کر رہے ہیں جو استقلال اور پامردی سے کہیں دور ہیں مجبوراً ہے

ہوئے دل کی ہمت لفظ مردانہ باش سے بڑھا کر امتحان کی طرف جمع
کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے کہ اگر ان جملہ تکالیف کو نہ سکون خاطر

کہہ رہے ہیں شاد کا شاعر ہی ہے کہ ذوق سلیم سجدہ کرے دگر
مصرع میں علان دنیا سے بیزاری کا اظہار کسی کے لئے کی تمنا میں

جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ اگر کے استاد ادا کا ملانہ انفرادیت
کا بہترین نمونہ ہے اگر کا مطلع وہ مطلع ہے کہ اسکو جتنا درد کیا

جذب طاری ہوتا ہے شاد کا مطلع اسکی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔
دل ہے مولو فرقت قامت دروے یا زمین

اگرچہ مجاڑ میں جا نہیں سر و دل آگ لگے ہر زمین
شکلو۔ بن اور سیر لہ لہ چار بن + کسی بار آگ لگا دہلی

خیالات ٹلی۔ شاد کے شعر کا طرز ادا معافی زبان چستی بندش
ہے سادگی اور تہر خلاق میان نہیں اگر کا شعر اُس کے مقابلہ میں بہت
سست ہے لفظی رعایت نے اسکو اور بے مزہ کر دیا۔

عرض نماز۔ نجب اور سخت نجیب ہے کہ دلی صاحب نے اگر کے
لہریہ بات شعر کو اس بری طرح پامال کیا جس کو صاحب نظر

بغیر نگاہ نفرت سے دیکھے باز نہیں آسکتا عالم خیال میں فرقت
یار کے اثر سے ایک خاص حالت میں جو کچھ محض سے نکل گیا ہے

سچی شاعری ہے جو حضرت مرحوم تقویٰ قدوائی کی مشہور نظم
”عالم خیال“ پڑھ چکے ہیں دیکھیں گے کہ اگر نے کیا کیا۔

دل بیتاب نے کیا کیا دکھائے ہیں مجھے عالم
اگرچہ یہ پرزہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانہ کا

شاد سرکار دل کی ہوش رہا سے نہات ہے
دست تو پکڑ نہیں ہے مگر کارخانہ

خیالات ٹلی۔ اگر کا شعرواات ہے۔ شاد کی طبعی کیفیت کے
متعلق جو بیان کر رہے ہیں اس طرز ادا اور جوش بیان کو اگر کا شعر

نہیں پہنچتا محضی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہیں راجح ہو
عرض راز۔ میری رائے میں وہ اگر کے شعر میں کوئی نقص نہ شاد

کے شعر میں کوئی لطف۔ اسی مضمون کو اگر نے ایک شعر میں یوں ادا
کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

صورت ظاہر میں دل کی قنوط خون تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفان ہو گیا

اگرچہ خلوت ناز میں کیا شان خود آرائی ہے
حسن خود عالم حیرت میں تاشائی ہے

دہنی تھایہ سلان تیرے نکھرے کی قسم
شاد سکھ آئینہ کا جلوہ ترا حیرت میری

علاوہ عطرانی کے صغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ کے کارخانہ کے تیار کردہ سخن و نہایت اعلیٰ معرقات طلب فرمائیے

عرض راز۔ شاد نے مظاہر و فطرت کو محض پھولن تک محدود کیا ہے اس شعر کو اکبر کے وسعت خیال کے مقابلہ میں ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو مولانا اکبر نے جس حسن کے ساتھ نظم کیا ہے اس کی دادمثا ہیہ سخن دینے کے ملاحظہ ہو۔ موانہ کیلئے یہ شعر کافی تھا۔ کیا دلی صاحب کی نظر انتخاب یہاں تک نہ پہنچ سکی؟

ہر خیش بھکا ہر خسرد اک حجاب ہو
عارض پہ اُنکے جلوہ ہستی نقاب ہو
شاد کے جراثیم فطرت کے مقابلہ میں گہرا اپنا صحیفہ قدرت
یون میں کرتے ہیں۔

اگر دیکھو تو ہر گل ایک فتر ہو معانی کا
اگر سمجھو تو ہر پتی بیان راز کرتی ہے
اکبر بہار آئی ہے اُنکے آئینہ منسی نشان ہو کر
اکبر جہن میں بوی گل بھیلی ہو تیری اتان ہو کر

مہک اٹھا جہن دہر کا پست پست
شاد راز چھپے نہیں دیتی تری خوشبو میرا

خیالات دلی اکبر نے بہار کو آئینہ معنی نشان قرار دیا ہے جو نہایت خوش اسلوب و بلیغ ہے۔ بوی گل کے انتقال کو داستان معشوق کی نشہیر ثابت کرنا بھی کتنا اہلا و علاء ہے۔ شاد کا بھی وہی مضمون ہے اور نہایت خوبی سے بندھا ہے۔ دوسرے مصرع کی ترکیب نئی باری ہے۔ شاد کا ذوق نظر نہایت وسیع ہے وہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں معشوق کے جلوہ پرائی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اکبر نے اس کو صرف موسم بہار تک محدود رکھا۔ عرض راز۔ دلی صاحب نے اکبر پر اس قدر کم کے شاد کے محاسن شاعری بیان کرتے ہوئے جب کچھ بھلی قوس لکھ کر شاد کو فوقیت دینا چاہی

خیالات دلی۔ اکبر نے مطلع خوب کہا ہے الفاظ نہایت نیکین آئے ہیں۔ شاد نے معشوق کی آراکش کی تصویر کشی نہایت خوبصورت ہو اس شعر کا ایک ایک لفظ ایک ایک کلمہ اس خیال کا آئینہ ہے تیرے نگہ کرنے کی قسم کا ان ملاحظہ کا ایک جوہر ہے اس کے محاسن خط تحریر میں نہیں آسکتے۔ ذوق سلیم خود لذت اندوز ہو سکتا ہے۔

عرض راز۔ شاد کے شعر میں البتہ ”تیرے نگہ کرنے کی قسم“ ایک پچھلے مصرعہ ہے۔ مگر اکبر نے مضامین کے اعتبار سے جواب لکھا کیا تھا نظم کر دیا ہے اس کا احساس دلی صاحب کو بھی ہو کہ مطلع کو محض رنگین لکھ کر چپ ہو رہے۔ خلوت میں شان خود آرائی کا مضمون کتنا سچا اور موثر ہے۔ دوسرے مصرع میں جہن کا عالم تر میں تماشائی ہو نا کتنا پر کیفیت منظر ہے اکبر کے شعر کے مقابلہ میں شاد کا شعر بالکل بے مزہ ہے اکبر نے ایک مطلع میں معشوق کا اپنے حسن اور خود آرائی سے اپنا نظیر تلاش کرنا جس اعلیٰ درجہ خیالات کے ساتھ نظم کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

نگاہ اُنکی ہے احساس ماسوا کیلئے

کہاں بوی گل زردار کے اسے غدا کیلئے

اکبر کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست

ہی ابھی پردہ میں پہان آفتاب دوسے دوست

شاد جو آنکھیں ہوں تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو

کسی کے حسن کی شرحیں لکھی ہیں ان ساتویں

خیالات دلی۔ اکبر کہتے ہیں کہ مظاہرہ فطرت کے پردہ میں شاہ

حقیقی کا حسن و جمال مستور ہے۔ اسی مسئلہ کو شاد دلا دینا انداز

میں بیان کرتے ہیں اوراق گل جراثیم فطرت میں پھولن کا پرتا

قرار دینا کتنا معنی خیز ہے۔ شاد کا شعر اکبر کے شعر سے

بہر حال بہتر ہے۔

صنعتی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر شامۃ الغبر کی غبی اس کے اتھال ہی سے معلوم ہو سکتی ہے

عرض راز غلطی کا دلون نے ملائکہ فریب جن کی تصویر کھینچی ہو یہ خیال
کی دست مھن ابرکے ہاں ہو شاو اپنے ہمنمون سے زیادہ نہ ہو سکے
وہی صاحب نے "مومن" و "کافر" کی رعیت پر عمل قرار دیا کیف تا گنیز
کہا اس طرح ابرکے شعر کی لفظی رعایت کو بے مزہ قرار دیا جاوے بعد از
انصاف ہو

اکبر حیرت میں غم ہو گئی انشاء زندگی
اکبر حل ہو سکا نہ ہم سے معاملے زندگی

شاو ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اس کی گلی ہو
شاو ہماری روح بے بو بھی ہوئی اتنا پیل ہو

خیالات ولی۔ دو ذوق انشراح مضمون فلسفیانہ ہو جگہ انچو ایک ہو
معنویت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح مہین دیا جاسکتی
شاد نے اس فلسفہ کو رنگ قمرل میں ادا کیا ہو جس سے شعریں
زیادہ کیف پیدا ہو گئی ہو

عرض راز غلطی فلسفیانہ انداز سے خیال کرنے اس شعر کو نظم کیا ہو وہ ضمیمہ
کا رنگ ہو۔ شاد کے شعریں اگر وہی صاحب نے صرف "آرزوئیں"
سے کیف پیدا کر دیا تو یہ غزل کی پسیلیان اُھیں کو مبارک رہیں

اکبر امتیاز حیرت و رنج و الم جاتا رہا
اکبر غم ہوا اتنا کہ اب احساس غم جاتا رہا

شاو غمشی سے بیعتا اب بھی سبکین ہو جاتی ہو
شاو تڑپا پیل تڑپنے سے زرا تسکین ہو جاتی ہو

خیالات ولی۔ ابرکے شعر غالب کے شعر کا ماخذ ہو۔ شاد قلب کا ایک
دوسری کیفیت کی مصوری کر رہے ہیں۔ دونوں شعرون کا فلسفہ
جدا گمانہ ہو۔ اپنی جگہ پر دونوں شعروں میں مگر ابرکے شعر مستعار
ہو۔ اور شاد کا اور بخجل اس لیے شاد کے شعر کو ترجیح دینی چاہئے
عرض راز جب دونوں شعروں کا فلسفہ جدا گمانہ ہو تو مزہ کیا ہی جاسکے گا

اکبر نے اسکو صرف موسم بہار تک محدود کر دیا ہو حالانکہ اسکے پہلے
شعر میں خود شاد نے ابرکے ایک شعر کے مقابلہ میں انھیں
خیالات کو اوراق گل تک محدود کر دیا ہو اس کی بھی جائزہ لیا
کا پتہ چلتا ہو ناظرین دونوں شعروں میں انصاف کریں۔

اکبر آج بھر آرائش کیسے دوتا ہو تی ہو
اکبر پھر مری جان گرفتار بلا ہوتی ہو

شاو چشم سیاہ میں سر پہ یوسف ریا میں شاد کر
شاو قتل جہان کے واسطے تانہ پھر اک بہانہ کر

خیالات ولی۔ ابرکے شعر کا مضمون سامنے کا ہو ادھر کوئی
جدت نہیں پائی جاتی مگر شاعر مشرستان تخیل جو جوستی
جوش۔ دلآویزی۔ بلاغت پائی جاتی ہو ابرکے شعر میں بہن
عرض راز غلطی ابرکے شعر میں کوئی جدت نہیں پائی جاتی اس لیے

فائدہ کے شعریں ہی پرانی کنگھی چوٹی۔ اور وہی گھر کا تیار کردہ سر ہو
جسے قتل جہان کے واسطے تلوار بنایا جا رہا ہو برخلاف اسکے ابرکے
نے لفظ "پھر" کے ساتھ جس سلاست سے وقتی احساس کو ظاہر
کیا ہو جو کسی اہم وقت میں بے ساختہ ٹھٹھ سے نکل جاتا ہو انکی
کہ نہ مثنوی کی تین دلیل ہو۔

اکبر یہ ادا میں یہ لگاؤ شاید بلا کی چوٹوں
اکبر میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی والدین

شاو ہاں وہ جاو دھکی انگلیں وہ کاخ ترین
شاو وہ بڑھوس تھا قاف جگہ ایمان ہو گیا

خیالات ولی۔ دونوں معشوق کے ملائکہ فریب موعود حسن کی تصویر
کھینچ رہے ہیں۔ میرے خیال میں شاد کا شعر زیادہ مستانہ ہو دوسرے
مصوح میں لفظ "مومن" مکتبہ انشاوار سے ہے خود شاد کافر کے مقابلہ میں
اس کا بے اختیار عمل استعمال نہایت کیف انگیز ہو۔

کارخانہ صفر علی محمدی تاجر عطر لکھنؤ جسکو ایک صدی کا زمانہ ہوا نیک نامی سے جاری ہے

شعر مستعار ہو یا شاد کا شعر داغی کا دوش کا نتیجہ ہو دیکھنا یہ ہے کہ دونوں
اپنی اپنی خصوصیات شری میں کما شکر کامیاب رہے میری رائے
میں دونوں نے اپنے اپنے مضامین صفائی کیا یہ لکھے اکبر کا کیفیت
کا مرثعہ یوں کھینچتے ہیں

غم ہو اتنا کہ دل زار یہ تاہی نہیں

ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھیں اشو ہی نہیں

اکبر یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا
میں نہ سمجھا کہ یہ جینا مرے کس کام آیا

اب بھی اکبر عمر بچے کا نہ انداز آیا

شاد زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

خیالات ولی۔ دونوں کا مضمون فلسفہ زندگی کے متعلق جداگانہ
ہو۔ شاد کا شعر ایک پیچہ تخیل پیش کرتا ہے۔ اس شعر سے اکبر کا شعر
کو کوئی نتیجہ نہیں جس تفرق کا بہترین نمونہ ہو اور تمام محسن شری کا
گنجینہ ہو۔

عرض سار مجھ کو تو کا فلسفہ جدا تو موازنہ بیکار یہ وہ مطلع البتہ اتنے
چست ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح محال۔

اکبر سالک راہ محبت کو خود سے کیا کام

وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی بھرا ہونو

شاد جسم خاکی کے تعلق نے گرا نبسار کیا

کاش میں راہ میں تیری تن تنہا ہوتا

خیالات ولی اکبر کہتے ہیں کہ ہوش و فہم سالک کیلئے سد راہ ہیں۔ شاد
کہتے ہیں کہ چونکہ جسم خاکی بھی روح سے وابستہ ہو ایسے ہزار ہا علائق
دنیا کا سامنا ہو منزل مقصود یک سالی نہیں۔ شاد کے شعر کو ترجیح ہو
عرض اکبر نے سالک کی تن تنہا سبکی کو خواہ جس طرح انداز سے بیان
کی ہو وہ اکبر کا حسن بلاغت ہو خود ہوش کا ہوا ہونا کتنا یاد رکھنا ہے

اکبر اس وعدہ خلائی بیکرد غور کسی دن
مرد و زنی کھینچتے ہوا ب اور کسی دن
بتلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے
شاد تم تو شباب آئے ہی کچھ اور ہو گئے

خیالات ولی۔ دونوں شعرو کی صفائی زبان اغاز زبان جیسی ترکیب
نہایت وقاریز ہو میرے خیال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح مشکل
ہی لیکن غور سے دیکھا جائے تو شاد کا شعر زیادہ پرستی اور تخیل پر۔ شاد
کے شعر سے دنیا کے تخیل سامنے آجاتی ہے خصوصاً اسکا وہ لڑھکھڑا
غضب ہے۔

عرض از شاد کے شعر سے چاہئے دنیا تخیل سے لے کر آج کل کے شعر کا ہر نقطہ
جان مہنی ہو جائے دونوں میں جو فرق ہو وہ نمایاں طور سے نظر آئیگا
شاد کے دوسرے مصرع میں لفظ "شباب" نے غافل سخن عربان کو دیا

اکبر نشتر لگائے جاے لے نچنا آمیدی
اکبر دل کو بھی شکایت باقی ہے جوش خون کی

شاد یوں ہی رہ رہ کے تو اسے ناامیدی دلو گویا چھڑے جا
بھی ہمیشہ رخش عزم کو چالاک کر گئی ہے

خیالات ولی شاد کے دونوں مصرع نہایت متوازن و متقابل
ہیں۔ مفہوم پاکیزہ ہو تخیل میں جدت ہے۔ ترکیب پر جوش و پراثر ہو
اکبر کا شعر بھی خوب ہو۔

عرض از میری رائے میں نشتر کی چھڑ چھاڑ ہمیشہ کی ٹھوک دینے سے
پر لطف ہے۔ اکبر کے دوسرے مصرع کی توصیف تو ممکن ہی نہیں۔ شاد
کے دوسرے مصرع میں ان مضامین کیساتھ تشریح عمر ایک پھسور
ہے۔

اکبر سینہ کا زخم آہ کی سختی سے پھیل گیا
اجھا ہوا مزدوہ محبت کامل گیا

کارخانہ صنعت علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ کی سچی فی معاملات کی صفائی اوتال کی عمدگی ہندستان بھر میں مشہور ہو

شاد یوں ہی را تو کو تر پینگے یوں ہی جان اپنی کھوٹینگے
تری مرصی نہیں ای درد دل اچھا نہ سوئینگے

خیالات ملی - مضمون دونوں شعروں کا جگہاں ہو سیکم دونوں کا
تعلق جذبات سے ہی لہذا موازنہ مکملے تعجب کر لیا تا وہ کا شعر
تغزل کا بہترین نمونہ ہو۔ اس بات کو کہ وہ دول کے ہاتھوں خواہ
و آرام حرام ہو۔ کس پر کیف پر جوش انداز میں بیان کرتے ہیں
میر کے قاتل شعر میں درجہ اتم موجود ہیں
عرض راز شاد نے پیری کے اظہار سے دست خیال کو تنگ کر دیا کہ
کے اس شعر کو تعجب کرنے سے

دن رات کی بچنی ہو آٹھ پر کار نہاؤ آٹھ برس میں فوت میں معلوم نہیں کیا
قطع نظر اسکے اگر کا پہلا شعر جو ملک میں مقبولیت عام حاصل کر چکا ہو
و اسکے کمال شاعری کی ایک دلیل ہو

اکبر زندہ ہوں مگر زیت کی لذت نہیں باقی
ہر جگہ کہ ہوں ہوش میں ہیشما نہیں ہوں

شاد پیری میں اسلگن وہ نہیں جوش نہیں ہے
آپ اپنے کو سمجھوں مجھے ہر ہوش نہیں ہے

خیالات ملی - دونوں شعرا اپنے اپنے انداز میں خوب ہی نام نہاد
کا مصراع ثانی نہایت برتر ہے۔ اور یہ سناوت ہے۔ یوں بھی انتخاب
مجموع جذبات سے برتر ہے۔

عرض راز شاد نے پیری کے اظہار سے دست خیال کو تنگ کر دیا کہ
کا پہلا مصراع کتنا جرئت و پر لطف ہے ہر حال اکبر کا شعر مجبوری حیثیت سے اچھا

اکبر حسن بہت یہ ہو تو اچھا و خدا کی نہیں خیر
یہ ادا ہو تو نمازوں کی قصا آتی ہے

شاد اتو جانا نیکے مسجد کی طرف وہ کافر
گر یہ سچ ہو تو شہادت ہو مسلمانوں کی

خیالات ملی اکبر کے دونوں مصرعوں کا تناسب و تقابل خوب
ہے اور ادا کو نماز کی قصا شہر انانیت پر لطف ہے۔ شاد کا شعر
بھی بہت خوب ہے۔ "مسجد" و "کافر" اور مسلمانوں کی رعایت لفظی
نہایت پر لطف ہے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیا سکتی۔

عرض راز شاد کا شہادت صاحب ثناء کی ان لفظی رعایتوں
سے متاثر ظاہر کر کے شعر کو بے مزہ قرار دیتے جیسا کہ اکبر کے لئے
ان اداؤں سے خیر آزا ہوئے ہیں۔

گو طوائف کے لحاظ سے موازنہ کہ بہت سے اشعار ترک کر دئے ہیں
مگر یہ بھی مضمون کی وسعت کافی سے سوا ہو گئی۔ بالائی سطر میں
بتائے گئی کہ موازنہ کے خاص پہلوؤں کو کما کر نکال دیا۔

حیرت انگیز تعجب ہو کہ وہی صاحب کے مذاق سلیم نے انتخاب کا
کونسا معیار قائم کیا ہو

کلام اکبر کا مختصر انتخاب درج کیا جاتا ہے جس سے آسانی کیسے
انمازہ ہو سیکے گا کہ وہی صاحب نے اکبر کے کس کلام کا موازنہ کیا اور
اور اسکے نگاہ انتخاب کی رسائی کہاں تک ہو

اکبر کا وہ کلام جس پر کلام میر کا دھوکا یقین کیسے اٹھ ہو سکتا ہو
ملاحظہ ہو۔

دنیا کیلئے بھلائے ہوئے کلموں کی گنجینہ اشب فرخشاں عالم ہوشی ہو خدا کو ناسو
کیون پست ہوئی ہے بہت سے دل کیوں دک رہیں ہو یایوسی
کو شمش تو ہم اپنی سی کر لیں ہو گا تو وہی جو ہو ناہے

انتخاب کلام اکبر

دن رات کی بچنی ہو۔ آٹھ پر کار نہاؤ آٹھ برس میں معلوم نہیں کیا ہو

سبغائین دل کو کہم حالت جگر و کھین
تمام آگ لگی ہو کہم کہم سر دیکھین
وہ ساری اسپین ہیں ماکین جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی
دل میں سوزش ہی آکھین کہو عشق ہی کھیل آگ بانی کا
منظور مجھے شکوہ بیلہ دستان ہے شدت کے کوئی اسد کمان ہے
ان اشعار کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ ان کی سلاست و سیلاب
بلاغت حسن بندش - اجتماع الفاظ و مطالب کی
لمبائی - اظہار حقیقت - انکشاف جذبات - غرض کہ
محاسن شعری کی ہر چھٹی بڑی ضرورت اکبر کے ذائق
طبیعت میں فطرت نے کہاں تک ودیعت کر دی
ہے۔ یہی وہ امانتیں ہیں جو شیت دیکھ بھال کر تقسیم
کرتی ہے۔

ہر جنبش نگاہ خسرو اک عجب ہے
عارض بہ ان کے جلوہ ہستی نقاب ہے
آرام کی تلاش نے رکھا ہو بے قرار
ہر رخ و ہمیش سکون سبب اضطراب ہے
مذکورہ بالا دونوں شعرا نے اپنے مطالب میں جس انداز کیا ہے کہ کیا
ہیں وہ حقیقت میں نگاہوں سے چھپے نہیں۔ دوسرے شعر کا دہرا
معراج اپنی خوبیوں میں فرد اپنے خیالات میں اپنے اثرات میں
اعلیٰ درجہ ہے۔
اکبر کے حرم ہو چکے ہیں ان کے صاحبزادے سید عشرت حسین صاحب ایک
جلوسین تشریف لے گئے ہیں دوران گفتگو میں اکبر کے خالق سخن کی
تقریظوں کے بعد یہ شعر پڑھتے ہیں جو ان کے دوا میں ابھی تک مثال
نور کا اکبر کے بھی وہ محنت ل ہیں جنکو سکر کن پڑتا ہو کہ اکبر و تیر

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینہ سے کھٹنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی بچنا چھوڑ دیا
نادک ٹٹنی سے ظالم کے جنگل میں ہوا کہ سننا ٹٹا
مرغان خوش الحان ہو گئے خاموش آہوں نے اچھلنا چھوڑ دیا
وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اور صبر ہوا
بر وادوں نے جلنا چھوڑ دیا شمع نے کھلنا چھوڑ دیا

زندگی کا صحیح نصیب عین ایک ظالم شرع کے زبان سے سنئے
مرست ہوئی ہنس لیے دو گھڑی مصیبت بڑی روکے چپ ہوئے
اسی طور سے کٹ گیا روزیت سلا یا شب گورنے سو رہے

ذیل کے دو شعروں میں آخری شعر اس پایہ کو کہنے والے کی بخت
کو کافی ہے۔

کھٹنا جاتا ہو میری نظروں میں میرا مقدور
بڑھتا جاتا ہو شمار ان کے خریداروں کا
فطرت اٹھی جو شفاعت کو ملائک میں غیوش
خسرو جو عشق و محبت کے گنہگاروں کا

مختلف اشعار جو موازنہ کے قابل تھے ملاحظہ ہوں
مقام شوق میں ایدل ہو گیا ہر فکر نظر بان ہے عرض دھا کیلئے
یہ پروانہ جو سیدہ باز کیا ہے بھانا اس کا کلام جو ذوق نظر میں جل کے پڑا
یار بلیا کوئی تیرا نہ عطا کر میں اسی گز سے کہ قصہ بھی لکھا نہ ہو
اے شوق دہی ہے پی اسے ہوش نہ رہا سو جا
وہاں نظر اس دم اک برقی تجسلی ہے
تیرا نہ رہا اس قدر اس قدر ہوا مجھ میں کچھ قطر ہے میں ہر تیرا

منظر علی محمد علی تاجر عطر گفتگو کی تیار کردہ شیا و خالص عمدہ اور بکفایت ہوتی ہیں

کے دل و زبان ایک ہی ہیں شعرِ ملاحظہ ہو۔ ۵

کمزور ہی مری صحت بھی کمزور مری بیماری بھی

اچھا جو رہا کچھ کرنے سکا بیمار ہوا تو مر نہ سکا

باتوں ہی باتوں مضمون طویل ہو گیا۔ اس لیے اکبر کے اخصین چند

شعرون پر اکتفا کی جاتی ہے۔ سخن فہم کلیات اکبر میں مجھے زیادہ

انتخاب کر سکتے ہیں۔ اگر زمانہ نے فرصت دی دل و دماغ اپنا

رہا تو انشاء اللہ "کلام شاد" کی خوبیوں دکھا کر ثابت کر دے گا کہ

کلام شاد کے محاسن ایسے نہیں ہیں کہ ایک بدمذق انسان
تو ان کے ذہن پر کھانا پڑا اور اس نے ان کو اقل سے کم

عظیم یافتہ ہو کر لطفِ عن کا اظہار اپنی زبانِ یاسم سے کرے۔

بہر حال اگر کراخ نقاب پوش ہے۔ اسکی وہی حضرت نقاب کشائی

کر سکتے ہیں جن کے ہاتھوں کی رسائی وہاں تک ہو۔ زبان اردو

برائے کبر کے جو غیر معمولی احسانات ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ دوسرا حسن

اپنا پہلہ اُسکے مقابلہ میں گران کرے۔

اکبر دنیا کے شاعروں کے سامنے اپنی مخصوص شان ایک خاص

انداز سے یوں دکھا کر چپ ہو جاتے ہیں ۵

زور رندی ہو نصیب بیلان ستاعی کی صرف قوت ہی ہے

مفت

دار جلدی

بھی ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

نتیجہ این دونوں مضمونوں کا ایک ہی صرف الفاظ و عبارت میں

فرق ہے۔ ہم بیان پر خباب افضل احمد صاحب کا بھی مضمون

درج کیے دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو لطف کامل حاصل ہو۔ وصل بگرامی

مرقع مرقمہ بالا مضمون ہمارے جموں بھائی جناب

بلکہ اسی نے نہ درگم اور غلتہ رس جمعیت کا بیج پڑا۔

شاه و غلام و امیر و افسر و راجا و صاحب مقام و راجا

۱۰۴

اکبر الہ آبادی و شاد عظیم آبادی

”گلار کے اپریل نمبر میں ایک تنقیدی مضمون انگریز و شاد کی

خصوصیات شاعری پر شائع ہوا ہی مضمون نگار نے دونوں

استادوں کے اشعار بالمتعابدیج کر کے موازنہ کا حق ادا کرنا چاہا،

مکون ہی سے جیسا کہ قابل معافہ کار کا خیال تھا، ہم بلا حیرت و

حضرت انگیز ہو کہ :- سد شاہ ولی الرحمن صاحب کی ایک کوشش

قابل ستائش ضرور ہو کہ آپ نے دو مختلف رنگ کے کینوں والی

مین مولانہ کی زحمت گوار فرمائی۔ شاہ صاحب نے اکبر و شاد کی

و جنہو نے مجھ سے تاج عطر لے کر : سہاواق : میرے چہرے کا رخا :

شاعری برضمنہ بحث فرماتے ہوئے دولہن کے افسانہ ذاتی کو

نایاب کیا ہے۔ اسکے بعد چند وفات قائم کر کے اگر دشا کی بالائے

کیفیات کا مجمل خاکہ کھینچا ہے۔

قبل اسکے کہ میں شاہ صاحب کے مجتہد کے متعلق کچھ عرض کروں

دونوں کی شاعری پر چند سطور اپنے نقطہ نظر سے پیش کرتا ہوں

حضرت ابراہیمؑ کی ساری ہی ابد اعزیز کوئی سے بچی ہی سمی لکھ دیتے

وفات کے سذرہ بیس سال، قتل مرحوم نے غلوئی بالکل ترک

لکھ دی تھی مگر حدکمال کو پہنچا کر اسے دو شاعر کیلئے غزل گوئی یہ لہجہ

ہو اگر وہ ادا صنف سخن میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکو

۱۸۳۹ء کے مذاقہ نامہ کی کراچی کاپی

کیا مغلی محمد علی تاج عمر لکھنؤ سے واقف ہیں؟ جسکا کارخانہ ۱۸۳۹ء سے دُور افزون ترقی کے ساتھ جاری ہے۔

حسب پہلے غزل ہی میں مہارت نامہ ہم پہنچائی ہو چنانچہ حضرت اکبر جوم اسکی بہترین مثال ہیں سرچشم نے جب تک تغزل کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا لیا وہ دوسری طوط قدم اٹھانے کی جرات نہیں فرمائی جیسا ثبوت مرحوم کے دواوین سے بخوبی مل سکتا ہے حضرت شاد مدظلہ کی عمر اسوقت نوے برس سے بھی تجاوز نہ ہو

حسب بیان تذکرہ شاعر المند آدب کی شاعری عنفوان شباب ہی سے شروع ہو گئی۔ اس حساب سے صاحب کی مشق سخن کا زمانہ ستر سال سے زیادہ ہوتا ہو۔ حضرت شاد کی شاعری برجن خیالات کا اظہار شاہ صاحب نے فرمایا جو ہم اُنکے ماننے کے تیار ہیں۔ مگر موازنہ میں شاہ صاحب کا حسن فن حضرت شاد کے متعلق بہت کچھ پردہ پوش حقیقت ہو اہلکی وجہ سے حضرت اکبر نے انصافی یا تنگ نظری کے شکار ہوئے۔

اب میں شاہ صاحب سے چند جگہوں پر ان کی رائے سے اختلاف کر نیکی جرات کرتا ہوں امید ہو کہ وہ مجھے ایک نادیہ نیا زند خیال فرمائیں گے۔

شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت اکبر محض اپنے ظرفاء رنگ سے دو اکبر ہیں ایک قادر الکلام ہم گبر شاعر کی شان میں سرسرا گئی ہو شاہ صاحب کو معلوم ہو نا چاہئے کہ حضرت اکبر کی جولا نگاہ تہذیب خیال کے حد خیال سے کوسوں دور ہو اگر شاہ صاحب کو حضرت شاد سے حسن فن تھا تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ انصاف کا کلان چھری سے کاٹا جائے۔

آگے چل کر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "بادجو و خصوصیات مشترکہ کے دونوں کی راہیں جدا گانہ ہیں حضرت اکبر کی جولا نگاہ ظرافت آمیز کلام ہو۔۔۔۔۔ حضرت شاد کا رنگ تغزل عجیب و غریب ہو" بطور بالا کا صاف مطلب ہو کہ شاہ صاحب حضرت اکبر محض

ظرافت وغیرہ میں بجا یخن تسلیم کرتے ہیں اور حضرت شاد کے تو اسقدر رواج ہیں کہ جناب اشب خامہ سر زمین ہند سے گزر کر کھا پاک شیراز تک پہنچا چنانچہ حضرت شاد کے مجازی طرز کلام میں آپ کے نزدیک ایک دنیا سے حقیقت مغیر ہو۔ اس شخصیت میں وہ خواجہ شیراز سے مناسب رکھتے ہیں۔ آفرین باد برین ہمت مردانہ تو۔

یہ ہیں وہ اعتقادات جنکو شاہ صاحب نے موازنہ میں بھی جابجا نام لایا کیا ہو۔ ہمارے خیال میں ایسے عقیدہ مند کیلئے تو موازنہ کی ضرورت نہ تھی۔ موازنہ سے اس طرح سرائی کو تقویت پہنچا نا خوب نہ تھا کیا ایسے کہ یہ دیک کے بارہ میں ہمارا یہ خیال بجا ہو کہ اس نے موازنہ میں کیفیت قلبی سے مجبور ہو کر انتخاب کلام میں اپنے اعتقادات محکم کو ملحوظ رکھا ہو۔ تعجب ہو کہ چند جگہوں پر کہنا کہ جناب اکبر کی روح کی خوشنودی مد نظر رکھی گئی ہو

اب میں شاہ صاحب کے انتخاب موازنہ پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوں جس سے ناظرین اندازہ کر لیں گے کہ کہاں تک انصافیت سے چشم پوشی کی گئی ہو

اکبر
جواب آسا اٹھایا موج ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہ میں موج فنا نے ہمسفر اپنا

شاد
موج فنا نشانہ دے نام و نشان وجود کا
دیکھ جواب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

دونوں شعروں میں یہ اخلاقی حقیقت بیان کی گئی ہو کہ زندگی کا انجام موت ہو۔ خود خود مٹی کا نتیجہ فنا ہو۔ اکبر کا شعر محض اظہار حقیقت ہو بخلاف شاد کے شعر میں بیان واقعہ کے ساتھ عبرت پزیری و سبق آموزی کا پہلو موجود ہو اور طرز ادا نے اس شعر کو اور بجا کرنا عقیدہ مندی ملاحظہ ہو حضرت اکبر کا شعر بجا ہی خود اسقدر مکمل ہے

عطر خنا جو صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف

میں سست ہو۔ پہلے مصرع میں "یون زائد ہو" دوسرے مصرع میں پھر "کے بعد" بھی، کا لفظ خوش کر رہا۔

اگرچہ تکلیف نزع میں ہو سکون خاطر بھی کم نہیں ہو
اکبر کسی سے ملنے کی ہن امیدیں کسے چھٹکا تم نہیں ہو

آخر ہر عرصہ میں دل بھی ہو جان بھی
شاد مردانہ باش ختم ہو یا امتحان بھی

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اکبر کے شعر کا مفہوم یہ ہو کہ مشغولیت کے وصال کی امید ہو اور نال دنیا سے مفارقت کا بیخ مطلق نہیں شاہ صاحب کے شعر کا مفہوم بہت بلیغ اور ارفع ہو وہ کہتے ہیں کہ عالم وجود میں آنا مشغولیت سے دور ہونا تھا زندگی کی تمام تکالیف و مصائب بغیر امتحان عشق و محبت کے تھے، اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ظاہر ہو کہ شاد کے شعر میں جو حقیقت و اسرار، اسالیب بلاغت اور جوش بیان موجود ہو۔ اکبر کے شعر میں نہیں۔ پر ان لمہی پر نہ مردانہ ہی پرانند

حضرت اکبر کا شعر چند وجہ سے حضرت شاد کے شعر سے اعلیٰ ہو
(۱) حضرت اکبر کا شعر صنعت تضاد کی بہترین مثال ہو تکلیف سکون۔ ملنا۔ چھٹکا کے اجتماع سے جو لطف پیدا ہو گیا ہو اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں

(۲) بقول شاہ صاحب حضرت شاد اگرچہ اس وجود دنیاوی کو ایک امتحان محبت سمجھتے اور مشوق حقیقی کے قرب کا ذریعہ خیال کرتے ہیں تاہم آخری وقت میں دل و جان کی بے چینی سے گھبرا کر "مردانہ باش" پکار اٹھتے ہیں برخلاف اسکے حضرت اکبر شاد حقیقی کے خیال میں اس قدر ہون کی تکلیف نزع کی احساس نہیں ہوتا اور کیون خاطر میں کمی نہیں ہوتی اور کیون ہو فنا فی العشق کی آخری منزل بھی ہو

زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں تاہم کچھ عرض کر دینا چاہی سے خالی ہوگا
(۱) جناب کے ساتھ ہر ہستی کی مناسبت نہایت موزون ہو
جناب شاد خدا کا التزام نہیں فرمایا۔

(۲) حضرت اکبر کے دوسرے مصرع اور جناب شاد مدظلہ کے پہلے مصرع کا معنوں بالکل متحد ہو۔ مگر لطف و پاکیزگی میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔ موج فنا کا ہمسفر ہونا بجا ز بلیغ ہو جس میں بے ساختگی کا پہلو غالب ہو۔ برخلاف اسکے جناب شاد محض اس خطہ کا ظہار فرما رہے ہیں جو جناب کو موج فنا سے پیش آنیو والا ہو۔

(۳) حضرت اکبر کے شعر کی معنویت بدرجہا بڑھی ہوئی ہو حضرت اکبر کا شعر علمی کم بہترین نمونہ ہو اور جناب شاد کا شعر ایک شالی تھا ہے جس کی وجہ سے شعر میں تکلف پیدا ہو گیا ہو اور طرزِ آزاد کی خوبی جاتی رہی۔

بروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چسکی
اکبر تاثیر حسن و عشق ہو جو بی تھی جو چسکی

شاد بروانہ کی بیت جب یون آگ میں جلے ہو
گو سخت ہو ظاہر میں پھر شمع کھلتی ہو

شاہ صاحب حضرت اکبر کے شعر کو بے نیاز تعریف قرار دیتے ہوئے حضرت شاد کی بلاغت کے مداح ہیں کہ وہ معنوں و آفرینی میں جناب اکبر سے کم نہیں رہے۔ سبحان اللہ

حضرت اکبر نے جس اختصار و لطیف سے کام لیا ہو اسکی تصویر الفاظ سے کھینچنا ناممکن ہو۔ شعر کیا ہو حسن و عشق کا ایک عظیم الشان مرثعہ ہو۔ جتنا ہی سوچے اتنا ہی لطف و دہلا ہوگا سلاست الفاظ و جبرِ شمع کے ساتھ محبت کی داستان کو ایک شعر میں اس طرح ادا کرنا گویا دریا کو زہ میں بند کرنا ہو
حضرت شاد کے شعر کی بندش حضرت اکبر کے شعر کے مقابلہ

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کا خاندان انتظام ایٹک سن متبرکی زیر نگرانی ہو جو ۶ سال سے کام کر رہا ہے

(۱) حضرت اکبر کا شعر استاد لالی خان لے ہوئے ہو مرحوم نے تخلیق نزع کی بے حدی و دیکن خاطر کی مکمل توجیہ دوسرے مصرع میں پیش کر دی ہے حضرت شاہ مظاہر کا شعر الفاظ کا بے ربط مجموعہ ہے "یہ امتحان کو امتحان محبت پہ چھل کر نا شاہ صاحب ہی کا کام تھا مدعی سست گواہ چیت -

اکبر آنے دو مصیبت کو دریا خانہ دل پر جو بندہ ہو غفلت میں وہ جوت میں کھلیگا

شاد جو دیکھے غور سے سارا بھرم کھلتا ہو دنیا کا مصیبت آدمی کو صاحب ادراک کرتی ہو

در انگریزی کا ایک فلسفیانہ مقولہ ہے "ادب بہترین دستہ تربیت ہو" اسی معنوم کو دونوں نے نظم کیا ہو شاہ کے شعر کو قطعی ترجیح ہو اگنا دوسرا مصرع تو مقولہ مذکور کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتا ہو "ناظرین انصاف فرمائیں کیا شاہ صاحب کی ترجیح بلا مرجع نہیں ہو اکبر کا شعر کئی حیثیتوں سے بڑھا ہوا ہو

لفظی اعتبار سے حضرت اکبر کا شعر بے نظیر ہو۔ خانہ - بند ہو نا کھلنا غفلت - جوت ان رعایات لفظی کے ساتھ معنویت پر قابو رکھنا اکبر ہی سے قادر الکلام استاد کا کام تھا۔ اسکے مقابلہ میں شاہ صاحب نے ایک ایسے شعر کو پیش کیا ہو جسکے دونوں مصرعے آپس میں ترمیم بھی نہیں (۲) اکبر کے شعر کا تصور بھی نرالا آئے ہوئے نہ جرد و خولیت کا سہلو بنایا ہو "خدا نے مصرع میں جان ڈال دی ہے -

حضرت شاہ نے دوسرے مصرع میں تفسیر کے زیادہ طوطا رکھا اسلئے لطف جا تا رہا حضرت اکبر نے اس امر کو کیا یہ سے ادا کیا ہو آئینی چھکو نظر قدرت صاحب کی جھلک اکبر سامنے کچھ نہ رکھ آئینہ فطرت کے سوا شاد صانع کو دیکھنا ہو تو عالم پہ نظر کر

آئینہ آئینہ ہو خود آئینہ ساز کا

شاہ صاحب کا خیال ہو کرتا دے کے شعر کو اکبر کے شعر پر فوقیت ہو خصوصاً مصرعہ ثانی کا زور بیان طرز ادا و حسن بندش قابل داد ہو؛ حسب معمول شاہ صاحب بیان ترجیح بلا مرجع دینے سے باز نہ آئے شاہ صاحب کو معلوم نہیں کہ جسے وہ زور بیان و حسن بندش سمجھتے ہیں فی الحقیقت متاخر لفظی اور

اکبر دل ہو طول قدرت و قامت دوسرے یار میں بھلا میں جا میں سر دو گل آگ کے بار میں میں اور اسیر لالہ و گل ہجر یار میں شاد کیسی ہمار آگ لگا دو ہمار میں

شاہ کے شعر کا طرز ادا و اشغالی زبان، جیتی بندش سے ساختگی اور توجہ محلج بیان نہیں اکبر کا شعر اسکے مقابلہ سمجھتے ہو تو بیت لفظی طے ہو چکی ہو؛ چہ خوش حجاج بیان نہیں لکھکر خزن تقدیر سے سبکدوش ہو گئے و اکبر کا شعر اسکے مقابلہ میں بہت سست ہو کیونکہ نہیں بتائے لفظی حمایت سے اسلئے بھی مزہ کر دیا اچھا معلوم ہو کرتا شاہ صاحب رعایت لفظی کے بارہ میں آنکھ بند کر کے کفر کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں خواہ اس سے جسے یا نہیں چاشنی ہو کیونکہ چھٹا اکبر دل بتائے کیا کیا دکھائے ہیں مجھے عالم یہ پرزہ بھی قیامت ہو خدا کے کارخانے میں

شاد سرکار دل کی ہوش ربائے زمانہ ہو وسعت تو کچھ نہیں مگر اک کارخانہ ہو

اکبر کا شعر صاف ہو شاہ دل کی کیفیت سے متعلق فرماتے ہیں کہ دیکھنے میں دل تو ایک مختصر غنہ گوشت ہو مگر اسکے اندر ایک سیل کا طاق قدرت نظر آتا ہو۔ و جدیت کا جلوہ کما حد ہوا اس شعر کے طرز ادا و جوش بیان کو اکبر کا شعر نہیں پہنچتا افسوس ہی محاسن کے طاف سے بھی شاہ کا شعر کہیں مرجع ہو شاہ صاحب نے حضرت شاہ کے شعر کو ترجیح تو دیدی مگر کوئی مستقل تفسیر نہ کر سکے۔ حضرت اکبر کا شعر خباب شاہ کے شعر سے کہیں اچھا ہے

خان کا رخا نہ صغر علی محمد علی ماجر عطر لکھنؤ کا تیار کردہ رہتا گو سیاہ اندہ وار طلب فرمائیے

دل بیتاب کی لکھا دکھائے ہیں مجھے عالم
اکبر یہ پڑ بھی قیامت ہو خدا کے کارخانے میں
سرکار دل کی ہوش ڈباے زمانہ ہے
شاد وسعت تو کچھ نہیں مگر اک کا خانہ ہے

”اکبر شہوان ہو شاد دل کی کیفیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ دیکھنے میں بل تو ایک
مختصر غزل گزشتہ ہی گراؤ کے اندر ایک سیر کا خاصہ قدرت نظر آتا ہے جو کہ
تجلیات جنابت کا جلوہ گاہ ہے اس شعر کے زادا اور جوش بیاں لکرا
شعر میں پہنچا اور خودی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہیں مرج ہی شاہ
صاحب حضرت شاد کے شعر کو ترجیح تو دی ہے مگر کوئی معقول تفسیر کرے
حضرت اکبر کا شعر جناب شاد کے شعر سے کہیں اچھا ہے
اکبر نے پہلے مصرع میں لفظ ”عالم“ سے جو صفت ایہام کی لطف پیکر دی ہے
محتاج بیان نہیں برضات اسکے شاد کا مصرع اول بیت کو دیکھیں یہ بھی
شعبہ ہوش پر امن شادی کیفیت ہے جو اکبر نے پہنچائی ہے اسے سالو لکرا
حضرت شاد نے دو مصرع ایک کا غناء لکھا وسعت کو محدود کر دیا ہے لیکن جھپکے
نے دل بیتاب کی مناسبت قیامت کا لفظ آنا خوب تعجب کیا جو جسکی شہر کی
وسعت کا اندازہ مشکل ہے

کہتے ہیں فطرت جسے یہ بے نقاب روئے دوست
اکبر شہسبزی پر دہ میں پہنان آفتاب سے دوست
جو آنکھیں ہوں تو چشم غور سے اور ان میں کچھ
شاد کسی کے حسن کی شہین لکھیں ہیں ان سالو میں

اکبر کہتے ہیں کہ بظاہر ہر دستہ کے برہمن شاہ جی کا حال سنو جو اسی سلسلہ کو شاد
دلاؤ یہ انداز میں بیان کرتے ہیں کہ او راں لک کے جڑا فطرت جن بہر جن کی چٹین
مقام میں پھر لکھو سوال قرار دینا معنی خیر جو اولہ لکھیں میں جنہی بلاغت تو کہو
شاد کا شعر اکبر کے شعر سے بہر حال بہتر ہے شاہ صاحب کہتے ہیں کہ پھر لکھو
رسالہ قرار دینا کتنا معنی خیر ہے حالانکہ شاہ صاحب کا اخلاقی کا یہ بیان نہ تو کہو

برگ درختان بنو در نظر ہزار ہر وقتے دفتر بیت معرفت کے دکار
فرماتے ہیں کہ دلاؤ یہ انداز بیان گیا اکبر کا مطلب مقدر غزل و حقیقت کا پہلو
ہوئے جو جسکی تعریف نہیں ہوکتی ہفت شائے سخن ادا کی گل ہی تکتے جتنی
کی شرح محو و دردی جو مگر اکبر کی وسعت نظر ملاحظہ فرمائے کہ وہ خاصہ عظمت
کو حسن ان کی بلو گاہ سمجھتے ہیں سچ پوچھئے تو اکبر کے وحدت شہر کے متعلق
مسئلہ حسن لطیف پیر میں بیان کیا ہے کچھ ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو خود سیم
سے متعجب ہیں شاہ جی کا حسن ادا کی گل ہی میں ہیں وہ تو نظر کشا و

ذراہ میں تابان ہے

ہمارا آئی ہر اک ائینہ حسن نشان ہو کر
اکبر چمن میں لکھ لکھ پھلی جو تری دستان ہو کر

شاد ہمک اٹھا چمن دہر کا بیتاب
راز چھپے نہیں دیتی تری خوشبو تیرا

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شاد کا ذوق نظر نہایت وسیع ہے وہ کا ناگہانہ
ذہن مشتوق کی جلوہ نمائی کا شاد دیکھ سکتے ہیں اکبر نے کو صرف ہم ہر اک
محو و درو یا چمن میں حلیم شاہ صاحب کے اکبر کو شاد کے کہتے ہیں کہ لکھ لکھ لکھ
سے تو یہ گزشتہ شعر میں ہوتا اور اگر توری دیر کیلئے ہم بھی تسلیم کر لیں تو ہر شعر کا
پہلا مصرع بھی مسکھلا کر رہا ہے بل زبان پر پوشیدہ نہیں کہ ہمک شاد سے
آتم ناری یاد ادا کی کیفیت میں مراد لی جا سکتی اکبر کا شعر نہایت خوش سلوٹ
بلج و اس کے مقابلین شاد کا شعر نہایت پیکار شاد کے دوسرے مصرع میں
تعب و لطفی نے تو غضب ہی کر دیا۔

یہ ادا میں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
اکبر میں تو کیا ضبط فرشتوں نے بھی دلاؤ

شاد ہا سے جادو بھری آنکھیں وہ کہ فرشتوں میں
وہ بڑا مومن تھا قائم حسن کا ایمان رہ گیا

میرے خیال میں شاد کا شعر زیادہ مستانہ ہے دوسرے مصرع میں

موسم گرما میں روح حسن صحر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا استعمال کیے

لفظ توہین کننا، یعنی واقع ہوا اور قصداً کافر کے مقابلہ میں حقیقت میں
شاہ صاحب نے بیان اپنی خوش اتفاق دہی سے زیادہ کام لیا ہے اور لکھنا شریعت
اعلیٰ دارنہ ہو۔ اگر کہ شریعت محاکاتہ جحدہ کل ہر شاد کے ان میں
حضرت اکبرؑ پہلے ہی معراج میں شوق کی کیفیتوں کا نقشہ کھینچا ہے
اور شاہ صاحب صرف آگے نہ ہونے کے بیان تک رہے
حضرت اکبرؑ شاعرانہ حسن کا کامل ترین ترانہ ہے صوم فرشتوں بھی
ضبط نہ ہو ناحیہ شوق کا انتہائی معرفت ہر شاہ صاحب کی نگاہ و ذرا نظر
میں نہ نکلیں۔

انبار حضرت بخود عالم جا رہا

اکبر غم ہوا اتنا کہ اب احساس غم نہ تھا

آخر خوشی سے مصیبت ۴۱ رہی سنگین ہوئی ہے

شاد تیرا پیدل تیرے سے زرا نسکین ہوئی ہے

شاہ صاحب! جو لکھنے کا فن کہ دونوں عروج و خفقان کا ہے

لیکن حیرت ہو کہ پھر بھی موازنہ کی آنکھ میں نہیں گئے۔

بہاویہ بقایہ ناز کیسا اور خوشی کیسی

اکبر بجا ہے حیرت ترکس کہ گل کی مہر کیسی

مان نہ نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ترہہ رنگ و لکا

شاد ہنسو گے خواہیں جن میں غمخیزانہ زوہو کا

دونوں شعر خوب زبان کی بے ثباتی اور عبرت پر ہی کی یقین ہو لکھتے ہیں کہ

چھوٹی مہر کی کو بھکر کر گسرت لودہ ہو، شاد کہتے ہیں گلشن عالم

کی غنیمت کسی کو اس میں نہیں آتی ابھی کشنی کی وجہ سے غمخیزانہ رنگ

پر صرت ہے گریب مزبور ہو گئے تو محسوس کرتے نہ نشو و نما کا کوئی حاصل

نہیں لندہ خود بہار و باغ کے وجود پر ہنسے شاد کے نہ لکھ کر گسرت

پر توفیق تو مصروف ملوان کا ایک جگہ ملافت کے پہلوئے شمع میں نہ تھا

دوسرے کشاہ صاحب نے شاد کے شعر کا مطلب خود سقد صبا کو لیا ہے کہ کسی

بھی سہمی غمخیزانہ جاتی ہے شاد پریشان خواہیں اکثر تیرا شاد

فشانہ ہی کہ ابھی کسی کی وجہ سے غمخیزانہ رنگ دلوں پر سر ہو نہیں سکتا
شعر کے کس کو پسند آیا گیا ہے ان اگر اس کا تعلق بطریق شاعرانہ و مہر کیسی
اس میں نہ ہنسے اس میں نہ ہنسے اس کا مطلب یہ کہ ان کا محاورہ ہر حال
میں حضرت شاد کے شعر کا مطلب نہ تھا ہے کہ اس میں نہ نشو و نما کا کوئی حاصل
نہیں ہے اس لیے جب غمخیزانہ ہو گا نہ آئینہ کا تو وہ خود ہی غفلت پر نہیں لگے گا
مطلب شعر کے الفاظ سے ابھی طرح حاصل نہیں ہوتا اگر شعر لین ہوتا تو ہر شاہ
بیان نہ نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ترہہ ہو رنگ و لکا
ہنسو گے غفلت اپنی غمخیزانہ آئے زرا غم کا

شعر سابق کے دو سر مصرعوں میں جن کا لکھنا بالکل غلطی تھا پہلے مصرعہ غلط

بیان بذات خود کامل تھا لیکن شاہ صاحب ہی کے انصاف پر چھوڑا ہون کہ

ان دونوں شعروں میں کون سا شعر بہتر ہو۔

یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا

اکبر میں نہ سمجھا کہ جینا مرے کس کام آیا

اب بھی مگر عمر پہ چلنے کا نہ انداز آیا

شاد زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

اکبر زندگی کی پیچھا جی بیان کرتا ہے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ شاد کا بیان

اور کہ میں نہیں تھا کہ شاد غمخیزانہ میں کہہ سکتا ہوں کہ لکھنے کا طویل کرنا ہے

بھی یہی دلیل حیات کی مکمل ہوئی نہ زندگی کو مفید سلوٹ میں صرف لکھنا سلیقہ آیا

اگر شاعر اکبر کے شعر کو کوئی نسبت نہیں

ہے عادت طبعی یعنی شاد کا شاہ صاحب کو چند جملہ ہوا میں اس شعر کا لکھ

شعر کو کوئی نسبت نہیں شاد کا شعر حال بہتر ہے یعنی جو لکھنا شاعرانہ

کسی حد تک کم نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ جب موت کی آواز آئی تو اس کی گنجائش

نہیں تھی غفلت کا احساس ہوا اور وہ بیباک ہو کر اپنے ہر عین میں لکھ کر

جینا مرے کس کام آیا پھر ایک طویل شعر لکھ کر کہہ دیا کہ زندگی کی شکایت

کوئی نہیں اس سے ناہ انکھ میں ظاہر ہو کہ اکبر کا شعر بھی غفلت کا بہتر ہے

جسک پڑی عطر ایت کا استعمال شروع کریں کا خانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنوسے طلب فرمائیں

اکبر

اس وعدہ ظانی پر گرد غور کسی دن

ہر روز یہ کہہ دیتے ہوا اب کسی نے

بلی وہ وضرط سے بے طور ہو گئے

م تو شباب آئے ہی کچھ اذہ ہو گئے

شاو

شاہ صاحب کے مترق ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہو تا تھا
کے بغیر نہ کہے کہ شاہ کا شعر زیادہ بہتر ہی و تخیل ہےہمیں شک نہیں کہ شاہ کا شعر اکبر کے شعر سے خوب میں فائق ہو مگر شوق
نہاں کی صفائی میں کہیں کمتر ہو اب کسی نے کہا کہ یہاں تک حقیقت ہے

فتہ گاہے جاے بیچ ناامیدی

اکبر دلو ابھی شکایت باقی ہو جوش خون کی

شاو

یوں ہی رورہ کے تو ناامیدی دیکھ چھٹے جا

یہی ہمیشہ خوش عمر کو چالاک کر تی ہے

بزرگوں نے کہا ہو نادان دشمن نادان دوست کے بہتر ہوتا ہو شاہ جہاں شاہ

معتمد تو ہیں مگر یہی طرح وہ چشم وحدت میں حضرت شاہ کے شعر کا فہم

خوب نہیں سمجھتے شاہ صاحب کا شعر کہ شعر کی توجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ناامیدی کی چھٹی دلی کیلئے نہایت سیدھا ہے کہ اس کی بھی نہ توں عزت تر کا

ہو جاتا ہے اگر شاہ کے شعر کا یہی مطلب ہے کہ اکبر کا شعر بد جا رہا ہو

اصل یہ کہ خوش عمر کی چالاک سے اس کی ترنگامی ماورائیں ہو اس لیے کہ

عمر کی رفتار گھوڑی طرح مختلف نہیں ہوتی کہ کبھی قدم چلے کبھی وہ فرنگ

کی چالاک کا مفہم مہر افراز کے تخلص جو شاہ صاحب کے بیان میں بخدا اگر نہیں

کہ کس کا شعر بہتر ہو

زعمہ ہوں مگر دلیت کی لذت نہیں باقی

اکبر ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہوشیار نہیں ہوں

بہری میں سنگین نہیں وہ جوش نہیں ہے

شاو اپ اپنے کو سمجھوں مجھے یہ ہوش نہیں ہے

شاہ صاحب تسلیم کرنے ہوئے کہ عاشق ہری و نونین تقریباً یکساں ہیں

تاہم شاہ کا معنوی ثانی نہایت جستہ و ساختہ پر ہوش براثر ہوں ہی تھا

ہر شعر جذبات سے لبریز ہے اگر کا شعر شاہ کے شعر سے کہیں اعلیٰ ہو

شاہ نے علم ہفت کو محض ہری تک محدود کر دیا اور اگر کا شعر عقیدت

آزادی و شاد کہتے ہیں کبھی یہ بھی نہیں کہنے کو سمجھوں اس کا کہنے

بھی ادا کیا جو گرینج طریقہ سے ہوش میں ہو کر شیار غریبا سمل منہ کی بہتر مثال

عجب فتنہ خرام نازک قاتل سے اٹھایو

اکبر سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اٹھایو

خرام نازک ٹپٹپٹ ہی گردن کا کتا ہے

شاو نہیں اٹھتا ہے نازک دیکھ دامن کا

شاہ صاحب اکبر کے شعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہ کا شعر کم مطلق نہیں

اگر کا شعر طبعی حاکمات میں کرتا ہو دو دراز صریح ایک شعر جو جس سے خرام ہوتا

کا نقشہ ہے ہی آپ انگوٹھوں کی طرح آہو شاہ کے شعر میں لفظی کے کو کچھ نہیں

مرازیہ ختم کر کے بعد شاہ صاحب حضرت شاہ کی بھر پور و لفظ میں مدح سرتی

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاہ کی نگاہ و دریں جن جذبات و خیالات عالیہ

کے نکات تک پہنچتی ہی اکبر کے تخیل کی رسائی وہاں تک نہیں میں بلا کہ

نویہ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ وطن کی شاعر نگہ عمل میں ملاحظہ کا لہجہ

حسن اعتقاد کی بوجھلکان لفظ میں نمایاں ہو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ

مرازیہ کر کہیں میں نے بعد اس کے کیا ہو مرزہ و مقابلہ و مقابلہ میں ہوا

شاہ صاحب نے ہی برکتا نہیں کی اس کے چکر دو نون سا تہ کی وہ دو طرح نہیں

و ج خرا کر اب بالخصوص اہل کر نہیں کہ وہ کہیں کہ اگر کو شاہ سے کیا نسبت ہو

شاہ صاحب نے ان دونوں طرح غزلوں میں عوارہ کی زحمت نہیں کرنا لگی

اس لیے ہم بھی خاموش ہیں کہ ہاری کو شش م افغانہ ہو اور قدم شاہ جہاں کی

حصہ میں آئے تاہم یہ لکھنا کسی سے عالی ہو گا کہ انھوں نے دونوں غزلوں کی

غزلوں کی ہی چاہی تھی یہ دونوں غزلوں کی اصل محافین شاہ کی ہیں

(افغان)

اگر اکبر کو عطر خدا کا رہے تو صرف صغریٰ علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

۳۶

محبت کے پونج

از جناب تجو کھسنوی

(۱۰)

جولائی ۲۶ ۱۹۰۶ء

وہابیوں والا کچھ عرصہ کے لئے جیل ہو گیا تھا۔

روشن راتوں کی ہماریں اپنی کیفیات دکھا دکھا کر اس کے پر شباب جذبات میں ناقابل ضبط ملامت پیدا کر دیتی تھیں، اسی حالت میں طراب میں تالاب کے کنارے آئے، انہما اور گھروالوں نے شخصی طور پر کچھ اچھوٹے لغنوں سے تسلی حاصل کر رہی تھی۔

وہ گھنٹوں اس لچسپ خیال میں خاموش رہتی کہ ٹھیک کتنی گئے! اسی تالاب کے کنارے پریم ناٹھ اچانک کی نرم اور ٹھنڈی روشنی میں، اپنی میٹھی مٹی باتوں سے اس کے پاک موصو مانہ حسیات شایب جذبہ بات محبت کو گدگد کر دیا، گدگد کر لطف دیا کیف لبہ جبین میں مبتلا کر دیا تھا۔

کردنا پریم ناٹھ کی زوجہ تھی، اور ہندو دھرم کے موافق اس کی نکاح میں وہ تمام صفات، بدرجہ آخر موجود تھیں، جو عفت، مات، وفا، شعار ہوؤں میں شان، انضام، ایمان کی راہ میں، واقعہ تو یہ ہے، کہ کرنا جتھہ جزمین تھی، اس سے کچھ زیادہ شوہر پرست، پہلے مند و طاعت گزار، پیشہ کر دنا کی رخصتی کو ایک سال گزرا ہوگا، کہ پریم ناٹھ اس سے جدا کر لیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ پریم ناٹھ کے والد سرکاری فوج کے کنسٹرکٹر تھے، انھیں رسالے کے ساتھ پشاور جانا پڑا۔ مسن آدی، کاموں کی کثرت، قیامت یہ کہ صحت بھی جواب دے چکی تھی، ناچار سی وجہ انھوں نے پریم ناٹھ کو اپنا ناتھ بنانے کے لئے طلب کر لیا۔ وہ گیا، اور ایک نامعلوم مدت تک کے لئے گیا۔

کردنا اشرم دھاکا کی دہری کر دنا! اس کے سو کچھ نہ کر سکی کہ، اپنا کچھ مسوس کر رہ جائے۔ شوق پریم ناٹھ کی تنگ آؤش تلاش کرے، آنکھیں اس کی محبت پاش آنکھوں سے دوچار ہونا چاہیں، کان چڑھیں

خدا دے فرحت بخش باغ کے درمیں، خوب صورت درختوں سماعت کے سامنے درمیں تالاب کے کنارے، ہری جلال گردنا سرچھوٹ پیریشی ہوئی سطح آب کو حنائی انگلیوں سے ٹھوک کر رہی ہے، سرور کن نکاح میں نوی انہماک اور مستقل محبت کے ساتھ گرد و پیش کے مناظر سے غافل ہو کر صرف اور صرف تالاب کے ترنم پانی پر جچی ہوئی ہیں، لگی رہو گی کسی ایسے دلی خیال کی دلیل مشکل ہے، جو اس کے حواس غم سے پر یوں چھا گیا ہے، جیسے طلحہ پر سحاب برنگی!

اشجار زرد وین ساکت، آپ روان کا ترنم سامعہ تازہ مروتوں اور روشناسچہن پر خاموشی حکمت کر رہی ہے۔

اس سکوت طلق میں جینے بنگال کر دنا، اپنے بنسبت میں شے کل کے سیرت و طبع تحمل میں متفرق ہے۔ اس کے لیے نرم و سیاہ گیسو، شانوں بازوؤں پر کھڑے ہیں، امدان کے درمیان سے چہرہ نکلیں، عینہ اس طرح نمایاں ہے، جیسے ابریاہ سے بدر کا دل!

وہ ناظرہ عظیم الشان، مہتاب کی نور پاشیوں سے چمکٹے دلی خاموش منظر کا نظارہ کر رہی ہے۔ اور چاند اس کے نظر فریب تاشہ میں الینا سمجھ کر سطح فلک پر ایک جگہ نقش کی طرح جم کر رہ گیا ہے شاید اس صحت حسن کے نمونہ کو ناٹھ نے اس کی دکھش جذب کر لی ہے جس کے بل پر وہ گردش محوری کا قصر جلوہ افروز، پیش نگاہ کرنا رہتا تھا کر دنا حقیقت میں سین تھی، ایسی سین، کہ دنیا کی تاریخ حسن کے حسین اوراق، اس لطافت و خوبی کی کوئی مثال نہیں دے سکتے۔ وہ خصوصیات انسانی کا مکمل مرقع تھی، اس کے بلوری سینے میں حسیات شباب کی سرور بخش و دنیا بختی لہر میں لٹا کرتی تھیں، کیوں کہ لٹکا

عطر حنا جو اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

ملادیا! دیکھو، چاند کی سپین کر مین مسکرا، مسکرا کر ضررہ وصال سنانے
میں کس درجہ جری ہیں! معلوم ہوتا ہے، ارضین ہم سے ہمدردی ہو یا
پورے چھ ماہ ہماری بے قرار یوں کے مطالعہ نے ان کے دل میں درد
پیدا کر دیا ہے، اور اب ہماری صورتوں پر انہما ستر تون کا غارہ دیکھ کر
قلبی طمانیت کا اظہار کر رہی ہیں مگر درست زمین جوم کر کر دنا! مجھے
شک ہوتا ہے! کیا دیکھتی نہیں! کچھ عین رات کا چاند کیسی الجھی لگتی نظر
سے، جھین گور رہا ہے! اُفت! کہیں نظر نہ لگ جائے! اساری کا
آنجل، چہرہ رنگین پر ڈال کر، تم مجھ چھٹیا لوبا! ہیں! یہ کر مین بھی ظالم
میری رفاقت پر آمادہ ہیں!! اور تمھاری مشک نام زلفوں، کہ ہوا کی
احد اسے پریشان کر رہی ہیں! اُٹھو اُٹھو! آؤ، اندر چل کے بیٹھیں
کون کہہ سکتا ہے، کہ ان جذبات محبت نے، پیکر حسن و لطافت،
محبہ وفا و عصمت کر دنا کے قلب پر کیا اثر کیا! وہ اپنے سینے کے اندر
دریائے مسرت، موج زن باقی تھی۔ اُس کی دونوں آنکھوں سے
آناؤ شکر گراوی عیان تھے۔ گویا ہر امانے دنیا کو اُس کے واسطے
جنت اصنی بنا دیا تھا! موجودہ سر زمین، اُس کے علم و تقین میں،
تمام گزشتہ شادمانیوں پر فوق رکھتی تھیں، کیون کہ وہ پریم ناتھ
کو شوہر جان کر، صرت محبت ہی نہیں کرتی تھی بلکہ اپنے مذہبی عقیدے
کی روت سے دیوتا سمجھ کر متاض برہمنوں کی طرح پرستش بھی کرتی تھی۔
اُس کے ایک ایک جلوے کو فردوس نکلا تصور کر کے، بابر دیکھنے
کی آرزو مند تھی۔ جدائی کے چند مہینوں میں کوئی ساعت ایسی
نہیں گزری، جس میں وہ پریم ناتھ کے خیال سے خالی رہی ہو! اُس
نے ایک ایک روز تین، ایک ایک گھڑی گن گن کر گزار لی
مگر اب! جب کہ پریم ناتھ اُس کے ہلو میں موجود ہے، اُس لم ناک
زندگی کا خیال نہ تھیں! گویا پریم ناتھ سے کبھی مفارقت ہی نہ
ہوئی تھی!! اُس کا حسین دل۔ شادمانیوں سے آشنا مہو رہا کہ

صوت سامعہ نواز کے مشتاق ہوں، جسے، فاصلہ بعید سے اُس تک
پہنچانے میں تیلیفون کے برقی آثر تا بھی غیر مفید ثابت ہوں، اور وہ انکا
سوزان کو سینے کے آتش غلے میں گھونٹ گھونٹ کر خاموش ہو جائے
تالاب کی تھنی تھنی، نازک لہریں، گردنا کی نگاہ کر اپنی جاؤ میت
میں جذب کر رہی تھیں، اور وہ عالم سکوت میں لُغۂ نور پر رہی تھی۔
چاندنی میں اُس کے حسنِ طلائے نے لہلہ کر، فضا کو گنگا جمنی رنگ میں
رنگ دیا تھا۔

یو ایک، بالکل مخفی طور پر کسی نے پُشت کی طرف سے آکر دونوں
ہاتھوں سے اُس کی شہنائے سیسگون، بند کر دیں، وہ فطرت انسانی کے
موجب اچھل پڑی دل دھڑکنے لگا، اور ہاتھ پاؤں میں خیف سی
لرزش محسوس ہوئی۔

آنکھیں بند کر لیا اُس کا خوف محسوس کرتے ہوئے نادم ہو گیا
اور دیر مکٹن غرقون کو جن سے انسون محبت نکل کر فضاؤں کو
متاثر کرتے رہتے ہیں، بند نہ کر سکا! ہاتھوں کو ہاتھ ہوئے محبت آمیز
لہجہ میں کہا۔

کر دنا! تم ڈر گئیں! میں تو سمجھتا تھا بچان لوگی

کو نہانے پریم ناتھ کو، بالکل غیر توقع، محض خلعت اُمید اپنے پہلو
میں مسکراتا ہوا پایا، اُس کی شادمانی کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے! تھوڑی
دیر کے لئے وہ اپنے آپ کو بھول گئی! گویا اس نے فرخاک خواب دیکھا!!
اسے ایک گھٹہ پہلے اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، کہ پریم ناتھ چاک
اپنے حسنِ مردانہ کی جوت سے، آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دے گا! عالم
استعجاب میں اُس کی زبان پر جاری ہو گیا۔

کون، کون، تم؟

پریم ناتھ۔ کر دنا کو آخوش شوق میں دبا کر، ان، میری محبت
شعار کر دنا! میں ہی ہوں! کیسی مبارک ہے یہ ساعت، جس نے جہنم

بھی نہ گزرا تھا کہ قصاصہ ہرم کی طرح اُس کے خسر کی دفعۃً وفات کا آثار پہنچا
تمام کاروبار اور معیشت کی آئندہ اور موجودہ امیدیں اور ہمتیں،
اُن کو سمجھانا اور قائم رکھنا ہرم نا تھ کے لئے ضروری تھا۔ باپ کا کرایہ
بھی وہ اجبات اور جملہ کاموں پر مقدم تھا، جس طرح خلافت امید آنا ہوا
تھا بالکل اسی طرح خلافت توقع جانا ہوا، چلتے وقت اُس نے کرد و نا کو
لگے لگا کر تسلی دی، اور بہت جلد کوئی انتظام کر کے اُس کو پشاور لے گئے
کا وعدہ کیا۔ وہ آئندہ سونڈوں آئندہ سونڈوں دی، لیکن اس طرح کڑی زندگی
پر مبنی محسوس نہ ہوا، بلکہ اُس کی قہری ساری مین، لگائی ہوئی شاک
جذبہ ہوتے نہیں، کیونکہ رخصت کرتے وقت رونابہ شگون کی کی دلیل
خیال کی جاتی ہے۔

ہرم نا تھ پشاور پہنچ گیا، باپ کے کاموں سے فارغ ہو کر کاروبار
کو صاف کیا، دفعۃً اُس پر بہت سی دتے داریاں عائد ہو گئی تھیں،
اس واسطہ اور اپنے فرائض کی ادائیگی مین کامل سات، وہ ایسا مشغول
رہا کہ خط و خطا، اپنی دل نواز بیوی کی یاد بھی نہ کر سکا۔

زمانہ سازگار تھا، اور مقسوم مادر بہکم خوب چھا، باپ کے زمانے
سے دس گئی بیس گئی آئندہ ہونے لگی، اور اُس کو بڑی عزت، پڑی کہ
اشاک رکھنے کو ذاتی کدوم اور رہنے کو گھر کا مکان تعمیر کرائے۔ پوپہ
تو مین کی طرح برس ہی رہا تھا۔ صحت اور اس کی دیر سنی اتھد کر تے ہی
فوراً کدوم اور مکان بن کر تیار ہو گیا۔

افراد دولت، عیاشی یا آزاد و خوشی کا پیش خیمہ ہے، سواری کو
موٹر کار اور دواخری دینے کو کثرت سے دوست احباب پیدا ہو گئے
اس صورت مین غریب زوجہ کی یاد مکان یا اور آئے بھی تو کو نہ کر آئے؟
صبح سے شام اور شام سے صبح تک حسن فروش نازنینوں کا جم گھٹ
شریک راحت، یا رونا کا ساتھ خوشامدیوں کی چاب لٹسیا تھیں
اور ہرم نا تھ۔

لفظ مین اُس کا اظہار نہ کر سکی۔ ہرم نا تھ کے جو کچھ کہا تھا اُس تو لیا،
لیکن جواب دینے کے بدلے، بڑی بڑی محرا قرین آنکھیں اٹھا کر اُس
کا چہرہ دیکھا اور خاموش رہ گئی۔ اتنے تر تیز گاہ مین جو شراب محبت مین
ڈوب کر کھلی تھیں ملیں آج کل سے چھٹی ہوئی ہرم نا تھ کے جبین خسار
پر جم گئیں۔

اُن نگاہوں مین سب کچھ تھا، محبت اور لگاؤ بھی محبت
و حیا بھی، وفا و قدرت بھی، شکر و امتنان بھی، ہرم نا تھ نے صرف دیکھا
ہی نہیں، اُن کا مفہم بھی سمجھا، اور مسخ ہو گیا، اُس وقت اُس سے
جو کچھ بھی توقع نہ رہا، وہ سب کچھ ارا لہی ستھا بلکہ غیر ارادی تھا،
(۲)

آہ کلفت زار دنیا کی نیرنگیان، سر دھریاں پناہ یہ خدا!
کم کو زیادہ، زیادہ کو کم، ہوائی کو اعلیٰ، اعلیٰ کو ادنیٰ، کو دنیا بھولی سا کر
شمر ہے، بقولے سے

زمانہ چاہتا ہے دن چھٹکا ہرم نا تھ کو بڑھا دیتا ہے ہوائی کو
زمین کا ایک ایک سڈوہ منتر نزل، عالم موجودات کی ادنیٰ ادنیٰ
جیز زوال پر رہے۔ فلک شکوہ پھاڑ کر زلزلوں کی جمعیت سے زمین بوس
ہو جاتے ہیں، دریائوں کا دہرے دہرے جزر سے بدل جاتا ہے۔ ہلال سے
بدل کامل اور بد کامل سے ہلال ہونا لازم ملازم ہے۔ پھر قلوب انسانی کا
تغیر حیرت انگیز کون ہے؟ گزرتے والے ایام اپنے ہاوس مین بہت وعدہ
کوتھ دنا شاک کی طرح ہائے جاتے ہیں۔ جو دل کچھ کسی کی محبت کا
مسکن ہے، اگلے اسی دل مین لینے کا جو دھبی لازما ت ہے، کیونکہ
محبت کو محو کر دینا بھی ایک دشمنی ہے اور خطناک دشمنی!

گردنا کے ایام تعیش بھی قائم نہ رکھ سکے! جو اوٹ زمانہ نے اپنا
دست تہم دراز کیا، اور ایک معمول سے چھٹکے مین اُس کی تمام سائنٹین
کو گھر دند اور کھینک دیا! ہمنور ہرم نا تھ کو اُس کے پاس ایک مہنت

تھی۔ آئینہ برسوں سے صورت دکھینے کو ترس گیا تھا، تالاب کا پانی اُس کے پیرازیمیت اور ان مخفی نغموں پر گردش برآواز تھا جو دیکھنے والوں میں رنگین دنازا نگلیوں سے اُسے چھیڑتے ہوئے لاپے جاتے تھے چاند رات رات بھر حسرت دیدار میں، مکان کی چھت پر کھڑا ہونے اُڑا رہتا کہ گردنا کی ایک جھلک نظر آجائے، لیکن اُس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی کیونکہ گردنا علوت نشین تھی اور غرق تحیل! البتہ کدے دل بہلانے کو یاد آئے گا کہ سوا کچھ نہ تھا!!

تمنائی میں پھر دن غور کرتی، اور اس تغافل کا سبب یافت کرنا چاہتی، مگر کوئی وجہ تسلی بخش سمجھ میں نہ آتی۔ شوہر کھلیفہ و سہیلین کرنا اُس کے مذہب میں گناہ عظیم تھا، اگر چاہندہ پر گرد پڑ سکتی ہے، اگر دیوتاؤں سے ناپاک عمل ہو سکتے ہیں، تو پریم ناتھ پر بھی بدظنی کرنے کا حق حاصل ہے۔ اُس کی معصوم طبیعت آخر الامر اس نکتہ پر جیتی، کہ کہ معلوم ہوتا ہے مجھ سے کوئی نادانستہ قصور سرزد ہوا ہے، جس کی سزا بھگوان نے اس صورت میں دی ہے۔

اس خیال کے ساتھ ہی، وہ جہاں اور جس حال میں ہوتی گھٹنے ٹیک اور ہاتھ جوڑ کر خشوع و خضوع حضور قلب سے عشق کی خواہش کرتی ہوتی آہ ادھ رخسار سے چہنیں گلاب سے تشبیہ دینا، سناخی ہے آؤں سے تترہ ہو جاتے، بابا صاحب ہلے لگتا اور غیب سے ایک آواز آتی کہ اسے وفائے مجسم صبر کر، صبر کر، صبر کر، تیرا سرتاج، تیرے تڑپتے ہوئے دل کو تسلی و تسکین دینے کے واسطے آئے والا ہے، ادھ آواز سنتی اور سجدہ شکر کے ساتھ کھڑی ہو جاتی۔

ڈھالی تین برس کی جان فرسادت اسی طرح بسر ہوئی، اپنے فہم والہ کے مقابلے میں پورے پورے استقلال کا ثبوت دیا، مگر کچھ بچوٹے بڑے حبی کو پریم ناتھ کی مان تگ نے پریم ناتھ کو سخت ذات الفاظ میں یاد کرتی، اُس کی نالائق پریفرنز کرتی، لیکن ایک محبت پرست

اُس کو کلادو بار کی طرف سے بھی کچھ لاپرواہی سی ہو گئی تھی، چونکہ نے اول ول تو نہایت دیانت داری سے کام لیا، کاروبار جس قدر خوش چلاتے رہے، لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ اُن کی روش ایمان داری بھی بدلنے لگی، مالک تباہ کاریوں میں مشغول ہے تو خادمِ مفت کی دولت با کر کیوں اس قسمت سے محروم رہیں؟ انھوں نے پہلے تو بیگم کے مزاج میں رصوخ پیدا کیا، مغل عیش و نشاط میں پہلو پہلو ہو کر رنگ رو بہ دیکھا، اور پھر رفتہ رفتہ ہر کارندہ و بچائے خود رنگ لیان نے گلاب پور سے دو سال یوں بھی گزر گئے، اس درمیان میں، بلا بابتہ اور سو خط گھر سے آئے، مگر جواب ایک کا بھی نہ گیا، یہ بھی غیب کی خداوندی تھی کہ وہ گھر کے خرقے کو سو درپہر مامور اُڑی آؤ کر دیا کرتا تھا، ورنہ خود لیت کو تو ایسا نشہ سوار تھا کہ دنیا و مافیاء کی خبر نہ تھی، ایک دن تھا، جب گردنا کو چاند کی بد نظری سے بچانے کے لئے، ساری کے آچل سے اُس کاٹھ چھپا دیا گیا تھا، مگر آج اُن آئسو د کی، جو اُس کے خون دل میں رنگ رنگ کر داس کو رنگین کرتے رہتے ہیں اتنی بھی پروا نہیں، جو اُفتابن خود فروش کی ادنیٰ افسرو گئی غلط سے متعلق ہے!!

زمانہ اتنی بے احتیاطیوں پر بھی ساتھ دینے کو کمر بستہ تھا، جس کا میں ناتھ والا فائدہ بھی فائدہ ہوا اور یہ بے فعل و رخس آؤ رہا تھا، کاش اس دور فراغت میں پریم ناتھ مظلوموں کی آہوں سے حذر بھی کرتا محبت، محبت کا مسکن، جنس لطیف (عورت) کے بزمین سینوں سے بہتر نہیں، اور پھر کوئی قدر شناس ہوتا اُس کا کیا کہنا؟

گردنا جانتی تھی کہ محبت کو کیوں مگر محفوظ رکھنا چاہئے، ہم چند آسائشوں نے اُس سے آنکھیں پھیر لی تھیں، زندگی کی تمام ستر تین پریم ناتھ کے تغافل میں جذب ہو کر فنا ہو چکی تھیں، لیکن آتش محبت اُس کے حسین سینے میں پہلے سے زیادہ مشتعل و شعلہ زن تھی، اُس نے اپنے محبوب مشاغل ترک کر دیئے تھے، زینتوں سے نفرت ہو گئی

علاوہ عطرِ حنا کے جملہ ہر قسم کے صندلی عطریات، صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر گھنٹوں سے طلب فرمائیے

کسی نہ کسی طرح وطن پہنچ گیا۔ اس کی حالت ردى، کپڑے شکستہ اور
جیب میں ایک پیسہ نہ تھا۔ تمام دن مٹھ چھپانے کسی گوشہ میں دبکا رہا۔
شام کو باپا یہ مکان پہنچا، کوٹا اسی وقت بھی تالاب کے کنارے بیٹھی
ہوئی اپنے پاکلہ در پر از بخت آستینوں پر اس کے شفات پانی کو
طیٹ ظاہر کر رہی تھی۔ یکایک اس کے قدموں پر ایک فلاکت نہ
کاسر تھا! اس نے گھبرا کر اس کا سر اٹھایا، آہ اول بھرا یا، کیا وہ اپنے
سرنج کو اس طرح دیکھ سکتی تھی؟ وہ اسے اٹھا کر بے چینی سے روئی، روئے
ہوئے اس کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے، یہ تھے۔

پران ناٹھ! تم آگئے! مجھے گنہ گار کیوں کرتے ہو؟ یہ سرتو جینے کے قابل ہے
(خونگھنوی)

ایک ناشعار نفس تھا جو اب بھی پریم ناٹھ کا کلمہ گو تھا، اب بھی
اس کی خیالی مورت پر گل اشک چڑھا تھا اور وہ گردنا کا نفس تھا۔
زمانے نے دوسری صورت اختیار کر لی، دولت اور گنی کا چار
بگڑ گیا، اور پریم ناٹھ کو مجبوراً دیوالہ قبول کرنا پڑا۔ موڑ بکا، گھر سلام ہوا
علاء مستغنی! دوست متفرق! نازنینان پنجاب! ان چڑیوں کی طرح
اوڑ گئیں جو حکمت تباہ کرنے کے بعد دھقان کی پرستہ پرستہ
ہونے کے بدلے چھپائی ہوئی خواں قبول پرواز کر جاتی ہیں۔

عالم کی کسی بین پریم ناٹھ کو کھڑکی یاد آئی، گردنا کی دہی دہی بخت
مان کا خیال وطن کا اُس پھرائی طرح چمک اٹھا، اور وہ بیک بینی دو گئی

کلام اثر

(از جناب مرزا محمد جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی بی بی لہ ڈی کلک)

دل کلمے رو دکھیل نہیں ہے منہ کو کلیا آنے دو
بادل چھائیں تیرہ تیرہ بھلیاں چکین خیر خیر
بزم طرب میں دیکھتے تھک چکے پیر لین آنکھیں ساتی نے
ہم بھی اُسی کے دل بھی اُسی کا جان دہی یاں ہی
اٹھ گئیں شریں مٹ گئیں قیدیں طاعت دل جیبتی لئی
یاد دل گزشتہ میں مین ٹھنڈی سانسین بھرتا تھا
خود سے گریبان پھٹتے تھے اکثر چاک ہوا میں اڑتے تھے
حکم نغان بہ دور خزان میں قیدی مینا دنیا
تھکوتڑ پتا چھوڑنے جائے ایسی کوئی تدبیر کرو
کتے کتے حال کسین گے بیٹھو ایسی جلدی کیا ہے
صورت منزل کیا نظر آئے ثبت ہیں لہلہ نقش خودی
دل کو اڑنے کوٹ لیا ہے ایک وفا کے وطن نے

تھمتے ہی تھمتے اشک تھمین گے نامح کو سمجھانے دو
ناز سے اسکو جہرہ پر اپنے زلفین تو بھرانے دو
میرے لئے تھے زہر ہلاہل رس کے بھرے پیانے دو
مرضی مولیٰ از ہر لدلی خاک میں ہسکو ملانے دو
ضبط کی آخر حد بھی ہے کوئی اتنے یہ پردہ اٹھانے دو
ہنس کے سکر گستا کیا ہے بات ہی کیا ہے جانے دو
ابہ جون کا جوش نہیں ہے آئی بہار تو آنے دو
موسم گل میں مین یہ تعید شور نہ ان کو چمانے دو
زخمی تیغ ناز دادا سے ہاتھ نہ اس کو اٹھانے دو
دل تو ٹھکانے ہونے دو اور آپ مین ہکڑ آنے دو
عقل ہے دشمن نفس ہے رہن ٹھوکر ن کچھ دن کھانے دو
کوئی نہ اسکو رونے سے رو کو آگ لگی ہے بجھانے دو

اگر آپ کو عطر حنا درکار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ طلب فرمائیے۔

جناب کیم شید قمدی حسن صاحب بن لکھنوی

دست و لم کی لکھی ہوئی نظم

(دربارہ ”مرقع“)



الحسن فی کلام کالمالیم فی طعانی

فرخندہ یادگار سے از وصل ملگرامی
از دوست و ام گیرم این مصرع گرامی
من اہل افتخار من سادۃ گرامی
صہباز جام جامی گنجینہ انطی
مضرب ساز الفت داروی طعانی
الحسن فی کلام کالمالیم فی الطعانی
دلیچہ داشتہ از شاعران نامی
ای شاد خود آرا از گیتی نامی
یاسنل نجبت گل تازہ کن مشامی
بالاکشید مارا ذوق بلند نامی

کیم جلیسر

این و قمر فصاحت این نگرامی
بہر سار یار باناز و افتخار
آمد عزیز ہر دل قول عزیز کامل
دیدہ فریب و دلجو رنگ مرقع او
تعمیر طراز الفت معیار از لغت
ہر نظم او کرنیت چون شادینیت
از اہل دل معانی از دوست از افتخار
این دشمن و فاریسہ کسی خدارا
از موج بوی کاکل غمیشان جوئل
تعلیف اہل جوہر نازد فکر ناقص

ابن طرفہ ترکہ حسن خط خوش نازد
باین شکستگیا با ابن بدی و حامی

حکیم جلیسر

جناب یسار حسین صاحب کے زوگھنوی۔ چائین حضرت جمال مرحوم

دست و لم کا لکھا ہوا صوفہ و غزل بر طرح مشاعرہ انجمن میں لکھتے ہوئے

منقذہ ۲۶ جون ۱۹۲۶ء

— — — — —

حبیبؔ لہذا حضرت وصل بگرامی - نسیم
 میں اپنی مصروفیتوں کے باعث مشاعروں سے توقع قطع کر چکا۔ لیکن دوستوں سے
 دلی تعلقات قطع نہیں کر سکتا لہذا آپ کے مشاعرہ کی طرح میں غزل لکھ لی ہے جو آپ کی خوشی
 کے لئے ارسال ہے -

ہر چیز کو چھوئے ہوئے
 ہر چیز کو چھوئے ہوئے

ہر درد کا ادھر ہی ہے - کیا کیا نظر آتا ہے
 مشاق شہادت ہی - پیاسا نظر آتا ہے
 بھیگا ہوا کھل کا - پردا نظر آتا ہے
 اب دل کو ہر آئینہ - اندھا نظر آتا ہے
 جیسی ہوئی آنکھوں کو - دھوکا نظر آتا ہے
 ہر قطرہ میں خاک اڑتا - صحرا نظر آتا ہے
 اس دشت کا ہر جادہ - اولٹا نظر آتا ہے
 وہ ایک ہے ادھر ہی - ہر جا نظر آتا ہے
 آنکھوں کو تو پردہ ہی - پردا نظر آتا ہے
 کاش ایسا تو ہوتا - جیسا نظر آتا ہے

ظاہر وہ نہیں پہنچتی - ہر جا نظر آتا ہے
 خجور کی تو بے آبی - بے شاق بچہ قاتل
 رسوائے لیے ہر - اسے قیس بہا آئسو
 کیا اس میں ہی ہر دہن - یعقوب کی آنکھوں کے
 کیا برق نعلی ہی ایک بردہ کی شعوی نہی
 اس گریہ وشت کو - دیکھو دری آنکھوں کے
 کام رہے سالک - سرگشتہ ہر چہ جائے
 وحدت میں ہی یہ کثرت - اک کیل ہے قدرت کا
 دیکھا ہے جسے دل نے - اوش جلوہ کو دل چاہے
 جو دیکھ لے یہ جائے - ہے رحم کا اکتاہٹ

سے آرزو آنکھوں میں - وہ کچھ نہیں اور کچھ
 جب دیکھ نہیں سکتے - کیا کیا نظر آتا ہے

۴۱ نے پردگی

(ایک جبریت انگیز اور سبق آموز افسانہ)

استیجاب مولوی عبداللہ صاحب عبد فیض اسکول (لاہور آباد کراچی)

اس کے ناپاک اور جرم و آڑے جسے ہوسے خیالات کو اور ترقی
دی کسی عورت کو قریب دیکر پیشے کا لالچ دکھا کر یا کسی قسم کا
کا رڈ بڈا کر اپنے ناجائز مطالبات پرست کرنا اس کا معمولی کام
تھا۔ شد بھری وہ عورتیں جنہیں حیرت کچھ سوسائٹی جاسم المتفرقین
کے نام سے پکارتے تھے اس کی معاون اور ایسے کاموں کے لئے
آؤ کا رتھیں۔ اس کے ناپاک خیالات اور جریض طبع کے ارادوں
کو کامیاب اور بار آور بنانے میں ان کا بڑا حصہ ہوتا۔ ان کا
فرصت کا وقت بھاسے اس کے کسی ایسے اور نیک کام میں
خرچ جو تاشہر بھری کوتاہی لوگوں کے حالات دریافت کرنے
پھنسانے کی ترکیبوں میں صرف ہوتا۔ وہ اپنے ہر ارادے کو کامیاب
بنانے کی انتہائی کوشش کرتا اور ہر طریقہ سے حصول مدعا میں سعی
رہتا۔ وہ ایک جوان تھا انسان ناپاک نہ کہ وہ منسوب تھا اور شہوت
اس پر غالب۔ وہ اپنے نفس کے پندے میں پورا پورا قبیضہ تھا
اور اس کے ہر حکم پر قطع نظر اس کے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا سب
کچھ کرنے کو مستعد اور تیار تھا۔

(۳)

احمد کی بیٹی کا جڑہ طفولیت کی منزلیں طے کر چکی ہے
اور اب پورے پورے عالم شباب میں ہے۔ ایام طفولیت میں
کبھی کسی والدین کے ساتھ کلب گھر کا تماشہ دیکھتا ہے یا د
آجاتا ہے اور اب وہ بھی جاہتی ہے کہ ایسی مجلسوں میں شریک
ہو کر حصہ لے۔ وہ اپنے والدین کے ہر فعل و حرکت کو

احمد ایک اچھے خاندان کا رکن اور وجاہت پسند آدمی تھا
اچھی ملازمت ملنے کے لیے جتنے علوم اور جن جن باتوں کی ضرورت
ہوتی ہے ان سے وہ محروم نہ تھا مگر ان سوس مذہبی تعلیم سے وہ
قطعا آتش نا تھا مغربیت اس کے تمام رگ و پے میں سرایت
کر چکی تھی وہ ایک آفس مین کلا ر تھا۔ اس کی خواہش کے
سودا و سوروپے اس کے اغراجات کے لحاظ سے زیادہ تھے
اس سبب سے فیشن پرستی کو اور تقویت پہنچتی رہی۔ اچھے
پچھے بوٹ۔ کوٹ، کالر غرض ہر وہ لباس جو ایک فیشن ابل
آدمی کے لیے موزون ہو سکتا ہے اس کے لیے ڈسٹنگ روم
میں تیار رہتا۔ وہ ہارمونیم اور گراموفون کا بھی دلدادہ تھا۔ وہ
شام کو بے تکلفانہ اپنی بیوی کو پہلو پہلو میں بٹھائے ہوئے
ٹانگ سینا اور کلب گھومنے پھرنے کے لیے لے جایا کرتا اس کے
کوہ کی دیواروں کی زینت وہ جاسوز عریان تصویریں تھیں جنہیں
دیکھ کر بے شرمی بھی کان کھڑتی۔ وہ گھر کے حالات سے بالکل بیخبر
اور بے پردہ رہا کرتا اور اکثر اس کو دیر تک ان مصیبتوں میں
بیٹھنے کا عادی تھا۔ جہاں ہوسے برست عشاق عموماً شریک ہو کر
اپنی جذبات و لازمی کرتے ہیں۔

(۲)

حیرت ایک دو تین دگر عیاش آدمی تھا۔
اس کے والد نے اس کے لیے لاکھوں روپوں کی جائیداد چھوڑی تھی
اس دود نے جو بغیر کسی محنت و جانتاشی کے اس کے ہاتھ آئی

کارخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نوایا دقرص مبتا کوے خودی کی قیمت فی شیشی صرفہ علاوہ محصول

کچھ قباحت نہیں سمجھتے تھے۔

(۵)

حیرت کو نظیر بنات یہ سن کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ ایک در عصمت مآب کی عصمت اس کے حرص و آرزو کی قربان ہوئے والی ہے۔ نظیر بن ابی کار گزار ہی نہایت مبالغہ آمیز الفاظ میں بیان کر رہی ہے اور حیرت ہے کہ سرتاپا گوشہ بانہو سن رہا ہے۔ آخر حیرت نے اس جان بازی کے صلہ میں وہ بچے کا نوٹ فی الحال نظیر بن کی تندر کیا اور یہ ٹھہرا کہ ستام کو عاجزہ کو لیکر آئے۔

شام ہوئی گاڑی تیار کی گئی۔ عاجزہ آج دولہا بن لٹانے کے لیے جا رہی ہے۔ گاڑی حیرت کے دروازہ پر روک لی گئی۔ وہ ہر کتنے ہونے والے ساتھ عاجزہ انری۔ مگر نظیر بن اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس کو قہر مند بن گرانے کے لیے اس کی رہنمائی کر رہی ہے۔ افسوس نظیر بن کو اب بھی اس کا احساس ہوتا کہ جو کام وہ کرنا چاہتی ہے اس سے زمین و آسمان اُس پر لعنت کر رہے ہیں کاش عاجزہ بجائے اس کے کہ نظیر بن کو رازدار بنا یا کسی اپنے کھانا دلان کیا جوتا جو اسے راہ راست پہ لانا احسان ناپاک خٹا لون کو اس کے داغ سے نکال دیتا۔

ایک سچا ہوا کمرہ۔ جس کی زیبائش و آرائش میں کوئی دقیقہ فراموش نہیں کیا گیا تھا عاجزہ کو بٹھا گیا۔ وہ کمرہ کو دیکھنے ہی میں مشغول تھی کہ حیرت اچھو پچھا عاجزہ ایک خیر مرد کو سامنے دیکھ کر شرمائی مگر حیرت سرعت پسند حیرت نے اسے اتنا موقع ہی عین یا کہ وہ کچھ غور کر سکتی اور اپنا مستقبل دیکھ کر ان خیالات سے باز رہتی جس کے لیے وہ بیان لائی گئی ہے۔ اب حیرت

اچھی طرح دیکھتی ہے۔ ایسی نازک حالت میں اسے نادل دیکھنے کا شوق بھی بے حد ہے۔ ایسے نادل جس میں من و عشق کے قصہ دکھائے جاتے ہیں اور جو یقیناً اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ ان کے لیے جو عشق و محبت کرنا نہیں جانتے رہنا نہیں عاجزہ پر پورا اثر کر گئے۔ اس کے والد کے کمرہ کا نظارہ اسے اوشتمل کر رہا تھا اس کی جلتی ہوئی آگ پر اس کے والدین کا بے جا بٹا کلب گھر میں ناپنے کے لیے جاتا اور اس کا تذکرہ بے شری سے کرنا عیال کا کام کر گیا۔ وہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر تاحصر تھی جو ہر ایک صورت میں وہ نصبت کر دی گئی ہے اور جسے ایسے مناظر بڑھانے کے لیے کافی ہیں۔ یہ حالات جو خیالات اس کے دماغ میں پیدا کرتے انھیں دبانے سے وہ قاصر و مجبور تھی۔ اس سے درہم گینا اس کی نیکی کو شکست ہوئی اور اب اُس نے تہیہ کر لیا کہ خادماؤں میں کچھ کسی کو لٹا دیتا اور اس سے صلاح مشورہ لے۔ اس کام کے لیے اُس نے نظیر بن کو انتخاب کیا اور اسے اپنی حقیقت واقف کیا۔

(۴)

نظیر بن حیرت کا دست و بازو تھی اور یقیناً وہ عاجزہ کو ہی پھسلنے کے لیے ملازم ہوئی تھی۔ مدت سے اسی اور ہیر بن میں تھی مگر آج تک اس کا کوئی چارہ نہیں چلا تھا۔ مکار وہ عیارہ نظیر بن کا یہ پیشہ تھا اور یہی ایک ذخیرہ معاش تھا کہ وہ عصمت مآب کو لکھن کو حیرت کی تندر کرتی۔ اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور ایسی چالوسی کی بائیں کمین کہ ماحجرہ کی نظر میں اُس کی خیر خواہ بن گئی۔ اسے ترغیب دلائی کہ وہ آج ہی اپنے لایا سے سیر کی اجازت لے۔ عاجزہ نے آزادادہ سیر و تفریح کی اجازت مانگی اور ہر قسم سے مل گئی کیونکہ اس کے والدین اس میں

صغر علی محمدی آج عطر کھنڈا تیار کر دے بانو ہیرا ل استعمال کیجئے۔ قیمت فی شیشی دو روپے ایک و سیر۔

(۶)

رات ہوئی اور سہی رات عاجزہ کی موت کا پیغام بھی پہنچا
اپنے ارادہ کو پانچ تکمیل تک پہنچانے میں سہی کر رہی تھی اور کیونکہ
خیال تک بھی مددگار کیا ہو رہا ہے۔ اس کے والدین بدستور
ناچ گھر میں گئے اور عاجزہ نے اس تمنائی سے فائدہ اٹھایا۔

صبح ہوئی مگر عاجزہ کے زندگی کی شام جو بھی تھی عاجزہ
اپنے بستر پر مردہ پائی گئی۔ ڈاکٹری معائنہ سے معلوم ہوا کہ
اس نے دہریہ لیا ہے۔ دہریہ پنہ کی وجہ سے ڈاکٹر سے معلوم ہوا
انہوں نے عاجزہ کو دفن کر دیا گیا۔

کاش! اس کے والدین اپنی غلطی کا احساس کریں کہ
فقط انہیں کی تعلیم تھی جس نے عاجزہ کے دماغ میں ایسے ناپاک
خیالات پیدا کیے۔ یہ کلب گھر میں جا کر پانے کا نتیجہ ہے۔
جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ اگر وہ بے پردگی اور
بے حجابی سے کام نہ لیتے تو بچاری عاجزہ کی جان یوں ضائع
نہ ہوتی۔ ہجرت اور نظیرین آئین اور دیکھیں کہ ان کے نفسانی
خواہشات کو پورا کرنے کے خیال نے ایک انسان کی جان لی۔
وہ اب بھی سمجھیں اور اس افسانہ کے آئینہ میں اپنا عکس اولیٰ اپنی
سیر کا ریلوں کا نتیجہ دیکھیں اور ہمیشہ کے لیے ایسے ناپاک خیالات
کو دماغ سے نکال کر پھینک دیں۔

(عبدالمنہر - عمید)

ناموس پہنچی ہے اتنا ہی نہیں وہ اس سے محبت بھی کرتی ہے
مگر مکار دھار حیرت فقط اس وقت تک اس بھول کی خوشبو
پھیلنے کے لیے تیار تھا جب تک وہ اپنے اصلی بار پر ہے۔ ورنہ
کج خلق نظیرین کے طفیل سے یہ ملاقات ہوتی رہی۔

(۶)

نیچر وہی نکلا جو نکلتا چاہے تھا اور اب وقت گیا کہ ملا جو ملے
ازیام ہو جائے۔ پہلے عاجزہ کو اس نے طالی بٹائی کا چھائی جس
اب تک وہ بے خبر تھی۔ اس نے یہ ہلکا کبیری مدد کی جا بگلی
پہلے نظیرین اور پھر حیرت کو اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ یہ معلوم
ہونے ہی حیرت کے ہر وہ پہلے رسمی اور نفرت کے آثار نمایاں
ہونے لگے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد شہید ستم عاجزہ
حیرت کا مسخو دیکھنے کو ترستی تھی۔ نظیرین بھی آنیوالی آفت کو
مذاظر رکھتے ہوئے مجبوراً دوسری سے مستغنی ہونا پڑا۔ اور اس
مصیبت کا مقابلہ کرنے کیلئے نئے تہا عاجزہ رہ گئی۔ اب اسے
اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کر رہی
تھی مگر کیا بن سکتا تھا۔ انہوں نے اب وہ غمخوار نظیرین اور کجا
حیرت فقط تسلی دینے کیلئے بھی نہیں ہیں۔ ہر راز کب تک چھپا
رہنے لگا تھا۔ عاجزہ کو اپنے خاندانی وقار کا پاس ہوا اور اس نے
تبرک کر لیا کہ کسی طرح وہ اپنے آپ کو ہلاک کر کے اپنے خاندانی
ناموس کو داغ لگانے سے بچائے۔

رباعیات

(۱) (عیدگ) (از جناب علیہ رضوی ایم اے۔)

(۲)

گرداب قناریت کا طوفان نکلا ہستی میں عدم جزو نمایاں نکلا
تجھے سے کوئی چیز بڑی نہ ہو دیکھا تو بس کجا بپوشان نکلا
موجودہ میں تو کچھ اور سرائی پائی دنیا میں راحت کی نشانی پائی
آغوش کو میں زندگانی پائی جہے اسے بے موت جگایا تو نے

کارخانہ منہر علی محمد تاج عطر لکھنؤ کی ایک شاخ "چاندنی چوک دہلی" اور ایک شاخ "گلزار حوض حیدر آباد دکن" میں ہے

تاریخ السلف کے ہماری لئے

معین الاولیاء امام الدین بلخان (۶) تذکرہ البعین مولانا یہ
زمین العابدین (۷) سوانح عمری خواجہ معین الدین حبشی سید
محمد الیاس رضوی۔

ملفوظات میں (۱) انیس الارواح حضرت سلطان المذعظاے ہول
غریب نواز (۲) دلیل العارفین حضرت قطب الدین عتیقا کاکی
(۳) قوائد السالکین خواجہ فرید الدین شکر گنج (۴) راحۃ العقول
حضرت محبوب الہی سلطان المشائخ (۵) قوائد القواد حضرت حسن علا
سنجری (۶) افضل القوائد حضرت امیر خسرو (۷) خیر الملیس
مولانا حمید قلی ز (۸) سیر الاولیاء
آٹھویں صفحہ سے قول فیصل کے عنوان کے تحت میں ۱۱۱ صفحہ تک

یعنی ۱۳ صفحوں میں، مولف نے حضرت سلطان المذعظاۃ اجمیری
قدس سرہ کے حالات مبارک اپنی صحت کے مطابق دیج کے کہیں
۱۱۲ صفحہ ۱۱۸ صفحہ تک اسلاف کرام کے عنوان کی تمہید ہے۔
۱۱۹ صفحہ ۱۱۹ سے مولف نے اپنے جد بزرگوار خواجہ فرید الدین گریزی
رحمۃ اللہ علیہ جبکی اولاد میں آستانہ حضرت سلطان المذعظاۃ سرہ کے
صاحبزادگان یا خدام بن، کا تذکرہ شروع کیا ہے جو ۲۶ صفحہ ختم ہوا
۱۳۴ صفحہ سے ۱۶۰ صفحہ یعنی اختتام مجموعہ تاریخ السلف
تک کے بعد ان اولاد و امجاد ایک مفصل و متحققا بحث ہے جس میں
مغلط فہمی کی اصلاح و خطاب صاحبزادہ و خادگان
نائب الہی نائب الہی کی اولاد میں یہ عنوانات بھی شام
ہیں اور آخری چند سطروں میں خاتمہ ہے۔

ثانیں بیچ کے تیسرے صفحہ پر مولف کے دست و ظلم کا لکھا ہوا ایک
چیلنج ہے جو کجا خلاصہ ہے کہ۔

”تاخیر اور غلط بین نکتہ بینوں کو بین چیلنج دیتا ہوں کہ اگر لکھا

تاریخ السلف ایک بین و خوبصورت مجموعہ کا نام ہے،
جس کو تفسیر کا غلط تصاف و پارکیز لکھا گیا چھائی کے ساتھ آستانہ قدس
اجمیر شریف کے صاحب علم فضل، روشن خیال اور ہونا صاحبزادے
ہمارے مخدوم و مکرم جناب مولوی عبد الباری صاحب معنی نے
حضرت سلطان المذعظاۃ اجمیری قدس سرہ کے حالات مبارک
اپنے اسلاف کرام کا اجمالی تذکرہ مبصرانہ، متحققا اور مورخانہ انداز سے
مترتب کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ہے۔ شروع میں جناب مولانا
سید سلیمان صاحب ندوی کا دیباچہ اور جناب مولانا محمد قیام الدین
عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مجموعہ کے بارے میں
اظہار رائے ہے،

اس کے بعد ساتویں صفحہ سے حمد و ثناء کے ساتھ مجموعہ کا آغاز ہے۔
آٹھویں صفحہ سے جہت ترتیب کا عنوان اور دسویں صفحہ میں اپنا
نقطہ نگارہ دوسرے عنوان اور گیارہویں صفحہ میں فن تاریخ تیسرا
عنوان ہے جو مختار عنوان تاریخ و تذکرہ میں جو دہویں صفحہ سے شروع
ہو کر سولہویں صفحہ ختم ہوا ہے۔ یہ چاروں عنوان تمہید کے طور پر ہیں۔
اصل میں سترہویں صفحہ سے ”سلطان المذعظاۃ کی روداد و
حیات اور تذکروں کے متضاد بیانات“ کے عنوان کے
تحت میں بڑی محنت و جانفشانی سے کام لیا گیا ہے جو ۱۱۰ صفحہ ختم ہے
اور انھیں صفحات کے اندر مولف کی تمام دماغ سوزی و تحقیق و تفتیش
ادھت و عدم صحت کے ثبوت کا دار و مدار ہے۔

تذکرہ میں (۱) سیر العارفین شیخ حامد عرف مولانا جمال
ابن شیخ فضل اللہ سودی (۲) اخبار الاخبار شیخ
الحقین مولانا عبدالحق محدث دہلوی (۳) سیر الاقطاب
مولانا التمدید (۴) اقباس الانوار مولانا شیخ اکرم مرحوم (۵)

اگر آپ کو عطر حاتمہ کا رہے تو صرف صفحہ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

باطل نواز تغیل غلط بخاری اور بیجا حاشیہ آئی کی پریشا
کرسے تو وہ ہر مکانی کو شش کے ساتھ اپنے تنقید کریں ہیں
بھی اصلاح خیال کرنے میں درینخ نکر و گھا اور اگر اتفاق سے
اجا بطر ہر ہفت زرد تیرے کے مطابق کوئی صحیح
ترتیب کی گئی تو اسکی تسلیم سے بچے کسی دقت بھی عار نہوگا
اسلیے کہ مجھے تحقیق حق مقصود ہوا وہ الباطل یا اطل

یہ لب کتاب جو اس مجموعہ نادرہ تاریخ السلف کا۔

میں نے حضرت سلطان الهند خواجہ امیری قدس سرہ کے فانی
واسعد میں کئی تذکرے پڑھے ہیں اور کئی ملفوظات کا مطالعہ کیا ہے اور یہ
تاریخ السلف سے تفضیل ہوا ہون۔

تاریخ السلف برکمل منصوبہ لکھنے کیلئے وقت کی ضرورت ہے۔ اور
کم سے کم ان تمام کتابوں کا مطالعہ لازم ہونا لازمی ہے جکا ہمیں حوالہ دیا گیا ہے
اور جن پر نظر نقد ڈالی گئی ہے لیکن ہمیں کوئی شک نہیں کہ قدیم تذکروں
اور ملفوظات وغیرہ میں اسقدر اختلاف روایات و بیانات ہو کر اگر
ان پر دہشت کی شہنی دلی جہانے تو صحت اور عدم صحت کا حال معلوم ہو گا
اسیے ضروری تھا کہ کوئی ان تذکروں وغیرہ پر غائر نظر ڈالنا اور تحقیق
حال اظہار کر دیتا اس کی کو جناب معنی نے کتاب السلف لکھ کر
پورا کر دیا۔

تاریخ السلف سے قبل محض غیب مولانا عبدالحلیم صاحب
شرر لکھنوی نے بھی حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مختصر
خواجہ معین الدین چشتی کے نام سے شائع کی ہے جو حسین انھوں نے
تحقیق و تدقیق میں بہت کافی وقت صرف کیا ہے جو حسین صرف آپ
ہی کے حالات پہلے ایک کے ۲۰ صفحوں پر ختم کئے ہیں جو ایک ممتاز
محققانہ اور تاریخی مجموعہ ہے۔

قدیم تذکروں اور ملفوظات پر جناب معنی کا تبصرہ بہت ہی قابل قدر

لیکن اگرچہ اوپر تذکرہ مذکور ہوتا تو ایک غیبی بھی ایسی نہ ہوتی جو
اس میں نہ پائی جاتی۔ کیونکہ انکو یقین کر لینا چاہئے کہ جن تذکروں کا مطالعہ
نے ذکر فرمایا ہے ان میں کوئی بھی صاحب تذکرہ ایسا نہیں جسے جان بچھ کر غلطی
کسی ذاتی غرض سے اس غلطی کا ارتکاب لین سے ہوا ہو۔ نہیں بلکہ
انسان ہونے کی حقیقت سے وہ غلطی دوسرے سے ملتا ہے۔ انھوں نے جو
لکھا اپنے خیال میں صحت و تحقیق سے لکھا اور آیات و بیانات پر انکے
خیال نے اقبال کر لیا۔ لیکن ہر کتاب کی صحت و عدم صحت اسکی
اشاعت کے بعد ہوتی ہے۔ اور نظر ثانی کے وقت اسکی صحت کر چکا ہے
لیکن اسوقت تبطل ہے اور نہ اشاعت کے ایسے ہی دور میں جو اسوقت
موجود ہیں اسوجہ سے انکو فوری اور کافی ملاحظہ کرنے کو بارہ مہینے
نہیں مل سکے اور مل بھی تو بہت کم اسکے علاوہ جتنے تذکرے یا ملفوظات
میں وہ ملفوظات کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں۔ اصل نسخہ سے کچھ
نقل کیا اور پھر نقل نقل ہوتے ہوتے معلوم کہ نقد نہیں ہوا اور کیا گیا
تبدیلیاں واقع ہو گئیں اسلیے موجودہ زمانہ میں انکی صحت تو لازمی ہے
لیکن اپنے خصوصیت کیساتھ غلط انداز پر کرنا کا الزام لگانا مناسب
یہی کیا کم غنیمت ہے کہ آپ کے نقد تبصرہ اور تحقیق و تدقیق کیلئے کچھ
ایسا سرمایہ چھوڑ گئے جو آج آپ کو بہت کچھ مدد سے رہا ہے۔ اب آپ
انکی صحت اپنے عم و الفاظ میں کیجئے اور اسطرح کیجئے کہ آپ کی غلطی نہ ہو
کا اظہار نہ ہونے پائے۔

جناب معنی کے طرزِ تہا طبع چند نمونہ معانی مانگتے ہوئے ادب کیا
پیش کرنا ہوں :-

مؤلف سید العارفین کی نسبت :- انکی غلط بیانی ایک
بہت بڑی جس سے کئی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا :-
”مصنف محرم نے کسی ہاتھ کا سند نہ تاریخ لکھنے کی کو گواہی نہ لکھا
ہے صرف روایات کی تحریر کیا تھا کیا ہے یا غلط بیانی کا ارتکاب نہ تھا

عطر حنا جو صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

اگر آج یہ تذکرہ بھی دنیا سے چھو جائے تو غالباً پھر کوئی ذریعہ ایسا نہ ہو تا جس سے سلطان احمد کے حالات صداقت کی سادہ معلوم کئے جاسکتے؟

مجھے یوں کی رائے سے بحث نہیں زمین یہ کہنا ہوں کہ جو کچھ انھوں نے لکھا غلط ہی بلکہ میری رائے یہ ہے کہ اگر اس خیال کو دوسرے عہد پر لے میں لیا جائے تو بہت مناسب تھا جس سے غلام دہ لکھنے کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔ یہ نظر رائے گرامی آستانہ کے ایسے صاحب علم و فضل صاحب زاد کے شان کے شامان نہیں۔ کتاب السلف اور جناب شہر کے تذکرہ میں مجر اختلافت چند سنیں۔ طرز اثر اور کسی واقعہ کے اختصار تفصیل سے بیان کرنے کے کوئی تضاد نہیں ہو مثلاً:-

جناب شہر نے سنہ ولادت حضرت خواجہ جب سلطان دہ خرو ترکان غزو کے مقابل میں بہت بڑی شکست ہوئی تھی سنہ ۹۲۷ ہجری فرمایا ہوا درجناب جتنی دستار دہ تھی کی بنا پر سنہ ۹۲۷ ہجری استدلال کرتے ہیں جناب شہر آپ کے والد کا سنہ وفات سنہ ۹۵۶ ہجری تحریر فرماتے ہیں جب حضرت خواجہ کی عمر شریف سنہ ۹۵۶ ہجری کے حساب سے پندرہ سال کی تھی جناب جتنی نے بھی سنہ ۹۵۶ ہجری کے حساب سے جب حضرت خواجہ کی عمر مبارک پندرہ سال کی تھی آپ کے والد کا سنہ وفات سنہ ۹۵۶ ہجری تحریر کیا ہے

مولانا شہر نے لکھا ہے کہ انشوال روز پنجشنبہ سنہ ۹۵۶ ہجری کو اپنے مرشد کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے اور ان کے حقیقی فیض سے کمالات باطنی حاصل کر کے آپ نے سفر اختیار کیا۔

لیکن جناب جتنی یہ واقعہ سنہ ۹۵۶ ہجری کا تحریر فرماتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ اس سلف میں جو شیخ ایک قطعی طرح ہوئی ہی حضرت خواجہ کے حالات کل ۳۱ صفحوں میں لکھے گئے ہیں اور جناب شہر نے سنہ ۹۵۶ ہجری میں جو شیخ ایک قطعی طرح ہوئی ہی حضرت خواجہ کے حالات مقدار کے

لیکن کیا حقیقت چھپائے سے چھپ سکتی ہو بالآخر آشکارا ہو کر رہی۔ فی الحال اس سے بحث نہیں کہ اس غلط بیانی کا مقصد اصل کیا ہو نہ دے یا آپ اپنے وقت پر یہ بھی بیان کر دیا جائے گا.....
کتاب میں نوخت کے اقباس سے ایک عجیب چیز ہے.....
لیکن خدا کی شان کہ غلط بیانی تو برطوت.....

صاحب انجملہ الاخبار شیخ المؤمنین مولانا عبدالحق محدث دہوی کی نسبت

”ہمیں حیرت ہو کہ احادیث نبوی کے ایسے نفاذ اور مبصر کے قلم سے یہ فرشتے کیسے ہوئے؟
اس کے ساتھ ہی ”غرضیکہ“ ایک سبب بحث ہوا ویرم قلت وقت کچھ سے انقباضی گفتگو کرنے سے قاصر ہیں.....

مولف سیر الاقطاب کی نسبت ”ہمیں اسکا اعتراف ہو کہ اگر صاحب سیر الاقطاب اس افتاء نویسی کی حالت میں:-
”شروع سے آخر تک پوری کتاب پہلی نامہ سنیہ حقیقت نہیں رکھتی“ وغیرہ وغیرہ وغیرہ

قول فیصل کے بحث میں ”تذکرہ کی متضاد بیانی کا راز فاش کیا جاویگا۔ حقیقت بے نقاب آشکار ہو چکی غلط بیان واقعہ نگاران سلف کا معیار اعتبار معلوم ہو گیا“

کہاں ہیں پرستاران تصانیف ویرینہ و باد عہد سے ملاحظہ فرمائیں اور خواب تھا جبکہ کہ لکھا جو سنا افسانہ تھا کی تصدیق کریں کہاں ہیں شخصیت کے پوسچے والے انھیں کھولیں اور خود غلطی اپنا پنداشتیم کی واقعیت کو تسلیم کریں،

کہاں ہیں زبان و دلائل طعن و ملامت اگر گوش ہوش رکھتے ہیں تو آئیں اور نصف کا حل ہم سے سنیں؟

اس کے آگے میں مذکرہ نویسنہ کا شکریہ ادا کیا ہے اور لکھا ہے

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر خاں ہے

اعتبار سے کتاب السلف کو کوئی خاص امتیاز نہیں لیکن دو ایسی ضروری چیزیں کا اہم اضافہ جنہاں سے تذکرے میں کیا اور کتنی ہی کم ہیں بھی نہیں ایک تو ان تذکروں پر نقد و تصحیح جن حضرت خواجہ رحم کے حالات بیاں ک کا دلو ملا ہے دوسرا اہم ترین اضافہ جو میرے خیال میں اس کتاب کے تالیف کی بنا پر وہ آخر کے ۴۴ صفحات ہیں یعنی ۱۱۲ سے ۱۵۶ تک اسلامات کرام کے عنوان کے بعد سے جسکی نسبت حضرت مولانا محمد قیام الدین عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمایا ہے کہ:-

جو پھر اس کے متعلق مکرہی مولانا سید سلیمان ندوی غم فیض لکھا ہے مجھے اس پر اضافہ کی حاجت نہیں۔
اسی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”میں اس کے دوسرے حصہ کے بارہ میں اپنی طرف سے اتنا اضافہ کرتا چاہتا ہوں کہ صاحبزادہ سادات نشان با محل تحقیق نسبتاً ساجر ان کا عرف خادمان بادشاہ سید اولیا اکثر انشاء اللہ کے ایک بڑی غلطی کا ازالہ کیا ہے جو دشمنوں نے پھیلا رکھی تھی اور جس سے دوستوں کو تکلیف ہو رہی تھی۔ یقیناً مجال گفتگو معاندین کو باقی نہیں رہی اگر ہو تو ضروری تدارک فوراً کیا جاسکتا ہے۔“

یہ سلسلہ میں مجموعہ کا استقراء اہم ضروری اور مفید ہے کہ اسکے نتائج پر غور کے بعد اسکی اہمیت اور حقیقت معلوم ہوتی ہے جسکے لئے تمام صاحبزادگان آستانہ کو اپنے بھائی بنائے معنی کا ممنون ہونا چاہئے صاحبزادگان آستانہ اور وہ اصحاب جو کتاب معین الاولیا اور مرآۃ الاسرار کے مطالعہ سے غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں ان کو کتاب السلف کو بغور پڑھنا چاہئے بالخصوص غلط فہمی کی جھلک کا مزاج جان سے قائم کیا گیا ہے جو ہمیں بڑی اہم حقیقت سے متعلق نے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جنابینہ کی بیان سے مطابق عمر و خلفت شاہجان کے ایک بزرگ صوفی

عبد الرحمن نے ایک کتاب مرآۃ الاسرار تالیف فرمائی ہے جو والد سے کتاب معین الاولیا میں اس طرح درج ہے کہ مجاہدان آستانہ تبرکات و بزرگش نیز منسوب تذکرہ اولاد سید فخر الدین میگویند کہ سید فخر الدین اکبر وہ انکیو یو دن مست و از غلبۃ اعتقاد و محبت روحانیت خواجہ میر تقی علی گزشتہ دراجیم قرامت اختیار فرمودہ بنا پر فرزند ان او ہنوز در خدمت آستانہ تبرکات موجود اند۔
اور صاحب اقتباس الاولیائے اس روایت کو مرآۃ الاسرار و سلطان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

”مجاہدان آستانہ حضرت مرزا بزرگ قدس سرہ اللہ میر سید فخر الدین ساکن قصبہ گڑھ گڑھی دہلی آستانہ معلوم منسوب فخر الدین از اکابر رسالات عالی نسب فیضیہ ذکر کردہ ما بسبب روحانیت پاک حضرت خواجہ بزرگ زدن نقل فرمادہ حضرت اجیر میرکات اختیار کردہ چنانچہ فرزند ان او ہنوز در خدمت ان آستانہ تبرکات موجود اند۔“

دو دنوں کے ساتھ ان میں نفس عبارت مرآۃ الاسرار سے نقل کیا کہ مرآۃ الاسرار کا قلمی نسخہ جناب امام جمعی صاحب امام بیخضر تبرکات جو بیکتی کے پاس موجود جو اس میں عبارت ہے:-

”مجاہدان آستانہ تبرکات خواجہ بزرگ منسوب اند اولاد سید فخر الدین و گویند کہ سید فخر الدین از اولاد سید اولاد اس ساکن کو انکیو یو دن مست و از غلبۃ اعتقاد و محبت روحانیت خواجہ بزرگ علی گزشتہ دراجیم قرامت استقامت اختیار فرمودہ چنانچہ فرزند ان او ہنوز در خدمت آستانہ تبرکات موجود اند۔“

جناب سیدی ان حوالہ جات کے بعد تاریخ گڑھ انکیو کی عبارت اور نسبت کے نقل کو کہے ہوئے اور دیگر دلائل سے ان غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:-

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خان کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب ہو سکا

TRADE MARK

نمائش کاؤ کلکتہ ۱۸۸۲ء

نمائش کاؤ کلکتہ ۱۸۸۵ء

شاہجہان چوک دہلی

ہندوستان میں سب سے بڑا عطر کا کارخانہ

صوف

صنعتی محلہ محمد علی عظیم ریکھنؤ

سارکاپتہ درختا

کاپی

جولہ ۱۸۳۹ء سے نیکنمی کے ساتھ جاری ہے

سلیکفون نمبر ۱۳۹

نمائش کاؤ کلکتہ ۱۹۰۱ء

نمائش کاؤ کلکتہ ۱۹۰۲ء

نمائش کاؤ کلکتہ ۱۹۱۰ء

خطبہ مقررہ سلطان نظام علیہ کلکتہ بابت تمام پیشینہ قبول بگرا می

تا تو بیدار شوی ناله شیدم، ورنہ
 عشق کا رے است کہ بآہ و فغان نیز کنند
 (عطیہ علامہ سر اقبال)

موقع

دَارُ الْأَدَبِ لِكَيْتُوكَا مَقْبُولِ جَهَانِ عَزِيزِ حَرِيدِ
 ۱۳۳۴

مرتبہ
 سید مقبول حسین قصبی بگرامی

”مرقع“ کے قواعد و ضوابط

- (۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہونگے، مگر وہ جتنی خالص ہوں گے، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بیج کی بنیاد پر لکھے ہوئے مضامین سے اجتناب کیا جائیگا۔
 - (۱۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو اس میں ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو بیج کا شائبہ بھی پیدا ہو مگر شائع نہ ہونگے۔
 - (۱۳) جس نظم و نثر کے مضمون میں زبانِ لاف یا فن کی غلطیاں ہوں گی اسوقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسبت سے اطلاع اپنے پر خود صاحب مضمون نہ کر دیں۔
 - (۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزا یا متعصب نہ ثابت ہوگا۔
 - (۱۵) مرقع کو ذاتیات کا کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جہاد ہوں یا اہل اخبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اس میں اہم مقام رہیگا۔
- ”میر مرقع لکھنؤ“

- (۱) مرقع ہرگز نرزی مینے کی ۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ شائع ہوگا۔
- (۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔
- (۳) مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوئے روانہ نہیں ہو سکتا۔
- (۴) مرقع کی قیمت رؤساء و دیگر مقرر اصحاب و اس کے بڑیوں انکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔
- (۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا انا لازمی ہو۔
- (۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں خریداری کا نیکھنا ضروری ہو۔
- (۷) رسالہ نہ پونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجنا چاہئے۔
- (۸) کوئی مضمون ایسا شائع نہ ہوگا جو مغرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔
- (۹) تعلیم یافتہ عورتیں کے صرف وہ مضامین نظم و نثر و نثر ہوں جو عویون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ نہایت خوشگوار ہوں گے۔
- (۱۰) مرقع کو موجودہ پالیسی کی اندھی مباحثے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

مرقع میں اشتہارات بھیجتے وقت ذیل کا رخصنامہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ	ضروری نوٹ
ایک سال کے لئے	۱۰	۲۰	۳۰	ماہی بیج کے صفحہ ۲۰ و ۳۰ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے
چھ ماہ کے لئے	۵	۱۰	۱۵	جو خط و کتابت طے ہو سکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے
تین ماہ کے لئے	۳	۶	۹	مینجر مرقع لکھنؤ
ایک ماہ کے لئے	۱	۲	۳	

ڈاکٹر سر وحید حسین۔ ایچ۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ مشہور ہو ہو پیوہ دندان و سینک ساز منبر ۲ و ۳۔ مین الدولہ پارک۔ لکھنؤ

بحیرہ تم کہ بہ بندم دل از کہ بردارم

جہان مرغ تقدیر حسن دوست تمام

فہرست مضامین

قیمت سالانہ محصولہ لک
پانچ روپیہ

نمونہ کا پرچہ
آٹھ آنے (۸۸)

اگست ۱۹۲۶ء

- ۱- نقد و تبصرہ (۱) تاریخ دریا آباد (۲) سلطان علیہ السلام لکھنؤ - اڈیٹر
- ۲- کلام الملوک ملک لکلام یعنی غزل و رقص شریف طبعہ اور اعلیٰ حضرت سلطان لکھنؤ -
- ۳- نبض خلد اسٹر ملکہ
- ۴- قلم کی تذکرہ و تائیت جناب سیدہ خاتون جہانگیری
- ۵- افکار تازہ - غزل دیر الانشاؤں الملک مصفا
- ۶- غزل مستحجہ اعتماد و قصاص جناب مولوی
- ۷- اخفاث اسلام سید علی ہنر صاحب غلام علی
- ۸- کلام شمیم (غزل) جناب فرخ بناری
- ۹- غزل معین الادب لکھنؤ خطہ جناب اصطفیٰ
- ۱۰- رباعیات جناب ابو العلامہ مولانا حکیم سید احمد صاحب حق لکھنؤ کے دست و قلم کی لکھی ہوئی غزل
- ۱۱- جناب ابوالاعلیٰ صاحب قندواری برادر جناب
- ۱۲- اکبر کی شاعری منشی امیر علیہ شائق قندواری کے دست و قلم کی لکھی ہوئی غزل - نمونہ
- ۱۳- غزل جناب مولانا صغیر اللہ صاحب
- ۱۴- غزل باہر حسن احمد صاحب حسن چھوڑی
- ۱۵- غزل مشاعرہ انجمن جناب لکھنؤ - جناب لکھنؤ -
- ۱۶- مولوی سید عباس علی صاحب
- ۱۷- جناب شمیم - خلف حضرت
- ۱۸- دیکھ خیر آبادی

علاوہ عطر حنائی کے جملہ قسم کے صندلی عطریت اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے طلب فرمائیے

جلد

اگست ۱۹۲۶ء

نمبر

فتح

کتاب کو تو ہم کہیں صبح انسان است

کتاب کو تو ہم کہیں صبح رحمت جان

پہن ۲۶ ۱۹ ۶ کھوی

کلام لہلوک ملک الکلام

نعت شریف

طہر علیہ السلام کو ہم کہیں صبح رحمت جان
 بہادر فتح جنگ جی ہی اس آئی تاجدار و امت اصفیہ و کن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و اقبالہ

چون درہن دل نیانی یا حبیب	اور دل را چون دوانی یا حبیب
بر در تو جہہ سانی یا حبیب	از ہزاران ہمد و ہمت دیدہ ام
روئے خود را اگر نمای یا حبیب	وقت مرون جان با سانی دہم
بیکسی و نارسانی یا حبیب	باعث آہ و فغان من شدہ

چون تو شافع داد عثمان را بکشر	ہست این شان خدائی یا حبیب
-------------------------------	---------------------------

داغ دہلوی

حدو سے سامی فرقی کیلئے مجاز قریب ہر حصے سے موسیٰ ہے جو خالق بن قلم ہر (۲) مونث سماعی کی جمع کا ایک عام قاعدہ یہ ہے کہ اسم واحد کے اخیر میں یا سے مجہول۔ اور نون غنہ کے اضافہ سے اسکی جمع بن جاتی ہے۔ اسی قاعدہ سے تلوار کی جمع تلوار بن۔ اور بندوق کی جمع بند وقین بنائی گئی ہے۔ جو لوگ قلم کو مونث سماعی کہتے ہیں انکی رائے میں ہی قاعدہ کے تحت میں قلم کے جمع (قلین) ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اہل زبان نہیں۔ زبان دان نہیں۔ انکی زبان۔ زبان کیلئے معیار نہیں۔ وہ عوام اور مرقع القلم لوگوں کا ناقابل اعتنا گروہ ہے۔ ثقات کی بول چال میں قصا کے محاورہ میں۔ اور مشاہیر شعرا کے مستند کلام میں۔ قلم کو مونث نہیں مذکر کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ وہ مذکور ہے۔ اور مذکور بھی سماعی ہے۔ یہی زبان ہے۔ اور اسی پر اہل زبان کا عمل ہے۔

اسم جنس۔ واحد مذکر سماعی کی جمع کا ایک عام قاعدہ یہ مقرر ہے کہ اس پر جب حرفت عامل یا تابع عامل آتا ہے۔ تو واؤ مجہول۔ اور نون غنہ جمع کی علامت ہوتی ہے۔ اسی قاعدہ سے واؤ مجہول اور نون غنہ کے اضافہ سے قلم کے لفظ میں تصرف کر کے اسکی جمع (قلون) بنائی جاتی ہے۔

لیکن اگر حرفت عامل۔ یا تابع عامل کی وجود کی یہ صورت نہ ہو تو واحد اور جمع کی حالت استعمالاً بالکل یکساں ہے۔ اور تذکیر کی شکل میں جمع کی ضرورت ہر گز شرط نہیں۔

اسلئے بقاعدہ تائید یا سے مجہول۔ اور نون غنہ کے اضافہ سے اسم جنس واحد مذکر کے لفظ میں تصرف کر کے قلم کی جمع (قلین) بنائی گئی ضرورت نہ تھی۔ اور درحالیہ فقرہ زیر نظر میں حرفت عامل یا تابع عامل موجود نہ تھا تو اسکی صحیح

سے بھی قلم اس لئے مونث نہیں کہ تائید کی علامت سے وہ معرا ہے اور مقررہ قواعد کی رو سے اس کے لیے مونث کا اطلاق بھی روا نہیں ہو سکتا۔ ب۔ وہ غیر ذی روح مشابہ جن میں بخیل علامات تذکیر و تائید نہ کوئی علامت موجود نہیں اور انکی تذکیر و تائید کیلئے کوئی قاعدہ بھی مقرر نہیں۔ مگر استعمالاً وہ بعض مذکر۔ اور بعض مونث ہیں انہیں کو مذکر اور مونث سماعی کہتے ہیں۔ اور یہی مذکر و مونث کی وہ قسم ہے۔ جس کے تحت میں قلم کی تذکیر و تائید کی یہ بحث بھی آ سکتی ہے۔

اس سے ہم بے خبر نہیں ہیں۔ کہ ملک کی جن آبادیوں کی زبان اردو نہیں ہے۔ لیکن انہیں اردو بولی۔ اور سمجھی جاتی ہے۔ زیادہ تر انہیں بن ایسے لوگ موجود ہیں جنکی زبانیں قلم کو مونث بولتی ہیں۔ لیکن وہ مکسال باہر عوام کا فرقہ ہے۔ زبان کیلئے انکی بول چال سزا استعمال نہیں کیجا سکتی کیلئے جو زبان معتبر ہے وہ صرف ثقات کی زبان فصحا کی بول چال۔ اور مستند شعرا کا کلام ہے۔

ہم لغت کیلئے سہ ماہی اسمتہ۔ فصحا کی زبان لیتے ہیں دہلی کی زمین اردو کی پرورش کا گوارہ۔ اور لکھنؤ کی فضا اسکی نشو و نما کا مرکز ہے۔ اور ان دونوں مقامات کے مشاہیر اور مستند اساتذہ نے قلم کو بالاتفاق مذکر کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی مرحوم۔ اور نواب خان صاحب داغ دہلوی مشہور شعرو سخن کے دور آخرین بہترین کے آنتابے بہت تاب و دفن کے مسلم الشیوٹ امام تھے۔ زبان کیلئے انکا کلام بالاتفاق مستند اور بالکل صحیح معیار کا حکم رکھتا ہے۔ بزم سخن کے ان دونوں محترم اور بالکمال صد رشیدیوں نے قلم کا استعمال مذکر کی حیثیت سے کیا ہے۔ مثالیں اسکی انہیں کے کلام سے یہ ہیں۔

امیر مینائی

صغیرہ بہر صورت گذرت نہ تیر اسکی صورت وہ بنائی قلم تو دیا

عبارت اس طرح ہو سکتی تھی۔
مختلف قلم مرتب کریں گے

قلم کی یہ محض ایک نعرش مستانہ ہو۔ اور سبب اس کا موسم کا
یہ فردوس نثار منظر ہو۔

جناب ساغر سے اور ان کی ادبی قابلیت سے ہم واقف ہیں
اور ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ رنگین طبع مرصع فکر اور اپنے رنگ کے
جدید طرز نگارش میں اردو کے ایک شکستہ بخارا دیب ہیں۔

ابراست و بہار سے ملو اہم فرہ دارد بر خیزد لغزین پاہم فرہ دارد
لفظ کی جمع کے تعلق میں نے صراحت کے ساتھ کچھ اس لئے
نہیں لکھا کہ قلم اور لفظ کی نالت بالکل کیساں ہے اور یہی جواب
اس سوال کا بھی ہو سکتا ہے جس کا تعلق لفظ اور ان کی جمع سے ہے۔
خوشتر آن باشد کہ سر دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران

حسن ظن کیلئے گنجائش ہے کہ قلم کی تانیث کا یہ اجتہاد ان کا
ادبی اعتقاد ہو۔ اور یہاں نہ صرف رسالہ کے رئیس تحریر کے باکیف

افکار تازہ

جناب فرخ بنارس

جناب احمد حسین صاحب رضوی بلکہ اُمّی تخلص بہ اثر

رہ رہ کے چھپتی ہے کسی کی نظر مجھے
اب ہوں بان جہان نہیں بنی خرم مجھے
ہر کام پر ہے جلوہ رنگین کی دلکشی
دیکھا اٹھا کے پردہ دیر و حرم مگر
پاک فریب خوردہ نہ رنگی بہار
تو ہی بنا قریب تک یا تجھ سے دور
رسمانہ میرے ذوق تماشہ کو کیجئے
میں گرا ہوں آج کسی کن گاہ سے

کچھ اور ہی عارف کو جلوہ نظر آتا ہے
دل جانے جو کچھ دیکھا اُسے تری ظہین
کچھ بوندین لہو کی بڑی خود دلش میں
جوش کے مناظر دیں انھوں نے سہا ہیں
جنتش کبھی کبھی میں رشک مصوکی
وہ دیکھتے ہیں ہر دن بے محاکو کھلیوں
دنیا نہیں کہ میں نے کسی میں نہیں دیا
وہ تو زیا شاید دنیا کی انگون نے

فرخ فریب بان کے حسن مجاہد کو
یہاں کیوں کر مرا ذوق نظر مجھے

حسرت ہے نگاہوں میں اک درد ہے آہوں میں
تیور سے آخر مجھ کو شاید نظر آتا ہے

یہ رسالہ قارئین کے حقوق کا بدلہ ہے
خاندانوں کے اراکین کے لئے
مجلسیہ ہندوستان کے شہر
انجمن درساں نے شاندازان
میں قیام ہے اس سال کی تمام
میں قیام ہے اس سال کی تمام
میں قیام ہے اس سال کی تمام
میں قیام ہے اس سال کی تمام

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہیں۔

غزلِ مسجع

از تخلص اشعار
جناب حاجی محمد مصطفیٰ خان صاحب اصطفیٰ مالک سالہ نظر

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

دل جو مرا نکلا رہے عوینخ نکلا رہے
چشم جو اشکبار رہے حسرت پیدار رہے
جس پہ چین بٹا رہے وہ مرا گلزار ہے
جو مرے دل کے پار رہے تیرا نگاہ یا رہے
اُسکو نہوگی کیا خبر عشق میں ہی بڑا اثر
جس نے پھر یاد در بدر جس پہ دل نکلا رہے
صبر سے کام گویا پھر بھی یہ راز کھل گیا
تیری جفا مری وفادہ میں آشکار رہے
ملتا ہو کون بے بدعتیں کے ہر شریک
وقت پڑا جو آ کے اب کوئی بھی لگ رہے
دل میں چھپا ہو جب کوئی پھر ہو پتہ کیون کی
روح لطیف جب ہوئی جسم بھی اُسکوار رہے
آتش غم سے دل جگر جلکے جب لی خبر
اب مرے حال زار پر کیون کوئی شکبار رہے
کتاب میں اپنے منہ سے کیا تنہ مغرور ہو کیا
کوئی تو بات ہی بھلا یوں جو یہ بقدر رہے
منہ جو کفن سے ہی چھپا عاشق نامراد کا
آپ کہیں گے یوفا اس لیے سراسر رہے
دوست ہوں میں بقدر اذیت ہوئی ہو ناگوار
تیرا نگاہ ناز بار جب سے جگر کے پار رہے

جانے دیا جو اصطفیٰ خان نے بڑا غضب کیا

قول و قرار کا بھلا یا رکے اعتبار رہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صوف عطر خانہ

اضغاث احلام

وحدت وجود اور تصوف اسلام

پتہ نہیں دیتے بلکہ ہر بات کا شکوک اور شبہ آمیز چرچا ہدایتی ہیں۔ بلکہ ہم کو اس طبقہ کے خیالات سے غرض ہے۔ جو اپنے عقائد کو منسلک طور سے بالاعمال ہی نوع انسان پر تلقین کر چکے ہیں۔ بلکہ اعلیٰ معیار میں ہرکو اس وقت حیرت اپنے ان خیالات کا جبکہ اضغاث احلام سے موسوم کرنا اسب واولیٰ ہے۔ اظہار کرتا مقصود ہے۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ ہم اس تحریر سے کسی خاص مسلک کی تبلیغ یا دوسرے کی تردید کریں چونکہ اس روش کو ہم اپنے منسلک ارتقاء سے فرد تک پہنچتے ہیں بلکہ بعض ان اصحاب کی تفریح کے لئے جن پر عالم تنہا ہی ہیں اس قسم کے خیالات کا ناظم ہوتا ہے۔ اور جو بالطبع فرض تحقیق و معاملہ کا وہی میں مبتلا ہو سکی۔ وجہ سے اس بات پر مجبور ہیں۔ کہ کسی بات کو کافی غور غوض کے ساتھ اپنی فہم و ادراک کے مطابق کئے بغیر تسلیم نہ کریں۔ ہم ذات باری تعالیٰ کے شعل جس کے گھنے پر تمام مذاہب کے اخلاعات کا انحصار ہے۔ مسئلہ وحدت وجود پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ ہمارے غامضین طبقہ انام کے صورت و متعدد اشخاص ہیں جن کو ایزد تعالیٰ نے فلسفیانہ دماغ و ولایت کیا ہے۔ چونکہ دیگر حضرات کے واسطے ہماری تحریروں ایسی ہی قابل تحسین و مضحکہ آمیز ہوگی جس طرح کسی شعور کا مفہوم اس شخص کے واسطے جو وحدت پر فہمی حسن پرستی سے نابلد ہو۔

تمام مذاہب کا موضوع مشترک خدا یا ایک ایسی ہستی کا وجود ہے۔ جو سب سے بالاتر اور موجودات عالم کا اصل اصول مانا جاتا ہے۔ خطا کی ذات و صفات کو مختلف طریقوں پر تسلیم کر کے مذاہب کے عقائد میں بنائیں و تفرقات واقع ہوتا ہے۔ خدا اور بندے کے ہرشی کو وحدت خیال کرنا یا ان دونوں کو جدا تسلیم کرنا تمام مذاہب کی جنگ و جدل کا راز ہے۔

مجھے متفکر اندور مذہب و دین کے عجیب و غریب اندر رشک و یقین ناگاہ و نادیدنی برآید زمین کے اسے بجز ان راہ نہ آئے ابن انسانی ارتقاء کی تاریخ میں فلسفہ مذاہب کی تشکیل اور بالخصوص فلسفہ الہیات کا غائر مطالعہ انسانی دماغ کے واسطے کو ناگونہ دلچسپی اور حیرت انگیز بحث کا موضوع ہے۔ آفرینش سے یوں کہنا زیادہ مستطاب ہوگا۔ کہ اس زمانہ سے جبکہ انسان کو اپنے متقدمین کے حالات کا علم تھا۔ انسانی اور اک نے اس وادی بے پایان کی صحرانوردی میں مختلف پیراں و دشوار اگر ایدہ ایدہ و منازل کو طے کر کے بعد جہان وہ اپنی قوت تخیل کے انتہائی پروانہ سے عاجز آکر لا احمیٰ کہنے پر مجبور ہو ہے۔ اپنی اور بعض اپنی تعلیمی اور جذبیہ دقیقہ کادی کی تسکین کے واسطے ایک خاص عقیدہ ضرور تسلیم کر لیا ہے۔ گو وہ اپنی نوعیت اور بہرہ گیری کے لحاظ سے دیگر اشخاص کے عقائد و خیالات سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہی کیون نہ ہو۔ ہر فلسفی امر عالم کی تفصیل میں بمقدار ہر کس خیالی خوش خطیہ دارد۔ ایک جدا گانہ مسلک کھتا ہے۔ اور بعض اپنی خود سری کی وجہ سے اپنے مخالفین کو جو اس کے خیال سے متفق نہیں ہیں۔ مگر وہ ادب پر قوت سمجھتا ہے۔ بعض آخر فی ہر ازی کی آواز میں صرخت اٹھا کھیتے ہیں کہ وہ صدقہ تو بادرک نماید دانستہ آئین جن نیز باندا زہ ادراک سن است۔ یا اس کے آگے بڑے تو حافظ شیرازی کی زبان سے یہ ہو کر تے ہیں کہ جو دے زاہد خود ہیں کہ چشم من دو۔ رازدین پر وہ نہان است و نہان خواہد ماند۔ چکو آستو فرقتہ کاوریہ کے خیالات سے بحث نہیں جو اپنے انتہائی تحقیق و تجسس کے بعد صرحتاً سد پر چہ پنے ہیں کہ معلوم شد کہ کچھ معلوم نہ شد یا فرقہ فوطانی سے جو کہ ایمان عالم کی حقیقت سے میں کسی بات کا ذوق و یقین کے ساتھ

تمام ماہرین فن نے مضر علی محمد علی تاجر مضر لکھنؤ کے مضر خا کو بہترین مضر مانا ہے۔

طوائف سے خالی نہ ہوگا۔ جو مضمون ہذا کے موضوع سے غیر متعلق ہے۔ ہم اس وقت صرف اسلام کے اہل معتد راہب کے خیالات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو خدا کی ہستی کو محض وحدت وجود کی صورت میں تسلیم کرتے تھے۔ اور جو اپنے خیالات کی تلقین مسلمانوں کی کافی تعداد کو کر چکے ہیں۔ یہی شخصیت کا اثر دیکھ کر اسلام پر مذہبی رکن ہونے کی حقیقت سے جو مرگئے ہیں نہ فلسفہ شریعت اسلام مسئلہ وحدت وجود کے بالکل خلاف ہے اور قرآن وحدیث اور فقہ میں اس کے مطابق کسین تعلیم نہیں پائی جاتی مگر تاہم ساکنان طریقت کا ایک بڑا گروہ قرآن وحدیث کی تعلیم پر ایمان رکھتے ہوئے وحدت وجود میں داخل التقید نظر آتا ہے درمحل شریعت وطریقت کا خاص خدا کی ہستی کے متعلق جو مذہبی عقائد کا پہلا زینہ ہے۔ اتنا زبردست تائید و تقاضا چشم حقیقت میں کے نزدیک خالی از علت نظر نہیں آتا۔ مگر بقول حافظ شیرازی کے ہے

مصلحت نیست کہ از پرہ بردن ^{باز} قدر و نہ مجلس ندان خبر نیست

نظام عالم و قدر کے مصلحت سے عوام کو اسرار موجودات کی بابت تعلیم دینے کا طریقہ حقیقت اور خاصان بارگاہ کے اصول باطنی سے بالکل مختلف اور متضاد نوعیت کا ہوتا ہے۔ چونکہ تمام دنیا کے گوناگون طبائع کے واسطے کسی بات کو ایک ہی طرح سمجھانے سے پہلی طلب کے فوت ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کے بعد بچے کے باقی اور ذہنی ارتقاء کے مختلف مدارج و منازل کو چشم حقیقت میں سے فلسفہ جذبات کے دقیق ترین اصول کے مطابق معائنہ و مشاہدہ کرنا جس بچے کے مختلف خیالات و عقائد کا پتہ چلتا ہے۔ اس امر کی بین دلیل ہے کہ انسان اپنے دماغی نشوونما کی ابتدائی حالت میں اپنے جذبات خوف و خطر کو محض فرضی ہیبت تاک موجودات کے تصور سے اور جذبات امید و رجاء کو صرف معمولی اور ادنیٰ ماکولات ملبوسات کی طرح سے براگتہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بچہ کو خدا دیکھنے واسطے کسی فرضی

کسی مذہب کے فلسفہ میں جس قدر اعتراضات اور شکوک پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر خدا کی ہستی کو کسی خاص طریقے سے تسلیم کرنے پر ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ اہم اور دقیق مسئلہ ہر مذہب کے اعتقادات کے لحاظ سے مسئلہ وجود ہے جسکی بنا پر خیر و شر، برائی و نیکی کی حدود قائم کی جاتی ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان ایک خاص امتیازی حالت بتائی جاتی ہے۔ فرقہ برہم و دوزیر کے درمیان جن کا وجود ہر قوم و مذہب میں مختلف ناموں کے ساتھ پایا جاتا ہے عجیب کشمکش رہی ہے۔ مگر فلسفیوں کا زیادہ قابل قدر گروہ اپنے حقیقتات کے انتہائی نزل پر ایلاخر مسئلہ جو تسلیم کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو بظاہر عوام کے معیار فہم سے خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ سگوات دلال کی جڑ پر پونچنے سے انسان میں برآ کر قیام کرتا ہے۔ چونکہ اس بات کو نہیں مانتا ہے کہ انسان کا ہر فعل اس کے ارادے کا تحت ہے سب سے پہلے کسی کام کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد عمل کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔ سب طبائع انسانی کا غائر شاہدہ اور فلسفہ جذبات کا عملی پیلوں امر پر کافی دلالت کرتا ہے کہ انسان کا کوئی خاص ارادہ اس کے غماں باحوال خاص اسباب و ذرائع اور خاص دماغی ساخت کے زیر اثر ہوتا ہے۔ اور وہ دراصل اپنے ارادے پیدا کرنے پر بلا ان خاص جوہ کے قادر نہیں۔ پس اس کے تمام افعال و اعمال اس کے اجزاء و احوال میں ہر معمولی سے معمولی حرکت کسی خاص قوت کے تحت ہے جالیہ وحدت وجود سے بہتر اس مسئلہ جبر کا قائل کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا۔ وحدت وجود کا خیال فلسفہ ہند کی دیانت فلاسفی میں بہت وضاحت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جکا مقولہ اہم بہرہ دیتے ماستے بالکل اسی خیال کا ترجمہ ہے۔ فلسفہ زبان میں بھی اسکی کافی جملہ نظر آتی ہے۔ اور فلسفیان یورپ بھی اپنی مادہ پرستی کے عقیدے میں اسی کے خیال معلوم ہوتے ہیں ہم اس وقت ان مختلف گروہ کے عقائد سے بحث نہیں کرتے۔ چونکہ فلسفہ غماہ پر تبصرو کرنا غیر معمولی

اکثر ہر عطر روح کہ مرفروخت کیا جاتا ہے مگر مضر علی محمد علی تاجر عطر کہنو صرف گلاب جنس اور پامٹری کی روح کے کو اکی عطر سے وہ حکایت بیان کرتے

خونخاک نام کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ اور اس کو کسی کام پر آمادہ کر نیکی لے
معمولی کھانے پینے کی چیز کا پالاج دینا بہترین تدبیر ہے۔ مگر جس قدر تجاؤز عمر
و اضافہ تجربہ و معلومات کے ساتھ ذہنی توازن میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ وہ
اپنے گزشتہ خیالات کو خیر باد کہتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر ہر درجہ ارتقاؤ
پر اس کو اپنے دیرینہ عقائد قابل تسخیر و مضحکہ معلوم ہوتے ہیں۔ خدا کی ہستی
کا خیال بھی انسان کے دل غمین صدام مختلف طائفوں سے آتا رہا ہے۔
اور ہر وہ چیز جو اس کے دل میں حیرت و تعجب کا دلولہ پیدا کرتی تھی۔
اس کے نزدیک خدا کی ذاتی متنی مشکلات نہایت قدیم میں پہلے انسان نے سوچ
کو جو اپنی مالکیت و مضافت کے لحاظ سے ایک نہایت عجیب خیر چیز تھی
اپنا خدا تسلیم کرنا شروع کیا۔ اس کی طوط قرآن پاک میں بھی اشارہ ہے۔
فلما رأى الشمس بادئها قال هذا لى هذا لى هذا لى هذا لى هذا لى هذا لى
ہوا۔ پانی۔ باد۔ بجلی۔ پہاڑ۔ مختلف حیوانات و انسانات غرض بے شمار
صور توں میں اس سب کی کا وجہ تسلیم کیا گیا مگر جب دنیائے اپنے عالم طفولیت
سے نکل کر سن شعور و فہم میں قدم رکھا۔ تو خدا کی ہستی مرئیات کے حدود سے
بالا تر ہو کر غیر مرئیات کے دائرہ سے وابستہ ہوئی۔ اور مادہ کے ساتھ روح
کا خیال بھی پیدا ہوا۔ اور اس سے بھی زیادہ لطیف و غیر محسوس حالت میں
خدا کا وجہ تسلیم کیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد صمد یا قابل قدر انسانوں کے
طویل و مدید منکر کا وہی نے ازل وابد کا راز کھینچے اور کھجائیکے لئے بے شمار
خاکے کھینچے جن میں سے اکثر نقوش بر آب ہو کر رہ گئے۔ اور اکثر موجودہ مادہ
تک اپنے منصوبوں کا نشان زندہ دماغوں میں دیتے ہیں۔ مگر یہ

کس کشور و کشاد بیکمت این ہمارا

قفاں شیرازی نے خوب کہا ہے۔

آنگاہ این لئے سرتہ نوشتہ است غمت گچھ غمت بمرتہ منصورن دہ است
عاقبتہ اندر ہی بھی یہی خیال رکھتے ہیں۔

کس نہ است کہ منہل گویہ غمتو کجا است این قدر بہت کہ باگت سے مایہ

میں ہو سکتے ہیں وہی حالت مذاہب کے اختلافات کی ہے۔
چنانکہ عقائد و دولت ہمد را عذر نہ چون ندیدند حقیقت رہ فسانہ فند
مذہبی اختلافات کے ذمہ دار زیادہ تر لوہا مہا ہیں جو محض اپنے خود
غرضی شہرت پسندی اور جاہ طلبی کے جذبہ سے مجبور ہو کر قوم کی فلاح و بہبود
اور عوام کی اصلاح و نجات ابدی کے معاملہ میں اپنے زمانہ کے طرز خیالات
میں کسی نئی تبدیلی کا باعث نہیں ہیں۔ کسی فلسفی شاعر نے تنگ آ کر خوب
کہا ہے۔

کفر و دین را بہر از یاد کہ میں فقہ گران در برما موزی بصلحت اندیش خود اند
اور بجائے اسکے کوہ نظام عالم کو درست کر کے لئے مختلف گروہوں
کو حمد و تشفی بنائے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ وہ اپنے دعوے کے خلاف موجود
فروق میں ایک اور فرقہ کا اضافہ کر گئے ہیں اور ہر ادنیٰ سے ادنیٰ کچھ کھٹکے
مذہبی متعلقہ اپنے مقبولات ذہنی کے متعلق ایسا ہی یقین و اٹنی رکھتا ہے
جس طرح محسوسات خارجی کے بابتہ حالانکہ فلسفہ کے انتہائی مدراج میں

علاوہ عطر خانہ کے جملہ قسم کے صندلی عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید فرمائیے۔

معمولی سی معمولی چیز کی بھی حقیقت سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

جو صوفی داور ولی کامل ہو چکے علاوہ اپنی ابتدائی زمانہ میں فلسفہ کی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اپنے کام میں نہایت وضاحت کے ساتھ وحدت وجود کی تلقین کرتے ہیں۔ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ مکیکرمناؤ! اچھا اصفہانی۔ خواجہ فرید الدین عطار۔ عمر خیام۔ مولانا کے روم۔ شیخ سعدی عراقی۔ حافظ شیرازی۔ امیر خسرو۔ نظامیؒ غنوی۔ جامی فارسی کے فلسفی شہرک فرست میں سے چند وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جن کے کلام میں وحدت وجود کی ایسی طول تفصیل ہے کہ محض اودن کے شمار سے اس بحث پر متعدد کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

قانون شریعت کے مطابق حضرت منصور کو محض اسوجہ منزلے صلیب کا مستوجب قرار دیا گیا کہ انہوں نے انانیت کو لکھ کر اپنی ہستی اور خدا کی ہستی کو واحد ہونے کا ثبوت دیا اور اسی خیال نے حضرت مس تبوہ کو تم باذنی کہنے پر مجبور کیا مگر خواجہ فرید الدین کے نزدیک اس میں کچھ حیب نہ تھا چونکہ علم باذنی دم باذن اللہ ہے ورنہ ایک نغمہ آواز بیاہر بلکہ اس سے تجاوز کر کے یا ناک پہونچتے ہیں کہ

ہر کہ از دے نزد انا الحق سر او بود از جماعت کفار
ایک قانون کے مطابق ایک شخص ایک عمل پر واجب القتل قرار دیا جاتا ہے مگر دوسرا قانون اسی عمل کے ترک کرنے پر سزا تجویز کرتا ہے۔ جو بات شریعت میں کوہے فلسفہ تصوف میں ثواب ہے۔ جو شریعت میں شرک ہے طریقت میں عبادت ہے۔ اپنی حقیقت کا معلوم کر لینا جس کا نتیجہ اپنی ہستی کو نانی باشد کہ خدا سے وصال حاصل کرتا ہے دراصل وحدت وجود کی تسلیم کا عملی پہلو ہے۔ خواجہ عطار کہتے ہیں۔

انچہمی جو بندہ سیر یوں در و طلماکا
خویش را بیاہن چون این پردہ زخیم
خانی و مخلوق بندہ و خدا کی تفریق اسوقت تک قائم رہتی ہے جب تک انسان قوانین و رسوم ظاہری کے پابندی کو جو مصلحت محض عوام کو ایک سلسلہ میں مضبوط و منسلک کر کے خبر بد عمل کو ترقی دینے کے واسطے پیر

مگر وحدت وجود کے مسئلہ کو تسلیم کرنے پر انسان فلسفہ آکلیات کی بہت سی پیچیدگیوں سے نہات پالتا ہے۔ اور بالخصوص جبر و قدر اور خیر و شر کا عقیدہ لا ابطال ایک حد تک معقول طریقہ سے حل ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل جس خوبی کے ساتھ مسلمان صوفیہ کرام کے فارسی کلام میں پائی جاتی ہے وہ اس موضوع پر تفصیل اور مبسوط کتابوں کی تحریر سے زیادہ واضح اور موثر ہے۔ چنانچہ تصوف کی آخری منزل فنا فی اللہ بالکل ایسی خیال کی یقینی حالت کا نام ہے حضرات موصوف نے اپنی متبرک اور قابل قدر شخصیت و روحانی تصرف سے اپنی زمین میں اور اپنے بعد دنیا پر چھڑک کر اظہار کر کے اکثر طبقات کا نام اپنا سحر و مقصد بنایا۔ اس سے بکواسوقت کچھ بحث نہیں۔ چونکہ عوام کی تقلید و کثرت راسے ہمارے نزدیک کسی مسئلہ کی تصدیق و تکذیب کے واسطے کوئی طمانیت بخش ثبوت نہیں ہے۔ زبکے پیر خلق گوی آرد نمی روم براہے لکا روانہ شد است بلکہ ہم اسوقت ان بزرگان قوم کے خیالات کو فلسفہ کے معیار پر تو لگان کے معقول و نامعقول ہونیکا ذکر کرتے ہیں۔

فلسفہ تصوف کے مطابق دنیا میں صرف ایک ہستی کا وجود ہے۔ سوائے اس کے کسی دوسری چیز کا وجود ناممکن ہے۔ صرف وہی ایک باطنی ہستی جو خدا کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ تمام موجودات عالم میں اپنا جلوہ مختلف مظاہر و صورتوں میں اور اپنا اثر اپنے شارگون گوناگون محسوسات و مددگار میں ظاہر کرتی ہے۔ سادہ۔ روح اور خدا تینوں ایک ہی وجود کی مختلف حالتوں کے نام ہیں۔ تمام عالم میں صرف خدا کا وجود ہے۔ اور اس کی کوئی خاص جگہ معین نہیں۔ وہ خود انسانوں کے قالب میں اپنے مختلف حالتوں کا شاہدہ کرتا ہے۔ اور خود اپنی بابت بے تعداد خیالات کی صورت میں مبتدل اور متبدل ہوتا ہے فرض ایں قسم کے عقائد میں کمال اصل اصول صرف ایک ہستی کا وجود تسلیم کرنا ہے۔ فلسفہ تصوف کے بنیادین۔ فارسی کے اکثر مشر

علاوہ مطربات کے اصغر علی محمد علی تاج صاحب لکھنؤ کے کارخانہ کے تیار کردہ روغن اور نہایت اعلیٰ عریات طلب فرمائیے۔

مین اظہار کرتی ہے اس سے بتو حید کا مضمون دوسرا نہیں ہو سکتا ایسی
مضمون کو کسی صوفی شاعر نے نظم کیا ہے۔
حق جانِ جهان بہت و جہان جلالت ارجوح و مانکہ و اس۔ این تن
افلاک و عناصر و دالید اعضا توحید پرین است و گاہ ہمدفن
فنا و بقا کا خیال اس سے زیادہ نہیں کہ۔

ہر دم بلایاں دگر آن یار برآمد ہر خطہ لیش آن بیت عیار برآمد
ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت میں اپنے جلوہ کا اظہار کرنا
عوام کے نزدیک تھقل و دقت ہے۔ مگر تصوف میں اس
حیات ہی کی دوسری حالت ہے۔ وحدت وجود کی تفہیم
کے مطابق خیر و شر کا اطلاق مشہور متون میں کسی عمل انسانی پر نہیں ہوتا
اور کسی چیز کو اچھا یا برا کہنا اس مسلک سے سخت ہونے کا جرم کرنا ہے۔
سزا و جزا، ثواب و عذاب۔ نیک و پھوٹھ ایک چیز کے مختلف نام ہیں۔
جن سے ایک ہی کے مختلف نیرنگیوں کا پتہ چلتا ہے۔ جبر و قدر کا عقدہ
لاخیل اس خیال سے بڑی آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے شیطان
دُفس مارہ کا خالق و محرک ہی انتہائے استدلال پر تمام علم و عمل سید
کایانی قرار پاتا ہے۔ اس جبر و جبرگی کی حالت کو تصوف اسلام میں،
اس طرح ادا کیا ہے۔

ہر قسم کے زکوٰۃ و بارہ ما کریم و بنود غیرہ چارہ ما
بے تکلفیت ہر جہر سر زار ما مامورہ اوست نفس اللہ ما
ابلیس چور آدم و حوا انکسیت بشت بیلا و ہونے بخود بکسیت
وانکہ زبان حال یا آدم گفت ابلیس توں ہوگو کہ ابلیس کسیت
دنیا میں ہر ایک ایک سبب موزوں ہوتا ہے اور ہر سبب کسی دوسرے
سبب کا ماتحت ہوتا ہے دوسرا سبب تیسرے سبب کا ماتحت معلوم
ہوتا ہے۔ اسی طرح علل و اسباب کی، نہایت حد و پیرہہ آخری نتیجہ کا
ذمہ دار سبب و علل یا سبب لایاب قرار دیا جاتا ہے۔ بین متغصاے

عالم کی کئی کئی اراکونین کی اصلیت قرار دیتا ہے مگر جب غور و فکر کی انتہا
منزل تک سائی ہو جاتی ہے تو دنیا میں صرف ایک ہی کا وجود طاری
دوسری معلوم ہوتا ہے اور یہی تصوف و طریقت کی روحانی ترقی میں
آخری مرتبہ ہے۔ اس دفعہ پر پوچھو کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور کچھ نہیں جانتا
خدا کی ہستی کا ایک جزو ہے مگر عوام کی فہم کے موافق مکان و زمانہ کا تعین
کرنے سے عاری ہے اور مباحثہ بھی کتنا ہے کہ۔

چسان از تو چوہ تو در جهان نہ ہمدرد تو کم تو در میان نہ
خوشی تو از گویائی تست نمانی تو از پیدائی تست
ترا با زہ ذرہ راہ بنیم دو عالم تم و جہ اللہ بنیم
خدا لا جز خدا ایک دست کشیت کہ در غور و خدایم اوست کشیت
درین مئی کہ من گفتم شکست تو بچشی و عالم جزیکہ نیست
(خواجہ عطار) وحدت وجود کی پہلی تعلیم ہی ہے فلسفان عالم تمام عمر
اسی تجسس میں سرگردان رہے کہ خدا کے متعلق کوئی تسلی بخش تحقیق کریں
مگر فلسفہ تصوف میں اسکی ترکیب نہایت آسان ہے یہی اپنی ذات کے
متعلق تحقیق کرنا دراصل خدا کی تحقیق کرنا ہے چنانچہ کہا ہے۔

گوئیہ کہ ذرات او معلول یافت ما فترہ ایم ایم کہ کشش ما ایم
وحدت وجود کی تسلیم کا یہی نتیجہ ہے۔ وحدت وجود کی مثال عوام کی
سطح فہم کے موافق آفتاب کی روشنی کی مانند ہے جو ہونے کے باوجود مختلف
مقامات اور تفرق کس پریرا دیات مثلاً بانی ریشہ وغیرہ پر گونا گوں
طریقہ سے منیا اٹھن ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کا وجود ایک اور بالکل
ایک ہونے پر بھی اعیان موجودات کی بدلتوں اشکال و صورتیں ظہور
پزیر ہوتا ہے جس طرح روح انسان کے تمام جسم میں ہر ادنیٰ سے ادنیٰ
جزو بدن میں ساری دھڑلہ اور کوئی کمر موچی اس کے وجود سے
خالی نہ ہو نیچے علاوہ کسی خاص مقام پر اسکا قطعی وجود متعین نہیں
اُسی طرح خدا کی ہستی دنیا کے ہر ذرہ میں موجود ہو کر اپنی بجلی کا مختلف انواع

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے ایجاد کردہ عطر خا کا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

والدینہ ترجیح الاھم انسان کے ہر فعل کی ابتدائی وجہ مشیت
ایزدی کے سوا دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ گریذ ہی اصول ہے اس مسئلہ
خیر و شر کو عام کے ساتھ مندرجہ بالا صورت میں پیش کرنا نظام عمل میں مل
ڈالتا ہے۔ وجہ سے پیشہ ایمان و مذہب نے اسکی تلقین ایک مقول تادل کے
ساتھ کی ہے اور پھر اس تادل کو بے چون و چرا تسلیم کر کے مصلحت عمل کا
اس قسم کے الفاظ میں اظہار بھی کر دیا ہے۔

حقیقت یہ نیک بدیہ بشر خستہ ہی نہ کہ عالم دین برہم اگر دستہ غنی براو
مگر عروخیام جیسے رند مشرب فلسفی اس راز کو فاش کئے بغیر ہر شے
ادراپے کلام میں بدین الفاظ اپنی مصیبت کا اظہار کر گئے۔

از آب و گل سرشته من چہ کنم دین بشم قصب اور شے من چہ کنم
ہر نیک و بد کہ از من آید بوجد تو بر سر من نوشته من چہ کنم
سازندہ کار مردہ وزندہ توئی دانندہ این چرخ پرانگندہ توئی
من گرچہ بدم صاحب بن نہ توئی کس را چہ کند جو آفرینندہ توئی
مسئلہ چہ کی تائید میں حافظ شیرازی بھی اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے
مندرجہ ذیل اشعار اس معاملہ میں کس قدر واضح ہیں۔

نقش خودی دوستی نہ بدست من است آنچه استاد ازل گفت بکن آن کردم
بروئے ناصح و بد و درویشان جو در کبر کار فرمے قدری کن داین بن کینم
مراد و ازل کا ہے بجز رندی و فرمودند ہر آن قیمت کہ آنچا شد کہ ہر آن قیمت
دربس آئینہ طوطی ضحکم داشتہ اند آنچه استاد ازل گفت ہاں ہی گیم
و حدت وجود کے کہہ گئے فلسفہ میں تمام عالم کے مختلف مذاہب ایک

مسئلہ میں منضبط معلوم ہوتے ہیں فلسفیانہ ارتقا کی اس خری مندرجہ
دیر و حرم کے اختلافات ہرگز نئے خاصیت ثابت نہیں ہوتے بلکہ ہر انسان
کا جداگانہ خیال و عمل حق کی تلاش و تسلیم کی مختلف صورتیں معلوم
ہوتی ہیں اور ایک ہی سبب کا نتیجہ پویشکی وجہ سے کسی تحسین یا نفرت
کی مستحق نہیں۔ مذہبی نزاع صوفی کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی
وہ ہمیشہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے کہ۔

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دین چہ است ایک چرخ کعبہ و تاجانہ روشن است
عارف ہم از اسلام خراب و ہم از کفر پرورنہ چراغ حرم و دیر نہ اند
جنگ ہمتا و دولت ہم را دینہ چون ندیدند حقیقت رہ نماندند
موجودہ حقیقت کی مزید عقل پروردہ نشینی جو اپنے جملہ گزنی کے دور
ناقنہای میں ہمیشہ اپنے ساتھ انسانی اور اک کے مساس کو بھی اپنی
عفت پرستی کی پردہ درسی خیال کرتی رہی ہے اور جو اپنے خدا کاران
جنون کیش کی لاعلمی و باہمی جدال کو اپنی تفریق و دلچسپی کا ذریعہ سمجھتی
رہی ہے تمام موجودہ و گزشتہ اختلافات عقائد کا راز سرایت ہے چونکہ
دنیا کا وجود ہی اختلافات کی صورت پر منحصر ہے اسوجہ سے باہمی تحقیق
و عرفان کا مندرجہ شناس ان متلون کرشمہ پنجنوں سے تنگ آکر
بے ساختہ چلا اٹھتا ہے کہ۔

فقیہان دفترے رامی پرستند حرم جو یان را دے رامی پرستند
بیغلن پردہ نامعلوم گردو کہ یاران دیگرے رامی پرستند
سید عباس علی سنہواری (طیغ)

کلام شمیم

ایجناب سید خلیل احمد صاحب انرذی خلف حضرت شمیم خیر آبادی
سرفہر آکر گھٹا رو گئی مری سبکی کی بھی ہو گئی
دہ آئے جوئے تھمرے خوابین مین ہا کا تو قسم ہی ہو گئی
شب غم اسے کیا لگی شبیم مے مال پر شمع کیوں رو گئی
شرب غم سے بڑھکر ہر حد فراق محبت میں کرتی ہی رسوا ہوا
بھے کیا خوشی جو حشر ہو گئی مری ابندا انتہا ہو گئی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خناہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے

اور پھر بھئی تنہا البتہ میں نے لکھنؤ میں نصحاء سے نہیں سنا۔ اہل کلام میں بھی تین دیکھا۔

”موتی کی لڑی“ کی سند آپ نے اسی دی ہو کہ اب میں یہیں کچھ کلام نہیں کر سکتا۔ جنہوں نے بھگو منی کیا تعجب! انہیں کے بیان موجودہ ہو گئے کیا نال ہی۔۔۔۔۔ امیر فقیر۔ بقلم دیگے

بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی
نمبر صفحہ ۱۳

رام پور۔ ۹۔ اگست ۱۹۲۶ء

محبی و شفیق زاد عابد علیکم۔ سلام سنوں اخلاص و دعا مشغون۔۔۔۔۔

آپ نے جو امیر اللغات کو شروع سے اہم کر لیا اور اسکی بعض فرورگراشتوں سے مجھے مطلع کیا میں اسکا شکر گزار ہوں۔ بیشک کتاب نے غلطی کی تو صحیح کر نیوالے بھی چوک گئے۔ جو بھر کے شعر میں پچھو کی جگہ پہنچا چھپ گیا۔ اچھا اچھا کی مثال سخی کا شعر تنیک بہت مناسب اور اچھا خاکر اول تو سخی سستہ استادوں میں نہیں ہیں دوسرے آجک اسکا کلام

نفت میں بنیں یا گیا

ایک تنیک کا شعر مند ہونا ”میں میر کا شعر ضرور دیا جاتا اگر پہلے سے ملتا۔ اتفاق کی بات ہو کہ استقراسے یہ شعر رہ گیا۔

طویر سویر، فعل الف مع الواو میں لکھا گیا جو آپ کی نظر اس پر نہیں

پڑی اب ملاحظہ کر لیجئے۔ امیر فقیر

بنام جناب حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی

نمبر صفحہ ۱۴

پایہ کوثر۔۔۔۔۔

محاورات و لغات کی تحقیق کیواسطے محزن الحواریات کا گذر فیض

کسی قدر مفید ہو رہا ہے مگر محزن کو دھوکا دینا بھی لایا ہوا نہیں۔۔۔۔۔

امیر فقیر

میر ۵ اب حال اپنا اسکے ہی بخوار

کیا پوچھتے ہو! محمد مند

مشقت کو محنت کو جو عار بھین ہنر اوپینے کو خواہر سمجھیں میری رائے میں یہ سالم ہی نہ مبالغہ۔

قرن بفتین صبح ہو۔

انوری ۵ دو قرن از کرت برد و جان برگ و نوا

تو چہ دانی کہ جان پیو چہ بی برگ و نوا

ما یقر کا استعمال خط و کتابت کیساتھ ہی جیسے کہین فلاں شخص بقبر

ہو خوشنویس نہیں اور کسی چیز کے ساتھ استعمال میں نے نہیں سنا۔

بھرنے جو ایک شعر میں ۵

اب مجھ سے الیام کی باتیں شیکھنے دل تم سے پھٹ گیا جگر دکھا رہا گیا

مصرع اولیٰ میں کیجئے کیساتھ خطاب کیا ہو اور دوسرے مصرع میں

نئے یہ تجربہ موقوف نہیں بلکہ اس زمانے تک اکثر معاصرین بھر جرن کاٹھا

استادہ میں ہوا اسکے ناکث تھے، ان کے بعد متاخرین نے اس اختلاف

خطاب سے احتراز کیا۔ میں بھی خدین تا کہین میں ہوں۔۔۔۔۔ امیر فقیر

بنام جناب حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی

نمبر صفحہ ۱۲۹

پایہ کوثر۔ سلام و دعا کے بعد دعا بخار ہوں۔۔۔۔۔

”گھر ٹٹا“ اور ”گھر ٹٹا“ دونوں صحیح ہیں مگر ”گھر ٹٹا“ شعرا کے کلام

میں نہیں پایا۔ فصحاء لکھو گھر نا کو ترجیح دیتے ہیں

رشتک مرحوم نے جب گھڑی نہیں اور پھر ہی نہیں طرح کی غلطی ہو گئی

یاد آتا ہو کہ شعرا نے گھڑی نہیں ہی ان معنوں میں کہا تھا۔

رشتک مرحوم کا شعر یہ ہے ۵

ٹھٹھا ہوتے ہیں سایہ میں یہ بھی بدن کی طرح

ہرگز سنا نے تم سے زبرد گھر ٹٹے نہیں

اگر کٹوٹی اصل سے بلا کہ میں نہ ہاں شمشیر کی آئینہ نش کے تیا لکھ رہا تھا کو سحرور فی و کا ہو تو جھڑی علی محمد علی جھڑی لکھو سے طلبا نے

بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر خیر آبادی
ذیل ۳۰ صفر ۱۳۴۶ - رام پور - ۸ - مارچ ۱۹۲۶ء
محرم صاحب - سلام سنوں دما شمع
”بھانا، ہندوؤں کے معنی میں اگلی زبان پر اب میرے نزدیک بھی
مستحق التکرار ہو۔“

”ہمیں“ میں ہی کی جگہ بول چال میں چاہے آج آتا ہو اگر کسی بہتر کلام
میں تنگ نظر سے نہیں گزرا حکم اسکو استعمال کا نہیں دیا جاسکتا ہے
اسیر مرحوم کی نظر سے آپ کے شعر میں نہیں معلوم کیونکر رہ گیا۔ اور میں
بھی اسے دیکھتا تو سو اپنے سو نظر کے اور کیا کہہ لیتے۔
”کھڑیاں“ جنہم سنوں کیلئے مخصوص ہے اور یہ لفظ مجھے پسند نہیں
”بھلنا“ لفظ نہیں ہے بلکہ بدھنا ہے اور سرت کرنے کے معنی میں
مستعمل ہے۔ ص ۵

شوہر کا ہونے پر عشق جوانی میں بدھ گیا ہو مگر جن کا سوا میں
”ایجاد“، ذکر ہی سند کے شعر ذیل میں دیکھئے، آجکل اس لفظ کی تکرار
وفاقت میں بحث چھڑی ہوئی ہے، اخاموں میں مضامین دیکھ جاتے
ہے مجھ جابجاست میرے پاس استغنی آتے ہیں، سنا جاتا ہے کہ تو اب
مرزا خان صاحب و آغ کا قول ہے کہ وہی میں موش ہے مگر کلام
میں کہیں موش کا پتا نہیں چلتا۔ اگر ایک معتبر شاعر نے بھی موش کہا
ہوتا تو کہا جاتا کہ مختلف فیہ ہے اور بغیر کلام میں آئے ہوتے کہیں کہیں
بول چال میں ہونا کافی نہیں ہے تسلیم دہی سے

تیرا آیا ہو دینے کو مبارکباد ہوگ - کیا ایجاد ہو میرے تم ایجاد کا
میرے - تازہ نگاہوں نے ایجاد گلستان میں
دانون کو کیا ہے صبا گلستان میں

اگرچہ اس شعر میں ایجاد کا لفظ جس صورت سے آیا وہ سند کے لیے
پوسٹلوک کافی نہیں ہو سکتا مگر دیوان میں اسی طرح چھاپا ہوا اور وفاقت کو

بھی اسی طرح پڑے شنائی
غافل گھنوی سے اتنی بنائی کہ ان دیکھیں جو سیر جزو کل
عالم ایجاد میں تو سیکڑوں ایجاد ہیں
”وشنام“، زیادہ موش ہی مگر ایک جگہ ظفر نے مذکر کہا ہے ظہنا
مختلف نہ کہا جاسکتا ہے۔

تازہ سے کسی نے جو حیدر کو دشنام دی
تو گو یا پیسہ کو دشنام دی
- بارہا میں گیا چون نزد اہام
کبھی بھگوان دی کوئی دشنام
ظفر سے ہکو پوشیدہ ہیں پیغام کو کے آئے
خط پہ خط روز ہیں بے نام کو کے آئے
چو لڑا کر کھینچ نہ لاتی ہمسکو کا یہ کو سینے کو دشنام کو کے آئے

..... اسیر فقیر
بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر خیر آبادی
نسب ۳۰ صفر ۱۳۴۶

پیارے کوثر.....
”مدفن“ کبر فالتہ صبح جو بھڑوڑن کر نکو کون منہ کر تا ہے۔ اچھا
نہ معلوم ہو تر کئے۔ میں نے بھی کبھی نہیں کہا۔ خلد اشیا میں سے نوزوں
کیا ثابت چرچا رہا مگر بہت غیبی کی قافی نہ لفظ صبح ہو۔
”چو چشش“ یعنی جنگ کشیر غیاث میں فتح لام ہے اور آمد
میں بکسر لام ہے انہو کے سنوں میں

”خانہ کعبہ“ کا ترجمہ کعبہ کا گھر، بالکل مستعمل نہیں ہے نہایت بُرا
معلوم ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ خانہ کعبہ تزیین اضافی نہیں ہے تو تکرار صفت یا
بدل بدل منہ ہو میرے کا گھر کو نہ کر درست ہوگا آپ کسی سے طے
نہیں اور سمجھئے کہ غلط ہے۔ ہن معین کے کوام میں ملے تو شیر گز کوئی

اسغر علی محمد علی تاجر خط لکھنؤ کے کا رخصانہ کا انتظام اب تک اس منہ پر کے زیر نگرانی ہے جو ۵ سال سے کام کر رہا ہے

امیر اللغات میں کم پلٹے اسکی وجہ یہ جو کہ گنتی میں اتفاق یہاں سے
قریبانی کہ امیر اللغات میں ہی الفاظ انگریزی کے داخل کئے
جائیں چکی جگہ اردو میں کوئی نسخہ مختصر اور ٹھیک انہیں مندرجہ
نقطہ موجود نہیں ہیں۔

آفس۔ آفیسر۔ آرڈر وغیرہ لکھے گئے۔ دوسرے سے خارج کرنا
کے کو کہ آفس کی جگہ کچری اور دفتر اور آفیسر کی جگہ صنعت
اور آرڈر کی جگہ حکم موجود ہے۔

آز۔ آریبل۔ آریزی وغیرہ لکھے گئے ہیں۔

امیر فقیر
بنام جناب زراہد۔ سہارنپوری
نمبر ۶۶۔ صفحہ ۱۰۷

پیارے زاد۔ دعا میں لا۔ اگر غم الامثال کے
سوا کوئی ذخیرہ شون اور شان مثال کا ملے تو ہر کام نکلے شیلین تو
خونہ الامثال میں ملتی ہیں۔ شان امثال نہیں ملتی۔ امیر فقیر
بنام جناب زراہد۔ سہارنپوری

نمبر ۶۷ صفحہ ۱۰۷

پیارے زاد ہر مشرب۔

تم سے اگر ممکن ہو تو زبان کی اصلیت کو ابتدا اگمان سے یہ زبان
پیدا ہوئی اور کن کن تیز کے بعد اپنی حد کو پہنچی وغیرہ وغیرہ
تذکرہ آب حیات میں آواز دے اور جملہ مختصر میں صفحہ ۱۰۷ اور
گلستان سخن میں مرزا صاحب بخش۔ شاہزادہ دہلی نے کچھ
اس بحث کو لکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ امیر اللغات میں بحث ان سے
الگ اور نہایت شرح و بیس کے ساتھ لکھی جائے۔ مگر اسکے مادے کا
پتا نہیں لگتا کہ ان سے اخذ کیا جائے۔ تم کہیں سے ٹوٹے گا تو میں
بھی کلین ہوں۔ جو کچھ آزاد و صغیر وغیرہ لکھا ہے امیر اللغات

آپ سے پوچھا ہے تو سمجھا دیجئے کہ میر تو یہ خیال ہی پھر وہ مادیات کے
توبہ ہوئے۔

آفیسر۔ فقیر
بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی
نمبر ۶۸ صفحہ ۱۰۷

محب ساسی کوثر سلامت۔ واضح ہو کہ
ہر کھائے پھرتے اُدھار ہم بھی ہیں۔ محاورہ فصحا کا نہیں اور
بندش بھی تعقید سے خالی نہیں۔

”کھائے پھرتے، اُدھار اور ہیں“ اُدھار اور بیچ میں اُدھار
ہم بھی۔ خوشنما نہیں چاہو رہے دو۔

”سیہ بختی میں عظیم اشل“ سیہ بختی میں یا سے تخیل کا اسٹا
نچائے ترکیب فارسی جو اگر بعض اساتذہ اردو کے کلام میں بند
ملتی ہو مگر کیا ضرور ہو

”رہنما شد جز تو لے شوق عیار“ اس میں اگر جز تو لے رہنما نہیں
تو غیر تو“ رکھے کچھ مضائقہ نہیں۔

امیر فقیر
بنام جناب زراہد۔ سہارنپوری
نمبر ۶۹ صفحہ ۱۰۷ - ۲۶ جولائی ۱۹۲۶ء

دلوانہ۔
”ڈھونڈھا ہو“ کی جگہ ڈھونڈھے ہی“ اب زبان نہیں ہے
قدما کے ہیں تاخیر نے ترک کر دیا ہے۔
”خوردنوش مستل و مطلاوش“ اس محل پر زبان نہیں ہے۔

آفیسر فقیر
بنام جناب زراہد۔ سہارنپوری
نمبر ۷۰ صفحہ ۱۰۷ - ۲۶ ستمبر ۱۸۹۶ء
نوب دلوانہ۔ سلام و دعا۔ تم نے انگریزی الفاظ

زور و تبا کو پتی کا نہایت خوشبودار ورق والا صغیر علی محمد علی تاجر خط لکھنؤ سے طلب فرمائیے

انگریزی اور آدمی اُردو بولتے ہیں زیادہ انہیں کی زبانوں پر یہ لفظ
اور آفیسر لکھے کی کوئی وجہ نہ تھی اور موجودہ اور اس دوسرے
حصہ میں لکھا گیا ہے۔ اور بعض نقص استغراق سے رہ گئے.....

امیر امینی حیدر

نمبر ۱۸۱ صفحہ ۱۸۱

۱۲۔ فروری ۱۸۹۳ء روز یکشنبہ۔ رام پور۔ مراد آباد۔

الحی چارے زاد کو مکروہات سے محفوظ اور مرغوبات سے محفوظ رکھنا
دعا ہو چکی۔ دعا ہے.....

الفاظ مثلثہ میں ساکن کو تحریر کرنا قاعدہ عام نہیں ہے بلکہ بقدر
اساتذہ نے نصرت کر لیا اسی قدر جائز ہے۔ اور خواجہ نصیر مہم کا
کلام اسناد کیلئے کافی نہیں ہے۔ فارسی سخاں فارسی نے کہا داتا تو
مضائقہ نہ تھا۔ معذرا خواجہ نصیر نے "قدس" یعنی پاک نہیں
کہا ہے بلکہ قدس ایک شہر کا نام تھا۔ دہان کے وشت کو کہا ہے۔ ع
اور وحشی نے تریب وشت قدس کی تلمیذ

مستون کی چشم مست کو گلس جام شراب سے تشبیہ دیکے ہیں
لیکن ایسی تشبیہات میرے نزدیک کلامت سے خالی نہیں شعر نے
خال کو کس سے تشبیہ دی ہے اور بحر نے باعتبار شیش کے بنو
کے ساتھ تشبیہ دے لی ہے.....

تمھاری محبت کا منت زور۔ امیر فقیر

بنام جناب زادہ سہارن پوری

نمبر ۱۸۳ صفحہ ۱۸۳۔ ۱۹۔ مئی ۱۹۲۳ء۔ ریاست رامپور

مجی زاد اخلاق۔ سلام مسنون۔ اخلاص و دعا مستحون۔
اُردو میں راہ یاٹ تو کوئی بولتا بھی ہے۔ فقط یاٹ بدعتی انتظار
تو راہ بھی مستحل نہیں ہے.....

امیر فقیر

۱۸۱۔ ۱۸۱۔ ۱۸۱۔

میں اسکی نقل کر دینے کو توجہ نہیں دیتا۔ نئی باتیں بھی پیدا ہوں۔
اُنکے ضمن میں یہ سب باتیں بھی آجائیں اور عنوان تحریر کا ان سے
الگ ہو تو مضائقہ نہیں۔

الف کا گزرا جائز نہیں ہندی کا الف جو آخر میں ہوا وہ گرا ہے۔ بعض حروف
نے جو ایسا کیا ہے وہ قابل استناد نہیں ہے کیونکہ اساتذہ کی طرف سے
وہ ہمیشہ مورد ایراد رہے ہیں۔

مطلع میں میں نے دخل دیا ہے

ہاں تک اسکے جو دوسرے جام شراب

کیونکہ اس بات سے جو پھر میں جام شراب

دوسرے مصرع میں اس بات کی جگہ پھر خوارون کو بنا دیا ہے
کیونکہ لطف اسی قدر مضمون میں ہے کہ جب جام شراب کو بغیر حاصل ہے
تو اسے ہاتھ تک پہنچانے تو ایسے جام شراب کی ہوس میخواروں کو
کیونکہ خوا اور جب اسی بات سے کہنے کا تو جام شراب کے اس
تک پہنچنے کا قاعدہ کچھ نہ بگا۔

جو جس کا کھر طکنا، نصحا نہیں کہتے۔ مقطع بھی بدل دیئے

امیر فقیر

بنام جناب زادہ سہارن پوری

نمبر ۱۸۳ صفحہ ۱۸۳۔ ۲۴۔ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ رامپور۔

سید رشید عارفین عربی سید زاہد حسین کو ترقی جو اقبال کی عین

آزردگی۔ آسودگی۔ آشفنگی۔ آوارگی۔ یہ سب قاعدے
کی بنا پر چھوڑ دیئے گئے۔ اور آزادہ ردو۔ آفس۔ آفیسر۔
آوارہ مزاج۔ انجیل ڈھلنا۔ بیشک امیر اللغات میں
نہیں ہیں۔ بعض تو اختلاف رائے کی وجہ سے عاجز ہو کر چھوڑ دیئے
گئے مثلاً آفس کہ اسکی جگہ کبری اور دفتر کا لفظ موجود ہے جو آج

تو ام تھا کو خوشبو دار ورق والا اور بلا ورق کا زینہ اور صفحہ علی علی۔ یہ طرز گوشت و شکاریے

مین بھی آپ سے متفق ہوں۔ داعی خیر۔ امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۰۶ صفحہ ۲۱۹۔ ۲۶ ستمبر ۱۸۹۶ء رام پور

محبی و سیدی۔ سلام مسنون اخلاص و دعا مشون۔ محبت نامہ

دل بڑھائی

”ذکر کیا“ یقین دہاؤں کہ اس کی تفسیر ایک بنین

ہو اور نہ ہو سکتا ہے۔ جو لوگ ذکر کیا ذال سے بالکسر لکھتے ہیں اور

سکون ثانی و تحفہ یا کیا تھ بے ہیں محض غلطی خواہ دہلی طے

ہوں یا لکھو دے امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۰۷ صفحہ ۲۱۹۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۶ء رام پور

محبی و سیدی۔ سلام مسنون دعا مشون ”ذکر کیا“ کی تحقیق

میں اس وقت ایسا دوسرا کاڑھ پونجا قہجہ کہ میرا کاڑھ جو پہلے کاڑھ

کے جواب میں گیا ہے آج پونجا میں لکھ چکا ہوں اور پھر لکھا ہوں

”ذکر کیا“ ”ذے سے ہو۔ ذال سے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا

اسکے اعراب میں تفسیر ممکن نہیں ہے۔ آپ کا جواب بالکل باصواب ہے

اور اس کا معنی غلط ہے زیادہ دعا۔ فقط۔ امیر فقیر

نمبر ۱۱۳ صفحہ ۲۲۳۔ ۳ جولائی ۱۸۹۶ء رام پور

پیارے زاہد۔ تم جواد و دونوں جہان کا حبش

الفاظ ہندوین سے آخر کثرت گرا ہو بیچ کا نہیں گرا

”لئے“ میں سی سے پہلے ہوا تھوڑا چاہئے

”قرآن“ بمعنی اقرب و عربی و فارسی میں نہیں ملتا۔ بیروا و عطف

قول قرار کو صحیح آپ نے اندو کر لیا ہے اس کا مصداق نہیں۔ اضافت

کی حالت میں اعلان نون جائز نہیں امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۸۲۔ صفحہ ۱۹۱۹۔ رام پور۔ ۹ دسمبر ۱۸۹۳ء

محبت و لائق۔ سلام دعا

”تو“ کی تذکرہ تائید ہی کیا۔ مگر جس محل استعمال کی رو سے آپ

پوچھتے ہیں اس جگہ تو ہی کہیں کے کہ ”اُس نے مجھے تو کہا“۔

لیکن اُس سے تذکرہ تائید ”تو“ کی نہیں پیدا ہوئی۔ بلکہ اُس

لفظ ”لفظ“ ”مقدم ہوتا ہے جیسے اُس نے مجھے عورت کہا۔ کچھ عورت

کو قطعی نفی ہو تو اس علی ہذا

امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارن پوری

نمبر ۹۹ صفحہ ۲۱۱۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۹۶ء رام پور

پیارے زاہد! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

”اور کی بوند“ بیشک شعر اس نے کہا ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں کیا

جا سکتا۔ لیکن اپنی اپنی پسند ہے۔ زبانوں کے متعلق ہونے سے میری

طبیعت اس کو پسند نہیں کرتی۔ اور اگر آپ اپنے کلام میں لکھا جلتے

ہیں تو جہان مضائقہ بھی نہیں

”کر دے گی“ کی یاے اول کا گرتا ہے نہ کر کے اس کی جگہ ”کر گئی“

بنا تھیک ہے۔ آپ اپنے و حیدان سلیم سے کام لیجئے اور اس مصرع

کو یوں ہی رکھئے بدیہ میں نے بنایا ہے۔

”باٹ ویکھنا“ راہ و کھینے کے معنی میں فصیح ہے لکھو دہلی

کی زبان نہیں۔ میرا کہنا اس وقت سند نہیں ہو سکتا۔ اس وقت

ہوتے ہوئے اب کوئی تین دن۔ اور محفل الحی و رات چربی ملا

کا کیا اعتبار! مجھیں ہزاروں محاورے گزرا ہوں کے لکھ میں نہ جملہ

اس کے ایک یہ بھی ہے۔ بہر حال باٹ ویکھنا، کسی طرح صحیح نہیں

گوئی بنا کو موقع اہل بلائی اور تقریبی جو کارخانہ صدر علی محمد علی تاج پھر لکھو کی تیار کی ہوئی ہیں ایک یا دو رنگا کر ڈالنا کچھ

میرے استاد مرحوم نے "پیراک" بنا دیا تھا۔ فقیر امیر

—————

جناب مولوی نوح صاحبی اے ایل ایل بی خلف اکبر حضرت محی کا کوہی کے نام
دفتر ۱۶۶ صفحہ ۲۶۹، دفتر ملاقات ریاست رامپور۔ ۸۔ اگست ۱۹۱۶ء

۸۔ آری "میرے نزدیک ہندی ہی ایسے عاری نچ و ننگ عاجز
کے معنوں میں فانی عربی میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ ہندی میں عزیز
سے لکھا خلافت اصولی۔ ہندی میں میں کمان

"مسالا"، معام ہوتا کہ مصالح کا مہندہ جو عربی میں مصلحت کی جمع
ہی اور فانی داسے ہر چیز کی تیاری کے لوازم اور ضروریات کے معنی
استعمال کرتے ہیں۔ اور یہی محل استعمال ہندیوں کے بیان بھی ہے۔
عمارت کے لئے جو ساخھی وغیرہ۔

تالیف کے لئے وہ کما میں ذخیرہ جن سے اس تالیف میں مدد مل سکے
کیڑوں کی رونق اور چمک مک کیلئے۔ گوا پچھا بہت کمائی
کھانے کیلئے۔ لونگ، لالچی، دھینا بچ۔

بال دھونیکا مسالا۔
محرم کا مسالا۔
مسالے کا سیل

دلی داسے اہل کی طاف جانے میں گرو نکہ زبان میں مصلح
نہیں ہے یعنی۔ کوئی نہیں بولتا کہ گوشت کا مصلح پس لیا۔
گرم مصلح ہو گیا۔ کرنی میں مصلح کم پڑا۔ اب کے محرم کا
مصلح ہم کو نہیں ملا۔

ایسے میری رائے ہو کہ اردو میں جو اولین وہی لکھیں۔
جسطرح مسالا بولتے ہیں اسی طرح لکھا جائے۔ اور یہی مشرعی طین
متاخرین شعرا لکھتے کا جو بدیا رشک نے اپنی لغت میں لکھا ہے

۱۔ سے اتفاق کلی ہو۔
لفظ سا کا کی اصل "ساگما"، بمعنی جنگ جہل ہی میر تقی
کے شعر میں بھی یہی معنی ہیں۔ قدائے سوا متوسطین و متاخرین کے
کلام میں۔ لفظ نہیں دیکھا گیا۔

"بھلا کاتھل میں بھانسا پور اور بہت ہی میں "شا" اور "کھا"
کا بدلا ہوا ہے۔ اردو میں فصحاء کی زبان پر بیشتر "بھکا" اور "کھٹا"
مستعمل ہے۔ امیر۔ فقیر

—————

جناب مولوی حسن اللہ صاحب قجرب کاتب امیر زبانی کے نام
منبر ۱۶۶ صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰۔ ۳۔ باج ۱۹۱۶ء

..... عروض عربی کے رسائل بت ہیں۔ بعض چھپ چکے
گئے ہیں۔ معیار الاشعار محقق نصیر الدین طوسی جان عروض
عربی و عروض پارسی ہے۔ اگر عروض عربی زبان میں مقصود ہو تو شرح
قصیدہ خزرجیہ دیکھئے اور مولوی محمد سعد اللہ صاحب مرحوم نے
عروض باقافیرہ ایک متن مع شرح لکھا ہے وہ چھپ گیا ہے۔ دہلی
نئے تو میں تلاش کر کے بھیج دوں۔ راقم تمہارے حقا

الصباح

منبر ۱۶۶ صفحہ ۱۶۳

..... "شعنا"، بسکون نون اگر کلام میں مقبول ہو۔

—————

جناب مولوی محمد نوح صاحب بنیں آثریری مجتہد شیعہ شہر ضلع چنوکے نام
منبر ۱۶۶ صفحہ ۲۶۵

مجی حضرت شہیر سلا اللہ القدر

"پیرنا" اور "تیرنا"، میں آپ کی رائے صحیح ہے۔ میرے ایک شعر کا
مصرعہ تھا۔ ۴ تیراک پانی بھر کے سن سے نکل گیا۔

اگر آری کو عطر خدا درکار ہی تو صرف ہر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائے

واغ نے کہا ہے ”ایک آنچ کی کسر رہ گئی“، تھوڑی کسر

باقی ہو، بے تکلف زبان ہو۔

”کسٹر“ بیچ اول و سکون نامی عربی ہو۔ جو معنی شکستن ہو

جیسے ”کسر شان“، کسر نفس“ وہ اس جگہ مستعمل نہیں ہو

جس جگہ بحث لگی ہو اور نہ اس کے معنی بیان چسپان ہوتے ہیں۔

ہر کیف ”کسٹر“ اپنے مقام پر صحیح اور بول چال میں داخل ہو

..... اتیر فقیر

خواب دہلوی نظر الاسلام صاحب کے نام

(نمبر ۲۵ صفحہ ۲۵۹) ۲۔ فدوی تلامذہ

.....

تقریظ جو آپ نے اُنکے دیوان کی کٹھی پر وہ میری اصلاح ستغنی

ہو۔ مجھے فخر میں مزاولت نہیں۔ اور تاریخ جو آپ نے لکھی ہے میں لفظ

”دینار“ کا ان محض فقرہ مستعمل ہے دیوان کی تاریخ میں شاعری کی صفت

بلکہ خیال چاہئے نہ بلند مکان۔

اور یا تو تکلف بھی باعتبار اعلیٰ تاریخ پوری نہیں کسر اعتبار سے ایک

عدد کا نمبر کیا گیا۔ تقریظ یا تاریخ عرض تو اس سے ہی ہوتی ہے کہ

اہل سخن پسند کریں اور اگر ہر بیانی تاس ہو چکا ہے تو میری حمد آج رہی۔

.....

رباعیات

(از جناب ظہیر ضوی۔ ایم۔ اے علیگ)

جو سانس ہو چلنے کی خبر لاتی ہے

دنیا اسی جینے پہ مری جاتی ہے

مکے کا نہیں فت قد عمر روان

سینے سے مرے باگب جس آتی ہے

ہر قطرے میں قدر ت نظ آئی تیری

ہر ذرے میں ہو جلوہ غامی تیری

میں بھی کسی آنکھ نے دیکھا ہے تجھے

کیا طرف تماشا ہو خدا کی تیری

روح گلاب جو تمام حلقوں نے یاد تھی۔ مشہور عالم اور پسند ہو کا خانہ ہر غزل علی محمد علی ہر عطر گھنٹو سے فی تولد طلبہ نامے

میرے آج کل اس دامن کا ہاتھ نہ نہیں

میرد یا کا سا اس کا پھر ہے

نیمے دھیان انوکھا آتا تو یہ جو جی نہیں

مجھے نے مضبوط لیا دامن شب کا آج کل

”ساعت“ اور گھر طمی ساعت اس کے فانیہ میں احتیاط و تحقیق

اسی کی ہو کہ شاعر ملا ضرورت شدید ایم القباس سے

بھی ہے۔ مگر جواز ثابت کر سیکے لیے بہت سے اشعار شاعرانہ فانی

و اردو کے ملین کے جن میں انھوں نے جائز کر لیا ہے جیسا کہ بچھلے

پہ طبع کیا ہے

بھر دویشی طرح ہے رسول اللہ کا

باندھنے قسم کمر میں رسم اللہ کا

..... میر محمد عقیل

.....

جناب فشی بشیر محمد خان صاحب رئیس ملیج آباد کے نام

نمبر ۲۳۸ صفحہ ۲۳۸ رامپور ۸۔ ۸۔ ۱۹۲۹ء

مجھے سلام سنوں۔ اخلاص و دعا سٹھوں

کسٹر و بختیں۔ اردو ہے اور اسی طرح مستعمل ہے جس طرح

دستِ قلم کی لکھی ہوئی غزل کے

برطش مشاعرہ "انجمن معین الادب لکھنؤ" منعقدہ ۲۶ جون ۱۹۲۶ء

[illegible]

اکبر کی شاعری

(۱) از جناب مولانا صبغتہ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محل لکھنؤ

ذیل کا مضمون ہمارے کرم شفیق جناب مولانا صبغتہ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محل کے زور قلم کا نتیجہ ہے یہ مضمون آپ نے مسلم اکادمی میں پڑھا تھا جس کو حاعرین جلسہ نے تجدید کیا تھا۔

جناب شہید انصاری کے نام نامی سے علمی دنیا بخوبی واقف ہے آپ کا مشہور ماہوار جریدہ ”الانصار“ جو عرصہ تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا آپ کی قابلیت اور آپ کے علمی، ذوق کے واسطے کافی دلیل ہے۔ آپ کا عہد ان فرنگی محل کے ایک رخشندہ گوہر ہیں اور میں تو یہ کہوں گا کہ اصحاب فرنگی محل میں ایک آپ کی ذات خاص ہے جس کو لوہ اور بالخصوص اردو ادب سے خاص ذوق و ہمت ہے۔ ”اکبر کی شاعری“ کے عنوان سے جو مضمون اس وقت پیش کیا جا رہا ہے ناظرین اس کو ملاحظہ فرما کر خود ہمارے قول کی تصدیق کر لیں گے۔ اور آپ کی محنت و جانفشانی کی دل سے دلدین گے۔

(ادویش)

تمنا ہمارے لب سے ظاہر کرتی اور اپنی ضرورت ہم سے اس اشتیاق اور شیفگی کے ساتھ حاصل کرتی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا اسکی حاجت کچھ کتنے شاعرین کو قافیہ پائی اور ردیف کو استوار کرتے ہوئے اُنکے حاشیہ خیال میں بھی یہ آتا ہو کہ یہ چیز وہ ہے کہ زبان کی حفاظت جذبات اندرونی کے اظہار اور دوسرے کو مؤثر کر نیکے لیے فطرت کی طلب گار ہے اور اگر اس فرض کفایہ کو تمام ناطق ہستیوں ترک کر دیا تو فطرت انسانی کی کیسی شدید روحانی اذیت ہو؟

توحیقت یہ ہے کہ انسان فطرتاً شاعر ہے اور اس لیے قلعیت کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا کہ شعر کی ابتدا کب سے ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جب سے انسان ہے شاعر ہے لیکن اسی کیفیت اس سے بھی انکار نہیں کہ جس طرح تدریجاً خورد و نوش اور دیگر ضروریات فطری زبانہ کے تغیرات کے باعثون تکلفات و تصنیفات کے آماجگاہ رہے شاعری کی بھی اسی کیفیت ہوئی اور وہ سادہ بے تکلف چیزیں تصنیفات کے بدولت زیادہ نقاب پوش ہوتی گئی

آج کی صحبت میں یہ چیز میرے موضوع سخن سے تعلق ہے لہذا شاعر

انسان باوجود اعلیٰ دانائی و قوت احساس فطریاً اشتیاق و محبت اور خود فراموش واقع ہو چکا اگر اس چیز کو دلائل قطعی سے ثابت بھی کر دیا جائے تو ہم میں کا منصف ترین فرد بھی اس کے قبول کر نیکے لیے تیار نہ ہوگا اور سچ یہ ہے کہ فطرت خود ایسی زبردست مشہدہ و بازگیر ہے کہ اس کے شکار ترین اور نظر ندیان انسان کو اس قدر زیادہ مسح کر کے ہوسے ہیں کہ انسان اس کی بدولت بہت کچھ معذور رہا ہے، ایک دنی سادہ روح کسان سے لیکر وہ فلسفی تک جس کا دماغ کئی درجن کے فلسفہ کی بدولت لالچری بنا ہوا ہے۔ جب اپنے شکستہ دوریے یا آراستہ مینہ پر کھانا کھائے نیکے لیے بیعتا ہے تو شکل سے اسکا تصور کرتا ہے کہ کھانا کھانے میں نفس پروری ہے یا تقاضا سے فطرت کا پورا کرنا اور اس طرح میں اپنے اوپر احسان کر رہا ہوں یا فطرت کو منت پذیر کر رہا ہوں مگر واقعہ یہی ہے کہ کھانا کھانا ہوا اس نعم کی دیگر فطری فرائض کو پورا کرنا دراصل اسکی ہم سے زیادہ طلب فطرت کو ہے اس لیے کہ فطرت اصل کو باقی رکھنے، شکل کو حاصل کرنے اور بدل مانتجمل کو چھوٹا نیکے لیے ہمارے مدد سے زیادہ اسکی محتاج ہے لیکن اسکا کید و دیکھ کو اپنی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر حنا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا۔

منظر ماہر آجائے اس طرح قوت تخیل اس مصاحف کو جو اسے باہر سے ملتا ہے آواز سے کہنے اپنا کر لیتی ہے اس لئے بقول مولانا حالی منور شاعر کی ذات میں تین وصفت ہونا چاہئے ایک جی یعنی تخیل یا قوت تخیل اور دوسری یعنی محیضہ فطرت کے عمیق مطالعہ کی حادث اور الفاظ کا دافر ذخیرہ اور انکا دلکش انداز میں ترتیب لے لینا اب جبکہ شیخ نور سلم ہو چکا ہے کہ شاعر جو طریل حاصل کرتا ہے وہ بیرونی و خارجی دنیا ہے اسلئے خارجی دنیا کا جو ماحول ہوتا ہے اور جو اثرات اس پر طاری ہوتے ہیں ان سے شاعر اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ابی سلسلہ سلسلہ میں جب ماحول طریقہ سے فضائے ہند نمبر آرا دی و استقلال سے گونج رہی اور تسلط حکومت کی غرور سے معمور تھی اس وقت زلف و کر کے شاعر تک ذلت سے بند غلامی اور بند کمز سے عدل و انصاف ہی مراد لیکر شعر کہتے تھے اسی لیے یہ کوئی شکایت اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ سوائے چند کے بیشتر شعراء لکھنؤ میں آنکے آدم شاعری مصحفی سے لیکر جلال احمد غفور تک معیار شعر خالص بازار ہی اور بیباک اور بے شرم و بے غیرت مشوق کے اداؤں کی تصویر کشی ہو۔ یہ شعرا زلف و مرغ کی یاد میں دن رات مست رہتے تھے اس کے جوہن اور محرم کے تصور میں بلند پر آزار بیان کرتے اور اسکے بازیب کی جنکار اور اسکی بیباک محفل آرائیوں کی دھن میں رقصان اور اپنی گوشت و عذرت کو رشک بزم خسروی بنائے ہوئے تھے اس لئے کہ دور شاہی میں لکھنؤ کا مذاق عاقل طبقہ سے پشت تھا اور اچھی خاصی جماعت کے پیش نظر شاہدان آزادی کی رضا جوئی اور حصول تھا جس طرح آج کے ترقی یافتہ دور میں جموں کے افسانہ آؤٹ آت پرنٹ ہیں اسی طرح اگر اس دور میں شعراء جن کو کمالات نہ کرتے تو انکے اشار و انگال سے باہر کر دیتے جاتے اور شعر کے جوہری اسکو کھوٹے دامن بھی خریدتے۔

کی حقیقت اسکی ماہیت اس کے اجزائے ترکیبی اور اسکی تاریخ پر مبنی ہلکی سی بھی روشنی ڈالوں لیکن اس حقیقت کو مجھے دھرنے دیجئے کہ طرح ضروریات زمانہ اس انسان کو جس کے مان باب اور خالق ایک تھا مختلف قبائل اور جماعتوں میں تقسیم کر کے ابھی امتیازات اور تفریقین قائم کر دیں اسی طرح اقتضائے فطرت اور قوائے فطری کے اشتراک کے باوجود انسان شاعر و غیر شاعر میں یکساں تھا مگر فرق نمایاں ہو گیا۔ اور فطرت کی اس سیوت اولاد یعنی شاعر نے فطرت کی خدمت و فطرت نگاری اور فطرت کی نمایندگی اپنے دوسرے لی۔

کوئی مناسبت نہیں مگر کسی ایک شاعر کا ملک انبار ہے اس سے دو شخص ملتے ہیں ایک دانشور کے کی کونسل کا ممبر اور ایک حلوائی لیکن دونوں کا مرکز دلچسپی اور سبکدوشی حلقہ جہاں گانہ ہوتے ہیں دل لڈ کر مارچ میں پیش ہونے والی بجٹ پر گفتگو کے لئے اس سے اس امر کے متعلق معلومات حاصل کر گیا کہ اس نے اس سال کتنی ملک کی بی بیئی شکر فروخت کی اور کتنی جاوا اور امریکہ کے مقررہ ٹکس نے اسکی تجارت پر کیا اثر ڈالا ہے لیکن حلوائی اسکو صوف اس لیے محبوب رکھتا اور اس سے ملنا چاہتا ہے کہ وہ بھتا ہے کہ اسکے اوپر ببت کچھ میرے کاروبار کا انحصار ہے اور شاید اسکی زبان سے یہ خروہ جانفز حاصل ہو جائے کہ شکر روپیہ کی سولہ سیر ہو جائیوالی ہے۔ تعینہ ہی فرق عالم انسان اور شاعر میں ہے کہ شاعر موجودات خارجی کو دیکھ کر اس سے نفع اندوز ہوتا ہے اور اسکا مطالعہ تخیل میں کھینچ کر شعر کے خوبصورت کثردن میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور دوسرے ہنگامی ضرورت کے لئے اپنے سرسری نظر ڈال لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دن بھی کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے لوگ دنیا اپنے لیے دیکھتے ہیں اور شاعر دیکھنے کے لئے شاعر ایک جذبہ اور اثر کو لیکر اپنے تخیل کے حوالہ کرتا ہے اور وہاں کٹ چھٹ کر اور دست ہو کر وہ خوبصورت لباس میں

عطر خاجوہ مرق علی محمد علی تاجر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

صحبت میں مجھ کو ایک سرسری نظر ڈالنا ہے میرے نزدیک رد و شراہ میں صف اول میں جگہ پانے کے مستحق اور سب سے زیادہ ممتاز اور وقیع اسی لئے ہیں کہ انہوں نے شعر کو شعر بنایا اور جو منافع اور اشاعت اس صنعت شریف سے حاصل ہونا چاہیے بہت کچھ ان کے کلام سے ہوتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔

اکبر کی مختصر سیرت آپ ۱۲۷۸ھ میں آگاہی کی مشہور مردم خیز موسیقی نازہ میں پیدا ہوئے۔ عہد طفلی سے فراغت

اور اقبال سندی آپ کے چہرے سے نمایاں تھی ۱۲۹۸ھ میں آپ نے درجہ سوم کی دکالت کا امتحان پاس کیا ۱۳۰۸ھ میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ایک سال کے بعد بانیکورٹ کے سلیوٹان ہو گئے انکی بحث بندی اور دکالت فطری کے لئے سلوٹانی ایک زمین بن گئی چنانچہ اس کے تین ہی سال کے بعد دکالت درجہ اعلیٰ پاس کر کے وہ صنعت مقرر ہو گئے انگریزی انخون نے پرائیوٹ طریقہ سے کچھ پڑھی تھی لیکن تجربہ اور ذہانت کی مدد سے ششہ انگریزی میں انکی کئی حروف کے طویل فیصلہ انکے قلم سے نکلے ہیں حد یہ ہے کہ انگریزی نظموں کا بے نظیم میں ترجمہ کر لیتے اور انگریزی کی دقیق حکمت الکیمیہ کی کتابوں کو وہ بے تکلف سمجھ لیتے تھے اور یہی انگریزی کی قابلیت تھی جس کی بدولت چند سال کے بعد سب آروٹینٹ جج کر نیکے بعد اعلیٰ حکام نے انکو ششہ جج کے لئے منتخب کیا اور برسوں قائم مقام ششہ جج رہے آخر میں بانیکورٹ کی ججی کے لئے وہ زیر نظر ہی تھے کہ سنہ ۱۹۱۷ء میں وہ اپنے مستقل عہدہ جج عدالت خفیہ آگاہی سے رٹائر ہو گئے۔ مگر ان دماغ سوز سرکاری پابندیوں میں انکے اپنے کلام کے ذریعہ سے دین بیدار قوم اور اوزرق فاضلہ کی خدمت میں بے رصروف رہے اور

۱۳۰۸ھ میں ان ہی جوڈیشل خدمات کے صلہ میں ان کو خان بادر کا خطاب دیا گیا آگاہی دیو نیورسٹی کے فیلو بھی تھے اور

اسی پتی مذاق کا یہ کرشمہ تھا کہ بازاری روزمرہ کو نظم کر لیا جانا تو بے شمار دنگو نکو استعمال کر لیا جانا اور لفظی مناسبات اور متعلق جگات اور معاملہ بندی کو جو عریان فحاشی شعر کا آخری اور بلند ترین میاں سمجھا جاتا تھا۔ میرے دھوئی کے ثبوت کے لیے کسی خاص دلیل کی ضرورت نہیں اور نہ اس شائستہ صحبت کو ان استادوں کے نماشاں اور سوتیاں نہ نولوں سے گندہ کردن کا لیکن واقعہ یہی ہے کہ صرف چند تخلیقات تھے جنکو مختلف تغیرات اور مختلف پہلوؤں سے بارستنا لئے بعض بھائے شعر لکھتے نظم کرتے رہے ہیں۔ اردو میں جب ناول نویسی کی ابتلا ہوئی تو صرف ایک پلاٹ تھا جس کو مختلف صورتوں میں ہمارے ابتدائی افسانہ نگار بنیاد فسانہ بناتے تھے یعنی براہ چلتے ہوئے ایک شک حور کو کسی طرح دیکھ پانا اسکے بعد ناولی ٹکھوٹائی ٹیکرے آب و دانہ پڑ جانا پھر ایک دوست پر کسی طرح افشاں کے راز ہونا اور ایک چالاک بڑھیا کے ذریعہ سے خطرات کتابت اور تدابیر وصل ہونا اور آخر میں کامیاب ہونا یہ حالت اوصاف تھی جب ہماری فسانہ نگاری عہد طفلی میں تھی اور ہمارے ناولسٹ ماشا اللہ لسم اللہ کے گنبد میں تھے لیکن جب نظریں وسیع ہوئیں اور معلومات اور ذخیرہ الفاظ میں جس تناسب سے اضافہ ہوتا گیا اسی تناسب سے ہمارے فسانوں میں بوقلمونی، حدت اور دلاویزی کا برابر اضافہ ہوتا رہا لیکن بد قسمتی سے عہد عیش و عشرت و شاد پرستی کے ختم ہو جانیکے باوجود بھی ہمارے شعر اس کے سامنے ساون کے اندھے کی طرح ابھی تک وہی منظر ہے اور دائرہ تصویر کشی بدستور محدود و تنگ ہے۔ اس لیے چند ضروریہ تخلیقات ہی کے دائرہ میں پروکار کی طرح وہ گردش کرتے اور فطرت کے عطیہ کو براہ کرتے رہتے ہیں حالانکہ بقول ملٹن شعر کا میاں رخوئی یہ ہے۔

وہ سادہ ہو جوش سے بھرا ہوا اور سب سے زیادہ صلیبت پریشانی ہو مولا انکے آگاہی رحمتہ اللہ علیہ جن کی شاعری پر کج کی

علاوہ تین ضخیم وادین کے انکی چند علمی تصانیف بھی ہیں جن میں متعدد قانونی کتابیں اور سرٹیفکیٹ کی کتاب فوج آف اسلام کا ترجمہ شامل ہو چکا ہے۔ وہ علاوہ بہترین شاعر ہو چکے بہترین شاعر بھی تھے اور اس زمانہ کے مفاخر ادبی رسالہ ان کے مضامین سے مزین ہوا کرتے تھے انیسویں صدی کے محسوس دور میں انکا چراغ حیات گل ہو گیا اور اس طرح روحانیت، تصوف، اصلاح ملت اور ادب اردو کی وہ شمع بجھ گئی جسکی روشنی سمدی وغیرہ فانی ہے۔

اکبر اکبر کا دور نشوونما قبل اس کے کہ انکی شاعری پر کوئی تبصرہ کیا جا سکے لیکن اسکی فطرت نگاری اور اصلاح امت وطن کی صحیح واقفیت کے لیے ضرورت ہے کہ معلوم ہو جاوے کہ اکبر حرم کا دور نشوونما اور میدان عمل کیا تھا۔

مرحوم نے دینی و مادی کے وسط میں آنکھ کھولی جبکہ ہندوستان سے مسلمانوں کا جہاد و جلال ہمیشہ کے لئے نصرت ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم مشرقی تمدن، تہذیب و آداب اور علوم کا دم احتضار تھا۔ انگریزی حکومت کے ظلمت کے ساتھ بھٹانوی علوم و فنون کے خیر کن جلوہ دار اور انکی ترقی دولت کا احساس ہوا تو منطقی طریقہ سے نتیجہ نکال لیا گیا کہ بس ہمارے علوم و آداب ہی اس پستی کا راز ہیں اس لیے جہانگیر ملکہ ہو اسی کا بانی کاٹ کر دیا جائے اور جلد سے جلد انگریز زمین تو طرز بود و ماند اور زبان کے اعتبار سے انگریز بن جانا چاہیے اس دور کے مسلمانوں نے قانون کی تحریر بن اور مساعی قومی پر سرسری نظر ڈالنے قوتاب کو اندازہ ہو گا کہ انکا آخری قبل امید نندن اور آخری وسیلہ بقول اکبر رائے زمین خواہ تھا۔ مذہب نے بکارا ہے مگر رائے زمین تو کچھ بھی نہیں دیا اور دن نے کہا یہ قول غلط خواہ زمین تو کچھ بھی نہیں دے گا ساتھ زیادہ علاوہ غلطی یا دیان امت اپنی بگڑی سنبھالنے اور اپنی مسند

مقتدرائی کی حفاظت کی دھن میں اتنے مدبوش تھے کہ قوم سلیمین کی راہ نمائی اور ہدایت سے بے پروا ہو گئے تھے اور اگر کبھی گوشہ جو قبول سے بچنے تو ارشادات قرآن کی نہیں اور حنیفہ انعمان کے اقوال کی تبلیغ کے لیے اور شمشاد مدینہ کے نعلین کی نہیں بلکہ عالمگیری کے نظائر کی اسکا قدرتی نتیجہ تھا۔ جزئیات فقہ پر اسلام و کفر کا دار و مدار ہو گیا تھانے اثرات سے متاثر ہوئے انون نے ان غیر ضروری اور حد سے زیادہ سخت تقیدات سے تنگ آکر جب کنز و ہدایہ کے بتائے ہوئے مذہب اور اسکے مبلغین سے نان کو آپریشن شروع کیا تو بجائے اسکے کہ ان کے ساتھ ملامت و مجاہدہ احسن کیا جاتا اور انکی تکلیف کا شدید مارشل لا جاری کر دیا اور اس طرح قسمتی سے خدائے واحد کے پرستار و روحانیون میں منقسم ہو گئے جس میں ایک تعلیم یافتہ کملا تا اور دوسرا غیر تعلیم یافتہ اور ان دونوں جماعتوں میں منسلک سے عید کے دن بھی ملاقات ہوتی غرض ایک عام تقست اور پر آگندگی تھی دین کے دوست بھی دین کو تیار کر رہے تھے اور دشمن تو دشمن تھے ہی۔

ان کے ساتھ شعرا کا گروہ سب سے زیادہ ناکارہ، غریب خلاق اور قطعاً بیکار تھا۔ انکی شاعری زیادہ تر صرف الفاظ اور معاملہ بندی کی تھی اور اس طرح اس گندہ شریح کی اشاعت ہو رہی تھی جو کسی شانہ صحبت کی کسی غیر تمدن جماعت کے لیے بھی مایہ افکار زمین ہو سکتا۔

ان کا میدان عمل اکبر ہادی مل رہتا تھا جہاں آقاے مدینہ کے جگر گوشہ تھے اس لیے قدر تا قوم کی اس بون حالی اور پستی سے وہ متاثر ہوئے مگر انھوں نے یہ دیکھا کہ علما کا عصا تکلیف و تفسیق اب بھی قوم پر اثر نہیں کرتا اور انکی ڈانٹ ڈپٹ سے انکا اثر جو رہا ہے، مولوی حالی مرحوم ان کے قبل قوم کا درد ناک

تمام ماہر ان فن نے حضرت علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خان کو بہترین عطر مانا ہے

کے ادائل میں روشناس ہوئی اور اکبر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملک کے سب سے زیادہ بے مزدورت اور ناپاک چیز کو باکار اور سرایہ ہدایت بنادیا اور وہی اردو شاعری جو اپنی بے نیق مذاق اور ذہانت کی بدولت سوسائٹی سے خارج کی جا چکی تھی اکبر کے ہاتھوں اس طرح کند بن گئی کہ اکبر کے ہاتھوں کو چکنا چوندہ کر دینے بدلے اس نے دماخون کو روشن اور دلون کو منور کر دیا۔ اس طرح وہ شاعری کے مجدد بن گئے۔ اکبر کے کلام کا مطالعہ کرنے والے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ اکبر صرف ایک خاص اسٹائل بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ایک خاص زبان کے مالک تھے۔ اونٹ، سید، اونجن، ماسٹر، ریل، کسریٹ، کھاکا ہوٹل، شیخ اور اس قسم کے بے شک الفاظ ہیں جن کے انکی ذکر شری میں خاص معانی ہیں۔

مثلاً مادہ پرستی اور انگریزی علوم میں غلو کی طرف انکو اشارہ
کرتا ہوتا ہے تو اسکے لیے ان کو فتنہ میں الجھن اور ریل کا نقطہ ہے
فرماتے ہیں ۔ ۵

شیخ جی کی منتر لون کا کیا پتہ۔ اونٹ صاحب خود لے کر پہنچے
اونٹ بھی انکی زبان میں دین عربی اور اسلامی تمدن کو کہا جاتا ہے اور
اس طرح دوسرے بران کو حدیث دیگران کی صورت میں اس طاقت
کے ساتھ کہ جانتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ یہ چیز دوسرے کے بس کی نہیں۔
لکھنؤ کا اُن پر خطاب | امین بھی میرا نازک بدلی ملتا نہیں، بھڑیے
ملتے ہیں انکے تیری گرگلی پر، شامی کباب ہو کے پسند اہل چڑ
پر سر دھنے والا اور ایسا اسی حلال ہون و اعطاء، دخت زر کو حرام کرتے
ہیں پر لٹنے والا لکھنؤ، اکبر حرم کو کس قدر نفرت و حقارت کی
نظر سے دیکھتا ہو گا وہ واضح ہے۔ انکو مسخرہ ہزار لگے، بے اصول سبھی
کچھ کہا گیا مگر اکبر کو جب معلوم ہوا کہ انکا شعر درنہ لکھنؤ میں پہنچ گیا

مرتبہ بھی رودر سنا چکے تھے لیکن وہ بھی مجالسِ عزا کی طرح ہنگامی اثر سے زیادہ کوئی افعالِ قلوب میں نہ پیدا کر سکا تھا اس لیے مرحوم نے ودونوں سے الگ اپنے لیے راہِ عمل تلاش کی یعنی جسنا کر مٹا کر رولانا اور سوئی قوم کو گمہ گدا کر مٹا کر تادیب کر کارگر ہوئی اور قوم کے پیرانہ نابالغ بھی اس سے اسوقت متاثر نہ ہوتے تو بجائے زہر خند کے اس پر سکا ضرور دیتے۔ اور اس طرح انھوں نے چند ہی دن میں دیکھ لیا کہ ان کا مشن کامیاب ہو رہا ہے کہ دیوبند کی خانقاہِ نقشب سے لیکر علی گڑھ کے کلیساے تفریح تک میں اور کانفرنس کے اسٹیجن سے لیکر برہم نشین عفات کے عویمِ لزم تک میں ان کے اشارے کا عام طریقہ سے چرچا ہو رہا ہے اور اس طرح کم سے کم تحریکِ پند و وعظ کے لیے قوم کی زمین اچھی طرح تیار ہو گئی ہے۔

اکبر کی شاعری کے تین دور ہیں دورِ اول غزل گوئی کا دور
دوم ہنسا ہنسا کر لڑنے اور صمیمِ معنوں میں بٹانے کا دور سوم وہ ہے
کہ معلوم ہوتا ہے کہ استادِ شفیق جو ابھی شاگرد کی غلط شاعری پر تنقید
ہنسکر اسکو نابار کا قدِ فنا اپنا العجب بدل دیتا ہے اور پوری قوت
و غضب کے ساتھ اسکو متعجب اور متغفل کر رہا ہے اور جس تناسب سے
ذوقِ نغمہ پر مٹتا جا رہا ہے اسکی ساتھ حدیِ خوانی تیز تر ہوتی جاتی
ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ تینوں دوروں میں ایک چیز مشترک ہے یعنی
خدا پرستی کی ترغیب اور مادہ پرستی اور تفریح کی مذمت حد یہ ہے
کہ وہ غزلین جن کو خالص عاشقانہ کہا جاسکتا ہے اس رنگ سے
خالی نہیں ہیں۔

الکبریتیت مجدد
 کتب سیر میں مجدد کی علامتوں میں سے ایک علامت
 یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ایک صدی کے آخری اور
 دوسری صدی کے ابتدائی دور میں وہ منظر عام اور سند ارشاد پر جلوہ
 فرما ہوا ہے اسے آگے سے دیناؤنیسوں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی

اگر آپ کو عطر حنا درکار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

توانغون نے صاف اعلان کر دیا۔

جس طرح ایک ملاک فریب دوشیزہ کے چال سے مسکون ہو کر انسان کی قدرت میں نہ نہیں رہتا کہ وہ کھڑا ہو کر اس کی شان میں قصائد غزلی کرے بلکہ خاموشی آزمائشی تو حد شانہ کے اصول پر ایسے موقع پر سکوت ہی ایک بیانِ بیخ اور کچھ اشارہ کر دینا ایک طویل مدتی ایڈریس بن جاتا ہے اسی طرح اگر مرحوم کے کلام کے اگر بعض خصوصیات پر ایک ہلکی سی بھی روشنی ڈال سکون تو میں اسکو کافی سمجھ بھکا۔

مرحوم کا کلام گونا گونا گون خصوصیات کا معدن ہے علاوہ ان خاص مہلا حلی الفاظ کے جو ان کی شاعری کی جان ہیں ان کے کلام میں نہایت تقیرات اور ارباب لکھنؤ کی تنگ نظریات و محروکات سے آزاد ہونے کے باوجود بھی آپ کو وہ الفاظ ملین گئے جو لکھنؤ کی شاعری کی جان ہیں مگر مذاقِ سلیم کے لیے جانگنا زمین، عوہم، انگیر، جوبن، نگے میں باہر انا صبح وصال کی لہائی اور شرمائی صورت رخ محبوب پر کچھ بوسون کے نشانات، جوانی کی راتیں، گھنگرو کی جھنگار، رقیبِ رویہ کا خوف، اور اس کے معاملہ میں مشوق پر آوازیں گنا آپ کو ان کے تین مغیرم وادین میں کہیں نہ ملے گا اور غیرات نہ ماننے ان کا مشوقِ حبت کا فر، ترک، ہندو بچہ نہیں بلکہ نیت الا گریز، یعنی سلی کو کر دیا ہے، استعلا دین اور تفسیہوں میں بھی بہت کچھ آزاد ہیں چشمِ مخمور کو اس کے تاثیرات دے پاشی کیوجہ سے جامِ ساغر کی طرح حافظ کی غزل سے بھی تشبیہ دیدیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

انکی نگہ مست ہے بہرہ زمانی ملتی ہوئی تاثیریں جانظلی غزل سے اسی طرح شیخ صاحب قبلہ کے تقدس اور سادہ لوحی کی بنا پر وہ انکو چاہ زحرم کا منہ دھک بھی کھدینے میں آزاد ہیں اسی کے ساتھ وہ اور فارسی الفاظ کے ہم وزن قافیہ انگیزی الفاظ وہ بے مطلق استعمال کر لیتے ہیں اسکی اور کسی کا قافیہ ان کے بیان وکی بھی ہے اور ان کے قافیہ میں وہ تنقیدک یو خوبصورتی سے نظم کر جاتے ہیں اور

تانیوں میں حسن معنی کم کرو شعریں کستا ہوں بھی کم کرو
ایک بار وہ امین آباد بابرک میں حافظ عبدالحی صاحب کے ہاتھ لکھنؤ کے استادوں نے اپنی طرح انکو بھی داد خواہی کا شائق اور بڑی میں مشتاق ہیکل انیز پوش کی توان کے پیچہ اصرار کے بعد جو پہلا شعر جو ان نے پڑا وہ یہ تھا۔

تسے تالیفوں میری شاعری بیکار ہے ساتھ سازگمی کھیل کیلئے دشوار ہے
مرحوم نے اس طرح اپنے فطری شاعر ہونے اور انکی تصنیف آئینہ شاعری کی طرف تبلیغ اشارہ کیا تھا اور وہ آمد کے باہمی امتیاز پر روشنی ڈالی تھی مگر ہمارے اساتذہ، استاد اور سازگمی کے تلامذہ پر ہر طرح اٹھے۔
قربان اس تغافل کے ایک موقع پر اس سے زیادہ اپنے مسلک شاعری اور عام روشن سے علیحدگی یوں صاف صاف فرماتے ہیں۔

اگر کے کلام میں مزاح کچھ بھی نہیں گواں نے بہت کہا، کیا کچھ بھی نہیں
زلف و کرتان کا معقود ہے ذکر شیطان چلے گئے سو کچھ بھی نہیں
پھر جب ان کے جدید محاورات نئے انداز کلام اور نو ایجاد استعارات پر حد سے زیادہ چہ می گوئی ان ہونے لگیں تو آئندہ شاعری کے اس انداز میں ان لفظوں میں بجز خوانی کی۔

اشعار غیر سے تو مجھے کم سند ملی من گفتم و محاورہ شدہ سی مدلی
میں نے دعویٰ کیا تھا کہ فطرتِ بھکاری اور تاثیراتِ قلبی کے نظم میں اگر اردو شعرا میں دل ہیں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

شعر اگر میں کوئی کشف و کرامت نہیں دل پہ گری ہوئی ہے اور کوئی بانجھا
ان کے کلام کے بعض خصوصیات مردور رکھنا ہوں اور کسی زمانہ
میں چند غزلیں بھی کوئی تھیں اور مرحوم سے علاوہ کافی اور طویل نیاز مندی کے مجھے شرفِ تلمذ بھی حاصل ہے لیکن آپ باور فرمائیں کہ

کارخانہ اصرار علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نو ایجاد قرص تبا کوٹے خوردنی کی قیمت فی شیشی صرف ۸ علاوہ محصول ہے۔

اس چیز میں یقیناً وہ شعراء اردو میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور پختہ
اور توانی کو بلند کرنے میں اردو کا کوئی شاعر انکا ہمدوش نہیں۔

میری وقتین | استاد معظم جناب نذر اعظم سکری صاحب بی۔ اے کے
اصرار کے وقت اگرچہ بچہ کو ناواہ دانسی اور حضرت کوکر کی
کثرت گل باشی کا صحیح احساس ہوا تو یقین فرمائیے کہ میں ایسا ظلم و جہول
نہ تھا کہ اس باعظیم کو اپنے سرے لیٹا اور سب اکبر پر کوئی مضمون پڑھنے
کی آمادگی ظاہر کر دیتا۔ میں کو تاہ قلم ہوں اور ادباً نہ منانے ویدانے پر
پوری بصیرت نہیں رکھتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک شریف نگاہ اور
دیکھنے سنج صاحب صاحب نے یہ سیر کہ کیا ہے نہ ان مجھے زیادہ کام اکبر کے تقاب
میں دہی وقت ہو گی ایک متقی مسلمان کو اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ کو
حور عین کی اس جماعت میں جن میں سب کی سب کا سخن ایسا قوت والہ و الرحا
ہیں رضوان حق انتخاب دیدے۔

صورت یہ ہے کہ عاشقانہ غزل ہو یا تصوف، حمد ہو یا نصیحت،
ظرافت ہو یا فطرت، نگاری پسند نصیحت ہو یا اعتراض، اکبر جو کچھ
فرمائے ہیں وہ منتخب روزگار ہے، اور شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ
میں رنگا اور ایک ہی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے اس لیے آج کی سمجھت
میں لامحافظ ترتیب ان کے اسی حصہ کلام پر انکشاف کر دے گا جس کا زیادہ
حصہ محکو ربانی یا وہابی خود انکی زبان مبارک سے انگوٹوں جیسا ہوں۔

توحید کی اس پیہر کہ اکثر اللہ علی اس اودہ پرست دروین جبکہ سانس
 کی کرشمہ ساز یون نے آنکھون کو خیر و اور قلوب کو مرحوب کر رکھا
 تھا۔ صرف اس لیے عالم شود دین آئے تھے کہ وحدت اور خدا پرستی کی
 تعلیم دے کہ خدا کی بلو، خدا پر توکل، خدا ہی کی محبت اور اسی کی دھن میں
 مست رہنے کا درس دین اور ہی چیز ہے جسکی تبلیغ کا نفاکے اختیار مزمو
 کو حاصل ہے ہر نظم و غزل کا خلاصہ صرف ہی تھا۔ تحریک علی گڑھ اور
 جدید تعلیم کو وہ ناپسند کرتے تھے مگر اسی حد تک کہ وہ خدا کی راہ میں حجاب

تعمین، حد یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی ملازمت کو باوجود دیگر خود دفاعی ادارہ ملازم تھے ایک نان کو آپریٹنگ طرح نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر یہ جھڑپ صحیح معنوں میں صرف ”لُڈ“ تھائی تھی، اس لیے کہ یہ جرنیلانہ کھیل میں روح اسلامی و خدا پرستی کو نفاک خوالی تھی، چنانچہ مردوان پر غزل آج کو گویا بار بار ملے گی۔

دل و اجس پہن کوئی ایسا نہ ملا
بیت کے بندہ ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

بزم یارِ ان سے پھر یہاں ہائی ہو
ایک سر بھی ایسے آمادہ سودا نہ ملا

ولو کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کردیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگ باطن میں مگر روپ کے بیٹا نہ ملا

سیدائے جو گزت لیکے تو لا کھر لائے
شیخ قرآن دکھائے رہے بیٹا نہ ملا

ایک جاگہ اس شادِ حقیقی کی غیر مشرانہ عجت کی پون
ہایت نہ فرماتے

اور نماز کی صحیح فلاحی بتاتے ہیں۔

جو یلئے راز حسنِ نزل سے کہنے کوئی
من موت سرمدی کلامِ مبین کو دیکھ
ارشاد ہے کہ شرک نہ کرو رازِ نازِ بہ
مطلبِ بہ کسی کو نہ دیکھ اور مہین دیکھ
وجود باری کی نزاکت اور استلال و شاعر کے حدود سے بلند تر پہنچنے
کی طرف یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

اثبات خدا کو منطقی اٹھ نہ سکا
خاک حیرت سے ذہن بھی اٹھ نہ سکا

اسی معنوں کو ایک نعل میں یون فرماتے ہیں کہ
جو ہمیں ان گنا پھرہ خاک کو نکال دیا
حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جہانگیر مع دستار
نعت اکا تعلق ہے اور ہر دم نے اس کو محض عام شاعروں کے دستور
کے مطابق قافیہ پائی کے سلسلہ میں رعب کلام میں کیا بلکہ اپنی صلی
محبت یعنی اتباع کی ترغیب اور آپ کی تشریف آوری کی عظمت و برکت
کو ذہن نشین کر کے لیے چاہا ہر ایک جگہ ان برکات کی طرف مہلک

اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کا تیار کردہ بانو سیراٹل استعمال کیجئے قیمت فیشیش دو روپے وایک روپیہ

اشارہ فرماتے ہیں۔

درفشانی نے تہری تھڑن کو دیا کوپا دکور وشن کر دیا آنکھوں میں کر دیا
جوتے تھے خود راہ پر اردن کے ہادی ہیں کیا نظر تھی جس نے دون کو سہا کر لیا
قوتوں کو زندہ کر دینا، بیادوں کی سیاحتی کرنا سب ہی نظر کرتے
ہیں لیکن مردوں کو اس حد تک ترقی دینا کہ وہ سچا ہو جائیں یقیناً
بالکل نیا اور نہایت لمبیغ استعارہ ہے۔

اس سلسلہ میں ایک غیر مطبوعہ نظم پر اکتفا کرنا ہوں جو خود انھوں
نے مجھے عنایت فرمائی تھی یہ نظم شمس کے انداز پر بندوار ہے اس میں انھوں
نے اپنے شمس کمال شاعری اور شگفتگی رسول کا وہ ثبوت دیا ہے جسکی نظیر
اردو شاعری میں ملنا محال ہے یہ نظم بہت طویل ہے اس کے چند بند بلا تکرار
سنیے اور درود پڑھ کر ہر دم شاعر کے لیے دعائے مغفرت کیجیے۔

میں سرور کو نین میں خامہ اٹھا ہوں خیال کو کرکے ظلمت پر اک بلی گزانا ہوں
شب دہام ہے شمس تغیر میں غزل تاپنا جرجع طور این کو وہ منی پر جلا ہوں
آتش شمع برق بجلی وہ زبا نم را
قبول خاطر موسیٰ کا جان کن بلا نم را

محمد نبیؐ اور ہوائے خلق و عالم ہیں معززینِ قدس میں مہم میں کرم ہیں
فروعِ فضلِ حق ہیں فی عرشِ عظم ہیں حبیبِ حق ہیں مجمعِ ملک ہیں کوکب ہیں
انہیں کی رنگ رنگ گل مہر کی کو زینت ہے
انہیں کی بوسے طرا گین بنی آدم کی زینت ہے

جواہرِ خاندانِ شمس کرم سے سینہ بنتا تھا خاقانی کا خود کا حکم کا غنیمتہ بنتا تھا
لغات کے خفا سے نور سے آئینہ بنتا تھا علوی نے کرم سے عرش میں کارینہ بنتا تھا
مردان کے نصیحتے شتائی کیا کیا آئے دیکھ
قدم افلاک پر بیٹھتے تھے اس کی جگہ پر کھڑے
قلوب کی نظر کے عجب شرافت سے تھے جہاں کے سخن کے نیچے ہوتا سے کہتے تھے
ہجوم خلق تھا رابو طلب میں شانے چلتے تھے بشر کی حقیقت سے شتے جہاں کے تھے

فلک تمام خود باذاتِ جلیل نہ سکتی تھی

خدا کی بات تھی نالے کسی کے بل نہ سکتی تھی

قرآن کی تعلیم قرآن ہی مسلمانوں کی فلاح دینی و دنیوی کا تنہا ضامن
ہے مگر اس دور میں جب ملن ٹکسپر دلوں کی بستی پر
چھاپے مار رہے تھے قرآن کی آواز پہنچانے کے قدرے مشکل تھا مگر وہ نے ہنسی
ہنسی میں اس کام کو خوب کر لیا انھوں نے قرآن بڑی خوبصورتی سے ان
بچوں کو سنا دیا جو اس کو تیر و سوسیر کا فرسودہ اور قابلِ تفرقہ قانون سمجھتے
تھے۔

کرم حق پہ رکھ نظر انبی جو عقیدہ ترانہ ہو ہڈ عیلا
آسرا اس کا چھوڑ دے کبر و تمیل المیہ تب تھیلا
محب کو بیدل کر کے لیا کوئی یاد مجھ کو اتما لا علون ہے

تضمین و اقتباس اسی طرح اگلے اساتذہ و حکماء اسلام کے
ارشادِ فاضلہ کی تضمین کر لینا اور ان میں جڑی

تفسیر کر کے مشہوریات زمانہ کے مطابق صفائی کے ساتھ اپنا کر لینا
اکبر مرحوم کا خاص حصہ ہے ایک جگہ شیخ کے دورِ تعلل اور نا کارگی
پر یوں تنبیہ کرتے ہیں۔

بنی شخانی میں یں نری ذیوش کستی پہنچ سے بوش و دروش
خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہمد در عمل کوش ہر صہ خواہی پوش
ایک جگہ علی گڑھ کی تعلیم تفریح پر یوں زہر خند فرماتے ہیں۔

الایا ایہا الفلک کچھ راحت بنا دلا کہ قرآن سہل ہوئی دے افتا و مشکلا
بکن ترین بایہ خود زبوت ولس تپان کہ سر سبز خیر دار و زراہ و سہم منر لہا
جنگ یورپ پورے شباب بر قی جزئی آندھی کی طرح بڑھا چلا
آتا تھا انگلش جنیل اور کیلے تک پہنچا نہ تھی اس وقت مسٹر چرچل وزیر

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاج عمر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک ہلی اور ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن میں ہے

بحری تھے ان کو یون چوکاتے ہیں۔

چوہرین جانب کیے معین کرد منتر لیا زود و رشدر با فغان بزلت اندولما
الایا ایما یجول نظر کن سحر ساحلہا کہ چنگ سان جوان اول تلے افتاد شکلا
چند دن کی بھراسے تنگ آکر فرماتے ہیں۔

دیرس ہرگز یہ آخر خندہ ایست بعد ہر سپیچ آخر چندہ ایست
یاد و آراین قول مولانا ے روم مرو آخرین مبارک بندہ ایست
مشرق و مغرب دونوں کو ایک ساتھ باہ یگانیکہ متعلق فرماتے ہیں
پاسے در پتلون ل در پشواز چند روزے باہی حانت بساز
اگر نری محاورات عربی فارسی کی طرح وہ انگریزی محاورات صطلاحات
بھی نری صفا کی اور لطافت کے ساتھ نظم کرتا

ہیں یہ چند اشعار اسکا روشن ثبوت ہیں۔

کوئی مین مح ہے نہ باریک بین کشن قلاش کردیا مجھے دوچار تینکس نے
جب مین کتا ہوں کہ گوی کسی ڈیر سر جھکا کر کہتے یوے ٹیک سین
عجب معمولہ ملاحظہ ہو۔

اُن کے دست نازنین سے پائی ٹی اب کہاں باقی ہے ہم مین پاٹھی
صاحبزادہ سے فرماتے ہیں۔

لندن مین بڑا جاگے دسواس ہی ہے تم پاس رہو میرے جاپاس ہی ہے
انٹرنس کی باقاعدگی داد دیکھو۔

ہمے شب سال وہ بے سبیل ہو گئے انوس انٹرنس مین ہم فیل ہو گئے
لیا صبح شنب صبح سلاوسین پیچ ہے اسی پر بولائی تھی شیخ حسن خانیل جی ہے

نذر کر کے لیے ہی ہے ٹونٹ کے لیے شیخ ہے مگر حضرت منت ہیں ہوں میں شیر نہیں
تفریح محرم اکبر کو کہ طیارہ کی تحریک کے دل سے حامی تھے لیکن وہ صلاح

تجوید جو خداوندان کالج نے دین مین کی تھی اور جو انٹرنس تعلیم کا
کلام مین پھیل گیا تھا اسکے خلاف بڑی پامردی سے وہ جہاد کے لئے

اٹھ کھڑے ہوئے مگر انکا یہ مجاہد لہو ہی لہم باقی ہی احسن کے حدود سے

ایک لکچ بھی باہر نہ تھا۔ تقریح، تصنیب اسلامی سے نفرت عادی پرستی آزادی
مذہب اور عورتوں کی بے پردگی یہ انکی مستقل مصانت جنگ تھے جن مین
انکا ظلم شیر و ستان کا کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مادہ پرستی اور طلب دنیا
اسکی اصل تھی اس لئے اس قلعہ پر یون زور لگاتے ہیں۔

نہ ناز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج تو خوشی بھر آئی کیا ہے کوئی بہت بھوکے
عہدے جو سوچ پاس کو اچھے ملے تو کیا قالم نہ ہوں کی تو کبھی سمجھے پاس سے

ہر ایک کو خوش کرو نہیں کہونکو صاحب اپنی عیادت بلاتے ہیں اب ہر صاحب
آسائش عمر کے لئے کافی ہے بی بی رضی ہوں کلام صاحب

ادھ بھی درخشاں ہیں ابھی آنے والے نازنا ناز کرین ہم کو مٹانے والے
آپ سکر مین غلامی بھی نہیں ملتی ہے سلطنت کر گئے غصے سے ڈرائیو والے
تعلیم جدید تعلیم جدید نے جو ایک تمام دینی جو ماور مذہبی بے حسی پیدا
کر دی ہے اسکی طرف یون اشارہ فرماتے ہیں۔

مفضل دل عظم سنگ کالج ہو گیا ذہن کو تپ آگئی مذہب کو فوج ہو گیا
انگریزی تمدن اور علوم کی شر سناک فتح پر یون ماتم کرتے ہیں۔

فخر یہ ہیں جو اشعار پڑھے سعد کی فخر یہ آپ سنانے لگے نظم ملین
شیخ سعدی فخر یہ کر گزین مجھے تھکے دست آپ کے کون مین ملین سینوں فخر یہ

تعلیم جدید نے جو دین مین کفر اور اعمال کفر کی طرف قیمت اور کفر
سے کی نفرت پیدا کر دی ہے اسکا یون شیر پڑھتے ہیں۔

ہم مین وہ خوبی دکھائی نہ رہی پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
تعلیم جدید سے جو کیا حاصل بان کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

انسان خواہ کتنا ہی محنت دل و جوت خواہ کسی کی بھی ہو اسکے دل پر
کہ سے کم ایک ہنگامی انشورور کرتی ہے لیکن تعلیم جدید نے طلبہ مین جو

سنگہ لی وقسات پیدا کر دی ہے اسکا یہ دردناک منظر ہے۔

گولی تمباکو ورق داہلائی اور نفرتی جو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی تیار کی ہوئی ہیں کیا رنگا کر آزمائش کیجیے۔

سچ یہ ہے کہ اس پروردگار کو باز کرنا چاہئے پھر ہمیں اور جو انکی مٹا
جی قابل غور ہے۔

جو زمانہ کی ہون ہے مضر نہیں چھیننے کی مضر حوالہ پیشان کنک
مقطع کٹنا ورنہ ناک اور برکیٹ ہے فرماتے ہیں۔

جناب حضرت کچھ ہون حامی پردہ مگر وہ کیا کٹا کر کئی باعیاں کنک
ایک جگہ پردہ پر مضر نہیں کے ساتھ یوں تھرا کرتے ہیں۔

پردہ کا کیا ہے خود اور کھپیدا خود ہم نے کیا ازار اور کھپیدا
کیا خوب کٹنا موری موری ہنہ نیچر نے کیا ہے ہکو نکا پیدا

اس امر کو کہے جانے کا تھیل (MADE IN EUROPE)
میں ان پر ہے اور ہوقت گو کہ ظاہر میں خوشگوار اور راحت بخش

ہے لیکن ولایتی سگرٹ کی طرح نتیجہ کے اعتبار سے اندرونی مضر
بہت رکھتا ہے اس طرح ذہن نشین کرتے ہیں۔

پردہ میں ضرور ہر طوالت ہے۔ انھما پند کو نہیں چاہئے
تنبیہ بری نہیں ہے۔ اگرچہ کمون بگین چو ان لیدی سگرٹ

اس لیے جانی سے قوم کی جو مضر ہی اور اخلاقی مضر اور
رسوائی ہوگی اسکو ایک تعداد کے پڑھتے ہیں مٹی خوبی سے واضح

کرتے ہیں اس ایک شہر کے سلسلہ میں یہ پڑا قطعہ میں لکھتے
پردہ اٹھانے مٹی کے یہ سامان ہیں حورین کاچ میں پیر جانی مٹی ہیں

کرت گئی ناک حورین تو نہیں کچھ پردہ تھیل کے یہ ہیں مٹی کاچ ہیں
خاصاں لگے تھو اور مٹی کاچ ہیں آپہر مٹی کاچ ہیں مٹی کاچ ہیں

ان کے ہاتھ میں تھو اور مٹی کاچ ہیں ان کے
پیشانی پر تھو اور مٹی کاچ ہیں

آئینہ میں تھو اور مٹی کاچ ہیں ان کے ہاتھ میں تھو اور مٹی کاچ ہیں
پردہ ورنہ ان قوم نے کیا کرتے ہیں۔

پردہ دیکھ لے مگر میان کتہ لگن اب ہاتھ اور پیشانی پر پردہ لگے

سچ یہ ہے کہ گروہ کا ایک لفظ ایک بیان ہے جس میں ان مردوں
کی ہے گروہ اور سچ میں ہی تھو اثرات کے ہاتھوں جو مٹی کاچ ہیں

اسی ہتھوں کو ان سے زیادہ برکھ طریقہ ہے اس شعر میں ادا کرتے ہیں۔
پردہ کا مخالف جو سا بران میں لگن ادا کی ماس برکھ لگنے کے حوالے

اس سلسلہ میں ایک طبع ادا سن لکھتے ہیں کہ خودی ادا نکات ہتھو
حسن، ہندش کی وادہ نام ہے کم مہرے میں کی بات نہیں ہے

حالیہ کی مٹی کاچ ہے جب مٹی کاچ ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
شہر میں اور حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

اٹھانے میں ہے اور مٹی کاچ میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
اسوقت مٹی کاچ ورنہ مٹی کاچ کے اندر مٹی کاچ شہر میں لگن اور اپنے

معدود مضر صیادت میں وہ لکھتے ہیں۔
چاہتے ہیں وہ لکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں

سگرٹ دشمنان پردہ کو کچھ ہاتھوں میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
چہ پردہ کو کچھ ہاتھوں میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی
پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی کا ایک شہر میں پڑا حوالہ خانی

زردہ تمباکو تپی کا نہایت خوشبودار ورق والا اور بلا ورق والا اصغر علی محمد علی تاج برکھ لکھتے ہیں طلب فرمائیے۔

پڑھے کوئی دعائے اکل طعام دین سے بھی رہے وفاداری
تب یہ اشعار حضرت سعدی ہوئے اُن کی زبان پر جاری
لے کر کیے کہ از خواہ غیب گہر و ترسا و طیفہ خورداری
دوستان را کجا کنی محروم تو کہ بادشمان نظر داری
ایک طویل نظم میں مسلمانوں کی جس عبرت ناک اور حد سے زیادہ
افسوسناک حالت کا چربہ کھینچا ہے۔ اور اس میں علاوہ غیرت و عبرت کے
گردان بھاذخیرہ کے جو انہوں نے کمالات شاعری و ادب و دیباچہ کے
ہیں اسکی داد و دہ چند آئسو ہو سکتے ہیں جو دل کے اضطراب آنگھوں سے
برس پڑیں اسی کے ساتھ جن اچھوتی اور دل آویز تشبیہوں سے ایک
جمال رعنا کا فوٹو کھینچا اور مکران جماعت کی جو حدینیت مسلمانوں
کے متعلق ہیں انکی جس خوبی سے تصویر کشی کی ہے وہ بے مثل و نظیر ہے۔

برق کلیسا

لات اوس سے کلیسا میں ملا جو دھار ہائے جگر شمع خیز نکات وہ بیمار
زینت پچائیں دھج و صبح گرجا میں مچے قند ماہینہ جیم کہ قیامت بھی نہیں
آنکھیں نغمہ دوزان کہ گندگار کرین گال و صبح دوزخان کہ گلاب بیار کرین
گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے دلکش آواز کہ سکر جسے بلبل پیکے
دلکشی چال میں اسی ستار کو جلا میں سرکشی ناز میں اسی کہ گورہ چھک جلا میں
آتش جسے تقویٰ کو جلانے والی بلیان بھٹ تسم سے گرانے والی
پیلوے حسن بیان شوقی تقویٰ میں برق شکی و مکتوبین کے حالات میں برق
پس گیا لوٹ گیا دین سکت ہی نہ رہی سرے تکین گجس میں دگت ہی نہ رہی
ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا یا حنیف کا کیا درد مگر کچھ نہ ہوا
عرض کی ہیں لکے گلشنِ نظر کی ہمار دولت حضرت ایمان کے تدریجیہ نثار
تو اگر عہد وفا باندہ کے یہی ہو جائے ساجی خطے سے قلب کو سیری ہو جائے
شوق کے جوش میں ہیں جو زبان لکھائی ناز و انداز سے توری کو چڑھا کر بولی
خیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے بوی خوشی ہے ہر قسم کے فسانوں سے

ذی علم متقی ہوں جو ہوں انکے تنظیم استاد ایسے ہوں مگر استاد جی ہوں
سبحا کی ہری سے جو طیف اشارہ اسکی آوارگی پر کیا ہے اور استاد جی
سے مطعون کے دانت اور صبا باغی اور ضلالت شرافت افعال پر ترغیب
دیے کا اشارہ ہے اسکو ارباب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ایک مقام پر بالکل
صاف لفظوں میں لڑکیوں کی تعلیم اور اسکے نصاب کو یوں فرماتے ہیں۔
تعلیم مورتوں کو بھی دینی ضرور ہے لڑکی جو بے چارہ ہو تو وہ بے چارہ ہے
حسن معاشرت میں سراسر تہ رہے اور دین والدین کا بیشک قصور ہے
لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
ہر چند یہ معلوم ضروری کی حاملہ شوہر کی ہو یہ دیکھوں کی خالہ
ایک جگہ اس بچے میں آخری اور مختصر طریقہ سے اپنا مسلک یوں
ظاہر کرتے ہیں۔

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم قوم کے واسطے تعلیم نہ دو لڑکی کو
مسلمانان در گور مسلمان کی در کتاب حدیث شریف میں آخر زمانہ سے متعلق
ہے لایق من الاسلام الا اسما

صرف نام کا اسلام باقی رہ جائیگا اور جہانناک ہندوستان کا تعلق ہے
یہ بھی نہیں رہا کہ نہ خٹو۔ خان۔ لے۔ آر۔ رحمان۔ کیو۔ اے۔۔ فحوی۔
اس طرح کے سیکر دون نام اس نفرت کو ظاہر کرتے ہیں جو
اسلامی ترکیب اور اسلامی زبان سے دون میں پیدا ہو گئی ہے اگرچہ عزم
اس چیز کو دیکھ رہے تھے اور اسکا ماتم کیا کرتے تھے فلتے ہیں۔
مزہ کا جشن تھا اُل ایک شرافت میں کسی نے خوب گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلمان ہیں دگر تہن سے تہ نہ اس زمانہ میں
نے تعلیم یافتہ جماعت کے مرشد اعظم کی جو دینی حالت ہے اسکا
نوٹیوں کو کھینچا ہے۔

اہل یورپ کے ساتھ ہوٹل میں چکھی حید نے ایک دن کا رسی
خاندان نے کان میں یہ کہا آپ تو علم سے نہیں عاری

قوام تمباکو خوشبودار ورق والا اور بلا درق کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے۔

جب گیارہ گھنٹہ میں شیشاں غلامین ہمارا منہ منہ سے کسی سرکھائی میں
 اسی طرح اونٹ سے انکی مصلحت میں اسلامی تمدن، تہذیب عربی، اور اسلام
 تک مراد ہوتا ہے اسی طرح گائے سے وہ علی العموم ہندو قوم اور افضل درجات
 ہندوستان مراد لیتے ہیں۔
 اونٹ لے گا تو کوہندو پشیر کو سا بھی پھر تھیندے کہ میں تیرے پاپا اونٹ کا
 دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ہندو میں شیخ رہ گیا افسوس اونٹ لگا میں بہ گیا افسوس
 دیکھ کر ہم کو ایسی فی لالہ راہ چلتا بھی کہ گیا افسوس
 ابھی حال میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے سلسلہ میں ذبح بقر تک
 کر کے اپنے قدیم حقوق اور مذہبی روایات کی جو قربانی مسلمانوں نے
 کی تھی اس پر کس لطیف پیرایہ میں اظہار افسوس کرتے ہیں۔
 چھوٹے گاے نامہ حرکت اونٹ بلے افسوس شیخ جی ہم کو پستانہ بھجا
 مانا اور تپا کی باہمی نسبت کی غائبانہ اولاد امانت کے لئے دلے
 ضرور داد دیگے۔

مسلمانوں کی مادہ پستی اکبر عقیدت نامہ کو آپ بڑے تھے لیکن ان کا یہ
 نام کو آپ بڑے لیکن اس لئے تھا کہ وہ
 محسوس کر رہے تھے کہ نگہ بددین کی یہ غلامی اعضا کو چھوڑ کر دماغ،
 تذب بلکہ ایمان کو بھی متاثر کر رہی ہے اور اس سے دین کی بنیاد کھول
 ہوتی جاتی ہے صاحب یا دہیں بھولا جاتا ہے ستواہ کے آگے اللہ کو کوئی
 نہیں جانتا۔ وصول کے مقابل رسول کی عظمت نہیں رہی اور
 حمار کو چھوڑ کر گندہ قبلہ بخاری ہزار اجارا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
 مقابل کفر کے وہ نود اسلام کی اکبر گر انقلاب ہر سے بانی کمان کافر
 نصاریٰ قبلہ مقصود ہیں اور لوگوں زمین شہری میں مکی کلف بتان کافر
 واسطہ کہ ہو گیا اسلام کے قانون سے
 دیا گئی آخر مسلمان سر پتلون سے

حاصل ہے کہ یہ کہتے ہیں غازی بکر
 بانی اسلام کی امت تھی امت و دعائیں
 ہے ہنوز انکی رنگین ترکہ جہاد
 کا سیلابی کی ل زار نے آٹھ پانی
 ایتنا نہ پختہ ہیں ہے آخر آدم و نوح
 کیسے ہو گا اس میں سودا ہی نہیں
 ملک کی بندہ گئی ہے قوم کی غنم کی غنم
 دینا ہے خطا کا تھیرا زکار رنگ
 سب سے بے پیر پڑتے ہیں بھلا
 نور ایمان کا ترے آئینہ رخ پر تار
 دینے ہو وہ ہیں کہتے ہیں شہد کو ایک
 میں تو تہذیب میں بن پیر خان کا شاگرد
 علی العموم پیر خان کا اشارہ بانیان علیہ السلام کی طرف ہوتا ہے۔
 مجھ کو کچھ دھرم کتاب کے لئے جان نہیں
 جب کہ اساتذہ میں نے کہ جو جہانم
 میرے اسلام کو ایک نصیحت مانی سمجھو
 ہنس کے بولی کہ تو بچھو بھگت بھی راضی سمجھو
 اسی دردناک مضمون کو دوسری جگہ

خاص اصطلاحات یوں فرماتے ہیں۔
 تسبیح وہ اب کمان، تحلیل کمان قرآن مجید کی وہ ترتیل کمان
 کل کے آگے خیال فروا کس کو جب بیل ہے سامنے تو جو بیل کمان
 اوپر ذکر کیا جا چکا ہے بعض الفاظ ہیں جو ان کی اصطلاح میں خاص
 مفہوم رکھتے ہیں۔ چنانچہ زخ، اریل اور کل سے علی العموم انکی مراد عالم ہوتا
 دنیا پرستی اور انگریزی تمدن کے اثرات ہوتے ہیں اسی طرح کسر پٹ سے
 مراد انگریزوں کی غلامی ہوا کرتی ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

عطر خاجو اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اس کا نسخہ ہی مختلف ہے۔

یورپین علوم اور سائنس کے مقابلہ میں علوم اسلامی کو جو شکست ہوتی جاتی ہے اس کا یہ حال ہے۔

دونوں پہلوئے تہذیبیہ میں چاہے کچھ پر موعوے حضرت محمد کی پرستان کی تک آگے انہیں کے دین ہے کیا چیز ہمیں آگے مین ہے کیا چیز اس شعر میں اس امر کی طرف بھی اگلا شاہ بلوغ ہے کہ دین کی حالت مین کی ایسی ہے جس سے محض وح کی لذت ہے اور سائنس کی بدولت مالی نفع ہمیں کی طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں عجیب پر طعن شعور فرماتے ہیں۔

مذہب کے بارے اگر اس شخص نے کچھ نہیں یاد رکھا تو فیصلہ دینا تو نہیں چاہیے
جناں شیخ ایشیا کے دیگر شاعروں کی طرح ہمارے حضرت اکبر بھی شیخ سے سخت ناخوش ہیں لیکن اس لیے مین کردہ شراب کی مذمت کرتا، ساغر و مینا کا دشمن اور شاہ پرستی کا مخالف ہے بلکہ اس لیے کردہ انبیا کی اس وراثت سے محروم ہے جو اس کو اسکے علم نے دلائی ہے اور اس لیے کہ انجی مسد ہایت پر شکر ارشاد تبلیغ کر کے بدلے جدید لڑائی سے شاعر ہوتا جاتا ہے فرماتے ہیں۔

نہیں ایشیخ صاحب کی وہ عادت وضو کی اور مناجات سحر کی مگر ان چاہے بیکر حسب ستور تلاوت کرتے ہیں وہ پانیر کی ایک جگہ شیخ کی بے ضرورت گوشہ نشینی اور زکلف سے غفلت پرستی کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

شیخ مختلیف کی تردید تو کرتے ہیں کچھ مگر شیخ نے جو تہذیب پر حملہ کرتے ہیں۔
مختلیف اور اوتین کی مناسبت کے ساتھ یہ بھی غلط فہم ہے کہ بندہ شکم و جگر لہو شیخ نے قرآن کے پورے تیس سپاروں میں اسی سورہ خوب کیا جس میں دو دکھائی گئی چیزوں کا ذکر ہے یعنی انجیر اور زیتون شیخ کی عام ظاہری حالت کا یہ خاکہ ہے۔

شیخ کو دوج نیو نی شیخ کی داڑھی نہیں دوستی مذہب سے بہرہ مند گادھی نہیں

شیخ کی اخلاقی ہستی اور دنات و دنیا کی کا یہ عالم ہے۔
خلافت شرع کبھی شیخ سے تو کبھی نہیں مگر اندیکہ جاکین چون کبھی نہیں شیخ کی دن پرستی کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں۔

شیخ صاحب کو تہذیبیہ شاعر و کئی بات کا حسن کی قید نہیں لگا محسوس کام دوسرے شعر میں شیخ کی دن پرستی کے ساتھ اس امر کی طرف بھی طعنہ شاہ فرماتے ہیں کہ انگریزی تعلیم یافتہ جماعت اور علماء کے درمیان جو طبعی مغائرت حاصل ہوگئی اس کو جلد ہٹ جانا چاہیے اور یہ جماعت جو سب سے زیادہ علماء امت کی توجہ کی محتاج ہے ان کی طرف علماء کا جلد متوجہ نہ ہونا ملک و قوم کی بڑی سیہ خمتی ہے۔

شیخ جی گھر سے نکلے اور مجھے کہیا آپ بی۔ اے پاس ہیں بی بی بی بی بی
با دیان ملت جس طرح گوارے کھینچتے رہتے ہیں اور سیاست منرو اور دنیا کے موجودہ تیز رفت سے بے خبر ہیں لیکن اس کے ساتھ اپنے قدیم اصول و وضع پر جو ان کو متصہانہ عقد ہے اور تکفیر و تفسیق امت اور رب شتم مین یہ لوگ جس قدر آزاد مین اسکا فوٹو ہے۔

حالی دنیا سے بچ رہیں آپ گو تقدس باب بیشک ہیں شیخ جی پر یہ قول صادق ہے چاہے جرم کے آپ میند حکم ہیں شیخ جی کو جو آگیا غصہ لگے کھنچے یہ بھینک کر دھسا تو ہوشیطان کے مطیع و مرید تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید ہے تمہاری نمود بس اتنی جس طرح ہو پڑی پرید پرید علم و علماء کی ناقدری اہل ان شیوخ امت اور علماء دین کی تغافل شعرا یوں اور تامل کے وہ نام گار تھے وہ ان کو اس ناقدری اور رسوائی سے بھی سخت اذیت تھی جو تہذیب جماعت اور حکومت حاضرہ کے ہاتھوں اس مقدس اور واجب الاحترام جماعت کی ہو رہی ہے۔

مراقبہ ملک و قوم کی اور مصلحت کی کچھ نہیں طلب ہے گرجو بھٹوں کی

اگر ایک طبی اصول سے بلا کسی معرناشی اجرا کی آمیزش کے تیار کردہ تمباکو اور دلی درکار کو صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

نہیں کہ ترقی و علم و دین و تقویٰ کی خرابی ہے تو نقص شیعہ کی بیہوشی کی سیدھے جو کر چکے تو لاکھوں لے شیخ قرآن کھاتے رہے بیسائے اختیار کلاس در و ناک بے غیر پڑھ کر گئے ہیں۔

شیطان نے وہاں شیخ جی کو ٹوس باطل ہی گیا زور آٹکا ٹوس آئندہ پڑھیں گے آپ لاعلمی اگر فوراً دیکھو انکو چھینٹیں ہوں سر پہنے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا تھا کہ ان کو باطل کرنا توہم کی ترقی سے مراد ہے ہرگز اس خیالی شام کی یون تردید کوئے ہیں ہم نے وہ بھی کی خوب دوائی بھی تو ہے یہ بات سگڑ نہ ہمہ زمین سوچیں غریب کو شکتہ دینے کی پادشہی ہے انکو پورے پورے کچے پانی ہی سے مچتی لیڈر ان ترقی علم کا کچھ حال ہے وہ آپس میں چٹکھین لیکر وہ ایک خاصہ سگڑ نہ پانچواں اور سر پر ہر دم پیر و اوقاف اور جو اپنے کو قوم کی قیادت و لہجہ و ذرا نہ سمجھے شیخ ان کی حالت ان سے بھی بدتر ہے انکی غرض بظاہر اس غرض سے حکومت رہی ہے۔

قوم کے مضمین و زور کے لئے ان کا تکیہ ہے شیخ کو سخت فکر اور کم یسا ہے یہ جاہل مسلمانوں کی راہ نمائندگی اسلام سے مستعد رہے نہ تھے۔

کیشور دتت، اے کے شافعی نہیں مگر نانو و کا نصیب ہندو نہیں بغیر طاقت ہی ہے خیالی یکساں تھی خدا کو نہ کھڑا تھیں نہ حق نہیں انکی تباہی نفس علی اور مستعد جی ہے

لیڈر کی چاہوت و نقصان ہے معافی گوئی کہ مسلمانوں کو اہل منہ گوراضی کرد ان کے اصلاح قلبی اور دوقومی سے محرومی کا یہ حال ہے۔

آنے والے نہ وہ انجن دل کھیرت کوئی قلعہ کی طرف تکیہ کی کوئی کھیرت مسلمانوں کی عام حالت اگر اسچ اور اسکیم بازی سے توہم ترقی کر سکتی ہیں تو یہ کیا جاہل موجودہ دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی ترقی پذیر قوم نہیں لیکن اس شور و غصہ اور بلند نگاہی کے باوجود اگر ترقی تعلیم تک میں جسکو امراض قوی کا فاحص علاج سمجھا جائے

جو مسلمانوں کی بستی اور غفلت چھوڑی ہے حالت ہے۔

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے پاس یہ عاشقی شاہد مقصود کے ہیں نہ جانیں گے ولکن سی کے پاس مسائن نمکواک فرضی لطیفہ کیا جس کو زمین نے زب قلم اس کہہ سمجھوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے کہ مینا تو اگر کر لے ایم۔ اسے پاس تو فوراً بیاہ دون لیلیٰ کو کیجئے بد وقت میں بن ہاؤن تھی ماس کہا جنوں نے یہ اچھی سنائی کیا عاشق کو کالاج کی کلاس کچا یہ فطرتی جو شش طبیعت کیا ٹھوس ہو پھر کالاج اس بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے ہر نیر لادی جاتی ہے کین گھاس مسلمانوں کی اس ذہنیت کو کہ ہم حکومت کو چیکے ہیں اس کے ریاضی و سائنس میں بد وقت ضائع کرنا ہماری قومی اہانت ہے یہ ہندوؤں کے لکھنے کس بلاغت سے ادا کرتے ہیں۔

یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی مجھے بچھا ہے کوئی ہر چند اس دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود نہیں منظور سسر کا آس یہی شہری جو مسٹر واصل لیلیٰ تو استقامت ابد سے دیا اس سیرت انسانی کا تاریک ترین پہلو ہے کہ وہی زبان جو دوسروں کے سامنے صانعہ پاش ہوتی ہے گھر والوں کے مقابلہ میں جھوٹ ہو جاتی ہے وہی وہی قلم و اخیار کے لئے تیرستان بن سکتا ہے اپنے پار باہر مگر کی شاع شکستہ ہوا ہے اس کے دنیا کے سب سے بڑے ہادی کو پہلا حکم یہ ملتا ہے اقر با کو زراؤ

میر غفرت حسین صاحب (خدا انکو زندہ رکھے) صاحبزادہ کو نصیحت آپ کے اکلوتے بیٹے یورپ تحصیل علوم کے لئے لکے ہوئے تھے اس خیال سے کہ یورپ کے مسموم اثرات سے ان کا تار شہونا بچر ل ہے اکثر اپنے خطوط میں انکو غفلت ہدایتیں لکھ لکھ بچھا کرتے تھے اور ان خطوط میں جس دل و دیر انداز میں انکو نصائح فرماتے ہیں اس قدر

خاص کا رخاۂ اصفہر علی محمد علی تاج عسکر لکھنؤ کا تیار کردہ زردہ تمباکو سیاہ دانہ وار طلب فرمائیے۔

ہست پالیسیوں اور روشوں کو نظر ثانی سے دیکھتے تھے اور وہ اس حکومت کا سب سے بڑا غلام اور تباہ کن اثر یہ سمجھتے تھے کہ اسکے ہاتھوں دین کی عمارت و عمارتی ہے اور گورنمنٹ کے کالج اور ہسپتال مادی ظاہری نفع پر مبنی تھے کہ جیسے مذہب اور تہذیب کے مرکز پر مبنی ہیں اور شرعی تہذیب و تمدن جو الیسا کامیاب تہذیب تھی وہ ختم ہوا جا رہا ہے مسئلہ کا واقعہ ہے کہ آدہ آبادین ملک کے تمام رہنما یں قوم تحریک نان کو اپریشن کی سنگ بنیاد رکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے ماقم انھوں نے کاموں کا محاسبہ کیا اور انھوں نے حضرت مرحوم سے ضرور قدیموس ہوتا تھا اور اپنے خالی اوقات کا بڑا حصہ ان ہی سے متعلقہ مین گزرتا چنانچہ مین بھی اس جلسہ کے لیے آدہ آباد گیا تھا چار بجے کے قریب جلسہ برخاست ہوا واپسی مین ان کے در و درت پر حاضر ہوا مجھے پوچھا کہ کیا طے ہوا مین نے عرض کیا ترک موالات اصولی حیثیت سے طے ہو گیا فرمانے لگے تم سمجھتے ہو اس کا کیا سبب ہے؟ مین نے عرض کیا خلافت کی تباہی اور پنجاب کے مظالم فرمانے لگے یہ جواب سلی ہے مین اس کا سبب گورنمنٹ ہی کو سمجھتا ہوں پھر یہ تو تصنیف قطع سنایا۔

یہ جو ہنگامہ ہے جسکی ہر طرف تباہی ہے ایک کی تعلیم ہے اور ایک کی تقلید ہے مستحقان ادب کو آپ نے رسوا کیا آپ کے دعویٰ عظمت کی بھی آپ دیدیم اس کے بعد فرمایا انھوں نے اشدر رسول، پیر امام، استاد اور باپ سے لوگوں کو گستاخ کیا اس لیے قدر شاہ اب انکا نمبر آنا چاہئے۔ گورنمنٹ کی مالی پالیسی جس قدر شرناک ہے اور جس طرح غریب ہندوستانیوں کو گرا بنا رہا ملکوں سے دبا رکھا ہے اس پر وہ ہمیشہ لطیف پیرایوں میں اعتراض کیا کرتے تھے۔

محمد اسلام و محمد انکلس مین سٹے قول اکبر نسخہ گو کا پہلے تو حیدر علی تو اب چندہ آگے علی ایک کا تھا اب دو کا خدا کے سلامت اس نظر کو کہ جس نے سیم کو رکھا نہ زر کو

مزدوری اور مؤثر مین کہ ہر مسلمان کو انھیں حفظ کر لینا چاہیے ان مین جو لطیف اشارہ نازک و متعارف ہے مثل تشبیہیں اور لطیف زبان مین انکی لذت سے مذاق سلیم ہی لطیف انداز ہو سکتا ہے۔

عشرینی گھر کی محبت کا مڑا بھول گئے کھا مکہ لڑکی ہوا عہد وفا بھول گئے چوچے ہول مین تو جیسے عید کی پروانہ تھی ایک کو چھلکے سو مین کا مڑا بھول گئے بھولے مان اپنے اغیار کے چرچوں مین سائے کفر چڑا نور خدا بھول گئے بالکل نئی تشبیہ ملاحظہ ہو۔

موم کی تیلیوں پر ایسی طبیعت کھلی چمن ہنسی پر مین کی لڑا بھول گئے کیسے کیسے دل نازک کو دکھایا تھے خبر فیصلہ روز جسبذا بھول گئے بخل ہاں وطن سے جو وفا مین تکو کیا ہندوگون کے مہربان بھول گئے قتل مریب کی رنگت کی تھامے دلیں اور نیکو کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے کیا تعجب ہے جو لوگوں نے بھلا یا گھر کو جبکہ بوڑھے روش دین خدا بھول گئے

گھر سے ہانے کے خط پر خط جا رہے ہیں گو صاحبزادے ہیں کہ وطن کا گویا نام ہی بھول گئے مین اس موقع پر ایک خاص اثر ہے انکو شفقت نامہ بھیجتے ہیں۔

لندن کو چھوڑ لو کہ اب ہند کی خبر ہے نئی مین کی باتیں آباؤ گھر تو کرے راہ اپنی اب بدلے سیر مین کے چلے اپنے وطن کا رخ کر اور رخصت سفر لے انگلش کی کر کے کابی دیا کی لہ نابی دینی طریق مین بھی اپنے قدم کو دھرے پنج پکارا تاج مین نسل تیری کستی ہے ہسٹری مین لڑا اور اپنا گھر لے والے مین جو تانیا کیا منظر ہے اسکا مان خستہ حال تھے سچا و باپ مرے مغرب کے مرشدوں کو چھوچا کھینچ پیران شرعی سے اب فیض کی نظر لے مین بھی ہوں کہ خندواؤں کلام اکبر ان مین تو سے آکر دین کو اپنے بھرے

حکومت و سیاست مرحوم خان بہادر تھے جڑ حکومت تھے اور پرنس راج کے خیر خواہ تھے لیکن اسی کے ساتھ حکومتی

صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے آپ آتے ہیں؟ جس کا کارخانہ ۱۹۳۷ء سے روز افزون مرقی کے ساتھ جاری ہے۔

چلے رہے نہ بک کے نہ وہ قتلے رہے
 اس عہد میں اُل سوسے ایجادوں کے
 ہندو مسلمانوں میں بنائے اختلاف اردو ہندی کا مسئلہ
 اگبرجوں اس اجتماع مخالفت کو بڑی نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس
 نادانی پر جو بک لکش انداز سے قوم کو ہشیار کرتے ہیں
 علم بھی عشق کی تاثیر آخر بڑھ گئی
 وصال کی شب میں اس بچے کو لڑائی تھی
 دوسری بنا سے خاصیت کا گے ہے ایک قطعہ میں ان دونوں کی طرف یوں
 اشارہ کرتے ہیں۔

وہ طعناں ہندو مسلمان میں لگتا
 جگمگا کی گئی سے کا زبان کی گدگد
 اتنے قدیم خدمات و فداکاری اور اعلیٰ حکام سے گھرے یا نہ
 سیاسی اشتباہات تعلقات کے باوجود اگبرجوں میں اسلامی دوستی کی بنا پر
 ایک کافی مدت تک حکومت کی نظر میں مشتبہ رہے اور یہ کج کی بات نہیں
 ابتدائی عہد حکومت سے اگر زیادتی قوم کے سوا کسی کو پناہ دوست نہیں
 سمجھتے اس سیاسی اشتباہ کو ایک مصلح میں کس یا کینرگی سے بیان کرتے ہیں
 تہیوں نے یہ لکھوئی جو جاہل تھا نہیں کہ کبر و کڑا سے خدا کا اس زمانہ میں
 واضح ہے انھیں حکومت کا کلہ پڑھنا چاہیے پھر اگر کیوں خدا کا
 ذکر کرتے ہیں ایک موقع پر زیادہ صاف صاف فرماتے ہیں۔

تہمید ہے شہد اور حقارت کی نظر
 ایک موقع پر اس بجا اشتباہ کی وجہ سے اپنی پوزیشن کی نزاکت
 کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔

نہ بک کے جو ہر ہو تو سرکار کا خوف
 دونوں کے اگر چہ ہیں تو انہیں لڑکے
 نہ بک کے اگر چہ ہیں تو انہیں لڑکے
 بیرونی دوکان و دربار کا خوف

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
 ہم سب ہیں ملیج و خیر خواہ انگلش
 یہ جھوٹ کہ ملک بھجمن رام ہے ہند
 یورپ کے لیے بس لک گرام ہے ہند
 مذہبوں کی تباہی جو اس حکومت کے ہاتھوں ہوئی اس کے
 اعلان میں وہ سرخیل حراسے بھی زیادہ آزاد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔
 پنڈت کے خوب بات کو خوش ملیج میں
 پتھر کے بے اتود حرم ٹوٹنے لگا
 مسلمانوں کی جو دینی تباہی اور سادہ عقائد اس دور کی سب زدگی
 سے ہوئی اس کو اس فوج ملیج قطعہ میں یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

کہا کسی نے یہ سید سے آپ کہ حضرت
 نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں نہ وہ
 نظر تو بھیجے اس بات پر جو ہیں ہند
 بہت وہ ہیں جو عناصر پر ہر پل سے
 کرشمین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
 خود آپ ہی جیج ہیں شیعیاں بائبل
 وہ لوگ جو ہیں ملت مونیائے کلا
 مرادین لگتے ہیں لوگاپ کی خون سے
 پھر آپ میں یہ ہوا کیسا گئی ہے کاپ
 جو اب انھوں نے دیا ہم میں یہ فرقان
 سندھاری ہلایا کہ مستعدیے دوست
 اسی کا نام زبان پر ہے جی اور قیوم
 یہ بولے شرک ہے جنگی قتلا جڑ
 جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر
 و لیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
 زبانی کہتے ہیں سچے کہ حقیقت میں
 گمراہ کا مذہب وادوں میں ہے جواب سچے۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی معاملات کی صفائی مال کی عہدگی ہندوستان بھر میں مشہور ہے

اکبر کو یہ مجھے نہ دی خوب صلاح چلے بیکے بھالی صاحب اجیر شریف
 مشہور من لاؤ کرزن کی داسرائی کے زمانہ میں ایک عظیم الشان
 دربار دہلی میں منعقد ہوا تھا اکبر جو م نے اس کے مختصر واقعات کو نظم کرنے میں
 عجب حسن توانی دکھلایا ہے اور لطف یہ ہے کہ جس نظر کی انھوں نے تصویر
 کشی کی ہے وہ انھوں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تھا اکبر کی یہ نظم او کی
 ماسٹریس ہے جس کی نظر اردو کی سیکڑوں شہنویوں اور قصیدوں میں
 آج تک نظر نہیں آئی۔

سرین شوق کا سودا دیکھا دہلی کو بھی ہم نے جا دیکھا
 جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا کیا بتلاؤں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بادۂ صافی شغل ہی ہے دل کو کافی
 مانگتا ہوں یاروں سے معافی خیر اب دیکھیے لطف توانی

چمناجی کے پاٹ کو دیکھا اچھے سترے گھاٹ کو دیکھا
 سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا حضرت ڈوبک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے گورے دیکھے کالے دیکھے
 سنگین اور بھاسے دیکھے بنڈ بجانے والے دیکھے

خیون کا اک جنگل دیکھا اس جنگل میں منگل دیکھا
 برصا اور درنگل دیکھا عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

ملکین تین ہرکپ سے جاری پانی تھا ہرپ سے جاری
 در کی موجیں لپ سے جاری تیزی تھی ہرپ سے جاری

اوج بریش راج کا دیکھا اوج بریش راج کا دیکھا
 ایک کا حصہ سن دسلوا ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
 ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا مرا حصہ دور کا حلوا
 اوج بریش راج کا دیکھا اوج بریش راج کا دیکھا

اصغر علی محمد صاحب تاجر عطر لکھنؤ کی تیار کردہ اشیاء خالص عمدہ اور بکثایت ہوتی ہے

رنگ زمانہ آج کا دیکھا رُخ کرزن مہراج کا دیکھا جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے شامی نورٹ مین بال ہوا ہے
 بھونچے بھاند کے سات سمندر روشن ہوا ہے روشن ہوا ہے تھنہ ماضی حال ہوا ہے

بھونچے بھاند کے سات سمندر تخت مین ان کے بیسیوں بندر اپنی جگہ ہر ایک سکندر
 حکمت و دانش ان کے اندر ہے پیشہ ور کو چڑ و برزن بال مین ناچین لینڈی کرزن
 طاؤر ہوش تھے سب کے پرزن رشک سے دیکھ رہی تھی ہرزن

اوج بخت طاقی اُن کا چرخ ہفت طباقی اُن کا مصل اُن کی ساقی اُن کا
 محفل اُن کی ساقی اُن کا آنکھیں میری باقی اُن کا ہال مین حکیم آکے یکایک
 موتھان کا اوج سناٹک چرخ بہ زہرا کی تھی گاٹک زرین تھی پوشاک جھکا جھک

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں ہم کیا ایسے سب کے سب ہیں ان کے راج کے عمدہ ذہب ہیں
 گور قاصد اوج خلک تھی اس مین کمان یہ نوک پلک تھی اندر کی محفل کی جھلک تھی
 بزم عشرت صبح تلک تھی

اگر عیش کی شان تو کمی ہر شے عمدہ ہر شے چو کمی اقلیدس کی نابلی جو کمی
 کی ہے یہ بندش ذہن رسائے من بھر سونے کی لاگت سو کمی سننے ہیں ہم تو یہ افسانے
 کوئی مانے خواہ نہ مانے جسے دیکھا ہو وہ جانے

غزل

(از جناب ابو حسن احمد صاحب حسن چمبروی)

جسے چاہوں اُس بگل چرخِ دورِ خورشیدِ دولتِ ہنس دورِ دل مین ہوتی رُخِ نابہرِ مہرِ انام
 اپنی خوشی سے کون ہوا چرخِ سنورِ نو خیزِ یونین کی تین سے دورِ یہ قصاے کم نہیں تیر نظر کی چوٹ
 شکین ہی تجھے سرِ قلب زار کو ہوس خیال یا زہرِ مشرتن سے دورِ مرکزِ مری افکارِ محبت نہ جانے گا
 اندازِ غیر مارنے ثابت یہ کودیا ممکن نہیں کہ ہو کبھی شمعِ ہر رنگ دورِ گھمبیری بغیان کی چلت نہ زنجیر
 عاشق سے کوئے پار چھپے یہ محال ہے رہتی نہیں چہ لبیل شیدا چمن سے دورِ دنیا ہے بڑبڑ کی اندری دلکشی
 دکھا جاوے کہری موت آگئی وہ در کیا چھو کہ ہوئی جانِ چھوٹ دورِ کوششِ لاپک کی توجہ کی گئی مگر
 یارِ بکا ری روحِ ہجومِ ہنس دورِ اے رخِ دلِ شانِ نازِ ناوِ گلن سے دورِ ہنگی ٹپکے لاشِ تاری کن سے دور
 بلبلِ بلبل مین ہونے لگنے چمن سے دورِ ریتے نہیں جوان بھی اس ہر زن نگور
 رہتا جو دھمین ہندہ حق سے دور

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

غزلات مشاعرہ نجم معین لادب لکھنؤ

منقذہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۶ء
(بحساب حروف تہجی قلم)

حیرت نے مری پردہ دلا ہے نام پر دنیا میں ہی جھک رہا تھا نظر آتا ہے
تاکتا جنوں نظر یارب علم برائی اب جھک رہا ہے روضا نظر آتا ہے
ہے عشق حقیقی تو ارمان کو کھدا کوئی آغوش تجلی میں سایا نظر آتا ہے
حیرت مجھے لے آئی کسی نیم آئی
پردہ نہیں اور بھی پردا نظر آتا ہے

آٹم۔ جناب ستر چھوٹے لال صاحب لکھنؤ
جس فنیچے کو دیکھا وہ کا نظر آتا ہے دشت میں ہیں گلشن صحرانظر آتا ہے
برگشتہ ہا کرتی ہے مجھے مری قسمت آہو کا اثر میری اٹا نظر آتا ہے
اک جام مجھے دیدے قربان ترے ساقی گلشن پر ابھی بادل چھایا نظر آتا ہے
مرم کی تیرن جلوت میرے دل زخمی کو ہوا غمراہوں پر سبیا نظر آتا ہے
انما زہ سرست کا ممکن نہیں اے آٹم
دیوانیکو جب کوئی صحرانظر آتا ہے

آشفقہ جناب حکیم سید علی رضا لکھنؤ

ہر دوسے میں لک مشعر پر نظر آتا ہے دل مٹ کے حقیقت کی بنا نظر آتا ہے
خاموش ہیں عالم خاک کے ذریعے تم غور سے دیکھو تو کیا کیا نظر آتا ہے
اندھنی ل جو دنیا سے قیامت تھا تاکہ پر سکر کے دھما نظر آتا ہے
اے ذوق وفا اتوا ہوں کی جاؤ گے خاموش بھی جب ہناؤ گے نظر آتا ہے
کیا جائے اس دل نیک کی کیا پیکان رنگ کین ہو بلکہ پھر نظر آتا ہے
اندھری بریادی اندھری بریانی ہر گوشہ دل جو صحرانظر آتا ہے
ہیں کیا حقیقت میں ہی عہد و وفا بیچ میں پردا ہی پردا نظر آتا ہے
کب لے ہو بائیں چپٹی حکیم بنیں بیارحمت کو اب کیا نظر آتا ہے
جب غور سے دیکھا تو ہوتی فریاد اجڑی ہوئی دنیا کا نقش نظر آتا ہے
کیونکر سچھین لے سوز ہر ابجست دل تباہ گز خون کا دریا نظر آتا ہے
اک حوم بھی آشفقہ ہنگامہ محشر کی
دھندلا سامرے دل کا نقش نظر آتا ہے

آسی جناب لوئی ابراہیم صلیحین رشیدی لکھنؤ
دیوانہ کو جب تیرا جلو نظر آتا ہے امر و میں آشوب فروا نظر آتا ہے
ذرا بھی صیبت میں صحرانظر آتا ہے دیا گاہر کہ قطرہ دریا نظر آتا ہے
بان دیر سے ممکن ہے کہ کجا بدل جانا تو حد تعین سے یا لا نظر آتا ہے
پلو سے جلا تھا دل خون کا قطرہ تھا آنکھوں میں پچھتے ہی کیا نظر آتا ہے
رنگ چمن سرست پھر تاج کا ہون جوئی کا دامن پردہ بنا نظر آتا ہے
مستغرق وحدت شاعر عالم کثرت بھی ہر شخص بجائے خود نہا نظر آتا ہے
ادام صیبت میں شمن مری راحی کے ہر گل مجھے گلشن میں کا نظر آتا ہے
طبع سے کیا غم میں ہی کے مہل کو ہفتش قدیم اور سکا دنیا نظر آتا ہے
بے ہوش بھی کر دیا لے طوبہ جانانہ آتا تو مجھے دے جلو نظر آتا ہے

موقوف بین دلائل ایک کھجور اٹھے
حقیقت خاطر ہے تمہید پر لٹانی
شیرازہ ہر اک گل کا کھنڈ نظر آتا ہے
بھرا کوئی آیا بھر ٹھیس لگی لگو
بھردیدہ خون بستہ رسا نظر آتا ہے
تاریک بت داغ سودا نظر آتا ہے
وہ اپنے ہی جلو دن میں متوہوا لیا
خوجس حقیقت کا پردہ نظر آتا ہے
الندری کیفیت ساقی تری گھونگی
نظارہ بھی اک مہج صبا نظر آتا ہے
اُس وقت کوئی دیکھ جب بیت و دُائے
یہ مجھ کو نکھین ملتا نظر آتا ہے
افسانہ و فسون، بطون کی فراوانی
جب تو نظر آتا ہے تنہا نظر آتا ہے
کچھ بھی نہ نظر آئے یوں مجھ کو تاشا ہو
بھردیکھ اثر تجھ کو کیا کیا نظر آتا ہے

احسن چنا حکیم سید حسنی صبا لکھنوی

نشر جو رنگ لٹا دیا نظر آتا ہے
شکل شب فرقت کا کٹنا نظر آتا ہے
کچھ اور ترقی پر سودا نظر آتا ہے
کچھ آج عجب عالم دل کا نظر آتا ہے
ہترائے نفس احسن جلتا نظر آتا ہے
آہوں کا اثر شاید اٹتا نظر آتا ہے
جواشبک دُرافشان کا قطر نظر آتا ہے
ٹوٹا ہوا گرد و غبار نظر آتا ہے
واعظ کی نصیحت میں ہو کا نظر آتا ہے
یہ شخص گرفتار دنیا نظر آتا ہے
جودل تاجوا انی میں پانچ سو عیش
وہ آج لہو کا اک دہتا نظر آتا ہے
بیرنگ لے واعظ پر گنگ سن سبای
الفاظ کی شوکت میں کھانا نظر آتا ہے
ہے ماہِ محکا ہی تصویرِ زلمت کی
اُترا ہوا قاتل کا چہرہ نظر آتا ہے
خاطر شکنی کر کے تعریف کے خواہان ہیں
یہ طرزِ زمانہ سے اٹا نظر آتا ہے
نینداونکی اُڑائی ہے فکرِ تلخ بکری
بیکار اٹالہ رُسوا نظر آتا ہے
اعطافِ نظارہ کچھ اور بھی کرمت
باریک صحت کا پردہ نظر آتا ہے
ہے فکرِ قتل کو زندان میں بھی آزادی
زنجیرِ حلقونین صحرانظر آتا ہے

آہن چنا حکیم سید حسنی صبا لکھنوی
حجبِ فدا پر کمالِ طب کا لکھنوی
ہر حسن میں بینا کو لیتا نظر آتا ہے
وہ ساتھ کما لون کتہا نظر آتا ہے
دیوانہ کو وہ جلوہ ہر نظر آتا ہے
آباد ہر اک کوہ و صحرانظر آتا ہے
اُمیدِ طلسمی ہے یا جام ہے حشیدی
دل میں مرے دنیا کا نقش نظر آتا ہے
ناکامی قسمت میں سیراب ہو کیا تاشہ
لمتی ہے سرِ لب و سکودریا نظر آتا ہے
بیارحمت کو تائید و کدو کیوں
اہل و رہی کچھ ادس کو نقش نظر آتا ہے
محرومی سانہ کا رند کو گلہ اب کیا
ساقی کی خون گھونین نشا نظر آتا ہے
مانے چھال و سکا زور ہے خود حال
کوئی دم نظارہ پردہ نظر آتا ہے
گھوڑے بنا یا ہے اس شق کی خوشی
ہر گوشہ دل پنا صحرانظر آتا ہے
زندہ ہے دیکھ سے ہونا ہے دلی مردہ
قاتل ہی کیوں ہو وہ عیا نظر آتا ہے
پر آب جو جرتی ہیں اکھیں غمِ وقت میں
عالم مجھ دریا ہی دریا نظر آتا ہے
کیوں رونے پہنتے ہو پھنسے پہ گھبرا
دیوانہ کو کیا جانے کیا کیا نظر آتا ہے
سکر مرے سر نہ کو ہونے لگی آرائش
ایا شے اٹھنے میں عواظر نظر آتا ہے
وہ کیا ہیں غفلت و نیا اندہ ہر ہے کھنکھن
گرا ہوا عالم کا نقش نظر آتا ہے
ارما تو نکے مرنے سے دیوانہ گرد ہوں
دنیا میں جہد و کھجور نظر آتا ہے
جس عاشق صادق کا مظلوم ہو غلامِ جہد
معلن ہے اوسکی گردِ پر نظر آتا ہے

اثرِ بنامہ صحرانظر آتا ہے

بھردل سے دی شمل اُٹتا نظر آتا ہے
لب حسن خود آرا کا جلوہ نظر آتا ہے
بن شل چبا لپنی ہستی کا ہون لپنی
ہر نقش قدم جس کا دنیا نظر آتا ہے
بہرِ نقش قدم جس کا دنیا نظر آتا ہے
کچھ نگہ ہر اک جانے ناظر آتا ہے
بھردل سے دی شمل اُٹتا نظر آتا ہے
لب حسن خود آرا کا جلوہ نظر آتا ہے
بن شل چبا لپنی ہستی کا ہون لپنی
ہر نقش قدم جس کا دنیا نظر آتا ہے
بہرِ نقش قدم جس کا دنیا نظر آتا ہے
کچھ نگہ ہر اک جانے ناظر آتا ہے

مترجم محمد علی کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

اور اس کا زیادہ کیا جزو بن گیا غنیمت
سینے میں لے طوفان طرا نظر آتا ہے
جانب کے سائیں کچھ کھانکھاتی ہے
سافر نظر آتا ہے شیشا نظر آتا ہے
ہر رنگ بہ قدرت ادا بن گیا جلوئے
جو جہاں ہے جیسا دلیا نظر آتا ہے
مست مکتی ہے قدرت کی نگار بن
جس وقت عمرانی مٹا نظر آتا ہے
چل کوئی جہاں ہے یاد آتا جلوئے
فرہ جو چکاتا ہے ذرا نظر آتا ہے

جس تک کہ کوئی دیکھ بڑا نہیں دم اوٹکا
اشعر بہ جان سارا سونا نظر آتا ہے

امید جناب بواکمال امید مٹھوی

ہر رنگ میں گویا جلو نظر آتا ہے
قسمت کے مجھے پھر بھی ہو نظر آتا ہے
میں جس جہاں ہو کھالی نہوا کھجے
تو مجھے جہاں ہو کر تنہا نظر آتا ہے
اجال مے دکا آئینہ ہو تو کیا
وہ آپ ہی جب پناہ نظر آتا ہے
ویرانگی قسمت آباد مے یارب
مجھ کو تو مرا گہری صحرانظر آتا ہے
طعنوں سے بچا اپنے کام نہ فرکو
تو کبھی اگر تیرا جلو نظر آتا ہے
اسے پروہ میں خراس پر وہ کیا حاصل
جتنی ہی تو چھینتا ہے آنا نظر آتا ہے
میں تو جسے دیکھا تجھ سے نظر آیا
جسے بھی دیکھا اچھا نظر آتا ہے
دیکھو تو کھلا کھلا جاتا ہے کمان چمک
تو دیکھ زرا مجھ کو کیسا نظر آتا ہے
میں بہتے بڑا ہو کر اچھا نہا کھجے
تو مجھے برا ہو کر اچھا نظر آتا ہے
ہر رنگ نفس میں بچا رہی ہو کوئی
لیک تو گلستان ہی بدلا نظر آتا ہے
وہ تیغ نظر دیکھے اس کدوب کو بھی
ہر خرم مے دکا بہشت نظر آتا ہے
دنیا سے بڑا ہوا اچھا نہیں بنانا
جس سے بڑا ہو تو اچھا نظر آتا ہے
اب شک مرا کھلے گلشن نہ جیتے
وہ مسافر مے مجھ کو تنہا نظر آتا ہے
بے مائی لگاؤ نہاے کوئی رونا
تھا طرہ کبھی لے دیا نظر آتا ہے
امید وہا چاہے جو خود کو بڑا کرتا
اچھو کو تو اچھا ہی اچھا نظر آتا ہے

ای دلکش فطرت اخلاق کی جھپک
پھر دیکھ کر دنیا میں تو کیا نظر آتا ہے
لے بہت مردانہ امداد کا ہے موقع
دل مرکو ختم میں تنہا نظر آتا ہے
وادید و عبرت ہر حق میں ہی نظر مزی
پیشوہ ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے

احسن جناب پھر صلیب کھنوی

دل سے محراب پر وہ آٹھنا نظر آتا ہے
آکھوں کو مری کا جلو نظر آتا ہے
کبھی سی عمران کو تنہا نظر آتا ہے
تا حد نظر سب جلو نظر آتا ہے
ہر قطرہ میں اب مجھ کو دیا نظر آتا ہے
ہر ذرہ میں فانی کا جلو نظر آتا ہے
یاد آتی ہے مجھ کو کی آفتہ سری مجھ کو
صحران میں بگولا جہاں نظر آتا ہے
پیدا کیا الفت نے اک عالم نظار
انکھوں میں اب مجھ کو کیا نظر آتا ہے
پھنسل سبارائی بنیام جنوں لائی
ہر برگ شجر خوش فزا نظر آتا ہے
اعجاز خیل سے زندان میں بھی جڑی کو
گلشن نظر آتا ہے صحرانظر آتا ہے
آباد مے میں نیلے عمت ہے
اس قطرہ میں دریا کا جلو نظر آتا ہے
کھلتے ہوئے مجھ کو دھن چمکے ہزار دین
انڈی کی قدرت کا جلو نظر آتا ہے
ولست کی تنہا قہیندا کو شی
ارانون سے مل کھٹا نظر آتا ہے
اندھیر مری دنیا تاریکی بدلا بن
دل شمع محراب ہے کھٹا نظر آتا ہے
کتے ہیں مین ہوئی تربت سرو شکی
کچھ مجھ کو بھارایا آٹھنا نظر آتا ہے
ہر ترہ میدان بھی لکھ نہ عرفان ہے
عبرت کا سبق لے لے لے نظر آتا ہے

حساد کے باغوں سے صد شکر مجھے احسن

سامان مری بیش کا ہونا نظر آتا ہے

اشتر جناب بوی زینیر آغا صلیب کھنوی

الہیہ اثر سپر اس کا نظر آتا ہے
سنا ہوا خلوت کا پرورد نظر آتا ہے
تاہوں بھی میں کچھ کیمین بنائی
ابتلا مری حد میں صحرانظر آتا ہے

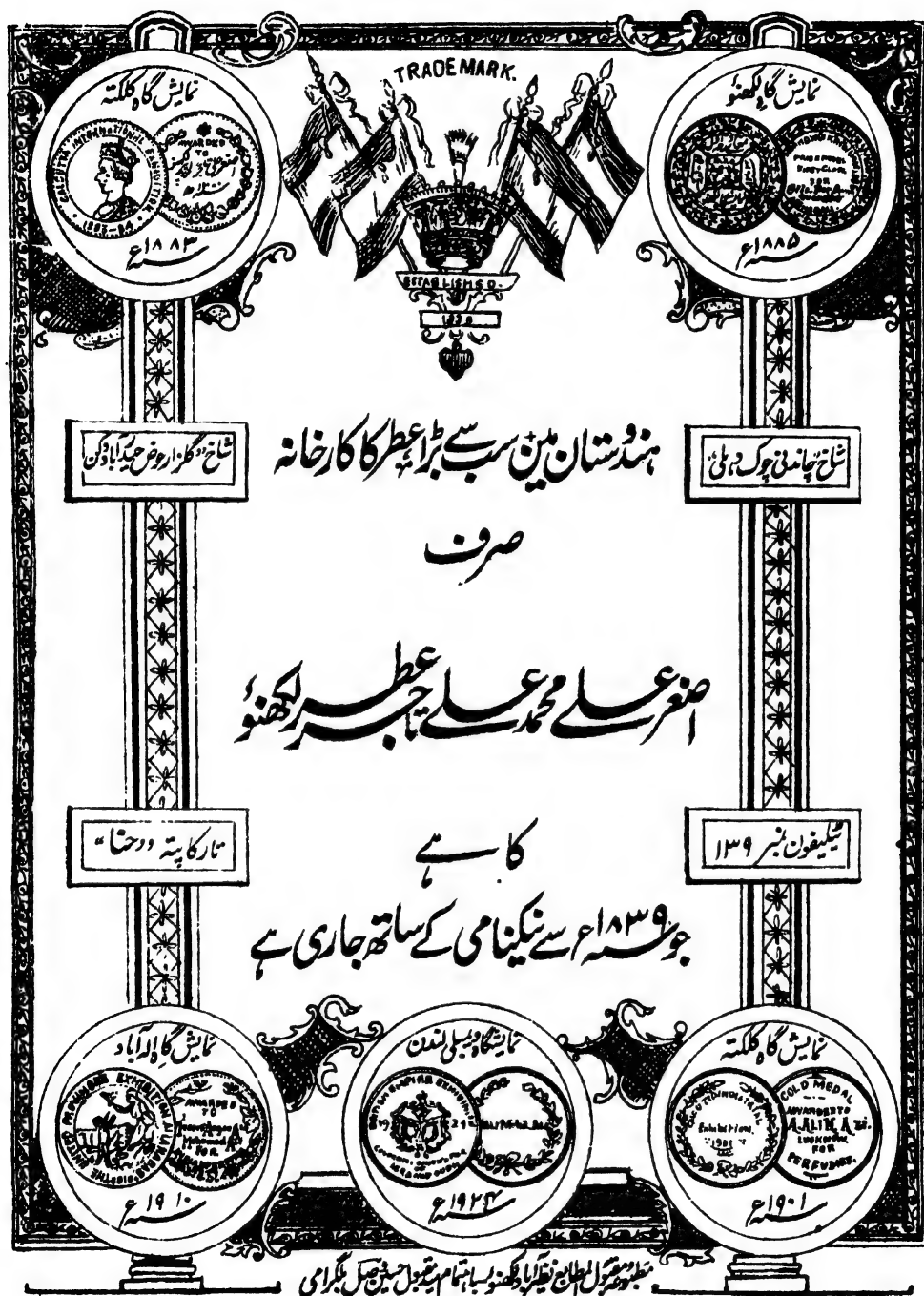
ایک جانا میں سلووی اسٹریٹ براؤن لکھو

ہو ہی تھا تیرا جلوہ نظر آتا ہے جو رہہ اٹھتا ہوں یہ نظر آتا ہے
 دیا محبت کے آئینہ زلے ہیں محمود کمان اگر تیرا نظر آتا ہے
 گلشن ہے محلہ کچھ گل میں کاٹھے ہیں سب تجھ کیل کا دھوکا نظر آتا ہے
 تعریف کے قابل ہے جس نظر و افق اب کچھ ترا جلوہ نظر آتا ہے
 زخم دل بلبل پر پڑتی ہے منظر پہلے جو پھول کہیں بھی کھولتے نظر آتا ہے
 لئے نکلتے ہیں بے پردہ مین باز آ یا انعام تمنا کا خاکا نظر آتا ہے
 مجھ دور تمناے بیتاب کیا دل کو پیراشکے تھوڑے دیر نظر آتا ہے
 ایذا طلبی میری غائب گشت پر اب رکھا پہلو اچھا نظر آتا ہے
 ہے جہنی ہے صورت ہی سر کھنکھری نظارہ ندارد ہے جلوہ نظر آتا ہے
 بہر طور پر جاتا ہوں تیرا رنی کئے دیکھوں کہ وہاں مالک کیا نظر آتا ہے
 یا جذبہ محبت ہے یا اہل جہان سخن چہرے سے تیرا نقش نظر آتا ہے
 لئے غم کے ادا فواصص سے تلاء یہ زخم ہے دیر کیسا نظر آتا ہے
 صحرایں گویا جگمگ نکال لئے ہیں بر باد شدہ دکان نقش نظر آتا ہے

بیت جانا لبت سکری صاحب جانا نوبتیں صفا لکھو

مرکب میں جنوں اخراج نظر آتا ہے ذرہ می تیرت کا صحرانظر آتا ہے
 حق بیوں کو بہ بین کلاہو کا نظر آتا ہے تو جبکہ ہر ان میں نہما نظر آتا ہے
 انداز سے وحشت کا دھوکا نظر آتا ہے جسکو ترا دیوانہ تھا نظر آتا ہے
 اس مست خانی پر آنسو جو ہا میرا فدا تیرے خونخوار دیر نظر آتا ہے
 یا رب کس کی شمع کبھی نہ بجے ایسا ہر کہ کے ساتھ اتبوشلا نظر آتا ہے
 کافی ہے زانین لوفان تھا نیو ہر قطرہ سے سخن کا دھوکا نظر آتا ہے
 لئے شمع جنم اتنے وحشت میں بیٹے اب تشدد میں بھی صحرانظر آتا ہے
 امید غم کو لیا آئینہ بنا یا ہے جس میں کہنا کا نقش نظر آتا ہے
 رکھتے تھم انسان کچھ حقیقت ہو ہر ذرہ میں خالق کا جلوہ نظر آتا ہے
 آخر دل سوز کی جھلنے کی کوئی جھک استوت تو مجھ سے اس صحرانظر آتا ہے
 تھے کبھی دیا تیریں کہیں ہے خوش ہو کر جب کیا تو غصہ ہی غصہ نظر آتا ہے

دل ظہور میں لیکن بجلی سی مکتی ہے اللہ ابران جلوہ کس نظر آتا ہے
 ملان کلائے یوں عراز بر ماتہ میں تاملو کہہ کر کجا جلا نظر آتا ہے
 آنے میں تو کب لے جب تیرے عالم آتے ہیں تو کب لے جب تیرے عالم آتے ہیں
 مشتاق کی آنکھوں میں کبھی سی جگمگی ہے آتا ہے تو یوں تیرا سایا نظر آتا ہے
 بہار کچھ کچھ محبت میں صاحب محبت تھا سیکڑی کی کھنکھری لبت لکھو
 اٹل عالم میں دھوکا نظر آتا ہے دل جب نظر آتا ہے نہما نظر آتا ہے
 ہر شے زانین میں نہما نظر آتا ہے جو کچھ نظر آتا ہے وہ کیا نظر آتا ہے
 مشتاق کا ہونکلی شدی سرگرمی دیکھا او سے یوں ہے گویا نظر آتا ہے
 دیکھا تو گر کچھ بھی گویا کہ نہیں کیا دفتر میں قسمت کا سدا نظر آتا ہے
 حشر زدہ ہے اور رفتی تو کی گھنٹی عالم میں بدلی پردا نظر آتا ہے
 مشتاق نگاہیں بلیوں گاہیں ہیں جب کیا نظر آتا تھا ایک نظر آتا ہے
 شربت جنانے اہل جہان علی خان صاحب لبت لکھو
 اے حسن ہر اک تیرا شید نظر آتا ہے بتھر مجھے ہی کا پتلا نظر آتا ہے
 اشدوی تری وسعت آفتاب خوں دل ہر تیرے حواض پر دیا نظر آتا ہے
 وہ تیرے حسن کا شہر بھر جنگل دامن نظر جو میں الجھا نظر آتا ہے
 آنکھوں میں تری جلوہ ہلو کی بجلی کا آتے ج سے پراکش دریا نظر آتا ہے
 خاک اہل فانی ہے کچھ روح پسند لیدی ہر ذرہ نگاہوں میں تارا نظر آتا ہے
 دنیا کی اداؤں کا ہر ایک ہے دیوانہ ہشیار ہے وہ کج دھوکا نظر آتا ہے
 ہے تم میں سوا دھب لے شمع عالم نظر جی ہر اوتھتی میں پر دیا نظر آتا ہے
 آقا فلاقت ہے جاہی پرنسزل ہر ایک کن لیں چھا لیا نظر آتا ہے
 اندری تری صحت ہر غصہ صفا لے لیبوں کی رنگ توجھ کیا نظر آتا ہے
 اوس لئے قابل حزن ہیں تیری نشست ویران قیامت کا صحرانظر آتا ہے
 لئے آہ عیش کچھ دے کہ دھولن تیرا اک بچلے کے دہن پر دیا نظر آتا ہے
 فے کچھ دے اور راق پریشاں میں افسانہ مراؤں پر لکھا نظر آتا ہے
 اس لئے ہے جانا ہے اُن کو کچھ دے اب خط طلب پتا پتا نظر آتا ہے
 میں جہ جہ کرتا ہوں نے نے مضر کے انبوه قیامت کا کجا نظر آتا ہے
 ہے صحر میں تیرا کنگ ل خدائی یزد اور نہیں لے شربت کا شاد نظر آتا ہے



ظہور معقول الطابع نظائر لکھنؤ سب امتیاز قبول حسیں صل بلگرامی

۳۰۶۹

ذمیرے

تا تو بیدار شوی ناکہ شنیدم ورنہ
عشق کارے ست کہ بآہ و فغان نیکرند

اعطیہ علامہ سراقبال

موقع

۱۰۲۵

دارُ الادب لکھنؤ کا مقبول و جہان عزیز خیرید

۱۳۲۲ھ

مرتبہ
شیخ مقبول حسین صلی اللہ علیہ وسلم

افغانستان - عالم نواب مرزا جعفر علی خان صاحب بی۔ لے۔ دانش لکھنؤی ڈپٹی کلرک کے لیے نظیر کلام کا مجموعہ - قیمت ایک روپیہ (عمر)

پیشکش و بیعت

ملک لکھنؤی بک اینڈ پرنٹنگ

اور پھر کم قیمتوں پر مطبوعہ کتابیں

روایت کی جاتی ہیں

مطابق زاتیہ فارسی	ترجمہ مناقب رزاقیہ	کرامات رزاقیہ	حضرت رشید	گلگدہ
از خواجہ المار و الحدیث حضرت ملا نظام الدین محمد فرنگی عسلی	از شیخ لانا مصنفہ اللہ صاحبہ	موسوم بہ حکم تاریخی	یعنی نواب میرا صاحب نقشبندی	یعنی لانا من حضرت علامہ لکھنؤی کے
تقریباً لاقطاب حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کی سند سوانح عری	انصاری فرنگی محلی	یعنی حضرت مبارک	لکھنؤی مزمع کے حالات زندگی	تقریباً لانا من حضرت علامہ لکھنؤی کے
بانی سنی کی سند سوانح عری	مختصر لانا حضرت فاطمہ الزہرا	قطب لاقطاب حضرت شہناشاہ	مع انتخاب مرقی و باعیات	تقریباً لانا من حضرت علامہ لکھنؤی کے
والہا کا خال غلطی ڈھونڈنا	قدس سرخ خلیفہ حضرت قطب لاقطاب	عبد الرزاق بانسوی قدس سرہی	قصائد اسلام و دل خیر	تقریباً لانا من حضرت علامہ لکھنؤی کے
ادوفاست دو بوشاخ کی کیا قیمت	بانسوی سند حدیث	کرامات والہا مات کا مجموعہ	مواہرہ	تقریباً لانا من حضرت علامہ لکھنؤی کے
	قیمت ایک روپیہ	دائرہ قیدہ لکھنؤی	جہاں بوی سید آقا صاحب لکھنؤی	تقریباً لانا من حضرت علامہ لکھنؤی کے
نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب
مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم
سیرۃ ابنی محمد حصہ ۱	سیرۃ ابنی محمد حصہ ۱	سیرۃ ابنی محمد حصہ ۱	سیرۃ ابنی محمد حصہ ۱	سیرۃ ابنی محمد حصہ ۱
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
۱۵	۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶
۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷
۱۸	۱۸	۱۸	۱۸	۱۸
۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹
۲۰	۲۰	۲۰	۲۰	۲۰
۲۱	۲۱	۲۱	۲۱	۲۱
۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲
۲۳	۲۳	۲۳	۲۳	۲۳
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
۲۵	۲۵	۲۵	۲۵	۲۵
۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶
۲۷	۲۷	۲۷	۲۷	۲۷
۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸
۲۹	۲۹	۲۹	۲۹	۲۹
۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰
۳۱	۳۱	۳۱	۳۱	۳۱
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲
۳۳	۳۳	۳۳	۳۳	۳۳
۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴
۳۵	۳۵	۳۵	۳۵	۳۵
۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶
۳۷	۳۷	۳۷	۳۷	۳۷
۳۸	۳۸	۳۸	۳۸	۳۸
۳۹	۳۹	۳۹	۳۹	۳۹
۴۰	۴۰	۴۰	۴۰	۴۰
۴۱	۴۱	۴۱	۴۱	۴۱
۴۲	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲
۴۳	۴۳	۴۳	۴۳	۴۳
۴۴	۴۴	۴۴	۴۴	۴۴
۴۵	۴۵	۴۵	۴۵	۴۵
۴۶	۴۶	۴۶	۴۶	۴۶
۴۷	۴۷	۴۷	۴۷	۴۷
۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	۴۸
۴۹	۴۹	۴۹	۴۹	۴۹
۵۰	۵۰	۵۰	۵۰	۵۰
۵۱	۵۱	۵۱	۵۱	۵۱
۵۲	۵۲	۵۲	۵۲	۵۲
۵۳	۵۳	۵۳	۵۳	۵۳
۵۴	۵۴	۵۴	۵۴	۵۴
۵۵	۵۵	۵۵	۵۵	۵۵
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	۵۶
۵۷	۵۷	۵۷	۵۷	۵۷
۵۸	۵۸	۵۸	۵۸	۵۸
۵۹	۵۹	۵۹	۵۹	۵۹
۶۰	۶۰	۶۰	۶۰	۶۰
۶۱	۶۱	۶۱	۶۱	۶۱
۶۲	۶۲	۶۲	۶۲	۶۲
۶۳	۶۳	۶۳	۶۳	۶۳
۶۴	۶۴	۶۴	۶۴	۶۴
۶۵	۶۵	۶۵	۶۵	۶۵
۶۶	۶۶	۶۶	۶۶	۶۶
۶۷	۶۷	۶۷	۶۷	۶۷
۶۸	۶۸	۶۸	۶۸	۶۸
۶۹	۶۹	۶۹	۶۹	۶۹
۷۰	۷۰	۷۰	۷۰	۷۰
۷۱	۷۱	۷۱	۷۱	۷۱
۷۲	۷۲	۷۲	۷۲	۷۲
۷۳	۷۳	۷۳	۷۳	۷۳
۷۴	۷۴	۷۴	۷۴	۷۴
۷۵	۷۵	۷۵	۷۵	۷۵
۷۶	۷۶	۷۶	۷۶	۷۶
۷۷	۷۷	۷۷	۷۷	۷۷
۷۸	۷۸	۷۸	۷۸	۷۸
۷۹	۷۹	۷۹	۷۹	۷۹
۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰
۸۱	۸۱	۸۱	۸۱	۸۱
۸۲	۸۲	۸۲	۸۲	۸۲
۸۳	۸۳	۸۳	۸۳	۸۳
۸۴	۸۴	۸۴	۸۴	۸۴
۸۵	۸۵	۸۵	۸۵	۸۵
۸۶	۸۶	۸۶	۸۶	۸۶
۸۷	۸۷	۸۷	۸۷	۸۷
۸۸	۸۸	۸۸	۸۸	۸۸
۸۹	۸۹	۸۹	۸۹	۸۹
۹۰	۹۰	۹۰	۹۰	۹۰
۹۱	۹۱	۹۱	۹۱	۹۱
۹۲	۹۲	۹۲	۹۲	۹۲
۹۳	۹۳	۹۳	۹۳	۹۳
۹۴	۹۴	۹۴	۹۴	۹۴
۹۵	۹۵	۹۵	۹۵	۹۵
۹۶	۹۶	۹۶	۹۶	۹۶
۹۷	۹۷	۹۷	۹۷	۹۷
۹۸	۹۸	۹۸	۹۸	۹۸
۹۹	۹۹	۹۹	۹۹	۹۹
۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰

ڈاکٹر سر حسین - ایچ ایل ایم ایس - مشہور ہو ہو ہو ہو - دندان و عینک ساز نمبر ۳ و ۴ - امین الدار پارک لکھنؤ

جیسے تھم بہ کہ بندم دل از کہ سروا دم

جہان مرقع تصویریں دست تمام



فہرست کامین

نمونے کا پرچہ
آٹھ آنے

نومبر ۲۶ ۱۹

قیمت سالانہ محض صولہ ایک روپے
پانچ روپے



- ۱- حیات حضرت رشید (تبصرہ)
- ۲- لسان الدین جناب عزیز لکھنوی
- ۳- لمعات صنفی (غزل) لسان القوم حضرت علی لکھنوی
- ۴- اور نہ - جناب مولوی سید احمد خان صاحب ندوی -
- ۵- کارِ ثواب (فسانہ) حضرت نیاز فتح پوری ادیب نگار
- ۶- محبت کے عریان جذبات
- ۷- امیرہ امیلیا کا مکتوب جنرل فروری کے نام
- ۸- جناب مولوی عبدالحکیم صاحب نضائی
- ۹- ناظم دائرۃ ادبیہ مالیکاؤن
- ۱۰- عورت ہندوستان میں - جناب عمر صادق حسین صاحب
- ۱۱- بی - ۱ - (علیگ)
- ۱۲- نعمۃ شہید (غزل) جناب مولوی سید امجد علی شاہ لکھنوی
- ۱۳- عکس تحریر جناب شمس الملک لکھنوی سید علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی
- ۱۴- (مرد و عورت کی محبت) عکس جناب مولوی سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی
- ۱۵- تشنہ آفت (فسانہ) سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی
- ۱۶- ٹوٹ - مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس مہینہ میں بھی کتاب کی غلطی
- ۱۷- صفحہ ۱۴ پر عنوان نہیں آئے (فائدہ) سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی سید امجد علی لکھنوی
- ۱۸- ہنسے سے رہ گیا - جیسا کہ ذکر کرتے کرتے میں بھی ہو چکا ہے - (ادبیر)

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر حنا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہیں ہوا

حیاتِ حستِ رشیدہ

(از لسانِ اہلِ حضرتِ عتیقہ لکھنوی)

مغرب نے اپنے مردوں کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور کامیاب ہوا مشرق نے یہ سعی کی کہ اپنے زندہ افراد کو مردہ ثابت کرے۔ کوئی قوم ایسی غافل نہ ہوگی جیسے مسلمان اور مسلمانوں میں مخصوص طبقہ شیطان کے ساتھ لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ ان کے بزرگوں کے مقابر اور ان کی تصنیفات تا لیلیات تک تبرکات سبب ایسی حالت میں ہیں جن کی طرف آنکھ اٹھانے کے دیکھنے کو نہیں دیتی چاہتا۔ میں ہجری قوم کے کارنامے اور ان کی سادگی آثار کا غائب ہونا آؤنی لگا ہوا ہے۔ ایسے ناشائس عمدین اگر کوئی شخص اپنا کارنامہ وقت صرف کر کے کسی بزرگ قوم کو زندہ رکھنے کی کوشش کرے تو ہرگز دیکھنا بڑی قدر منزلت کا حق ہے۔ دورِ حاضر کے شعراء میں جناب رشید مرحوم ایک ممتاز صنف میں تھے بیشک ان کے واقعات زندگی آئندہ نسلوں کے لیے سبق آموز ہیں مجھے جناب رشید کا نام اکثر منشی فاضل کے سحر کا کلمہ ملنے سے عین ادا کیا اور نہایت کوشش و جانفشانی سے جناب رشید کے حالات زندگی کو جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کتاب کے خصوصیات حسب ذیل ہیں۔ زبان اور واقعات کا انداز نہایت سادہ اور دلچسپ۔

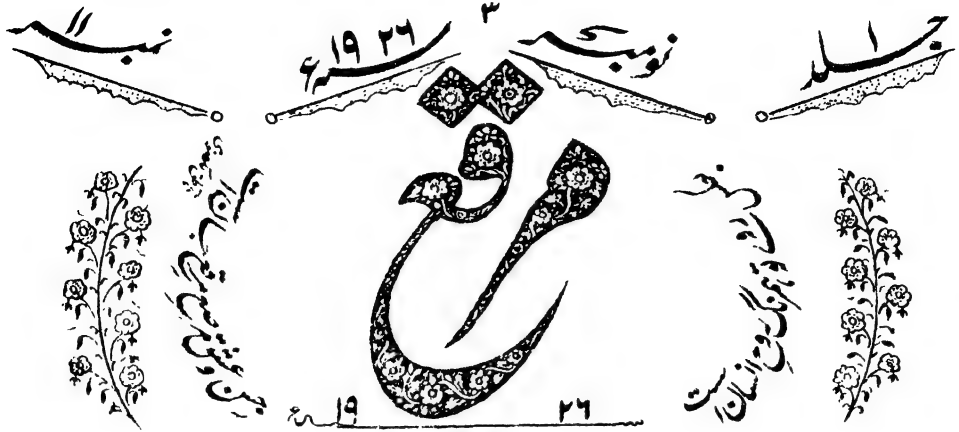
ایک مختصر مقدمہ کے بعد شاعری پر نہایت پر مغز مضمون لکھا ہے حسین شاعری اور تاریخِ مصروری و شاعری کا فرق دکھا رہا ہے۔ صحت خیال۔ قوت اظہار۔ حساب الفاظ۔ اطلاع فن کے متعلق نہایت مفید باتیں لکھی ہیں اسکے بعد اہل کتاب سید و الفقار علی ریزا کے حالات سے شروع ہوتی ہے جو جناب رشید کے جدا علی تھے کشمیر سے دہلی آنا اور سلسلہٴ ولادت سے لکھنؤ کا فیضیاب ہونا یہ باب تقریباً دو جزو میں ہے حسین رشید کے تمام بزرگوں کے حالات اور نہایت دلچسپ واقعات ہیں اسکے بعد حضرت رشید کے آخری عہد کا ایک مجلس ہے اور سوانح عمری میں حسب ذیل عنوان ہیں۔ سال ولادت۔ وضع و لباس۔ استعداد علمی۔ اخلاق۔ اوقات ملاقات۔ زینتِ دنیوی سے احتراز۔ نازک مزاجی۔ مذہب تقریر و تحریر۔ خود داری خاموشی۔ رشید اور اولاد۔ بکلی اور رشید۔ استغنا۔ رشید اور غزل سلسلہٴ تلمذ۔ لکھنؤ کے مشاعرے اور رشید۔ انصاف پسندی۔ رشید و شریف لکھنؤ۔ انتخاب غزلیات۔ رشید و شریف۔ نفیس و رشید۔ رشید کی ترقی۔ بہار و ساقی نامہ۔ رشید و عارف۔ طرزِ رشید خوانی۔ انتخاب مرثیہ۔ رشید اور قصیدہ۔ انتخاب قصائد۔ رباعیات و کلام رشید شیخ پور میں۔ رشید اسپر میں۔ رشید عظیم آباد میں۔ رشید کلکتہ میں۔ رشید کانپور و سلیم پور میں۔ تلامذہ رشید۔ وفات و مدفن۔

ان عنوانوں کے ضمن میں بیشک دلچسپ واقعات ہیں جن کا لطف مطالعہ کتاب پر منحصر ہے۔ کتاب پر اگر استغناء و جیشِ نظر کجا ہے تو ایک بڑا حصہ مولف نے تنقید کا کافر اظہار کر دیا ہے ایسی کتابوں میں ہی ایک جزو ہوتا ہے جس سے مولف کی دماغی نشو و نما کا پتہ چلتا ہے لیکن میرا خیال ہوا صحیح خیال ہے کہ شاید یہ وجودِ طبائع کا رنگ اور ساقی کی آب و ہوا کا اختلاف دیکھ کر مولف نے اس پہلو کو بچا یا۔ اسکے علاوہ مولف کو خود بھی صاحبِ جملہ سے فخر تلمذ حاصل ہے

غرض کہ مجموعی حیثیت سے یہ سوانح عمری مولف کے ذوقِ قلم اور جناب رشید کے کمالات کی مدحی ہے کہ کتاب کی مقبولیت کے واسطے یہ بات کافی ہو کر اس کا انتخاب ادا کیا اور بیوقوفی کے انشراح کو بھی شامل ہو گیا ہے۔ قابلِ مولف نے اسکو اقتدار و دلچسپی بنا دیا ہے کہ چند سطریں پڑھنے کے بعد صاحبِ قلم کی کتاب کو آخر تک پڑھنے پر مجبور ہیں یہ کتاب ۲۱۵ صفحہ پر ختم ہوئی ہے تاہم نہایت عمدہ کتابت و طبعیت دیدہ زیب ۲۲۲ کا یہ ناؤ تھپڑیے اور ضرور پڑھے۔ تذکرہٴ اولادین و مواظبتِ اخلاق ہے۔

(عزیزہ لکھنوی)

جلد کا پتہ ۱۔ خواجہ بہار احمد مختصر چوک لکھنؤ ۲۔ دفترِ ادب و ثقافت کوٹہ۔ اشرف لکھنؤ ۳۔ بگلری بک ایجنسی نظیر آباد۔ لکھنؤ۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ (مدر)



معات صفی

ہم (ازسان القوم جناب مولانا صفی لکھنوی)۔

غفلت کدہ ہستی اک بھول بھلیان ہے
 ہر غنچہ نور کی مٹھی میں گلستان ہے
 ہر آہ شرافشان اک سرو چراغان ہے
 اک دست بدامان ہے اک مہر گیان ہے
 محویت نظارہ دل کے لیے زندان ہے
 منظور نظر عزم کو تشریحِ رنگِ جان ہے
 قدموں سے مہرے دوزخ و دوزخِ بلبلان ہے
 معراجِ سر عاشقِ سنگِ درجائان ہے
 مضمحل خم گیسو میں طولِ شبِ حیران ہے
 اندازِ خود آ۔ الی سنگِ رویان ہے
 ناقد یہ خدا جانے یہ کون سی جمہان ہے
 اک شمع تنک پر توادر گوشتِ زبان ہے
 جاکر جو نہیں آتی وہ عمر گریز ان ہے
 اک ہاتھ میں چمانک ہاتھ میں قرآن ہے
 باطن میں یہ کافر ہے ظاہر میں مسلمان ہے

مشکل ہے پھر آزادی و بستی کی آسان ہے
 جب دل نہ پریشان ہو جمعیتِ سامان ہے
 دل سوز تب غم سے آتشکدہ سامان ہے
 انشاءِ یوسف میں تصویر کے دوزخ ہیں
 زنجیرِ نظر چلتی پھرتی ہوئی تصویر ہیں
 جو بوند لہو کی ہے اک نوک ہے نشتر کی
 ہر شعلہ جو آلہ ہر رنگ گل و لالہ۔
 اک اوجِ تقرب ہے پس منہ میں بیانِ حال
 مایوس ہے ایفا سے اک منتظرِ وعدہ
 تم وعدہ وفا پر آمادہ سی لیکن
 مجنون کی رگ و پے میں کجی کا درد و ڈر
 داغون کا جو مہرِ سپرہ نوہ گری دل کی
 اگر جو نہیں جاتی وہ ہے شبِ تنہائی
 تو بہ کے برابر ہے تو یہ شکنی میری
 باتوں میں صفی دل کی زہار نہ آنا تم

ادرنہ

(از جناب مولوی مسعود الرحمن خان صاحب ندوی)

اپنی گزشتہ یادگار دن پر ایک سال میں ایک بار بھی ہم نظر ڈالتے رہیں تو گئی ہوئی عزت و عروج کا صحیح احساس قلب میں موجود رہے۔ بہت سے خزانہ ہائے اقبال تھے جنکو ہم اپنی بدبختی سے کھواور بڑا کر چکے ان ہی خزانہ اقبال میں سے ایک اور ہے۔ یورپ میں یورپین ترک اور یورپین ٹرکی میں ادرنہ ان مقامات میں ہے جن کے لیے قدرت نے اپنے فیوض کے سرچشمے دار دکھائے ہیں۔ داسن ہاؤس کو ہلندیز میونسپلٹی نے چھوڑا اور خوش منظر دستون کے گنج اور نظر کش و باصرہ افزا مرغزاروں سے ممدومین۔ ہزاروں سے گرنے والے لطف انگیز و نعمت طراز آبشار دن کے علاوہ شیرین خوشگوار اور شفاف پانی کی لہروں کا ایک روپلی جال ہے۔ جو تمام صوبے میں بچھا ہوا ہے۔ اور ہر پرگوشے کو سیراب و شاداب کرتا رہتا ہے۔ ہوا بھی معتدل مگر لطیف و خوشگوار ہے۔ مختصراً یہ کہ بیان کے مناظر طبعی ہے جس صحت پر و فرحت انگیز اور لطف آگین ہیں۔

خاک ادرنہ جس طرح فرحت پرور اور نظر کواڑ ہے۔ اسی طرح مایہ دوز پر بھی ہے۔ نباتات میں رولی، انجور، بادام، فندق، سیب، ناشپاتی، خربزہ، اور جادات میں پشمینہ، لوبہ، اور سنگ مرمر پیدا ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت کھوپا اعلیٰ پایہ پر ہے۔ صنایع مختلف میں میان شینہ و منہ بانی اور اسلحہ سازی زیادہ رائج ہیں۔ قینوں قسم کے کارخانوں کی ایک تعداد افزہ موجود ہے جو کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔ بیان کے معصومات میں سے جانا زین، پرف، اور عباسی، اپنی گلکاری، خوش رنگی اور شاندار گی کو جسے مشہور بین عرفہ ادرنہ ایک شاداب و سرسبز باغیچہ ہے اسی لیے یورپین ٹرکی میں قسطنطنیہ کے بعد اسی کا فخر ہے قسطنطنیہ سے شمال مغرب۔ اہل دوا دل نگار واقعہ جہاں ٹرکی کی مشہور ترین کھج طبع اور دارا واقعہ ہیں۔ یہ نظر ایسا دلکش و حسین نظر ہے جسے ایک نظر باطلح اک پیدا ہوتی ہے تمام شہر دلکش باغوں سلامی و غیر سلامی تاج کی عمارتیں سمیٹے چڑیاں

حال سے گزشتہ دوروں کی داستان بیان کرتی ہیں۔ ادرنہ میں چالیس سے زائد رہن جہنم ۹ خاص سلاطین عثمانیہ کی خواہی ہوئی ہیں بہرین و بلند و عظیم الشان تعمیرات جو عوام کی اطلاع میں سراسر سے تعمیر کیا جاتا ہے جہاں سلاطین عثمانیہ تھتے اور صحت کے خلاف جہادی ارادوں کی تکمیل فرماتے تھے مساجد میں سے زیادہ قابل دید و ذکر جامع سلیم ہے۔ اسکا بانی سلطان سلیم ثانی تھا جو خاندان عثمانیہ کا گیارھواں تاجدار تھا اور ۹۸۶ء سے ۹۸۷ء ہجری تک حکمران رہا۔ اس مسجد کی قیمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ جامع باغیچہ ۲۰ قدم بلند ہے آئین ایک عظیم الشان گنبدت جو ناک ساق کے دو کھنبرین پر لگا ہوا ہے چار مینار سے ہر سراسر میں ایک زینہ ہے صحن کے تین گوشوں میں قبة ہیں جو مسجد کی عظمت و جلال کو افزون کرتے ہیں۔

اپنی خوبصورتی، استحکام و مقبولی کے لحاظ سے جامع سلیم کا شمار عثمانی فن تعمیر و تمدن کے بہترین نمونوں میں ہے۔ ان صاحب کے علاوہ مشہور اور مشہور بازار میں جہنم سے خوشنما اور بہتر بازار وہ ہے جو علی باشا بازار کے نام سے موسوم ہے یہ معتد طویل ہے کہ ایک تو متوسط رفتار آدمی ۵۰ منٹ سے کم میں پورے بازار کا چکر نہیں لگا سکتا۔ ادرنہ میں بڑے فندق (ہوٹل) ۵۲ میں نہر طبعہ پر ایک پل بھی ہے ان عمارتوں کے علاوہ متعدد حمام، سلاطین، قہور خانے اور شفا خانے ہیں۔ ایک طبع بھی ہے سرکاری باغیچہ بانی کے متعدد کا خانے بھی جہاں شیشی داؤ کی کپڑے بن جاتے ہیں۔ زمین نبات درجہ خوبصورت و درخیز ہے۔ باغات کی یک نشتر ہے کہ ادرنہ گلشن آباد معلوم ہوتا ہے جو ہر نہر مع ساحل پر ۵۰ باغات ہیں۔ ان میں سے اکثر باغات صرف گلکاری میں بیان کا عطر و روح گلاب تمام دنیا میں بہترین مانا جاتا ہے۔ ادرنہ کی آبادی ۵۰۰۰۰۰ ہے یہ مختصر تاریخ ولایت ادرنہ کی جسکی جہ جہ زمین تاریخی اقبال و عروج کی حال اور مسلمانوں کی گزشتہ عظمت و جلال کی مرآہ دار ہے۔

(مسعود الرحمن خان ندوی۔ ساکن پبلی ہیٹ)

اسفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر حنا ہے۔

کارِ ثواب

(فسانہ)

(علیہ حضرت نیا زعفری اڈیٹر نگار ہوبال)

(خاص مرقع کے لیے)

آتے تھے اور کھانا کھا کر باہر کی نشہ نگاہ میں بیٹھے تو محلہ کے کچھ لوگ جمع ہو جاتے اور مختلف باتوں میں وقت صرف کرتے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آ جاتا اور یہ صحبت ختم ہو جاتی۔ شام کو نماز مغرب کے بعد پھر یہ صحبت قائم ہوتی تھی اور عشا کے وقت تک جاری رہتی تھی۔

شیخ صاحب کی ہمدردی اور آڑے وقت میں لوگوں کے کام آنا گانوں بھر میں مشہور تھا اور جب کسی شخص کو ہند و ہو یا مسلمان کسی مشورہ یا امداد کی ضرورت ہوتی تو وہ ضرور شیخ صاحب کے پاس آتا اور ان کے خلوص سے فائدہ اٹھاتا۔

ان کا چھوٹا بیٹا احمد حسن کا بنہور میں قانو نگو تھا اور اپنی خاموش زندگی کے لحاظ سے صحیح معنی میں اپنے باپ کا بیٹا تھا محنت و دیانت سے خدمت ملازمت کو انجام دینا اور شام کو امن و سکون کے ساتھ بیوی بچوں میں زندگی بسر کرنے کے سوا اسے کچھ خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑا بیٹا محمد حسن جو ائمہ آباد میں وکالت کر رہا تھا البتہ ایک باخبر اور تیز انسان تھا، وہ قومی تحریکات میں بھی حصہ لیتا۔ تقریریں بھی کرتا، اور کونسل کی ممبری کا بھی امیدوار تھا، اس کا کام اس کی ذہانت کی وجہ سے اچھا چل رہا تھا۔ دونوں بیٹوں کا معمول تھا کہ غیر عید میں وطن آتے تھے اور محرم کے کہ اپنی اپنی جگہ واپس جاتے تھے

شیخ محمد حسین پرانے تعلیم یافتہ بزرگ تھے اور اپنے خلائق کے لحاظ سے ایک مرتخان مرغ انسان کا مل تیس سال تک جمی گزینہ میں ناظر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور پنشن لیکر اپنے گائوں محبت پور میں آگئے جہاں چند بیکہ زمین موردنی شاہی زمانہ سے ان کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ انھوں نے جس خاموشی و سکون لیکن اسی کے ساتھ جس چلن کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی اس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس قلیل تنخواہ پر انھوں نے اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کو ایل۔ ایل۔ بی اور دوسرے کو زراعتی کالج میں تعلیم دلانے کا ارادہ کر لیا۔

اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز ہے لیکن قواء مضبوط ہیں جیسا کہ عام طور پر پرانے لوگوں کے ہوا کرتے ہیں اور اب بھی دن میں چھ گھنٹے کھیتوں پر بسر کرنا اور ادھر ادھر چل کر ہرواہوں کی نگرانی کرنا ان کا معمول ہے۔ نماز روزہ کے ہمیشہ سے پابند تھے لیکن اب انھوں نے عمر کی وجہ سے اس میں اور زیادہ شدت ہو گئی ہے، کوئی موسم ہو صبح صادق کے وقت اٹھنا اور ضروریات سے فارغ ہو کر محلہ کی مسجد میں جا کر نماز پڑھنا، کلام مجید کی تلاوت کرنا اور سورج نکلنے نکلنے گھر واپس آکر کچھ ناشتہ کرنا اور پھر کھیتوں پر چلا جانا کبھی ناخاندہ ہوتا تھا۔ دوپہر کو جب واپس

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو بھی ہندو بناسکیں جس طرح مسلمان ہندوؤں کو مسلمان بناتے ہیں۔

شیخ صاحب۔ خیر ملک ان کا بونا نہ ہو لیکن ان کی خواہش کہ ان کا اقتدار قائم ہونا جائز نہیں ہے، جب کسی ملک میں کوئی غیر قوم حکمران ہوگی تو محکوم قوموں میں سے ہر قوم کی یہی خواہش ہونی چاہیے کہ اس کا اقتدار بڑھے۔ لیکن ان کی آبادی گھٹنے اور مسلمانوں کی آبادی بڑھنے کا سبب میرے خیال میں وہ نہیں ہے جو انھوں نے سمجھا ہے، اس سے قبل مسلمانوں کے دور حکومت میں جتنے مسلمان بھی ہو گئے ہوں، ہو گئے ہوں، لیکن اب تو یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ اگر سال میں ہزاروں ہزار ہندو مسلمان بھی ہو گئے تو کیا، میرے خیال میں، اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوؤں میں جوہ کی خدادی نہیں ہوتی اور مسلمان میں ہوتی ہے، ہندو ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھتے اور مسلمان چار چار رکھ سکتے ہیں اور اگر ہمارا وضعاتی (ہروا) بیج کتاب ہے کہ انڈین سلسلی میں اولاد بھی زیادہ دیتا ہے تو تیسرا سبب اس کو بھی قرار دے لیں کہ مسلمان خیر سے غلبی میں بھی کافی ہیں۔

بہر حال سبب جو کچھ بھی ہو، میں ایک بات پوچھتا ہوں کہ جتنے ہندو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے آتے ہیں کیا ان میں سے شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اس لیے ان کو مار کر کم کر دینا چاہیے؟

محمد حسن۔ ایسا تو نہیں ہے کیونکہ عوام تو خود خواص کے ہاتھ میں ہیں اور بغیر سوچے سمجھے ان کے احکام کی پیروی کرنے لگتے ہیں شیخ صاحب۔ میرے نزدیک تم نے لفظ خواص صحیح استعمال نہیں کیا بلکہ میں کہنا چاہیے کہ عوام بعض شریر لوگوں کے ہاتھ میں آجاتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے لڑھکتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے قربانی بھی ہوتی تھی، بارائیں بھی نکلتی تھیں، باج بھی بجاتا تھا، لیکن اب بھی ہندو مخالفت کرتے تھے اور مسلمان براہم ہوتے تھے

جنانچہ جس سال کا یہ واقعہ ہے اس سال بھی یہ دونوں معیوی بچوں کے بغیر عید سے چاروں پہلے آگئے تھے اور شیخ صاحب بھی کاشت و غیرہ کے کاموں سے فارغ ہو کر اطمینان سے گھر میں بیٹھے تھے۔

شام کا وقت تھا اور شیخ صاحب نشستگاہ کے سامنے چھوڑہ پر مونڈھا بچھائے بیٹھے ہوئے تھے پی رہے تھے سامنے ہی چار بابائی پران کے دونوں بیٹے اور ایک بچہ پر حملے کے دو تین معمر مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ موضوع گفتگو یہ تھا کہ ہندو مسلمان کی موجودہ کشمکش کا سبب کیا ہے اور اسے کیوں دور کر سکتے ہیں؟ محمد حسن الہ آباد کی حالت بیان کر رہا تھا اور شیخ صاحب نہایت غور سے سن رہے تھے جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو شیخ صاحب نے کہا ”میاں ممدو“ (وہ محمد حسن کو اس کے بچپن کے نام سے اب بھی پکارتے تھے) تم ماشار انڈین تعلیم یافتہ ہو، ہم لوگوں سے زیادہ سمجھ رکھتے ہو اور خیر سے چھوڑے ہوئے لیڈروں میں بھی تھا ارشاد ہوتا ہے مجھے یہ بتاؤ کہ اس سے قبل ہندو مسلمان کیوں اس قدر محبت و ارتباط سے زندگی بسر کرتے تھے، اور اب وہ کون سی نئی بات پیدا ہو گئی ہے جس نے اتنی تفریق پیدا کر دی ہے؟

محمد حسن۔ اس کا فیصلہ بہت دشوار ہے، لیکن بظاہر اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں اس امر کا احساس پیدا ہو گیا ہے کہ ملک ان کا ہے اور انھیں کا اقتدار یہاں قائم ہونا چاہیے برخلاف اس کے مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی آبادی گھٹ رہی ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر آبادی گھٹنے پڑھے گا بھی یہی اوسط رہا تو ایک زمانہ آئیگا جب ہندوستان میں مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے اور ہندو بہت کم ہو جائیں گے۔ اس کا سبب انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہندو زیادہ تعداد میں مسلمان ہوتے جاتے ہیں اور اسی لیے انھوں نے مشدھ کی طرح کوراج کیا تاکہ وہ مسلمان ہو جانے والے ہندوؤں کو پھر اپنے مذہب میں لے آئیں

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ جسکو قریب ایک صدی کے ہوانیک نامی سے جاری ہے

جب دلوں کا یہ حال ہے تو میں بھی کسی دن فساد ہو جائیگا محرم اور بغیر عید پر کیا منحصر ہے، علاوہ اس کے سن قدر شرمناک بات ہے کہ ہو بار بار حکومت سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم خود اپنا بچوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ میاں احمد و ہولو، تم کو کافی تجربہ ہے، کیا کرنا چاہیے؟

محمد حسن۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ جب ہمارے دلوں میں خلش پیدا ہو گئی ہے تو حکومت اس کا اندازہ کم بہک کر سکتی ہے، لیکن یہ خلش قوت تک نہیں مٹ سکتی، جب تک دونوں طرف کے دعویٰ کرنے والوں کو ہوا نہ کیا جائے؟

شیخ صاحب۔ ”وہ کیونکر ہوا ہو سکتے ہیں؟“

محمد حسن۔ ”اُن کو بھر ملائیے اور سمجھائیے، شاید مان جائیں، ہم زیادہ سے زیادہ ہی کر سکتے ہیں۔“

شیخ صاحب کو ازل تو کسی بات پر غصہ نہ آتا تھا، لیکن جب آج آتا تھا تو بے پناہ ہوتا تھا، محمد حسن کا یہ جواب سنکر اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور وہ انتہائی برہمی کے ساتھ بولے ”گمہرو میاں“ میں سمجھتا تھا کہ تعلیم حاصل کر کے تھیں کچھ عقل کا حصہ بھی ملا ہو گا، لیکن اس وقت مجھے یقین آ گیا کہ تم سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔ بلائے اور سمجھائے کا نتیجہ کیا ایک دفعہ تم کچھ چکے ہو اور تمھارے اس مشورہ پر عمل کر کے میں اپنی توہین پہلے بھی کر چکا ہوں، کیا دوبارہ تم مجھے ذلیل کرانا چاہتے ہو۔ ناگہن ہے۔ اور ہاں یہ تم نے کیا کہا کہ ”ہم زیادہ سے زیادہ ہی کر سکتے ہیں“ مہربانی کر کے آپ لوگ چلیں، میں بنا دوں گا کہ زیادہ سے زیادہ کیا کیا جا سکتا ہے اور یہ کتنے دفعہ فرو کرنے کے لیے، اپنی عزت قائم رکھنے کے لیے اور امن و سکون پیدا کرنے کے لیے اس وقت ملک کو جس تدبیر کی ضرورت ہے وہ کیا ہو سکتی ہے؟

دوسرے دن آدھی رات کا وقت ہے، سارے گاؤں میں

غیرت سے نوازا نہ کیا اور ہر چند وہ گاسے کی قربانی کرنے والے نہ تھے، لیکن وہ سمجھتے تھے کہ گاؤں کا سربراہ اور وہ شخص ہونے کی حیثیت سے ان پر بھی ضرور الزام آئیگا اور ممکن ہے کہ اس ہنگام میں انکو کوئی ضرر بھی پہنچ جائے۔ آخر کار انھوں نے مجبور ہو کر تعلقہ تھا نہ کوٹہا حالات سے اطلاع دی اور چونکہ آلاہ آباد بھی چند میل کے فاصلہ پر تھا اس لیے مفصل تحریر کا ذکر ضلع کے پاس اپنے چھوٹے بیٹے کے ذریعہ بھیجا تھا نہ دار نے توخیر زیادہ توجہ نہیں کی اور وہ دوسرے دن بہت دیر میں پہنچا لیکن کلکٹ نے رات ہی رات مسلح پولیس کا ایک دستہ وہاں بھیج دیا اور فتنہ بدھ کو کھڑا کر کے سوامی جی، پنڈت جی اور بسم اللہ شاہ کو جاکر فوراً گرفتار کر لیا جائے، لیکن یہ بہت زیادہ ہتھیار تھے اور پولیس کی آمد سے پہلے ہی سارا انتظام کر کے چل دیے تھے اس لیے وہ تو گرفتار نہ ہو سکے، البتہ گاؤں والے ضرور ڈر گئے اور بغیر عید بغیر کسی غیر معمولی واقعہ کے خیریت سے گزر گئی، گاسے کا جاکو بھی نکل سکا اور نہ کسی ہندو نے گاسے کی قربانی کی مخالفت کی (۱۴)

بغیر عید کو گزرسے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے اور گاؤں میں بظاہر امن و سکون ہے، لیکن اندرونی غلظتیں بہت بڑھ گئی ہیں اور محرم کے زمانہ میں مساد کا ہونا یقینی صورت اختیار کرنا جاتا ہے۔ پنڈت جی اور سوامی جی بھی واپس آ گئے ہیں اور بسم اللہ شاہ تقریباً آئے ہیں۔ تقریباً ٹھکنے کے راستہ میں مندر کا چوڑہ بڑھا۔ یا گیا ہے اور تقریباً زیادہ بن بنایا جا رہا ہے تاکہ مندر کے سامنے میل کی شاخیں اس کو روکیں اور اس طرح ضاد کی ابتداء ختم صاحب مع اپنے دونوں بیٹوں اور چند سہیلانوں کے اپنے مکان میں بیٹھے ہیں اور اسی مسئلہ کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے شیخ صاحب۔ ”مکن ہے کہ محرم میں ہی حکومت کی مدد سے اس قافلہ کو لے لیکن آخر یہ کب تک سلسلہ جاری رہ سکتا ہے

اصغر علی محمد علی تاج عطر گھنٹوں کے عطر حنا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہیں ہوا

رات کا پھلا پہر ہے، سرد ہوانے سب کو انسون خواب میں مبتلا کر رکھا ہے اور ہر شخص غافل نیند سو رہا ہے، پنڈت جی اور سوامی جی بھی دھرم شالہ میں جڑا بادی سے زرافا صلہ پر فائق ہے، صحن میں سو رہے ہیں کہ دو آدمی چادر پوری بھانڈا اندر لاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کے پلنگوں کے پاس پہنچ کر ٹھہرے چادر پٹاؤ ہیں، ایسے وقت میں فوری خیال ہمیشہ چور کا ہو کر رہتا ہے اور اس خیال کے ساتھ ہی آدمی چپچ آٹھتا ہے، لیکن جب قبل اس کے کہ ان کی آواز ٹھہرے نکلے دو ہاتھ دونوں کے گلے پر پڑے۔ جب ذرا حواس درست ہوئے، آنکھوں اور کانوں نے دیکھنے اور سننے کی قوت مجتمع کر لی توان حملہ کرنے والوں میں سے ایک شخص نے جو مہتر تھا لہذا پنڈت جی، سوامی جی خود کی کوشش نہ کرنا وہ (چھری دکھا کر) فوراً ہاتھ اس حلق کے اندر ہو گئی، اس لیے ہم لوگ ہتھار اگلا چھوڑے دیتے ہیں، آہستہ سے اٹھوا اور دوبارے ہماری سن لو،

یہ کہہ کر انھوں نے اپنے اپنے ہاتھ مٹا لیے اور پنڈت جی اور سوامی جی کو ایک ہی چار پائی پر بٹھلا کر اور خود ان کے سامنے ہو کر ایک شخص بولا ”تم کو معلوم ہے کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟ اگر نہیں معلوم تو ہم بتاتے ہیں کہ اس کانوں سے فتنہ و فساد کو ہمیشہ کے لیے دور کرنے آئے ہیں۔ یہ بالکل ممکن تھا کہ ہم سوئے میں تھیں ہلاک کر ڈالتے، لیکن مردی کے خلاف تھا اس لیے اس کو گوارا نہ کیا۔ چونکہ جو لوگ گٹھن کے طہنہ اور خود بھی فن سپہ گری کے ماہر ہو گئے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ بجا سے اس کے کہ عریب گاؤں کے لوگ آپس میں لڑیں، تم ہم آپس میں فیصلہ کر لیں۔ تم بھی دو دو اور ہم بھی دو ہیں، اگر تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو، تو یہ دو ٹوکراں لو اور ہمارے مقابلہ میں آ جاؤ۔“ یہ سنکر پنڈت جی اور سوامی جی کے حواس خراب ہو گئے،

سانا پھایا ہوا ہے اور ہر شخص مصروف خواب ہے، لیکن شخص باہر نشہ گاہ میں چاروں طرف کا دروازہ بند کیے ہوئے بیٹھیں اور ان کے قریب ہی انکا چھوٹا بیٹا احمد حسن اور رمضان ہڑا بھی موجود ہے۔ نہایت آہستہ آہستہ گٹھنکو ہورہی ہے اور کبھی کبھی خاموش ہو کر آہست لے لی جاتی ہے کہ کوئی شخص باہر کھڑا ہوا سن نہیں رہا ہے۔

شیخ صاحب ”احمد حسن“ تم اگرچہ خاموش انسان ہو لیکن بزدل و نامزد نہیں ہو اس کا مجھے ہمیشہ سے یقین ہے، میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے گاؤں سے خدا کے خطرہ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دوں۔ اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے میں اپنی جان تک دینے کی پرواہ نہیں کروں گا، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ تم بھی میرا ساتھ نہ دو۔“

احمد حسن ”آپ کو بھی یقین کرنا چاہیے، بلکہ میں تو یہ عرض کر دینا کہ آپ حکم دیجیے میں تمہیں کرونگا، آپ خود کیوں کسی بات کی تکلیف اٹھائیں؟“

شیخ صاحب ”نہیں، جب تک میں تمہارے ساتھ نہ ہوں گا مجھے کیونکر یقین آئے گا کہ تم میری خواہش کے مطابق کام کرو گے (رمضانی سے مخاطب ہو کر) کیوں رمضان، وہ وقت یاد ہے کہ جب ہم تم دونوں ساتھ کھیل کر رہے تھے، پھر کیا ہم تم دونوں ایک ساتھ مرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے؟“

رمضانی ”شیخ جی“ یہ کیا کہتے ہو، کوئی حکم دیکھو، جان نیے سے زیادہ کوئی بات ہو تو وہ بھی کہہ دو۔ اللہ عز و جل تو مسلمان ہیں۔ شیخ صاحب ”مجھے تم سے یہی امید ہے، اچھا تو پھر کل رات کو ٹھیک ۱۲ بجے میرے پاس آ جانا اور یہ سمجھ کے آنا کہ شاید صبح دیکھنا ضعیف نہ ہو گئی۔“

خاص کا رخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تیار کردہ زرہ تبا کو سیاہ دانہ دار طلب فرمائیے

تالاب کے کنارے پہنچے تو سانسے سے ایک آدمی اور آتا ہوا نظر آیا یہ اسکو دیکھ کر رک گئے اور جب وہ قریب پہنچا تو انھوں نے پوچھا کہ ”کیا ہوا“ اس نے اس کے جواب میں اپنی تلوار میاں سے نکال کر کہا کہ ”اُس نے کوئی مقابلہ نہیں کیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ جان دیدی“

یہ سنکر تینوں نے اپنی تلواریں تالاب میں نہایت اطمینان سے دھوئیں، کپڑے صاف کیے اور پھر گاؤں میں داخل ہو گئے۔

(۵)

صبح ہوئی تو جو بے پور میں رہنے کی آگ لگی ہوئی تھی اور ہندو سکڑوں کی تعداد میں اپنے رہنے کے قتل سے سناڑ ہو کر مسلمانوں چکر لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ بسم اللہ شاہ بھی رات کو اسی طرح قتل ہو چکے ہیں، تو انکا جذبہ انتقام کچھ دیر ہوا اور یہ دیکھ کر مسلمان بھی اپنے پیر کے واقف قتل سے کم تاثر نہیں ہیں، دونوں فریق اپنی اپنی جگہ خاموش ہو گئے۔

پولیس کو اطلاع ہوئی اور شام تک ایک فی تعداد سپاہیوں اور پولیس انیسویں کی وہاں جمع ہو کر گفت و شنید شروع ہوئی لوگوں کے بیانات قلمبند ہونے لگے، قدامت کے نشانہاں کا نشانہ لگایا جانے لگا، لیکن پتہ نہ چلا کہ یہ حرکت کس کی ہے۔ اس کے بعد ان پندرہ پولیس، سپرنٹنڈنٹ، کلکٹر، خفیہ پولیس کے لوگ بھی نے آکر کوششیں کیں کہ کسی طرح قاتلوں کا پتہ چلے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ اس واقعہ کے بعد کسی اور لیڈر نے بیانی کی یا ایک اسکے بعد ملے کہ گفت و گفتات میں نہ ہوا، مسلمان ہندوؤں میں جنگ لگی، لیکن چوبیس پور میں کچھ بھی فتنہ نہ اٹھا اور وہاں کے ہندو مسلمانوں میں وہی شہر اخوت قائم رہ گیا جو پہلے بھی پایا جاتا تھا، شہر صاحب کی سمجھت میں جب کبھی اس واقعہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اظہارِ خیر کے ساتھ ہی منظرِ رقص میں کہ۔

”یہ جبرِ کمیا بھی کیا کیوں نہ ہو لیکن یہاں شہر کے اس زیادہ کارِ ثواب اور کوئی نہیں ہو سکتا“

نیا ز فتنہ خوری

پھر ہر کانپنے لگے اور ہاتھ جوڑ کر بولے کہ آپ جو چاہیں کہیں، لیکن فساد کا الزام ہم پر نہ رکھئے، اگر آپ کیسے تو ہم اس وقت گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور تم کھاکر وعدہ کرتے ہیں کہ پھر کبھی اس طرقت کا رخ نہ کریں گے۔

حلا آور (ہنس کر) ”اسے نامزد دو تھیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ کب جو شخص اس حد تک پہنچ جاتا ہے، پھر اس کے لیے وہی صورتیں ہوتی ہیں، اپنی جان دیدے، یا دوسرے کی سٹلے، اس لیے عذر و معذرت کا وقت تو گزر گیا، بقاعدہ کے موقع پر میں نے تمھیں سمجھایا تھا کہ خدا کے لیے ہمارے گاؤں میں فساد کی آگ شعل نہ کرو، لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ اب میں دوبارہ تجربہ کر کے گاؤں کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتا، انھو جلد اٹھو وقت کم ہے، ڈرے گیوں ہو، تم لوگ ہم سے زیادہ قوی ہو کر شہر کرتے ہو، تلوار کی مشق ہے، پھر کیا اندیشہ۔ اس سے بہتر موقع تمھارے لیے اور کیا ہوگا دو مسلمانوں کی جان لو اور ہماری آبادی کم کرو۔“

اس شخص کے تیور ایسے نہ تھے کہ بہادر سا بہادر انسان بھی دیکھ کر ایک مرتبہ ہم نہ جانا چاہتا کہ پندت جی اور سوامی جی جھوٹے شاید کسی معرکے میں دور سے بھی حصہ نہ لیا تھا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر قدموں پر گر پڑے اور اپنے قصور کی معافی چاہی لیکن حلا آور ہٹ گیا اور بولا کہ اب میں آخری مرتبہ پھر کہتا ہوں اگر تم نے اس کے جواب میں ہمارا مقابلہ نہ کیا تو تمھاری جان ہمارے لیے حلال ہو جائیگی یہ سنتے ہی دونوں پھر دو اس ہو کر گر پڑے لیکن یہ گر پڑنا پھر اٹھنے کے لیے نہ تھا، کیونکہ اس کے بعد ہی دو تلواریں ان دونوں کے سینوں میں پیوست ہو گئیں اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

.....

یہ دونوں حلا آور یہاں سے واپس ہو کر جس وقت گاؤں کے

کیا حضرت علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے آپا قف میں؟ جن کا کارخانہ مسعودہ سے روز افزون ترقی کے ساتھ جاری ہو

محبت کے عریان جذبات

(انتخاب مولوی عبد الحمید صاحب، نعمانی ناظمہ ائمہ ادبیہ بالگاؤن)

امیرہ امیلیا کا مکتوب جنرل فخر رومی کے نام

میرے بلو میں ایک پگھلے والے دل اور باؤسی کی برداشت کرنے والے
ہجر کے سوا کیا باقی رکھا ہے؟ اب بھی اگر آپ کے دل میں شکوک و شبہات
کی تاریک لکیریں موجود ہیں، تو کیوں مجھے ایسی محبت کے پردے میں
دھوکہ دیتے ہیں، جسکی ہستی موسم مرا کے باولون سے زیادہ دیرینہ نہیں کہ
ابھی فنا کو غیظ ہے اور ابھی پاش پاش ہے، کیوں مجھے ایسی حالت میں
رکھتے ہیں کہ میں غلط امیدوں سے اپنا دل بھلاؤں؟ کیا میں نے اپنا
دل چیر کر نہیں بتا دیا ہے کہ اس میں محبت ہے اور امیدیں، بھر کھولیں آپ
جیسے اپنا مافی الصیر چھپاتے ہیں؟

آپ کے ہاتھوں میں عذاب میں ہوں، اگر یہ عذاب میری محبت
کی جزا ہے تو یہ بہترین جزا ہے میں اس جزا میں فراق کے سوا کوئی عذاب
برداشت کر سکتی ہوں، اگر عذاب مفارقت کا حکم بھی نافذ ہو چکا ہے
تو میرے دل کی بدبختی کی جو محبت کے بوجھوں سے دبا ہوا ہے اٹھا ہو چکی،
آج میری تسلی اسی میں ہے کہ ماضی کی یاد سے لطف اندوز رہوں،
چنانچہ فرست کے اوقات میں آپ کے گزشتہ خطوط کے پڑھنے میں
صرف کرتی ہوں، حتیٰ کہ بعض خطوط کثرت تلاوت کی بنا پر "اے
تربیب ہو چکے ہیں، اور یہ سب اس سے کہ میرا دل آتش ہے، اٹھنے
کی تکلیفوں سے بے خبر! میرا دل آتش ہے،

میں آپ کو یاد کرتی ہوں اور آپ مجھے روپوش ہیں، آپ نے
اپنے کان بند کر لئے ہیں، اس لئے میرے دل کی مددگار نہیں سن سکتے
اور میری لاغری اور نقاہت کی طرف توجہ نہیں فرما سکتے، کیا یہ حرام
نہیں کہ آپ پہلے ایک خالی دل کو کند الفت میں گرفتار کریں اور

امیرہ امیلیا جارج ٹاؤن شاہ آگاسٹا کی اولاد میں سب سے
چھوٹی تھی، اور اپنے بلند اوصاف اور دلکش خیال کی بنا پر مشہور
ہو چکی تھی، جارج موصوف سلطنت کے انکار اور کثرت شغافل
سے پریشان رہتا، اور چونکہ اس کے کل شہزادے عوام کی ایک کڑی
سے محروم تھے اس لئے امیرہ امیلیا بادشاہ کی عنایتوں اور
شفقتوں کا مرکز بن گئی، جارج کو اس سے شدید محبت تھی، مگر
اس کا دل جنرل فخر رومی کی محبت کا شکار ہو چکا تھا، جو
جارج کے قریب مصاحبوں میں تھا، بادشاہ کا قریب اور اس کے
ساتھ اخص و صداقت نے جنرل موصوف کو لب کشائی
مجبور رکھا، ورنہ مدد و نرن طرف تھی آگ بڑھانے لگی ہوئی،
آخر جنرل کی خاموشی نے امیرہ کو بے پروا کر دیا، اور وہ گھٹے گھٹے
بستر عیالات سے آغوش قبر میں جا ہو چکی، امیرہ نے امیرہ کو
وصیت کی تھی کہ وہ جنرل کو اس کا آخری سلام پہنچائے،
موصوفہ کا ایک خط ملاحظہ ہو۔

جے بی شارل!

کل کی شب میں بیت بے پینی رہی، فرش پر کسی کروٹ قرار نہ آتا
اور نہ آنکھیں سکون کے ساتھ بند ہو سکتی تھیں ہر چند چاہتی تھی کہ آنکھیں
بند کر لوں لیکن آپ کے آخری خطوط میرے منظر اب میں اضافہ کرتے
رہے، اور نیند مجھے جھگاتے رہے، اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ ان خطوط کا نتیجہ
کیا اثر ہو گا، تو یقیناً ایک حرف بھی تحریر نہ فرماتے،
کاش آج آپ میرے پاس ہوتے، اور دیکھتے کہ آپ کی محبت نے

اصغر علی محمد علی کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

بھراس سے اعراض فرمائیں خدا کے حوالے وہ شخص جسکو میں ہر وقت یاد کرتی ہوں اور جو میرا محبوب ہے،

میرے سامنے آپ کا پیچھا ہوا تو ہے، جب میں اسے دیکھتی ہوں اندر سے میرے جذبات ہیجان میں آتے ہیں، اور میں آپ کی طرف بے لگتی ہوں، آپ نے مجھے عادی بنا دیا تھا کہ خود کو آپ کے پہلو میں ڈال دوں، آج میں اس عادت کی تکمیل کس پہلو میں کروں، کاش لہجہ بتا دیتا (فنا) کا منہ کھلا ہوتا اور میں اس میں کود پڑتی، اور اس زندگی سے جو سراپا شقاوت ہے نجات پا جاتی،

کس قدر روکھا پھیکا ہوتا اگر عالم کائنات کا دسترخوان محبت کے نمک سے خالی ہوتا، ابدیت کی طویل مدت محبت ہی کے ہاتھوں مختصر ہو جاتی ہے، محبت درحقیقت آسمان پر رہنے والوں کے لئے فرشتوں کا سلام ہے، کیا آفتاب کی کرنوں اور محبت کی شمعوں سے قلوب روشن نہیں ہیں، اور کیا ان دونوں کا سرخ پیر معبودوں کا تہنم نہیں؟ اگر انسان پر معبودوں کی عبادت فرض ہے تو اسکی یہی وجہ ہے کہ عبادت محبت کا چشمہ ہے عبادت اور محبت دونوں میں نفس ایک ایسے معبود کے آگے جھکتا ہے، جس کا دراک نہیں ہو سکتا، دونوں حالتوں میں ایک نفس دوسرے نفس سے مخاطب اور سرگوشی کرتا ہے، اور دونوں حالتوں میں خاموشی گفتگو سے زیادہ بلاغت رکھتی ہے،

بہت کچھ قابل ذکر خبریں ہیں، اور جی بابتا ہے کہ لکھوں، لیکن غم والہ لکھنے نہیں دیتا اور پھر آج آپکو میرے متعلق خبروں کی بہت کم؟ جب کہ ماضی کی داستان آپ نے بھلا دی، اور گزشتہ واقعات کی یاد آپ کے قلب سے محو ہو چکی، کیا مردوں کی محبت غمشہ کے دنوں سے بھی کم ہوتی ہے، کیا اس قدر حلدیہ روحانی شعلہ سرد ہو جاتا ہے اور دل کو عکس کی گہرائیوں میں چھوڑ جاتا ہے۔

آج صبح میں باغ میں گئی، اور صبح درخت کے سایہ میں

ہم آخری مرتبہ جمع ہوئے تھے، اسی کچھ پیچھے پڑے تھے، پھر ہر ایک گہری نظر ڈالتے ہی میرے جذبات میں ہیجان پیدا ہوا اور دل کی حرکت نہایت سرعت کے ساتھ چلنے لگی، اس نے کہ مجھے ماضی کا مبارک وقت یاد آگیا، کیا آپ کو یاد ہے کہ وہ موسم بار کا تھا، نسیم ہیارتمی، اور فطرت کی ہر چیز مصروف تبسم نظر آتی تھی، آہ اس بار اور اس خزان کی یہ پامالی شکستہ دنوں پر کس قدر شدید ہے اس منظر سے گلستان زندگی کا وہ دور خزان یاد آتا ہے، جب کہ محبت کے بھول افسردہ ہو چکے ہوں، دل کی بیتا بانہ دھڑک سکون پر رہ رہی ہو، محبت کا ترنم جو ملکا کا نغمہ ہے خاموش ہو چکا ہو،

آپ سنگین اور دلگیر کیوں ہیں؟ اگر غم والہ ضروری ہے تو سنگی اولین تخت میں ہوں آپ کیوں شاکی ہیں، اور اس زندگی میں آپ کے لئے وجہ ملال کیا ہے؟

ایام شباب، حسن و جمال، علم و عقل اور وہ چیز جسکی ایک انسان اس عالم میں متناکر سکتا ہے کیا خزانے آپ کو عطا نہیں کی، مجدد و بزرگی کا میدان آپ کے قدیموں کے سامنے وسیع، اور بھرپور عورت کا دل آپ پر نشا ہے پس آپ کو خوش ہو چاہئے، اس لئے کہ زندگی کے دن بھول سے بھی کم ہوتے ہیں، اس لئے کہ آپ کی ترش روئی اس دنیا کی تار کیوں میں تر تری کر رہی ہے، اس لئے کہ تبسم کی شعلہ ملال کے بادوں کو چھٹا سکتی ہے، اس لئے کہ ماضی کی سی میں ہے کہ میں آپ کو اس زندگی میں خوش نجات دیکھوں۔ آپکو سوئے دل، اور سیکھنے پہلے کا سلام، غمی جگر اور خونیں آنکھوں کا سلام، شاید آپکو میرا آخری نیاز نامہ ہے اس سے کہ ڈاکٹروں نے مجھے سخت تاکید کی ہے کہ میں ان مناظر اور مشاغل سے دور رہوں جیسے مجھے آپ کی اور گزشتہ ایام کی یاد آتی ہو۔

اور حال میں آپ کی محبت پرستقل طور پر نجات قدم ہوں اور کھانچا ہوں ہوں کہ آپ کو نہ بھولوں گی، "امیلیا"

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی تیار کردہ اشیا، خالص عمدہ اور کیفایت ملتی ہیں

عورت ہندوستانی

(انجناب محمد صادق حسین صاحب، بی۔ اے علیگ)

کچھ مثالیں ہیں اور دوسرے ہیں جہاں انسان قدرت سے دست گریبان نظر آتا ہے۔ کھلم کھلا اسکی مخالفت کرتا ہے اور اس کے مقررہ قوانین کے خلاف عمل پیرا ہے اور تاج فوج بھی اسی کے سر ہے۔ گو مجھے بذات خود اس طبقہ خیال سے مطلق اتفاق نہیں۔ لیکن صنف نازک کے تعلقات باہمی ہیں اگر اسی اصول کو روا رکھا جاتا ہے تو نتائج نہایت مذموم۔ مضرت رساں اور ناقابل تلافی پائے جاتے ہیں۔

بقائے نسل کے لیے دنیائے حیوانات میں مزو مادہ کا اتصال ایک خاص وقت اور زمانہ کا پابند ہے۔ اور اشرف المخلوقات کے علاوہ کوئی حیوان زمانہ مقررہ کے خلاف اس فعل اتصال کے جرم کا ارتکاب کبھی نہیں کرتا۔ انسان ہی صرت ایک ایسا ناقص العقل حیوان ہے جو اپنے تعلق مستقل یا اتصال باہمی کے نازک اور اہم معاملہ میں غیر موزون اور ستن مناسب کا لحاظ اکثر نہیں کرتا۔

جس طرح ہندوستان علوم موجودہ سے نادانیت۔ قبیحی دستی اور طوق غلامی کو طوقِ درین سمجھنے میں دنیا کی کسی قوم و ملت سے پیچھے نہیں اسی طرح وہ اس غفلت۔ کورانہ روش اور اصولاً اور عقلاً ناپسندیدہ عمل درآمد میں بھی سب کے آگے ہے۔ نا اتفاقی۔ ہماری ایک متاثر صفت ہے۔ اگر اہل ہندو کی روش عموماً یہ ہے کہ وہ اپنی کشمکشوں کا گٹھ بندھن مناسب وقت سے کمین پیش کر تے ہیں تو اہل اسلام کا رویہ یہ ہے کہ وہ اکثر اپنی لڑکیوں کو بالغ ہو نیے بہت بعد زوجیت میں دیتے ہیں۔ یہ دونوں ملک عام اس سے کہ ان میں سے کس پر کون گروہ حامل ہے اور ہو۔ جس قدر زیادہ تلخ کام ہیں۔ اُس قدر زیادہ عام!

عورت کیا ہے اور دنیا میں کیوں آئی؟

اس کا مختصر اور جامع جواب شاید یہ ہو سکتا ہے کہ عورت محبت کی چیز ہے اور دنیا میں محض اسی لئے آئی، عام اس سے کہ وہ محبت براہ راست ذات سے تعلق رکھتی ہو یا افزائش نسل انسانی سے۔

زرا اور وسعت نظر سے کام لیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا وجود۔ وجود ذاتی نہیں بلکہ محض اضافی ہے۔ یعنی مقصد تخلیق مروجہ نہ کہ عورت۔

اگر وہ ایک سہی مطلق ہے تو عورت ایک وجود مختصر المگر تکمیل فطرت کے لیے عورت کا ہونا لازمی ہے بلکہ ”عورت“ شیکسپیر کے الفاظ میں ”مجموعہ شہ گری ہے اور بے قورج کی سلطنت صرت اسی کا حصہ ہے“

”نمور“، اسلامی مکتہ خیال سے ”رفیق زندگی اور نازک بگینہ“ اور فضلا سے مسیح کے زادیہ نظر سے فساد کی جڑ۔ عیوب کا سرشتیہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔

عورت مرد کے مقابل میں زیادہ پُرکیت ہوتی ہے۔ عورت بلا چاہنے والے کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ عورت کا حسن اور بالخصوص شباب جب قدر زیادہ نمایاں۔ نظر فریب اور دل آویز ہے۔ اس قدر زیادہ عارضی سریع الزوال اور چشمک برق۔

جہاں تک قدرت متصف مزاج کا دائرہ عمل متعلق ہے۔ متذکرہ صدر اصول۔ آب و ہوا اور رنگ و روپ کے بلا لحاظ ہر زمانہ اور طبقہ میں جاری و ساری ہیں۔

اگر آپ کو خط حنا دار کا رہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

قبل از وقت شادی

۱۔ عالم امکان کی کوئی شے ہو اور کوئی جی
اگر وہ مناسب وقت اور موزون زمانہ
سے پہلے استعمال کجائے تو اسکی قبل از وقت خشکی لازمی ہے اور یقینی -
عورت کا حسن و شباب جو فی الحقیقت اسکی تخلیق مقصد کی کامیابی
کا اگر مطلقاً نفعین تو بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس قبل از وقت استعمال سے
اپنی فطرتی کھار اور لطافت کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہہ ایک ایسی
پائمالی ہے جسکی مثال باقیات میں قریب قریب نامکن اور محال !!

نیا دانہ اور نیابانی اٹنے گرد و پیش اور اُنکے اثرات؟ حفظ مراتب
اور امداد خانہ داری کی قابل تحسین انجام دہی اساس نندن کے دغرائش
طعنہ بسمراں کے پچ پچ کی نکتہ چینی۔ آئے گئے کی پھبتیاں اور ان سب
خاموشی و الدین اور اعزاکى مفارقت اور اسکا رنج !! یہ سب کچھ اور
ایک تاجیہ۔ نا تجربہ کار اور کم سن لڑکی !!!

ماہران اخلاق جنہم حقیقت سے ملاحظہ فرمائیں کہ ان امور کی انجام
دہی اور پوچھ حسن انجام دہی کا با عظیم ایک مختصر سن و سال لڑکی کس
حد تک اٹھا سکتی ہے اور پھر اس یقینی ناکامیابی کے ناگزیر تلخ نتائج کا
اثر ماحول متعلقہ پر کیا ہوگا۔

شوہر اگر جوان ہونے کے علاوہ انسان بھی ہے تو وہ ایک مذاق صحیح
لطف صحبت اور مخصوص دلچسپی کا بھی متلاشی ہوگا! کیا ایک کم سن بچی
اس تلاش کو پورا کر سکتی ہے؟

یہی نہیں۔ اُسے شوہر کا مزاج دان ہونا چاہئے اور اُسکا غمگسار۔
لیکن افسوس وہ ابھی کس ہے اور بہت کم سن اور اس میں طفلانہ
حرکات موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں ابھی اسکا عالم تقویت ہے۔
ابھی اس کے کہیلے کھانے کے دن ہیں نہ کہ بیوی بننے کے۔

اس رسم قبیح کے اثرات اگر غور سے دیکھا جائے تو متعدد دیر پا
ملکہ مستقل ہیں۔

۲۔ فرض کیجئے آج کی سیرکشن میں ایک قسم کے بظاہر ہم عمر تین پودے
کی نرم اور نازک بیجوں کو آپ نے پودا اور اُنکے نرم اور کمزور و نسلوں کو
لا پرواہی اور سیردوی سے توڑا امر و اڑا زندگی تجربات اور شہادت
کا مجموعہ ہے! آپ نے اپنی اُس شام کی شوخی طبع کے کرشمہ ملا حظہ
فرمائے! قدرت یہ زبان نیز بانی کی مسمیٰ خیر سبق دیتی ہے اور کیسے عبرت
انگیز اصول بتاتی ہے! اسب سے کنارہ والا پودہ باوجود آپکی دست
درازی کے ہر ابھر اور سرسبز و شاداب موجود ہے۔ ایکے بعد والا یعنی
دریانی پودہ جو آپ کے تصرف سے آزاد رہا تھا تروتازہ۔ فضائے بسیط
میں انگہ اسیان سے رہا ہے۔ تیسرا یا آخری پودہ آپکی دست برد کے
نظر ہو گیا۔ نہ اُس میں وہ تری ہے نہ وہ نازکی اور نہ وہ قوت نو جو پہلے
اور دریانی یعنی ملالندکر اور ثانی الذکر پودے میں۔ وہ زندہ تو ہے مگر
حقیقتاً مردہ اور مقابلتاً زندہ درگور۔ آئیے غور کریں کہ اثرات میں اختلاف
اور تفریق کس پوشیدہ قوت کی کار فرما ہے اور کن اصول کا کرشمہ!!
پہلا پودہ تیسرے پودہ کے مقابلہ میں ایسے سن و سال کو پہنچ چکا تھا
اور اُسکے رنگ و ریشہ۔ شلخ اور پتہ استعد قوی ہو چکے تھے کہ آپ کی
شوخی و شرارت اس پر کوئی اثر بد مرتب نہ کر سکی۔ وہ اگر دوسرے پودے
کے مقابلہ میں جو آپ کی جولانی طبع کا شکار نہیں ہوا تھا۔ پیش نہ لیجا سکا
اور اُس سے بہتر تھا پرنہ محال سکا تاہم اسکی ہسری اور برابر کی دعویٰ
کر سکتا ہے تیسرے یا آخری پودے کی تو مٹی ہی برباد ہوئی۔ آپ نے
اُسے اُس شادابی اور نازکی سے ہمیشہ ہمیش کے لئے محروم کر دیا جو انکی
جوانی کے وقت اور شباب صحیح کے وقت انکا لازمی اور فطری حصہ
تھی یا جو چڑھتی جوانی میں جنوں کے کھار پر اس درخت کی قسمت
ہو گی جو آپ کے دست تجاوز سے محفوظ رہا۔ یہی نہیں بلکہ اتنو
خدا ہی مالک کہ اسکا شباب شباب صحیح کہا جاسکے اور انکی جوانی واقعی
جوانی کے جانچنے لاتی بھی ہو سکے۔ اس خرابی و تباہی میں یہہ راز

کارخانہ منصر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف "دستا" لکھنؤ کافی ہے

”جی“ بنا دیجائے اُسی طرح یہ بھی مرضی ظلم ہے کہ کسی کو مناسب اور مقررہ عمر کے بعد ترویح کیا جائے۔

۱۔ شباب اور چڑھتا ہوا شباب عورت کی عمر کا وہ حصہ ہے جس پر اگر خود بخود وہ کسی طبقہ کی ہو۔ ناز ہوتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اُسکی کافر دائی اور فتوحات کا دائرہ۔ اگر آپ مبالغہ نہ سمجھیں۔

غیر محدود دہوتا ہے۔ اور یہی وہ ممتاز وقت ہے جب وہ اپنی تخلیق کی غرض بدرجہ احسن بلکہ بدرجہ اتم پوری کر سکتی ہے۔ اس زمانہ میں سے گھر بھائے رکھنا۔ اور زینت پہلو ہونے بجائے ناخدا رکھنا قدرت کی نشا اور اُسکی مقصد خلقت کے کس درجہ برکس ہے! یہ لیک یا نا قابل تلاقی ظلم ہے جس کے لئے عورت آپکی کثرت غفلت اور مرضی جہالت کی شکار عورت۔ تمام عمر کرب انوس ملتی ہے۔ اور سوائے حسرت حاصل اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسکی عمر کے بہترین حصہ کو اسکی تکمیل مقصد کے بغیر سپرد گردش لیل و نهار کر دینا عورت کے ساتھ عورت کے عموماً کے ساتھ

اور عورت کی لائیت کے ساتھ ایک ایسا دوا می اور عظیم احسان ہے جس کے لئے اسے تمام عمر مفصل اور محجوب ہونا پڑے گا۔ صرف اپنی ہی نظروں میں نہیں بلکہ اپنے شوہر کی امید و نظروں میں بھی اور پھر بھی وہ اس احسان سے عمدہ برا نہیں ہو سکتی۔

وہ سوچتی ہوگی اور ضرور سوچتی ہوگی کہ اسکی دولت حسن بیٹھے بھاٹے لٹ گئی۔ اُسکی جوانی راجحان گئی اور اُسکا شباب بیکار گزر گیا۔ وہ محسوس کرتی ہے۔ قدم قدم بھر محسوس کرتی ہے اور ناقابل بیان رنج و تاسف کے ساتھ محسوس کرتی ہے کہ اُسکی قدر و قیمت گت گئی اُسکے حُسن کی گرم بازاری کا فور ہو گئی۔ اور اُسکی مقنا طبعی کشش اسکا ساتھ چھوڑ گئی۔ چھوڑ گئی اور ایسے وقت میں چھوڑ گئی جب اُسکی منزلت بدرجہ اولیٰ ہے۔ وہ اپنی اس سیرنگی اور بے قیمتی پر کڑھتی ہے اور خون کے آنسو روتی ہے۔

مضمر ہے کہ اسے قبل از وقت استعمال کیا گیا۔ اور ناسطہ وسال سے پہلے استعمال کیا گیا۔ اس کے پٹے اور شاخیں تمام عراس نا عاقبت بین دست درازی کا نوچ پڑیں گی اور اسکی مظلومیت تمام عمر اس کی بد قسمتی کا ماتم کیوگی۔

دوسرے الفاظ میں قبل از وقت شادی عورت کو اُس حُسن شباب پر اُس آب و تاب کے ساتھ جو انکا لازمی اور فطری جوہر تھا نہیں پہنچنے دیتی اور کبھی ہرگز نہیں پہنچنے دیتی۔ وہ اُس کے رنگ و روپ کو تباہ کر دیتی ہے اور مستقل طور پر تباہ کر دیتی ہے اور اُس میں وہ کیفیت اور لذت نہیں آئے دیتی جو خواہہ قدرت سے اُسکا حصہ تھی۔ آپ اسکی ترقی حُسن کو اور در و زرافروں ترقی حُسن کو محض روک ہی نہیں دیتے بلکہ کچل دیتے ہیں اور ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔

۳۔ اس سے پھر بس نہیں بلکہ عورت کی تندرستی خراب ہو جاتی ہے اور اسکی صحت میں گھٹن لگ جاتی ہے اس کے عضاء نشانی غیر معمولی طور پر متاثر اور کمزور ہو جاتے ہیں اور اُسکے اعضا و جوارح میں طبی تک پہنچنے سے پہلے ہی انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ کتنے جنین زائے حمل کی تکمیل سے پہلے ہی ضایع ہو جاتے ہیں۔ کتنی کس مائیں بنتے بنتے دنیا کو فیلا کر مکتی ہیں۔ اور کتنی ایک نوزائیدہ نخت و زرا موصوم کو سوسائٹی کی کچ فمی۔ نا عاقبت اندیشی اور اپنی نامر ادموت کی یادگار چھوڑ جاتی ہیں کتنے ہی واقعات ایسے ہیں جن میں مان اور بان کی آغوش کا فنی دونوں بیوند خاک کرتا پڑتے ہیں۔ مان کی جمانی اور دماغی کمزوری کا اثر اولاد پر منتقل ہوتا ہے۔ بچے دیکھنے پر کمزور وضعیت۔ ابتداء ہی سے مختلف امراض کا شکار رہتے ہیں جسم و دماغ کا انحطاط اور عمر کا اختصار جلدی نسلوں کی آباؤ اجداد میں لایا جاتا ہے۔

بعد از وقت شادی جس طرح یہ عقل و فطرت کے مترادف ہے کہ عورت مناسب سن و سال سے پہلے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

اُسکی ناقدری و بے قیمتی کا عذاب۔ اُسکے غم و الم کا بار اُسکے حسن و شباب کا خون۔ یاد رکھئے۔ آپ کی گردن پر ہے اور صرف آپ کی گردن پر!!!

۲۔ اس فعل ناپسندیدہ کے اثرات بھی لازمی نہیں بلکہ متعدی ہیں۔ اگر چشم حقیقت اُنکے سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ عورت کو اُسکی مقررہ عمر کے بعد مسلک کر نیکے نتائج عورت کی ذات سے متجاوز ہو کر شہ جنک پہنچتے ہیں۔ اور جب عورت اور مرد دونوں کا علی قدر کیف متاثر ہونا لازم تو دونوں کے تعلقات کا اثر پر ہونا مستقلاً اثر پذیر ہونا لازم تر۔ شوہر شریف اور عقیل شوہر جس میں جذبہ حیوانیت کی بجلی موجود ہے۔ عورت کی بہرنگی دینے قیمتی سے متاثر ہو۔ ناممکن اور محال!! عورت کچھ ہی کرے وہ اُس جذب و کیف کو نہیں پیدا کر سکتی جو قدرتی اور فطرتی تھی۔ شوہر کی مایوسی۔ ابتدائی مایوسی اور ایک حد تک دوامی مایوسی ظاہر ہے کہ عورت کی قدر۔ قسمت اور قیمت کے ساتھ کیا کر لگی!!!

اکثر مثالیں ایسی ہیں جہاں عورت کے حسن کی تاروں بھری چاندنی سفیدی سحر سے مبدل ہو جاتی ہے اور اس کے حسن و شباب اور جذب و کیف کا سویرا ہو جاتا ہے۔ مرد میں قوت و قابلیت کی موجودگی اور عورت میں اُنکی قلت یا عدم موجودگی!!! صورت و اقامت کیا ہوگی اور کیا ہوتی ہے!!!

۳۔ فضلاء طب کی تحقیق ہے کہ بلوغ کے بعد قدرت عورت میں حمل کی قابلیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس قابلیت یا کیفیت کی ابتدا اور اتمتہ کے لیے کچھ واضح نشانات اور علامات عورت ایک خاص اور مقررہ عمر تک حاملہ ہو سکتی ہے۔ اور اس قابلیت اور قابلیت کا وجود و عدم اُن علامات کی موجودگی اور غیبت پر کلیتہً منحصر اور مبنی! اگر مقررہ عمر کے اندر وہ حاملہ نہ تو یہ علامات غائب اور مفقود ہو جاتی ہیں اور اُنکی مفقودگی کے اثرات عورت

کے جسم اور جسم کی ساخت پر تمام تر مرتب ہوتے ہیں۔ اس تحقیقات سے بادی النظر میں اور واضح نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ قدرت نے عورت کے حاملہ ہونے کے لیے ایک زمانہ متعین اور مخصوص کیا ہے۔ اور اس مقررہ زمانہ کو غالباً ہماری سہولت کے لیے کچھ واضح علامات سے ظاہر کر دیا ہے!

دوسرے یہ کہ ان علامات کے غائب ہو جانے کے بعد متقرر حمل کی امید عبث۔ اولاد کی تمنا بیکار۔ اور قیام نسل کی آرزو۔ خیال!! عورت کو ایسی عمر تک ناکتھار رکھنا کہ اُسکی قبول حمل کی قابلیت یا اُسکی نکیل آفرینش معرض خطر میں آجائے یا بالکلہ کا لعدم ہو جائے۔ ایسا گناہ عظیم ہے کہ اُسکا کفارہ نہ دنیا میں ممکن نہ عقبی میں!!

تجربات کا خزانہ۔ (ہیوٹونی کا پوٹ) اور عقل کا مجرب سیر نامہ! ہونے کے باوجود عقل اور آنکھوں پر چالاکت۔ غفلت اور حق فراموشی کے موٹے موٹے پردے! جوان۔ جذباتی صبح سے سربزاور فطرتی احساسات سے مکلف لڑکی کو گھر بٹھائے رکھنا! اپنے کو اس عظیم ترین حق و بار سے مستغنی اور آزاد سمجھنا اور بددشقی کے بھیس میں جذبات کشی اور دختر کشی کی ظالمانہ۔ جاہلانہ اور کورانہ روش اپنی نوع انسان کے ساتھ سب سے بڑا اور وحیانہ ظلم اور آخرت کا ناقابلِ عضو گناہ ہے۔ مظلوم اور مجبور لڑکی کی ہر آنے جانے والی سال تو آپ کے لیے آہ مظلوم کا کام کر لگی مگر یاد رہے کہ قدرت نہایت مزاج (خواہ آپ کسی ملت و مذہب کے ہوں) اس صریحی غفلت اور فرائض و حقوق کے عدم تکمیل کے لیے ممکن سختی اور شدت کے ساتھ آپ سے پرسش فرما لگی۔

نظر حقیقت میں اور حق پسند کے لیے ہونا کہ سبق آموز ترین وہ وجود اور منفرد انگیز اور عبرت خیز ہیں وہ افراد جو گھروں کی

تو مطلق نظر حق نہیں کیجا سکی اور یا اشارے اور کنایہ سے کام لینا
پڑا میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک ایسی خشک بحث جو ادب لطیف
تو درکنار ادب کی چاشنی سے بھی عاری ہے کہ سقدرد پچھی اور توجہ
کے ساتھ پڑھی جائیگی۔

محمد صادق حسین علیگ
بی۔ اے۔

از ہر دوئی

چار دیواری میں اپنی جوان لڑکیوں کو زندہ درگور کے دیاے دون
کے مہلات اور غویات میں تغرق۔ اس نازک اوداہم ترین حق
اور فرض سے غافل ہیں۔

مجھے اقرار ہے کہ میرے الفاظ قبل از وقت شادی اور بعد
از وقت شادی کی قبیح۔ تلخ اور مضر رسم کی مکمل تصویر نہیں پیش
کر سکے۔ دانشاے عربان کے خوف کی وجہ سے یا بعض مطالب پر

نہش شہید

(از جناب مولانا مولوی محمد صبیح اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی ملی لکھنؤی)

وہ بقا موت کو، گھر کتا ہے ویرانے کو
گھر سے صحرا نظر آنے لگا دیوانے کو
آپ اب آئے ہیں سننے مرے افسانے کو
بھڑے پھولوں سے خدا اس ترے پچانے کو
لوگ دیوانہ نہ سمجھیں ترے دیوانے کو
شام غربت نے کیا ختم اس افسانے کو
آگیا لیجئے ہوش آپ کے دیوانے کو
پھر سے دھرانے لگا میں اسی افسانے کو
کاش روشن وہ کرے میرے سید خانے کو
دید یا طول تھیں نے مرے افسانے کو

فکر دارین سوا سب سے ہے دیوانے کو
اوٹھتے ہی ابرہاری نے بڑبا یا یہ جوش
ختم ہونے کے قریب آگئی رو داحیات
دیدے تلچٹ ہی تجھے بیک تھک ساقی
فکر امروز ہے اس کو نہ غم سردا ہے
دوستوں کے نہ گرم ہیں نہ ستم دشمن کے
اب نہ ہے شکر و شکایت نہ وہ ذکر من و تو
وہ بھلا دے دیے اُن کی نگہ شوخ نے آج
جس کے پر تو سے دنیا پاش ہوئے شمس و قمر
دن بہ دن تازے سے بڑھتی ہی رہی شان نیاز

آئیے چل کے پھسین کوچہ جانان میں شہید
موڑیے کعبہ سے منہ، چھوڑیے بتجانے کو

عشقر اور علم

(از جناب مولانا شاہ محمد قاسم صاحب بنجرہ، اکبر آبادی مدظلہ)

شعرو کی اگر محض خیالات - واردات - مناظر - اور باصلاح حافر - فطرتاً نہ ہوتا تو حضرت آدمؑ کی اور جگہ اور ترتے - اس لئے - جذبات کی تفسیر کا نام ہے - تو زیادہ علم کی محتاجی سے آزاد ہے - اور ایک عرب - ایک انگریز - ایک ترک - ایک افغانی - ایک چینی ایک اگر حقائق - معارف - حکم - اسرار - فلسفہ درد - تاثیر جمال کی عشق - جا پانی - ایک فریج ایک روسی - اردو نہ سمجھ بول سکتا ہے نہ صحیح کے بیان صحیح کو بھی کہتے ہیں تو یقیناً - وسعت علم - اور قوت اظہار - فصیح لکھ سکتا ہے - مگر ہندوستانی عربوں کی طرح عربی - انگریزی واقفیت زبان پر موقوف ہے - کے مانند انگریزی - ترکون جیسی ترکی - افغانیوں کے برابر افغانی - جس طرح حروف کی ترکیب سے الفاظ اور الفاظ کی ترتیب چینوں کے مشابہ چینی - جا پانیوں کے مثل جا پانی - ایک فریسی و ترکیبے جملے بنتے ہیں - جملوں کی تنظیم و تہذیب سے شعر بنتا ہے حرف سے کلمہ کلمہ فریج - روس والوں سے صحیح روسی بولتے ہیں - بلکہ کے تناظر سے الفاظ کا پاک ہونا فصاحت لفظ ہے - اور الفاظ کے اہل زبان کو اپنی زبان دانی - گویائی - عبور محاورات چکر میں ڈال دیتے تناظر سے خالی ہونا شعر کو فصیح بنا دیتا ہے - غیر انوس الفاظ - ہیں - زبان انظار مافی الضمیر اور بیان مقصد کا ذریعہ ہے لسانی قلیل الاستعمال تراکیب سے کلام - بلیغ نہیں ہو جاتا - جو لغات زبانوں پر زیادہ پڑے نہیں - انھیں اگر کسی شعر میں آجکل لوگ دیکھ لیتے ہیں تو بلیغ - بلیغ ہے - کے غل سے آسان سرور اٹھا لیتے ہیں - جس طرح مختلف مواضع کیلئے - تنوع اصوات الفاظ پیدا کرتا ہے - ضرورت الفاظ کلام بلیغ فصیح ہوتا ہے - فصاحت میں بھی بلاغت سے لچک اور لچک سے جملے - عبارتیں بناتی ہے - جب اپنے ملک کے الفاظ - لغات - محاورات - بیان مدعا میں کافی نہیں ہوتے - دوسرے ممالک سے عاریت لی جاتی ہے - مستعار کے بعد قرض - قرض کے بعد خیرایاری کی نوبت آتی ہے - یا غصب و زبردستی کی جاتی ہے - اس طرح روزانہ بڑھتی پھیلتی اور وسیع الذیل ہو جاتی ہے - اردو جیسے ایجاد کے زمانہ میں مہمان نواز تھی - آج بھی الفاظ کو اپنے کنار عاطفت میں لیتی ہے - اور انھیں اپنا بناتی جاتی ہے - بیشکل البتہ پیدا ہو گئی ہے کہ اکثر لوگ بے ضرورت بھی دوسری زبانوں سے الفاظ صدقہ لے کر اردو کے دامن کو کھول گدا بنارہے ہیں - جس کا سبب اکثر ایسی زبان سے عدم واقفیت - اور اپنے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر حنا ہر موسم میں استعمال کیا جاتا ہے

الفاظ پر عدم عبور ہے۔ روزمرہ کی بول چال الگ رہی نفیس نثر میں عمدہ شعر میں۔ غیر مائوس الفاظ۔ نامستعمل ترکیب سے اطلس میں ٹاٹ کا پیوند جڑنا خدا جانے کیونکر پسند طبع ہے۔ بان الفاظ کی ناموسیت کا اعراض پیشتر ہے علمی اور جمل سے بھی ہوتا ہے۔ اس لیے لفظ و نشر لکھنے والے کو علم اللسان۔ ترکیب الفاظ۔ اصول بدیع قواعد بیان پر ایسا عبور ہونا چاہیے کہ غیر مائوس بھی مائوس بن جائے جیسے امام الشرا حضرت شیخ ناسخ کو تھا مثلاً اُن کے اس شعر میں سے طبع ہے انصاف دوستان سے کہ تشارفائیں نہ بیاں سے کیا ہے ناسخ نے آسمان سے بلند تر تہ اس زمین کا لفظ طبع۔ ثقیل ہے۔ لیکن دوسرا کوئی لفظ اس وزن کا طبع سے زیادہ لطیف۔ شعر کے مناسب میں نہیں سکتا۔ اس صنف خاص میں غالب کو قدرت نے خاص سلیقہ مرحمت فرمایا تھا۔ لغات کو صحیح معنی میں استعمال کرنا۔ حضرت رشک اور اکثر تلامذہ خاندان ناسخ کا تذکرہ امتیاز سے بذیل کے دو شعر جناب رشک کے ملاحظہ ہوں سے

وقت حساب کثرت اختیار میں کہتے ہیں بات ٹال کے گنتی غلت ہوئی
سودا ہے حسابان قیامت کا آپ کے قہر و جرم اہل معاصی غلت ہوئی
لفظ ”غلت“ کو تائے قرشت کے ساتھ استعمال فرما کر
مقطع ترتیب دیتے ہیں سے

پروا سے حرف گیر ی اہل سخن نہیں
اے رشک مستند جو کتنا لہجہ ہوئی
اصل یوں ہے کہ جس طرح کثرت حروف کثرت معنی پر دلیل
ہے۔ تیز حروف۔ تیز معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ”غلط“ طاع خطی
سے عام غلطی کلام میں مستعمل ہے۔ اور ”غلت“ تائے قرشت
سے حساب میں غلطی کے لیے آتا ہے۔ متبنی نے کہا ہے سے

غلت الذی حسب بالشعر بآیۃ
ترتیب اللغات من آیاتھا
مدت ہوئی۔ ریاض الاخبار گورکھ پور میں لفظ ”ایجاد“
کی تذکرہ و تائیت پر بحث کرتے ہوئے مضمون نگار نے ان دونوں
شعروں کو لکھ کر تحریر فرمایا تھا کہ صاحب زبان کو اختیار ہوتا ہے
جو لفظ چاہے اور جس طرح چاہے لکھ جائے۔ اس پر ایک
اور صاحب نے جواباً تحریر کیا تھا کہ یہ ”غلت“ غلط ”کالم
معنی نہیں۔ بلکہ ”غلو“ سے نکلا ہے۔ اس سے بڑھ کر کمال کیا
کہ ”صرار“ کا حوالہ بھی دیدیا مجھے بعد حیرت ہوئی کہ ”غلو“
سے ”غلت“ کیونکر بن گیا۔ ”عدۃ“ ”زنتہ“ ”وعدہ“
اور ”وزن“ سے نہیں بنیں۔ اگر ”وغل“ ہوتا تو ”غلت“
بنجاتا۔ متبنی کا شعر یاد آگیا۔ پھر مقطع میں کتاب لغت کا
لفظ دیکھ کر اوراق گردانی کی صاف نکلا۔ ”غلت“ اور ”غلط“
ہم معنی ہیں۔ عند الجہور۔ بعض کے نزدیک ”غلت“ حساب
کی غلطی۔ اور ”غلط“ کلام کی غلطی میں مستعمل ہے۔

آج کل ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو شاعر جذبات
ہونے کا مدعی ہے۔ اس جماعت میں چند پڑھے لکھے لوگ
بھی ہیں۔ میں اپنے قصور فہم کا اقراری مجرم بنکر۔ جذبات
کی شاعری کے سمجھنے سے مجبور ہوں۔

داصلان کبریا کے دو گروہ تھے۔ ایک مجذوب ایک
سالک۔ یا سالک مجذوب۔ یا مجذوب سالک۔ جذبات
کون سا صیغہ ہے اسکا وزن کیا ہے۔ اس کا ترجمہ کیا ہے
اسکا معنی کیا ہے۔ جس جگہ لوگ اسے استعمال کر رہے ہیں
وہ کس معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ قاعدہ صرفی سے کیا
قرار پاتا ہے۔ حرکات حرفیہ کیا ہیں۔ ارباب لغت نے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے ایجاد کردہ عطر حنا کو ماہرین فن نے بہترین عطر مانا ہے

ہندوستان کی عہدیان نویس خواتین

(مرقہ جناب کینز فاطمہ علی احمد صاحبہ از گادامٹی)



بیباک مضامین پہ صلواتین ہیں

شدت پردہ کی پرے چلے جاتے ہیں



صاحبہ کا کوئی لفظ اُن ہر دو مضامین میں قابل اعتراض یا چیا سوز نہیں ہے۔ میں نے بھی ”حرم“ کے وہ دونوں نمونے پڑھے ہیں۔ بیشک موجودہ سخت پرے کے خلاف وہ ضرور ہیں اور غالباً ہی امر مولاناؤں کو کھٹکتا ہے۔ اب سے کئی برس پہلے ایک درندہ دی مولانا غلام نے نذر سجا و حیدر صاحبہ کے ایک مضمون پر ”معارف“ میں بہت کچھ تنبیہ کی تھی یہ کوئی نیا عطیہ نہیں ہے۔ اس فرستے سے ہمیشہ آزاد جلال لوگوں کو ایسا ہی افہام ملا کرتا ہے۔ اس وقت بھی مولانا موصوف کو انہی آزاد خیالی پر دہ شکنی کا اظہار بذریعہ افشاہ ناگو اگر گورا ہے۔ اسی کو سب شرمی جاسوزی لکھا ظاہر کیا ہے۔ ورنہ اُنکے افسانوں میں کبھی ایسا ایک لفظ بھی نہیں ہوتا، جو قابل اعتراض ہو۔ بان وہ پرے کے خلاف ہیں۔ اور پرے کو مانع ترقی و تعلیم نہوان خیال کرتی ہیں سو یہ اپنا اپنا خیال کہ ہر ایک مختار ہے مگر ایک عرصہ دراز سے میں اُنکے مضامین دیکھ رہی ہوں، جب میں بھی لوکی تھی اور انہی کی شادی نہیں ہوئی تھی، گو اُس وقت وہ آزادانہ نہیں لکھی تھیں مگر بعد شادی انکو شوہر بھی آزاد خیال ملا جس نے اُن کا وہ پہلا شدید پردہ بھی نہ رکھا۔ اسی پر مجھ کو خیال آیا ہے کہ اچکا یہ شعر کہ ”بٹھکر پردے میں بے پردہ ہوئی جاتی ہیں“

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم مندرجہ بالا عنوان سے آپ کے مقتدر رسالہ ”مرق“ میں چند لکھنے والی مسلمان خواتین پرنٹ کی دو چار میری نظر سے بھی گزری۔ میں اس پر اپنے خیالات مرسل خدمت کرتی ہوں۔ امید ہے جب ایک مضمون آپ نے شائع فرمایا ہے تو اسکو بھی نومبر نمبر ”مرق“ میں جگہ دے کر مشکور کریں گے۔

جناب مولانا مسعود الرحمن خان صاحب تددی کا پیش بہا عطیہ خیالات جو انہوں نے اپنی ہندی پرندہ نشین مسلمان خواتین کو عنایت کیا ہے، ہماری صنف کے لئے بہت کچھ باعث مشکوری ہے اگر کسی کام میں زمانہ مخالفت ذکر کرے تو کام کرنے والوں کی ہمتیں دڑھیں۔ اور مولانا صاحب نے کوئی نہرالی مخالفت بھی نہیں کی صرف آزاد نویس بے شرم خواتین کو ذرا نصیحت فرمائی ہے کہ آئندہ ایسا دکرین۔ یہ ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ اپنا اپنا خیال ظاہر کرے کوئی متعرض نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس وقت جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ غصے میں مولانا غلام نے بعض ایسے الفاظ لکھ دیئے ہیں جو نہ چاہیے تھے اور یہ کہ نذر سجا و حیدر صاحبہ کی طرف سے مولانا مسعود کو غلط فہمی بھی ہوئی ہو۔ ورنہ نذر سجا و حیدر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ ہی

کر سکتا ہے کہ شریف با عزت خاتون ایسا کھلا کھلا اظہار جذبات کرے رہا یہ کہ خالدہ خاتم علاوہ اس ناپسندیدہ نقصان وہ کام نہیں کرمان تو بیسی کے اور قومی کام تو اسے کچھ کر رہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انکو موقع دیا گیا ہے، تعلیم دی گئی ہے۔ آزادی دی گئی ہے۔ اگر ایسی ہی تعلیم اور اسی قدر آزادی ہم ہندی پر دہیشون کو بھی دیا جائے تو ہم بھی یہی کچھ کر دکھائیں۔ ایک جاہل نبی بی دھیر تسلیم نہیں ہو سکتی اور پھر پڑھ نیشن۔ ایک جاہل عورت فوج کی کمان نہیں کر سکتی برقع پہن کر۔

اب باوادیان دین ! پہلے اس قدر آزادی تو جائز کر دیں۔ کہ خالدہ خاتم کی طرح بے پردہ ہو کر دوسرے ممالک میں جا کر تعلیم تو حاصل کر لیں، پھر ان سے انکے کاموں کے متوقع ہوں۔ فی الحال زراستی اردو لکھی ہے اسی میں اپنے اپنے خیالات کے موافق اپنا شناپ لکھ دیتی ہیں۔

اس فرستے نے ہمیشہ بڑا کہا اور کہے گا۔ مگر زمانہ کی رفتار اور ہی چیز ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ پردہ اب دنیائے نابود ہو رہا ہے اور انشاء اللہ ہر گھر میں لگا۔ تب ہی ہمارے دن بہتر بن گئے اور ہم بھی مصری ٹرکی بہنوں کی طرح ترقی کریں گے۔ اسی ہندوستانی پر مے نے تباہ کر دیا، ہمیں انسان سے حیوان بنا دیا۔ اور ایک فرقہ ہے کہ بجائے رہنمائی کے ہمیں اور اندھیرے کو کھینچ مین ڈھکیل رہا ہے، مگر انشاء اللہ رحمت ہماری ہوگی۔ ٹرکی مصری خواتین کو بھی رکاوٹیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ مگر وہ شاہراہ ترقی پر پہنچ کر رہیں۔ یہاں مردوں کی ہمتیں پست ہیں۔ میں اپنی ہی کیوں نہ کہوں۔ میرے وارث اب آزاد ہیں۔ پر مے کے مخالف ہیں مگر بڑا کہنے والوں سے ڈرتے ہیں۔ یہاں تک پست ہمت ہیں کہ مجھ کو تعلیم کے لئے گھر سے باہر نہ بھیج سکے۔ مگر وہ دن دور نہیں

سرسجیاد حیدر کے لئے صحیح نہیں ہے وہ پر مے مین نہیں ہیں کیونکہ پردہ ہیں۔ رہی ”عربان نویسی“ اسکی بابت ایک مین نہیں، سیکڑوں ہزاروں انکے مضامین اور افشائے پڑھنے والے اس امر کی تردید کر سکتے ہیں۔ وہ یورپین طرز معاشرہ اور یورپین تربیت کے نمونے دکھاتی ہیں، جیسے کہ فی زمانہ پانچ فیصدی ترقی یافتہ مسلمان گھر موجود ہیں مگر بے شرعی، چا سوزی کبھی کسی لفظ سے ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ انکے مضامین کی اور دنیائیں مقبولیت افزا سہی، مگر اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ صرف ایک مضمون کے لئے اوڈیٹر لوگ برسوں اپنے اپنے اخباریتے ہیں اور زمانہ رسائل انکا ناقبول نام اپنے جرائد کے سرورق پر لکھنے کے مستحق نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ رسائل کوئی علمی مذہبی پرچہ نہیں ہیں نہ انکی اوڈیٹریاں ہی عالمہ فاضلہ ندوی۔ جس بابہ کے اوڈیٹر انکی قابلیت کی نذر سجاو حیدر ہیں۔ سوندھی صاحب کے خیال میں وہی کب تباہیل شائش ہیں۔ بیچاری اوڈیٹر صاحب ”حرم“ کو بھی لے ڈالا ہے، حالانکہ وہ بہت ہی سمجھدار محتاط نبی ہیں اور باوجود اکثر ہونے کے مٹا جاتا ہے کہ پردہ نشین ہیں۔ مگر چونکہ نذر سجاو حیدر صاحب کا مضمون شائع کر دیا، گناہ گار ہو گئیں۔ بیشک نذر سجاو حیدر صاحب کو انسرٹی مصری و عالمہ ٹرکی لکھنا انکی قدرانی تھی ورنہ وہ اس قابل نہیں۔ وہ کیا ہندوستان بھڑن سوا ایک ہندو خاتون سرسجیاد حیدر کے کوئی بھی خالدہ خاتم کے ہم پلہ نہیں ہے۔ مگر انم خبری جانتے ہیں کہ انہیں وجہ سے ان مولاناؤں کو خالدہ ہی کب پسندیں۔ انکے لئے موعج آزادانہ شائش ہمارے لئے صاحبان لکھیں ٹوکنا پڑھیں۔ ہم نے کسی کسی افشاہ کا ترجمہ مرقع نواب صاحب تھیل اگر وہ کے یہاں دیکھا تھا۔ کون پسند

صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے ایجا کردہ خطرناک استعمال ہر موسم میں خوشگوار

گمراہ رہبر

(از جناب مرزا جعفر علی خان صاحب لی اے آئرلینڈی ڈپٹی کلکٹر)

جناب اصغر کے دیوان ”روح نشاۃ“ کے شائع ہونے ہی سے یہ خیال میں سب سے پہلے اگر کسی رسالہ میں تبصرہ شائع ہوا تو وہ مرقع ہے اور سب سے پہلے میں نے تبصہ کیا وہ جناب مرزا جعفر علی خان صاحب آئرلی اے آئرلینڈی ڈپٹی کلکٹر ہیں۔

جناب اشرف جو لوگ پورے طور سے واقف ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی طبیعت بالکل مرتج و مدبّران واقع ہوئی ہے۔ آپ کو کبھی ذاتیات سے تعلق نہیں رہا۔ آپ میں ہلکسار اخلاق اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اگر آپ کو سراپا ہلکسار اخلاق کہا جائے تو بجا نہیں آپ کو کسی قسم کا دعوئی خیالی و جاہل و امارت، یا اپنی لیاقت و شاعری و نقاد ہی پر کوئی گھنڈ نہیں۔ جن اصحاب نے آپ کے نقادانہ مضامین پڑھے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب اشرف کی وہ ذات ہے کہ جس پر اخلاق و تدبیر ادب و طرز تبصرہ نویسی کو ناز ہو سکتا ہے،

مرقع کا مسکلاف شروع ہی سے ایسا بار بار اور نشاۃ و اندیشہ رہے گا کہ ذاتیات سے اس نے کبھی کوئی تعلق رکھا نہ اس میں اس قسم کی بحثیں شائع ہوئیں جن میں کسی کی ذات پر حملہ جو یا ان سے کسی کو پہنچے۔

روح نشاۃ پر میر مرقع نے اپنے کوئی رائے ایسا ظاہر نہ کی نہ جناب اشرف کے نقد و تبصرہ پر کوئی اظہار خیال کیا۔ جناب اشرف نے روح نشاۃ کے متعلق دو مضمون لکھے ہیں ایک میں جناب اشرف کے کلام کے تمام محاسن اور خوبیاں دکھائی ہیں اور اعلیٰ انجمنی داد دی ہے اور یہ کہنا ہرگز بجا نہ ہو گا کہ اس سے زیادہ پورے دیوان پر مکمل داد و دوسرا شاید ہی کوئی دے سکا ہو۔

دوسرے رخ میں انھوں نے صرف اپنے خیال کی بنیاد پر جس کے وہ بذلت خود ذمہ دار ہیں جو خاساں نظر آئیں۔ ظاہر کہین۔ اور ان میں کو اپنی ذاتی رائے پر جا بجا تبدیل بھی کیا ہے جس میں کچھ تنقید تھی اور کس چیز کو دخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ شخص جناب اصغر کے کلام کی اس تعداد و دے چکا ہو جو اس سے پہلے اوسکی سے شائع نہیں ہوئی تھی۔ یہی ہے اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ نہ جو تبدیلیاں اُس نے کی ہیں اُن کو گھٹنے اصل سمجھ کر تبدیل کیا ہے نہ اُس کو یہ دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر تغیر و تبدل غیر ممکن ہے۔ یہ ترمیم اُس کا صرف خیال ہے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط اور جو خاساں اُس نے دکھائی ہیں ممکن ہے وہ بھی کم و بیش نادرست ہوں۔

”خود جناب اشرف کے قلم سے ”روح نشاۃ پر ایک نظر کے تحت میں اختتام مضمون پر محاسن کلام سے شاعر اور خوبوں سے لذت یاب ہو کر مباحثہ یہ الفاظ نکل جاتے ہیں۔

”بہت کچھ لکھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں لکھا۔ مجھ کو اس مضمون کو ختم کرتا ہوں لیکن اس کے قبل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے حضرت اشرف کے کلام میں لکھنؤ میں بھی نظر آئیں گوانکی وقعت اس سے زیادہ نہیں جیسے شاعرانہ رعبا کے جرم میں بعض کے دُعا پر کوئی بدنام خال ہو میں نے ایسے مشورتوں کی طرف سے منہ پھیر کر دوسروں کے جال بے شاکی لکھنؤ میں سیکھیں۔

اصغر علی محمد علی تاج محمد علی تاجار کو تیار کر وہ اشیاء خالص عمدہ اور کفایت ہوتی ہے

لوگوں کو تنقید کی طرف سے رغبت ہو چکی ہے۔ ذیل میں ڈرائڈن کی ایک عبارت کا ترجمہ حاضر ہے جو غالباً مفید اور دلچسپ ثابت ہو۔

”وہ لوگ تنقید کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ خیال ہے کہ اس کا خاص منصب خوردہ گیری ہے۔ تنقید کا موجد اسطو ہے اُس کا یہ مقصد تھا کہ کلام کی نویان و ہنر نشین کرنے کا ایک مینا قائم ہو جائے جس کا فرض اولین یہ ہو کہ کلام کے محاسن پر چھنے والے کی سمجھ میں آجائیں اور موجب بساط ہوں۔ اگر کسی نظم کی ترتیب قعیل اور انداز بیان اچھا ہے جو ایک حقیقی شاعر کے لئے اسے امتیاز بہن تو نقاد کو چاہئے کہ مصنف کے موافق اسے قائم کرے معمولی الفاظ پر ناک ہوں چڑ بانا خیانت نفس اور نامردی کی دلیل ہے کیونکہ ایسے تسامحات سے درجہ کمال کا کلام بھی پاک نہیں آریس تسلیم کرتا ہے کہ مستعد اور کمال کاٹنے سے بیس ہو رہی بعض وقت اونگھ جاتا ہے اسکی نظم کی ہر سطر خوبوں سے بہرہ زمین ہے تاہم ہاکیس ہونے کے کلام کو کمال کا مستقل نمونہ بتاتا ہے لائگیس جو اسکو کے بعد یونانیوں میں نظم ترین نقاد ہوا اس گرا نپا یہ شاعری کو جس میں نثر نشین ہوں اس خشک یا مستدل شاعری پر ترجیح دیتا ہے جس میں غلطیاں تو نہیں ہیں مگر ترغیب بھی نہیں قسم اول کو اس نے ایک لیسے شخص سے مشابہ کیا ہے جسکی دولت کثیر ہے جسکو اتنی فرصت نہیں کہ چھوٹے چھوٹے مصارف کی نگہ رانی کرے اسکے واسطے جزئیات کی نگہداشت کمرشان ہے اسکی کفایت شعاری کے بہترین نمونے فروعات میں عین مل سکتے بلکہ ان میں اکثر ہراف یا با جاتا ہے مگر وہ اپنی مجموعی دولت کی محفلت میں کوئی تفریق نہیں اضا رکھتا۔ ہر خلاف اسکے وہ شاعری جو جادۂ اعتدال سے آگے قدم نہیں بڑھاتی اسکی مثال ایسے شخص کے ہے جو اپنا اندوختہ نہایت احتیاطاً بلکہ کھل سے صرف کرتا ہے اور اس خوف سے کہ با داسراف کام ملک ہو شاد از زندگی بھی نہیں لبر کرتا یا ایسا شخص صحیح عبارت مندر لکھتا ہے۔ صرف دھڑے جاتی چونکہ متر و کات کا ماہر۔ موعات سے واقف اور بال کی کمال کھینچنے والا ہوتا ہے کوئی اس سے بہتر نہیں جانتا کہ کیسا نہ لکھنا چاہئے وہ کبھی اتنا دور کر نہیں جلتا کہ گر پڑے بلکہ ہنوبک ہنوبک کے قدم رکھتا ہے اور جیسا کہ ایک عجیبہ شخص کے شایان ہے پہلے عصا ٹیکتا ہے پھر پاؤں جاتا ہے۔ غرض کہ وہ اپنے کام میں بہت محنت ہتا اور حیرت انگیز احتیاط برتتا ہے ایسے شخص کی نہ تو کوئی تعریف کرتا ہے نہ مذمت۔ لائگیس کہتا ہے کہ مجھے ہومر میں معمولی غلطیاں مل سکتی ہیں لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ غلطیاں محض انسانی کمزوری کی نشانیاں ہیں۔ ادنیٰ از دیگر اشتیاق میں جو جوش تحریر میں نظر انداز ہو گین مگر اسکی روح کی عظمت باوجود ان تسامحات کے مجھ پر غالب آجاتی ہے اور اگرچہ اور مصنفین کا کلام نسبتاً غلطیوں سے پاک ہے۔ مگر شاعر ہی کو ایسا شخص ایسا کہ ہم پوچھنا چاہتے ہیں یا تیار کر دینے کو ہومر پر ترجیح دے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ متر و جہاں بالا اقوال مبسوط مسلسل نظم کے بارے میں ہیں۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے لہذا اس کے معائب بھی زیادہ نمایاں ہوتے ہیں اور زیادہ کھٹکتے ہیں۔ ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے شاید اکثر کی رائے زیادہ مفید ہوگی۔

”کوئی صناعت میرے کو جلائے کرے اگر اُسے خیال ہو کہ اُس کے سوا جرم پر کسی کی نظر نہ پڑے گی۔ اسی طرح شاعر بے پروا ہو جائیں اگر نقاد خوردہ گیری پر نہ تلتے رہیں“

گولی تمباکو ورق دار طلائی اور نقرئی جو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی تیار کی ہوئی ہیں ایک سنگ کاروانہ شمع

حاصل ہے۔ اور میں اون کی ضیعت اور مزاج سے واقف ہوں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جناب اشتر اور مولانا سے کوئی ملاقات بھی نہیں ہو جاتی رنج ہوتا پھر خواہ خواہ ایسی تحریر لکھنا تعجب نہیں تو کیا ہے۔

میں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے سے جناب اشتر سے مل کر ان کی حقیقت یا ذات کی تو معلوم ہوا کہ جناب صفدر کی یہ کارگزاری تھی اس کے بعد جناب مولانا مدوح نے میرے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں حقیقت حال کو ظاہر کیا ہے۔ اور حضرت عزیز اور جناب اشتر سے معذرت کی ہے۔ یہ تحریر میں نے حضرت عزیز اور جناب اشتر کو دکھا دی ہے اور یہاں تک نہیں بلکہ جناب صفدر کو بھی اسکا مضمون سنا دیا۔ یہ تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس تحریر کے شائع کرنے کی کوئی خاص ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اس تحریر میں جناب مولانا نے جس اشارے کا کام لیا ہے وہ نہیں کا حصہ ہے۔ اس کے بعد اب مولانا کی نسبت کسی قسم کی شکایت کا شائبہ ہی دل میں لانا ناقابل معافی جرم ہے۔

جناب صفدر کے مضمون کے جواب میں جو کچھ جناب اشتر نے تحریر فرمایا ہے۔ میرے خیال میں جناب مولانا اشتر کی اس تحریر کے بعد کسی بھی ضرورت نہ تھی لیکن جناب ڈیٹر صاحب صلاصے عام دہلی اور دیگر حضرات کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری تھا اس لئے اگر میرا نوٹ اور جناب اشتر کا جواب شائع ہو جائے تو مفاد فقہ نہیں۔

جناب صفدر نہایت نیک نہایت سیدھے۔ ایک خاص خیال ایک خاص مزاج کے آدمی ہیں اور اس قدر بھولے جس کا بیان ناممکن ہے۔ ان کی کسی تحریر کا جواب لکھنا بیکار۔ ان سے کسی قسم کی شکایت فضول ہے مضمون انہوں نے لکھا ہے اگر اس کی بنا ناظرین مترق اور بالخصوص جناب ایڈیٹر صاحب صلاصے عام دہلی ملاحظہ فرمائیں گے تو ان کے بھولے پن کا سب کو نشین آجائے گا اور اس کی حقیقت سب پر واضح ہو جائے گی۔

صلاصے عام میں مضمون دیکھنے کے بعد سب سے پہلے میں نے جناب صفدر سے پوچھا کہ میں نے اور مترق نے کیا قصور کیا تھا جو آپ نے عنایت فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میری کوئی غزل مترق میں آجنگ درج نہیں ہوئی اس لئے میں نے مترق اور مدبر مترق کا نام لکھ دیا۔ دوسرے موقع پر جناب اشتر نے میرے بیان جناب صفدر سے پوچھا کہ آخر اس مضمون کے لکھنے سے آپ کی غایت کیا تھی۔ فرمایا کہ میرا لکھا کر فرمایا کہ میں نے اس رنج میں یہ مضمون لکھ دیا کہ آپ نے ایک دفعہ میرے سامنے کئی آدمیوں کو اپنا دیوان اشتر شان دیا اور بن دیا تو بھٹکوں۔

جناب عزیز نے دریافت کیا کہ اور دن کی خطائیں تو معلوم ہو گئیں مجھے بھی تو اپنا قصور معلوم ہو جائے۔ جواب ملا کہ میرا ایک راز آپ نے جناب محشر لکھنوی سے کہہ دیا تھا اس رنج میں بیٹے آجکوبھی نہیں چھوڑا۔ جناب صفدر کے مضمون کی یہ بنا اور یہ حقیقت ہے۔

جس طرح میں نے جناب صفدر کے اصل جواب کے متعلق ایک کوئی اظہار اسے نہیں کیا جناب اشتر کے اس مضمون کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ ناظرین خود فیصلہ کریں۔ اور جناب صفدر مجھے بے غفلت سمجھیں۔ اور جو کچھ میں نے ان کی نسبت لکھا وہ محبت اور خلوص سے لکھا کسی بدینتی یا برائی سے نہیں۔ صرف حقیقت حال کے اظہار کی وجہ سے انہیں لکھا اور مجبوراً لکھا

قوام تمباکو خوشبو دار ورق والا اور بلا ورق والا کارخانہ اصغر علی محمد علی تاج عط لکھنؤ سے منگائے۔

اس پر بھی اگر جناب صفدر کو کوئی صدمہ ہوا ہو تو معاف فرمائیں۔

وصل بلگرای

شرر نے اشارہ کیا ہے کوئی صاحب ایک لفظ ایسا نہ پائیں گے جس میں ذاتیات پر حملہ ہو۔ صرف کلام کا نقد و تبصرہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر یہ شک بھی تھا کہ میرے اعتراضات نیک نیتی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ انکا محرک ذاتی بغض یا جذبہ انتقام ہے تو بھی اخلاق اسکا مقتضی تھا کہ اس خیال کا اظہار نہ کیا جاتا بلکہ میرے اعتراضات کو غلط و بے بنیاد ثابت کرنے کی کوشش کجائی۔ اظہار اسے ہر شخص کو اختیار ہے اور اختلاف طبائع کے ساتھ ساتھ اختلاف آراء ناگزیر ہے۔ البتہ اگر تنقید کی عبارت یا حضرت اصغر کے اور میرے تعلقات ایسے ہوتے جن سے یہ باور کرنے کی وجہ ہوتی کہ تنقید کے پرے میں دل کا بخار نکالا گیا ہے تو میں بیشک قابل نفرت و دہشت ہوتا۔ جو حضرات مجھے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی کی بیجا طر فدا رسی یا مخالفت میرے مشرب میں کفر ہے۔ اگر بدعتی کو دخل ہوتا تو اپنے مضمون میں حضرت اصغر کو اتنا آسان پر نہ چڑھاتا۔ میں نے ان کی جتنی تعریف کی ہے آج تک کسی نے صحیح تعریف اس قدر کی ہوگی تو کیا وہ یا اونکے ہی خواہ یہ امید رکھتے تھے کہ ان کا دیوان آسانی کتابوں کی طرح بے عیب نکلے گا اور اگر کوئی عیب ہوگا تو ایسی عام اور وسیع عقیدتندی اس پر دوامی پردہ ڈال دیگی جیسی حد کے معتقدون میں بھی موجود ہیں ہے۔ تنقید لکھتے وقت میرا ”مطلع نظر محض اشعار تھے اور ان کو ملار دور عایت پر کننا کہ شاعر یا اسکی شخصیت پر حملہ کرنا۔ جو شعر پسند آیا اسکی تعریف

روح نشاط پر میری تنقید مایح اور مٹی کے مرتع میں شائع ہوئی ہم لوگوں نے تنقید کو پتہ اچھا نہ رکھا ہے اور بذاتی کا یہ عالم ہے کہ نقاد چاہے جقدر نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ نکتہ چینی کرے ذاتی عناد و محاسنت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہی حشر میرے مضمون کا ہوا۔ صلا سے عام کے مشق کہ نہر بابت جون و جولائی میں حضرت صفدر مرزا پوری نے اسکا جواب تحریر فرمایا ہے جس کے آخری حصہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

”سچ ہے جو ش انتقام بڑے بڑے عقلا کی آنکھیں نہ کر دیتا ہے مرزا صاحب بیچارے تو مفت میں ہورد الزام ہو رہے ہیں میں خوب کہتا ہوں۔ رع کوئی معشوق ہے اس پر وہ رنگارسی میں

اس کے علاوہ اور دو ایک جگہ حضرت صفدر نے کہا ہے کہ میں نے کچھ لکھا وہ محض حضرت اصغر کی دل آزاری کے واسطے لکھا۔ سب سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب میں مولانا عبدالحکیم صاحب شرر لکھنوی کا نوٹ پڑھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”میں اس مضمون کو اول سے آخر تک دیکھا اور جناب صفدر صاحب کے اس خیال کو بالکل صحیح پایا کہ اصغر صاحب کے کلام پر اصلاح زبان کے مقصد سے نہیں بلکہ محض اعتراض کرنے کے شوق میں لکھتے ہیں کی گئی ہے“

میرے مضمون میں جسکی طرف حضرت صفدر و مولانا

اگر آپ کو عطر خاد کار ہے تو صرف منیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

کی جس میں کوئی عیب نظر آیا اس کے اصلاح کی کوشش کی۔ حضرت صفدر نے مجھے انعام کا تو الزام دیدیا مگر یہ نہیں تحقیق فرمایا کہ مجھے اور حضرت اصغر سے دشمنی کیا ہے۔ صرف دوسرے جناب وصل کے بیان سرسری ملاقات ہوئی انکا کلام سنا جو شعر پسند آیا دل کھول کر داد دی اس کے علاوہ نہ میں اُن سے واقف اور نہ مجھے۔ نہ کوئی واسطہ نہ غرض۔

روح نشاط پر میں نے جو کچھ لکھا بغیر کسی کی مشورہ یا عندیہ کے لکھا اور میرے سوا کوئی اُس تحریر کا فہم دار نہیں۔ یہ بھی صفدر صاحب کا افترا ہے کہ میں نے حضرت صفدر کے مخالفین کی تحریک سے تنقید لکھی۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ اُنکا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے۔ تنقید لکھنے کا نشانہ صرف اُن قدر تھا کہ پڑھنے والوں کو اصغر صاحب کے کلام کا صحیح اندازہ ہو جائے اور اُسی کے ساتھ تنقید نگار ہی کی طرف توجہ ہو۔ اس خیال کی جو عالم طور پر پھیلا ہوا ہے اصلاح ہو کہ شعر میں تشبہ سب کچھ ہے زبان کوئی چیز نہیں۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ ایک لفظ کے اُلٹ پھیر میں شعر کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ اگر نظام لفظی درست نہ تو مافی الضمیر ادا ہوتا نہ صرف غیر ممکن ہی نہیں ہے بلکہ داغ میں اس کا تحلیل ہی محال ہے۔ اسی کے خلاف جو عاںیانہ خیال ہے اُنکی اصلاح کے لیے ادبیات کے حسن و قبح کا اظہار کرنا ہوں۔

مکن ہے کہ حضرت صفدر کی شاعری کے متعلق جو رائے میں نے قائم کی غلط ہو۔ خطا و دسیان انسان کے خمیر ہیں۔ مگر جس شخص نے میری تردید کا بیڑا اٹھایا ہے اُس نے یقیناً غلط راستہ اختیار کیا جس بات کو وہ اپنی قوت سمجھتا ہے وہی اُسکی کمزوری ہے۔ اپنے جواب پر مولانا شعر سے نوٹ لکھواتا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ حضرت صفدر کو اس امر کا جہاں

تھا کہ بغیر کسی سربراہ اور مدد شخص کی حمایت کے اُن کے جواب کی وقعت نہوگی۔ مگر یہ نہ سوچے کہ ایسے مضمون کی کیا قدر ہوگی جو دوسروں کے سہارے کا محتاج ہو۔ مولانا شعر کو اس قسم کا نوٹ لکھنا چاہئے تھا یا نہیں مجھے اس سے بحث نہیں مگر جو نتائج خود اس نوٹ سے اخذ ہوتے ہیں آگے چل کر دکھائیں گے اس کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ میں حضرت صفدر کے مضمون کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو گیا میں اپنا وقت را لگان نہ کرتا اگر حضرت شعر کی تقریظ سے وہ متحیل نہ ہوتا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں نے اصغر صاحب کے چھ اشعار پر اعتراض کئے تھے۔ ان میں سے صفدر صاحب نے صرف دو میں کا جواب دیا ہے باقی اعتراضات کو صحیح مانا ہے۔ اُنکی عبارت یہ ہے۔

”اس سے مجھے یا کسی حق فہم کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مضمون اعتراضات شاعرانہ اصول کی بنا پر مرق مجاہب ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ جتنا شعر نے جا بجا اشعار پر اصلاحیں بھی دیں ہیں جن میں اکثر اصلاحیں خوب سمجھ کر دی ہیں جن کی داد دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ بہت سے مجھے تنقید کے بعض نکتوں سے اختلاف ہے۔“

”میں صرف وہی اشعار جن پر بجا اعتراضات کئے گئے یا جن پر اصلاحیں ناقص دی گئیں دکھاؤ گا“

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان ۱۲ اشعار میں بعض ایسے بھی ہیں جن پر جو اعتراض ہے وہ تسلیم ہے مگر اصلاح پسند نہیں۔ میں نے ایسے اشعار کا بھی انتخاب کیا تو شمار میں سات ہوئے۔ لہذا وہ اشعار جن پر حضرت صفدر کے نزدیک میں نے بجا اعتراضات کئے ہیں

عمر حنا جو اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے انکا نسخہ ہی مختلف ہے

صرف مشورہ گئے۔ اور صحیح طور پر قابل اعتراض اشعار کی تعداد منجملہ ۵۶ کے اثالیس ہوئی۔

تاہم مضمون کے آخری حصہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”جناب نے صحیح اعتراضات تو دو چار ہی کئے ہیں مگر غلط اعتراضات سے مرقع کے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں!“

حضرت صفدر کے مضمون میں دو قسم کی اصلاحیں ہیں۔ ایک حضرت اصغر اور دوسرے اُستاذی حضرت عزیز کے کلام پر یہ اصلاحیں صفدر صاحب کے فہم و فراست کا آئینہ ہیں۔ اصغر صاحب کو اصلاح دے کر انھوں نے اپنے تمام جوابوں کو خود ہی رد کر دیا۔ اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اصغر صاحب کے کلام میں اصلاح کی گنجائش ہے۔ مجھے تو جذبہ انتقام نے اندھا کر دیا تھا مگر صفدر صاحب کو کیا ہو گیا تھا۔ حضرت عزیز کو اصلاح دینے سے اُن پر یہ مثل صادق آئی۔ ”کیسا بی بی کہبا نوچے“، موخر الذکر اصلاحوں کا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ میرے اور حضرت عزیز کے جذبات کو صدمہ پہونچایا جائے۔ جب صفدر صاحب میں خود نشی عرق کی صلاحیت موجود ہے تو انہیں دوسروں کو الزام دل آزاری دینے کا کوئی حق نہیں۔ خود شفیقت دیگر ان را نصیحت!

اب میں کچھ اُن جوابوں کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں جو حضرت صفدر نے میری تنقید کی رد میں تحریر فرمائے ہیں۔

غیر۔ حضرت اصغر کا شعر تھا

اگر خوش رہوین تو تو ہی سب کچھ جو کچھ کہا کرتا احسن ہو گیا محدود میں نے مرقع کے نمبروں میں جناب صفدر کی خوبوں کو کس قدر تفصیل سے اور عیوب کو زرا اجمال کے ساتھ دکھایا تھا کیونکہ میں عام نفسیات کی ان کمزوریوں سے واقف ہوں کہ لوگ زیادہ

تحسین کا اثر کم لیتے ہیں اور قلیل نکتہ چینی کا زیادہ، مگر اب جبکہ صفدر صاحب کو منظور رہی ہے کہ اپنی شہرت کے لئے خواہ اصغر صاحب کے شعر اُستازی میں کتنا ہی خلل کیوں نہ آئے مجھے مجبوراً یہ اعلان کرنا پڑا کہ ادبی قابلیت کی کمی نے اکثر جگہ اصغر صاحب کو اپنا مفہوم ادا کرنے سے معذور رکھا ہے، یہ شعر بھی انہیں اشعار میں سے ہے۔

اگر خوش رہوین تو تو ہی سب کچھ جو کچھ کہا کرتا احسن ہو گیا محدود اس شعر کی ادبی کمزوریوں میں شاعر کا مفہوم بد لکریج کو ذم سے آلودہ کر دیا ہے۔

اگر خوش رہوین تو تو ہی سب کچھ ہے

تیلو یہ بھلتا ہے کہ اگر خوش رہوین تو تو کچھ بھی نہیں ہے، یا کم کم یہ کہ ”تو سب کچھ نہیں ہے بلکہ کچھ ہے کیونکہ شرط و شرط کا خلاصہ معافی دیاں میں بھی یہی ہے۔ اور یہی روزمرہ بولا جاتا ہے۔ الفاظاً مناسب و اسلوب بیان بجا وعدہ ہونے کی وجہ سے اس مصرع کا مطلب یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیرا سب کچھ ہونا میری خاموشی پر مشروط ہے اگر وہ الفاظ کی اہمیت کا علم رکھتے تو سمجھ جاتے کہ یہ مضمون کسی جملہ شرطیہ کے پیکر میں نہیں سلکتا میں اگر اس مضمون کو خود نظم کرتا تو یوں لکھتا

ہوں غرض کہ تیری ذات میں سب کچھ کیوں کچھ بھی تو تیرے صفات پر محدود اصغر صاحب کے پہلے مصرع میں لفظ ”اگر“ نے معنوی فساد پیدا کر دیا اور تو تو ہی نے تو لکھا ہی ڈھوڑی۔ دوسرے مصرع میں ایک در تیسرا تو نشریعت لارہا تھا مگر زبردستی اس کی گردن میں ہاتھ دبا گیا اس کے بجائے کان بیانہ لایا گیا۔

جو کچھ کہا کرتا احسن ہو گیا محدود ایک بچہ بھی سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے کہ اس جگہ کہ بالکل بے محل ہے اصل جگہ تو (صرف جزا) کی ہے یعنی تو کی

تمام ماہران فن نے صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خان کو بہترین عطر مانا ہے

قصاحت دوسرے جو کچھ کہا، اسی سامعہ خراشی اسی طرح موجود ہے۔ اور مدوح کی منقصت جو رہ گئی اوس سے جو کچھ واسطہ ہی نہیں (واضع رہے کہ میں نے ترمیمی مصرع میں کہا جو کچھ ہی لکھا تھا مگر صفدر صاحب نے جو کچھ کہا نقل کیا ہے۔ عذرا سہو! وہی بتا سکتے ہیں)۔

ہر نوح خدا جانے اس اصلاح کا شکر یہ حضرت اصغر کو ادا کرنا چاہئے یا مجھے۔

اصلاح دیکر حضرت صفدر پر غالباً ایک وحدہ کی کیفیت طاری ہوئی اور یہ الفاظ ”خامہ“ لکھیں بھارے ”صفوہ“ قرطاس پر چپکے

”گو آپ ایسے نقادین کے بنائے ہوئے شعر پر حق رکھنا ہے ادبی ہے مگر ارمح کہنے پر مجبور ہوں۔ آپ باؤڈیٹر صاحب مرقع مجھے جو چاہیں کہیں گردہ نگاہیں جو بحر سخن کے عمق تک پہنچ کر موتی نکال لاتی ہیں میری باغ نظر کی داد آنکھوں سے دیگی“

یہ آنکھوں کی قید آپ نے بہت سخت لگادی ورنہ سب سے پہلے میں آپ کی باغ نظر کی کا قصیدہ پڑھتا۔ (آنکھوں سے داد دنیا کیا مسمیٰ، اگر مجاورہ ہے تو سمر آنکھوں سے) ہونا چاہئے، لیکن اسکی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ خود سنائی کو ارمح کا اظہار سمجھتے ہیں۔ اسی مضمون میں آپ کا ایک اور فقرہ بھی صفدر مضحکہ خیز ہے۔

میرے احباب سمجھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں جانتا“

منہ ستر

زاہد نے حاصل بیان میں نہ کیا، بخ بڑی لفظ کو پریشان نہیں کیا میں نے پہلے مصرع میں ”مرا“ کی جگہ ”میں“ بدل دیا تھا حضرت صفدر اصلاح کو غلط قرار دیتے اور آخر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

مگر وہ عدد، تو پہلے مصرع میں آپ کے بین اب تیسرا آتا تو تو تو تو کا ایک طور ہو جاتا، اصل اصلاح کے لئے ضرورت تھی کہ مصرع اولی کا مہلوب بالکل بدل یا جاسے یہ بھی ایک طول اہل تھا اس لئے میں نے اسی پر اکتفا کی تھی کہ جناب اصغر کو اشارہ یہ مطلع کر دوں کہ (بھی) (اکہ) سے بہتر ہے اسی سے وہ اندازہ بقیہ الفاظ کا کر لین گے مگر خدا بھلا کر جناب صفدر کا کہ ادھنوں نے ناسور کے اصل خزانہ کی طرف توجہ دلانے کیلئے پہلے مصرع پر بھی اصلاح دیدی اور شعر کے اس زخم کو جھپٹ دیا مگر ایک عجیب لطیفہ یہ ہے کہ میں نے بھی کی خوبی اس موقع پر یہ ظاہر کر دی تھی کہ اگر ترمیمی میں بھی ایک صنعت ہے جسکو سنورا کہتے ہیں اوس میں (بھی) کے بعد قدرے توقف لازم ہے جس سے حسن کے محدود ہو جائیں گی تصویر کھینچ جاتی ہے ”حضرت صفدر نے یہ پوری عبارت نقل تو کی مگر تنقید کے وقت الفاظ خط کشیدہ سے کوئی مطلب ہی نہیں رکھا اور فرمایا کہ

”کہے جاسے“ کی ترمیم کی مگر خود ہی تامل ہے۔ ارشاد

ہوتا ہے کہ لفظ بھی ایسی جگہ واقع ہوا ہے کہ اس کے بعد

قدرے توقف لازم ہے۔ اصلاح کے معنی تو یہ ہیں کہ جس

شعر پر اصلاح دیجاسے پھر اس میں کوئی بات ایسی باقی نہ

رہے کہ گنجائش کلام رہے۔“

میں نے جس توقف کو خوبی قرار دیا حضرت صفدر اس کے یہ معنی لگاتے ہیں کہ مجھے ترمیم میں تامل ہے۔ اس سمجھ کے قربان! میں نے مصرع اولی پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا مگر صفدر صاحب نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا اور پورے شعر کو یوں مطلع سے مزین فرمایا ہے

اگر خوش ہوں تو آپ کیجئے بہن جو کچھ کہا تو ہو احسن آپ کا مجھ و اصلاح کا فرق اہل بصیرت خود سمجھ لیں گے۔ اول تو آپ کی فکر داخل

”زادہ کثیت زادہ و مفہوم زادہ کبھی بھی حاصل ایمان کو نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر کو ساری دنیا سے کیا غرض وہ حرف زادہ سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ تو نے میرا حاصل ایمان نہیں دیکھا“

میں اقرار کرتا ہوں کہ میری نظر شعر کی اس باریکی پر نہیں پڑی، کیا اب معلوم ہوا کہ اسکا مخاطب زادہ ہے۔ جناب صفدر کو اس ”بالغہ النظری“ داغ نظر ہی پسار کبھا دیتا ہوں۔ مگر ایک بات اور بتا دیجئے شعر میں دو ضمیر ہیں ”مرا“ اور ”تیری“ اس میں زادہ کی طرف کون بھرتی ہے؟

ایک جواب حضرت صفدر کا یہ بھی ہے کہ ”مرا“ کے خلاف ”ابھی“ میں صرف زادہ پر طعن ہے شاعر جو چشم حال سے ایمان کو دیکھ رہا ہے محروم رہا جاتا ہے۔ پھر یہ مشکل کہ ابھی نہیں دیکھا نہ لفظ ابھی معنی اسکا ہے کہ کبھی دیکھ سکے“

میں نے بہت کوشش کی مگر حضرت صفدر کا مطلب سمجھنے سے عاجز رہا۔

”شاعر چشم حال سے ایمان کو دیکھ رہا ہے محروم رہا جاتا ہے۔ کس چیز سے محروم رہا جاتا ہے

ایمان سے؟ یہ صحیح نہیں کیونکہ خود فرماتے ہیں کہ چشم حال سے دیکھ رہا ہے۔

دوسرا لفظ طعن ہے۔ شاعر طعن سے محروم رہا جاتا ہے یہ ایک مہمل جملہ ہو گا کیونکہ طعن کرنے والا خود شاعر ہے۔ ایسی صورت میں زادہ کے سوا اور کسی پر طعن کا موقع ہی نہیں۔ لفظ ابھی سے اس ادھر کا بالفرض مشتبیہ رہتا کہ زادہ کبھی حاصل ایمان دیکھ گا شعر میں نقص نہیں پیدا کرتا۔

وہ اگر حاصل ایمان یعنی معشوق کے رخ پر زلفون کو پریشان نہ دیکھے گا تو نہ سہی۔

لفظ ”مرا“ میں تخصیص ہے خصوصیت صرف قائل کی طرف منسوب ہے۔ ”ابھی“ میں طنز اور تعمیم ہے اور اس کی بلاغت کا لطیف شاعر سمجھ سکتا ہے۔

نمبہ

نمیر سے ذوق طائیفی ہوتا تھا جنس نہ کام شوق کو پر و اسے منزل مقصود میں نے اس شعر کو بالکل بدل دیا تھا اس طرح

نمیر سے شوق کو ہے عرض دعا غرض نمیر سے ذوق کو پر و اسے منزل مقصود جو حاصل اعتراض تھا اسے حضرت صفدر نے پس پشت ڈال دیا یعنی طلب کسی چیز کی ہوتی ہے اگر طلب ہوگی تو مدعا ضرور ہوگا البتہ یہ ممکن ہے کہ عرض مدعا سے غرض نہ ہو۔

دوسرا اعتراض یہ کہ لفظ نہ کا ادغام لفظ کام سے کا نون کو ناگوار ہے حضرت صفدر نے قلق کی شنوی کا ایک شعر نقل فرمایا اور مجھے

سرزنش کی ہے کہ یہی شعر کاش دیکھ لیا ہوتا

نہ جمال سخن نہ تاب نگاہ ضبط دور و جگر نہ نصرت آہ

میرا اعتراض لفظ کام کے ساتھ نہ کے اتصال کا تھا حضرت صفدر لفظ جمال وغیرہ سے سند پیش کرتے ہیں یہ عجیب منطق ہے کہ اگر کوئی لفظ ایک لفظ کے ساتھ ہر معلوم ہو تو دوسرے کے ساتھ بھی کا نون کو گراں گزرے۔ اگر میرا یہ مقصود ہوتا تو حضرت صفدر کے اسی شعر کے پہلے مصرع میں لفظ نہ موجود تھا (نمیر سے شوق لہجہ) اس پر بھی گرفت کرتا۔

نمبہ

اسیران لانے آگے کچھ دیکھنے کی نگاہ چنچ اٹھے ہل گئی دیوار زندان کی میرا اعتراض لفظ چنچ پر تھا اور اسکی جگہ ”کانپ اٹھے“ تجویز کیا تھا۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک بلی اور ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن میں ہی

پسند نہیں فرمایا ہے۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔
"بغرض محال اگر ہونہ دے نکلا آپ کے طبع نازک پر گراں
تھا تو مصرع یوں بھی ترمیم ہو سکتا تھا

یہ دوسرے ہر بن مواب ہونہ دیکائے

اس محاورے کی فصاحت پر آپ صادقین میں تو صرف لہو دینے
کو فصیح سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد صفحہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-
"افسوس اثر صاحب نے دوسرے مصرع پر غور نہیں فرمایا

ورنہ جواب بیجا مشکل ہوتا"

حضرت صفحہ کے الفاظ پر معنی ضرور ہیں اور ماشاء اللہ طبیعت
زور و نبر ہے مجھے امید ہے کہ آئندہ مضمون میں وہ اس علمی
داد لی جو اہر پارہ کو شائقین کے سامنے پیش کریں گے۔

نمبشہ

اسیران ہلاکی متحرک کو آہ کیا کہنے
میں نے دوسرا مصرع یوں بدل دیا تھا تھا
ادھر تڑپے ادھر اونچی ہوئی دیوار زندان کی
حضرت صفحہ فرماتے ہیں کہ:-

"اس طرح یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اسیران ہلاحد تڑپے

ادھر دیوار ہی نہ تھی۔ یہ انکی آواز ہے مصرع سے ہرگز یہ

معنی پیدا نہیں ہوتے"

حضرت صفحہ نے اپنے دست خاص سے مصرع کو یوں بدلا ہے،

تڑپنا تھا کہ اونچی ہو گئی دیوار زندان کی

خوب اور بہت خوب اگر اس اصلاح دراصل میں حضرت صفحہ
کا کیا حشر ہو گا۔ مجھے تو آپ دل آزاری کا الزام دیتے ہیں اور خود
(قصور معاف) کٹ پر ننگ چھڑک رہے ہیں (جس میں بھڑکی
لال مرچیں بھی شامل ہیں) یہ اصلاحی مصرعے یا تو حضرت صفحہ

حضرت صفحہ کا نپ جانا اور ہل جانا کو ہم معنی قرار دیتے ہیں حالانکہ
دونوں کے محل استعمال میں بہن فرق ہے ورنہ دیوار کا نپ اعلیٰ اور
نگہبان ہل انجے کہہ سکتے۔

حضرت صفحہ دیکھنے سے منع کرنے پر اس قدر برا فرختہ ہوئے کہ خواہ مخواہ
حضرت عزیز پر بجاؤ اتارا اور انکا ایک شعر لکھ کر جھٹ اصلاح دیدی۔
شعر یہ ہے کہ

آئے ہل میں دوش سے تری جلو زار میں بجلی چمک ہی چدل بے قرار میں
فرماتے ہیں یوں پڑیئے کہ

ہم آئے ہیں ش سے تری جلو زار میں بجلی تڑپ ہی ہے دل بقیار میں
سبحان اللہ کیا کہنا ازرا شریکے اور گریبان میں منہ ڈالئے۔ مصرع
اولیٰ میں اس وجہ سے کہ مصرع ثانی میں صیغہ حال ہے لفظ آئے کے بعد

"ہیں" ضروری ہے۔ ہم اس روش سے تری جلوہ زار میں آئے ہیں کہ
دل بقیار میں بجلی تڑپ رہی ہے۔ اس کے علاوہ اگر آپ میں غور کا
مادہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آپ نے لفظ ہم سے شعر کی معنویت کا خون
کر دیا نفیس سے جو ایک لطیف اشارہ حضرت موسیٰ کی طرف ہوتا
تھا اسکی جگہ فرعونیت نے لے لی (ہم آئے آج)

نمبشہ

یہ تڑپے ہر بن مواب ہونہ دے نکلا کچھ ایسے زور ہے آج کا دن مگر
میں نے ہونہ دے نکلا، کو غیر فصیح قرار دیکر "ہونہ دیدے" کو ترجیح
دی تھی۔ کیونکہ بن مواب کے لیے ہونہ دے نکلا ایک حد تک صرف بے محل
ہے بجائے اسکے رنگ ل یا موعے تن کے لیے یہ محاورہ انسب تھا میں
اب بھی اپنے قول پر قائم ہوں۔ آپ سند میں جو شعر پیش کرتے ہیں
اُس سے یہ اندازہ مشکل ہے کہ ہونہ دے نکلا روایت و تلافی کی قید سے
مجبوراً نظم ہو یا فی الحقیقت فصیح تصور کیا گیا۔

لطف یہ ہے کہ حضرت صفحہ نے خود ہونہ دے نکلا کو زیادہ

کے مصرعون سے بلند ہیں یا بہت، اگر بلند ہیں تو میرا مطلب حاصل ہو گیا اگر بہت ہیں تو آپ نے فضول علم استاد ہی لیں کیا۔

نمیش

بارگاہیہ کیا رنگی مرثیہ پڑھنا وہ جا پڑنا فقیر کا آپ سے ملنے کا شرف میں نے مرثیہ پڑھنا بہت مرثیہ لکھنا کو ترجیح دی تھی جس میں فوت و بیگنی زیادہ ہے حضرت صفدر کو اصلاح نامعلوم ہے۔ انکی خوشی۔

نمیش

کچھ قیمت ہو گئے بہرہ بردارے ایک لک حسن کو یوں کن دیکھنا تھا عریان کھکر حضرت صفدر فرماتے ہیں کہ میں نے حسن کو محض بازار سی حسن کچھ رکھا ہے حالانکہ میرے الفاظ یہ تھے ”شاعر اپنے نزدیک عرش کے تارے توڑ لایا“ قیمتی سے ایک نہایت رکیک مضمون ”شعر کے الفاظ پیدا ہوتا ہے“ ظاہر ہے کہ میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ شاعر نے عداوت ہی مضمون باندھا ہے بلکہ الفاظ کی ترکیب ایسی واقع ہوئی ہے کہ دم کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ کیا کوئی ماہر فن انکار کرے گا کہ شعر میں یہ عیب نہیں ہے اس سلسلے

میں حضرت صفدر نے ایک عجیب و غریب طریقہ استدلال سے کام لیا ہے کہ آتش و غالب داغ و عزیز کے بعض اشعار پیش کئے ہیں جن میں ان کی کئی تیزال ہے

نمیش

ایک مشت خاک کا کیا ہو بیان اضطراب فی ذہن میں نکلتا ہے اگر جان اضطراب میرا اعتراض یہ تھا کہ پہلا مصرع فصاحت سے گرا ہوا ہے بیان کی اصناف غلط ہے انکی شرحوں ہوگی۔

ایک مشت خاک کا اضطراب کیا بیان ہو

جس میں اصناف کو دخل نہیں میرا مطلب یہ تھا کہ بیان کی اصناف کو دخل نہیں حضرت صفدر یہ سمجھے کہ میں کتنا ہون پور مصرع میں اصناف کو دخل نہیں یہ انکی ذہانت ہے۔ ہندی کی

چندی کرنے کے لیے اول مجھے مصرع کی شرح ہی کرنا چاہیے تھی جو حضرت صفدر نے کی یعنی ایک مشت خاک کے اضطراب کا کیا بیان ہوا اور اس کے بعد یہ لکھنا چاہیے تھا کہ ”ایک مشت خاک کا اضطراب کیا بیان ہو صحیح ہے نہ کہ ”ایک مشت خاک کے اضطراب کا کیا بیان ہو۔ اس قدر حالات و تفصیل کی ضرورت بھی ہو سکتی تھی کہ میں اپنا مخاطب حضرت صفدر کو سمجھتا اور انکی طرہ یہ ہے کہ مصرع صاحب کے مصرع ثانی کو جو کہ مصرع اولیٰ سے بھی زیادہ صاف ہے جناب صفدر بالکل ہی نہیں سمجھے کیونکہ اسکی نشان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ذرا ذرا سے میں ایک جہاں کا اضطراب نہاں ہے

حالانکہ مصرع یہ کہہ رہے ہیں کہ ”ذرا ذرا سے میں ایک جہاں کا اضطراب کا نہاں ہے“ یعنی اضطراب مغرور جس طرح دنیا سے اضطراب کتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت صفدر نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے جو انکی خوش مذاقی پر دل ہے:-

”مشرقی رزیڈنٹ اودہ نے جنمیں اپنی فارسی دانی پر بہت غرہ تھا نواب سعادت علی خان خلد اللہ ملکہ کے دربار میں ایک دن گلستان کے اس مصرع کو شاید کہ پلنگ خفتہ باشد“ کے بجائے ”شاید کہ پلنگ خفتہ باشد“ قرار دے کر یہ معنی یہاں کہ جنگل میں شہ چھپا ہوتا ہے اور چھپ کر کھڑا کر رہا ہے حسن اتفاق سے اٹا اللہ خان بھی موجود تھے۔ نواب نے انکی طرف اشارہ کیا انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ جی ہاں انہیں تو انی میں دوسرے مجھے اور یاد آئے۔

نامزد حق نگفیہ باشد عیب دہشتیہ بغفیہ باشد یہ سن کے رزیڈنٹ دل میں نادم ہو کر خاموش ہو چکا

صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر صاف ہے

اس خاموش تاثیر سے خود اصغر صاحب کا چہنما ہی بہتر تھا۔
مگر کانپٹا میں ہر لکڑی شوق حسن جو ناسبت پیدا ہوتی ہے اس پر اپنے
غور نہیں فرمایا۔ افسوس اصغر صاحب کی زبان پر یہ مصرع
جاری ہو گا۔

بیگنہ دوست نے مال مجھے دشمن بکر
اور اس کے مخاطب آپ ہونگے۔

نمبہ

گر پڑی خود روح قیدِ حُضریٰ میں مگر لذتِ وقن ہر روز اداں دیکھ کر
میں نے ٹوٹ کر گر پڑی پر اعتراض کیا تھا حضرت صفدر کے نزدیک
بندہ گریزِ روح کے لیے درست ہے۔ مجبوری!

نمبہ

بائے دن گر لگے جوشِ اضطراب کے نیندِ نفس میں آئی اب غمِ بال پر کیا
نفس میں زندہ جان کا مکمل قبل از وقت تھا پہلے مصائبِ قید کی طرف
سے مساوات ہونی چاہیے پھر نیند آئیگی۔ لہذا میں نے نیند کی جگہ
چین تجویز کیا تھا حضرت صفدر کو اختلاف ہے اور ایک نازک
گوشہ نکال ہے یعنی بیانِ نیند کے معنی شاعر نازک خیال نے موت
کے لئے ہیں۔ دلیل میں اکثر اساتذہ کے مصرعے نقل فرمائے اچھی
جوئی کا زور اس مسئلہ و قیق کے حل کرنے میں صرف کر دیا ہے نیند کے
معنی موت کے ہو سکتے ہیں محلو بھی ایک خواب سا یاد ہے کہ نیند سے
لوگوں نے موت کا استعارہ کیا ہے مگر یہ یاد تھا کہ خواہ سیاق
و سیاق و ملائت کرے یا نہ کرے شعر زیر بحث میں یہ مفہوم ہرگز نہیں
ہو سکتا یا شاید مجھ میں ”بالغ النظری“ نہیں ہے اور مصنفون شعر
ذہیق ہے کیونکہ قائل شعر خدا (خواسمہ) مر بھی گیا اور افسوس کروا
ہے کہ اسے جوشِ اضطراب کے دن گزر گئے اب تڑپا پڑ گیا
کیسا اس کا بھی غم نہیں رہا کہ رہائی کی سہمی بے حاصل میں بال

حضرت صفدر نے تو یہ لطیفہ صرف پڑا ہے میں نے بھانڈ دیا
اسکی نقل کرتے دیکھا ہے۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ اُن کا تمام مخزن
مع پہلی صاحب کے خفیہ اور انشا اللہ رخاں کے گنیہ و ہنیہ
کے ایک طرف اور آپ کا یہ فقرہ ایک طرف سعادت علی خان
خلد اللہ ملکہ، طرافت کا یہ گرا کر فقرہ حضرت صفدر کو لانا فانی نا دیکھا
مگر قسمت نے تم ظریفی سے کام لیا ہے کہ یہ کہ سعادت علی خان خلد اللہ
ملکہ کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو یہ شعر بھی یاد آئیگا

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و منرش نہفتہ باشد
یہ فقرہ اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ مردہ و زندہ کی
قید اٹھ گئی۔ زندہ باد شاہوں کے نام کے ساتھ نور اللہ مرقدہ یا طالب
شرافہ وغیرہ اور مرے ہوؤں کو جنکی نسل میں بھی سلطنت نہیں رہی تھی
ملکہ کہنا جائز ہو گیا۔

نمبہ

آج خون گشتہ تمنائیں مجھے یاد آئیں ہر طرف ہنگامہ جوشِ ہمارا دن دیکھ کر
میں نے آج کی جگہ لفظ آج ہی رکھ دیا تھا حضرت صفدر پند نہیں
فرماتے نہ سہی۔ مگر میرا خیال تھا اور ہے کہ ترمیم نے شعر کو ایک مرتبہ
نشر نہ دیا۔ اس لفظ سے متناؤں کی دلکشی کا محو ہو نا اور
اُنکے خون ہونے سے جو دل پر گزری۔ ان تمام کیفیات کی تصویر
آکھوں میں بھر جاتی ہے۔

نمبہ

پھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ اونچے چہن جیجے شاعر مرچا جاک گریبان دیکھ کر
میں نے جیجے کا لفظ بدل کر بیان بھی کاںپٹے تجویز کیا تھا حضرت
صفدر نے یہ مصرع تجویز کیا۔

دم بخود میں سب مرا چاک گریبان دیکھ کر
کیا برق حسن کا صرف ہی اثر ہونا چاہیے کہ دم بخود ہو کر لوگ رہ جائیں

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف ”خا“ لکھنؤ کافی ہے

کے سبب سے شعر کی تاثیر کم ہو گئی ترمیم سے نسیم و نسیم کی ترصیع کے علاوہ کیفیت پیدا ہو گیا شوق و اضطراب کا اظہار ہونے لگا۔ مگر یہ بات اسکی سچی بین نہیں آ سکتی جس کے کان مد سے ہوئے اور ذوق شعر نابینا ہو۔

نمبر ۱۶

نالوں سے سینے آگ لگا دی جانیں صیاد جانتا تھا نقطہ اشتیاق پر مجھے
سینے پہلا مصرع یوں بدل دیا تھا نالوں کو مجھے آگ لگا دی جانیں
اسکا مقصود یہ تھا کہ حضرت اصغر نے جس طرح مصرع نظم کیا
اس میں آگ لگانے کا فعل اختیار ہی تھا بقول شخصے جلے پھوسے
پھوڑے گئے تھے۔ میں نے جس طرح مصرع بنایا اس میں آگ لگانے
کا فعل اب اضطرابی ہو گیا ہے قائل کی قوت ارادی کو دخل رہا
ظاہر ہے کہ اس انداز بیان میں کس قدر بلاغت ہے۔

نمبر ۱۷

ماہریم ناز کا پایہ بلند ہے لے جائیگا اُچھال کے درجہ جگر مجھے
مجھے یہ اُچھال کو دہندہ تھی لہذا ایک ذومعنی لفظ اُپہار پایہ بلند
کی رعایت سے رکھ دیا تھا۔ حضرت صفدر نے اسے بھی نامعلوم
فرمایا اور یوں اصلاح دے دی۔ لے جائیگی تڑپ تری رد جگر مجھے
اور وجد کے عالم میں فرمایا کہ:-

”اب اس کے سامنے اُچھال دیا جگر دو نون ایک
گوشے میں آگئے“

اصل یہ ہے کہ تڑپ میں جو ”چلت پھرت“ اور ”دہریک“
ہے وہ اُچھال میں نہیں اور اُچھال میں تو مطلق نہیں۔

نمبر ۱۸

آئینا میں اب کسی صورت نہیں ہے تھیں تھی نظر تافہ میں تھی بوی صیاد کی
میرا اعتراض یہ تھا کہ چین پڑنا سے چین آنا فصیح ہے۔ حضرت صفدر

گس گئے یا شکستہ ہو گئے۔ خوب اس موت کی نیند نے شعر کی مٹی پلید کی
نمبر ۱۹

مرثیہ کے وزن و بحر میں ہرگز ساز نہیں میں نقطہ درد ہوتا جس میں کوئی آواز نہیں
درد میں آواز کا امکان نہ تھا اہل درد کی آواز تو بار بار سنی ہے اس لیے
میں نے دوسرا مصرع یوں بدل دیا تھا۔

میں نے نغمہ ہوں کہ جس میں کوئی آواز نہیں
حضرت صفدر نے اصلاح کا معنی لڑا یا ہے۔ اُنکے نزدیک نغمہ بالذات
آواز ہے پھر اس میں آواز نہ ہونا کیا معنی۔ مجھے ایک مصرع یاد آ گیا عامیہ
ہے مگر اس موقع کے لیے نہایت موزون و ع حالانکہ بے مری ہو کر چھٹی توجہ
اگر نغمہ بالذات آواز ہو تو ہر آواز جو چچ پکار نغمہ ہو سینے نغمہ بالعرض
آواز ہے بالذات نہیں نغمہ کی حقیقت کا صرف اظہار آواز کے ذریعہ
سے ہوتا ہے یہ ایک مشکل فلسفیانہ مسئلہ ہے آپ کے لیے صرف یہ لاشاؤ
کافی ہے کہ غالب کا شعر سمجھ لیجیے۔

بڑھوں نغمہ سے میری لگ سے صیاد لگا انا چھوڑ دینے چور کیسے کیا ہوتا ہے
یعنی غالب نغمہ سے معمور تھا حالانکہ چھوڑ دینا تھا آواز نہ تھی اور نغمہ تھا
بعض وقت افسوس کرنا پڑتا ہے کہ شعر کے یہ صرف شعر کہہ دینا یا کچھ
لکھ دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ چند در چند علوم کی ضرورت ہوتی ہے اب میری
اصلاح کا مقصود دیکھیے۔ میری زندگی کو عشق نے سوز سے ہمیر کر دیا ہے لیکن
پھر بھی اپنے مرکز سے جدا ہو گیا نہ ہوں (ساز نہیں) لہذا میری زندگی
ایک نغمہ شہر میں ہے مگر خاموش۔ مکمل اسوقت ہوگی جب سوز کے
ساتھ ساز بھی پیدا ہو جائے گا اور منصور کا ہم آہنگ ہو جائیگا۔

نمبر ۱۹

سورج نسیم صبح کے قربان جائیے آئی ہے بوسے زلف معبر لے ہوئے
میں نے دوسرا مصرع لفظ ”ہے“ لکھنے کو اس طرح بدل دیا تھا۔ ع
آئی نسیم زلف معبر لے ہوئے۔ خاص اعتراض یہ تھا کہ لفظ ہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا انتظام ایٹکس میجر کی زیر نگرانی ہے جو ۴ سال سے کام کر رہا ہے

کے نزدیک کوئی امتیاز نہیں، اور شتوی طسم الفت کا ایک شعر نقل فرمایا ہے۔

چین پڑا نہیں کسی موت ہر گھڑی ہے ترقی چشت

شتوی اور غزل کی زبان ایک نہیں ہو سکتی، شتوی میں روزمرہ اور بول چال کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے اور غزل میں منانیت و سنجیدگی کا جن محاوروں میں لفظ پڑتا اور آنا دونوں سے مطلب نکلتا ہے ہمیشہ لفظ آنا کے ساتھ افصح ہو گا۔ مثلاً

آرام پڑنا سے آرام آنا۔ چین پڑنا سے چین آنا۔ نیند پڑنا سے نیند کا وغیرہ وغیرہ۔ یہ واضح رہے کہ چین پڑنا کو میں نے غلط نہیں کہا تھا بلکہ فصاحت کے اعتبار سے چین آنا کو ترجیح دی تھی اور اس سے شاید ہی کوئی اہل زبان انکار کرے۔

اسی سلسلے میں حضرت صفدر کو بھرپیش آیا ہے اور پھر دل کی بھڑاس حضرت عزیز پر نکالی ہے۔ اس مرتبہ ایک کے بجائے دو شعروں کو لے ڈالا، پہلا شہید ہے

تا چن ضبط آہ کہ رکنے لگا ہے جی یا آج آسان نہیں یا ہمیں نہیں اس بچارے شعر کی خطابیہ تجویز کی گئی کہ اس میں رکنے لگا ہے جی کا ٹکڑا کسی قدر غیر فصیح ہے اگر بجائے اس کے گھٹنے لگا ہے دم بنا دیا جلتے تو شعورین جان پڑ جائے۔ خیال تو عجوبہ سے ہی تھا کہ آپ فصیح و غیر فصیح کے سمجھنے سے دور رہنا چاہتے ہیں گرا بقیہ ہو گیا کیونکہ فصیح کا قضیہ ہمیشہ ہم معنی الفاظ میں پیش آتا ہے اور جی لکنا دم گھٹنے سے مناسبت بالکل غلط ہے اگر ان دونوں میں کوئی نسبت ہے تو وہ عموم خصوص کی ہے، کیونکہ جی رکنے کا ایک وسیع المعنی لفظ ہے اور دم گھٹنا محض تنفس کے لئے کرآمد ہے جی رکنے میں دم گھٹنے کی تکلیف موجود ہے اور اس کے خلاف جو لطافت جی رکنے میں ہیں وہ دم گھٹنے میں نہ انجان جس شخص کو جی رکنے لگا اور دم گھٹنے لگا میں فرق نہ

معلوم ہوا اور اُنکے محل صرف سے واقف نہ خود انکی شان ہے کہ وہ حضرت عزیز کو اصلاح دینے کی جسارت کرے۔ یہ معاذرہ جس خوبی سے انھوں نے صرف کیا ہے اگر کوئی قدر دان ہوتا تو موتوں سے منہ پھرتیا۔ سنئے جناب صفدر صاحب مرزا پوری۔ دم گھٹنے میں صرف عشق نفس کا مفہوم ہے۔ جی رکنے لگنے میں نہ صرف دم گھٹنا ہے بلکہ روح بھی تحلیل ہوتی ہے۔

جی رکنے لگا۔ یہ ٹکڑا آسان نہیں یا ہمیں نہیں دونوں پر حاوی ہے بخلات دم گھٹنے کے جس کا اطلاق صرف ہمیں نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر مجھے امید نہیں کہ آپ یہ نازک فرق سمجھیں دوسرا شکار ہے

اب بے نصیب قابل گفتا بھی نہیں وہ وقت ہے کہ پرشش ہیا ہمیں حضرت صفدر مرزا پوری نے لفظ آب کے بدلے میں تجویز کیا ہے اور بغلیں بجائی ہیں گویا دراصل شہ دار۔ مگر بوکھلاہٹ میں یہ خیال نہیں رہا کہ میں بے نصیب قابل گفتار بھی نہیں اور میں ہی یہ کہہ رہا ہوں نہ یہ غور فرمایا کہ اس میں کے سبب سے دونوں مصرعوں میں ربط منقطع ہو گیا اور مزہ رہا نہ اثر ملے گا خوبی جیسی قائم رہ سکتی ہے جب اس کا قائل ملا وہ مریض کے کوئی ایسا شخص بھی ہو سکے جو بیمار عاشق کی حالت دیکھ چکا ہے اور ایک دوسرے شخص (معشوق) سے بیان کر رہا ہے۔

اب نصیب قابل گفتار بھی نہیں وہ وقت ہے کہ پرشش ہیا ہمیں مطلع کی اور معنوی بیان سے بیان کرنا فصیح اوقات و جامع طوالت، آپ اسی قدر سمجھ جائیے تو نینت ہے۔

نمبر ۱۹

اس زیادہ اور کیا شتوی فقرے انہوں برق سہا ک چمک گئی آج سر نہا نکون حضرت صفدر کا قول جو میر اتول بھی سمجھتا چاہئے یہ ہے:-

زردہ تمباکو جی کا نہایت خوشبودار ورق ڈالا اور بلا ورق ڈالا اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ سے طلب و مانجے

استعد بیکارگی کی جبل دے خاص ثقافت کی زبان ہے چل دے
اور چلے گئے کے معنی میں فرق ہے جبل دے ایسے موقع پر مستعمل ہے
کو کوئی آنکھ بچا کر بھلت دنا گمان نکل جائے اور شیخون سے
جلوہ دکھا کر توڑا ہٹ جانا۔ اس موقع پر یہی فقرہ مناسب
دعوزدن ہے اور چلے گئے بنیدگی کے ساتھ جانا لکھنے والے
کے علم میں وغیرہ کے لئے مستعمل ہے۔“

چل دے اور چلے گئے میں جو فرق بیان کیا گیا صحیح ہے اور اسی کی بنا پر
میں نے چلے گئے کو ترجیح دی تھی۔ معشوق نے شوخی سے جلوہ دکھایا
جس کا اثر یہ ہوا کہ عاشق کے خرم عقل و ہوش پر ایک بھلی لڑکی
مد ہوشی کا عالم طاری ہوا۔ ایسی حالت میں معشوق کو آنکھ بچا کر یا
”بھلت دنا گمان“ یا اچانک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ شوخی کا رابطہ
جلوہ سے ہے نہ کہ جانے سے۔ ”شوخیوں سے جلوہ دکھانا“، یہہ اردو
حضرت صفدر اور ان کے اسکول کو مبارک رہے۔

ایک اور لطیف معنوں جو ”چلے گئے“ سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ
اگر چل دے کہا جائے تو یہ مطلب ہو گا کہ معشوق ابھی ابھی گیا ہے اور
اسکی تلاش ممکن ہے۔ دوسرا صریح اسکا معنی ہے۔ عاشق کو اپنا بلی غرض
نہیں رہا تو وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ معشوق کو گئے ہوئے دیر ہوئی یا
نہیں۔ اس کے علاوہ جیسا حضرت صفدر نے خود تسلیم کیا ہے چلے گئے
میں متانت و بنیدگی ہے۔ شوخی و متانت کے اجتماع نے صنعت تفسا
پیدا کی جس نے شعر کی معنویت اور بلاغت کو بڑھا دیا۔

سخن مناسب نہ دے اور خطا اپنا بناست

میں دوبارہ اعلان کرتا ہوں کہ چل دے ایک علمیانہ جملہ ہے جو
یوں چال میں مستعمل ہے مگر سفیدہ ادب میں اس سے احتیاط فرمے۔
حضرت صفدر کا یہ فرمانا درست ہے کہ اب ہم لوگ کتنے کو اہل
زبان رہ گئے۔ فاضل اہل زبان وہ اور ان کے ہم جنس ہیں۔ کن جنس ہے

سطحی طور پر شعر کو سمجھ لینا اور اس پر اصلاح دینا تو آسان ہے مگر
ہر شعر کے ہر پہلو پر غائر نظر دلانے کا سمجھنا مشکل ہے۔ عقل و شعر کوئی
سے شعر قہمی کو بہت مشکل قرار دے ہوئے ہیں۔ ”زمین آپ کے ایک ایک
لفظ پر صاف کرتا ہوں۔ (اشر)۔

”اس شعر میں نہایت نازک جملہ ہے شہج بھرتی کا لفظ چمک کے
ساتھ اک ہی کی سخت ضرورت تھی۔ بیان کو نہ آنے اور چمکنے
میں ایک بہت نازک فرق ہے۔ سر نیاز پر ہوتا تو کو نہ آکر
سکتے تھے مگر بیان سر نیاز میں ہے چونکہ درمیان چمک ہوتی
ہے جس کا تعلق بیان سر سے ہے ایسی مناسبت سے شاعر نے
بیان چمک کا لفظ رکھا در نہ کو نہ ناسانے کی بات تھی جسے
لکھنے والے نے دیدہ و دانستہ ترک کیا۔ اب ترا را باب نظر
غور سے دیکھیں کہ میں کیا کیا رہا ہوں اور جناب نواب
صاحب کیا فرما رہے ہیں؟“ ختم ہوئی حضرت صفدر کی عبارت

یہ شعر تاجیر عرض کرتا ہے کہ حضرت آپ نے شعر کی مٹی پلید کر دی۔
سرزمین درد اور چمک کا عنصر داخل کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب معشوق
کے نقش قدم پر سجدہ کرنے سے عاشق کے سر نیاز میں نورانیت کی
ایک لہر دوڑنے کے بجائے کسی راہگیر کی گورا شاہی ٹھوکر ہوئی جس نے
بھیجا ہوا دیا بعد دن کو تار سے دکھائی دینے لگے۔ اور تو لفظ ہر در دوسر
کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

نہایت

وہ شوخیوں سے جلوہ دکھا کر تو چلے گئے
انکی خبر کو جانوں کہ اپنی خبر کو میں
میں نے چل دے کو غیر فصیح قرار دیا تھا اور شیخون (جمع) کی جگہ شوخی
(واحد) تجویز کیا تھا۔ حضرت صفدر فرماتے ہیں کہ۔

”کیا قیامت ہے چل دے کو غیر فصیح کہا جاتا ہے۔ افسوس تو
یہ ہوتا ہے کہ آپ کو تو اہل زبان ہیں اور اپنی زبان سے

دوسرے مصرع میں لفظ ”تو“ کا ہونا لازمی ہے شرط کے ساتھ جزا ہوتا ضروری ہے اور مرزا صاحب کو لفظ ”تو“ ہی پر اعتراض ہے مصرع ایسا لگا گیا کہ جو اسقدر غلط ہے کہ اگر ایسی غلطی کسی نوآموز سے بھی ہوئی تو وہ بھی قابل باز پرس تھا نہ کہ مرزا صاحب ایسے ماہر فن اور خوشگو شاعر سے۔ دیکھئے ایک نڈاسی ترجمہ میں مصرع کے سارے عیوب مٹ جاتے ہیں سخن رنگین یہ وہ آئے تو حیا ہو جائے۔ یہ دعویٰ کہ شرط کے بعد حرف جزا یعنی تو کا ہونا لازمی ہے اس کھجور حضرت مہر کا یہ مصرع دیکھئے جو کچھ کہ کر تر حسن ہو گیا محدود حضرت صفدر بلاغت کے اس نکتہ سے شاید واقف نہیں کہ شرط کے بعد صرف جزا کو انکار حجت کر دیتے ہیں کبھی حرف جزا کا اعلان کرتے ہیں اور شرط کو محذوف رکھتے ہیں مثال میں یہ اشعار لیجئے۔

ترے وعدہ پر ہے ہوتا بھڑکنا کر غوغی سے مرنے جانے اگر اعتبار ہوتا
ہم جو ترے وعدہ پر جئے تو آج (غائب)
رگ سنگے ٹپکتا نہ ہو کہ پھر نہ رہتا جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا (تو) رگ سنگ سے آج
تخ کھینچے جو یار آتا ہے اور بھی ٹھکوا آج (امرا)
میں تو قابل باز پرس ہوں غالب و آسمی کی نہت کیا ارشاد ہوتا ہے؟

اب عرف و نحو کے قلمرو سے نکل کر مملکت معانی و بیان کی سیڑھیچھے تو آپ کو معلوم ہو کہ میں نے جس طرح مصرع نظم کیا ہے اسکا اسلوب ایسا ہے کہ قطرہ شبنم حیا میں منتقل ہو گیا۔ فوالمراو۔ یہاں تک کہ وہ جو تو نہیں ہے۔ مگر یہ نکات شاید آپ کی سمجھ سے باہر ہیں۔

نمبر ۲۲

فریب دامنہ رنگ و بو معاذ اللہ یہاں تمام ہے اور ایک مشت پر کے لے

کو فصیح کہیں کل ”چلتے ہوئے“ کو پرسوں ”چپت ہوئے“ کہیں گے اور فصاحت منہ چوٹنگی۔

نمبر ۲۱

جاننہ شایقہ چٹ تری یاد کی دین نفس را بسین کو بھی فوڑال کر دین حضرت صفدر نے پہلے مصرع کو یوں نقل کیا ہے
جاننہ بیتاب یہ وہ چٹ تری یاد کر دین

اور فرماتے ہیں ”چٹ دنیا“ اس کا دو بھی شعر میں نہیں ہے صرف چٹ سے چٹ دنیا مراد ہے تو اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ میں نے روح نشاط کو دوبارہ دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیا شعرا کی طرح درج ہے جس طرح میں نے نقل کیا۔ حضرت صفدر آنکھوں میں خاک جھونکتے ہیں یا شاید اس صندب پیرا میں صفر صاحب کو اصلاح دیجی۔

نمبر ۲۲

نہیں معلوم کتنے جواناے سن چنان ہیں کوئی پوچھا نہیں گزشتہ میں ایش حکم کی ٹین نے گزشتہ میں ”کے بجائے“ ”گزشتہ میں“ کو ”تجزیہ کیا تھا حضرت صفدر فرماتے ہیں کہ گوئے تک زیادہ فصیح ہے۔

کو کے یہ معنی ہوئے کہ اشک پیہم کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں ہوا یا اور اک سے قاصر رہا۔ تک میں معرفت حقیقت کا پہلا نہیں ہے بلکہ معرفت مشاہدہ و تجربہ ہے شعر کے الفاظ پہلے مطلب کی طرف ہٹائی کرتے ہیں اسی سے میں نے ”تو“ ”تجزیہ کیا بد تک“ بھی زمین میں تھا۔

نمبر ۲۳

لانا دگس جو ہے قطرہ شبنم کی بہار رخ رنگین پہ جو آئے تہیا ہو جائے میں نے ”پہرہ“ کی تکیہ پر اعتراض کیا تھا اور ”مرا“ مصرع یوں بدل دیا تھا سخن رنگین پر اگر آئے حیا ہو جائے۔ حضرت صفدر فرماتے ہیں کہ اصلاح شدہ مصرع بہ تکلف پڑا جاتا ہے۔ یہ انکا خیال ہی خیال ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب پہلے مصرع میں لفظ ”جو“ موجود ہے تو

عکس تحریر جناب شیخ اعلیٰ ڈاکٹر مولوی سید علی بگرامی مرحوم

(درسلہ جناب مولوی سید علی ہمدانی صاحب بگرامی)

معروضہ خانی بھٹو علی جناب سر قاری الابرار بہادر مرحوم دادا صاحب خیلہ لکھن

— — — — —



معروضہ خانی

برسانہ

بہادر خانی

سگور پر روشن ہر کہ جناب شیخ محمد صاحب خلف صدق علی جناب احمد شیخ بن الہدین
مازندانی علی اللہ شفا سے تعویذ دوسرے بیان شریف کہتے ہیں اور
جس قدر ان کا شرف بحیثیت مجتہد اہل شیخ اور نیز بحیثیت ایک عالم
تبصرہ ہر اس سے سگور بنوں واقف ہیں سائنہ دستان و عراق اور
بیت براعہ ایران کا اس وقت اس خانہ کو نہ بند نہ کر رہا ہے
اور جو کچھ عزت و شان ان کی ہر روز اظہر بن الشمس ہے۔

اتفاق وقت جناب شیخ نے دینا قیام میں کچھ اس قسم کردار تہ پیش
رہے جن کی وجہ ان کی تویب کا قہ نہیں کی جاسکتی اور اس ریاست
سے جس قسم کی ذراعات ہمیشہ علما اور مجتہدین اور محدثین اشخاص کے ساتھ
عاجزا ہوا کرتی ہیں اس کا ایک شے بھی جناب شیخ نے ساتھ نہ ہوگا

۱۲۱۶
۱۲۱۶

لیکن سرت ایک نوع اس قسم کا آگیا ہر کہ ان فردزائون کی گوشت
مذہب ہو جاوے اور خفا بیشع اس وقت ابدت سے کسی قدر نشفع ہو لکینی
اور اس بابت سے تمام عراق و ایران میں چارسی ریاست کا نام روشن ہو جاوے

یعنی جو طیفہ کہ مروج ہو لہذا بعد الحس کے نام پر چارسی تھا کہ سرت خالی ہو گیا

اور چون کہ سگار ہر طرح پر فدیہ دے بلادت اور مباحین لطف فدیہ دی

و فرات کرتا ہے کہ سگار خفا بیشع پر اس طیفہ دے جا رہی ہو

نہر کو یک زائیں - فدیہ دی کو یقین کہ سگار کی خفاشس گاگر ہوگی

اور ہم شعیان جید را بار اور نیز بعد شعیان منہ دستان و عراق سگار دے

اس صحن سے کبھی بکدوش نہ ہونگے اور سگار کو ایک اجر عظیم ملے گا۔

اس خاص نوع پر جب کہ فرقہ آٹا عشری کی بعض وجوہات

نہایت دشمنی ہوئی ہر اس قسم دے طیفہ گا جا رہی نہایت فرین معلوم

ہے اور اس سے خاص دعاء پڑھا ہر مہر کا کہ مسجہ جعفری دے مقدہ کچھ ہی

نفع دے مہر سگار مال کو کوس تعجب نہ ہی نہیں ہے - فدیہ دی اس کے

یہ کہ بعض اس کے کہ ذیل صفحہ روشن ہو جائے

دل ہی دل میں اس فقرہ کی تکرار کی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی جو بظاہر کلائی فورٹ سے منسوب ہے، کس طرح ایسی سبکدوش کی باتیں کر رہی ہے۔ اسے کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا کہ یہ کلائی فورٹ سے منسوب نہیں ہے ماری نے اسے منہ سے کیلی کا نام سننے ہی وہ بخوبی سمجھی کہ اس کا خواب محبت ختم ہو گیا!

آہ! میں احمقوں کی جنت میں بسر کر رہی تھی! اسے سوچا۔
وہ مجھ پر اسلئے ہر بان تھا کہ میں نے اس کے مجروح ہو جانے پر اس کی خدمت کی تھی۔ اور اس نے بھی کہ اس پر بلا طریقہ پڑا ہے اور پھر بھی نہ بیان کرنے پر میں نے کوئی باز پرس و ملامت نہیں کی۔ اس کے رخسار، اس کے پیار کو یاد کر کے جلنے لگی۔ وہ پیار جس کا مقصد کیلی تھی! یہ ایک آئینہ خیال تھا۔ ایک ہولناک طعنہ زن، امید سوز خیال!!! وہ اندر ہی اندر خاکستر ہوئی جا رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا تھا کہ اس شرمناک، دزدیدہ، غلط بوسہ کی ملات سوزان چہرہ پر مری ہے۔

جیسے سب دیکھ سکتے ہیں!!

ماری۔ کیلی، کیا ماجرا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ تم دنیا میں سرور ترین لڑکی ہو تمہاری شادی بھی تو ہونے والی ہے۔

کیلی۔ سچی کہہ دو، کیونکہ اب میں نہیں کرونگی۔ میں اس سے اپنا چہچہا ہوا کیلی ماری۔ یعنی تم اس سے الگ کر دو گی۔

کیلی۔ یہ اسی کی غلطی ہے۔ میں نے کچھ واقعات اس کے متعلق دریافت کیے ہیں۔

لوسی (کا ہنسی ہوئی آواز میں) تو پھر کیا اس کی ہستی راز تھی؟

کیلی۔ (ہنس کر) ہرگز نہیں، کیا کسی مرد کی ہستی بھی راز ہو سکتی ہے۔

بلکہ وہ جاسوس ہے۔ درندہ ہے اور ہر وہ چیز جو بڑی ہو سکتی ہے۔

لوسی۔ لیکن تم بالیقین کیسے کہہ سکتی ہو۔

لوسی۔ شکریہ! میں ضرور آؤنگی خواہ وہ کچھ ہی کہیں۔

ماری۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں تمہاری بھوپھی کی نظروں میں بہت آزاد طبع ہوں۔ خیر۔ کچھ پرواہ نہیں۔ تم میں اپنی بھوپھی اور ان کے رافندہ رہمان کے چنگل سے نکلنے کی قدرت حاصل ہے۔ ورنہ میں تمہیں مطلع کیے دیتی ہوں کہ تمہاری اس شخص سے زبردستی شادی کر دی جائیگی اور پھر تم کبھی نہ جان سکو گی کہ زندگی کیا ہے؟
لوسی۔ میں اس سے کبھی شادی نہیں کرونگی۔

سپر کولوسی، کسی نہ کسی طرح مس ہوسن کی نظریہ کرانی کے مکان پر پہنچ گئی، جہاں اس نے ماری کو مع سامان دیکھ بھینچا پیا۔
ماری۔ آؤ بیٹھو۔ میری سیٹلی بھی آنے والی ہی ہوگی۔ اب تو وہ ایک مشہور سینما کی حسین ایکٹرس ہے۔ اس کا ارادہ شادی کر کے سیاسی کا ہے۔ لودہ آہی گئی۔ یہی کیلی ہے۔

کیلی! لوسی نے سانس روک لیا۔ وہ ایک پرشوق تھکڑا سوال کرنے کے لئے مڑی۔ لیکن ماری اپنی سیٹلی کا خیر مقدم کرنے کیلئے دروازہ تک پہنچ چکی تھی۔

دوسرے لمحہ میں کیلی کمرہ کے اندر تھی۔ خوفناک اشتباہات کے ساتھ لوسی نے گردن اٹھائی اور ایک چہرہ پر سے جسم کی پرقا لڑکی کو بے انتہا نفیس لباس میں دیکھا۔

وہ اپنے بدن کی ساخت اور صیاحت کے اعتبار سے لوسی میں ملتی تھی۔ لیکن لوسی کا حسن اس کے دل کی صداقت و معصومیت کو شکس کرتا تھا۔ کیلی کے وجود پر نقاب پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہ کسی سے آنکھ نہیں ملا سکتی تھی۔

کیلی۔ (دستاں اٹارتے ہوئے۔ غصے سے) تمام دنیا دیر و زبر ہو چکا ہے

میں زندگی سے اس قدر اکتا چکی ہوں کہ میرا ارادہ روپوش ہو جائیگا

روپوش ہو جانے کا!! لوسی نے بے انتہا تعجب کے ساتھ

کارخانہ منظر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے (وایسا دقرص تبا کو سے خوردنی کی قیمت فی شیشی صرف ۸ روپے علاوہ محصول ہے

لوسی - کلائی فورڈ کی جنبہ داری میں دو غصہ سے کانپ رہی تھی۔ اسکے متعلق یہ الزام صحیح نہیں معلوم ہوتے تھے۔ لیکن مس سوسن نے بھی تقریباً یہی اتهامات اسپر لگائے تھے۔

کیملی مجھے جب تک کسی بات کا یقین کامل نہ ہو جائے، میں زبان پر نہیں لاتی۔ میں اسکو مسترد کرنا چاہتی ہوں۔ اب تم دو دن بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں لکھ کر بھیج دوں یا بالمشافہ نرمی کے ساتھ کہوں۔ نسبت کا توڑنا بہت نازک معاملہ ہے۔

لوسی - بہت مشکل ہے۔

کیملی - لیکن یقیناً تم یہ تو نہیں چاہتی ہو گی کہ میں ایک فرد یا ادب باش سے وابستہ ہو جاؤں۔ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ مگر مجھے اپنی ابرو کا خیال کرنا چاہیے۔

لوسی - تمہارا ادب باش سے کیا مدعا ہے۔

اسکے لیے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل تھا کہ کلائی فورڈ کی شخصیت وہ ہو سکتی ہے جو بعد از شرافت و عزت ہو۔

کیملی - ایک شخص جو محض کمی نہ بتائے کہ اسکی معاش کیا ہے ایک شخص جسکے پاس ایک وقت میں تو انبار بند ہو اور دوسرے وقت میں ایک دانگ بھی نہیں۔

لوسی - لیکن دولت ہی سب کچھ نہیں ہے۔!

کیملی - نہیں ہے!! میں سمجھتی ہوں وہ بڑی حد تک ہے۔

مارنی - تمہارے پاس تو بہت دولت ہے۔ تم سیکڑوں طرف لباس پر صرف کر دیتی ہو۔

کیملی - کیا تمہیں میرا لباس پسند ہے؟ یہ بہت گران قیمت ہے لیکن اگر میں اپنی حسب خواہش ہرچیز خرید سکوں تو زندہ نہیں رہ سکتی اسی وجہ سے تو میں نسبت توڑ رہی ہوں۔

لوسی - مگر میں اسے ظالمانہ وجہ سمجھتی ہوں۔

لوسی کا لقب کلائی فورڈ کے لئے دکھ رہا تھا اور کیملی کا دنیا پرستانہ نقطہ نظر اسکے لئے کرب آفرین تھا۔

لیکن اسکایہ جذبہ ہمدردی مختصر التیام تھا۔ دوسرے لمحہ کلائی فورڈ کی فریب کاری پر غضبناک ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً اس سے نفرت کرنے لگی کہ باوجود کیملی سے منسوب ہونیکے لئے اس نے اس سے اظہار محبت کیا۔ اور سب سے زیادہ۔

لوسی اپنے پر غصہ ہو رہی تھی کہ اسکے عشق میں اس شدت کے ساتھ مبتلا ہو گئی۔

کیملی - میں آج رات کو اس سے صاف صاف کھدو لگی کہ میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی اور پھر کسی دوسرے شہر میں کسی رئیس سے شادی کر لوں گی۔

لوسی - میں ملازمت کرنا چاہتی ہوں مارنی کتنی تھی کہ تم کبھی خیرین کام کیا کرتی تھیں۔

کیملی - ہاں لیکن یہ اس وقت کا ذکر ہے جب میں بہت کسین تھی اور نئی نئی تجارتی کالج سے نکلی تھی۔

لوسی - اور میں نے کچھ بھی نہ سیکھا ہے مجھے حیرت ہے کہ میں کیا کروں گی کیملی - کسی بیرونی شہزادے سے منسوب ہو جاؤ۔

اور صرف یہ اسے تھی جو کیملی اسے دے سکتی تھی۔

لوسی گھرا گئی۔ اسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آیا اس بات پر وہ خوش ہو یا رنجیدہ کہ کلائی فورڈ کو اسکی محبوبہ مسترد کر دینے والی ہے ایک خیال پر تو وہ حد درجہ شاد کام ہوتی تھی کہ پھر کلائی فورڈ آزاد ہو جائیگا اور لوسی کے ساتھ محبت ظاہر کرنے میں فریب کی آلائش نہ ہوگی۔ لیکن فوراً ہی وہ اپنے دل میں کہتی کہ اب وہ کبھی اسکی پر محبت باتوں پر کان نہ دھرسکی اور اگر کبھی اس سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اس سے کیملی کہ وہ کیا دمحبت ہے۔ جسے جاسوس فرد مایہ و

درندہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

اس رات جب وہ سوئے کے لیے بستر پر لیٹی تو اسکی لابی ریشمی پلکین، آئینوں سے مناک تھیں۔

لیکن خواب میں کلائی فوٹو بچہ ویسا ہی نیک صادق حسین اور برت کی طرح صبیح تھا۔
(۷)

روپرٹ - میرے نئے داستان میں سوراخ ہو گیا ہے۔

سوسن - کیوں؟ گزشتہ ہفتہ تو تم نے خریدای تھا۔

روپرٹ (قمقمہ لگا کر) میں نے نیلام میں سے لے لئے۔

سوسن - اگر واقعی پھٹ گئے ہیں تو مجھے یقین ہے اسی بہت خوشی کے ساتھ رفو کر دے گی

لوسی (شگفتگی سے) کوئی خاص خوشی تو نہیں حاصل ہوگی، لیکن مجھے فر کرنے میں کچھ عذر نہیں۔

میں سوسن سکرانی اور لوسی داستانہ سینے کے لیے جھکی اسوقت تک انتظار کیا، اور پھر روپرٹ کا بازو جھوکر سرگوشی میں یہ کہتی ہوئی کہ اب موقع ہے "کرہ سے باہر نکل گئی۔"

لوسی نے کوئی حرکت نہ کی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ اس نے ان الفاظ کو سن لیا ہے۔ مگر دل میں وہ غصہ کے مارے پھٹک گئی۔ اسے اپنی بوجھ سے تقریباً نفرت ہو گئی اور وہ اس طرح اس کی پشت کھڑی ہوئی سازش کر رہی ہے اور اس بات کی متوقع ہے کہ وہ اسکی خنسا دہری ہوئے دیگی

"میں انہیں بتاؤں گی کہ میں بچہ نہیں ہوں" اس نے سوچا میں اپنے یہ ثابت کر دوں گی کہ مجھ میں وہی دلیری موجود ہے جو اس ماد میں تھی جب میرے والد بقیہ حیات تھے اور جب زندگی تمام تر نشاط و آزادی تھی۔"

روپرٹ - (اپنی آواز کو رقیق بنانے کی کوشش کرتے ہوئے) درحقیقت یہ فردوسی منظر ہے! لوسی - کیا بات ہے؟

روپرٹ - میں یہ سوچ رہا ہوں اور تنا کر رہا ہوں کہ لے کاش ہمیشہ ایسا ہو سکتا۔ صرف تم اور میں۔ تم میرے کپڑے درست کرتی ہو تین، میرے بٹن لگاتین، میرے لیے کھانا تیار کرتین۔

لوسی - اور تم اپنا پائپ پیتے اور کچھ نہ کرتے۔ یہی ہمیں نظری طور پر مرغوب ہے۔ کیا تمہیں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی۔

روپرٹ - بہت سی ملازمتیں ہیں۔ اسکے علاوہ اور دیگر مشاغل ہیں جو میرے لیے باعث دلچسپی ہیں۔

لوسی - مگر میں نے تمہیں کبھی مشغول نہیں دیکھا

روپرٹ - میں کس طرح کوئی کام کر سکتا ہوں جب میرا دل دماغ اس کشمکش میں ہے۔

لوسی خاموش ہو گئی۔ وہ اس فقرہ کی تشریح نہیں چاہتی تھی اسنے ڈوراسوئی میں پردا اور سینے لگی۔

بارڈ میں جلدی سے لوسی کی طرف بڑھا اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

وہ اسکی آغوش میں سے ٹھپ کر نکل گئی اور باپیتے ہوئے کہا "مجھے جانے دو۔ گھنٹی بج رہی ہے۔ غالباً کوئی آیا ہے۔ میں معاذ کھولوں گی۔"

روپرٹ - اسکی فکر مت کرو۔ خالہ سوسن وہاں ہیں وہ دروازہ کھولیں گی۔ لوسی کا دل گردن اچھل رہا تھا۔ بڑے کمرے میں وزنی قدرتی آواز آئی۔ کوئی ملاقاتی گھر میں آیا۔

"نہیں تم امد نہیں جاسکتے" مقررہ دیر کے بعد سوسن بندہ آکر میں کہہ رہی تھی۔ "اور لوسی میرے بھتیجی منوب ہو چکی ہے۔"

کارخانہ اصغر علی محمد علی - جابر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ "چاندنی چوک دہلی اور ایک شاخ گلزار خاص حیدر آباد دکن میں ہے۔

منسوب ہو چکی ہے ؟“
یہ کلانی فورڈ کی آواز تھی۔۔۔ لوسی کا چہرہ زرد پڑ گیا اس کے
ہونٹ کاٹنے۔ اور اس کا دل ہانسون اچھل گیا۔
روپرٹ۔ باہر بچہ ہو رہا ہے اس کے سننے کی ضرورت نہیں۔ میری
سنو۔ لیکن لوسی نے اس کی بات نہ سنی کیونکہ کلانی فورڈ کہہ رہا تھا
”میں لوسی سے ملنا چاہتا ہوں۔ اور تنہا!“

اس کے بعد ہی دروازہ کھلا اور کلانی فورڈ اندر آ گیا اس کے
حسین چہرہ پر سنجیدگی کے نقوش تھے۔ وہ آج ہارڈ مین کے مقابلہ
میں زیادہ کشیدہ قامت معلوم ہو رہا تھا۔

لوسی براہ تراز طاری ہو گیا۔ اس کی بغض سر پہ ہو گئی۔
ایک کمرہ اس کی آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔ افوہ! وہ کس قدر اس سے
محبت کرتی تھی۔ لیکن اس محبت کو اسے کچل ڈالنا پڑے گا۔
لوسی! کلانی فورڈ نے کہا۔ اس کی آنکھیں سنجیدگی سے
لوسی کی طرف نگرانِ تحسین۔ جیسے وہ اس سے کلیتہً بے خبر ہے کہ
کوئی اور بھی کرہ مین ہے ”کیا تم مجھے چند لمحات دو گی؟“

لوسی نے اپنے بدن کو سادہ اور آواز کو روکھی بنانے کی
کوشش کی ”میں بیان ہون تمہیں کیا کہنا ہے۔“
کلانی فورڈ۔ ایک بات صرف تمہارے کانوں کے لیے۔
تھوڑی دیر کے لیے اس کے اعزاز پر لوسی کا دل ہیجا۔ لیکن
اسے فوراً کیمیلی کے بیان کو یاد کیا۔ وہ کیمیلی کی محبت کا اہل نہ تھا
وہ کسی لڑکی کی بھی توجہ کے قابل نہیں۔ اس نے مجھ سے اظہار محبت
کیا اس حال میں کہ یہ اس سے منسوب تھا۔ اس نے میرا
بوسہ لیا جس سے مقصود وہ تھی۔

یہ نیش ناقابلِ برداشت تھا اور لوسی کا دل پھرت پھرت ہو گیا
لوسی۔ اگر تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے تو بیان کہہ سکتے ہو!“

لوسی، اضطراب اور دیگر بے شمار جذبات کے زیرِ اثر
پتے کی طرح کانپ ہی تھی۔ کیمیلی نے جو کچھ کلانی فورڈ کے تعلق کا تھا

اگر آپ کو عطر حنا درکار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

لوسی - شکریہ! میں ضرور آؤنگی خواہ وہ کچھ ہی کہیں۔

مارنی - وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں تمھاری پھوپھی کی نظروں میں بہت آزاد طبع ہوں۔ خیر۔ کچھ پرواہ نہیں۔ تم میں اپنی پھوپھی اور انکے گرانقدر سہمان کے چنگل سے نکلنے کی قدرت حاصل ہے۔ ورنہ میں تمھیں مطلع کیے دیتی ہوں کہ تمھاری اس شخص سے زبردستی شادی کر دی جائیگی اور پھر تم کبھی نہ جان سکو گی کہ زندگی کیا ہے؟ لوسی - میں اس سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔

سہپر کو لوسی، کسی نہ کسی طرح مس سوسن کی نظر پڑی کہ مارنی کے مکان پر پہنچ گئی، جہاں اسے مارنی کو مع سامان چھوڑ بیٹھا پایا۔ مارنی - آؤ بیٹھو۔ میری سہیلی بھی آنے والی ہی ہوگی۔ اب تو وہ ایک مشہور سینما کی حسین اداکار ہے۔ اسکا ارادہ شادی کر کے سیاسی کا ہے۔ لو وہ آہی گئی۔ یہی کیملی ہے۔

کیملی! - لوسی نے سانس روک لیا۔ وہ ایک پرشوق و تفلکڑا سوال کرنے کے لئے مڑی۔ لیکن مارنی اپنی سہیلی کا خیر مقدم کرنے کیلئے دروازہ تک پہنچ چکی تھی۔

دوسرے لمحے میں کیملی کمرہ کے اندر تھی۔ خونخاک اشتباہات کے ساتھ لوسی نے گردن اٹھائی اور ایک چہرہ پر سے جسم کی پردہ پوشی کو بے انتہا نفیس لباس میں دیکھا۔

وہ اپنے بدن کی ساخت اور صیاحت کے اعتبار سے لوسی میں ملتی تھی۔ لیکن لوسی کا حسن اسکے دل کی صداقت و مصومیت کو تنکس کرتا تھا۔ کیملی کے وجود پر نقاب پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہ کسی سے آنکھ نہیں ملا سکتی تھی۔

کیملی - (دستاؤں اتارتے ہوئے غصے سے) تمام دنیا دیر دیر جو رہی ہے میں زندگی سے اس قدر گستاخچی ہوں کہ میرا ارادہ روپوش ہو جائیگا۔ روپوش ہو جائے گا!! لوسی نے بے انتہا تعجب کے ساتھ

دل ہی دل میں اس فقرہ کی تکرار کی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی جو بظاہر کلانی فورڈ سے منسوب ہے، کس طرح ایسی سکروچی کی باتیں کر رہی ہے۔ اسے کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا کہ یہ کلانی فورڈ سے منسوب نہیں ہے مارنی کے منہ سے کیملی کا نام سننے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ اسکا خواب محبت ختم ہو گیا!

آہ! میں احمقوں کی جنت میں بسر کر رہی تھی، اسے سچا! وہ مجھ پر اسلئے مہربان تھا کہ میں نے اسکے مجروح ہو جانے پر اسکی خدمت کی تھی۔ اور اس لئے بھی کہ اس پر راز طریقہ پر آنے اور پھر کبھی بیہ بیان کرنے پر میں نے کوئی باز پرس و ملامت نہیں کی۔ اس کے رخسار، اسکے پیار کو یاد کر کے جلنے لگی۔ وہ پیار جسکا مقصود یہی تھا! یہ ایک آتشیں خیال تھا۔ ایک ہولناک طعنہ زن، امید سوز خیال!!! وہ اندر ہی اندر خاکستر ہوئی جا رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس شرمناک، دزدیدہ، غلط بوسہ کی علامت سوزان چہرہ پر مڑی ہے۔

جیسے سب دیکھ سکتے ہیں۔!!

مارنی - کیملی، کیا ماجرا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ تم دنیا میں سرور ترین لڑکی ہو تمھاری شادی بھی تو ہونے والی ہے۔

کیملی - تھی، کمبو - کمبو نکاب میں نہیں کرونگی۔ میں اس سے اپنا چہچہا پڑاؤنگی مارنی - یعنی تم اس سے نکاح کر دو گی۔

کیملی - یہ اسی کی غلطی ہے۔ میں نے کچھ واقعات اس کے متعلق دریافت کیے ہیں۔

لوسی (کا پتھی ہوئی آواز میں) تو پھر کیا اسکی سستی لازم تھی؟ کیملی - (ہنسکر) ہرگز نہیں۔ کیا کسی مرد کی سستی بھی لازم ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ جاسوس ہے۔ ورنہ وہ سہ اور ہر وہ چیز جو بڑی ہو سکتی ہے۔ لوسی - لیکن تم بالیقین کیسے کہہ سکتی ہو۔

کارخانہ منغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے دو ایجا و قرص تبا کو سے خوردنی کی قیمت فی شیشی صرف ۸۰ روپے علاوہ محصول ہے

کلائی فورڈ اسکے لہجہ پر سخت متحیر ہوا۔ اور اس نے

تخلیف رسیدہ نظروں سے روپرٹ کے نفوس چہرہ کو دیکھا اور پھر مس سوسن کی جانب جو اسکو باہر نکال دینے کیلئے مضطرب ہو کر کلائی فورڈ (مس سوسن سے) کیا آپ صحت کر نیکی اگر میں چند لمحوں کے لیے آپ کی بھیجی سے گفتگو کرنے کے لیے تخلیم کی عرصہداشت کروں!

مس سوسن عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔

کلائی فورڈ میں بے انتہا متشکر ہو نگا اگر آپ اور آپ کا بیٹا... سوسن (چخ کر) میرا بیٹا!!! میں غیر شادی شدہ ہوں۔ اور اگر بفرض محال شادی شدہ ہوتی تو بھی میری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے کہ اتنے مہر شخص کی مان ہو سکتی۔

کلائی فورڈ۔ میں معذرت کا خواستگار ہوں۔ مجھے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن میرا دماغ دوسری باتوں سے بھرا ہوا تھا۔ آواز ٹھہرائی لیکن اسے فوراً درست کر لی "اگر آپ بہت مہربانی کر کے اپنی بھیجی کو میرے ساتھ چھوڑ دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کو زیادہ متظر نہ رکھوں گا۔

سوسن۔ تو پھر اسکا خیال رکھنا کہ تم زیادہ دیر نہ لگاؤ اور روپرٹ یہ عجیب بات ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہمارا ان کو تنہا چھوڑ جانا کتنا تک مناسب ہے۔

روپرٹ۔ انہیں باتیں کرنے دو۔ انہیں صرف تین منٹ کی اجازت ہے۔ زیادہ نہیں۔ اتنا وقت کافی ہے۔

جب تک یہ دو دن دروازے کو بھڑا چھوڑ کر باہر نہ نکلے کلائی فورڈ مقرر خاموشی کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔

لوسی، اضطراب اور دیگر بے شمار جذبات کے زیر اثر بچے کی طرح کانپ رہی تھی۔ کیملی نے جو کچھ کلائی فورڈ کے متعلق کہا تھا

منسوب ہو چکی ہے؟ " یہ کلائی فورڈ کی آواز تھی۔ لوسی کا چہرہ زرد پڑ گیا اسکے ہونٹ کاپنے۔ اور اسکا دل بانوں اچھل گیا۔

روپرٹ۔ باہر کچھ ہو رہا ہے اسکے سننے کی ضرورت نہیں۔ میری سنو۔ لیکن لوسی نے اسکی بات نہ سنی کیونکہ کلائی فورڈ کہہ رہا تھا "میں لوسی سے ملنا چاہتا ہوں۔ اور تنہا!"

اسکے بعد ہی دروازہ کھلا اور کلائی فورڈ اندر آیا اسکے حسین چہرہ پر بخیدگی کے نقوش تھے۔ وہ آج ہارڈ مین کے مقابلہ میں زیادہ کشیدہ قامت معلوم ہو رہا تھا۔

لوسی براہ تراز طاری ہو گیا۔ اسکی نبض سرع ہو گئی۔ ایک کہہ اسکی آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔ افوہ! وہ کس قدر اس سے محبت کرتی تھی۔ لیکن اس محبت کو اسے کبھی ڈانٹا پڑے گا۔

لوسی! کلائی فورڈ نے کہا۔ اسکی آنکھیں بخیدگی سے لوسی کی طرف نگران تھیں۔ جیسے وہ اس سے کایہ بے خبر ہے کہ کوئی اور بھی کرہ میں ہے "کیا تم مجھے چند لمحات دو گی!"

لوسی نے اپنے بدن کو سادہ اور آواز کو روکھی بنانے کی کوشش کی "میں یہاں ہوں تمہیں کیا کہنا ہے۔"

کلائی فورڈ۔ ایک بات صرف تمہارے کانوں کے لیے۔

تھوڑی دیر کے لیے اسکے انداز پر لوسی کا دل پسچا۔ لیکن اسے فوراً کیملی کے بیان کو یاد کیا۔ وہ کیملی کی محبت کا اہل نہ تھا وہ کسی لڑکی کی بھی توجہ کے قابل نہیں۔ اس نے مجھ سے اظہار محبت کیا اس حال میں کہ یہ اس سے منسوب تھا۔ اس نے میرا ہوس لیا جس سے معذور وہ تھی۔

نیش نا قابل برداشت تھا اور لوسی کا دل پر سخت ہو گیا لوسی۔ اگر تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے تو یہاں کہہ سکتے ہو!"

اگر آپ کو عطر حنا درکار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

وہ اسے دھول سکتی تھی۔ اگر دوسرے باتون کو غیر صحیح سمجھ لیا جائے تو اس ناقرا میزش شدنی رات کا خار کس طرح کل سکتا تھا جب وہ اس گھر میں یہ امید لے ہوئے آیا کہ کیملی اسے ملیگی۔

لوسی کو کیملی سمجھتی تھی۔ لیکن وہ کیملی سے متوسل نہ ہوگا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیا وہ کیملی اور لوسی میں امتیاز نہ کر سکتا؟ مگر اس نے صورت حالات کو اور بدتر کر دیا لوسی کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس سے محبت کے دوران ہی میں کیملی سے بھی متوسل ہو گیا۔

لوسی نے جب اس ہوسہ کی غیر سنی کو یاد کیا تو اس کا خون لگون میں دوڑنے لگا۔ مگر کیملی نے اسکی آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ اور اب غالباً کیملی نے اپنا قول پورا کیا ہے اور وہ لوسی کے پاس تنکین خاطر کی غرض سے آیا ہے۔ وہ نازہ نذرتین اسکے سر پر لانا چاہتا ہے۔

یہ تھے لوسی کے خیالات یہ تھے اسکے اندیشے جب وہ اپنے سپید چہرہ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اب بھی محبت کرتی ہوئی کھڑی ہوئی تھی ”میں بروودت برونگی۔ رن کی سی بروودت! مجھے یہ دل میں سمجھتے رہنا چاہیے کہ یہ خادع ہے۔“

کلائی فورڈ۔ لوسی مجھے امید ہے کہ تم اس ناہندہ اصطلاحات پر مجھے معاف کرو گی۔

لوسی۔ خیر۔ خیر۔ کیا تم بیٹھو گے نہیں۔ کلائی فورڈ۔ لوسی یہ میری معمولی ملاقات نہیں ہے۔ یہ تمہارے اسی سے سمجھ لیا ہو گا کہ میں نے تجلیہ چاہا۔

اسکی گہری سیاہ سحر آمیز آنکھیں سنجیدگی سے لوسی پر چھٹی ہوئی تھیں لوسی اسکی آنکھوں کی تیزی و برداشت کرسکی۔ اس نے فوراً آنکھیں

دوسری طرف پھیر لیں وہ اپنی ہمت قائم رکھنے لیے کشمکش میں تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ یہ کہنے آیا ہے کہ وہ اپنی محبت کی کیملی سے

لوسی پر منتقل کرنے کیلئے آمادہ ہے تو وہ اسے غلطی سے متنبہ کر گئی۔ اور اگر اس انتشار میں اسے کوئی ایسی دلکشی کی بات کہی تو وہ فوراً اسے رخصت کر دیگی۔ وہ اپنی خود داری نہیں کھونا چاہتی تھی۔

لیکن جب کلائی فورڈ پھر بولا تو اسکے لہجہ سے جذبات رفیقہ کی بارش نہیں ہو رہی تھی۔ اسکا انداز اتنا ہی بروودت مآب و متین تھا جتنا خود لوسی کا!

کلائی فورڈ۔ کیونکہ ہمیں ہر طرف تین منٹ ملے ہیں اسلئے کسی طبعی تہدید کی ضرورت نہیں۔ لوسی میں یہاں ہر طرف تین منٹ کرنے آیا ہوں۔ لوسی (عجب سے) مجھے متنبہ کرنے!! کس بات سے؟

کلائی فورڈ۔ میرے لئے یہ تم سے کہنا بہت ہی مشکل ہے لوسی یہاں یہاں اسکی بروودت دفعہ معمول ہو گئی اور شدت تاثر سے اسکی آواز میں لرزش ”لیکن اگرچہ تمہارے لیے یہ تکلیف دہ ہے کیونکہ تم ہو مگر میں تمہارے کا خون تک یہ پوچھنا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ شخص روریت ہارڈ میں قابل اعتماد شخص نہیں ہے؟“

لوسی۔ (حیرت سے) میں تمہارا مفہوم نہیں سمجھتی۔ اور اسکے دل میں یہ گزرا کہ اگر کیملی کی باتوں میں نصف بھی صحیح ہے تو کلائی فورڈ کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ ایک ایسے شخص کیلئے یہ باتیں کہ جسے وہ جانتا بھی نہیں۔

کلائی فورڈ۔ مجھے پہلے سے اندیشہ تھا کہ تمہیں ناگوار گزرے گا اور فطرتاً تمہیں گزرنا ہی چاہیے۔ اور میں کہا ہوں کہ ساتھ ساتھ تمہارے پاس آنا پسند نہیں کرتا ہوں۔ لیکن یہ اہم ہے میں تمہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم ہوشیار ہو۔

لوسی۔ لیکن۔ لیکن تمہارا اس معاملہ سے کیا تعلق ہے۔

کلائی فورڈ۔ میں تمہاری عافیت دل سے چاہتا ہوں۔ اور تمہارا ہونہ

کلائی فورڈ - خیر جو کچھ مجھے کہنا تھا - کہ چکا - اب تین منٹ گزر چکے ہیں مجھے جانا چاہیے - لیکن کیا ہم اس طرح جدا ہوں گے -

لوسی - اور پھر کس طرح ؟

وہ اس سے آنکھیں نہ ملا سکی -

کلائی فورڈ - تم مجھ سے بدگمان ہو - میرا انبیاء بہت بعد از وقت رہا اب بھی وہ کچھ نہ بولی - وہ کوئی مناسب بات کہنے کے لئے سوچ رہی تھی مگر نہ سوچی -

کلائی فورڈ نے ایک نظر اسپرڈالی - گویا سلفہ انس کے کسی شاہد پرین کا متلاشی ہے - لیکن وہ اب ایک بھی نہ تھا -

وہ بھاری تنفس کے ساتھ دروازہ کی طرف گامزن ہو گیا - لوسی نے

کلائی فورڈ کو سرخ و سفید قدموں کے ساتھ بڑے کمرے میں سے

گزرے بنا - کوئی چیز اس کے سینے میں مضطرب تھی اور ایک ویرانی و تنہائی

کا احساس - اس ویرانی و تنہائی کا جسکو اس نے پہلے کبھی محسوس

نہ کیا تھا - اسپرستولی ہو گیا - اس کے دل میں ٹہپیں ادا ٹھنے لگیں - وہ

ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھی - اس کے ہونٹ متحرک ہوئے "کلائی فورڈ"

لیکن لوسی کی بھرائی ہوئی آواز اس تک نہ پہنچ سکی - یہ بہت بعد

از وقت تھی - گھر کا دروازہ اس شخص پر جسے وہ چاہتی تھی بند

ہو چکا تھا - اس کا صیغہ جینی اس کی حدود حیات سے باہر

جا چکا تھا - غالباً ہمیشہ کے لیے !

دفعۃً ہارڈ مین دروازہ کے پیچھے سے برآمد ہوا - جہاں وہ

ان دونوں کی گفتگو سننے کے واسطے پوشیدہ ہو گیا تھا - وہ نہایت

خوشی کے ساتھ کمرہ میں آیا اور لپک کر لوسی کو حلقہ آغوش میں

کھینچ لیا "میری پیاری اب مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھے چاہتی ہو"

لوسی - (اپنے تین چہرے کی سی کرتے ہوئے غصہ سے) ہرگز نہیں -

کیونکہ تم مجھے چھوڑ دے -

قابل نہیں ہے اور میں یہ دیکھ کر متاسف ہوں کہ تمہاری پچھلی کھلم کھلا اکی حوصلہ افزائی کرتی ہیں -

لوسی کہنا چاہتی تھی کہ اسے روپرٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر غور نے اسے باز رکھا -

لوسی - اس قسم کی گفتگو سے تمہارا کیا مقصد ہے ؟ ایسی باتیں سننا میرے لیے ناجائز ہے - اور اگر تم ایسی آزادی حاصل کر رہی ہو تو یہ تمہاری ناقابل معافی غلطی ہے -

کلائی فورڈ - نہیں لوسی - میں ایک بالخصوص خیر خواہ کی حیثیت سے تمہیں ہشیار کر رہا ہوں کہ تم اپنے غریزان قلب پر اعتماد کرنے میں محتاط رہو -

لوسی - تم مجھے اپنی پچھلی سے مخالفت پر آمادہ کر رہے ہو -

کلائی فورڈ وہ روپرٹ ہے جس سے ہشیار بننے کی میں نے خواہش کی -

لوسی اہلی جذبات کو چھپا کر روپرٹ وہ میری پچھلی کا گمان ہے -

کلائی فورڈ نے المناک انداز میں مستفسرانہ نگاہ سے لوسی کو دیکھا

یہ محسوس کرنے کیلئے کہ روپرٹ کی برائی سے کسہ بے لوسی کہ

دل میں چوٹ لگی ہے - اسے یقین ہو گیا کہ لوسی اپنا دل روپرٹ کو

دے چکی ہے - !

اور لوسی پوری شدت کے ساتھ کلائی فورڈ کو چاہتی تھی

تاہم اس کا یہ عقیدہ ختم ہوا کہ وہ درباب محبت دعا باز ہے - مخالطوں

اور غلط فہموں کا یہ مہینت ناک منظر تھا - ان دونوں کی مسرت کا

انحصار دونوں کے ملجانے پر تھا - لیکن دونوں میں سے ایک بھی

اس خلیج کو جو دفعۃً حائل ہو گئی تھی عبور نہ کر سکتا تھا -

کلائی فورڈ - (حسرت سے) تم میری اطلاع کو نظر امتحان سے نہیں

دیکھتیں - مگر کسی دن دیکھو گی !

لوسی - تم اس بات کے کیسے متوجہ ہو کہ میں تمہارا شکر ادا کروں -

بارڈ میں تھیں چھوڑ دوں ہرگز نہیں تم مجھے اپنا دل دینا چاہی ہو۔ میں روزانہ کچھ سے سبب رہا تھا میری پیاری میں نے سب کچھ سہلایا میں اس پر عاشق کیسا تھیں تنہا کھڑے چھوڑنے کا تھا تم نے میرے خلاف ایک لفظ کا بھی نہیں کہا تم مجھ سے محبت کرتی ہو یقیناً کرتی ہو۔ اس پر عاشق نے مجھے طرز عمل نے ثابت کر دیا۔ لاؤ مجھ سے ہونٹ چومو۔

لوسی (چوٹ جلتے کیلے ہاتھ پاؤں ملنے ہوئے) گدھے! ملعون!!
روپرٹ۔ شکریہ! اس لیے کہ میں جانتا ہوں تم یہ دل سے نہیں کہہ رہی ہو۔ اب زیادہ چپا نکلی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ کا طرز عمل اس عیار کے ساتھ قابلِ تعریف تھا تم نے پوری پوری طرح میری طرف داری کی۔ اور یہ ہے میری فضا کشف تھا مجھے خیال بھی تھا کہ تم مجھ سے ساتھ اس قدر محبت ہے۔ بات بتاتی ہو کہ تم کو میں کسی ایک برس ہوتی ہیں۔ لیکن اب تم مجھ پر زیادہ دھوکا نہیں دے سکتیں تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

لوسی۔ (غصہ سے کانپتے ہوئے) ”گدھے!“ اس نے اپنے تئیں چھڑا لیا ”میں تباہی کر چکے تھے کسی محبت ہو“ اور اس نے دستانے اٹھا کر اس کے منہ پر رکھنے مائے۔
روپرٹ۔ یہ سب بناوٹی باتیں ہیں۔ میں جانتا ہوں اور اب تم مجھے یا کر نیلا
وہ لوسی پر ڈرا لیکن وہ دستانے تک پہنچ چکی تھی جلدی سے اس نے دروازہ کھولا اور کھولتے ہی مس سوس سے مقابلہ ہوا۔

روپرٹ (داف کے لیے مین) اسے دکلہ مینے سب معاملے کیلئے پہنچ رہی ہو بیٹھو دنا
لوسی۔ تو دیوانہ ہو گیا ہے!

روپرٹ۔ ہاں اگر تمہاری محبت میں لوگوں کو سنا ہو کہ تم مجھ سے محبت نہیں ہے دیکھو پو
تم نے اس عیار کا کیسے جواب دے مس سوس کا تم تئیں اسے میری برائی نہ تھی اس قسم کی
بیوی ایک شخص کو چاہیے جو سانسے تو ستر مہری سے پڑنے لگے اور پٹ پٹا تھی جیسے اٹھا کر
لوسی۔ تو پاگل ہو اور اب میری طرف کلائی توڑ کا ایک ایک لفظ بھین کرنے لگی ہوں۔
سوس۔ لوسی! اب وقت ہے جب ہم ایک منادیت کیلئے چاہیے۔ ہر طرح سے کام نہیں چل سکتا
لوسی یقیناً نہیں چل سکتا میں عرصہ دراز سے بیوی رہی ہوں۔
سوس میں زیادہ غریبی نہیں چل سکتی اپنی جو خوشائے بیان کر دی ہیں اور اگر تم اپنے عمل پر

ہونیکے لیے تیار نہیں ہو تو میرا دل کے میرے گھر سے چلی جاؤ۔
سوس (نہایت غموں سے) تو میری بہت اچھا آج میں چلی جاؤ گی۔
انکے چہرہ پر ایک نظر ڈالنے پر لوسی نے غموں سے کہا کہ اسے انکے تو خفا کی کسر خلا ہی
دیا جو واقعہ یہ کہ خود اس کے منہ سے غبار لڑی طے پر الفاظ کا ٹکڑے گئے تھے گدھے جانی تھی کہ
اپنی سلامتی کی خاطر وہاں سے چلائی جانا چاہیے اور اس خیال میں یہ تو قوت ہوگی جیسے
مس سوس کو روپرٹ سے سرگوشی میں کہتے تھے ”اطمینان کچھ نہیں جاؤ گی وہ
نہیں جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کے پاس دوسری نہیں ہے“

لوسی مسکرائی بہت دیر کا سنے اپنے تئیں کہ میں بند رکھا جانے والا ہونا ماننا نہ تھی
اس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے سامان کا حصہ فروخت کر کے لندن اپنے باپ کے گھر میں چلے جائے
خود کوئی ملازمت مل جائیگی لندن میں اس کے باپ کے بہت سامان فروخت کرنے کا تھا علاوہ اس
کچھ تھا جو تئیں تھیں ایک متعارف گاہک نے اس کی قیمت خرید لیگا۔ رات کے کسی بجے کیلئے گیا
ہو چکی تھی لیکن بات کو جانا نہ سہی تھا کہ اس نے صبح صبح اٹھا کر لیا۔ اس نے تو وہی
چلے لی لیکن کھانا چھوٹا تھا۔ سوس اور روپرٹ کا طرز عمل اس قدر لطف
راہہ سمجھتے تھے کہ کوئی جاؤ گی اور دل ہی دل میں مسرت ہو رہے تھے۔

رات بھر لوسی کی آنکھ چھپکی۔ اور صبح صبح کو وہ خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل
چلی گئی۔ صبح کی ٹرین سے سواری کو تئیں گھنٹہ بعد لندن میں اپنے پرانے گھر کے پاس ایک
ہول میں ناشتہ کر رہی تھی۔

ناشتہ سے فراغ ہو کر وہ اپنے کپے چنڈ پرانے دیو تون سے ملنے کیلئے متفرقا بات کر رہی مگر
معلوم ہوا کہ وہ مکان چھوڑنے کے لیے ہیں بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں جس سے شناسا پہنچنے
بہتر کسی خاص مقام کو پیش نظر رکھتے ہوئے چلے جائیں تھی اور ان کو یہ یاد دلائی کہ ان کو کبھی
نہی جو اس کے صوبہ کے باڈل رہتی تھی۔ وہ تو اسے اس کے خیال اور فکر سے نصف دیر
مواقعہ پر اس کے باپ کی ماڈل رہی تھیں۔ اس نام میں لوسی بالکل پچھتی۔

ماڈل کلب میں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ان کے خدای کرئی جو اور قریب ہی کسی مکان میں
رہتی تھی لوسی نے ادھر ہی اپنے ٹکے جو تھے قدم بڑھنے لوسی نے مکان پر دو ٹوک کھینچی تئیں
ان کے اوپر سے جھاکا اور غنڈہ بانداز میں کہا ”جناح تک میرا خیال کا کرتا ہے ہم

مشر فرزند کی بیٹی ہو۔

لوسی آخر الامم بھرٹ! "کلائی فورڈ"

لوسی۔ بان میں بیان ملازمت تلاش کرنے آئی ہوئی گلس کیا تمہری ڈکوگی۔
گلس۔ خدا کی پناہ کیا تمہارا یہ طلبہ کتنے سب پر قہم کر دیا۔

لوسی (ادب جاکر) کیا روپیہ؟ والد کے لئے کے بعد سے میرا پاس ایک جیب بھی نہیں۔
گلس۔ لیکن میں نے خیامین ڈیکھا جو عیسے دیکھا ہو۔ اور وہ جا کر ایک پرانا انبار کلائی

گلس۔ (ادب وار کر کے) یہ کیوں مشرڈرٹن فٹنار کا پتہ کیا تم اس سے ملی ہی نہیں۔
لوسی۔ میں مجھے خیال بھی نہ تھا کہ میرے والد نے کچھ بڑا ہے۔

گلس۔ تو میرے کلائی کے ذریعہ تم جاؤ اور اس سب کو تم کو کئی کیلے نہیں بلکہ فراموش کیے ہو
دنیا نقص حسن بن مقسم۔ ایک ہوا کہ کہ میں اور دوسرے جو کام دیتے ہیں اور دونوں ایک

دوسرے کے بڑے نہیں کیے۔" گلس اور لوسی دونوں نے ایک دوسرے کی طرف نظر نہ کر سکا کرنا
اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تم کسی نہ کسی پر ان خیال تھا کہ کچھ اس کے متعلق معلوم ہو گا تمہارا بوجھ

مشرڈرٹن کی اور پھلے نام سے روپیہ کا کچھ اس کے پاس ہے یا نہیں تمہاری بات پر وہ نے کچھ نہیں
لوسی اب میں سمجھی۔

لوسی کو ایسا معلوم ہوا جیسے ایک بڑے اس کی انگوٹھ سے بے شکا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس کی
پہچان سے پورے شادی کیے کہ یہ کچھ نہیں جو کر رہی تھی۔ ایسے کچھ بام روپیہ نہیں کہ میں۔

اس کا جوئے اس کی کچھ بات میں ملتا ہے اس کی شادی ہو گئی۔ تمہارے اس کی موجودہ طور پر کیلئے
کافی دیر پہلے! اور اس کی زندگی اس کے ساتھ نہ رہے گی اس کے یہ بہت سیر کرنے اگر ایک

ہم مقیم کا غار بنو تا جو ہر وقت اس کے کچھ نہیں رہتا تھا ایسے ایک راستہ پر اسے شاید
مکان نے لے لیا تھا جہاں وہ غریب لائے تھے لیکن یہ شوقل بیٹی اسے دیکھنے سے دوسرے پیدا

کلیے تھے وہ غریب لائے رہا کہ ان لوگوں کی آمد کرتی لیکن وہ چھپ چھپ کر انہیں بھی بھائی کرتی تھی۔
بان جو کچھ پارہ پارہ شوقل خاواں پر لٹا رہا کسی کی کار کرتی تھی!

موسم ہائے اکین بن جیل صلح! اور میں تو اس سے تابناک تھی لوسی کا دل جلا کر دھک
باہر ہوا کسی کا کہ میں نے ان کا فرست لطف اندوز ہو

ٹرین میں ہر جگہ وہ ایک گاؤں کی گئی جو اس گاؤں سے جان میں سوکھتی تھی جی زیادہ
دور تھا۔ اور سرسبز لہلہاتے درختوں میں غرق ہو گئی۔ وہ نے اسے ایک ایک اپنی طرف لگے

دیکھا وہ سب کو دیکھ کر پتہ چلا کہ اسے اترا اور بالکل کھوکھلا کر کے بڑا۔
تمام ابران فن نے ہنسر علی محمد علی ناہر عطر لکھنے کے عطر حنا کو بہترین عطر مانا ہے

فرعی انجیری

مکھ بلاس

مکھ بلاس - پان مین کھانے کا خوشبودار مصالحہ ہے
 مکھ بلاس - تھوڑا پان مین ڈال دینے سے گھوڑی کو نہایت خوشبودار - خوش ذائقہ اور لذیذ بنا دیتا ہے۔
 مکھ بلاس - کی خوشبو سے دہن معطر رہتا اور دل و دماغ کو فرحت پہنچتی ہے۔
 مکھ بلاس - کوکین اور متبا کو کا نعم البدل ہے۔
 مکھ بلاس - مین طبی مفید اجزاء شامل ہیں جو متبا کو اور چونہ کے مضر اثرات سے دانتوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔
 مکھ بلاس - مین کوئی شے کسی مذہب کے خلاف نہیں ہے اس لیے ہر مذہب کے لوگ اسکو استعمال کرتے ہیں۔
 مکھ بلاس - کھانسی اور نزلہ اور دیگر منہ کے جملہ امراض کو مفید ہے۔

فی ڈبیہ کلان فی ڈبیہ خورد ڈبیہ کلان فی درجن ڈبیہ خورد فی درجن

۴۴

۴۵

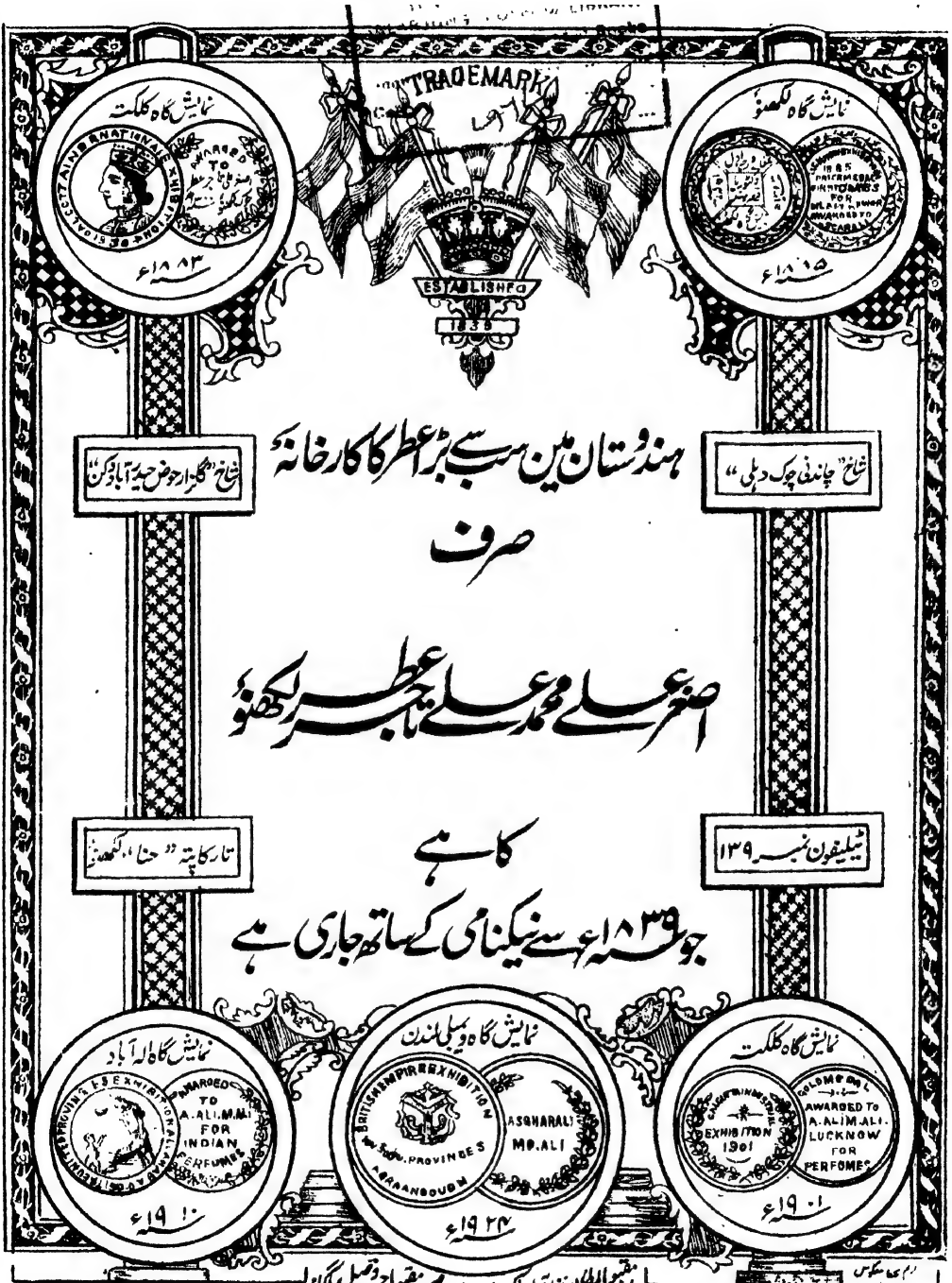
نوٹ

۳

مکھ بلاس - کی قیمت ۵

- (۱) دو ڈبیون سے کم کا دی پی نہ روانہ ہوگا (۲) جملہ اخراجات محصول پارسل ذمہ خریدار
- (۳) خرچ روانگی کے لیے دو آنہ کا ٹکٹ بھیجنے سے نوہ مفت روانہ ہوگا۔
- (۴) مکھ بلاس شاخ کارخانہ امین آباد سے بھی دستیاب ہو سکتا ہے۔

المشتر - مقتدا خان اقتدا خان تاجر متبا کو و عطر و کٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ



مکرا ارض حیدر آباد کوٹن - باہتمام نقول و قریب بنگالہ

تا تو بیدار شوی ناله نشیدم ورنہ
 عشق کارے ست کہ بے لگہ و فغان نیکند
 (عطیہ علامہ سراقبال)

موقع

دارُ الادب لکھنؤ کا مقبول و جہانِ عزیزِ مزید
 ۱۳۴۲ء

مرتبہ
 شیخ مقبول حسین و صلہ لکھنؤ

اشترتانی - ہالہ باب مزاجہ علی خان صاحب بی۔ لے۔ اشتر لکھنوی ڈپٹی کلکٹر کے بے قیظ کلام کا مجموعہ - قیمت ایک روپیہ (عمر)

پمصنف و مولف اور قہرہ کی مطبوعات میں لکھنوی ایک تحسینی نظر سے اکابر لکھنوی سے فرمائش آنے پر روانہ کی جاتی ہیں

مناقب زاقیہ فارسی	ترجمہ مناقب زراقیہ	کرامات زراقیہ	حضرت رشید	گلگدہ
از قزوین العلماء والحدیث حضرت ملا نظام الدین محمد فرغی علی قلیا لاکھاب حضرت سیدنا علی باسوی کی دستنویح بری آتی دالہا کا قلم حضرت و قزوین علی بن اولغاسک و دو شاہی کی قیامت	از تاجیک لانا حضرت صاحب سید انصاری فرغی علی قلی مع تقدیر حالات حضرت ملا نظام الدین قدس سرہ غلیظہ حضرت قلیا لاکھاب باسوی کی دستنویح	مولانا محمد زار علی بن قلیا لاکھاب حضرت سیدنا شاہ عبد الرزاق باسوی قدس سرہ کی کرامات والہامات کا مجموعہ دستنویح دہن عقیدہ حضرت بادشہ قیمت ۴۴	یعنی جناب پیارے صاحب لکھنوی حضرت کے حالات زندگی مع آفتاب مرانی و رباعیات و قصائد و سلام و نال خیرہ مولفہ بنام سید زاقیہ لکھنوی	یعنی لسان اللہ حضرت زاقیہ لکھنوی کے آیات کا مجموعہ قیمت ۴۴
نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب	نام کتاب
مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شبلی مرحوم
سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱	سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱	سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱	سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱	سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱
۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ
۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ
الغزالی	الغزالی	الغزالی	الغزالی	الغزالی
سوانح مولانا رام	سوانح مولانا رام	سوانح مولانا رام	سوانح مولانا رام	سوانح مولانا رام
الاتحاد و علی	الاتحاد و علی	الاتحاد و علی	الاتحاد و علی	الاتحاد و علی
دیوان شبلی فارسی	دیوان شبلی فارسی	دیوان شبلی فارسی	دیوان شبلی فارسی	دیوان شبلی فارسی
کلیات شبلی	کلیات شبلی	کلیات شبلی	کلیات شبلی	کلیات شبلی
مکاتیب شبلی حصہ ۱	مکاتیب شبلی حصہ ۱	مکاتیب شبلی حصہ ۱	مکاتیب شبلی حصہ ۱	مکاتیب شبلی حصہ ۱
۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ
مثنوی صبح امید	مثنوی صبح امید	مثنوی صبح امید	مثنوی صبح امید	مثنوی صبح امید
اسلامی مدارس	اسلامی مدارس	اسلامی مدارس	اسلامی مدارس	اسلامی مدارس
اسیائی حکومت	اسیائی حکومت	اسیائی حکومت	اسیائی حکومت	اسیائی حکومت
جہانگیر	جہانگیر	جہانگیر	جہانگیر	جہانگیر
تربیت النساء	تربیت النساء	تربیت النساء	تربیت النساء	تربیت النساء
الفاروق قسم اول	الفاروق قسم اول	الفاروق قسم اول	الفاروق قسم اول	الفاروق قسم اول
قسم دوم	قسم دوم	قسم دوم	قسم دوم	قسم دوم
شعر و نثر حصہ ۱	شعر و نثر حصہ ۱	شعر و نثر حصہ ۱	شعر و نثر حصہ ۱	شعر و نثر حصہ ۱
۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ
۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ
۴ حصہ	۴ حصہ	۴ حصہ	۴ حصہ	۴ حصہ
علم الکلام	علم الکلام	علم الکلام	علم الکلام	علم الکلام
۱ حصہ	۱ حصہ	۱ حصہ	۱ حصہ	۱ حصہ
۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ	۲ حصہ
۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ	۳ حصہ
۴ حصہ	۴ حصہ	۴ حصہ	۴ حصہ	۴ حصہ
۵ حصہ	۵ حصہ	۵ حصہ	۵ حصہ	۵ حصہ
۶ حصہ	۶ حصہ	۶ حصہ	۶ حصہ	۶ حصہ
۷ حصہ	۷ حصہ	۷ حصہ	۷ حصہ	۷ حصہ
۸ حصہ	۸ حصہ	۸ حصہ	۸ حصہ	۸ حصہ
۹ حصہ	۹ حصہ	۹ حصہ	۹ حصہ	۹ حصہ
۱۰ حصہ	۱۰ حصہ	۱۰ حصہ	۱۰ حصہ	۱۰ حصہ
۱۱ حصہ	۱۱ حصہ	۱۱ حصہ	۱۱ حصہ	۱۱ حصہ
۱۲ حصہ	۱۲ حصہ	۱۲ حصہ	۱۲ حصہ	۱۲ حصہ
۱۳ حصہ	۱۳ حصہ	۱۳ حصہ	۱۳ حصہ	۱۳ حصہ
۱۴ حصہ	۱۴ حصہ	۱۴ حصہ	۱۴ حصہ	۱۴ حصہ
۱۵ حصہ	۱۵ حصہ	۱۵ حصہ	۱۵ حصہ	۱۵ حصہ
۱۶ حصہ	۱۶ حصہ	۱۶ حصہ	۱۶ حصہ	۱۶ حصہ
۱۷ حصہ	۱۷ حصہ	۱۷ حصہ	۱۷ حصہ	۱۷ حصہ
۱۸ حصہ	۱۸ حصہ	۱۸ حصہ	۱۸ حصہ	۱۸ حصہ
۱۹ حصہ	۱۹ حصہ	۱۹ حصہ	۱۹ حصہ	۱۹ حصہ
۲۰ حصہ	۲۰ حصہ	۲۰ حصہ	۲۰ حصہ	۲۰ حصہ
۲۱ حصہ	۲۱ حصہ	۲۱ حصہ	۲۱ حصہ	۲۱ حصہ
۲۲ حصہ	۲۲ حصہ	۲۲ حصہ	۲۲ حصہ	۲۲ حصہ
۲۳ حصہ	۲۳ حصہ	۲۳ حصہ	۲۳ حصہ	۲۳ حصہ
۲۴ حصہ	۲۴ حصہ	۲۴ حصہ	۲۴ حصہ	۲۴ حصہ
۲۵ حصہ	۲۵ حصہ	۲۵ حصہ	۲۵ حصہ	۲۵ حصہ
۲۶ حصہ	۲۶ حصہ	۲۶ حصہ	۲۶ حصہ	۲۶ حصہ
۲۷ حصہ	۲۷ حصہ	۲۷ حصہ	۲۷ حصہ	۲۷ حصہ
۲۸ حصہ	۲۸ حصہ	۲۸ حصہ	۲۸ حصہ	۲۸ حصہ
۲۹ حصہ	۲۹ حصہ	۲۹ حصہ	۲۹ حصہ	۲۹ حصہ
۳۰ حصہ	۳۰ حصہ	۳۰ حصہ	۳۰ حصہ	۳۰ حصہ
۳۱ حصہ	۳۱ حصہ	۳۱ حصہ	۳۱ حصہ	۳۱ حصہ
۳۲ حصہ	۳۲ حصہ	۳۲ حصہ	۳۲ حصہ	۳۲ حصہ
۳۳ حصہ	۳۳ حصہ	۳۳ حصہ	۳۳ حصہ	۳۳ حصہ
۳۴ حصہ	۳۴ حصہ	۳۴ حصہ	۳۴ حصہ	۳۴ حصہ
۳۵ حصہ	۳۵ حصہ	۳۵ حصہ	۳۵ حصہ	۳۵ حصہ
۳۶ حصہ	۳۶ حصہ	۳۶ حصہ	۳۶ حصہ	۳۶ حصہ
۳۷ حصہ	۳۷ حصہ	۳۷ حصہ	۳۷ حصہ	۳۷ حصہ
۳۸ حصہ	۳۸ حصہ	۳۸ حصہ	۳۸ حصہ	۳۸ حصہ
۳۹ حصہ	۳۹ حصہ	۳۹ حصہ	۳۹ حصہ	۳۹ حصہ
۴۰ حصہ	۴۰ حصہ	۴۰ حصہ	۴۰ حصہ	۴۰ حصہ
۴۱ حصہ	۴۱ حصہ	۴۱ حصہ	۴۱ حصہ	۴۱ حصہ
۴۲ حصہ	۴۲ حصہ	۴۲ حصہ	۴۲ حصہ	۴۲ حصہ
۴۳ حصہ	۴۳ حصہ	۴۳ حصہ	۴۳ حصہ	۴۳ حصہ
۴۴ حصہ	۴۴ حصہ	۴۴ حصہ	۴۴ حصہ	۴۴ حصہ
۴۵ حصہ	۴۵ حصہ	۴۵ حصہ	۴۵ حصہ	۴۵ حصہ
۴۶ حصہ	۴۶ حصہ	۴۶ حصہ	۴۶ حصہ	۴۶ حصہ
۴۷ حصہ	۴۷ حصہ	۴۷ حصہ	۴۷ حصہ	۴۷ حصہ
۴۸ حصہ	۴۸ حصہ	۴۸ حصہ	۴۸ حصہ	۴۸ حصہ
۴۹ حصہ	۴۹ حصہ	۴۹ حصہ	۴۹ حصہ	۴۹ حصہ
۵۰ حصہ	۵۰ حصہ	۵۰ حصہ	۵۰ حصہ	۵۰ حصہ

ڈاکٹر محمد حسین - ایچ ایل ایم ایس - مشہور میوہیتھ - دندان و عینک ساز نمبر ۳ و ۴ - امین الدلہ لکھنوی

جہانِ مرقع تصویرِ محسنِ دوست تمام
بہ حیرت م بہ کہ بندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

نمونے کا پرچہ
آٹھ آنے

دسمبر ۱۹۲۶ء

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک
پانچ روپیہ

- | | | | | |
|----|--|----|--|-------------------------|
| ۲۵ | جناب اعلیٰ گلزاری | ۲ | ادبیات | (۱) عرض حال |
| | جناب ہندوستان کی کم علم مضامین نویس عواتین | ۳ | جناب تیسل موہانی | (۲) افکارِ نسل (غزل) |
| ۳۰ | جناب نذر سجاد حیدر صاحب | ۴ | جناب سید ظہیر شاہ صاحب | (۳) کلامِ بنظیر (غزل) |
| | جناب پنڈت جگموج ناتھ تریہ | ۵ | جناب غلام شہر گھنوی | (۴) جذباتِ شعر کا اظہار |
| | صاحب شوق ریٹائرڈ | ۹ | ۴۵ نفس کی فریگی ریان (افسانہ) | جناب طالب باغی |
| ۳۲ | ڈپٹی کلکٹر | ۱۹ | (۶) نقوشِ مانی (غزل) | از جناب مانی باغی |
| | جناب محمد صادق حسین | | (۷) لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فداے لکھنؤ (تحقیق) | |
| ۳۳ | صاحب بی بی علیگ | ۲۰ | حضرت آزاد و عظیم آبادی | |
| | از جناب احمد علی خان | | (۸) پیرایہ (تحقیق) | |
| ۳۵ | صاحب آزاد مہنوی | | (۹) آزادی و قلم صنفِ نازک کا فیض | |
| ۳۶ | جناب صادق ایوبی | ۲۱ | جناب حیدر گھنوی | |
| | (افسانہ) | ۲۲ | عبدودیت جہد (غزل) | جناب مولوی عبدودیت جہد |
| ۴۳ | جس گلزاری | | (۱۱) عکسِ غزل جناب غنی ظفر علی خان صاحب اسیر | |
| | جناب خواجہ عبدالرؤف | | لکھنوی مرحوم بھٹا جناب اسیر | |
| ۴۵ | صاحب عشرت گھنوی | | حسب فرمائش جناب علی حسن حسینی مرحوم و غنوی | |

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خاکِ نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہیں ہوا

عرض حال

خدا کا شکر ہے کہ مرقع کا پہلا سال بخیر و خوبی ختم ہوا۔ اخبار روزنامہ ”بہم“ و ”حقیقت“ لکھنؤ کے ذریعے سے میرا ارادہ تھا کہ معاونین اور قارئین ”مرقع“ کا شکریہ ادا کرے۔ اسکی اطلاع اکثر اصحاب کو پہنچ چکی ہے۔

معلوم کئے خطوط اور دوسرے دریافتوں کے متعلق آئے۔ گونا گویا جواب بھجوائے گئے لیکن ممکن ہے کہ ابھی کسی کا جواب باقی رہ گیا ہو۔

اور وہ خطوط جن کا تعلق خاص مرقع سے تھا انکے جوابات تو اب تک بھیجے ہی نہ جاسکے ہیں ان تمام حضرات کی ہمدردی، جمعا و عیادہ فرامی کا دل سے ممنون ہوں کہ جن اصحاب کی خدمت میں ہمارا زما میں انکے خطوط کے جواب

جنوری ۱۹۳۷ء
مرقع
جو خاص اہتمام و انتظام کے ساتھ مرتب ہو رہا ہے
ان حضرات کی خدمت میں جنکا چند دسمبر ۱۹۳۶ء میں ختم ہو گیا ہے بذریعہ وی۔ پی۔ روانہ ہوگا
ایسا ہے کہ قدردان مرقع اپنے قدیم لطف و کرم سے اسکو وصول فرما کر ممنون کر رہا ہوں اور جن حضرات کو کسی وجہ سے آج تک اس ہونے قبل سے مطلع فرما دین۔
خادم و وصل بلذامی

خاص طور سے ادا کروں اور سال آئندہ کے لئے جو انتظام پیش نظر ہے اسکو پیش کروں لیکن دسمبر کو ایک نام لکھنا کہ گھوڑا میرا پاؤں پر گر گیا جسکی وجہ سے پاؤں کے علاوہ سینہ اور گردن وغیرہ پر زخم بھی چوڑے آئے اور ایسی چوڑے آئے کہ آج تک پلنگ پر پڑا ہوا ہوں اور انہیں اس تامل

نہیں ہوں کہ چل پھر سکوں۔ خدا نے بچا لیا اور کچھ عرض نہیں کر سکتا جو کچھ لکھنا چاہتا تھا نہ لکھ سکا اور تمام منصوبے بل ہی میں رہ گئے۔ اور آج یہ حال ہے کہ نہ معلوم کس شکل سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ تمام خط و کتابت اور تمام ضروری کام بند ہیں۔

نہ پونچھوں ان سے طالبانی۔ امید کرتا ہوں کہ سب غلٹ میری صحت کے لئے عافیا میں گئے۔ انشاء اللہ میرے صحیتا پائے نے جنوری ۱۹۳۷ء کا مرقع طرح سے ختم اہتمام کے ساتھ مرتب ہو کر قدردان مرقع کی خدمت میں پیش ہوگا۔ اور جو کسی سال حال کے فزین یہ گئی ہو وہ کچھ کیا لگی جس بلذامی

کلام منطیہ

(از حجاب لانا تہ منطیہ شاہ صاحب نے ارثی کو لکھا ہے)

بھری تھی بھول کر تھی شیشہ شراب میں آگ
 مجھے جبروت بھی سانی تھے عتاب میں آگ
 کر ڈھوکے نہ قائم رہی کتاب میں آگ
 شراب میں آگ ہے اور ہے شراب میں آگ
 کمان پر تاب ہے ہوا لکھ کتاب میں آگ
 وہ اور شعلہ زنجی سے ہون عتاب میں آگ
 ہزار شعلہ بنی پر تکیہ و تاب میں آگ
 ادھر سوال میں پانی ادھر جواب میں آگ
 شراب ہے کہ پانی ہوئی گلاب میں آگ
 دلی ہوئی تھی کیسک دل خراب میں آگ
 کہ دل میں ہوتی ہے کچھ اور بھی میں آگ
 سوار کو نہ ہو محسوس کیوں کتاب میں آگ
 ہوا سے اور بھی ہو کر ہے عتاب میں آگ
 کہل رہی ہے یہ دلائل سچ آگ میں آگ
 بجھا رہا ہوں میں تھی ہے عتاب میں آگ
 لگا دی روایت کی کو ذہن عتاب میں آگ
 پڑنے لگا کے کھڑے کھڑے عتاب میں آگ
 کہل رہا ہے جتن تو کس جواب میں آگ
 ملے تھے لکھ کے ازل کی بات میں آگ
 لکھ کے چھوڑ گئی یہ قلب سچ عتاب میں آگ
 یہ کیا تھی بھری ہے غم شراب میں آگ
 کمان سے آئی دل خانان عتاب میں آگ
 کہ پیلہ کھینچتے ہیں عشق کی چلاب میں آگ
 ادھر کیا بے گری ادھر شراب میں آگ
 بھری ہے آؤ پا کے ہر جا میں آگ
 جری ہوا لکھ جہنم میں آفتاب میں آگ
 یہی بہت ہوئے جس انقلاب میں آگ
 اسی شراب میں پانی اسی شراب میں آگ
 یہی تو اب میں جنت یہی عتاب میں آگ
 کہ ہر طرف تھی قدم لکھتے ہی گاہ میں آگ

بھول بھی نظر آتے ہیں بھٹکے خواب میں آگ
 تو اُسے رکھ دی زبان پوری جواب میں آگ
 سر سے پڑج تھی ہر فرد انتخاب میں آگ
 کہ جام میں ہو شراب اور آفتاب میں آگ
 کہیں ہو گاہ میں پانی کہیں آہ میں آگ
 ٹھانے ہوئی ہے گھڑا اور اس چلاب میں آگ
 کہیں جواب میں پانی کہیں جواب میں آگ
 مزاج ہو کے ہے جس طرح شراب میں آگ
 گر سکون میں پانی ہے یہ عتاب میں آگ
 کہ عذاب میں بھی دیکھی ہو خواب میں آگ
 بہت ہی تنگ ہے اس عتاب میں آگ
 چھٹی تھی پردہ انوار کے جواب میں آگ
 دیکھ کیا بے گری نہ ہو شراب میں آگ
 یہ قیصر لگاتی ہے بل کے آہ میں آگ
 لگا دی شعلہ مے نے زخاں عتاب میں آگ
 کہ کوئی رونا میں پانی کا کتاب میں آگ
 یہ سو رول پر نہیں لغز رہا میں آگ
 لکھی ہوئی نظر کافی جہان کتاب میں آگ
 لٹکی بھٹکے بھی واعظ بہت جواب میں آگ
 نظر تھی نہ انہیں اکٹٹ نہ جواب میں آگ
 نہ اس شباب میں پانی داہن شباب میں آگ
 زبان تھی نہ کھولے کھلے جواب میں آگ
 کہ جس طرح ہو نہان داہن شباب میں آگ
 بھری ہو ساری عبادتی کی آہ میں آگ
 نہ کھلی لٹکے موش کے جواب میں آگ
 لگا دیں تیری ہی ہے غضب میں آگ
 بنی ہو بقی غضب ووب کہ شراب میں آگ
 بنی ہے بھول مے داہن شباب میں آگ

حرارت مرض عشق خاک سونے سے
 بیان سوز جگر کے کچھ نہ بین آیا
 ازل میں سوز جنت ہی کو چاہے
 چکسین اکٹٹ نہ دون مریہ لیکم ہو
 یہ آہ سوز یہ گرم شعلہ یک ہی شوق میں
 چلا ہوں دل پہ نے داغ لے لکھ دوق
 وہی سوال عذاب بھی ہو مگر وہ شوق
 تری نگاہ کی سستی میں یوں ہو شوق بھی
 بخت آئی وہی سبب میں سوز میں بھی
 خدا ہی خبر کرے یہ صبح گلشن کی
 جو عجب بخت میں وہ جلیں کے ضرور
 کسی کی حسن کی گرمی نے جھکے ہوئے
 اگر نہ جوش و حرارت ہو لپٹے ہی لپٹ
 روم کے عشق میں نیا جانی ہو دل کو
 پڑا جو عکس رخ آفتاب میں سانی کا
 تر غم اپنی پڑ داغ و چہرے ترے ہو سر
 ملا ہے ساز مجھ کے ساز جرم مغان
 مجھے خیال ہوا اپنے قصہ دل کا
 نہ چھوئے غیبت زندان با صفا ہرگز
 تہا لے سوز خستہ دل چہرے کے آئے دوق سے
 یہ کیا چاہیے لے سر دمرا ہر شک
 یہ سوز دل یہ بیان وہ کمان سے لٹکی
 چاروں میں مگر یہ یوں ہو شوق دل
 نظر فرمے لے تشہ کام زینت ہر
 اب اپنے نالوں سے دیکھ کر اپنا دل
 نہ چوم دست خان کی کسی کے تو لے شمع
 نگاہ مست میں قمر لکھ سرخ خستے سے
 بہار نشو و نما شفتان ہے سستی میں
 تیر فراق میں جلتا ہوں بخت منطیہ مگر
 کچھ لے جا کے یہ درگاہ تو راہ میں آگ

شعر کو رش مقفوعہ سے ہٹ کے ادا کیا ہو گا پھر کیا تھا ہر شاعر نے اپنی ایک نئی دھن نکال لی ہوگی جو کہ اگر کم جس کے شاعر دلوں یا دوستوں کے حلقوں میں مقبولیت کی نظر دین سے دیکھی گئی ہوگی۔ وہی رفتہ رفتہ اس حد تک پہنچ گئی کہ آج ہر نیکے ہرین کہ ہر شاعر اپنی طرز ادا کے لئے سوز و ساز کے ساتھ محفل شاعرین میں غزل سرا نظر آتا ہے۔ اس قسم کی شعر خوانی نے لکھنؤ، آس کے اطراف ہی میں نہیں بلکہ دور دور پر انقلابی اثر پھیلا دیا ہے۔ بنیادیں امرین دہلی کے تھلہ کم کلین کے اور کھنڈ کے زیادہ بعض بعض عزیزین تو ایسی چہنیزیں تھیں کہ ان کی اچھی خاصی کن پائی جاتی ہے۔ موجودہ شعرے اردو میں حضرت ذیل غزل گوئی غزل خوانی میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر اقبال۔ ستائش خاہری کے ساتھ آواز میں نہیں ہے ساگر بہت خوش سخن نہیں ہیں مگر الفاظ سامروں اور ضرور جھکتے ہیں۔ الفاظ کی طرز ادا اپنی حرکات کی خاص جھلک پائی جاتی ہے۔ اجزلے لفظ کے آنا چڑھاؤ کا لحاظ رکھتے ہیں جس طرح ان کی فکر لطیف سطح معمولی سے بہت بلند ہے۔ اس طرح ان کا طریقہ ادا اس شعر بھی موافق اور دکھائی ہے۔

جناب مسائل دہلی۔ بہت سخیل کے اور بہت سدا کے شعر سننے ہیں۔ اگرچہ آواز میں نرمی نہیں ہے مگر طرز ادا میں ایک شگفتگی ہے جو بے انتہا جمالی معلوم ہوتی ہے۔ اس سن و سال میں اور اس طرح شعر ادا کرنا انہیں کا حصہ ہے۔

جناب ریاض خیر آبادی۔ طرز ادا نہایت شگفتہ۔ زبان ان الفاظ میں صاف ادا ہوتے ہیں بیش کلام کے ساتھ مشق شعر خوانی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

جناب حضرت خیر آبادی۔ طبیعت چلیبہ مضامین کی طرف مائل ہے مگر طرز ادا بھی بہت سچا ہوا اور کچھ نرم کے ساتھ مذاق سخن دی ہے جو داغ مروجہ کا تھا یعنی معاملات کی صفائی اور محاورات کی بندش۔

جناب صہبی کھنڈی۔ (Momin) یا حرکات اٹھانے کے پابند ہیں۔ اس کے ساتھ آواز کا ادنا چڑھاؤ۔ الفاظ کا مناسبتہ ش کے ساتھ پنا پھر بے اختیار نہ ہوا۔ سب پر موزعہ کا تاثیر کا پنا خاصہ پنا دیتے ہیں۔ میری ملے میں بہت متاثر و مضامین کے غزل پڑھتے ہیں۔ بعض وقت شعر کو دلی قوت سے

کہ میں نے خود سنا ہے بہت سی بالی اور شوخی سے پڑھتے تھے کوئی خاص باغ تھی۔
میر مرحوم کیلک الفاظ کو نش کے ساتھ ادا کرتے تھے اور پڑھنے میں والی اور تھا۔
یہ ذاتی و بیان میر کی ایک مرتبہ مرحوم کے نامی ناگزیر میر مرحوم بلند ہری سے میں نے ان کی طرز شعر خوانی کے تعلق کچھ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ استاد مرحوم الفاظ بہت دور دیکھتے تھے اور آواز سے بھی ایک خاص جذب کی کیفیت پیدا ہوتی تھی اس کے بعد قصیم مرحوم نے اس رنگ میں ایک شعر پڑھا کہ سنا سنا ہی بہت پڑا اور گویا جہان کی مثال کیا جاتا جو معلوم ہوتا ہے کہ خوانندگی شعر کے طریقے میں در آخر کے شعر ایسی داغ۔ آئینہ جلال فرم کے جسے فخر کی بنا پڑی۔ پھر یہ کہ ۹۹ وجہ یہ کہ زمانہ ہمیشہ کا پتہ پسند ہوا اور خصوصاً دو خاصہ۔ دو وجہ کے سخن گوین نے جہاں شعر گوئی کی موجودہ روش اختیار کی یا ان تروک الفاظ کے ساتھ پڑا اور ادا بھی تروکات کی فہرست میں لکھ لیا۔ دوسرے یہ کہ ہر شاعر کو پہلے اعتبار پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلند اور مردہ اور طریقہ اختیار کیا جائے جس سے سامعین پر اثر ہے اچھی آواز یا الفاظ کا ایک دوسرے سے مناسب ایسے میں تعلق ایسی چیزیں ہیں جو قوت سامع پر فوراً اثر کرتی ہیں۔ لہذا پہلے اس طعن ان لوگوں نے توجہ کی جو باوجود خوش گوئی کے آواز میں بھی غلوں کا لگا دیکھتے تھے۔ جتنے شاعری کے اور نہ نالوں نے شعر خوانی کے اس نئے طرز کو دیکھا تو ان کے قدم بھی لگائے۔ جن کی کہ اب ہر شاعر جو مصرعے کہہ دیتا ہو کسی کی طرح بوقت یا بہت اس رنگ غزل خوانی کی طرف اپنے آپ کو کھینچ لیتا ہے۔ کہ چند نفوس مثال کے لئے ایسے بھی ملے ہیں جو کہ بے پائند ہیں بلکہ صرف حرکات یا (Momin) سے کام لیتے ہیں ہر حال کسی نہ کسی بہت اس میں بھی نئے رنگ کی جھلک ضرور پیدا ہوتی ہے۔ آخر لکڑا صاحب ہیں آغا شاعر دہلی میں جو شعر پڑھنے کے وقت کا کٹ کاٹ لیتے لکھتے ہیں شعر خوانی کو نیا جامہ پہنانے کے موجود جو شعر ان کے کچھ دلوں قبل جناب شقایق اور جناب منظر مرحوم اس صنف کے بہترین افراد میں شمار ہوتے تھے یہ نئی راہ ہے خواہ اور حضرات اس سے متفق نہ ہوں کہ حضرات لکھنؤ کو فطرت نے اس صنف میں کچھ زیادہ دکھاؤ بخشی ہے۔ یوں تو جہانگ ان کی رسائی طبع کا دیتی ہے ہر چیز میں ایجادات کی شاخیں لگا دیتے ہیں۔ کسی ایک شاعر نے

کارخانہ اشعر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ جس کو قریب ایک صدی کے ہوا ایک نامی سے جاری ہے۔

جناب یاس عظیم آبادی سر صاحب کی طرز ادب خود کو طبع و شعر کو کا خاص
شک ہے میں پیش کرتی جو کہ آتش مغز کی سردی مضامین پر لکھ رہی تھی اور لکھانی
خواندہ کی بھی ایک خاص طرز جاہتی ہے اور آواز کو سوز و سادگی کے لگا کر دل بھی
درد آشنا پایا جو شعر تر ہے وقت چہرے سے ایک فیت کا اظہار ہے پڑا ہے اگرچہ طرز
غزل لکھی کا نظر احسان سے کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ سر صاحب بے خل پڑھنے
والوں میں ہیں۔

جناب بیچو دھوبانی - آواز قدر تا نرم ہے - بارود اشعار سے قبل اپنے فن ناک
اشعار اپنے سخن میں پڑھتے ہیں شعر کے لفظ میں آواز کے تاثر ہے اور سادگی کے ساتھ کشش ہے کہ
جناب اصغر گزدری - عین اب کو بھی کمال لفظی سہولت ہے جو کہ لکھنا معلوم ہو اور کہ
شعر کو باوجود خوش آواز نہ ہونے کی حالت میں آواز چاہتے ہیں۔

جناب آسیہ - نہایت نئے نئے حرا کرتے ہیں بہت شکر ہے کہ میں لفظ چننا اور انہوں نے لکھنا
جناب وحید حشمت (کلکتہ) - آپ کے متعلق بھی کچھ لکھا جا کر ان کے بار جو تو اس قدر لکھنے
کے کچھ بھی اتفاق ملا ہیں ہوا کہ جہاں کہ جس میں اپنی توجہ لکھا ہے کہ لکھنا میں شاعری کو
شعر اور کہتے ہوئے جس وقت کلام غامض ہوگی اور دل اندک شعر کی طرز شعر خوانی میں
جناب صفی جناب سائل جناب عزیز مراد جناب یاس کی تقلید لکھنا بھی ہے کہ کچھ صاحب
ہوتے ہیں اور کچھ لکھنا ایک ہی طرز میں پڑھنے لگتے ہیں۔

شعر کو ایک صنف میں لکھتے ہیں جن کی تخلیق شاید کوئی نہیں کریگا چنانچہ جس
ہو سکے بہت سے طریقہ ایجاد اور اختیار کئے مگر بنانا اور اپنا لکھنا ہی وہ طریقہ ہے جو سب سے
نگہداشت ہو۔ یا بیشتر آواز کی گت سے مصرع اور ہنر اور لکھنے سے لفظ اور کلام
عادی ہو گئے ہیں مگر مذاق صحیح لکھنے والے حضرات کی محفل میں اس طرز کے نام نہ لیتے
ہونے کا ذکر ہوتا ہے بہت ممکن ہے کہ کسی حدی کے وسط میں ہی طریقہ اور شعر کا عام
ہو جائے اور نیا طرز احسان نہ کہنے کے کیونکہ لکھنے کے طرز کو نیا چھلکے لگے ہیں۔
اور جو پیش کیا ہے کہ اظہار عجز با انسان سے جس طرح ممکن ہو سکے جب تک کہ انوار
لکھے کی حرکات سے کام نہ لیا جا سکے کیونکہ لکھنا نہیں سکتا جس کی محفل میں لکھنا
اس طرز کی طرز ادب ہی فطرت مدینہ کی حاجت ہے کیونکہ جس شخص کی آواز
بیدار تھی نرم اور مدلی نہ واقع ہو وہ کیا کر سکتا ہے۔

کھینچ کے پھر دیتے ہیں کہ ایک کمال پیش نظر ہوتا ہے خصوصاً صاحب کوئی
قوی نظم پڑھتے ہوں تو جذبات سے خود متاثر ہونے کا بہتر ثبوت ملتا ہے۔
جناب ثاقب لکھنوی کسی سخن کے پابند نہیں مگر کہ اس کا اپنے میں
اور چونکہ آواز میں فطرتاً ہی نہیں ہے اس وجہ سے سخن سے پاک ایک خاص لہجہ
اختیار کر لیا ہے۔ ممکن نہیں کہ سامع پر اثر نہ پڑے۔ آدل توان کا ترجمیل دوسرے
طو شعر کی تصویر بن جانا یہ دونوں بامین ثاقب کے شعر کو کہہ کر بہتر میں توفیق
دین میں سعادت محبت میں سر و گردن کو ایک طرح کے تہہ میں جو بہت ہی محکم و محکم
جناب ناطق لکھنوی شعر کو ایک خاص متان آواز میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں جس سے
قوت خیال کا اثر زیادہ ہوتا ہے بہت باحساس طرز ادب ہے۔

جناب عزیز لکھنوی - فطرتاً خوش آواز واقع ہوئے ہیں۔ ان کی طرز ادب کو
سخن سے تعبیر کر سکتے ہیں اس وجہ سے کہ ایرانی لہجہ کی جھلک باقی جاتی ہے کبھی
کبھی بے جوش ہیں اور متاثر ہو کر پڑھتے ہیں شعر کے مصرع آخر کے لفظ کو لا
کرتے وقت آواز کو تصور ہی میں حرکت دیتے ہیں جو شعر کو اور خوش آواز بنا دیتے ہیں
جناب محسن لکھنوی اپنی شعر خوانی کا رنگ سب سے علویہ ہے نہ تو اس کو سخن ہی کہتے
ہیں نہ طرز سادہ و واقف یہ کہ مرزا صاحب مصرع کے تین حصوں کو بہت ٹکڑے کر
ادا کرتے ہیں اور ایک خفیف وقف کے بعد باقی حصہ جلدی سے ادا کرتے ہیں
اور یہ طرز ادب انھیں کے لئے مخصوص ہے۔ اجتماع بھی کیا کہ نہیں ہوا۔

جناب بھاکر لکھنوی - بہت صاف پڑھتے ہیں۔ الفاظ انہیں سادگی
اور صفا کی سے اس وجہ سے ہیں طرز ادب بہت مند - فوجیوں کے حلقہ شعر میں
چند انفرادی حیثیت زبان و طرز ادب انہیں مقبول ہیں اور جن کے متعلق لوگوں کا
خیال ہے کہ آئندہ اور زیادہ ترقی کرینگے۔ سرنگ صاحب شمس صاحب۔
قدیر صاحب - منتظر صاحب - گہ صاحب - سحر صاحب - آئین صاحب بلوچی
شاعروں کی گری وقت کے باعث ہو جاتے ہیں۔

جناب آرتھ لکھنوی - ان کا شعر بیشتر رنگیات فارسی کا محل ہوتا ہے لہذا اور
تخی کا واضح طریق سے ادا ہو۔ اس طرح پڑھتے ہیں گویا بامین کہتے ہیں۔ نہ آواز میں
ذہب میں تغیر۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنوی کے عطر خانا کا صفحہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہیں ہوا

نفس کی فیکلے برائ

فسانہ
(از جناب طالب باشتی)

کیونکر اسکی نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اُسپہ یہ تاکید کر پینا ہوگا

اسکی نگہ۔۔۔۔۔ محض اتنا مصرع پہلے کی بہ نسبت کسی قدر آہستگی اور وقفہ سے ادا ہوا، فضا میں گونجا اور بھر بکا یک خاموشی؟
اب نہ ہارونیم کی ترنم ریز یاں تھین نہ حسن ظفر کی دلکش نغمہ آفرینیاں۔ مگر میں کیسے سکوت تھا اور مرزا اُسی طرح بچو خواب، شاید اُسکا داغ ابھی تک گزشتہ نعمات کو بازگشت کر رہا تھا۔
جب تقریباً دس منٹ اسی حالت میں گزر گئے تو مرزا نے ایک آنکھیں کھولیں اور ہارونیم کی طرف ایک مخصوص انداز سے دیکھ کر کہا:-

”ظفر آج تو تنے کمال کر دیا، خدا معلوم تمھاری آواز میں وہ گونجی چیز تھی جس نے موسیقی کا زندہ جادو ہونا پورے طور سے ثابت کر دیا؟“

”شکریہ، حسن ظفر نے متانت سے کہا اور خاموش ہو گیا۔
مرزا۔ لیکن تم پھر یہ دستور خاموش ہو، آخر اس رنج و محنت سے حاصل؟ میں تم سے کہہ چکا کہ ”میمو“ پر سوا تھا رے کسی کا حق نہیں ہے، مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ تمھاری محبت کی قدر کرتی ہے، اس کا علم کہ اس کی والدہ (یعنی تمھاری چچی) اُسے عنقریب تم سے منسوب کرنا چاہتی ہیں۔ حسن ظفر۔ یہ سب کچھ سہی لیکن دل تو کج منت نہیں مانتا،

حسن ظفر اپنے مغربی وضع کے آراستہ کمرے میں ایک کوچ پر بیٹھا ہوا ہارونیم کی سرپلی گتون کے ساتھ اس شعر کو الاپ رہا ہے اور الاپے چلا جا رہا ہے۔ اُسکا دوست مرزا سکوت محبت میں بنا ہوا موسیقی کے اتھانی اثرات اپنے قلب پر محسوس کر رہا ہے اور آنکھیں بند کیے حسن ظفر کے سامنے ایک دوسرے سوئے پردراز ہے۔۔۔ اس طرح کہ اگر کوئی اجنبی اُسے اس حالت میں دیکھے تو مطلق سوتا ہوا تصور کرے۔

حسن ظفر مرزا کی موجودگی کا احساس رکھنے کے باوجود اسکی طرف سے بالکل بے خبر معلوم ہوتا ہے، اسکی ہنگامیں کبھی چھت کی طرف، کبھی دیواروں کی جانب، بلا کسی خاص ارادے کے اُٹھتی ہیں اور پھر پلٹ کر ہارونیم کے پردوں سے کھیلنے لگتی ہیں ”کیونکر اسکی نگہ ناز سے جینا ہوگا“ اُسکے مُرے لگے سے ہر مرتبہ ایک نئے انداز کے ساتھ کل کراخیز میں اس خوبصورتی سے اُس پہلی راگنی میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کے ماتحت اُس نے گانا شروع کیا تھا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی اسکی دلکش آواز کا ایک مخصوص درد۔۔۔۔۔ بعض اوقات تو بالکل یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ماحول کی ہر ایک چیز لرز رہی ہے، یا سینہ کے اندر کوئی خاص شے (جسے شاید طائر روح کہہ سکیں) غیر ارادی طور پر تڑپ رہی ہے۔ آخر ”کیونکر

اگر آپ کو عطر خاں دار کا رہے تو صرف صغر علی محمد علی تاج عطر کفنوں سے طلب فرمائیے

مجھے چاہا جان کی طرف سے پورا کھٹکا ہے، مرنے والے میں نہیں تیرا سکتا کہ میں اس معاملہ میں کس قدر رہی ہو گیا ہوں کسی نے سچ کہا ہے۔
”ایک عشق و ہزار بے گمانی“

”تم دہر کیا کرو، لیکن یہ ہم تہلے دیتے ہیں کہ ہے سب بیکار مجھے بیخونہ سے تمہاری شادی ہونے کا اس قدر یقین ہے جس قدر موت دن کے ہونے کا، یہ تمہارا محض خیال ہے کہ اُسکے والد تمہیں نہیں چاہتے۔“

”تمہارا اس قدر یقین کے ساتھ کہنا تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمہیں اس بارے میں کوئی خاص واقفیت ہے۔“

”جی ہاں واقفیت ہے، مرنے والے الفاظ بزرگ دیتے ہوئے کہا ”مجھے کل تمہارے چچا زاد بھائی جمیل ملے تھے اُن سے بسبیل گفتگو معلوم ہوا کہ بیخونہ کی شادی عقرب ہونے والی ہے۔ اور جو کلمہ میری اُنکی کافی ہے کھٹکی ہے، یعنی جو کھود کھود کر دریافت کیا کہ کہاں ہونے والی ہے تو انھوں نے کچھ مبہم سے الفاظ میں یہ کہا کہ والدہ کا خیال تیرا جان کے ہاں کرنے کا ہے، اب بتلائیے اسے کچھ اور میں بھی پہنائے جاسکتے ہیں؟“

”نہیں، یہ تو مجھے آج صبح خود بیخونہ بھی کہتی تھی کہ والدہ جلدی کر رہی ہیں، لیکن والد کچھ سوچ رہے ہیں۔“

”تو آخر تمہیں اس قدر عجبت کیوں ہے؟ یہ تمہیں میں نہیں آتا۔ ارے مجھے آج ہوئی تو، کل ہوئی تو شادی سے ہی ہوگی۔ یہ میں کہے دیتا ہوں، البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شادی کے بعد بھی تم خوش رہو گے یا نہیں۔“

”اُسکے بعد خوش نہ رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، حسن ظن نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا ”والدہ میں تو اپنی زندگی کی بہترین آرزو یا تمنا جو کچھ چھتا ہوں وہ محض یہ کہ بیخونہ میری اور مرنے میری

ہو جائے، اگر میں اس میں ناکام رہا تو مرنے والے یقین کر لو کہ میری زندگی محال ہے۔“

”یہ محض تمہارا موجودہ خیال ہے اور اس میں ہر وقت تبدیلی ممکن ہے۔ فی الحقیقت تمہیں بیخونہ سے محبت نہیں، مرنے والے ایک بے نیازانہ انداز سے یہ جملہ کہا اور حسن ظن کو دیکھنے لگا۔

”آپ عجیب چیز ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں میری محبت کو محبت نہیں کہہ سکتے تو پھر کہہ سکتے ہیں۔“

”کسی کو بھی نہیں، محبت جسے صحیح معنوں میں محبت کہتے ہیں سچ پوچھنے تو دنیا سے مفقود ہو چکی آج کل آپ جسے محبت کہتے ہیں وہ عبارت ہے درحقیقت انسان کی ”ہوس رانی“ اور بتا پرستی سے درنہ محبت تو ایک ایسے پاکیزہ جذبہ کا نام ہے جو ہر معاملہ کی کشمکشوں سے متعلق ہی نہیں۔“

”آپ کا تو داغ خراب ہو گیا ہے، میں اس وقت ایک متین موضوع پر بات کر رہا ہوں، آپ پر گفتگو کر رہا تھا اس میں مذاق کا کوئی پہلو نہ تھا۔“

”دراور مذاق کیا کس نے؟“

”بہت اچھا میں اس معاملہ میں زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتا۔ میں سمجھ گیا آپ اس وقت جس حالت میں ہیں کسی نے سچ کہا ہے کہ ضرورت سے زیادہ فلسفی ہونا بھی انسان کو دین و دنیا دونوں سے کھودیتا ہے۔“

”دشاید میں آپ کو اس کا جواب دیتا، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ہر بات کے متعلق جو اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اس میں کئی قسم کی رائے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اس واسطے اس میں بحث و مباحثہ قطعاً اوقات کے سوا کچھ نہیں۔“

”استقلال کے تو آپ بھی خلاف نہ ہونگے۔“

اس لئے اُسے کسی چیز کے لئے صدا یا اصرار کی ضرورت ہی پڑی۔
وہ زندگی کا مفہوم محض عیش و عشرت سمجھتا اور دنیا اُس کے
نزدیک نام تھا ایک مستقل طرب کہہ کا۔

شادی کے بعد تودہ بالخصوص عیش و طرب کے لئے وقف
ہو گیا یا یوں کہیے کہ عیش و طرب اُس کے لئے وقف ہو گئے۔
دن اور رات کے بیشتر گھنٹے وہ اپنے حسین پائین باغ میں۔
”میمونہ در آغوش“ گزار دیتا۔ اور اکثر کہتا کہ ”فطرت نے میمونہ
کو میرے لئے اچھے میمونہ کے لئے تخلیق کیا ہے۔ اسلئے کوئی
طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی“

فطرت اُس کے اس خیال پر ہنستی اور فشتے حیرت سے آگشت
بدندان ہو جاتے۔

تقریباً ایک سال حسن ظفر نے ان ہی مسرتوں اور شادمانیوں
میں ایسی صفائی سے گواہی دے کر اُس کے لئے ”ہر روز روزِ عید“ کا پیغام
لاتا اور ہر شب شبِ برات، ”کا مژدہ سناتی۔ اس اثنائ میں وہ کبھی
کبھی مرزا سے بھی ملا لیکن ہمیشہ عدیم الفرستی کی شکایت لے ہوئے۔
بابا ان کا ردہ زمانہ بھی آگیا جب رفتہ رفتہ حسن ظفر نے اپنے مشاغل میں
کچھ میکسائٹ MONOTONY اور اپنی تفریحات میں کسی قدر
قدامت محسوس کرنا شروع کی اور تدریج میمونہ کے پاس سے کچھ فرت
نکا کر باہر کا رو بار دیکھنے میں مصروف کرنے لگا۔ یہ عین میمونہ کی مرضی
کے مطابق ہوا اس لئے کہ وہ اکثر حسن ظفر سے اپنا کاروبار دیکھنے
کے لئے اصرار کیا کرتی تھی۔ اس حد تک ہوتا تو عنایت تھا، لیکن
حسن ظفر نے میمونہ کے اصرار سے ایسا نہ کیا تھا بلکہ اپنی طبیعت
سے مجبور ہو کر جواب کچھ تبدیلی کی شائق نظر آتی تھی۔ وہ کچھ عرصہ
کے بعد اتنا وقت باہر گزارنے لگا کہ میمونہ انتظار کرتے کرتے تنگ
جاتی، لیکن وہ یہ کہہ کر کہ ”ہوں گے کسی ضروری کام میں مصروف“

دخلات ہوں بھی اور نہیں بھی ہوں۔ استقلال اُس جگہ جہاں
اُسکا اچھائی سے تعلق ہے میرے نزدیک چھاپے لیکن اُس موقع پر
جس موقع پر کہ وہ بدی سے وابستہ ہے میرے خیال میں زبان ہے۔
فرض کیجئے ایک شخص فسق و فجور کرنے کے لئے یا کسی بے گناہ کو قتل
کرنے کے لئے مستقل ارادہ کر لیتا ہے تو کیا آپ اُس کے استقلال کو
مستحسن سمجھیں گے؟

”دکھی نہیں، لیکن میں تو کسی برائی کے لئے مستقل ارادہ نہیں کیا“
حسن ظفر نے ثنائت سے سوال کیا ”میرے نزدیک ایسا ہی ہے“
آپ کی تو رائے ہمیشہ ہی دنیا سے زوالی ہوتی ہے، اسی پر کیا انحصار ہے۔
خیر۔۔۔ چلئے برآمدہ میں بیٹھیں، بیان تو گرمی بڑھتی جاتی ہے،
”میں اس وقت تو اجازت چاہتا ہوں، ممکن ہو تو بعد مغرب
حاضر ہوں گا“

”حسن ظفر نے رسمی اصرار کیا، لیکن مرزا نے معذوری ظاہر کی
اور چلا گیا“

(۳)

حسن ظفر کی شادی ہوئے آج تقریباً ایک مہینہ ہو گیا ہوگا،
اس عرصہ میں اُسکی مسرتوں اور شادمانیوں کا اندازہ سوائے
میمونہ کے کون کر سکتا تھا، مختصر یہ سمجھ لیجئے کہ حسن ظفر اپنی دنیا
کی موجودہ جنت کے مقابلہ میں فردوس کا خیال دل سے محو کر چکا
تھا، وہ سمجھتا تھا کہ ایک میمونہ کی موجودگی اُس کے لئے ہزار خیالی
جنتوں سے بالاتر ہے۔

حسن ظفر اپنے باپ کا اکڑنا بیٹھا تھا، دولت کی اُسکے پاس
کمی نہ تھی، دنیاوی تفکرات سے وہ نا آشنا محض تھا، ہر دم
اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا سامان تئیش اُس کے لئے فراہم رہتا اُسکے
ادنیٰ اشارے پر والدین اہم سے اہم بات کر نیچے لے تیار رہتے۔

تمام ماہران فن نے صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خا کو بہترین عطر مانا ہے

ایسی مستقل کردہ اسکے لئے مخصوص ہو جائے اس واسطے کہ جب تک آپ یہ سمجھتے ہیں آپ کی زندگی کو کوئی ناخوشگوار نہیں بنا سکتا لیکن اگر ایک لمحہ کیلئے یہ خیال خدا نخواستہ اپنے اپنے دل سے محو کر دیا تو سمجھ لیجئے کہ وہ لمحہ آپ کو دنیا کی کسی چیز کے بدلے واپس نہیں مل سکتا اور اُسی لمحہ سے ابتدا ہو جائیگی آپ کی زندگی کی بربادی کی! اُس بربادی کی جس بربادی کا نتیجہ ایک عبرت آموز اور ناخوشگوار موت کی صورت میں نکلتا ہے۔“

”نفیات“ (Psychology) کے مطالعہ نے آپ کا دماغ تو مرزا صاحب کو رسی کام کا چھوڑا نہیں۔ آپ کے لئے تو میرے خیال میں بہتر یہ ہو کہ یا تو کسی کالج میں پروفیسری کر لیں یا آجکل پیغمبری کی طرف لوگوں کا زیادہ رجحان ہے کہیں باہر جا کر پیغمبری کا جی اعلان کر دیں۔“

”میرے ہیں تو پروفیسری کروں گا یا پیغمبری لیکن آپ کے ”ضدی مزاج“ یا ”غیر مستقل استقلال میں اصلاح کی سعی لاحاصل کرنے پھر کون آیا کر لگا؟“

”میں تحریر ہی مشورہ.....“

اندر سے ایک ملازم آئی اور پانوں کی تھالی کے ساتھ کاغذ کا ایک پرچہ چپکے سے حسن ظفر کو دی گئی۔ حسن ظفر نے مرزا سے بلا چھپا ہوئے آہستہ آہستہ پرچہ کو پڑھنا شروع کیا، پرچہ میں لکھا تھا۔

”آپ کو کھانے کی گردش سکندری سوئی، اور کانون کی ناعت فضا کی سکون شکن آہٹوں دفع ہو کر گئیں۔ سنا پنا بیجا! تمہارا خیال کس درجہ بے تیرا سرت ہے؟

”مجھ کو کتنا تیرے میری صبر آزمائی، کا کب سے ارادہ کر لیا ہے۔“

”م“

”میں تو اجازت چاہتا ہوں،“ مرزا نے پان کھاتے ہوئے کہا۔

اکثر اپنی بدگمانی کو (جو کم از کم عورت کی فطرت ثانیہ ہے) دل سے دور کر دیتی اور پھر ایک بار انتظار کی کشمکشوں میں پڑ جاتی۔ ایک روز اسی طرح حسب معمول حسن ظفر باہر اپنے ملاقات کے کمرے میں بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا کہ مرزا آیا اور ایک محنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سلام کر کے بیٹھ گیا۔

”خدا کا شکر ہے کہ آپ آج فرصت میں معلوم ہوتے ہیں۔ درنہ عدیم القرمستی کا تو آپ کو ایک تنقل یا ادائی مرض سا ہو گیا تھا۔“ مرزا نے تبسم بہ لب کہا۔

”جی ہاں فرصت ہے بھی اور نہیں بھی، اس وقت تو یونی کچھ سوچ رہا تھا۔“

دو تو یوں کہنے لگا آجکل آپ مصروفیت اور فرصت کی باہمی کشمکشوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خدا کرے آپ کا فیصلہ اعتدال پسند کرے۔“

”دو اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟“

”یہی کہ نہ آپ عدیم القرمستی ہی رہیں اور نہ مکمل فرصت۔“

”دین سمجھا داتی ایسی شکایت حق بجانب ہے۔“

”آپ کچھ بھی نہیں سمجھ، مجھے آپ سے نہ کبھی کوئی شکایت ملی ہے۔“

”تو پھر آپ اپنے فقرے کی زرا اور تشریح کریں۔“

”میں مصلحتاً زیادہ تشریح کرنا پسند نہیں کرتا، صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں یا آپ کا کوئی دوست ہرگز آپ سے اس بات کا خواہاں نہیں ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ وقت انکی صحبت میں گزاریں، بلکہ آپ کو اسکا اتجو نہیں لیکن آئندہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جسے آپ شریک زندگی بنا چکے ہیں اس کا حق آپ کے اوپر نسبت دوستانوں کے زیادہ ہے۔“

”آپ کیسی اُتالی الٹی باتیں کر رہے ہیں کیونکہ میری راحت روح ہے۔“

”در خدا کرے یہ خیال آپ کو دلیں ایک مستقل جگہ قائم کرنے

عطر حنا جو اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

”یہ کیوں؟ اور تشریف رکھئے“

”درستی امر کی ضرورت نہیں میں آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اُنکے وقت میں میرا حصہ نہیں ہے بلکہ اگر مناسب سمجھئے تو اپنے اُس زائر وقت کے ضائع ہونیکا، جسکی وجہ میری موجودگی ہوئی، میری جانب سے بھائی صاحبہ سے افسوس بھی ظاہر کر دیجیے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ معاف کر دینگی“

یہ کہہ کر زائر اٹھ کھڑا ہوا اور حسن نظر زنا خانہ میں داخل۔

(۳)

”آہ تم جب سننے بی تالی گئے ہو، میری زندگی میں روحانی مصائب کا ایک نیا باب کھل گیا، اندرونی تکالیف کا ایک طوفان پھاڑ ٹوٹ پڑا خدا کے فضل و کرم سے جہاں یہ ظاہری تکالیف سے میں نا آشنا ہوں لیکن وہ نسبت حقین، عین راحت حقین اگر تم میرے پاس ہوتے مجھے تو تم اور محض تم درکار ہو“

دکاش تم میری حیات کا اندازہ لگا سکتے!

”باد کرنا، اگر اسمین میں تضرع یا منادات سے کام لیتی ہوں تو خدا میرے آگے لائے، تمہارے بغیر میرے لیے رات آتی ہے لیکن اتنی بیگانہ اور تاریک کہ خداؤں کو نہ دکھلائے، دن نکلتا ہے مگر اس درجہ بے کیف اور پھیکا کہ منہ ٹھک لینا پڑتا ہے، شام ہوتی ہے لیکن اس قدر مصائب و آلام کا خروہ سناقتی ہوئی کہ دل لرز جاتا ہے، غرض تمہاری سمیٹہ تم سے دور خدا معلوم کس کس طرح دن کاٹ رہی ہے۔ دل بے لڑکی کوئی تدبیر ہے تو وہ تمہاری یاد اور گردشہ صحتوں کا خیال جواب محض ایک خواب ہے“ وہ صندلا سا“ اور ایک نہ

ہے بھولا سا“

”اگر تم نہیں آ سکتے اور ضروری کاموں کی وجہ سے وہاں رُکے ہوئے ہو تو خدا کے لئے سیری وہ خطا تو تیار نہیں کی یاداش میں مجھے درحرث بھی نہیں لکھے جاتے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ تم اتنے مصروف ہو کہ خطا تک نہیں پہنچ سکتے پرسوں ہی نامے آبا کے پاس اور خالد انان کے نام تمہارا خطوط آئے ہیں اور سستی ہوں کہ اکثر آتے رہتے ہیں۔ آہ اس سے زیادہ سیری بہشتی، میری حیران نصیبی اور کیا ہوگی کہ تم ناراض ہو۔ تم جسے میں اپنی مسرت سمجھتی ہوں۔! تم جسے میں اپنی روح سے وابستہ پاتی ہوں۔! تم جو کبیر میرا سہارہ عقل و ہوش ہو۔!

”تم مجھے ناخوش ہو، ناراض ہو اسکا مجھے یقین دانش ہے۔ اسے میں اُس وقت سے معلوم کر چکی ہوں جو موت تم بیان موجود تھے حقین یاد ہوگا، ایک روز جب تم رات کو باہر سے کچھ دیر میں آئے تو میں تمہارے مزاج کو نہ پاتے ہوئے دریافت کیا کہ اتنی رات کمان گزاری؟ تو تم خفا ہو گئے خدا معلوم مجھے کیا کیا کہا، جسے عاشا اپنے پیار کھنے کی کوشش کی نہ سمجھاؤ۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ تب ہی سے تم مجھے برہم ہوتے چلے گئے، اور تمہاری برہمی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اب مجھے یہ آرزو ہے کہ تم برہم ہی رہتے لیکن رہتے تو میرے پاس اگر مجھے ہو سکتا تو خود منالیتی مگر تمہاری یہ سزا کہ مجھے درد کا لے کو سون جا بیٹھے داعد ایک لیسارچ ہے جو دن بدن روح کو تحلیل کر رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سزا دی کا جو میا رتنے رکھا ہے وہ باوجود اپنی تمام تر خمیوں اور صبر آزمائیوں کے آسانی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خاں مرموم میں تہمال کیا جاسکتا ہے

حسن نظر ہے کہ اُسے ”کلفت دماغ“ اور ”ضبط قلب“ خیال کرتا ہے !!

اُسکا مزاج ایک فوری تبدیلی چاہتا ہے اور بشرط امکان میمونہ سے ایک مستقل علیحدگی کا مطالبہ وہ اتنا ہی خود اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے کہ اُسے اپنی جان نثار بیوی سے کیوں نفرت ہو گئی جبکہ وہ ہنوز اس کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کیلئے تیار ہے۔ اُسکا جواب حسن نظر کے پاس کوئی نہیں لیکن یہ کہ اُسے اُس سے نفرت ہے اور رہنی چاہیے۔ ایک مستقل خیال ہے جو ہر وقت اُس کے دماغ میں گونج کر رہا ہے۔

نینی تال میں اُس نے اپنی تفجیحات کے ہزار ہا سامان پیدا کر لیے ہیں یہاں تک کہ اُسکا وہ مخصوص گوشہ قلب جو کسی زمانہ میں میمونہ کی محبت سے لبریز تھا، اُس سے نفرت ہو جانے کے بعد خالی ہی بن گیا ہو گیا بلکہ اُسکی ہوس رانیوں نے اُس میں ایک اور تصویر شہاب ایک جدید ”دشمنہ مغرب“ کو جگہ دینی شروع کر دی !!

دولت ہرگز اندھی نہیں ہوتی ہاں اُس میں اُن لوگوں کو اندھا کر دینے کی قوت یقیناً موجود ہے جنہیں ”اہل دولت“ کہا جاتا ہے چنانچہ حسن نظر کی تبدیلی میں علاوہ انسانی فطرت کے اسکی فراوانی دولت بھی شریک کار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے ایک معصوم دل کا ”دشمنہ نازک“ توڑنے کے بعد پشیمانی نہیں ہوئی بلکہ اسکی کوشش کہ اُس سے مکمل طور پر کیوں نہ نہیں ڈالے۔ ایک ”بھڑونڈا“ ایک پیکر عصمت کو پامال کر نیکی بعد صبر نہ آیا بلکہ اسکی فکر کہ اپنی سید کاریوں کی یادگار کیوں نہ قائم کیا جائے! یوں تو اس سے قبل سے میمونہ کی ایک نہیں بیسوں تحریریں ملین اور اُس نے اُنہیں بلا کسی خاص توجہ کے ردی کی تو کمری کے حوالہ کر دیا، لیکن آج وہ ایسا نہیں کر سکتا آج طرز تحریر میں اُس کے لیے

اگر تم معاف کر دیتے ہو لیکن نہ صرف دشوار ہے بلکہ بڑی تک خطرناک اگر معافی نہیں ملتی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم خدا کیلئے یا رسول کیلئے میری خطائیں معاف کر دو اور آئندہ کیلئے اسکا عدیل کو کوئی بات خلاف مزاج نہوگی۔ یا اگر بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک روز کے لیے ناراض ہی نہ رہنا چاہئے پھر جیسا مجھے ہو سکے گا عرض معروض کرونگی۔“

میتونہ ”میمونہ“

یہ ہے وہ تحریر جو حسن نظر نینی تال کی ایک جاذب نظر کوٹھی میں بیٹھا ہوا بنور پڑھ رہا ہے۔ اُس کے چہرہ سے پریشانی کے آثار عیاں ہیں، اُس پریشانی کے جس میں غصہ کا جزو غالب ہوتا ہے وہ بار بار منہ ہی منہ میں کچھ لکھ کر خاموش ہو جاتا ہے اور تحریر کو مزین کی دراز میں رکھ دیتا ہے۔۔۔ رکھ دیتا ہے اور پھر نکال کر پڑھنے لگتا ہے۔

آج اُسے نینی تال آئے کچھ دن کم دو مہینہ ہو چکے ہیں، یہاں اُسکا درود گونا گونا ”ضروری کام“ کے سلسلے میں ہے لیکن فی الحقیقت اُسکی وجہ غالب محض تفریح ہے اور میمونہ سے علیحدہ رہنے کی کوشش میمونہ کے ساتھ اب اُسکا وہ تعلق جسے وہ محبت کے نام سے موسوم کیا کرتا تھا ”نفرت“ بلکہ ”حقارت“ کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے وہ خود کو اُس سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہے۔

دن رات مصروف اور ہر گز میمنوں، اسکی میداری کا کوئی لمحہ ایسا گزرتا ہو گا جو اُس کے دل میں میمونہ کی طرف سے ایک تازہ نفرت ایک طرف حقارت نہ پیدا کر جاتا ہو۔

اُن رسی انسانی فطرت تیری توں پسندیاں!

کل کی بات ہے کہ حسن نظر اور میمونہ ایسے مرکب غالب سمجھے جاتے تھے جن میں ایک ہی روح زندگیاں دوڑا رہی ہو۔ وہی حسن نظر جو کل میمونہ کو ”لاصف روح“ اور ”لذت جان“ سمجھتا تھا آج وہی

کوئی خاص ایسی کشش مفروضہ ہے جو بار بار مطالعہ پر مجبور کر رہی ہے غالباً وہ کسی خاص فیصلہ پر پہنچنا چاہتا ہے۔ آخر کار اُس نے گھڑی دیکھی اور ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچ کر قلم اٹھایا۔

درد تھا اور غم و غصہ سے بھرا ہوا خط ملا، اس سے پہلے ہی کہی تحریر میں مل چکی تھیں مین تم سے دریافت کرتا ہوں کہ آخر اس قسم کی لالینی اور بناوٹی باتوں سے تمہارا کیا مشاہدہ کرتا ہے، ہر ایک انسان دنیا میں تمہاری طرح بیکار پیدا نہیں ہوتا۔ مین یقیناً کسی نہ کسی غرض سے یہاں آیا ہوں مجھے امید ہے کہ تم آئندہ ہرگز میرے پاس اس وضع کے فضول خطوط بھیج کر جواب کا انتظار نہ کرو گی۔ اس لئے کہ میرے پاس ان نغلیات میں ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔

”یہ تینے قطعی درست لکھا کہ مین تم سے ناراض ہوں، مین درحقیقت ناراض ہوں اور ناراض رہنا چاہتا ہوں۔“ (غالباً دوسرے ہفتہ مین) وہاں پہنچ کر مین اس گورکھنڈ کو قطعی سلجھا سکا۔

”حسن ظفر“

لغائے مین یہ تحریر بند کر کے حسن ظفر نے ملازم کو دیدی اور خود سوٹ تبدیل کر کے کلب چلا گیا۔

(۴)

جون مین شمالی ہندوستان کی خیال سوز یاد مسموم اور اسکے ساتھ نصف التہار پر پہنچ جانے والے سورج کی آتش فشانیاں زمین کی مسلسل تشنگی کے باعث شرار صفتی اور اُس پر فضا کی تہا زت ریزیاں گرمی کی شدت سے ہر ذری روح کی بغیراری اور اُس پروردگار کی شعلہ سامانیان اخلا پناہ مین رکھے خلقت

کے لیے یہ زمانہ بھی ایک ”امتحان قیامت“ ہوتا ہے۔ بالکل اسی زمانہ میں اور ٹھیک اسی وقت حسن ظفر تپتی تل سے ایک لمبا سفر کرنے کے بعد اپنے گھر آ کر اترتا ہے۔ گھر پر خوش ہو رہا ہے اور ہر فرد کا دل باغ باغ خصوصاً میمونہ کی خوشی شرمندہ بیان نہیں غالب کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ۔ ”دخا ر شوقی ساقی“ اس کے لیے۔ سخی اندازہ تھا، تاہم اسکا اندازہ کیا جا سکتا ہے اسکی سرت تو کچھ اس قسم کی تھی کہ جبکہ اندازہ ”کامیابی نام ہو سکے حسن ظفر نے آکر نو غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے پہلے اپنے والد کے پاس گیا اس کے بعد اپنے چچا وغیرہ سے ملکر سیدھا اپنے سونے کے کمرے میں چلا آیا اور سہ طرف سے دروازے بند کر کے سو رہا۔

غریب بیکار شام تک اُس کے انتظار میں ”دسرا پادیدہ بریز“ بنی رہی شام کو اُٹھتے ہی حسن ظفر کلب چلا گیا وہاں سے رات کو دس بجے کے قریب لوٹا تو میمونہ کی قسمت ٹھکی۔ اُس نے زمانہ خانہ کا رخ کیا۔ یوں تو خدا معلوم کتنے قدموں کی چاب میمونہ کو فریب انتظار مین ڈال چکی تھیں یا الفاظ دیگر یوں کہیے اسکی حسیات خوابید مین بجلی دوڑا چکی تھیں مگر اب کی بار اسکی آنکھوں نے دروازہ پر حسن ظفر کا خیالی نہیں اعلیٰ مجسمہ دیکھا۔ وہ سر و ذنن تسلیم کو گھڑی ہو گئی، اُس نے نگاہیں نیچی کر لیں مگر انکی برقہ از سر تون کو چھپانا اُس کے اختیار سے باہر تھا، کاش اس وقت حسن ظفر اُسے اپنی اُن آنکھوں سے دیکھتا جن سے اُس نے محبت کی تھی تو وہ اُسے گلاب کا ایک نو دمیدہ پھول پاتا جو باوجود اپنی تمام بزم و گیون کے ایک وسیع چمنستان کی نماز نیت ہو سکتا ہے۔ مگر قسمت کو کوئی کیا کرے، میمونہ کی زندگی مین شاید سرت کا درد اختتام ہو چکا تھا اسکا ملکوئی حسن کم از کم حسن ظفر سے خراج توجہ حصول کرنے کے ناقابل تھا۔ وہ بھوین جڑھاٹے اور تیوری مین بل ڈالے

تمام ماہران فن نے صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کو بہترین عطر مانا ہے

دو ظفر صاحب!۔۔۔۔۔: مرزا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ملازم نے ظفر کو ایک خط لاکر دیا جسے وہ فوراً چاک کر کے پڑھنے لگا خط انگریزی میں تحریر تھا۔

دیکھا یہ غفر صاحب! مرزا کا لکھا ہوا خط جو اپنے ساتھ تسکیر میں ترسکی دیا لے ہوئے تھا لیکن یہ تھا اس توجہ خصوصی کی بجائے محض ہون بیشک بھاری ہوئی پر ہر زمانہ ہو گئی ہوگی کہ تم دوسری شادی کرالینک یہاں عرض کرنا اجازت دو کہ جب تک اُسے علاقہ میں دیکھنا چاہی کرنے پر مجبور ہوں تاکہ خدا جانتا ہے کہ تمہارے بغیر یہ ایک ایک لمحہ میں بے لطفی اور بے کیفی کے ساتھ گزر رہا ہے۔

”میں تم سے اپنی مجبوریاں ظاہر کر چکی ہوں فیصلہ میں زرا محبت کی ضرورت ہے اسکی وجہ تم خود سمجھ سکتے ہو۔“

”بہر صورت تم اپنی بیوی سے طلاق کے بارے میں جو درجے کو پہنچا ظفر! تم خود ہی سوچو کہ میں اپنے اور صرف اپنے ہی بے لطفی کی محبت میں کتنی سرکے کی کو کوشش کر کے کہہ سکتی ہوں کہ تم نے یہ قرار نہیں کیا کہ تم میرے اور صرف تم کو ایک خاص ضرورت کی بنا پر باج ہزار روپیہ کی ضرورت ہے فوراً بھیج دو“

تھادی۔۔۔۔۔ (س) ”ایو“

حسن ظفر نے کامیابی کا ایک سانس لیا اور مرزا سے کہا: ”مرزا صاحب مجھے اُمید ہے کہ آپ اس وقت مجھے معاف کرینگے، میں ایک مذوری کام سے اندر جانے کی اجازت چاہتا ہوں“

”بیشوق“ مرزا نے یہ کہہ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور حسن ظفر کو ایک یوس نظر سے دیکھ کر باہر چل دیا۔

حسن ظفر نے مرزا کے بھٹے کی پانچ ضروری سبابے رست کیا، روپیہ طلبیہ بندر علیہ تازس الواکو بھجوا دیا اور اپنے متعلق لکھ دیا کہ کل دوپہر کی گاڑی سے مین تال پہنچو گے گا“

اسکے بعد۔۔۔: اہ اسکے بعد حسن ظفر نے کیا کیا یہ نہ پوچھے، وہ سیدھا زاننا

میں پہنچا اور بیٹھو سے وہ الفاظ کہہ دئے جن کے سننے کیلئے ایک انسان کا کچھ نہیں بلکہ ”پتھر کا کیچہ“ اور دوسرے کا دل نہیں بلکہ ”شیر کا دل“، چاہئے۔ ایک مرتبہ وہ یہ الفاظ سنکر ہوش نہیں ہوئی بلکہ اُس پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی حسن ظفر اُسے اسی حالت میں چھوڑا گیا اسٹیشن روانہ ہو گیا۔ اُس کے سر پر ”عشق کا جن ماہرین، بوالہوی کا بیوت سوار تھا“ بیسویں صدی میں عشق کا نام لینا اس کی علامتہ توہین کرنا ہے۔

اگلے روز صبح کو وہ نئی تال پہنچا اور ہوٹل میں آکر پہلے سر الیا کو دریافت کیا لیکن جو کچھ اُسے معلوم ہوا وہ اُس کے سننے کے لئے تیار تھا۔ ”مس الیا اگر ششہ شام نئی تال سے روانہ ہو گئی مگر نہیں کہا پاسکتا کہ کمان کو“!!

یہ وقت وہ وقت تھا جب حسن ظفر کو ہوش آیا اب حسن ظفر اپنے کو حسن ظفر سمجھ رہا تھا۔ اب اُس نے محسوس کیا کہ میمونہ واقعی پرستش کے قابل ہے! وہ فوراً دوسری گاڑی سے گھر روانہ ہو گیا لیکن وقت گزر چکا تھا، گھر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ ”میمونہ کا گزشتہ شام انتقال ہو چکا ہے“!!

حسن ظفر یہ خبر نہ کسی بے اختیار جذبہ کے ماتحت رو دیا۔

”ہاے اُس زود پیشیاں کا پیشیاں ہونا“

مگر وہ فوراً ہی ہنسنا اور حقیقت وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے قدموں سے فضا گونج اُٹھی۔

سانے مرزا بیٹھا تھا، اُسے دیکھ کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور ایک خوف زدہ آواز میں جھجک کر کہا ”میمونہ دیکھو دیکھو، ادھر دیکھو دنیا کی طرف ایک خوفناک تاریکی بڑھ رہی ہے۔۔۔!“

”حسن ظفر دیوانہ ہو چکا تھا“

(طالب باغی)

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خانہ کا نشہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہیں ہوا

نقوش مانی

(از جناب آملی جاسی)

مقدر جہان ایک دن مجھ کو لا یا ملی تھی جہان مجھ سے میری جوانی
وہین سے ہے آفا ز دور تنہا وہین خستم تھی دنیوی زندگی
یہ صیتاد ذکر بہاران جو چھپا بڑی دل نوازی، بڑی ہربانی
مگر اب یہاں دل بہلنے لگا تھا نہ تھی یاد مجھ کو چمن آشیانی
کون مین بہت کچھ گرفتار کیا اگر آپ واقف نہ ہوتے تو کستا
جو ہے آپ کی عیش و عشرت کا تھا وہی کی وہی میرے غم کی کسا
یہاں تک بڑھی آپ کی بے وفائی کڑوا لی ہے سربلے جدائی
مگر خیر جب یہ قیامت بھی آئی تو اب رہ گئی کیا مصیبت اٹھائی
مے منہ پہ ہان غم کے آثار ہو گئے یہ اچھا کیا آنکھ پھیری جو تم نے
میں خود چاہتا تھا کہ میرے بہتے منقص نہ ہو عشرت کا مرانی
دل زار ہے اور آفت پہ آفت کہاں ہے خدا اور تختِ عدالت
جوانی خود اپنی جگہ اک قیامت پھر اُس پر قیامت حسین کی جوانی
جو آثارِ الفت تھے ثابت ازل سے وہ لے بیو فاقونے باطل دکھائے
گلہ تجھ سے کیا ہو، دعا ہے خدا سے کہ یارب مجھے موت سے ناگمانی
بارک ہو اے طالبِ دید موسیٰ ضرور اکپو کج دیدار ہو گا
یہ ہے ناز یعنی نوازش کا وعدہ سمجھے زرا معنی لن ترانی
سناؤں کے آہِ نسیم کا فسانا ادھر کا ادھر ہو گیا ہے زمانا
ہے فرصت اگر اور ہو ظلم ڈھانا غنیمت سمجھے کہ زندہ ہے مانی

مانی - جاسی

”لکھنؤ ہم پر فدا ہی ہم فدا کے لکھنؤ“

میں فدا کے کیا جو عرض کسر اضافت ہے۔ بحالت شباع ایک سے دو ہو جائیگی اور قطع میں ہم فدا کے فاعلاتن کے وزن پر دو یا سے لکھا جائیگا۔ جس طرح آئے اور جائے لکھے جاتے ہیں۔ اگرچہ کتابت میں ایک ہی یا سے لکھا جائے، لیکن عرض میں حروف مکتوبی معتبر نہیں ہیں بلکہ ملفوظی معتبر ہیں اور اس طرح حروف مابعد الروی کا وجود جس طرح آئے اور جائے میں پایا جاتا ہے۔ ہم فدا کے وزن فاعلاتن میں بھی ضرور پایا جاتا ہے۔ لاریب فیہ خاقانی کہتا ہے

کرد لو انصب در ایوان ہنو تحت لوا آدم ومن دو نہا

دو نہ یا میں دو اوستی نہیں ملفوظی ہے اور قافیہ میں اسکا اعتبار قائم ہے۔ لہذا متقدمین یا متاخرین میں جس نے برائے، سوائے فدا کے کوجالت شباع آئے اور جائے وغیرہ کا قافیہ گردانا ہے وہ ہرگز مقلدانہ نہیں بلکہ معتقدانہ ہے اور ہر طرح صحیح و درست ہے۔ اگر کوئی خاص ذائقہ اسکو ناپسند کرتا ہے تو اسکا اعتبار اہل فن میں بتخصیص ہو گا نہ بتعمیم دانابرار منہ۔

حافظ سیف فضل حق از عظیم آبادی

پیرایہ

بر وزن بے خایہ آرائش و زیور با شد از طرف نقصان چو سر ترا شنیدن و اصلاح کردن و شاد ہوا سے درخت بریدن، از برہان۔ اس لفظ کے معنی سے بحث نہیں لفظ سے بحث ہے، اور برہان سے کسر اول بابیاء بھول متبسط ہوتا ہے لیکن اسی کے ہم اشتقاق (پیرایہ) کو باثانی بھول بر وزن گیر آ اور (پیرائی) کو بر وزن سیمائی لکھا ہے۔ جو بیاضے معروف ہیں اور بھول سمع نہیں۔ اور پھر پیرایہ کے تحت میں یہ بھی لکھ مارا ہے کہ

”و جمع بر فتح اول ہم نظر آمدہ است“

ان سب بیانات سے صرف اختلاف لفظ ثابت ہے اور نا محقق۔

پیرایہ کا وزن ہے مایہ بھی ہے لیکن صاحب برہان نے پہلوی ذم کا خیال دیکھا اور سرسری طور پر لکھ دیا جو سمجھ میں آیا۔ مان کو کہ برہان سے پیرایہ کا لفظ بے بھول شایع ہے تاہم اہل زبان کے بچے کا اختلاف وہ غصہ ہے جس سے یہ بے معرفت ناروا نہیں کہ تختار متاخرین ثابت ہے اور اسی بنا پر قافیہ شیرازی نے پتے کے اور سی کوئی ملتی، اور غنی کا قافیہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تختار شعرا ہے، تو رسالہ ”عوامہ المعروف“ میں دیکھ لو، لیکن عراقیان مدعا ورہ حال جمع حروف بھول را معروف خوانند

سبح طرانی تھے انکی زبان سے بھی بھول معروف ہی سمجھ ہوا۔ بہر حال پیرایہ بفتح اول و کسر اول بھول و معروف ہر طرح جائز ثابت ہے پیش ازین میت کو عرف ہند میں بھول کو معروف پر ترجیح دی گئی۔ تو یہ بھی تعلق علیہ ہو گا، بایں ہمہ پیرایہ کسر اول معروف التلفظ کو قطعاً کہنے کا ہرگز کسی کو کوئی حق نہیں ہے اور بعض کے نزدیک بھی صحیح ہے و اللہ اعلم۔

حافظ سیف فضل حق آزاد عظیم آبادی

روح گلاب، روح خس، عطر حنا، اصغر علی محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے منگائیے

آزادی تعلیم صنف نازک کا فیض

(از جناب وحید لکھنوی)

خلافتِ دنیا و مصلحتانِ دین نے ہمیشہ اخوت و مساوات کو نظر رکھا اور صنفِ نازک کے خصوصیات کو فروگرداشت نہ کیا اور ان کو بعض امور میں مساوی حصہ نہ دیا تو مردوں پر قیودِ عالمِ کریمین تکا کر کے بے انصافی کا بل ہو جائے اور وہ مردوں کے برابر ہو جائیں چنانچہ ان کے سپرد اولاد کی پرورش و انتظام خانہ داری ہوا اور ان کو مردوں کے برابر تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا تو مردوں پر بھی فرض ہوا کہ وہ عورتوں کو بخور و نازک کے حصے سے بچائیں ان کے نان و نفقہ کا خیال رکھیں اور ان کو کسی قسم کی اذیت نہ دیں۔ اور ہر وقت اپنی جان و تہمت پر بے سبب نہ ہوں لیکن حقوق کی علحیدگی اور مردوں کی دھوئی و عیش و تمسک باوجود عورتیں اپنے منہ بکندوں سے باز نہ آئیں اور وہ مرد کے ہم فائز دل پر قبضہ پاتے ہی اپنی دماغی کی داستان سنانے لگیں، اور طرح طرح سے مردوں کے ذہن نشین کر لیا کہ صنفِ عضوِ مصل ہے اور اس سے کام لینا چاہیے جب انسان اشرف المخلوقات ہے تو اس کی نصیب زیادہ تعداد کیوں حاصل ہے اور مرد کی شریک نہ گئی ہونے سے پیشتر علم و فضل میں اس کے ہم پیکر نہ ہونے اور حیاتِ آسانی میں اور انسان کا مقصد زندگی وجودِ اکل حاصل ہو۔

ابتداءً مردوں نے اس گشت کو ٹھکالا سمجھا یا سمجھایا لیکن عورتوں نے پاؤں پھیلائے اور چادر کا کھانچا نہ کیا۔ پھر بھی مرد اپنی بات پر اصرار کرتے تو ان پر قدامت پرستی، خود غرضی مخلوقِ خداوندی و غلبہ و جبر کا الزام عائد کیا گیا اور کسی طرح ان ضدی عورتوں نے اقوام میں کیا کشتہ ان کے اعضا و جوارح مردوں کے مانند قوی نہیں ہیں اور وہ کبھی بھی ان

عورت کا مسئلہ ہر زمانہ و قرن میں موضوع بحث بنا رہا ہے۔ کوئی دینی و دنیاوی کتاب عورتوں کے تذکرے سے خالی نہیں ہے۔ نادل غزل اور دیگر طرزِ تحریر کا دار مارا رسی صنف کے وجود پر ہے اور انہیں کے واقعات و حرکات و سکنات کا خاکہ جزو لاشیاف ہے گویا دنیا کی چہل پہل انہیں کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور ان کے عدم وجود میں شاید علمی و ادبی کتب سرچشمہ بنائے کو میسر نہ آتیں، یا یہ کہیں وہ کچھ سے خالی ہوتیں اور ان کو خود مرد دیکھتے اور بے قدری کرتے مصنفین کو ٹھک محنت نہ حاصل ہوتا اور وہ کنارہ کشی اختیار کرتے لیکن ان کے ہر گئی چھوہنے کے باوجود خلافتِ مصلحتانِ دین نے ان کے حسنِ جمال کا اقرار کیا مگر انہیں اہل دنیا کو تنبیہ کیا کہ وہ ان سے زیادہ چنگ نہ بڑھائیں اور ان کی رفتار و گفتار پر ایسے فرغیت نہ ہوں کہ جان بچ کر خریداری نہ کریں بلکہ خود ان کو اپنا آقا۔ ولی نعمت بنالیں۔ تمام فلاسفہ نے ان کے مکروہ و ان کے حدود و بعض۔ ان کی دشمنی و عداوت سے ڈرنے کی ہدایت کی اور ہرگز ہرگز گوارا نہ کیا کہ اس صنفِ نازک کو آزادی محض دیدی جا کہ وہ اپنی کم عقلی سے مردوں کے حقوق میں دست اندازی کرنے لگیں اور ان سے بے نیاز ہو کر ایسی حرکاتِ شیعہ پر تیار ہو جائیں انسان پرلے نام اشرف المخلوقات رہ جائے البتہ تمام عقلا و مصلحتانِ دین نے سعی کی کہ صنفِ نازک پر ظلم و ستم نہ ہو سکے، ان کے حقوق الگ کر دیے اور ان کو معمولی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیدی تاکہ وہ اولاد کی پرورش و دیگر ضروریات زندگی کو آسانی تکمیل کو پہنچا دیں۔

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی معاملات کی صفائی احوال کی عمدگی ہندوستان بھر میں شہور ہے

سینہ کو اپنا مخزن بنایا اور انکو چھپیں گھٹنے مردوں سے برتر بننے کا خیال رہنے لگا۔ بقول شخصے

”کو انہیں کی چال چلا اور اپنی چال بھولا“

اشراک علی قصیم کا رکھنا مذاق زبان پر رکھا نظر آنے لگا۔ اب کیا تھا وہ مرد بننے کو تیار بنیں۔ میدان جنگ میں جانے کو مستعد بنیں البتہ ٹھنڈا قہقہہ کہ یہ خود ساختہ مرد خلقی مردوں کے مقابلہ میں کیسے فائز مرام ہوتے ہیں اور کیسے یہ ہر ایک معصع و صلح کن کی گونش مانی کرتے ہیں۔ کہیں بلی کی طرح آنکھوں میں چمچھمچے نہ نظر آتے ہوں، یا چوہوں کی داستان اور ہستی نہ ہو کہ بلی کی غلیبیت میں لاکھوں منصوبے تھے لیکن اس کے سامنے سب کی ٹھکی بندھ گئی۔ خیر سے

ابتداء عشق سے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھتے ہو تو لمبے کیا ذیل کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے اور دل ٹھنڈا کیجئے۔

”درسہ خواتین السنہ غیر ملکی۔ لکھنؤ۔ جہان میں تمام مدارس خواتین کے پرنسپلوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ظاہر کیا گیا کہ زیادہ تر خواتین خواتین طلبہ کا رجحان طبعی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح مرد ہو جائیں۔ اس جلسہ کا اہم ترین مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ کچ کل خواتین طلبہ کا رجحان طبعی کیسے۔ پرنسپل گنز و اپنگوا پرنسپل مدرسہ خواتین کو کہتے ہیں سلسلہ میں بیان کیا کہ انہوں نے تین سوالات حریفیل مرتب کئے۔

(۱) کیا تم مرد بننا چاہتی ہو؟

(۲) کیا تم عورت رہنا چاہتی ہو؟

(۳) جواب مع وجہ تحریر کرو۔

میں نے ان سوالات کو یا مانتی۔ واکایا۔ موبی کے پرنسپل کے مشورہ سے مرتب کیا تھا اور انکو تمام خواتین طلبہ کے پاس بھیج دیا لیکن ایک صرف ۶۰ خواتین نے جواب ارسال کیا ہے۔ ان کل خواتین میں سے ۲۳۶ مرد بننے کی تمنا ہیں ۱۳۶ عورت ہی رہنے پر توجہ

مشاغل کی اہل نہیں ہیں جن کا فرض تمام مردوں کے ذمہ عائد کیا گیا ہے فوراً عورتوں نے ہی مردوں کے مانند دوزخ کرنا شروع کی اور دس مین دو چار اس قابل بھی ہوئیں کہ وہ ضعیف نقوی مردوں سے باہمی لیجانے کی جزاؤں و جسارت کر سکیں البتہ انہوں نے مردوں کا مرد مقابل بننے کے لئے چوٹیاں کٹوائیں۔ سینہ کے اُبھار کو غیر نظری و خلقی طریقوں سے گھٹانے کی سعی کی اور دیگر طریقوں سے بھی ان کے کان کاٹنے کو آمادہ ہوئیں، انکو یہ قول کہ بھی مرغوب ہوا

”ہر کسے راہر کا رسے ساختہ“

اور انہوں نے اسکو مردوں کی بنیادی و خود غرضی پر محمول کیا۔

الغرض مردوں کی ایک نہ چلی۔ ہر موقع پر مٹنے کی کھائی۔ انداز محبت و الفت و مروت نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالنے کی اجازت نہ دی پھر انکے کام میں ہوتی تھیں وہ کیوں مارتے لیکن عقلاً اسنا حاجت انہیں پرانگشت بزدلان رہے۔ مدارس الگ قائم ہوئے پردہ سے بے پردہ ہوئیں۔ مردوں کے ساتھ اور تنہا عام باخون کی سیر کرنے لگیں اور اسکا الزام بھی مردوں کے سر تھو یا۔ بقول اکبر سے بے پردہ کل جو انہیں نظر چربی بیان آئیں مین مین غیرت قہمی سے گر گیا مین نے کہ اگر آپکا پردہ وہ کیا ہو کہنے لگیں کہ عقل پر مردوں کو پڑ گیا انتظام خانہ داری کا بھجھٹ یک ظلم العطا، طعام و قیام کے لئے ہوٹل کافی ہیں۔ اطفال کی پرورش سے مٹے موڑا اور بچوں کے کھلانے کو دایہ مقرر کروین اور علاج کے لئے ڈاکٹر ہیں اسکے بعد انکو کام ہی کیا رہ گیا۔ اور مردوں سے برسر پیکار ہو گئیں۔

تعلیم مردوں کے کان کاٹنے۔ سر میدان میں انکی جسری کا دعویٰ کرتے لیکن گویا تعلیم حد و نبض کا سرخپے ہے جہاں اس سے سیراب ہونے طبیعت ہی بدل جاتی ہے تعلیم کا اصل مقصد دینی اخلاق و حق شناسی ہے لیکن یہاں حد و نبض دوسرے جذبات نے انکے

جب پڑسی عطرایت کا استعمال شروع کریں کا رضاء صفر علی محمد علی گھٹو سے طلب فرمائیں

کرینگی اور ۲۸۰۰ جاتی ہیں کہ وہ بعض مواقع پر مرد اور بعض دیگر مواقع پر عورت ہوں۔

مرد بننے کی قیمتی خواتین میں سے اکثر نے یہ وجہ تحریر کی ہے ”کیونکہ ہم میدان جنگ میں جانے کی خواہش کرتے ہیں۔“

پرنسپل انچکوا کے نزدیک نوجوان خواتین کا یہ رجحان طبع صحت مضبوطی کا ہے اور انہوں نے فرمایا ”اس نوجوان کی دیوی کو اجساد صفت نازک مین اپنا جلوہ دکھانا چاہئے اور اسکے دل میں جنگ جہاد کا خیال بھی نہ آنا چاہیے کہ اس کی بنات امور محال و نفع کی خواہش کرنے لگیں اور اپنی ناقابل ترمیمی کا الزام دیوی پر عائد ہو۔“

دوسری پرنسپل نے بیان کیا کہ آج کل کی نوجوان خواتین طلبہ کا رجحان طبع یہ ہے کہ وہ آرائش زیبائش و نرم زیبائی و آداب مجلس کو خیر باد کہہ رہی ہیں اور وہ جاوید جرات و جسارت کا ظہار کرتی ہیں اور شرم و حیا کا بالکل پاس نہیں ہے۔

ایک اور پرنسپل نے خیال ظاہر کیا کہ نوجوان خواتین یوں مادیوں کا بل اور بے فکر ہوتی جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ کس مقصد تک کے تعلیم یافتہ خواتین مرد بننے کی تمنا ہیں۔ وہ انتظام خانہ داری و دیگر فرائض کو صرف میدان جنگ کی صورت دیکھنے اور مردوں سے دست گریبان ہونے کی دیوی پر قربان کے دیتی ہیں۔ وہ مردوں کی اس حرکت سے ناراض ہیں کہ انہوں نے مجلس اقوام قائم کی اور تمام قضایا بزرگیہ گفت و شنید طوطا کرنا چاہتے ہیں اور جنگ جہاد سے حتی الامکان ترس رہے ہیں۔ خواہش نہیں۔ دیکھئے اگر یوں ہی آتش جنگ جہاد ہماری خواتین کے دلوں میں روشن ہوئی تو پھر دنیا کا کوئی خطہ محفوظ و مومن نہیں رہ سکتا بیشتر مردوں کو اشارہ ابرو سے برسر پیکار کرتی تھیں اور خود مزہ اڑاتی

تھیں اور دنیا میں آفت پھج جاتی تھی، روزادہ دنیا میں اس میں ہر واقعہ ہو جاتے تھے۔ اب اگر خدا نخواستہ انہوں نے کم کس لی توافقت ہو جائیگی۔

لیکن یہ کیا نتیجہ کے لاکھی اُستانیان خائف اور ہراسان ہیں وہ کیوں اس دامن کی دیوی کو پیکار کرتی ہیں کہ وہ خواتین کے قلوب کو پیٹ لے اور وہ کیوں اسکے عدم آرائش و زیبائش و فحش و فحش آداب مجلس کی شاکہ ہیں۔ سادگی کے مقابلہ میں زور و آرائش و زیبائش کی حاجت کیا ہو

بتول امیر مینائی سے ہے جوانی خود جوانی کا سنگار سادگی گہنا ہے اس میں کے لئے جب نشتر جوانی اُتر گیا تو وہ خود راہ راست پر آجائگی اور بعض محال اگر انکو کوئی اندیشہ یہ ہے تو وہ ان مدارس کے بند کر دے کی درخواست کیوں نہیں کرتی ہیں۔ لیکن تیرے کس بن سے ایسے خیالات کا اظہار ہو۔ ایسی بے بصیری، عدم عمل، عورت تحمل و تقال کے لئے مشہور ہے۔ اپنی آبرو میں کیسے بٹا لگایا جائے۔

ہکو ہرگز ہرگز عورتوں کی اس حرکت پر انگشت نہانی اُتر کرنا چاہئے۔ آبرو کے خاطر مدد کیا کیا آفت بچاتے ہیں قتل و غارت گری کے بازار گرم کرتے ہیں، اپنے مٹے مین ساہی لگاتے ہیں اور اسکو رومال سے پھپکا کی سعی حاصل کرتے ہیں۔ آخر وہ ظاہر ہوتی۔

العصہ آبرو و عزت کا جذبہ فطری ہے اور اسکو انسان آخر نفس حیات تک خیر واد نہیں کہہ سکتا۔

البتہ ہم ان ۲۸۰۰ مستورات کی ضرورت اور دینے جو گاہے چنیں گاہے چنان پر عمل پیرا ہونے والی ہیں کبھی مرد اور کبھی عورت ان کے دونوں ٹٹھے ہیں اور ۱۳۹ خواتین سے ہمہ ردی ہے جو اپنی حالت پر قانع ہیں۔

شرم و حیا کا تذکرہ فضول ہے۔ وہ زمانہ لڑ گیا جب حیا ایمان کا جزو تھا۔ اب کھرا کھیل ہے لیکن یہ مرد میدان خواتین کے متعلق

اگر آپ کو عطر حسنا درکار ہے تو صرف صغریٰ محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

ایک صنف کی نزاکت کا خیال رکھنا لازم ہے جو انکا زیور ہے
اور اگر خدا خواست اس پر غلطی کا فہدان ہو گیا تو عورت کے حسن
جمال ہی کا فہدان ہو جائیگا اور جس پرستے پر وہ مردوں کو بخلیق
ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتی ہیں اس کے کل عدم
ہونے کے بعد وہ مردوں پر کیسے دباؤ والین گی اور اگر اس کو شمش
مین وہ کامیاب بھی ہو گئیں کہ وہ مردین جائیں تو ان میں سے تمام
اوصاف نزاکت جاتے رہیں گے اور قوی پہلک منہ رو رہ جائیگی
وہ مقابلہ حیثیت زن نہیں بلکہ یہ حیثیت مرد کرین گی تو یہ قابل
شائش نہیں ہو سکتا۔
(وحید لکنوی)

ایک پرنسپل صاحبہ نے کاہلی اور بے پروائی کی شکایت کس
زبان سے کی۔ میدان داری کے لئے یہ صفات سخت مضر
ہیں، اور کہیں بقول شخصے
”سر منڈا ہے ہی اولے نہ پڑیں“
تو غضب ہو جائے اور شیخ چلی کا بنا بنایا گھوڑہ یک حرکت سر خاک
سیاہ ہو جائے اور ہکونا حق اظہار سہر روی کرنا پڑے۔ اور بادل
رنجیدہ کہنا پڑے۔
”حسرت اُن خچون پہ ہے جو نکلے مڑھا گئے“
آخر میں ہم ضرور عرض کرینگے کہ تعلیم عواتین بقدر ضرورت ہونا
چاہیے اور انکو آزادی بھی دینے میں دریغ نہ کرنا چاہیے لیکن

عبودیت عہد

(از جناب عبداللہ عبدالواسع صاحب عہد کراچی)

لطف الفت کا اٹھانا ہے تو فریاد نہ کر
یہ ستم بہر خدا او ستم ایجا د نہ کر
اُس جفا جو سے بھی کمدے کوئی بید نہ کر
لب خاموش کو تو مائل فریاد نہ کر
یونہی نہ بیا د ہوں برباد کو برباد نہ کر
دم نکل جائے مگر شکوہ بیداد نہ کر
تو بھی اس بھولنے والے کو کبھی یاد نہ کر
اور اس پر یہ ہے ارشاد کہ فریاد نہ کر
مجھ سے خاموش کو آماؤ نہ سر یاد نہ کر
سامنے انکے تو ذکر تہ شمشاد نہ کر
ناز بردار ہے تیرا اسے ناشاد نہ کر

عشق میں آہ و بکا لے دل ناشاد نہ کر
مذہن عاشق برباد کو برباد نہ کر
مجھ کو تاکید ہے عشق میں فریاد نہ کر
دل بخت زمانہ میں وہ رسوا ہونگے
مٹ چکا ہوں مجھ لے چرخ مٹانا کیسا
عشق نے دی ہے یہ قلم وفا عاشق کو
دل ناشاد مجھے اس نے فراموش کیا
ایک تو مجھ پہ ہر اک بجز رد ارکتے ہیں
سامنے میرے ذکر غیر سے تہن کر باتیں
اس سے بھی لے دل نادان ہو گئے تہن
نظر لطف ہے عہد پر لے جان جہان

کارخانہ صفحہ علی محمد علی تاجر عطر لکنؤ جو کہ قریب ایک صدی کے زمانہ ہوائیک نامی سے جاری ہے

ایک ایک شایگانہ کلام کو کہ
آفتاب شمس کی تابانی
مغربان تازہ ہوا سدا کی جی
الکحی ہونے کو فغان اس
والا تقدیر کیا ہے کہ
تو تھک کر نہ ہو
نہر اور حریفی ہے تعلیم کی

میر عارفی نامہ در سیر عالم
پیر پیر (پیر پیر) عالم
مکمل

حسرت و غم نامہ
حسرت و غم نامہ

میر شیر علی افسوس

(از جناب ساحل بلگرامی)

افسوس کے حالات میں بھی ہے۔ مگر مطالعہ کی کوشش وہ سب کچھ اس میں جمع کر دے گی جو تذکرہ نگار کی مدد اور دیگر ذرائع سے ہم تک پہنچ سکا ہے۔

نام | طور کلیم اور برہمن کے سوا تمام تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ ان کا نام ”شیر علی“ ہے۔ ان دونوں نے ایک نقطہ کم کر کے ”شیر علی“ لکھا ہے۔ صاحب گلشن ہند ”افسوس“ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ”راقم آئم سے ملاقات ایام شباب سے ہے۔“ اس پر نظر کر کے ہم کو گلشن ہند کا قول تسلیم کرنا پڑے گا وہ ان کا نام ”شیر علی“ ہی جانتے ہیں۔ خود مصنف بھی اپنی کتاب آرائش محفل کے دیا چہ میں اپنا نام ”شیر علی“ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ بھی گمان ہے کہ کتابت کی غلطی ہو اور کتاب کے قلم نے اپنی خشک مزاحی سے ایک نقطہ مضم کر لیا ہو۔ صاحب قلموس المشاہیر نے ”شیر علی“ کے بجائے ”میر علی“ لکھا ہے جس کا کوئی تذکرہ مہنوا نہیں۔

نسب | ان کے باپ ”علی مظفر خان“ تھے۔ جو نواب میر محمد قاسم علی خان عالیجاہ کے داروغہ تو بیٹا نہ تھے۔ ان کا نسل کا مبارک رشتہ سیادت آب حضرت اسمعیل ابن امام جعفر صادق علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ مصنف نے خود بھی آرائش محفل کے دیا چہ میں اپنے نام کے ساتھ جعفری لکھا ہے۔

۵۱ دیا چہ آرائش محفل رشتہ مصنف ۱۲ ۵۱ گلشن ہند ۱۲

اٹھارہویں صدی کا آغاز ہے۔ اردو اپنی کم سنی کی شوشیوں سے ہندوستانیوں کو نافوس کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایٹ اٹھیا کمپنی اپنی تاجرانہ حیثیت کو فروغ دیتے دیتے مندرجہ سلطنت پر قبضہ کر لیتی ہے۔ حرص و ہوس کی تمنائیں پرورش پانے لگتی ہیں۔ ترقیوں کے پہلو، وسعت سلطنت کی تدبیریں اور ہندوستانیوں کے دلوں میں جگہ پیدا کرنے کے طریقے زیر غور ہی نہیں بلکہ ان کو سمجھ لیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ حکومتیں ہر دلعزیزی پیدا کرنے کے لیے مجبور اور ہندوستانیوں سے تبادلہ خیالات کرنے کے لیے گونگے تھے۔ اس لیے ملی زبان (اردو) سیکھنے کا احساس اعصاب بدن میں لہرین مارنے لگا مستقل مزاج قوم کا تہیہ تھا۔ اپنی اسکیم کو کامیاب بنانا مقصد اولین تھا۔ اس صدا کا گونجنا تھا اس شہرت کا پھیلنا تھا کہ ملک کے انشا پر داز اپنے افلاس کے ہاتھوں تنگ آکر کلکتہ کی طرف بیتا ہانہ دوڑنے لگے اور اردو کے اس پہلے مرکز پر تیس لیکر اپنی انشا پر دازی کے جوہر دکھانے لگے اسی اکاڈمی کے ایک ممبر میر شیر علی افسوس بھی تھے جن کے واقعات زندگی آج ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ہمارے تذکرے کسی ممتاز ہستی کے حالات زندگی اکثر اُس وقت سے ظاہر کرتے ہیں جبکہ وہ پبلک ایٹج پر ایک نمایان حیثیت میں آجاتا ہے۔ نہ ابتدائے عمر کے واقعات ہوتے ہیں نہ پیدائش و وفات کے سنوں کا کہیں پتہ چلتا ہے۔ یہی کمی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

تجربہ حاصل کرنے کے بعد دوبارہ سالانہ جنگ بھارت کی سرکامیے اہستہ بہتہ
ان کے بڑے صاحبزادے میر قزاق خان کی خدمت میں گیا و سال تک
اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے اور اس طرح اپنے پیٹ کو پالتے رہے
بعد ازاں صاحب عالم مرزا جو ان بخت جانا نذر نفا کے ملازم کچھ دنوں اپنی
عمدہ زندگی کو عیش و عشرت کے مستعار زیوروں سے آراستہ کرتے ہیں لیکن
جب صاحب عالم کو شاہجہان آباد کی کشش نے اپنی طرف کھینچا تو بعض عوارض
نے انکی صحت سے جدا کر دیا۔ یہیں رہ گئے اور پھر اپنی افلاس و تنگدستی
کی مجبور زندگی کو دعوت دیتے اور ایک مدت تک ذاب سرفراز والد کے
بہان توکل و قناعت پر سانس لیتے رہے۔ تکلیف کے بعد راحت پا گئے
بدخوشی کا دورہ کیون نہ ہوتا۔ ان کا سارا اقبال افغانی مراد سے یہ کیوں
نہ چمکتا۔ بارہ صاحب ستر گلگرسٹ کے صاحب مشورہ سے اردو و ان
حضرات کو جمع کرنے کا کیون اعلان نہ کرتے۔ لکھنؤ کے ریڈیو اسکاٹ صاحب
کی نظر انتخاب افسوس پر کیوں نہ پڑتی۔ دوسروں سے ماہوار اشارہ ملے
ہو جاتا ہے۔ پانسو روپیہ زاد سفر افسوس کے حوالہ کر دیتے جاتے ہیں۔
دراپیش مھمل کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ غالباً ریڈیو صاحب
لکھنؤ سے ملانے والے ایک صاحب فخر الدین احمد خان عرف
مرزا حفر ابن محسن الزمان نامی تھے) افسوس مرشد آباد پہنچے
ہیں ملا توجہ سے صاحب گلشن ہند ”مرزا علی لطیف“ کے یہاں قیام
کرتے ہیں پھر (مستندہ میں) کلک ہو پونچے ہیں اور ”ہندوستانی
ڈیپارٹمنٹ“ کے ”ہیڈ منسٹر“ کی کرسی پر بیٹھ کر ترجمہ کے کام میں لگاتے
ہیں اور سہ صدی کی گلستان کو سب سے پہلے اپنی زبان (اردو) میں نقل
کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ ۱۳۱۵ھ کا واقعہ ہے

وفات | وہ زمانہ جبکہ افسوس کلکتہ کے ”فورٹ ولیم کالج“
میں دیگر زبانوں کی کتابوں کو اردو کا زیور پہنا رہے تھے کس اردو
۵۶ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ

مذہب | یہ اسلام کے فروع ”اشاعتیہ“ سے تعلق رکھتے تھے
چنانچہ خود آرائش مھمل کے دیباچہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔
وطن | علاقہ عرب میں ایک مقام ہے ”خات“ افسوس کے بزرگ
اسی خاک کے نہال بار آور تھے۔ زمانہ کی ناموافق ہوائے عرب سے
جدا کر کے ہندوستان کی طرف پھینک دیا اور اس طرح ان کا آبائی
وطن ”نارنول“ قرار پا گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے گلشن ہند
نے مقدمہ اور اپنے ایک مضمون میں ان کو دہلی کا باشندہ لکھتے ہیں انہیں
بین پیدا ہوئے اور اسی سرزمین کو ان کے مولد ہونے کا افتخار حاصل ہے
پیدائش | ایک پیدا ہوئے؟ اس کے جواب میں تمام تذکرے خاتون
چین اور اگر کچھ دہلی زبان سے بتلاتے ہیں تو صرف اتنا ہی کہ پیدائش کے
وقت صرف ”دہلی“ کے درو دیوار تھے جو افسوس کی پہلی آواز پر اس کی
آنے والی زندگی کی پیشین گوئی کر رہے تھے۔

ایام طفلی | افسوس کے ابا طفلی کے واقعات پر پردہ بڑا ہوا ہے
قرآن کی روشنی میں جن واقعات کی جھلک دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہیں
کہ انھوں نے اپنے بچپن کی گیارہ بہار میں اپنے والد زندگوار کے سایہ
عاطفیت میں دہلی میں گزاریں اور گیارہویں برس اپنے والد کے ہمراہ
لکھنؤ پہنچے۔ اس کے بعد مرشد آباد اور حیدر آباد کی سیاحت میں اپنا
وقت بیکھری سے گزارتے رہے۔ زندگی کا انیسواں قدم چڑھا تھا
کہ شفیق باپ نے حیدر آباد میں ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کر لیں اور حجاز
طرف سے رنج و مصائب کی گھاٹیں افسوس کی زندگی کو دھندلا کر لگنے
ملازمت | زمانہ کے گرم و سرد کا فزہ کچھ اور دنیائے نشیب و فراز کا
۱۱۵ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ دہلی سے وہ کس کے فاصلہ پر ایک قدیم قصبہ ہے ۱۱

۱۱۵ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ دہلی سے وہ کس کے فاصلہ پر ایک قدیم قصبہ ہے ۱۱
۱۱۵ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ دہلی سے وہ کس کے فاصلہ پر ایک قدیم قصبہ ہے ۱۱
۱۱۵ گلشن ہند ۱۳۱۵ھ دہلی سے وہ کس کے فاصلہ پر ایک قدیم قصبہ ہے ۱۱

کی تعداد میں مشرقی مغلستان نے ”ہندوستانی چھاپہ خانہ“ کلکتہ میں چھپوایا تھا۔ اس کے سن تحریر میں اختلاف ہے۔ بقول پروفیسر آٹا دیہ کتاب ۱۹۹ء مطابق سال ۱۸۹۹ء میں زیر تحریر سے آراستہ ہوئی لیکن گلشن ہند کے مقدمہ میں مولوی عبدالحی صاحب بی۔ اے ۱۹۰۱ء لکھتے ہیں اور عجب بات ہے کہ صاحب صوف ہی اپنے ایک مضمون میں ۱۸۹۹ء تحریر فرماتے ہیں میرے خیال میں آخر الذکر قول درست ہے۔ کیونکہ بقول صاحب گلشن ہند ۱۸۹۹ء میں یہ کتاب زیر ترجمہ تھی اور ایک سال کی مدت اس ترجمہ کی تکمیل کے لیے کافی ہے۔ در آخر مغل کا دیباچہ ”بانو نارو“ کے صفحات بھی اسکو ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ سال ۱۸۹۹ء میں اختتام کو پہنچا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں شریں ہے اسکی دوسری جلد لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اسکی ابتدا جو تھے باب سے ہوئی ہے۔ مترجم نے نشر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا نظم میں کیا ہے۔ لفظی ترجمہ کے ہاتھوں اردو محاورات کا اکثر جگہ خون ہو گیا ہے اور بعض جگہ بضرورت لفظوں کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ ترجمہ کی زبان اور انداز بیان سلیس و آسان ہے اور اور نقیض الفاظ سے معرا بطور نمونہ ترجمہ اصل عبارت یہاں درج کیا جاتا ہے :-

روزے بغیر جوانی سخت راندہ بوم ایک ن جوانی کے گھنڈے بہت چلتا
شبانگہ بپاے گرہ ہوسٹا نہ اور کچھ تھا کیا کہتے تھے شکر گریا
پیر مردے ضعیف از پس کاوان ایک بڑھا ضعیف کاوان کے بچھے
ہمی آمد۔ گفت چنین کہ نہ جائے آبا اور کما آئے کیا ستو جو آئے کہ نہ بگہ
خفتن است۔ گفت چون روم سونے کی ہین۔ بلو امین کیونکہ چلوں
۱۲۷۹ء دیباچہ آراش مغل نوٹہ معنی ۱۲۷۹ء بحیات شہ مضمون ”اہل یورپ
نے اردو زبان کی کیا خدمت کی“ مطبوعہ رسالہ اردو بابتہ جولائی ۱۹۲۳ء ۱۲۷۹ء

ان کے سایہ سے محروم ہو گئی۔ صاحب قاضی الشاہیر افسوس کا شوق
۱۲۷۹ء مطابق ۱۸۹۹ء لکھتے ہیں اور مولوی عبدالحی صاحب بی۔ اے
کے قول سے انھوں نے فضاے کلکتہ کو اپنی قابلیت سے متاثر نوال
معمور رکھا اور پھر اس خواب زندگی کی تعمیر روح کو جسم سے جدا کر کے دی
اس حساب سے ان کا سن وفات ۱۸۹۹ء ہونا چاہئے۔

عادات و اخلاق | میر صاحب نہایت خوش اخلاق تھے
اور نہ وہ پیشانی ان کا امتیاز خصوصی تھا حضرت مصلحی اپنے تذکرہ میں
لکھتے ہیں کہ ”فقیر اور در لکھنؤ دیدہ بسیار بخوبی و خلق پیشی آید“
طبیعت کو اتفاق سے تعلق نہ تھا سنا ہر و باطن یکسان تھا رجا و علم
جزو ایمان تھی اور انکساری و خرد تخی ان کی نشست و برخاست سے
نمایان۔ ذہن و ذکاوت و سلامتی طبع کا جوہر ان کے چہرہ سے ظاہر
ہوتا تھا۔ یہ ساری باتیں ان کی نظم و نثر سے ظاہر اور تمام تذکرے
اس سے بھرے ہوئے ہیں۔

قابلیت | افسوس کی تعلیمی حالت کو بھی تذکرے نہیں بتاتے
صاحب گلشن ہند کا قول ہے کہ ”مطلق و معانی کے بیان میں صاحب
استعداد ہیں۔ کلیات و محالجات فن طبابت کے بھی بخوبی یاد ہیں“
ان علوم کو جانتے ہوئے فارسیت و عربیت کی استعداد خود ہی مسلم
ہو جاتی ہے۔

تصانیف | آراش مغل کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
کہ آراش مغل کے علاوہ چار کتابیں انھوں نے اور بھی لکھی ہیں
جن کا پتہ نہیں چلتا ہے صرف دو کتابیں موجود ہیں۔ ایک :-
بارغ اردو۔ یہ پاکستان صدی کا اردو ترجمہ ہے جو ان کے قیام
کلکتہ کی پہلی کتاب ہے ۱۸۹۹ء میں اس کا پہلا ایڈیشن پانچویں
۱۲۷۹ء تذکرہ میر ۱۲۷۹ء سے خود لکھنؤ میں مولوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا
میں نمونہ ہوں جنھوں نے یونیورسٹی لاہور سے کتاب دیکھی بطور نمونہ
چند اقتباس مجھے لکھنؤ ۱۲۷۹ء

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ہے

لاہور، کشمیر، اور کابل کے حالات لکھے ہیں اور تیسرے حصہ میں ہندوستان کے بادشاہوں، پاڈو، راجہ پرمیت، راجہ مہنجی، راجگان خاندان یاڈوان و سیروا و سیرباہ و دندھر، راجہ بکرا جیت اور راجہ بھرتی، راجگان خاندان سمندہ پال، تلکوت چند و ہر پیم و دی سین، راجہ دپ سنگھ اور راجہ پرتی راج متروپ پتھوراکے حالات لکھ کر کتاب کو ختم کیا ہے۔

یہ کتاب تقریباً سوا صدی قبل کی ہے اس لیے اس میں وہ باتیں برجہ اتم موجود ہیں جو متقدمین کے خصوصیات میں ساری کتاب میں مقفیٰ و سمیع عبارت کا خاص التزام رکھا گیا ہے۔ عبارت کی رنگین کی لپیٹ میں تصنیع دہانہ کی بھی آئینہ کش ہے۔ اگرچہ تاریخی کتاب ہے مگر زبان اور طرز ادا بالکل افسانہ کی ہے مورخانہ تحقیقات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے درایت کا پہلو تقریباً چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعض صوفیہ و فقرا کے کرامات بالکل خلاف عقل لکھ دیے گئے ہیں لیکن دیا جاوے سے معلوم ہوتا ہے کہ افسوس نے خلاصہ التواریخ کی پیروی کی ہے اور نقل (ترجمہ) کو اصل سے بیگانہ نہیں رہنے دیا۔

یہ کتاب بالکل خلاصہ التواریخ کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کے مضامین کو اپنی زبان (اردو) میں لکھ دیا گیا ہے اور حسب موقع کمی و بیشی بھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں نکلا تھا۔ میرے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ تیسرا ایڈیشن ہے جو ۱۹۷۷ء میں طبع ہوا میر صاحب نے ”نہال چند“ کی ”گل بکا ولی“ (کدہ بشتی) کی بھی نظر ثانی کی ہے۔

شاعری اشاعری کا شوق پچپن سے تھا چنانچہ ازبائے طفلانہ کے ساتھ پیش نشل بھی اُن کے مرغوب خاطر تھا۔ پہلے میر حسن سے تذکرہ گلشن سخن و گلزار ابراہیم ۱۱

کہ نہ پائے رفیق است۔ گفت کہ ہاؤنڈن طاقت میں۔ کب این نشندہ کی کو صاحب دلاں گفتہ نہیں مناسبت ہے توے کہ کہ گئے ہیں اندر رفتن و شستن بہ کہ دویدن ماتھے بیٹھے چلنا بہتر ہے کہ دوڑنا و گسستن۔ اور ٹھکانا۔

ایک مشتاق نہ لے شتاب پندیر کا نگہ باندھ او صبر سیکھ پنڈن کا بند و صبر آموز شوق نہ لے لگو ہے پر بند کی نہ کہ اسپ تازی و گنگہ دستا اسپ تازی دہی گنگہ تاج و لہ اشتر آہتہ میر و شفیقہ و رات من چلنا ہے آہتہ شتر

۲۔ آرائش محفل۔ اس نام سے دو کتابیں ہندوستان میں

شہرت پزیر ہوئیں۔ ایک وہ جس کا دوسرا نام ”قصہ خانہ طائی“

ہے۔ یہ حمید بخش حیدری کی تصنیف ہے جو اسی اکاذیبی کے

ایک ممبر تھے۔ میر صاحب کی کتاب خلاصہ التواریخ سے ماخوذ ہے

جو منشی سبحان رائے پٹیا لوسی کی تصنیف ہے جس کو انھوں نے

دو سال کی مدت میں سلسلہ جلوس عالمگیری مطابق غلام حسین

تعمیل کو پوچھ لیا تھا۔ کتاب آرائش محفل غلام حسین (ابتداء سے زمانہ

ریاست گورنر جنرل سر جارج صلیو و بارلہ بارنٹ صاحب) میں

تالیف ہوئی اور شمس الملک عین طبع مولف نے اس کتاب کے تین حصہ

کئے ہیں۔ اول میں ہندوستان کی مجموعی تعریف، اس کے

موسم، پھل، میوے، حیوانات، تعلیم، مذہب، اہل مذہب، فوجی

درجے اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں ملک کے

مختلف مقامات دہلی، آگرہ، الہ آباد، اودھ، بہار، بنگال، اڑیسہ

اورنگ آباد، برار، خاندیس، مالوا، اجمیر، گجرات، ٹھٹھ، ملتان،

لہ دیا ہے آرائش محفل زشتہ مصنف دیا ہے انگریزی زشتہ ڈبونس

۱۱۔ مضمون مطبوعہ رسالہ اردو بابتہ جولائی ۱۹۷۶ء

۱۲۔ تذکرہ ریاض الفضا، طور کلیم، شمیم سخن ۱۲

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خا خاص ترکیب سے بنتا ہے

لیکن آجکل اس کا پتہ نہیں۔ ممکن ہے ضائع ہو گیا ہو۔
مختصہ تذکرہ کی سیر نے کچھ ان کا کلام بھی ڈھونڈ لیا ہے جو بعد انتخاب یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مشورہ ملتے رہے۔ بعد میں ”میر حیدر علی حیران“ کے دائرہ
 تمدن داخل ہوئے بعض تذکروں کا بیان ہے کہ آفسر نے
 ”حیران“ سے بھی مشورہ لیا۔ صاحب گلشن ہند کو اس میں کلام
 ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کی سند اپنے تئیں پہنچی اور یہ خبر اپنے
 گوش زد نہیں ہوئی ”مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نقاد
 گلشن ہند میں ایک ”نامعلوم شخصیت“ کا قول تحریر فرماتے
 ہیں کہ یہ ”میر درد“ کے بھی شاعر تھے لیکن اسکا ذکر کسی
 تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

الحاصل حیران و میسوز کی شاگردی مسلم ہے لیکن یہ حیرن و میسوز کا شاگرد ہونا متنازع و اعتبار کے پایہ سے گرا ہوا ہے۔ میر صاحب کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عشق کے جذبات کو مزوں لے کر ادا کرتے تھے حیرن و عشق کے واردات جب کو عالم بندگی سے تعبیر کرتے ہیں اس میں میر صاحب کو خاص ملکہ حاصل تھا اور رعایتِ نظمی و ابہام کو نہایت خوبی سے کلام میں لاتے تھے جو اس زمانہ کے خصوصیات سے ہے۔

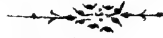
تذکرہ ہند میں محسن سے ظاہر ہو رہا ہے کہ انھوں نے اپنی عزت
کا ایک دیوان بھی یادگار چھوڑا مگر افسوس ہے کہ میری نظر میں اس کے
مطالعہ سے محروم رہیں۔ ان کا کلام کافی تعداد میں تھا جس کی طرف
ریاض الفضا کا فقرہ ”شوکرانہ معاصرین نیکوید“ رہنما کی کتابچہ

یہ ایک جہری مسلمان کو نہایت مشاعرہ اور بہترین حیثیت سے بڑی (سیر سالانہ نمبر) ہے۔ یہ اردو کی سیر سالانہ نظر کا قطعاً پہلا خود پر لکھن میں کیا جا چکا ہے۔ جبین ہندوستان کے مشہور انشاپر داندن کی فکر مضامین، تنقیرات و منظومات علمی و ادبی مباحث تاریخی و اخلاقی اور انسانی حقیقتات جدیدہ کی بے نظیر تنقیرات۔ غرض کہ معلومات کا ایک متعصب حصہ شائع کیا جائے گا۔ مشاہیر ارباب و شعرا اس کے پیش میں عمدہ تصویروں کی بھی مثال ہوگی۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطریات خالص عمدہ اور اندازان بہین

ہندوستان کی کم علم مضامین نویس خواتین

(از جناب نذر سجاد حیدر صاحب)



جناب لوطی صاحب -

آئین حیداری کے خلاف ہے -

میں نے تو آپ کے ”مرق“ کی خریدارہ مضمون نگار (مضمون نگار) تو ہر ہی نہیں سکتی۔ وہ معتد زحمتا قابل احترام رسالہ۔ اور میں نے کچھ آزادانہ لکھنے والی خاتون، مگر اسکا اول نمبر ہی نظر سے گزرا تھا، جو جناب کی عنایت سے شرف صدور لایا تھا۔ اور ایک نمبر اب بھی تو کپڑے دیکھنے کو ملا۔ بلکہ کسی نے جھک دیکھا جس میں کینیز کا نام صاحب کا مضمون ہے۔ میری بہن کا دل بہت جلاسا ہے بقول ان کے ”پھپھوے پھوٹے گئے ہیں“ مگر میرا دل جلتا اب بند ہو چکا ہے۔ یا اقدس اصل چکا ہے کہ اب خاک میں آگ لگ ہی نہیں سکتی کیونکہ آج سے ۲۰ سال قبل جبکہ میں لڑکی تھی۔ اجرات میں یہ لکھ رہی ہوں اور مخالفت خیال والے کے قلم سے تردید دیکھ رہی ہوں۔ لہذا طاعی ہو چکی ہوں۔ پہلے پہلے جب کم حوصلہ لڑکی تھی تو بیشک شعلہ بھول تھا کرتا تھا، مگر پھر بھی اپنی تپشوں کی مخالفت کا جواب میں تھی، مگر اس قدر با علم و پروردہ کے منہ بھی نہیں آئی۔ ”پھوٹا منہ بڑی بات“ سمجھے۔ یا ناقابل جواب، بہر حال مردوں سے مجھنا میرا کام نہیں لیکن اپنی خیمال میں کینیز کا علم صاحبہ کا مضمون دیکھ کر میں نے بھی یہ ارادہ کر لیا کہ عظیم احمد علی صاحبہ سے کچھ باتیں بدریغ ”مرق“ ہی کر لوں۔ میری بہن نے اپنے آئین کا ہیڈ ٹاگ بھی وہی لکھا ہے جو غالباً جانا مولانا مسعود الرحمن صاحب ندوی نے تجویز فرمایا تھا۔ مگر میں وہی سدا بہر پھر لکھنا نہیں پسند کرتی کیونکہ میرے خیال میں ہندوستان کی پردہ نشین شرم و عیا کی دیویوں کے مطلق ایسا نام نہ نہ مناسب فقر لکھنا

آئین حیداری کے خلاف ہے -
میں نے تو آپ کے ”مرق“ کی خریدارہ مضمون نگار (مضمون نگار) تو ہر ہی نہیں سکتی۔ وہ معتد زحمتا قابل احترام رسالہ۔ اور میں نے کچھ آزادانہ لکھنے والی خاتون، مگر اسکا اول نمبر ہی نظر سے گزرا تھا، جو جناب کی عنایت سے شرف صدور لایا تھا۔ اور ایک نمبر اب بھی تو کپڑے دیکھنے کو ملا۔ بلکہ کسی نے جھک دیکھا جس میں کینیز کا نام صاحب کا مضمون ہے۔ میری بہن کا دل بہت جلاسا ہے بقول ان کے ”پھپھوے پھوٹے گئے ہیں“ مگر میرا دل جلتا اب بند ہو چکا ہے۔ یا اقدس اصل چکا ہے کہ اب خاک میں آگ لگ ہی نہیں سکتی کیونکہ آج سے ۲۰ سال قبل جبکہ میں لڑکی تھی۔ اجرات میں یہ لکھ رہی ہوں اور مخالفت خیال والے کے قلم سے تردید دیکھ رہی ہوں۔ لہذا طاعی ہو چکی ہوں۔ پہلے پہلے جب کم حوصلہ لڑکی تھی تو بیشک شعلہ بھول تھا کرتا تھا، مگر پھر بھی اپنی تپشوں کی مخالفت کا جواب میں تھی، مگر اس قدر با علم و پروردہ کے منہ بھی نہیں آئی۔ ”پھوٹا منہ بڑی بات“ سمجھے۔ یا ناقابل جواب، بہر حال مردوں سے مجھنا میرا کام نہیں لیکن اپنی خیمال میں کینیز کا علم صاحبہ کا مضمون دیکھ کر میں نے بھی یہ ارادہ کر لیا کہ عظیم احمد علی صاحبہ سے کچھ باتیں بدریغ ”مرق“ ہی کر لوں۔ میری بہن نے اپنے آئین کا ہیڈ ٹاگ بھی وہی لکھا ہے جو غالباً جانا مولانا مسعود الرحمن صاحب ندوی نے تجویز فرمایا تھا۔ مگر میں وہی سدا بہر پھر لکھنا نہیں پسند کرتی کیونکہ میرے خیال میں ہندوستان کی پردہ نشین شرم و عیا کی دیویوں کے مطلق ایسا نام نہ نہ مناسب فقر لکھنا

بہن صاحبہ! غصہ کی قوت بات اور ہے۔ اسی لئے تو عالم این ہیں غصہ حرام بتایا ہے، مگر اسی قسم کی تضحیک انگیز کارروائیوں سے بڑبڑا جلتا نہیں چاہیے، ہوتا ہی آیا ہے۔ جندے اور ہوتا رہیگا، پھر یہ باتیں کہاں؟ بفضل خدا آزادی کا راز آئیگا، ہندی تفس خاتمے تو کرکڑیاں چھن ناز بنائے جائیں گے جن میں مسلمان خواتین ہند کے ہواداروں کی نشین ہو گئے۔

میری طرح آپ بھی جلتا چھوڑ دیں۔ اسکے علاوہ اس زبردست

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہیں

بے زبان فقر پرینت ڈالتے ہیں۔

ہست اڈیٹر صاحبان پر حکم چل گیا ہے اور وہ فخریہ ایسے ناپندیدہ مضامین شائع کر دیتے ہیں۔ مگر ہمارے نوجوان باہمت بھائی اختر صاحب شیرانی نے اپنے رسالہ ہمارستان میں یہ باریک پردہ اٹھادیا اور ان ادبی مضامین بھاری برقی پوش حضرات کے نقاب اٹھائیے۔ انہوں نے کسی تازہ اشاعت "ہمارستان" میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ "ہم پر یہ جادوہ چلیگا۔ ہم نے بخوبی جان لیا ہے کہ اس نامادہ شاعرانہ نام کے برقع کے اندر کون ہے؟" بس اس طرح اگر سب اڈیٹر صاحبان بھی کریں تو پھر اس مکروہ خیالات فرقہ کے مردوں کی ہمت نہ پڑے۔

ہم آزادی کے اس لئے خواہاں نہیں ہیں کہ بالکل مدھی پنجاب انہیں کی زبان انہیں کا بولے کہ ہم؟ انہیں اگر کریں۔ ہرگز نہیں! آج تو بہت بیباکانہ قصہ خواہ وہ مردوں کے قلم کے لکھے ہوئے ہوں پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جن بیباکیوں کو تو شریعت گھور دین ایسے ناول و افسانے دیکھتے کو نہیں دے جاتے۔ چنانچہ جب میں لڑکی تھی باوجود والد صاحب کے نہایت آزاد خیال ہونے کے ناول پڑھنے پانی تھی۔ بھلا میرے قلم سے بیباکانہ قصہ کیسے نکل سکتے ہیں؟ مواء صاحب نے اوروں کے غصہ میں مجھے بھی لکھ دیا۔ یا میری غلطی سے کوئی فقرہ ایسا نکل گیا، بہر حال میں بہت محتاط ہوں۔ ان ہندوستانی پردہ کے نہایت سخت خلاف ہوں۔ اور اثر مولیٰ ہو، مقبول ہو یا مقبول میں اپنے خیالات کی ضرور اشاعت کروں گی۔ اب فکر کس پر ہے؟ اورست کا مکالمہ صراف ہے۔ کس طرح رتبہ سے کرونگی؟ جس قدر اپنی استعداد ہے۔ اس ہندی پردہ نے ہمیں گناہ جاہل ملاہ کی پھیلانا بنا دیا ہے پچھلیاں اب بھی کسی کسی وقت دانی سے نکل کر مڑوا لکھتی ہیں، مگر ہمیں اتنا بھی سنہ ہے۔ پردہ سے بھاگنا، کھڑکی سے دیکھنا

صاحب قدرت و نفاذ کل فقرہ سے اٹھنا بے سود ہے۔ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ خواہ مخواہ حقیقت علمائے مبزدن سے دودھ ہو کر گناہ گنا ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ ہمارا احترام کریں یا نہ کریں۔ ہم پر واجب ہے کہ انکا ادب کریں وہ ہمارے لئے واجب التعمیم ہیں۔ علم میں عمر میں بحث حوصلہ میں، سمجھداری و عقل میں ہر طرح ہم فضیلت رکھتے ہیں۔ وہ بھی سب کچھ جانتے ہیں سمجھتے ہیں۔ ہمارے شرعی حقوق آزادی سے خوب واقف ہیں۔ مگر کیا کریں مناسب قیاسی سبب صلیحانہ ہمارا طرحنا اچھینا یعنی آزادانہ مساوات سے علم حاصل کر کے برابری کرنا اپنا نہیں کرتے۔ محض اس لئے ہر صورت دبا دیتے ہیں میں نے ابھی رسالہ "حرم" میں جناب مددوی صاحب کا ایک مضمون دیکھا جس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی عورت کی قدیم جہالت کے نقصانات سے متاثر ہیں۔ انکا تعلیم پانا پسند کرتے ہیں مگر پھر یہ پسند نہیں کر سکتے کہ وہ پڑھ کر آزاد ہو جائے اور قفس سے باہر نکلنا چاہے۔ مردوں کی برابری کے مضمون نگاری کرے۔ ہندی غم و جبار جسکے حدود میں بیویوں کو شوہروں سے بھی خط و کتابت بھی کرنا مسموع ہے، ان کی کڑیاں توڑے۔ ناول پڑھے اور ناول لکھے۔ اتنی آزادی انکو گوارہ نہیں ہے۔ یہ درست ہے۔ اپنا اپنا خیال ہے۔ میں مولانا کی نصیحت کی دل سے، قدر دان اور شکر گزار ہوں۔ میں نے اپنے خیال میں کوئی بیباکانہ حملہ نہیں لکھا تھا۔ جو عورت کے قلم سے نازیا ہو۔ لیکن اگر نا بھی سے ایسا ہو گیا ہے تو میں مانتی ہوں۔ بیشک میں ایسی آزاد نویسی کہ خود پسند نہیں کرتی بلکہ جس چند نام و ندا و شاعرہ خواتین کے نام سے آج کل بہت ہی ناموزون نگاری جو رہی ہے اسکے سخت خلاف ہوں۔ بلکہ شرم آتی ہے، کیونکہ ہم سب ہی نہیں ہیں۔ مولانا صاحب! آپ صاف کریں قبول ہوں کتنی فاطمہ صاحبہ سب کھنے والیاں ہیں۔ ہماری بہنیں، انہیں ہیں بلکہ نقاب پوش دشمنان شرم و حیا مذہب۔ جو اس طریق سے لکھ کر اس

ضربِ حقی ہے اور ضد کے ساتھ کام مکمل ہوتا ہے۔ اگر وہ آپ کی شدت پر وہ کی کسی سے جلے جلتے ہیں، تو ان کی تنبیہ سے ہم کیوں جلیں؟ ان کا غصہ سزا گدون پر۔ ان کا احترام لازم۔ اب کرینگے وہ ہی جو خیر کرینگا ورنہ ہم بھی دیکھو ہو کر لڑنے لگیں گے تو خود بخود ہماری تہذیب بھی پائیے وقار سے گرجا بیگی۔ ہمیں طوطا رکھنا ہے۔ ادب، تہذیب، شائستگی و منانت کے خیال کو خدا کرے کہ کسی گالی دینے والے کو ہم سخت کلامی سے یاد کریں۔ والسلام

آپ کی خیر اندیش بہن

نذر سجاد حیدر

(سلم یونیورسٹی علی گڑھ)

لکھا ہے۔ خدا ہم پر رحم کرے اور جلدی مصری لوہی کی آزادی کا سادہ وریان بھی دکھا دے۔

ہم کینہِ خفا طرہ صاحب آپ بھی شدت پر وہ کی کسی پر لکھنا شروع کیجئے۔ نہ چھاپیں، ادیب صاحب ”مرقع“۔ اور نہ چھاپیں ادیب صاحب (مظاہر) ”معارف“۔ آپ اپنے ”تہذیبِ نوان“ ”تورجھان“ ”حرم“ میں لکھا کیجئے۔ اور زور دل سے جگر بڑا کر کے۔ اس لئے کہ بہت خیال حاجی پرہم بہت کچھ کہیں گے۔ اسکی پروا نہ کرنا جو کام کہ خدا و رسول کے خلاف دہو، اور پھر اپنے وارثوں کے خلاف بھی دہو، باپ ہو یا شہزاد اسکی اجازت ہو۔ پس پھر کھلے طریق سے آڑاؤ کرنا چاہیے۔ مولویوں کا خوف نہ ٹاؤن کا دھڑکا۔ آپ کی مخالفت سے

ترانہ شوق

(از جناب پنڈت جگ موہن ناتھ رینہ صاحب شوق ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر)
ترجہی نظریں جو پیریں مجھ پر گرجاں ہو گئیں
اور وہ دلکش ادائیں دل کا دریاں ہو گئیں
خیریت تھی آج میں جتنا تک سیزم میں مجھ کو تھیں
گوشتِ دل سے وہ جب نکلیں پریشان ہو گئیں
دل فریبی ہائے حُسن یار اک نظارہ تھا
آئین جب پیشِ نظر وہ بھی پریشان ہو گئیں
جن شکایتاے نہان سے یہ لبِ قہقہے
چشمِ خرم آلود سے آخرِ نایاں ہو گئیں
جو خیالی صورتیں تھیں جلوہ راخواب میں
آنکھ کھلتے ہی وہ سب نظروں پہنچاں ہو گئیں
جن امیدوں سے کروا بستہ تھا لطیفِ ندگی
ولے ناکامی کہ وہ سب قہقہ حیران ہو گئیں
سترِ کینہستی تھیں کیونکر اویں پھیلائی گئے ہم
وسعتِ دل کو جو دیکھا وہ بھی حیران ہو گئیں

آنکھیں لکڑھوڑھتی ہیں یاد جب کتنے ہیں وہ

شوق کیا کیا صورتیں کی گئیں پہنچاں ہو گئیں

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ہے۔

ہمہ دان

(از جناب محمد صادق حسین صاحب بی بی بیگ)

اسکے خدو خال سے شناسائی اسکی نمایان اور بھاری بھر کم شخصیت کو خود پہچاننے کی ذمہ داری اسے اسکے کمالات یا کمالات کا ادنیٰ کرشمہ ہے! اظہارِ تجرد و تقدس کو وہ شیوہ مستقل بنانے سے لفظاً **مذہب** مکمل گریز کرتا ہے مگر پروردگار کے حضور میں بھدنت و اہلاج عرض خلوص اور توفیق حق کی اطلاع یا آواز قبول دعا سے بھر پور گاندی ناؤ کے ذریعہ سے سات سمندر پار تارنارنے کی سعی سنون اس سے بھولے چوکے اکثر ہو جاتی ہے، عوام کی نہایت معمولی مذہبی فطرت سے اس کے جوش یا نئی کا بارہ فوراً مقياس البرداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ اس خاظمی کو گو یا کہ میدانِ حشر میں زیرِ عرش اعظم اتنی مستوت چوکھٹا کھینچ کر دم نہیں لینا چاہتا وہ ایک ہی وقت میں مولوی بھی ہے اور شیعہ عظیم کا خزانچی بھی، مجاہد بھی ہوتا ہے اور مبلغ تبلیغ کا دار و دعا، محدث بھی ہوتا ہے اور مفسر بھی، اسکی جوشِ قلم قرآن حکیم کی لفظی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی تعلیم کا نقش اولین ہوتی ہے اور باقیاتِ الصالحات ہونے کی جس قدر قوت اسے کفر و ایمان اسکی تنگسال کے کرسی ٹوٹا بہر کیف۔ طالع ارتقا کے زیر اثر کشتی درون دریا کے بعد دریا درون کشتی کے احوال پر وہ پوری سختی کے ساتھ عامل ہوتا ہے یعنی اگر کبھی وہ خود ”چارپاہ بروکتا پہنچد“ کا مصداق تھا تو اب خیر سے اسلام اسکا مرکب ہوتا ہے۔ !!!

شعبہ علمی مذہبی درس و تدریس سے جس ظاہری کی بدولت خواہ مخواہ اس درجہ عربی دان ضرور ہو جاتا ہے جو کلمہ اکرم آیات و احادیث پر علم و ادب کے اطلاق کو بیگانہ دہل تبلیغ کر سکے، دو چار محدثین مفسرین، مورخین اور ماہرین، منافقین اور ناکثین کے نام سے ضرور ازبر ہوتے ہیں جنکو وہ درجہ عمل درجہ عمل کیسائیں میں ناجائز نام

یاسی شگفتہ نگار کے زاویہ نظر سے ”مجموع مرکب“ اگر عجیب الخفیت نہیں تو عجیب الحركات اور عجیب المصغرات ضرور ہوتا ہے، اگر حشرات الارض کا وجود گوش لیل و نهار کا کرشمہ ہے تو اسکا درود و ذکر و زیارہ کی فائدہ ستم ظریفی، اور اگر اول الذکر کے وجود کو فضول خیال کرنا ناممکن ہے تو اس کے نزول اجمال کو عبث تصور کرنا ناممکن تر! لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اگر یہ دو پایہ حیوانات کے ظاہری آلات حریب سے مسلح نہ ہوتا تو اس کو ’انسان گننا کا فی مشکل تھا‘ اور اب بھی بعض محققین علم الحیوانات اسکو انسان و حیوان کی درمیانی کڑی سمجھتے ہیں اور بعض انسان و شیطان کی! بہر نوع وہ جب قدر لاچھوتا ہے اسی قدر اٹھتا اور جب قدر بڑھتا ہے اسی قدر کٹھن غلہ کی گرائی سے لیکر موت کی ارزانی تک کوئی شے اسکو اس کے نشن سے باز نہیں رکھ سکتی، وہ ہمیشہ اپنے ارادوں میں سچا اور اپنی حق کا پکا ہوتا ہے، پکا ہوتا ہے اور خباض زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ پکا ہوتا ہے بلکہ ابن الوقت ہونے میں اسے سیاست برطانیہ کا جدا عجب سمجھے۔ اور عام نکتہ نگاہ سے بھی اسکی کامیابی کا واحد اور سرپرستہ راز ہے !! صدیوں کی متواتر تحقیقات سے صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ نکتہ علمی اور اعتراض اسکا مسلک مستقل اور ”حصول نام نمود“ اس کا واحد نصب العین ہے۔ !!

”وربا کو کوزہ میں بند کرنے کے لیے“ ممکن ہے یورپ کسی مستقبل میں کوئی آلہ ایجاد کر سکے یا سرزمین ہند کا تخم نفاق کوئی صورت پیدا کر سکے لیکن اسکی کیفیات کا بجز ناپیدا کنڈر ہے، فلہذا ناقابلِ حصار! یوں تو وہ ہر میدان کا مرد اور ہر خیالستان کا ہنسی فرد ہوتا ہے تاہم کچھ صفات اور کیفیات اس کے توجہات کے بدرجہ اولیٰ مہول منت ہتے ہیں جن سے

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر حنا کو بہترین عطر مانا ہے

ٹھیک اسی لمحہ سے جہنم جنت کے بجائے ہاتھ یا مولانا ہمدان کے دست پاک کا تیار کردہ ”سودیشی“ لباس زیب تن کر نیکا عام کلمہ نافذ کر دیا گیا تھا۔ البتہ علان کلمہ کیوں کھد پوش نہ ہوا یہ محل استہ زائد ہے اس درق کو الٹا تو وہ بھی اس سبق کو ایسا بھولا گویا پڑھائی نہ تھا کہ کون اگر وہ کبھی ترک موالات حصول سوراج اور استقرار خلافت کے تمام لفظی ذرائع کا مبلغ تھا تو اب سلطان المسلمین ابن سعود کا غلام غانڈہ یا بچن خدام الحرمین کا خادم درینہ ہے !!

اکالیوں کے استقلال یا ثبات قدم کی وہ تعریف کریگا لیکن ایک بڑے ”مگر“ کے ساتھ، ڈشنگٹن کانفرنس کی ناکامیابی کے اسباب کی تشریح و سبب لکھتا گورنمنٹس پبلہ وہ لاپے کا کانفرنس میں الاوامر اور آل انڈیا میڈیک کانفرنس کی مفصل کیفیات کا وہ اندھا حافظ ہوتا ہے، زراعتی کانفرنس کے صدر سے چراسی تک کا شجرہ اس سے پوچھیے !! نظامی کشمکش سے پوری ہمدردی اور ہمارا جہ اندر سے مراسم قدیما نہ کا اظہار اسکے لیے واجب کھائی ہے۔ وہ اپنے کو علیگڑھ کا محسن الملک نہیں تو مالویہ ضرور تسلیم کرتا ہے اور مادری تعلیمی کے کسی معاملہ کو نقد و تبصرہ سے مزین نہ کرنا اپنے لیے حرام جانتا ہے۔ جان عالم و اجداد شاہ کے تھوڑا ذواج اور امپور کے شاہی کیتھان کی تعداد کو بت اسکے نوک زبان پر ہوتی ہے! چکیدار کے تقریر سے لیکر صاحب دینی کمشنر ہادی کی شخصیت تک، اودوم سوم سرمایین مشرک گنگ کی آمد سے بڑے لاشعہ کی نقل و حرکت تک!! یہ سب اسکے مدون سید معلومات کے پٹے بے ہیں!!!

محدود العلم مقرر کی طرح دہ کسی خاص موضوع پر اظہار خیال سے اپنے بسط دامن علم بغض کو اودہ کرنے کی ہیوٹی کبھی بھولے سے بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ ہر مسئلہ پر ہر ممکن اور ناممکن پہلو سے رلے زنی ضرور کرتا ہوتا ہے۔ بحث میں حلق کے تحت اور بلند سرون سے ”میں کہتا ہوں یہ غلط ہے اور بالکل غلط ہے“ وہ بخوبی اوجہ کثرت استعمال کرتا ہے مگر اسکے مرخان دلائل عمر آ ایک ہی ٹانگ رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے اُسے میدان بحث کا فرعون بے سامان سمجھیے!!!

کھائے پھرتا ہے اگر نری وہ اتنی ضرور جانتا ہے کہ اسناد مغزیت کو اپنا طغہ امتیاز بتا سکے کسی مسئلہ شاعر یا ادیب کی جائز تعریف اسکے معتقد کو متلاطم کر نیکا لطیف تا زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کہ عالم مجال ہونیکے علاوہ وہ اپنے کو جدت اظہار۔ ندرت خیال اور پاکیزگی زبان کا موجد اور خاتم سمجھتا ہے اپنی ہمدانی اور ہمدانی سے مرعوب کر نیکے لیے اسے اپنی قیادت کے اجزائے غیر منظم کا ہتھوڑا کثرت ہوتا رہتا ہے۔ لہذا اس مشترک کی تشریح، مشعر کی تفصیل، بے ستون کی قوارچ، تلاس کے اثرات، خالدین ولید کی فتوحات، قینا غورث کا سال پیدائش، مشتری کا مقام، لیکن کی تصانیف، ولی دکنی کے اشعار اور اکمل و مکمل کے معنی مناسب اور نامناسب صحبت میں وہ ہمیشہ دریافت و بیان کرتا رہتا ہے! اخلاقیات اور علم الادب ان میں اسے کافی سے کچھ زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ اور اگر وہ فلاسفہ یورپ کا ترجمان ہوتا ہے تو پرازمعرت تصانیف کی کان، وہ ادیب بھی ہے اور حاشیہ نگار بھی منتخب نقاد بھی ہے اور ممتاز درشت نگار بھی، سخن سنج ہوتا ہے اور شاعر گریبی، تنقید کا شریک ہمار بھی ہوتا ہے اور کسی سودیشی رسالہ کے مدیر کا یا رعدہ اور کچھ مدت کے لیے نیدر و قال اور ایک جان اتحاد اور جدت کی کڑا ہے کہ اول الذکر ایسا اوقات اسی کی آنکھ سے دیکھتا اور اسی کے کان سے سنتا ہے۔ !!!

اسکی سیاست دانی ملکی اور خارجی معاملات سے متجاوز ہو کر مقامی واردات کو بھی اپنے بسیط دامن میں لیے ہوتی ہے، مذہبی تحقیقات اور ادبی معلومات کی امداد سے وہ سیاسی دنیا میں اختراعات یا مخرقات کی سعی آشکار و پورے ہمدہ کیسا کرتا ہے مثلاً خود کھد پوش ہو کر دنیا و ایمان کو کھد پوش کر نیکا بیڑا اٹھائے پڑتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے جیسے کچھ جوت رہ برہندی نژاد مخلوق کے لیے کھد پوشی فریضہ تجویز کی گئی تھی،

اور ایمان اس کے نزدیک قابلِ فروخت اجناس ہیں !!!
قد و قامت اور رنگ و روپ کے لحاظ سے وہ بالشتی سے لیکر ختری تک
کالے سے لیکر گورے تک ہر قسم کا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے، ان ملکوتی
صفات اور معقدات کیساتھ وہ ہر گز و ہر گز قوم اور قضا
میں پایا جاتا ہے اور ربی دنیا تک (انشاء اللہ تعالیٰ) پایا جا سکتا !!
اگرچہ وہ کمین مولوی ہے کمین مجاہد، کمین پٹت، کمین ادیب، کمین
سیوک، کمین قطیب، کمین شریعت سیاست کا پیغامبر ہے اور کمین
شدھی تحریک کا سارو انداز مگر۔

ہر رنگے کمی خواہی جامدی پوش
من اندازِ قدرتِ رامی شناسم
محمد صادق حسین - بی۔ اے - علیگ
ہردوئی

مخاطب کو زیر کرنے کے لیے مختلف داؤن اُسے روان ہوتے ہیں - اگر عرب
دقیانوسی تراش کا مولوی ہے تو بی۔ اے ناظم ادیب وغیرہم اسکو
نیم جان کر نیکیے تیرسہ شبہ، اگر موجد تعلیم و ترقی کا مقلد ہو تو قال
رسول اللہ من اکل بعسل الکفہ فی ملکۃ دخل الجنۃ کی سی احادیث اسکو متوجہ
کرنے کے روپ اور اگر کوئی خوش قسمت ان دونوں داؤن سے نکل گیا تو
کھد پوشی تبلیغ تعلیم کے ایسے نئے روگ سے گلو خلاصی محال - کوہین
کا مبدل شدہ تاجدار بھی ایک مرتبہ داؤن گھات سے بے بسلیں
جھانک جاتا ہوگا !!

ناقابلیت کا منت کا پر داؤن علاوہ مخاطب کے وہ ہر غائب مقرر کو
بلا قیمت اور بلا طلب مذکر کرنا ہے، گول کرہ میں جس کو پیکر شرافت
بتائیکا، کھائیکا کرہ میں اسی کو حبیبہ خیانت، معاملہ فہمی حکیمانہ ہوگا
اوپرے ساتھ دقتیہ ری کو وہ اپنا تکرر کھتا ہے، زر زلہ، زر ویکے زیر اثر زبانِ قلم

غزل

(از جناب احمد علی خان صاحب پٹا زاپری)

سکھنے دے کہ گنمای ڈلوتی ہے کہاں مجھکو
مٹی ہے بے زبان کی لیے گویا زبان مجھکو
خزان سے ہے کمین بدتر بہار بستان مجھکو
قفس میں ہر طرح ہے گوکہ لطف آستان مجھکو
کبھی دے جیسی بھی انقلاب آستان مجھکو
خدا جانے کہ اب لیجا - ہے یہ خوش کہاں مجھکو
تو یاد آتا ہے کہ کافر کا سنگ آستان مجھکو
قوی ہوتی، انہی طاقت مضبوط فسان مجھکو
نہ کچھ نگر خزان مجھکو نہ خوف باغبان مجھکو
اجی جوی زمین خوشے بنائے آستان مجھکو

نہ چھڑا اب اسے و فوج حسرت نام و نشان مجھکو
کیا ہے داب لغت نے جو مجبور فغان مجھکو
غم صیاد فکر قید خوف باغبان مجھکو
نہیں پچھلا سا کین زندگانی ہاے آزادی
بالآخر تاکجا یوں محشرستانِ تنہیل میں!
سنا ہے اک بیابان قید خانہ کے برابر ہے
خیال آتا ہے دشت میں کبھی گر مر رہنے کا
بنائے تھے جوں کے دل اگر فساد کے مٹا رہے
قفس کی زندگی اسے ہمسفرانِ جہنم دیکھو
قفس کی ٹوٹی ہوئی تیلیاں چن چن کے رکھتا ہوں

کردن مشقِ سخن اسے تازا اب کس آرزو پر میں
ملا سارے زمانہ میں نہ کوئی قدر دان مجھکو

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

شہزادی کی شہنائی گرو

(از جناب صادق الہی)

عمل کے درپے سے مغوم بادشاہ نے دہن جھانکا، اُسکے پیچھے اسکا بھائی ”ڈن پیڈرو آف ایرلین“ کھڑا تھا، بادشاہ کو اس سے عید متفر تھا۔ قریب ہی گرینڈ کاکو وال اعظم بیٹھا تھا۔

شہزادی البرکک کے ہمراہ والما اندازمین درباریوں کے آگے جھک کر آداب بجا لاتی تھی جسے دیکھ کر بادشاہ اور بھی مغوم سا ہو جاتا کیونکہ اس کے خیال کی گردشوں میں اُسکی جوان مرگ مان کی یاد تھی۔

اس فرانسیسی شہزاد ملکہ کو سرے آتا عرصہ ہوا تھا کہ قہر شاہی میں ابھی کے دفت دو باوقصل لائے ہوئے تھے۔ اس وقت شہزادی کی عمر صرف چھ ماہ کی تھی۔ ایک معزز طبیب نے جسے ارتداد اور سحر کی یاداش میں موت کی مژدہ بجانے والی تھی اس نے اپنی جان بخشی کے وعدے پر ملکہ کے لاشہ کو حوطہ کر دیا تھا۔ پھر جسے ایک منہجرتابوت میں بٹھکر

قہر شاہی کے مسجد میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ بادشاہ ہر ماہ ایک دن ملکہ کے مرگ میں سیاہ پوش ہو کر مسجد میں جاتا اور دولا ہو کر مریا ابرہہ لکھ کر بکارتا۔ یہاں تک نہیں بلکہ شدت غم سے دیوانہ وار اس کے زرد زرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا کر طویل بوسوں سے اسے بیدار کرنے کی ناکام

سعی کرتا رہتا تھا، پہلے پل پندرہ سال کی عمر میں بادشاہ نے مرحومہ کو قہر ”فینٹیلو“ میں دیکھا تھا، گو اس سے قبل وہ ”پوپ نکلو“

کے ہاتھوں شاہ فرانس کی موجودگی میں ایک دوسرے سے منسوب کئے جا چکے تھے شہر بھر کو مین اسکی شادی ہوئی تھی۔ لیکن ایک پتھکن دعوت شہر میڈر ڈس کے گراگھر ”لاٹو جا“ میں دیگی تھی۔ اس قریب کی خوشی میں تین چار مرتبہ جنین بہت سے انگریز تھے، ان کو زندہ جلا دینے کی مزا سے معاف کیا گیا۔

شہزادی کی بارہویں سالگرہ کے دن آفتاب اپنی انتہائی تابشوں کے ساتھ محل کے باغ میں دفشان تھا۔ شہزادی کو حقیقی طور پر اپن کے تخت و تاج کی واحد وارث تھی۔ لیکن اسکی سالگرہ میں اور محبوبوں کی سالگرہ میں کوئی نمایاں فرق اور امتیاز نہ تھا۔ کوئی خصوصیت اگر تھی تو اتنی تھی کہ اسکی سالگرہ کا یہ دن قدرتی طور پر خوشگوار تھا۔ گل لالہ نے محافلین کی طرح اپنی ڈنڈیوں پر ترقن کر گلاب سے کما کہ ”ایسے مین ہم آپ کی طرح شاداب ہیں“، زمین پر دن کے ساتھ تلی نے گلون کا جائزہ لیا جھوٹی چھوٹی چھپکلیاں دیواروں سے ٹھکر دھوپ سینکے لگیں۔ آفتاب کی کرفوں سے زرد نیچر کا رنگ چھپا سا ہو گیا۔ شہزادی اپنی سکھیں سیلون کے ساتھ ٹیلے پر چڑھی جہاں اس نے کئی ایک پتھراور زمین دوزیت بچائے۔

اسے اس سے قبل اتنا عی طور پر رمانت تھی کہ وہ صرف اپنے ہم تہ اور ہم تہ بچوں کے ساتھ کھیلا کرے لیکن آج کھلے بند دن اجازت تھی کہ وہ جسے چاہے اپنی نرم ناز میں اذن شرکت لے۔ اپنی مدعوں کے ایک شان اور غلظت کے ساتھ بارگاہ حسن میں سکون و آسودگی سے عشرت نظارہ لٹنے لگے، پیمان زردوزی لباوے پینے آنکھوں کی سپیدی اور سیاہی سیاہ آفتاب کی حریت بنکر ابھرن لیکن واقعہ یہ ہے کہ شہزادی کا لباس عرصہ حافلے شین کے بالکل مطابق تھا شہزادی سرخ پلٹس کا خلعت زیب تن کیے تھے جسکی آستینوں ہوجیوں کی لڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ اسکے خرام نانہ سے اس کے جھوٹے چوٹے سلیمہ جو گلاب احمر کی رنگت رکھتے تھے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ گلون اور موتیوں سے اسکی افشان چنی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بذات خود ایک سپید گلاب کا بھول ہے۔

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈو کا ہے

بچوں کا شور و شغب فضا سے سماعت میں بجلی بکھر چکا اور رعقبکر گونجا۔ دیکھتے دیکھتے اسکی دنیا سے تصور کمال برباد ہو گئی۔ اُسے خیال آیا کہ آفتاب کی تیز ترین چمچ خندان میں پیر تیزی سے اپنا چہرہ خود اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پردے چھوڑ دئے گئے۔

شہزادی کا چچا اور کووال اعظم آداب بنالائے شہزادی نے سر کی جنبشی ملکنت سے ڈن پیدر و کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آتش فزنی سا بان کی جانب بڑھی جو غم میں چلنے سے نصب کیا جا چکا تھا بچوں نے ایک شان اور رضا بلکہ کیا تھا اسکا چہرہ کیا کیا۔

خیمہ کے باہر لڑکوں کے ایک گروہ نے پشوالی کی ایک پیادہ دھالے کا دست پڑاؤا جو جسکے بٹیرے سے بجابت کے آثار نمایاں تھے شہزادی نے اُسے پرکڑنگے سر باقی دانت کی کرسی پر بٹھایا جو ایک چوتروہ پر پہلے سے لکھی تھی۔ پھر بقیہ بچوں نے اُسے حلقہ کر لیا۔

ڈن پیدر و اور کووال اعظم یہ سمان ٹیکہ یہی بیٹھے حتی کہ دھبھی سے شہزادی "کمر سے آرا کھتی تھی اس سمان سے سجدہ ستار ہوئی اس تاثیر کا نمایاں ثبوت اُسکے خشک ہونے کا تھا۔

پھر بچوں نے ایک مصنوعی گھوڑے اوپر سوار ہو کر لڑائی کر لی۔ گوبیل دھوکے کی شاخوں سے بنایا گیا تھا لیکن اُسکے سوار نے اسے ہل خوبی سے پھرایا اور دوڑایا کہ جیتا جاگتا میل بھی اس خوبی سے کرتے دکھاسکتا تھا۔ یہی اجڑا اُس گھوڑے کا تھا جو کانے تو بھڑک اٹھتا تھا اور گلے سے مطلق العنان ہو کر بھاگتا تھا۔

بچوں نے اس حمارے عظیم سے ستار ہو کر جوش و خروش میں حست و حیا کے نعرے بلند کئے۔

گھوڑا آب مقامت نہ لاسکا۔ آخر کار "کاوٹ پڑاؤا" نے اپنے فیموڈ پیل کو شہزادی کے قدم پر جھپکایا۔ پھر اپنی لکڑی کی توار اُسکے ٹھنوں میں بھینک دی جس نے ستردی لوہین کے نزدیک گورکھ کو دم توڑا۔

یقین کہ بادشاہ مزبور کی محبت میں ایک دیوانہ تھا، اُسے عظیم الشان محاربانوں میں جانا جان جو کھنوں میں رہتی تھی اُسے کیلجے سے چٹائے رکھا۔ ایسے میں نہ چاکا وہ آکھوں سے دور رہے۔ اسی محبت کے ہاتھوں اُس نے بہت سے تلخ تجربے بھی کئے تھے۔ ان کی کثرت اندھی محبت کے سبب کی حکومت میں بچاری کی دشواریاں کئی بار بڑھ گئی تھیں۔ ملکہ کے مرتے ہی بادشاہ کچھ عرصے کیلئے تخت تاج چھوڑ چھا اور گریڈا کے ایک صومچین مرتاض ہو کر معاف ہو گیا۔ اور اس صومچین کو اپنے سنگر بھائی کے تحفظ میں کر دیا جسکی شہر نفسی سائے ملک میں شہرہ آفاق تھی کہتے ہیں کہ ملکہ کی موت میں اُسکی ہاتھ تھا۔ جس نے ایک بلاپ کے دوران میں اُسے نہر دار دستا

بصرہ لگوں "میں پیشکش کئے تھے، جنھیں پہنکر اُسکی موت واقع ہوئی تھی۔ ماتم داری کے تین سال کے اختتام تک جو شاہی حکم سے جمہور کیلئے رکھے گئے تھے، بادشاہ نے اپنے مشیر و لڑ و زرا کو اتنا ہی حکم دیدیا تھا کہ اس عرصہ میں کسی سے رشتہ نامتی نسبت گفتگو کرنا میرے غم و اندوہ کی آگ پر مٹی کا تیل ڈالنا ہوگا۔ شہنشاہ نے جب اپنی بھلیجی "آپ دی جس" سے اُسکی شادی کرنی چاہی تو اُسے نکاحا جواب دیدیا۔ اور کہا کہ میں غم و اندوہ شادی کر چکا ہوں، اسی انکار کے سبب شہنشاہ کے حرکت سے صوبہ نیدر لینڈ میں بغاوت ہوئی تھی۔

آج شہزادی کو دیکھکر اُسے بیٹے ہوئے دن عیش کے یاد آنے لگے کیونکہ شہزادی کے تمام اخلاق صالحہ اسکا بتم لطیف اور سر کی جنبشی ملکنت بھی اپنی مان کی طرح تھی

جب اُس نے اپنی شہرہ و شنگا ہوں کو اٹھایا اور اپنے صبح ہاتھوں کو بڑھا کر البر کرک کو چومنے کی کوشش کی تو بادشاہ کو بھل کی سحر سازی سے ملکہ ہر جومہ کا جیمہ قصان دلزلان نظر آنے لگا لیکن

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا انتظام اب تک اس فیموڈ کے زیر نگرانی ہی جو ۶۰ سال سے کام کر رہا ہے

شہزادی سے کہا کہ ”یہ سب کچھ آپ کی شان خود ادا سے بعد ہو کر آپ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے اتنی کھل رہی ہیں“
یہ بونا جھل سے اس غرض سے کہ کڑک لایا گیا تھا کہ وہ شہزادی کی کچی کا باعث ہو۔ اُس کا باپ جو ایک کولم فروش تھا۔ اپنے اس بصورت بچے سے غلطی حاصل کر کے بید خوش ہوا۔ خود بونا مہاراجہ پوٹیکر مسو تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ اُنکی تخلیق ہی اس غرض سے ہوئی ہے کہ وہ لوگوں کی کچی کا باعث ہو اسلئے وہ بچے کو ہنسنے کو برا نہ مانتا تھا۔ بلکہ اُسے اتنا مانوس ہو گیا کہ اُنھیں کا ایک خود معلوم ہونے لگا۔

رقص کے اختتام پر شہزادی نے کمرہ کے دروازے کے لیے اپنے سر کا سفید گلاب کا پھول چوتھرہ پھینکا جسے بونے نے اٹھا کر چوا اور دھوہا۔ لیکن سرسرت وابتہاج سے آنکھیں چمک اٹھیں بونا چوتھرہ سے اُمتر کر رخصت ہوا۔ لیکن شہزادی کو اُس سے اتنی محبت ہو گئی کہ اُس کے جاتے ہی اپنے چپا سے ہر ہونٹ کبوتے کا رقص دوبارہ ہو کر رہا کہ دن بہت گرم ہو، بہتر ہو گا کہ شہزادی بونے کی خیر کے محل چلے جان اُسے ایک برتھف دھوت دی جا رہی ہے۔ اسی دعوت کیساتھ ساتھ اُسکی سالگرہ کی تقریب کے ایک بھی تیار کئے گئے ہیں جن پر اُس کے دستخط ثبت ہیں۔“

شہزادی ایک شان نوازی کیساتھ اُنھی اور حکم دیا کہ قیلولہ کے بعد بونے کا دوبارہ رقص ہو گا۔“

اُس کے بعد کاؤنٹ ٹیراؤاکی بیٹا اُن کی زیادتگر لیا دیا۔ پھر محفل نشاط برہم ہوئی لیکن ایک ضبط اور تنظیم کیساتھ

جب بونے نے یہ نوید مسرت آفرین سنی کہ اُسے دوبارہ رقص کرنی ہو تو مکے خوشی کے کپڑوں میں پھولانہ سما یا باغ جا کر دیوانہ واریجودی کے عالم میں گلاسے پھول بار بار سونگتے شروع کئے۔ پھول کو گوس گوس گئی

فوراً خواص بردار آئے اور وہ مردہ بل اور گھوڑا چوتھے سے نیچے گھسیٹ لیگئے۔

اُس کے بعد گانا شروع ہوا۔ پھر اُنکی نیلمی ایکٹر خندا کا لوی مورتوں کے ساتھ ایلیج پر آیا۔ جہاں ڈرامہ کھیلایا۔ ایکٹروں نے اپنا کام کیا ہی حسن خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ بعض بچے بے اختیار ہو ہو کر رونے لگے۔ اور تو اور کو تو ال غلم اور دن پیدرو نے بھی اُسے کامیاب تماشہ کیا۔ جس کے اختتام پر چند ایک فریجی جان تھی آئے۔ جنھوں نے آتے ہی باجون کی لے کے ساتھ بدن کو جنبش دینی شروع کی۔ اسی انٹارین دن پیدرو خود اور ہوا تو وہ سہم کر گئے کیونکہ ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ اُن میں سے وہ بھانجی ساحری کے اشتباہ میں اُس کے ہاتھوں دار پر کھینچے جا چکے تھے شہزادی نے اُنھیں آواز کے مطمئن ہو جانے کا یہاں ”تپ کو کسی قسم کا خدشہ اور اندیشہ نہ کرنا چاہئے“ تماشہ پھر اکیلا شروع ہو گیا۔ یکا یک ایک جھج بلند ہوئی جس سے تماشہ بچے چمکتے ہوئے اور دن پیدرو نے خیر بدھال لیا۔

پھر بھانجی کا گار اور اپنے باب بجا بجا کر دیوانہ وار تماشائیوں کو کھانا کرنے لگے۔ ابھی چند لمحہ بھی نہ گزرے پائے تھے کہ وہ خاموشی سے بڑن پر دراز ہو گئے۔ پھر اہستہ اہستہ اور ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

تھوڑے سے وقفہ کے بعد ایک بھھوت ریچھ لائے، جیسر بند ہوا تھا جس نے بہت سے دلچسپ کرب دکھائے۔

پھر وہ بھانجی بچے آگے بڑھے۔ جنھوں نے اپنی ننھی تلواروں سے لڑائی لڑی۔ واقعہ یہ کہ بھانجی کرب دکھانے میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔

لیکن تماشہ تماشوں سے بہتر تماشہ بونے کا رقص تھا۔ اُس کے سر کی جنبشوں سے باجون اور لوگوں کے موٹے بچے ہنسنے ہنسنے لگے۔

بڑا خود شہزادی اتنی ہنسی کا پٹ میں بل پڑ گئے۔ کمرہ کے کونکر

نہ وہ تبا کو پی کا نہایت خوشبودار درق والا اور بلا درق والا صغریٰ محمد علی تاجر عطر کھنوسے طلب کیا گئے

ایام میں جب درخت بے پھل ہو جاتے تھے اور شہر کے ہر دروازے سے بھڑکے خوراک کی محفلت کیلئے نکل آتے تھے تو وہ اپنی غذا نہیں ریزہ ریزہ کر کے تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ اُسکے انھیں لطف و کرم کو وہ یاد کر کے پرندے اُسکے سر پر منڈلانے لگے۔ پھر وہ اتنے نیچے اترے کہ اُن کے پر اُسکے گالوں سے ملنے لگے۔ بونے نے جوش مہتر سے بخود ہو کر انھیں وہ سپید گلاب کا پھول دکھایا اور کہا کہ وہ مجھے یہ پھول شہرادی نے دیا ہے کیونکہ اُسے مجھے محبت ہے۔

اب بونا ادھر ادھر گھومنے اور گردش کرنے سے تھک گیا تھا وہیں گھاس پر دراز ہو گیا۔ چھپکلیاں اُچھل اُچھل کر اور کود کود کر آگد گد آنے لگیں۔ یہ دیکھ کر پرندوں نے یکے بعد دیگرے اُچھلکے کا سا کوئی بھی خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ چھپکلیاں طبعاً فلسفہ فیضی بنیں کیونکہ وہ اکثر فرصت کے لحاظ سے ایک ساتھ بیٹھ کر بہرہ مند و محکم متعلق سوچا کرتی تھیں۔

پھول پرندوں کا اور چھپکلیوں کا یہ طرزِ تپاں دیکھ کر جل گئے اور چلا لگا کر اُسکا یہ رقص سچا اسکی کم ظرفی کا نمایاں ثبوت ہے۔ عالی ظرف کمان اور یہ ناجا کو دنا کمان؟ وہ ہماری طرح خود دار ہوتے ہیں۔ جب ہم کہیں جا بجا ہوتے ہیں تو باغبان ہمیں اُکر لیتا ہے۔ پرندوں اور چھپکلیوں کو اپنی جگہ قرار نہیں ہے۔ تخصیص کیسا پتھر پرندے تو محض خانہ بدوش ہی خانہ بدوش ہیں جہاں جاتے ہیں وہیں رہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی بونے نے اٹھ کر محل کی راہ لی اور پرندوں نے ایکے کے ایکے سے گردن ادا و تقاراد پر کی۔ پھولوں نے مسکرا کر آوازہ کسا کہ ”دیکھنا رزا اسکی ناگین۔“

جنگل اور چھوٹی کسے کسے دالے بونے نے آج کل محلوں کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ ان اتنا ضرور ہے کہ وہ پرندوں کی بولیاں بول کر مینا اور جگنو کو درختوں اور دریاؤں سے ملنے کیلا سکتا تھا۔ جانوروں کے نقش

نہایت ہی ناگوار گزری وہ اپنے خبیثات اور جذبات پر قابو نہ پاسکے۔ لہٰذا نے کہا کہ وہ اتنا بد صورت ہے کہ اُسے ہمارے اُن آئینے اجازت بھی ملنی چاہئے تھی۔“

سو سننے سے غصہ سے تھما کر کہا کہ ”اُسے وہ کچھ دینا چاہئے جس سے قیامت کی نیند سوجائے۔“

ناگ چن نے تنفر سے کہا کہ ”وہ ہمارے لئے ایک خطرہ عظیم ہے۔ اُسکا جسم سڈول تو کمان؟ ناگ گون اور مرن بھی قطعی کوئی مناسبت نہیں میرے نزدیک یا تو وہ کاشا چھوٹکی کی عمر بھرا دیکھ لگا۔“

سپید گلاب کے پورے نے چلا کر کہا کہ کلام نے وہ پھول توڑا ہے، جو آج میں شہرادی کی سالگرہ کی تقریب میں پیش کرنا تھا۔“

بنفشہ نے کہا کہ بونے کی بد صورتی کیساتھ ملکنت کی آمیزش بھی ہے۔ اگر وہ اس رقص سچا سے باز رہتا تو بہت ممکن تھا کہ ہم اسکی پریشانی خاطر سے پیچ کر آوازہ استعانت ہو جاتے۔“

دھوپ گھڑی نے بونے کو دیکھ کر جانا بند کر دیا جس سے صبح وقت میں دلچسپی کا وقفہ پر گیا۔ آخر اُس نے مجبور ہو کر سپید مور سے جو کٹھن میں پڑا دھوپ سینک رہا تھا کہا کہ ”بادشاہوں کے بٹوے ہوتے ہیں اور کوئلہ فرو و خون کے کوئلہ فروش ہوتے ہیں، کیونکہ دھوپ گھڑی کا یہ کتنا حقیقت پر مبنی تھا اسلئے مور سے انکار کرتے ہیں آج۔“

اُس نے یقیناً یقیناً، ”اتنی بلند آواز سے کہا کہ سنہری رنگ لٹی پھلی نے چشمہ کے پانی سے سرخاں کر قریب کے پتھر سے بوجھا کہ ”کیسا معاملہ ہو“

واقعہ یہ ہے کہ پرندے بونے کو سجدہ چاہتے تھے، کیونکہ وہ اُسے کئی بار پر پو لاند جنگل میں مرقص دیکھ چکے تھے۔ اور تو اور بلبل بھی جو راتوں کو کچن میں نغمہ ریزیاں کرتی ہے، جنکو چاند بھی جھک جھک کر سنتا ہے اُس نے بھی بونے سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ کیونکہ اکثر چلیکے

قدم دیکھ کر وہ اکثر ہون تک پہنچ جایا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ تمارو وحشی رقص کرنے جانتا تھا۔ مثلاً سرخ پوش ہو کر ایام غزان میں ناچتا۔ لانگ پر رقص کرنا۔ برف کے کالے گلیں میں ڈال کر جاٹیکے دنوں میں ناچنا۔ اور بہا کے دنوں میں رقص کرنا وہ جنگی کبوتروں کے اشاروں سے بھی واقف تھا۔ ایک بار جب سید نے انھیں اسیر و ام کرنا چاہا تو اُس نے انکے بچے وہاں سے اُٹھا کر ایک کھوکھلے درخت میں کبوتر خانہ قائم کر دیا۔

ہنسلر ج کے یو دون میں دوڑنے پھرنے والے خرگوش۔ کالی جو بچہ دے نیلکے بھار پشت اور سنگ پشت اُسے یہی چاہتے تھے کیونکہ وہی بار اُسکے ہاں آکر ممان ہوئے تھے اور وہ ساری ساری رات ان پر ہر دیا کرتا تھا۔ مبادا کوئی سینگولن والا جانور انھیں گزند نہ پہنچائے۔

صبح انھیں بیدار کرتا اور پھر وہ لکڑی تمام دن رقص کرتے رہتے تھے۔ جنگل میں رہ کر بونے کی زندگی میں کوئی لحاظ نہ تھا جو رنگین اور بڑھاپہ نہ ہو کبھی کبھی تو بے پند سید خچر پر سوار ہو کر گزرتا۔ انکوڑ کی فصل کے ایام میں انکوڑ جمع کر کے اعلیٰ باغوں، اوپروں کیساتھ آتے بھتے تھے۔ کوئلہ بنائو لے لکڑی کو آگ لگا کر تمام رات اُسکے پاس آڑوٹ بھونا کرتے تھے۔ اور ڈاکو غاروں سے ٹھکر اُسکے ساتھ رنگ لیلن منانے آتے تھے۔

بونے نے سناٹ سے سپید گلاب کے پھول سے پوچھا کہ ”وہ آتر کمان ہوگی“ گلاب کا پھول چپ رہا مضمین سکوت اور خاموشی طاری تھی۔ یلن معلوم ہوا کہ تمام محل خوابیدہ عشرت ہی۔ پردے چھٹے ہوئے ہیں۔ تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اُس نے چار سو بچا میں دوڑائیں کہ داخل کیئے دروازہ کمان ہوگا۔ آخر اُسے ایک دروازہ نظر آیا جو کھلا ہوا تھا لٹو جا کر اُسے اپنے آپ کو ایک علیہ شان وسیع ہال کمر میں پایا جس کی

عظمت سے سہم کر رہ گیا۔ اسکا فرش قیمتی اور رنگدار پتھروں کا تھا لیکن شہزادی وہاں نہ تھی صرف چند ایک بت نظر آئے جن کے پاؤں رنگ لیش کے تھے۔ انھیں سیاہ اور لیونینر تیشم تھا۔ ہال کی آخری دیوار کے قریب سیاہ ٹلس کا پردہ لٹک رہا تھا جسے کھل کر اُسے گن گن کر دیکھ اُسکے پیچھے ہو رہی ہو۔ اس خیال سے پردہ اٹھایا تو دوسرے نظر آیا۔ جو پہلے کمرہ سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا۔ جبکی دیواریں نقش و نگار سے مزین تھیں، جنگی ٹیل میں مکمل سات سال صنعتی ہتھیار خراج کر چکے تھے۔ دیوانے بادشاہ کے عہد حکومت میں اُسے ”جسی ٹوٹو“ کا مجلسی کمرہ کہتے تھے لیکن اب یہ ”دورالشاہ ورت“ تھا جسکے مرکز میں میز پر سرخ جز د ان رکھا تھا۔ سامنے ایک سو اکر گڈٹ گھوڑا دوڑنے ہوئے نظر آیا جسے کھل کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ برفستان سے گزر رہا ہو بونے کو وہ قصے یاد آنے لگے جو انھیں اکثر بچپن کو سنا کرتا تھا۔ کھل کر وہ ڈر گیا۔ لیکن شہزادی کے خیال نے وہاں سے بندھوائی اور ہٹانے کا دروازہ کھولا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اُس سے ملکر اپنی محبت کا اظہار کر دے!

آہ! کمرہ خالی تھا۔ یہ دیکر وہ تھاجان شاہی سفیر و نچا خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ اسی ہی کمرہ میں لکڑی جوسہ کے شادی کے اہتمام ہوئے تھے تخت کے دوسرے زینہ پر شہزادی کے بیٹھے کا صوفہ تھا۔ جیسر زردوزی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ ساتھ کے زردوزی خیمے میں ”پوپ نکو“ کی کرسی پڑی تھی جسے بادشاہ کی موجودگی میں درجہ ہو کر ہر ایک مجلس میں بیٹھے ٹھکے بندوں استحقاق حاصل تھا۔ تخت کے مقابل دیوار پر چارلس پنجم کی قد آدم تصویر شکاری لباس میں آویزاں تھی۔ دوسری دیوار پر پنجم کی تصویر لٹک رہی تھی۔ دیکر کہ درمیان ایک اور آنسوئی ہونے پر ابھی دانت کی طشتری رکھی تھی جیسر ایک اور تصویر ”رقص موت“، کندہ تھی بونا اسکے کمرے سازو سامان سے سچو ہوا اسکے دل کی عین ترین گہرلوں

گوئی تباہ و ترقی اڑھائی اور تقری جو کا رخانہ بصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنکی تیا کی ہوئی میں ایک اڑھائی گز زائش کیے

میں صرف اتنا اور صرف اتنا خیال تھا کہ شہزادی کین نظر آجائے۔

اگر شہزادی کین لمبے توہین تمام دن اُسکے ساتھ چل مین رقص کرونگا۔ اس خیال کے آتے ہی بونے کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ پھر وہ دوسرے کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ ان تمام ساقی کمرے سے کین زیادہ مزین اور بجا ہوا تھا۔ جسکی دیواروں پر مشقی بیل بوٹے دار کپڑے لٹک رہے تھے جن پر خدائے عشق ”کیو پ“ کا دیو کی تصویریں منقوش تھیں۔ کمرے کا تاتر سبز و سافید چابی کا تھا۔ کمرے کی آخری سرے پر ایک صورت سے گھورتی ہوئی لفظ آئی۔ جتے دیکھ کر اسکا دل دھڑکا اور ایک صدمہ مسرت ہلکاتی ہوئی آواز میں بلند کی۔

پھر وہ ان سے ٹھکر باہر صحران کی روشنی میں آیا تو وہ صدمہ بھی باہر نکل آئی۔ یہ کسی دیو کا کریم نظر محسوس تھا۔ جسکی زبان باہر چل رہی تھی۔ اور ایاں سیاہ تھے۔ بونے نے عین چڑھائی تو اس مجسمے بھی چپ چڑھائی وہ ہنسا تو وہ بھی ہنسا۔ غرض بونے نے جو کچھ کیا وہ بھی وہ کچھ کرنا رہا۔ اکیلا رہنے نے ہاتھ بڑھایا تو اس مجسمہ نے بھی ہاتھ بڑھایا جسے چھو کر بونے کو معلوم ہوا کہ اُسکے ہاتھ سج کے مانند سرد ہیں۔ اب بونے نے اُس سے غلطی چاہی۔ لیکن دیونے چھپا کیا۔ پھر بونے نے کمرے میں نظریں دوڑائیں تو اُسے معلوم ہوا کہ دیواروں پر عکس پڑ رہا ہے۔ حجر کے خوابیدہ آہو کے عکس سے معلوم ہوتا تھا کہ قریب ہی کوئی دوسرا آہو خوابیدہ ہے جو دونوں تو ام بچے ہیں۔ زہرہ (الہۃ بحال) اپنی بائیں پھیلائے ہوئے تھی سانسے اسکا عکس پڑ رہا تھا۔

”کیا گوج ہوئی؟ جس نے مجھے اُس وادی میں جواب دیا تھا۔ غالباً یہ آواز کے مانند آنکھوں کو بھی قریب دیا کرتی ہے۔ کیا ان تمام عکسوں میں رنگ نہ ہوگا؟“

بونے نے چونک کر گلاب کا پھول نکالا اور اُسے چوا۔ اُس مجسمے دیونے بھی اُن گلاب کا پھول نکال کر چوا۔ اور پھر گلے سے چسایا۔ بونے نے نو میدی کے عالم میں آہ کھینچی اور آہستہ آہستہ زمین پر دراز ہو گیا۔ سانسے آئینہ تھا جس میں اُس نے اپنا عکس دیکھ کر معلوم کیا کہ بذات خود ایک عجیب تخلقت انسان ہے۔ اب اُسے صحیح طور پر احساس ہونے لگا کہ شہزادی کی محبت محض ایک لائق ہے۔ کاش! مجھے چل میں رہنے دیا جاتا کہ مجھے یہ ہم نہ کھلتا۔ آہ!!

بہتر ہوتا کہ مجھے باپ قتل کرویتا تو بہت ممکن تھا کہ اس رسوائی سے بچ جاتا۔“

اُسکی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے اور اُنکھوں گلاب کا پھول برگ برگ کر دیا۔ جسے دیکھ کر اُس مجسمے دیونے بھی دہی کچھ کیا۔ اسی اثناء میں شہزادی اپنی سکینوں سیلیوں کے ہمراہ درجہ سے در آئی بد صورت بونے کو زمین پر دراز دیکھ کر جیٹھنسی ٹکڑو ناخوش بائیکز اُسکی آہیں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں شہزادی نے مسکرا کر کہا کہ اب بت کچھ وقت گزر چکا ہے۔ آپ میری خاطر رقص کریں۔“ بچوں نے بلند آوازیں شہزادی کی حامی بھری۔ لیکن بونا ناخوش رہا۔ شہزادی نے اُسے ٹھوکر ماری اور چچا کو بلایا جو تیرے پر مسکرتے آتوٹی ڈاک بکھ رہا تھا۔ دوکھا بونا مجھے رنجیدہ ہے آپ اُسے سنا کر آمادہ رقص کریں۔ دن سپند ہے بونے کے ملاپچہ مار کہا! اٹھ اور وارثہ تخت تاج کی خاطر رقص کرے مگر بونا نے جیش شکست لینا تھی نہ لی۔

”کیون کوئی کوڑے مارنے والا بلا یا جائے؟“

ایک درباری نے جھک کر بونے کے دل پر ہاتھ رکھا۔ پھر ٹھکر مدھم آوازیں شہزادی سے کہا کہ ”اسی وارثہ تخت و تاج بائیرا بونا پھر کبھی رقص نہ کریگا“

آنا کمر داغ کی راہ لی۔
(آسکر وائلڈ)

صادق - ایوبی -
(ڈیرہ غازی خان)

کس لئے؟
کیونکہ وہ دل شکستہ ہو چکا ہے
شہزادی کے گلہابی لب تنفر سے سکلے اور چین بھین ہو کہ لکاکہ
آئندہ سے میرے ہاں دل والے کھیلنے نہ آیا کریں۔

دارالمصنفین کی مدد آپ کیونکر کر سکتے ہیں

ذیل کی تحریر بایں محکمہ مذکورہ جناب مولوی سید سلیمان صاحب نے فریض اشاعت رسالہ خزانہ ہے۔ حقیقت دارالمصنفین عظیم کو گھیرا گیا سال سے اہل علمی خدمات میں مصروف اور اس کے کارنامے ایسے ہیں جن کی نظائری شکل سے ملے گی۔ مولانا مدوح کی اس اپیل پر ہر شخص کو جو علم سے دلچسپی رکھتا ہے۔ دل سترت کے ساتھ سدلے لبیک بند کرنا چاہئے۔ وصال بگڑامی

دارالمصنفین گیارہ سال سے قائم ہے اور اس مائیں اس نے اپنی خاموشی علمی خدمات کی بدولت علم اعتماد اور خاص امتیاز کے حامل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اس حرم میں سیرت نبوی کی اہم اور ضخیم ترین جلدوں کے علاوہ اس نے مختلف علوم و فنون پر ۴۰ کتابیں شائع کی ہیں، اور رسالہ معارف کے ذریعہ ہر علمی خدمات ادا کرتا رہا ہے تصنیف تالیفات کے جس سرو سامان کی ضرورت ہے ان میں اسکا ایک خاص حصہ ہے کتب خانہ اور ذخیرہ فیلو کے ہونے کے امکانات ہیں اور اسکے علاوہ ہر سال سلسلہ تعمیر کچھ اضافہ کرتا رہتا ہے لیکن کبھی تو ہم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ آخر وہ عام قومی چند کے بغیر جس پر اس وقت ہندوستان کی عالمگیری علمی اور مذہبی درگاہوں کی بنیاد ہے کیونکر اپنی ضروریات کو پورا کر رہا ہے؟ ہنئے اب تک خود یہ کوشش کی ہو کہ قوم کے دماغ کو اس قسم کی زحمت سے محفوظ رکھیں لیکن اب اسکو کتنی یاد کے لئے ایک عمارت کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ ایک اسکے ایجاد کے لئے کوئی مستقل عمارت موجود تھی بلکہ مولانا شبلی مرحوم کا خاص سکونتی بنگلا کتب خانہ کا کام دیتا رہا ہے لیکن اب اس ضرورت کے لئے ہا کافی اور قابل صلاح ہے اس لئے آئیں عہد بار اضافہ اور مرمت کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

با این ہمہ سبب سے ہم تمام قوم سے اسکے لئے عام چندہ کی درخواست کرنا مناسب نہیں سمجھتے البتہ قوم کے ہرگز عہدہ صاحب جو علوم و فنون سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اسکے کرن دل بن کر اپنی علمی دلچسپی کے اظہار کے ساتھ اسکی اعانت بھی کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے بزرگوں کو پیش و پسہ لازمہ کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے اور اس رقم کے ادا کرنے کے بعد دارالمصنفین اپنی سال بھر کی تمام تصانیف اور رسالہ معارف ہر ماہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ ہر بزرگوں نے ہماری درخواست کے بغیر علمی احراز حاصل کیا اور اب ہر کو اس قسم کے پانچ بزرگوں کو اور اس مروت شامل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ علم و وسعت صحابہ کو قبول فرما کر ایک خاموش کام کرنے والی مجلس کی اس اہم علمی ضرورت کی تکمیل میں شوق کے ساتھ شریک ہو کر آخر و بقیہ بزرگینیت و ادب فرمائیں گے تاکہ جنوری ۱۳۵۷ء سے اُنکے نام ارکان کے جیسٹین رج کر لئے جائیں

”سید سلیمان ندوی“ ناظم دارالمصنفین، اعظم گڑھ

کارخانہ امیر محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نوایا و قرص بتا کوئی خوردنی کی قیمت فی شیشی ۸ علاوہ محصول ہر

مُحْسِنِ خَوَابِید

— ۱ —

اک آفت ترا محسنِ خوابیدہ ہے قیامت ترا محسنِ خوابیدہ ہے
ادایہ بھی ہے ہوش کی کھونے والی اسی طرح ہان سوئے جاسونے والی
کئے جا یونہیں سیرِ بلخِ جنان کی خبر لا اسی طرح کون و مکان کی
یونہیں محوِ گلگشت رہ اور کچھ دیر زرا دیکھ لین ہم بھی یہ دور کچھ دیر
دہ خندہ نما اکھیں ہیں برقِ تابان گلابی لبوں پر تبسمِ نمایان
یہ آہستہ آہستہ لب بل رہے ہیں شگوفے نئی طرح کے کھل رہے ہیں

ہر اک سانس سے آہِ دلِ دوز پیدا
قیامت کا ہر آہِ مین سوز پیدا

— ۲ —

بشابت ہیں مینائے مے ہے وہ گردن حقیقت میں لایا بے شے ہے وہ گردن
وہ رخسار، آیا کرے پیار جن پر وہ بکی سی سُرخِ نو دار جن پر
وہ، تو اُسکے ہونٹوں سے آواز نکلی لئے اپنے ہمارا اک ساز نکلی
خیمالوں کے طوفان سے گھبرا رہی ہے زبان پر وہ کچھ راز دل لاری ہے
ادھر شوق، یہ راز معلوم ہوتے لبوں کے بھی اعجاز معلوم ہوتے
مگر انکے سنتے ہوئے ڈر رہا ہوں کہوں کیا عجب کشمکش میں پھنسا ہوں

غضب کا ہر شوق اور قیامت کا ڈر ہو
ادھر بھی خطر ہے، ادھر بھی خطر ہے

سطح پر صبح ”نہار“ میں کسی طرح غلا چپ گیا، صبح ۱۲ بجے

کارخانہ صغریٰ محمد علی تاجر لکھنؤ ایشیا شاخ چاندنی چوک ہلی اور ایشیا شاخ کلکتہ راجھ جی آباد کن ہے

*** ۳ ***

وہ سوتے سے اپنے فشتا چونک اٹھی مگر آنکھیں ہیں خوف سے بند اسکی
وہ سہمی سی ہڑ روتی ہے، کانپتی ہے کسی وجہ سے سوتے میں ڈر گئی ہے
ابھی محنتی خواب میں کس ادا سے وہ سینے پہ دل کی طرف ہاتھ رکھے
پریشان ایسی ہوئی کیا سبب ہے وہ سچپن سی ہو رہی ہے غصے سے
نہیں، لودہ پھر سو گئی لے کے کروٹ بون پر پھر آئی وہی مسکراہٹ
وہ رخساروں پر آئی فی الفور سُرخ ان انگاروں پر آئی اب اور سُرخ

بتاتی ہے یہ حالت خواب اسکی
کہ ہے پاک دامن کوئی حور سوتی

*** ۴ ***

یونہیں سوئے جا تیرے سونے کے صدقے ترے مطلق ہونے کے سونے کے صدقے
وہ سونا، ترا جس پہ قابو نہیں ہے متبہ کسی طرح اب تو نہیں ہے
تری نیند ہے، تیرے قابو سے باہر نہ اس پر مردوں، میرے قابو سے باہر
ہشت برین والے قربان تجھ پر عجب کیا جو لے آئیں ایمان تجھ پر
خیال اہل فردوس کے مثل تیرا کمال اہل عرفان میں بے مثل تیرا
رہیں تیرے سینے کے اسرار محفوظ یہ سربستہ روحانی انوار محفوظ

وہ اسرار، سینہ پر انوار جن سے

وہ انوار، کمال ہوں اسرار جن سے

وصل بگرامی

(ترجمہ انگریزی)

(منقول جریۃ ”نگار“ بھوپال)

اگر آپ کو عطر خادہ کا رہے تو صرف صغریٰ محمد علی تاج عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

جلسہ مریضی

(ارضیاب خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی)

زائد چالیس برس کی عمر ہوگی خوش پوشاک تھے شعر اچھا کہتے تھے اور مزہ کا کہتے تھے۔

ایک دن خبر ملی کہ ردی دروازے کے قریب شہر موڑتے کچل کر مر گئے اس خبر سے جو کچھ صدمہ ہوا قابل بیان نہیں لیکن یقین کا مل نہ ہوا جب تو اترتے معلوم ہوا تو منشی جعفر حسین منظر ان کے شاگرد کے پاس منشی نواب حسین عزم کو بھیجا ان سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ سچ ہے اور نش اسپتال میں ہے۔

کچلنے ہی دماغ پھٹ گیا اور اسی وقت دم بھل گیا۔ چارے کوئی وصیت بھی نہ کر سکے ان کے گھر میں ایک کھرام برہنہ تھا اور کسی کے حواس درست نہ تھے یہ واقعہ تین تین مہینے کا ہے۔ اس واقعہ کا سبب دوستوں پر خاص اثر پڑا اور پیر رنج ہوا خدا منقذت کرے عجب نیک مزاج آدمی تھا جب کوئی تازہ غزل کہتے تھے تو ہمیں غور سناتے تھے حال میں مرثیہ گوئی بھی شروع کی تھی دو چاد شعر یاد آگئے۔ اک سمر بن گئی ہے بے ثباتی شباب سب جوانی میں جوان ہیں چلان کوئی نہیں منظر کی خوشی پر زندگانی ہے مری وہ نہیں راضی تو مجھ پر مان کوئی نہیں

ہو کے مجبور محبت میں نہ دل کتنا ہے لے شہر چاہتے غیر دن کی مارا مجھے

یاس کا عالم ہے میں لیں دیر جی تیرن اشہا بستر ہے نہ باشہ نہ ہوا لے دوست

جب تک جافنائی کا صلا دینے لگے خود ہم اپنی زندگی کو وہ عادی لگے

دو تین مہینے کی بات ہے کہ احسن مرزا عرف سنے مرزا شہر زندہ تھے آج ہم ان کو مرحوم کے نام سے یاد کرتے ہیں زرا نقل سماعت تھا اور کچھ دماغ میں خلل واقع ہو گیا لیکن یہ جنون اس درجہ کا نہ تھا کہ کوئی ان کا سننے والا دفعہ اسے محسوس کر سکے نہایت مندرجہ شریف مزاج آغا منظر کے شاگرد تھے مذاق سلیم رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حیدر آباد بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا جب واپس آئے تو اپنے سب دوستوں سے ملے۔ میرے پاس بھی آئے کہنے لگے کھلو اکثر لوگوں نے وہاں دریافت کیا۔ میں نے کہا پھر آپ نے کیا جواب دیا کہنے لگے بھائی وہ لوگ اسی واسطے پوچھتے ہیں کہ انھیں معلوم ہو گیا ہے لکھنؤ والے ایک دوسرے کی مرمت کرتے ہیں مگر برہنہ کعبہ پہننے تھماری بہت تعریف کی اور جس جس شاعر کو پوچھا اسکی تعریف کی۔

فرقہ شعرا میں ایک خاص عادت ہے کہ ایک شاعر دوسرے شاعر کا حال نہیں پوچھتا نہ یہ پوچھتا ہے تم کہاں رہتے ہو تمھارے کے بچے ہیں تمھارے باپ کا نام کیا ہے کیونکر بسر ہوتی ہے۔ بلکہ پوچھتا ہے تو یہ پوچھتا ہے کچل کوئی تازہ غزل بھی ہو تو سنلو کلام کیا ہے طبیعت میں شوخی شعر میں مزہ ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے ہلکے بہنیں معلوم ہوا کہ ان کے کے رٹکے تھے

بی بی ہین یا نہیں۔
وزیر گنج کے مکان میں ان کو دکھا تھا اس سبب کہ کہہ سکتے
ہیں کہ وہ وزیر گنج میں رہتے تھے خوب صورت آدمی تھے زائد سے

عطر حاجہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے

آتے تھے اور اپنا کلام بھی سناتے تھے عادات کی صحت کا بہت خیال تھا آدمی خلیق کشیدہ قامت گورے تھے مزاج میں غرور شاعری نہ تھا زبان کھٹو کے سخت پابند تھے ان کے انتقال کو چند مہینے برس ہوئے اچھا تھا وہ شباب کے کچھ بچہ تھا اب ہر قدم پر خون نشیبے فراز ہے ہے زورہ زورہ پر تو مہر جمال یار دنیا میں ہے خلاء آئینہ ساز ہے لہ اے ہجوم منت از راتھر یہ وقت رخصت نفس طنگداز ہے

ہم ان مختصر سے دین پرشادی وغیرہ ہجوم یاس سے پاؤں کسین بننے میں

فلک میر سجاد میں نام لکھو محلہ سجان مگر کے رہنے والے میر کو عرش کے شاگرد۔ اوقات حسین آباد سے کچھ چھٹیاں ان کے نام تھیں اور اوقات خیرات خانہ سے کچھ چھٹیاں مقرر تھیں وہی خیرات معاش تھا اس کے علاوہ معلمی کرتے تھے اس میں بھی دس پارچہ دوپہ ماہور مل جاتا تھا۔ دوڑکیاں تھیں ڈکون کے ٹکے اس سب سے بہت عسرت میں بسر ہوتی تھی۔ غزل ابھی کہتے تھے مگر غیر کسی شاعر میں شریک نہ ہوئے۔

جو گو شید ٹوپی پسنتے تھے گلے میں صرف ایک انگڑا دکھانے پر ایک مارکین کا چادرہ گندمی رنگ دراز قد جاڑون میں بھی یہی لباس رہتا تھا۔

آخر میں ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر خیال کہنے لگے تھے اور یہی وسیلہ معاش ہو گیا تھا طرہ والوں کی طرف سے خیال کہنے ان کے کھنڈ بہت مشہور تھے اور ان میں شاعری ہوتی تھی فی کھنڈ میں ہے ملتے تھے کھنڈ میں کوئی مشہور قصہ یا کوئی تاریخی واقعہ نظم ہوتا تھا ایک کھنڈ میں آخری شاہ اودھ کے معزل ہونے کا واقعہ لکھا ہے اس میں اڑان کا مصرع ہے۔ کہ قائم سلطنت ہو پھر سلطان ملک

کیا مخالف ہیں ہوائیں عالم سباب کی با اثر نالے شہ فرقت۔ غادینے لگے صبا کے آتے ہی لی شاخ گلے لگا لگی بلا کشون کو نظر آگئی اداس بہار

مسکین لالہ گنج بہاری لال صفدر گنج کے رہنے والے ستر برس کی عمر میں کسی شادی کی تقریب سے لکھنؤ میں آئے مجھے ملے اور کہنے لگے خدا جانتا ہے اس سفر سے تمہاری زیارت مقصود تھی ورنہ شادیوں میں میری شرکت بہت کم ہوتی ہے۔

کلام تو میں رسالوں میں دیکھتا تھا اور تمہاری تعریف کی ہوئی کتاب میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ مگر ایک لطف گفتگو سے باہمی باقی تھا خدا نے آج وہ بھی پورا کر دیا۔

میں نے کہا میں بھی آپ کا کلام مرقع نگار میں اکثر دیکھا کرتا تھا مگر اس طرف البتہ کلام دیکھنے میں نہیں آیا کچھ تازہ کلام سنایا۔ فرمایا اچھا آپ کے ارشاد کی تعمیل دیتا ہوں کچھ کلام سنایا دوسرے دیکھ گئے سال بھر کے بد خبر آئی کہ نسکین کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر کو آج پارچہ برس ہو چکے ہیں۔

دہن ہے نقطہ موہوم اسکا کمر پاریک ہے تارہ نظرت

وعدہ وصل تو بیاختہ کرتے ہیں وقت آتا ہے تو شفی سے مکر تھیں

یہی ڈبلہ ہے کہدینا نالے عواقد زبان سے نام تراویح و شام لیتا ہوں

ناوریشنی ناور علی خان کا کوروی من مضامین لکھنؤ اپنی نچول نظمیں مشہور ہیں انگریزی نظموں کا ترجمہ فصیح اردو میں نظم کرتے تھے غزل کا رنگ اچھا تھا نیسے میں دو ایک مرتبہ ہمارے پاس ضرور

اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنڈ کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ ہے

رجزور شمس العلماء مولوی محمد یوسف جعفری چیف مولوی آفرین نے جن میں
جس وقت ہماری ملاقات کو آپ تشریف لائے تو مابینا ہو چکے تھے۔
ماخذ میں ایک ڈنڈا تھا اسکی چاندی کی شام پر آپ کا نام لکھا ہوا تھا۔
اس لیے بغیر کسی معارف کے ہم نے پہچان لیا میانہ ڈنڈے رنگ
کے آدمی تھے نہایت خلیق شاعری کا بہت شوق تھا حافظ بہت
قوی تھا۔ چنانچہ آپ نے دو چار غزلیں اپنی سائیں اور بہت غلوں
سے معاف کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ انگریز مبتدیوں کے لیے کوئی آسان
اُردو کی کتاب لکھیں، تو میں داخل نصاب کرادوں گا میں نے
کما میری غرض یہ نہیں ہے کہ اپنے مجوزہ خرافے سے دست بردار
ہو کر محض دنیاوی فائدے کے لیے اپنا وقت ضائع کروں گا۔

میں نے تو اعد زبان اُردو کا کام اپنے اوپر فرض کر لیا ہے
اس سے بچاؤ نہیں کرتا۔ مجھے اس کی خواہش ہے کہ کوئی یونیورسٹی
میری کتاب نصاب میں داخل کرے اس لیے کہ نصاب میں داخل
شدہ کتاب سال بھر کے بعد مردود ہو جاتی ہے اور پھر اسے کوئی
نہیں پوچھتا سیر کی کتابیں نصاب عام میں داخل ہیں جو بھی مشغ
نہیں ہوتیں اور کثیر تعداد میں ان کی اشاعت ہوتی ہے بہت خوش
ہوئے اور فرمایا کسی وقت فرصت ہو تو میرے قیام گاہ تشریف
لائیے مجھے بہت خوشی ہوگی میں حسب وعدہ سہ پہر کو گیا آپ نے
ایک ملازم سے کہا کہ ہمارے دیوان سے کوئی غزل سنائو۔ دو چار
غزلیں سنیں اس کے بعد کچھ تحقیق محاورات کا ذکر ہوا دو گھنٹے کے بعد
میں رخصت ہو کر چلا آیا اس کے بعد دوسرے سال تشریف لائے
اور میری ملاقات کو بھی آئے مگر میری عدم موجودگی کے سبب سے واپس
چلے گئے پھر ملاقات نہ ہوئی۔

تحفہ ناسات برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ پٹنہ سے مولوی عبدالغفور
صاحب کمال نے تحفہ فرمایا کہ مولوی رجزور کا انتقال ہو گیا۔

اس کھنڈ کی قیمت ان کو چکوسے اور کپڑے دیتے تھے اسکے
علاوہ اور بھی خدمت کرتے تھے۔ مزاج میں غصہ بھی بہت تھا جس
کسی سے زرا بھی تکلیف پہنچتی تھی اس کی ہجو ضرور لکھتے تھے ایک
ہجو کا شعر ہے۔

خدا و نلا تو غایت جلد کر فضلو صلاکے حلال اسے کیا ہر بھری ہماری خدائی کو
ایک ہجو کا مصرع ہے۔ مان تیری قوم کی لوگوں خالو چھنگا نائی ہے
کسی کھڑی کو میز بھر بڑھایا اس نے ایک جیسے کی تخواہ ماری
آپ نے اس کی ہجو بھی کئی شعر

ایک کھڑی کا لڑکا ہر اسپر خدا کی مار رہتا تھا بھی گنج میں دہ ہودی نابکا
اسی طرح ہزاروں قصیدے ہجو میں کھڑے

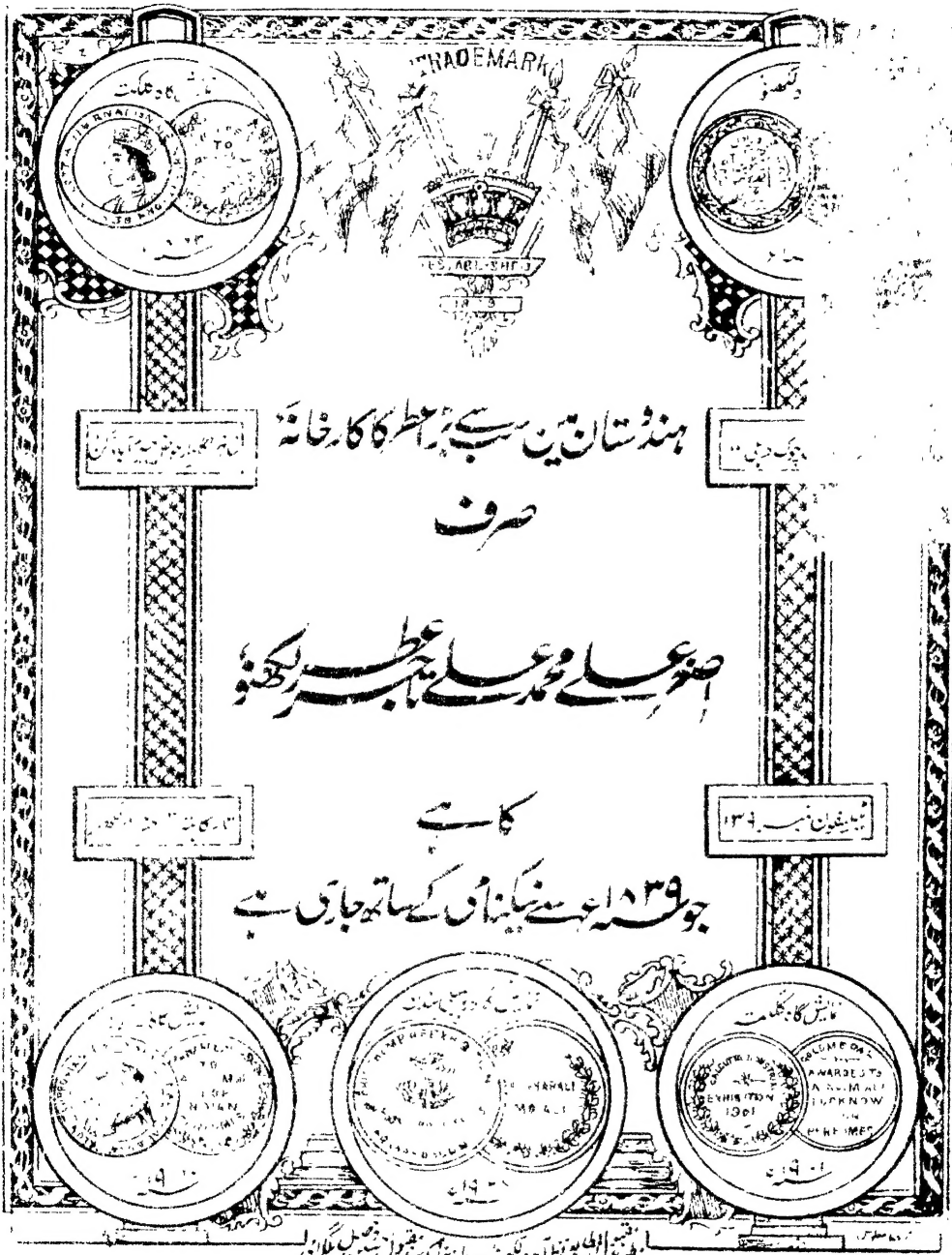
مشفی اور حسین سلیم سہوائی کی معرفت راجہ کشن کار و قار کے
دیوان کو اصلاح دی انھوں نے چند ہر وہیہ ماہوار مقرر کر دیا تھا
اسپر بھی چارے ہمیشہ مولی لباس اور سادی وضع میں مفلوک الحال اپنے
تھے تنگ حالی تنگ دستی ان کی انیس تھی شاعر فلک زدہ تھے مگر
اُسوقت کے شعرا میں جو بات قابل رشک ہے وہ یہ تھی کہ استاد کے
ہمیشہ غلام رہے اور زندگی بھر اعتراف شاگردی کرتے رہے
فرماتے ہیں شعر

تلخ و عرش سے چولے تلخ میں تعجب کیا کلام آسمانی نام ہے گریہ دیوان کا

آدمی ہوبانی ہو مگر استاد کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے تھے
جس سے ملتے تھے غلوں سے ملتے تھے زرا دیار شائستہ مگر نہایت خوش طبع
شیریں بیان شرمقی لکھتے تھے۔ چند رہ برس انتقال کو ہوئے
فوس برس کی عمر پائی۔ دو چار شعر یاد رکھئے ہیں۔

زندگی بھر جھکوسو دو اکو جانا کا کارہ قیس دیوانہ تھا شبنم سبایا کا را
جس نے تیرے رنگے روپے پر کالی لکھی بھر کھی خواہانہ تخت سلیمان کا را
جو بشر اشرف ہے اور علم پر قابو نہیں چول ہو خوش رنگ لیکن یو فلک خشنوین

تمام ماہر ان فن نے ہنر علی محمد علی تاجر عطر کھنوکھ کے عطر خا کو بہترین عطر مانا ہے



نشانِ محمدیہ

ہندوستان میں سب سے پہلے کا کارخانہ

پاکستان

صرف

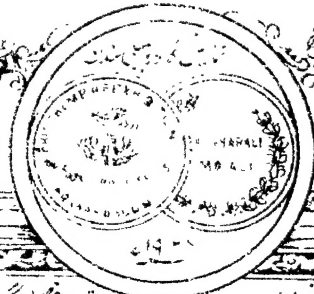
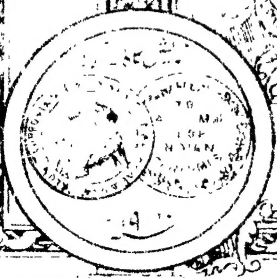
صنعتی و معیاری عجیب و غریب

کراچی

کاسے

پاکستان

جو ۱۹۳۹ء سے بنکینائی کے ساتھ جاری ہے



پیشہ ورانہ تنظیم - پاکستانیہ - پاکستانیہ تنظیمیں

